



تخریج شدہ ایڈیشن

مُسِنِ انسانیت کی سیرت پُمنفرد اسلوب کی خالی ایک جامع کتاب



سیاستِ سیدنا و آپ سیدنا

تألیف

علّامہ شبیل عمانی

علّامہ سید علی ندوی

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ سلامیہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب و سنت ذات کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔ ←

مجلس التحقیق الاسلامی (Upload) کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ

کی جاتی ہیں۔ ←

دعویٰ مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔ ←

☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔ ←

ان کتب کو تجارتی یا مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔ ←

«اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاؤشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں»

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔ ←

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

شیخ الحنفیہ ایڈیشنز
مکتبہ مفت

حصہ

سیاستِ نبی

اللہ علیہ السلام
صلی اللہ علیہ وسلم

محسن انسانیت کی سیرت پر منفرد اسلوب کی خالی ایک جامع کتاب

اس کے مقدمے میں مجرمے کی حقیقت، اس کے وقوع پر جدید و قدیم فاسفے، علم کلام اور قرآن مجید کے تناظر میں سیر حاصل بحث ہے، پھر دلائل و خصائص نبوت کا بیان ہے، اسی طرح قرآن و حدیث میں مذکور آیات و مجرمات اور اس سلسلے میں غیر معتر روایات مع تقید درج ہیں۔ سابقہ آسمانی کتب میں نبی کریم ﷺ کی آمد کی بشارات بھی اس جلد کا خاص حصہ ہیں۔



تألیف

علامہ شبیل نعماں

علامہ سعید العین ندوی

مکتبہ علمیہ

جمل حقوق کوئی ناشر محفوظ ہیں



کتاب تالیف علامہ شبیل نعماں، علامہ سید عبیذ زوی

ناشر محرر و مرجم

اشاعت اکتوبر 2012ء

قیمت -----

ملنے کا بتا

مکتبہ السلامیہ

بال مقابل رہان مارکیٹ خلیل شریعت ادویہ بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37232369 فکر: 042-37244973

بسم اللہ الرحمن الرحيم بال مقابل شیل پروپ پک توپی روڈ، فصل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204, 2034256

E-mail: maktabaislamiapk@gmail.com

فہرست مضمایں سیرۃ النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ نَسْلِہمْ حصہ سوم

صفنمبر	مضایں	صفنمبر	مضایں
40	مجزات	13	دیباچہ طبع سوم
48	اسباب خفیہ کی توجیہ بے کار ہے	14	دیباچہ (طبع اول)
48	حکماء اسلام کی غلطی کا سبب	16	دلائل و مجزات
49	اشاعرہ اور مفترہ میں نتیجہ کا اختلاف نہیں	16	روحانی نوائیں کا وجود
	خرق عادت سے انکار کا اصلی سبب سلسلہ	16	نبوت کے فطری و روحانی آثار
49	اسباب دلل پر یقین ہے		نبوت کے روحانی نوائیں انسانی قوانین پر
50	سلسلہ اسباب دلل پر علم انسانی کو احتوا نہیں	17	حکمران ہیں
51	حقیقی علت خدا کی قدرت اور ارادہ ہے		نبوت کے روحانی نوائیں کے اسباب دلل
52	مولانا روم اور اسباب دلل اور مجرہ کی حقیقت		سے ہم اسی طرح لعلم ہیں جس طرح جسمانی
54	علت، خاصیت اور اس کی حقیقت	17	قوانین کے
55	اسباب دلل بعض عادی ہیں	18	انہیا کا اصلی مجرہ خود ان کا سرتاپا و وجود ہے
56	اسباب عادی یا کا علم صرف تحریب سے ہوتا ہے	18	انہیا کے کامل پیرہان سے مجرہ نہیں مانگتے تھے
56	اسباب دلل کا علم بدلتا رہتا ہے	18	معاذ دین مجردوں کے بعد بھی ایمان نہیں لائے
57	اسباب دلل کا علم تحریب سے ہوتا ہے	18	مجزدوں سے کن کو فائدہ پہنچتا ہے
59	علامہ ابن تیمیہ کا بیان کہ اسباب دلل تحریبی ہیں	19	ان واقعات کا اصطلاحی نام
	تحریبیات کی بنا شہادت اور روایت اور تاریخ پر	19	دلائل و برہان و آیات کا تعلق انہیا کی سیرتوں سے
62	ہے	20	دلائل و آیات کا تعلق سیرت محمدی سے
62	فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں	21	دلائل و مجزات اور عقلیت
63	تاریخی شہادتوں کے شرائط استناد	23	دلائل و مجزات اور فلسفہ قدیمه و علم کلام
64	مسلمانوں کا علم روایت	25	اطلاع غیب
	نادیدہ واقعات پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف	25	روایت ملائکہ
65	روایات کی شہادت ہے	26	خوارقی عادت
65	خبر احاد پر بھی عملاً یقین ہوتا ہے	27	وحي مشاہدہ

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
100	ہیوم کا تعصب		واقعات پر یقین کے لیے اصلی بنیاد امکان اور
101	کافی شہادت		عدم امکان کی بحث نہیں بلکہ روایت کے ثبوت
103	ہیوم کا صریح تناقض	66	اور عدم ثبوت کی ہے
104	اپنہائی استبعاد		جس درجہ کا واقعہ ہوا کی درجہ کی شہادت ہوئی
104	استبعاد مجرا	66	چاہیے
104	فطرت کی یکسانی	66	مجرا
106	ایجاداتِ سائنس	67	مجرا
106	تو نیم	67	خلاصہ مباحث
107	مجرا	68	یقین مجرا کے اصول نفسی
108	عام تجربات	68	امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور یقین اور اذعان کی صورتیں
109	رویائے صادق	70	مجراہ اور سحر کا فرق
110	حقیقی اسرار نبوت	74	مجراہ دلیل نبوت ہو سکتا ہے یا نہیں
110	حقیقی آیات نبوت کی عام مثالیں	77	امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر
114	مقدماتِ مثلثہ	78	امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر
114	اصلی بحث یقین کی ہے	79	مولانا روم کے حقائق
115	یقین مجرا	83	صحابہ رضی اللہ عنہم کو کیوں کر رہا تھا کہ یقین آیا
115	یقین کی اہمیت	87	دلال و مجرا اور عقلیات جدیدہ
116	نظریات حکمت کا یقین	87	مفہوم نبوت
116	یکسانی جذبہ	88	مفہوم مجراہ
117	نظریات فلسفہ کا یقین	88	ترتیب مباحث
118	شہادات کا یقین	89	امکان مجرا
120	نفیات یقین	89	ہیوم کا استدلال
121	خواہش یقین	92	تو انہیں فطرت کی حقیقت
121	موافع و موئیمات یقین	99	شہادت مجرا
123	نفیات یقین کی شہادت واقعات پرست سے	99	امکان، وقوع کے لیے کافی نہیں
125	غایت مجرا	100	ہیوم کا فتویٰ

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
167	مجزہ کے انکار یا تاثیر کے اسباب	125	مجزہ منطقی دلیل نہیں
171	عقیدہ مجراۃ کی اصلاح	126	مجزہ کی اصلی غایت
175	مسئلہ اسباب دلیل میں افراط و تفریط	127	پہلی صورت
177	قرآن مجید اسباب و مصالح کا قائل ہے	129	بعض وسوسوں کا جواب
182	لیکن علیٰ حقیقی قدرت و مشیت ہے	130	ایک اور اعتراض
184	قرآن میں سنت اللہ کا مفہوم	131	دوسری صورت
185	قرآن میں فطرۃ اللہ کا مفہوم	131	اس صورت کے مختلف احتمالات
186	مجزہ کا سبب صرف ارادۃ الہی ہے	134	یقین مجزہ کی شرائط
187	مجزہ کی باقتاب رخوت عادت کے چار قسمیں	139	لب لباب
188	اہل ایمان پر اثر کے لحاظ سے مجراۃ کی دو قسمیں کفار کے لیے تائج کے لحاظ سے مجراۃ کی دو قسمیں	140	آیات دلائل اور قرآن مجید
190		140	انجیا اور آیات دلائل
193	آنحضرت ملائیکہ اور مجزہ ہدایت	141	قرآن مجید اور اصطلاح آیات دلائل
194	شی قرآن خری نشان ہدایت تھا	143	لفظ آیت و مجزہ کی حقیقت
195	آنحضرت ملائیکہ اور مجزہ ہدایت	147	آیات اللہ
200	غزوہ و بد مر جزہ ہدایت تھا	147	آیات دلائل کی دو قسمیں، ظاہری اور باطنی
204	محارہ و مر جزہ کا فرق اور ساحر اور پیغمبر میں ایک ایسا ممتاز	151	نبوت کی باطنی نشانیاں، واقعات کی روشنی میں
	مجراۃ اور نشانات سے کون لوگوں کو ہدایت ملتی ہے	154	قرآن مجید اور نبوت کی باطنی علامات
206		154	ظاہری آیات اور نشانیاں
209	صداقت کی نشانی صرف ہدایت ہے	155	ظاہری نشانات صرف معاندین طلب کرتے ہیں
210	آیات دلائل نبوی کی تفصیل	156	کفار کا یہ مجزہ طلب کرنے والی مجراۃ کی دلیل نہیں
211	خاص انص النبوا	159	معاندین کو مجزہ سے بھی تسلی نہیں ہوتی
213	مکالمہ الہی		معاندین کو مجزہ سے بھی ایمان کی دولت نہیں ملتی
214	و حی	163	با ایسی ہمہ انبیاء معاندین کو مجراۃ دکھاتے ہیں اور وہ اعتراض کرتے ہیں
222	نزول ملائکہ		اس لیے بالآخر معاندین کی طلب مجزہ سے تغافل برنا جاتا ہے
223	نزول جبریل غایلہ	166	

صفہ نمبر	مضامین	صفہ نمبر	مضامین
294	معراج کے احکام و صایا	229	فرشتوں میکائیں کا نزول
297	نجرت اور عذاب	230	عام ملائکہ کا نزول
299	نماز بخگانہ کی فرضیت	235	عالم رویا
300	نجرت کی دعا	242	رویا کے تمثیل
	نبوت، قرآن، قیامت، معراج اور مجررات پر	249	مشابہات و مسموعات
300	اعتراض	249	عالم بیداری
	حضرت موسیؑ کے اعلانات اور حالات سے	254	اسراء یا معراج
303	استشهاد	254	انجیا اور سیر مکوٹ
306	معراج کا پراسار منظر	255	معراج نبوی
308	شق صدر یا شرح صدر	255	معراج نبوی کا وقت و تاریخ اور تعداد و قوی
309	شق صدر کی ضعیف روایتیں	259	معراج کی صحیح روایتیں
314	حمد ابن سلمہ کی روایت میں ان کا وقت	260	معراج کا واقعہ
315	دوفند شق صدر ہو تو اس کی تاویل	267	کفار کی تکذیب
316	شق صدر کی صحیح کیفیت	268	کیا آپ ﷺ نے معراج میں خدا کو دیکھا؟
316	شق صدر کی حقیقت	272	معراج جسمانی تھی یا روحانی، خواب تھا یا بیداری
319	شرح صدر کے لیے مناسب موقع اور مصلحت	277	معراج کے بحالت بیداری ہونے پر صحیح استدلال
320	آیات و دلائل نبوی قرآن مجید میں		مدعاں رویا کا مقصود بھی رویا سے عام خواب نہیں
	قرآن مجید میں آپ ﷺ کے تمام مجررات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں ہے	278	رویا سے صادقہ کی تاویل
320	قرآن مجید سے آپ ﷺ کے صاحب مجرمہ ہونے کی دلیل	278	رویا سے مقصود روحانی ہے
321	قرآن مجید میں آپ ﷺ کے دلائل و مجررات	289	قرآن مجید اور معراج (معراج کے اسرار، اعلانات احکام بشارتیں اور انعامات)
323	مذکور ہیں	289	آنحضرت ﷺ کا نبی القبطین ہوتا ہے
324	مجزہ قرآن	289	بنی اسرائیل کی مدت تولیت کا اختتام
328	فضاحت و بлагت	291	کفار مکہ کے نام آخری اعلان
328	یکسانی اور عدم اختلاف	292	

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
371	آپ ﷺ کا کلکری پھیلنکا	328	وقت تاثیر
372	غزہ بدر میں دو میں سے ایک کا وعدہ	329	تعلیم وہدایت
372	غزہ احزاب کی خبر	330	قرآن کا جواب لانے کی قدرت نہیں
372	غزہ احزاب میں آندھی	330	ایک ای کی زبان سے ادا ہوتا
373	غزہ، حسین میں نصرت	331	حفظ و بقا کا وعدہ
374	غیب پر اطلاع	331	وقت دلائل
374	بنو قیسم کی سازش کی اطلاع	337	امیت
374	مہاجرین جس کو بشارت	345	ذات نبوی ﷺ کی حفاظت
375	بجرت کے بعد قریش کو مہلت نہ ملے گی	348	لیلۃ الحج
376	مدینہ میں بڑے بڑے مصائب کا سامنا ہو گا	356	شق قمر
376	دینی اور دنیاوی شہنشاہی کا وعدہ	361	غلبہ روم کی پیشین گوئی
377	قائل عرب کی شکست ہو گی	365	دیگر آیات دلائل نبوی قرآن مجید میں
378	قریش کی شکست اور برپادی کے وعدے	365	طیر آبائیل کی نشانی
378	فتح کمکی پیشین گویاں	365	شہاب ثابت کی کثرت
379	خیر اور حسین کی فتح کی پیشین گویاں	366	شرح صدر
380	یہود کو اعلان	366	مکہ سے بیت المقدس تک ایک شب میں سفر
381	یہودی کی رائگی ناکامی	366	قریش پر قحط سالی کا عذاب
382	روم کی قوت ثبوت جائے گی	366	موقع بجرت کی مجرزانہ نشانیاں
382	خلفاء راشدین کے زمانے کی بوائیاں	367	خواب میں کفار کا کم دیکھنا
383	وفات نبوی ﷺ کی پیشین گوئی	368	مسلمانوں کا کافروں کی نظر میں اور کافروں کا
384	آیات دلائل نبویہ، روایات صحیحہ	369	مسلمانوں کی نظر میں کم کر کے دکھانا
385	علمات نبوت قبل بعثت	369	پھر کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کا دونا
385	حضرت آمنہ کا خواب	369	نظر آنا
386	ولادت نبوی کی پیشین گویاں یہود و نصاری میں	370	فرشتوں کی آمد
386	بت خانوں میں غیبی آوازیں	370	میدان جنگ میں پانی ہر سانا
386	شق صدر	371	ٹراپیوں میں نیند کا طاری ہونا

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
398	ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہو جانا	387	مبارک قدم ہونا
398	تموار کے خم کا اچھا ہونا	387	بے ستری میں آپ ﷺ کا غسل کھا کر گرنا
399	اندھے کا اچھا ہونا	388	نیند طاری ہونا
399	بلکا دور ہونا	388	صدائے غیب
400	گولے کا بولنا	389	پھر وہ سلام کی آواز
400	مرض نیسان کا دور ہو جانا	389	خواب میں فرشتوں کی آمد
400	بیمار کا تدرست ہونا	390	اشیاء میں اثر
401	ایک جلے ہوئے پچ کا اچھا ہو جانا	390	ستون کار دنا
401	جنون کا دور ہونا	391	منبر کا بلنے لگنا
402	استجابت دعا	391	چنان کا پارہ پارہ ہو جانا
403	قریش پر عذاب آنا اور اس کا دور ہونا	391	درختوں اور پھرزاوں سے سلام کی آواز
403	روسانے قریش کے حق میں بد دعا	391	پھرزا کا بلنا
403	حضرت عمر بن الخطاب کا اسلام	392	آپ کے اشارے سے بتوں کا گرجانا
406	سراقہ کے گھوڑے کا پاؤں دھنس جانا	393	کھانوں سے تسبیح کی آواز
406	مدینہ کی آب و ہوا کے لیے دعا	393	زین میں کا ایک مرید کو قول نہ کرنا
407	قطک کا دور ہونا اور پانی کا برستا	393	درختوں کا چلننا
408	حضرت انس بن مالک کے حق میں دعائے برکت	394	خوشخبر مکا چلننا
408	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں دعائے علم	394	درخت کا چلننا اور اس سے آواز آنا
408	حضرت ام حرام بن عینا کے حق میں دعائے شہادت	394	بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا
409	ایک نوجوان کی بہادت کے لیے دعا	396	ست گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا
409	حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہما کی شفایا بی کے	396	اندھیرے میں روشنی ہونا
409	لیے دعا	396	جانور کا سجدہ کرنا
410	حضرت سعد بن ابی و قاسی رضی اللہ عنہما کے مستجاب	397	جانور کا آپ ﷺ کے مرتبہ کو پہنچانا
410	الدعوات ہونے کی دعا	397	حافظہ ہڑھ جانا
410	حضرت عروہ رضی اللہ عنہما کے حق میں دعائے برکت	398	شفائے امراض
	حضرت ابو امامہ بالی رضی اللہ عنہما کے حق میں دعائے	398	حضرت علی رضی اللہ عنہما کی آنکھوں کا اچھا ہو جانا

صفہ نمبر	مضامین	صفہ نمبر	مضامین
418	قلیل تعداد میں کثیر برکت	410	سلامتی
419	ایک پیالہ میں حیرت انگیز برکت	410	حضرت ابو طلحہؓ کے حق میں برکت اولاد کی دعا
419	دودھ کے پیالہ میں برکت		حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کے حق میں دعا ہے ہدایت
420	مکری کے دست میں برکت	411	
420	مکری کے ٹھوں میں برکت	411	اوٹ کا تیز رفتار ہو جانا
421	ایک وسیع جوکی برکت	412	بیمار کا اچھا ہونا
421	تو شہزاد بھیش بھرا رہتا	412	سواری کی قوت آ جانا
422	تھوڑی کھجوروں میں برکت	412	ایک مغرب رکاباتھ شل ہو جانا
423	پانی جاری ہونا	412	قبیلہ دوس کا مسلمان ہونا
423	مشکنیزہ سے پانی ابلنا	413	رفع بے پردگی کے لیے دعا
423	انگلوں سے پانی جاری ہونا	413	سلطنت کسری کی تباہی
424	پانی کا بڑھ جانا	413	دعائے برکت کا اثر
424	انگلوں کی برکت	413	مول عمر کی دعا
424	انگلوں سے پانی کا چشمہ بہنا	414	ایک بچ کی ہدایت کے لیے دعا
424	کل سے پانی بڑھ جانا	415	اشیاء میں اضافہ
425	ہاتھ منہ دھونے کی برکت		تھوڑے سے کھانے میں ستر اسی آدمیوں کا
425	انگلوں کی برکت	415	سیر ہو جانا
425	انگلوں سے پانی کا جوش مارنا	415	چھوپہارے کے ذہیر کا بڑھ جانا
425	تھوڑے سے پانی میں کثیر برکت	416	کھانے میں حیرت انگیز برکت
426	انگلوں سے پانی ابلنا	416	گھی کی مقدار میں برکت
426	ایک اور واقعہ	417	جو کی مقدار میں برکت
427	اطلاع غیب	417	کھانے میں حیرت انگیز اضافہ
435	اہل کتاب کے سوالات کا جواب دینا	417	تھوڑی سی زادراہ میں غیر معمولی برکت
439	خبر غیب یا پیشین گوئی	418	تھوڑی سی زادراہ میں ظیم برکت
439	نوחות عظیمہ کی اطلاع	418	آدھ سیر آٹا اور ایک مکری میں برکت
440	قیصر و کسری کی بربادی کی خبر	418	تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
	مسلمانوں کو دولت کی کثرت اور فتوں کے ظہور سے آگاہ کرنا	441	ساز و سامان کی بشارت اسکن دامان کی بشارت
449	حضرت عمر بن الخطاب کی وفات کے بعد فتوں کا ظہور ہوگا	441	اب عفوان کے قتل کی خبر
450	فتح مشرق کی جانب سے امیس گے	442	نام نام مقولین بد رکی خبر
451	حضرت عثمان بن عفی کی وفات کے بعد فتوں کا ظہور ہوگا	442	فاتح نجیر کی تعین
451	حضرت عثمان بن عفی کو فتنہ کی اطلاع	443	حضرت فاطمہ زہرا بنت ابی طالب کی وفات کی اطلاع
452	حضرت عمر اور حضرت عثمان بن عفی شہید ہوں گے	443	خود اپنی وفات کی اطلاع
452	حضرت علی مرتضیٰ بن عفی کی مشکلات اور شہادت	444	فتح یمن کی خبر
452	جنگ جمل کی خبر	444	فتح شام کی خبر
453	حضرت علی اور معاذ یہودی شہید ہوں گے	444	فتح عراق کی خبر
453	حضرت عمار بن عفی شہید ہوں گے	444	خوزستان اور کرمان کی فتوحات اور ترکوں سے جنگ
453	امام حسن بن عیاش کی مصالحت	444	فتح مصر کی بشارت اور ایک واقعہ کا حوالہ
453	نوئیز خکراناں قریش کے ہاتھوں اسلام کی تباہی	445	غزوہ ہند کی خبر
454	بیزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر	445	بحروم کی لڑائیں
454	امام حسین بن عیاش کی شہادت	445	بیت المقدس کی فتح
454	خوارج کی اطلاع	446	فتح قسطنطینیہ کی بشارت
455	محترم اور جمیع کی اطلاع	446	فتح روم کا اشارہ
455	جاز میں ایک آگ	446	فاتح عجم کا اشارہ
456	ایک صدی یا ایک دور کے بعد انقلاب	447	مردم دین کی اطلاع
456	چاروں دوروں کے بعد پورا انقلاب	447	حضرت نہب بن عیاش کی وفات کی اطلاع
457	مدعاوں کا ذبب	447	ام و رقہ کو شہادت کی خوش خبری
457	مسکرین حدیث	448	خلفا کی بشارت
457	تجارت کی کثرت اور اس میں عورتوں کی شرکت	448	بارہ خلفا
458	اہل یورپ کی کثرت	448	خلافت راشدہ کی مدت
458	سود کی کثرت	449	شیخین کی خلافت کی پیشین گوئی
458	یہود یوں سے جنگ	449	

صفیہ نمبر	مضامین	صفیہ نمبر	مضامین
530	خاصُصِ ذاتی	459	چجاز کا انقطاع، مصر شام اور عراق سے
530	نبوت اور لوازم نبوت	460	آل یورپ سے شام میں جنگ
530	امور متعلقہ نکاح		مسلمانوں کے خلاف تمام دنیا کی قومیں انھی
532	نماز شبانہ	460	کھڑی ہوں گی
533	نماز چاشت اور قربانی		مججزات نبوی ﷺ کے متعلق غیر مستند
533	عصر کے بعد نماز دو گانہ	461	روایات
533	صوم و صالح	461	کتب دلائل اور ان کے صصنفین کا درجہ
533	صدقہ و زکوٰۃ کے کھانے کی حرمت		مججزات کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں
535	خاصُصِ نبوی	466	کے پیدا ہونے کے اسباب
535	رعب و نصرت	467	آپ کی برتری اور جماعتیت کا تخلیل
537	مسجد و گاہ عام		غیبی آوازوں اور پیشین گوئیوں سے نبوت کی
538	پیر ڈول کی شرکت	468	قصدِ ایقان کا شوق
539	دعوت عام	469	شاعرانہ تخلیل کو افادہ کر جعلیہ
539	جومع الکلم		آنیندہ کے واقعات کو اشارات میں ولادت
541	تمکیل دین	469	کے موقع پر بیان کرنا
541	دوائی مجذہ	469	مججزات کی تعداد بڑھانے کا شوق
542	ختم نبوت	471	الفاظ کی تقلیل میں بے اعتیابی
548	شفاعت اولین	471	مشہور عام دلائل و مججزات کی روایتی حیثیت
552	فضائل اخروی	496	بشارات
		528	خاصُصِ محمدی ﷺ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دیباچہ طبع سوم

سیرت النبی ﷺ کی یہ تیسری جلد جو آنحضرت ﷺ کے منصب نبوت، حقیقت نبوت اور فضائل و معجزات پر مشتمل ہے، تیسری دفعہ چھپ کر اب منظر عام پر آ رہی ہے، اس اثنامیں بعض مباحث پر جدید تحقیقیں سامنے آئیں، اس لیے پوری کتاب پر نظر ٹانی کی گئی، روایتوں اور حوالوں کو اصل مأخذوں سے دوبارہ ملایا گیا، اگر اختلاف نظر آیا تو صحیح کی گئی، کوئی پہلے سے زیادہ مستند حوالہ ملا تو اس کا اضافہ کیا گیا، کوئی عبارت اگر مشتبہ تھی تو اس کے شہر کو دور کیا گیا، خصوصیت کے ساتھ معراج کے جسمانی و روحانی، یا حالت بیداری یا خواب کے ہونے کے مسئلہ کو صاف کیا گیا۔

مجزات کی روایتوں کی اصل سے پھر تطبیق کی گئی اور کہیں کہیں حواشی کے اضافہ سے بعض نئے فوائد بڑھائے گئے، کہیں کہیں عبارت کے اغلاق کو بھی دور کیا گیا ہے۔

ایک ظلوم و جھوول انسان کی طاقت میں تحقیق کی جو حد تھی، اس نے اپنی وسعت کے مطابق وہ پوری صرف کی ہے، اس پر بھی عصمت کا دعویٰ نہیں، اہل نظر سے انتہا ہے کہ اگر اب بھی کوئی قابل اصلاح چیز نظر آئے تو مؤلف کو مطلع کر کے جزاے خیر کے متحق ہوں۔

حسن خاتمة کا طالب

سید سعید علام ندوی

۱۴۳۱ھ - ۲۱ اگست ۱۹۲۲ء

دارالقناۃ بھوپال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى اله واصحابه اجمعين.

خدا کا شکر ہے کہ اس نے چند در چند مزاجتوں کے باوجود سیرت پاک کی تیسری جلد کی تکمیل و انجام کا سامان بھی پہنچایا اور ایک گناہگار کو توفیق خخشی کہ ان اوراق کو ترتیب دے کر اپنے سیاہ اعمال نامہ کے دھونے کے لیے آب رحمت کے چند قطرے فراہم کر سکے، دوسری جلد ۱۳۳۲ھ (۱۹۲۴ء) میں چھپ کر نکلی تھی، چار برس کے بعد ۱۹۰۰ء صفحوں کا محمود مشتاق نگاہوں کے سامنے ہے، اس مجموعہ کی تالیف و ترتیب، واقعات کی تفہیش و تلاش اور مسائل و نظریات کی بحث و تحقیق میں جو محنت و کوشش اور دیدہ ریزی کی گئی ہے، اس کا بڑا اصلہ یہی ہے کہ صواب کا سرنشیتہ ہاتھ سے نہ چھوٹا ہو اور حقیقت کی منزل سے بعد نہ ہوا ہو، (والعصمة لله وحده) ان اوراق کی تالیف میں ہم اپنے ان محسنوں کے شکرگزار ہیں جنہوں نے ان کی تکمیل میں ہمارا ہاتھ بٹایا، مشکلات اور غواصیں میں مخدومانا مولانا حمید الدین صاحب کے مشوروں نے فائدہ پہنچایا ہے، رفق کار مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے مجذرات کے جزوی واقعوں کے فراہم کرنے میں مدد کی ہے، ہماری جماعت میں یہ لکھ علام کی جماعت میں پروفیسر مولانا عبد الباری ندوی (معلم فلسفہ جدیدہ، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کن) سے بڑھ کر فلسفہ جدیدہ کا کوئی ماہر نہیں، مجذرات کی بحث میں ضرورت تھی کہ اس باب میں فلسفہ جدیدہ کی جمومو شگا فیاں اور نکتہ آفرینیاں ہیں، ان سے بھی تعریض کیا جائے، چنانچہ میری درخواست پر موصوف نے ”مجذرات اور فلسفہ جدیدہ“ کا باب لکھ کر عنایت کیا ہے، جو اس کتاب کے ص ۷۶ سے شروع ہو کر ص ۱۳۰ پر تمام ہوا ہے۔

کہیں کہیں آپ کو احادیث کی بعض غیر مطبوعہ کتابوں مثلاً: نیہقی، ابو یعلی، ابن راہویہ، ابن الی شیبہ بزار وغیرہ کے حوالے دوسری مطبوعہ کتب احادیث کے حوالوں کے ساتھ تائید الیں گے، ہم نے ان کے حوالوں میں دوسرے مفسرین، شارحین حدیث اور مصنفوں سیرت مثلاً: ابن کثیر، ابن حجر، ابن قیم، سیوطی وغیرہ پر بھروسہ کیا ہے، مجذرات کے جزوی واقعات میں ایک دو مقام پر قوی روایتوں کے ساتھ اگر ضعیف روایتوں کو جگہ دی گئی ہے تو ان سے مقصود صرف یہ ہے کہ قوی روایتوں سے جس نوع کے مجذرات ثابت ہیں، اس نوع کے مجذرات کی دوسری تائیدیں بھی گواں رتبہ کی نہیں، مگر موجود ہیں۔ کتاب میں کہیں کہیں غلطیاں رہ گئی ہیں، جن کی آخر میں غلط نامہ ۲ کے اضافے تلافی کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ کتاب کی چھوٹی تفعیل کے پچھلے لیٹریشن کے لحاظ سے یہ کھا گیا ہے۔ اب جدید طباعت میں یا اغلاط دو کردی گئی ہیں۔

اس راہ کی ایک منزل آج اور تمام ہوئی، لیکن قلم کے مسافر کو آرام نہیں کہ اب چوتھی منزل اس کے سامنے ہے، احباب دعا کریں کہ یہ جلد چہارم ان کی خدمت میں جلد پیش ہو سکے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۷ اربيع الثانی ۱۴۲۳ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دلائل و مجازات

﴿وَلَقَدْ جَاءَنَا مُرْسُلٌ مِّنْ أَنفُسِ الْأَنْفُسِ﴾ (۵ / المائدۃ: ۳۲)

”اوہمارے تغیری لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے۔“

روحانی نوامیں کا وجود

سیرت نبوی کا یہ حصہ آخر حضرت ﷺ کے ان حالات، مشاہدات اور کیفیات کے بیان میں ہے جن کا تعلق اس عالم سے ہے جو ہمارے اس مادی عالم اور اس کے مادی قوانین کی حدود سے باہر ہے، جس طرح ہماری یہ مادی دنیا ایک نظام خاص پر چل رہی ہے، مثلاً: رات کے بعد دن نمودار ہوتا ہے، خزان کے بعد بہار آتی ہے، ستارے غروب ہوتے ہیں تو آفتاب نکلتا ہے، گرمی جاتی ہے تو جاڑے آتے ہیں، پھول اپنے وقت پر کھلتے ہیں، درخت اپنے موسم میں پھلتے ہیں، ستارے اپنے معین اوقات پر ڈو جئے اور نکلتے ہیں، اسی طرح روحانی عالم بھی اپنا ایک خاص نظام رکھتا ہے، اس کا بھی ایک آسمان و زمین ہے، وہاں بھی تاریکی اور روشنی ہے، خزان اور بہار ہے، فصل و موسم ہے۔

آسمانہ است در ولایت جان
کار فرمانے آسمان جہاں
نبوت کے فطری و روحانی آثار

جب روئے زمین پر گئنا ہوں کی تاریکی اور بدیوں کی ظلمت محیط ہو جاتی ہے تو صحیح کا تذکرہ ہوتا ہے اور آفتاب بدایت نمودار ہوتا ہے، باغی عالم میں جب برائیوں کی خزان چھا جاتی ہے، تو موسم بدلتا ہے اور بہار نبوت ﴿ وَنَٰئِنْ اَفْرَاہُوْتٰ ہے اور جس طرح زمین، آسمان، چاند، سورج، پھل اور پھول کے خاص خاص قوانین فطرت ہیں، جن میں عموماً تغیریں ہوتا، اسی طرح دنیا کی رشد و بدایت، عذاب و رحمت اور نبوت و رسالت کے خاص خاص اصول و قواعد ہیں، جن میں تغیر را نہیں پاتا، انبیا اور رسول اپنے اپنے وقت پر معموٹ ہو کر قوموں کو دعوت دیتے ہیں، قومیں ان کی قدم دیتی یا تکندی یہ کرتی ہیں، مسکریں ہلاک اور موتیں کامیاب ہوتے ہیں اس روحانی جہاد میں انبیا اور رسول سے ہمارے علم و دانش سے ہا۔ ” صادر ہوتے ہیں اور ان سے عجیب عجیب خوارق ظہور

﴿ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ مُلِّيٌّ بِالْقِيمَاتِ كے وجود باوجود سے پہلے انبیا کا سلسلہ جاری رہا، حضور کی آمد کے بعد جانشینیاں نبوت محمدی یعنی مجددین امت اس فرض کو نجام دیتے ہیں، یہ مجددین مطلب رسول ﷺ کے تبع کامل ہوتے ہیں اور منصب نبوت سے عاری ہوتے ہیں، اسی لیے ان کے اکار سے کفر لازم نہیں آتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں مختلف ملکوں میں یا ایک ہی ملک کے مختلف حصوں میں یا جماعتوں میں مختلف مجددین ملے، ان کی بیجان کا سب سے بڑا معیار عقائد و اعمال، اخلاق اور طریق دعوت میں رسول اکرم ﷺ کا انتفاع کامل ہے، ان کا کام یہ ہے کہ وقت کے ادباً و رسوم و اعمال کو جو باہر سے آ کر دین میں شامل ہو گئے ہیں، دو دکریں اور اس دور دین میں جو امور مرتکب ہوں، ان کو دوبارہ جاری کریں۔

پذیر ہوتے ہیں۔

نبوت کے روحانی نوامیں انسانی قوانین پر حکمران ہیں

جس طرح ہمارا نفس اور ہماری روح یا ہمارے جسم کی پراسرار مخفی قوت ہمارے کالبد خاکی پر حکمران ہے اور ہمارے تمام اعضاء و جوارح اس کے ایک ایک اشارہ پر حرکت کرتے ہیں، اسی طرح نبوت کی روح اعظم اذنِ الہی سے سارے علم جسمانی پر حکمراں ہو جاتی ہے اور روحانی دنیا کے سفن و اصول عالم جسمانی کے قوانین پر غالب آ جاتے ہیں اس لیے وہ چشم زدن میں فرش زمین سے عرش بریں تک عروج کر جاتی ہے، سمندر اس کی ضرب سے ٹھم جاتا ہے، چاند اس کے اشارہ سے دوکڑے ہو جاتا ہے، اس کے ہاتھوں کی دی ہوئی چند ذشک روٹیاں ایک عالم کو سیر کر دیتی ہیں، اس کی انگلیوں سے پانی کی نہریں بھتی ہیں، اس کے فس پاک سے بیمار تند رست ہو جاتے ہیں اور مردے جی اٹھتے ہیں، وہ تھماٹھی بھر خاک سے پوری فوج کوتہ والا کر دیتا ہے، کوہ و صحراء، بحر و برب، جاندار و بے جان بحکمِ الہی اس کے آگے سرگوں ہو جاتے ہیں، وہ اس کا نبیں بلکہ اس کے رب کا فعل ہوتا ہے اور اسی کی مشیت اور قدرت سے پیغمبر کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے ظاہر کیے جاتے ہیں۔

نبوت کے روحانی نوامیں کے اسباب و عمل سے ہم اسی طرح لاعلم ہیں جس طرح جسمانی قوانین کے

لیکن جس طرح ہم کبھی نہیں بtasکتے کہ خاص خاص بھول، خاص خاص درخت، خاص خاص ستارے، فلاں فلاں معین اوقات پر ہی کیوں جلوہ نما ہوتے ہیں؟ پھول سرخ کیوں ہوتے ہیں؟ ستارے چمکتے کیوں ہیں؟ شبد میٹھا کیوں ہوتا ہے؟ چاند اور سورج چلتے کیوں ہیں؟ چشم، درخت، غذہ، خون، گوشت کیونکر جاتا ہے؟ اسی طرح اس کا جواب بھی نہیں دے سکتے کہ پیغمبروں کا ظہور اپنے اپنے وقت پر کیونکر ہوتا ہے اور ان سے یہ ما فوق العادۃ افعال و اعمال بحکمِ الہی کیونکر صادر ہوتے ہیں؟ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ ہوتے ہیں چنانچہ دنیا کا ہر پیغمبر بلکہ روحانیت کا ہر حامل اپنی پراسرار زندگی کے اندر اس قسم کے حالات و کیفیات کی ایک دنیا رکھتا ہے، عالم کی تاریخ آپ کے سامنے ہے، جس میں اگر قوموں کے روحانی معلمین کے حالات و سوانح غور سے پڑھیں تو آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا کہ وہ وہ کچھ دیکھتے تھے، جو ہم نہیں دیکھ سکتے، وہ وہ کچھ سنتے تھے جو ہم نہیں سن سکتے، وہ وہ کچھ جانتے تھے جو ہم نہیں جان سکتے اور ان سے وہ اعمال بھی صادر ہوتے تھے جو کسی اور سے نہیں ہو سکتے، یہ تاریخی واقعات ہیں جن سے انکار کرنا اسی طرح ناممکن ہے، جس طرح سکندر اور نپولین کی فتوحات اور بودھ اور مسیح اور عیسیٰ علیہ السلام کے وجود سے۔ ہندوستان کی روحانی داشستان کا ایک ایک حرف، اسرائیل نبیوں کے صحیفوں کا ایک ایک باب اور عیسائیوں کی انجیل کا ایک ایک صفحہ اس تاریخ کی مثالیں اور نظیریں ہیں۔

انبیا کا اصلی مجرہ خود ان کا سرتاپا وجود ہے گو پیغمبر کا اصلی مجرہ اور اس کے مجاہب اللہ ہونے کی کھلی نشانی خود اس کا سرتاپا وجود ہوتا ہے، دیکھنے والوں کے لیے اس کی چشم دار و میں اور سنتے والوں کے لیے اس کے لب و لہجہ میں اور سمجھنے والوں کے لیے اس کے پیام و دعوت میں اعجاز ہوتا ہے لیکن جو لوگ احساسِ حقیقت میں فروٹر ہوتے ہیں ان کو اس سے تسلیم نہیں ہوتی اور وہ مادی اور محضوس نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جو بالآخر ان کو دی جاتی ہیں۔

انبیا کے کامل پیر و اُن سے مجرہ نہیں مانگتے تھے

لیکن انبیا کے تبعین میں سے سابقین اولین اور صدقین و صالحین نے اپنے پیغمبروں سے مجرہ طلب نہیں کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مجرہ دیکھ کر ان کو پیغمبر تسلیم نہیں کیا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان کا مجرہ دیکھ کر آسمانی دولت کا حصہ نہیں پایا تھا، حضرت خدیجہؓؑ کی خواص سے پہلے آنحضرت علیہ السلام پر ایمان لا میں مگر چاند کے دلکشیے ہوتے ہوئے دیکھ کر نہیں، بلکہ یہ جان کر کہ "آپ علیہ السلام غریبوں کے دست و بازو ہیں، قرضا دروں کی تسلیم اور سہارا ہیں، مسافروں کے مجاہد مادی ہیں۔" حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان و علی اور دیگر اصحاب کبارؓؑ میں سے کسی ایک نے بھی آپ علیہ السلام کی صداقت اور راستی کی حقیقت کو ظاہری آیات و مجررات کی روشنی میں تلاش نہیں کیا، ان کے لیے آپ کا سرتاپا وجود نفس دعوت حق اور پیام اخلاص ہی مجرہ تھا، انہوں نے اسی کو دیکھا اور اسی سے ایمان کی دولت پائی۔

معاذ دین مجرزوں کے بعد ایمان نہیں لائے

مگر نمرود و فرعون و ابو جہل اور ابو جہب جو آتش خلیل، طوفان نیل، قحط مکہ اور انشقاق قمر کے مجرزوں کے طالب تھے پھر بھی ایمان کی دولت عظیمی سے محروم رہے، لیکن با ایک ہمدردی ایک درمیانی طبقہ بھی دنیا میں موجود رہا ہے جس کی بصیرت کے آئینہ پر غفلت کے زندگ کی کچھ کچھ چھائیاں پڑی ہوتی ہیں، جب حقیقت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اس کی مجرمانہ کرنیں ان آئینوں پر پڑتی ہیں تو وہ چک اٹھتے ہیں اور «﴿أَمَّا يَرَى هُرُونَ وَمُوسَى﴾» (۲۰ / طہ: ۷۰) پکارا ٹھتے ہیں۔

مجرزوں سے کس کو فائدہ پہنچتا ہے؟

فرعون کے ساحروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مجرہ کو دیکھا تو موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے خدا کے آگے بجھا دیں مگر پڑتے، آنحضرت علیہ السلام کی فتح قردم کی پیشین گوئی پوری ہوئی، تو قریش کے نیک طبع لوگوں کی چشم باطن کھل گئی اور حقیقت کا پیکران کے سامنے جلوہ نما ہو گیا۔ یہی طبقہ ہے جس کو مجررات کی ظاہری نشانیوں سے بقدر استعداد حصہ پہنچتا ہے، اس کے علاوہ مجررات کا بڑا حصہ موکید است یعنی تائید حق کے لیے غیر منظر اور غیر

صحیح بخاری، کتاب بده الوحی، باب کیف کان بده الوحی: ۳۔

جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، تفسیر سورہ الروم: ۳۱۹۴۔

متوقع حالات کا رونما ہوتا ہے، مومنین صادقین کو مشکلات کے عالم اور اضطراب کی گھریلوں میں ان کے ذریعہ سے تسلیمن دی جاتی ہے اور سونح ایمانی اور ثبات قدم مرحمت ہوتا ہے، ان کی بے سرو سامانیوں اور بے نواجیوں کی مكافات کی جاتی ہے اور اس سے ان کی دولت ایمانی کا سرمایہ ترقی کرتا ہے۔

ان واقعات کا اصطلاحی نام

حضرات انبیاء کرام ﷺ سے جو یہ مافوق العادات کیفیات اور اعمال صادر ہوتے ہیں ان کے لیے عام طور پر مجذہ کا لفظ بولا جاتا ہے، لیکن یہ اصطلاح کلی حیثیتوں سے غلط ہے، اول تو اس لیے کہ قرآن مجید اور احادیث میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہوا ہے بلکہ اس کی جگہ آیت (نشانی) اور برہان (دلیل) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو اپنے مفہوم کو نہایت خوبی سے ظاہر کرتے ہیں قدیم محدثین نے ان کی جگہ دلائل اور علامات کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جو الفاظ قرآنی کے ہم معنی ہیں، دوسرے یہ کہ عام استعمال کی بنیا پر ”مجذہ“ کے ساتھ کچھ خاص لوازم ڈالنی پیدا ہو گئے ہیں جو حقیقت میں صحیح نہیں ہیں، مثلاً: اس لفظ سے عموم میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خود پیغمبر کا فعل ہوتا ہے، جس کا صدور خاص اس کے اعضاء و جوارح سے ہوتا ہے اور نیز یہ کہ اس لفظ کے سبب سے اس کا مجذہ ہونا گویا اس کی حقیقت میں داخل ہو گیا ہے، حالانکہ یہ دونوں خیال غلط ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ مجذہ پر عقلی حیثیت سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کا ایک بڑا حصہ خود لفظ مجذہ کے غلط استعمال سے پیدا ہو گیا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم کو ایک ایسا جامع لفظ درکار ہے جس میں نبوت کے تمام خواص کیفیات، مشاہدات اور اعمال خارقه عادت وغیرہ خارقه عادت سب داخل ہیں، لیکن مجذہ کا لفظ اتنا وسیع نہیں آئندہ جہاں از روئے قرآن مجذہ کی حقیقت پر بحث آئے گی وہاں اس کے متعلق مزید تفصیل کی جائے گی، جس سے معلوم ہو گا کہ قرآن پاک کی اصطلاح کس قدر صحیح اور موزوں ہے، ان وجوہ کی بنیا پر صحیح طریقہ یوں ہے کہ ہم اس کتاب میں صرف قرآن کی اصطلاح آیت، برہان اور محدثین کی اصطلاح علامات و دلائل کو اختیار کریں، تاکہ ہمارا مفہوم زیادہ صحیح طریقہ سے اور زیادہ وسیع طور سے ادا ہو سکے، لیکن چونکہ ہماری زبان میں مجذہ کا لفظ عام طور پر چل گیا ہے اس لیے اس کو یہ قلم ترک بھی نہیں کیا جاسکتا۔

دلائل و برائین و آیات کا تعلق انبیاء کی سیرتوں سے

قرآن مجید اور دیگر صحائف آسمانی میں انبیاء سالقین ﷺ کے جو قصص اور واقعات مذکور ہیں، ان میں ان کے روحانی حالات و کیفیات یعنی دلائل و برائین اور آیات کا ذکر نہایت مؤثر اور عبرت انگیز طریقہ سے کیا گیا ہے، سیر ملکوت، مکالمة الہی، رؤیتیں ملائکہ، رؤیائے صادقة، استجابت دعا، طوفان نوح، آتشِ خلیل، عصائے موئی، نفسِ عیسیٰ ﷺ اور اس قسم کے اور بھی بہت سے کیفیات و حالات کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا

ہے اور ان کے ساتھ ان کے عوائق و ممانع بھی نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان بیانات کی سیرت سے ہر زمانہ میں ان چیزوں کا خاص تعلق رہا ہے اور اس وجہ سے وہ ان کے واقعات زندگی کا جزو لایفک ہو گئے ہیں۔

ان بیانات کی زندگی اگرچہ گوناں گوں واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے لیکن نتائج کے لحاظ سے ان تمام واقعات کا مرکز صرف یہ ہوتا ہے کہ اس خاکدان کو اخلاقی ذمہ کے خس و خاشک سے پاک کر کے حسان اخلاق کے گل وریجان سے آراستہ کیا جائے، تاکہ برکات آسمانی کا دامن کائنوں سے نہ اچھنے پائے، اس مقدس فرض کے ادا کرنے میں اگرچہ بھی ان بیانات کو مادی آلات سے بھی کام لینا پڑتا ہے لیکن وہ لوگ اکثر اپنی روحانی طاقت سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں اور مادی آلات کے استعمال میں بھی ان کے جسمانی دست و بازو سے زیادہ ان کے روحانی دست و بازو کام کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ان بیانات کے واقعات زندگی میں ان دلائل و آیات کو نہایت اہمیت دی ہے اور ان کے ذکر سے گویا ان بیانات کے تمام حالات زندگی کو سلسلہ علل و اسباب سے مربوط کر دیا ہے۔

دلائل و آیات کا تعلق سیرت محمدی ﷺ سے

آنحضرت ﷺ کی سیرت تمام ان بیانات کے واقعات زندگی کا خلاصہ، ان کی تعلیمات کا عطر اور ان کے حالات و مشاہدات کا برزخ ہے، آپ ﷺ ایک عالمگیر اور ابدی مذہب لے کر مبouth ہوئے تھے، اس لیے آپ نے ایک ہی خطاب کے ساتھ ان تمام لوگوں کو مخاطب فرمایا، جن کو طوفان نوح دفعۃ بھائے کیا تھا۔ جن کو دور یا نئے قلزم کی نہریں نگل چکی تھیں۔ جن کو نفس عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ زندہ کر دیا تھا اور ان سب سے بڑھ کر آپ کا مخاطب ایک گروہ اور بھی تھا جو ان چیزوں کو صرف عجائب پرستی کی نگاہ سے نہیں، بلکہ خرافت گاہی سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا، اس بنا پر جس چشمہ فیض نے اس باطن موسیٰ علیہ السلام کو سیراب کیا تھا وہ ان تشنہ کامان روحاں سے کیوں کر بے پرواہ سلتا تھا، چنانچہ اس نے آنحضرت ﷺ کی ذات کو ان تمام مجرزات کا مجموعہ بنا دیا جو اعلیٰ قدر مراتب ہر طبقہ، ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لیے ضروری تھے، آپ کے اخلاق و عادات مجرزہ تھے، آپ کی شریعت مجرزہ تھی، آپ پر جو کتاب نازل ہوئی اس سے بڑا کوئی مجرزہ نہیں ہو سکتا تھا، ان کے علاوہ آپ کی روحانی طاقت نے جسم و روح دونوں کی کائنات میں بہت کچھ اثر ڈالا، اس نے بھی طوبی کے سایہ میں آپ کے لیے بستر لگایا، بھی سدرۃ المحتشمی کے حدود میں رفرف کی سوری کھڑی کی، بھی «ماکذب الفواد» (النجم: ۱۱) کے نور سے قلب مبارک کو متور کیا اور بھی «مازاغ البصر» (النجم: ۵۳) کے سرمه سے آپ کی آنکھوں کو روشن کیا، بھی نزول رحمت الہی کے لیے آسمان کے دروازے ہوئے، بھی وادی حق کے پیاسوں کے لیے زمین کی تد سے پانی کے چشے نکالے، بھی سنگ خارا کے شراروں کی روشنی میں قیصر و

کسری کے خزانے دکھائے، کبھی انبیاء سے سابقین علیهم السلام کی زبانِ الہام سے اپنی کامیابی کے نعمہ ہائے بشارت سنائے اور آئندہ دنیا کے واقعات غیب بتا کر ہروان عالم کو منزلِ حقیقت کے نشان دکھائے۔

آنحضرت علیہ السلام کے واقعاتِ زندگی کا سب سے بڑا جزو، غزوات و محاربات ہیں، ان ہنگامہ خیز واقعات کے تاریخی علل و اسباب اور ان کے نتائج کا ذکر کتاب کے ایک حصہ میں پڑھتے گزر چکا ہے لیکن جہاد کے میدان میں آپ کو جو فتوحات عظیمہ حاصل ہوئیں ان میں انسانوں کے لشکر اور سپاہیوں کے تنقیح و خیر سے زیادہ فرشتوں کے پرے، دعاوں کے تیر، توکل علی اللہ کے پر، اعتقاد علی الحق کی تکوار کام کرتی نظر آتی تھی، آپ کی زندگی کا سب سے بڑا فرض اسلام کی اشاعت ہے اور روئے انور نے، نگاہ کیمیا اثر نے، تقریرِ دلپذیر نے، اخلاق اعجاز نمانے آیات دلائل بن کر بہت سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا ہے غرض آپ علیہ السلام کی پیغمبرانہ زندگی کے ہر مظہر میں یہ دلائل، یہ برائین، یہ آیات، یہ مجذرات، اسباب ظاہری کے پہلو بہ پہلو، اسبابِ حقیقی بہ کر و نہما ہوتے رہے ہیں۔

دلائل و مجذرات اور عقلیت

ان دلائل و مجذرات کے الفاظ کو سننے کے ساتھ ہی سب سے پہلے دلوں میں یہ سوال پیدا ہونے لگتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہی ہے؟ کیا عقل خردہ گیر ان کے موقع کو جائز بھی رکھتی ہے؟ دنیا میں عقل و نقل اور فلسفہ و مذہب کا جب سے وجود ہے ان مباحث پر معرب کہ آراء بحثیں ہوتی چلی آئی ہیں، لیکن فلسفہ قدیمه ہو یا جدیدہ، فلسفہ یونان ہو یا فلسفہ اسلام، مشرق کا فلسفہ ہو یا مغرب کا، ان سب کا حاصل بحث یہ رکتا ہے کہ اگر کچھ فرقے ان کو ممکن بلکہ واقع کیجھتے ہیں تو دوسرے ان کو محال قطعی تصور کرتے ہیں، عقل و فہم کا یہ اختلاف دنیا میں ہمیشہ سے قائم تھا، قائم ہے اور قائم رہے گا لیکن جو لوگ ان چیزوں کے امکان اور موقع کے قائل ہیں، وہ خود اپنے کچھ بحث دل اور بدگمان قلب کی تسلی، طہانیت اور رفع شک کے لیے اپنے اپنے فہم و ادراک کے موافق مختلف نظریے قائم کرتے ہیں، تاکہ وہ اپنی رازِ جو طبیعت کی تشنہ لبی کو تسلیم دے سکیں ان تمام نظریات کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ ان عقل و حواس سے مافوق حقائق کو اپنے دریافت کرده معلوم و محسوس قواعد کے مطابق بنا سکیں لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ کیا محسوس و غیر محسوس یا جسمانی و روحانی دنیا دنوں ایک ہی نظام پر چل رہی ہے، کہ ایک عالم کے قیاسِ تمثیلی و استقرائی سے ہم دوسرے عالم کے ثبوت پر شہادتوں کا انبار لگانا چاہتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جو جانانہیں جا سکتا اس کو ہم جانتا چاہتے ہیں اور جو سمجھا نہیں جا سکتا اس کو سمجھنا چاہتے ہیں جب ہماری عقل و فہم کی لگنگ پائی محسوسات کے میدان میں صاف نظر آتی ہے تو ماوراء محسوسات میں اس کی تگ و پوکہاں تک منزلِ مقصود کے قریب کر سکتی ہے۔

۔ آنانکہ وصف حسن تو تقریر می کنند خواب نا دیدہ را بہمہ تعبیر می کنند
بہر حال اب تک انسان نے اس ”خواب نا دیدہ“ کی جو کچھ تعبیر کی ہے وہ دین کے اور اُن میں پھیلائی گئی ہے اور سلسلہ بحث میں سب سے پہلے فلسفہ قدیمہ کے نظریات کی تشریع کی گئی ہے اور اس کے بعد فلسفہ جدیدہ ان چیزوں کی گردہ کشائی جہاں تک کر سکتا ہے، اس کی تفصیل ہے اور آخر میں خود قرآن مجید نے ہمیں اس باب میں جو کچھ تلقین کی ہے اس کو بیان کیا جائے گا۔

دلائل و مجزات اور فلسفہ قدیم و علم کلام

اسلام میں عقائد کی سطح جب تک صاف اور ہموار رہی، دلائل اور مجزات کے متعلق عقلی مباحثت نہ پیدا ہو سکتے تھے اور نہ پیدا ہوئے لیکن دوسری صدی میں جب یونانی علوم کے تراجم مسلمانوں میں پھیل تو وہ ہمارے علم کلام کے ضروری اجزاء بن گئے اور ان کو اس درجہ اہمیت ہو گئی کہ اب ان سے تعریض کیے بغیر کویا موضوع مزید بحث کے لیے تشریف دے جاتا ہے۔ ان یونان کی شریعت الٰہی سے مشرف نہ تھے، اس لیے وہ نبوت، خواص نبوت، وحی الہام اور مجزہ وغیرہ سے واقف نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے خاص فلسفہ میں ان مباحثت کا وجود نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے تہافت الہماز میں اس کی خاص تصریح کی ہے اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تصنیفات میں اس کو جا بجا لکھا ہے۔ مسلمانوں میں سب سے پہلا فلسفی یعقوب کندی ہے، لیکن چند مختصر رسائل کے سوا اس کی عام تصنیفات ناپید ہیں، کندی کے بعد فارابی کا زمانہ ہے اور اسی نے سب سے پہلے ان سائل کے متعلق اپنے خاص نظریہ قائم کیے، چنانچہ اس نے اپنے رسالہ فصوص الحکم رحمۃ اللہ علیہ میں نبوت اور خواص نبوت کے متعلق پر ترتیب حسب ذیل خیالات ظاہر کیے ہیں:

۲۸

صاحب نبوت کی روح میں ایک قوتِ قدیمہ ہوتی ہے جس طرح تمہاری روح عالمِ اصغر میں (یعنی اپنے جسم میں) تصرف کرتی ہے اور تمہارا جسم تمہاری روح کا تابع و فرمانبردار رہتا ہے، اسی طرح وہ روحِ قدسی عالم اکابر میں یعنی تمام جسمانیات میں تصرف کرتی ہے اور تمام عالم جسمانی اس کا تابع و فرمانبردار رہتا ہے اور اسی بنا پر اس سے خارق نظرت مجزات صادر ہوتے ہیں اور چونکہ اس کا آئینہ بالٹی صاف اور زنگ و غبار سے پاک ہوتا ہے، اس لیے لوحِ محفوظ یعنی اس کتاب میں جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی اور ملائکہ کی ذاتوں میں جو کچھ ہے اس کا عکس اس کے آئینہ پر پڑتا ہے اور وہ قدرتِ قدیمہ یا روحِ قدیمہ اس کو مخلوقات تک پہنچاتی ہے۔

۲۹

ملائکہ ان صور علمیہ کا نام ہے جو بذاتہا قائم ہیں اس طرح لوح میں نقش یا ذہن میں معلومات ہوتے ہیں بلکہ خود معانی قائم بالذات ہیں اور وہ امرِ الٰہی سے فیض حاصل کرتے ہیں، عام روح بشری تو حواس ظاہری کے تعطیل یعنی خواب میں اس امرِ الٰہی سے لگاؤ پیدا کرتی ہے، لیکن روح نبوی (علیہ السلام) بیداری میں اس سے تھا طابت کرتی ہے۔

۱۔ فصوص الحکم یورپ اور مصر دونوں جگہ پھیپ گئی ہے، اس وقت میرے پیش نظر لیذن ای تی بریل کا نام مطبوع عن ۱۸۹۴ء ہے۔ (س) اس وقت دارہ العارف حیدر آباد کا نام مطبوع عن ۱۳۷۵ھ پیش نظر ہے آگے اسی کے حوالے تقدیم صفحات دیے گئے ہیں۔ (ض)

۲۔ فصوص الحکم، ص: ۹۔ ۳۔ فصوص الحکم، ص: ۹۔ ۱۰۔

فقرہ ۳۰

عام روح بشری کا حال یہ ہے کہ جب اس کے حواس ظاہری مشغول ہوتے ہیں تو حواس باطنی معطل ہو جاتے ہیں اور جب حواس باطنی کام کرتے ہیں تو حواس ظاہری بیکار ہو جاتے ہیں مگر رواح قدسیہ کا یہ حال ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان کے حواس ظاہری کی مصروفیت ان کے حواس باطنی کو اور ان کے حواس باطن کو مشغولیت ان کے حواس ظاہری کو معطل نہیں ہونے دیتی اور دونوں ایک دوسرے کے فرائض میں مغل نہیں ہوتے، بلکہ ان کی تاثیر کا عمل ان کے اجسام سے متعدد ہو کر دوسرے اجسام تک پہنچتا ہے اور وہ انسانی تعلیم سے نہیں بلکہ ارواح و ملائکہ کے ذریعہ سے علم کی تلقی کرتے ہیں۔ *

فقرہ ۳۱

عام روحوں کی درمانگی یہاں تک ہے کہ نہ صرف یہ کہ حواس ظاہری کی مصروفیت، حواس باطنی کو اور حواس باطنی کی مصروفیت، حواس ظاہری کو اپنے فرائض سے باز رکھتی ہے بلکہ خود ان کے ایک حصہ کی مشغولیت دوسرے حصہ کو بیکار کر دیتی ہے، ہم جس وقت غور سے سنتے ہیں، دیکھتے نہیں، جب دیکھنے میں مستغرق ہوتے ہیں تو سنتے نہیں، خوف کا احساس ہو تو اشتہانیں پیدا ہو سکتی، اشتہانا ہو تو غصہ نہیں پیدا ہو سکتا، جب ہم فکر کرتے ہیں تو ذکر سے غفلت ہو جاتی ہے اور جب ذکر کرتے ہیں تو فکر سے خالی ہو جاتے ہیں لیکن ارواح قدسیہ کی یہ حالت نہیں ہوتی، ان کے تمام ظاہری و باطنی حواس ایک ساتھ کام کرتے ہیں اور ان کا ایک حاسد دوسرے حاسد کا عائق و مانع نہیں ہوتا۔ *

فارابی کے یہی چند لفظ ہیں جو ان سینا اور ابن مسکو یہ تک پہنچتے پہنچتے ایک داستان بن گئے ہیں اور اب چھوٹی اور بڑی تمام اسلامی فلسفیانہ تصنیفات میں باب النبوة کے نام سے یہ مسائل شامل ہیں، یہاں تک کہ امام غزالی و رازی کی تصنیفات سے انہی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ صوفیہ کے لسانِ القوم مولانا رومی کے ساز "نے" سے بھی یہی آوازنگتی ہے۔ فلسفہ و عقل کی راہ سے جو حکماء اسلام منزلِ حقیقت کے جویاں ہیں، ان کے نزدیک نبی وہ ہے جس میں یہ تین باتیں جمع ہوں:

① اول یہ کہ اس کو امور غیب پر اطلاع ہو۔

② دوسرے یہ کہ ملائکہ اس کو نظر آئیں اور وہ اس سے کلام کریں۔

③ تیسرا یہ کہ اس سے خوارق عادت ظاہر ہوں۔

ان تینوں دعووں کے امکان پر ان کے دلائل بترتیب یہ ہیں:

❶ فصوص الحکم، ص: ۱۲-۱۴۔

❷ فصوص الحکم، ص: ۱۳-۱۴۔

اطلاع غیب

یہ عالم کا نات ایک با ترتیب اور مسلسل نظام فطرت پر قائم ہے، جس کا ہر درجہ دوسرے درجے سے بلند ہے، پہلے جادوں ہیں، جن میں حرکت ہے نہ نمو، احساس ہے نہ ارادہ، نطق ہے نہ ادا را کلیات کی قوت، اس کے بعد نباتات کا درجہ ہے، جن میں حرکت و نمو تو ہے لیکن وہ دوسرے صفات سے محروم ہیں، اس کے بعد حیوانات آتے ہیں جن میں حرکت و نمو کے ساتھ ارادہ اور احساس بھی ہے، سب سے آخر انسان کا مرتبہ ہے جس میں ان تمام خصوصیات کے ساتھ نطق اور ادا را کلیات کی قوت بھی ہے، کائنات کے ان چاروں طبقوں میں بھی یکسانی نہیں ہے بلکہ ان میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ایک ترقی محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ ان کا پست ترقیت اپنے پچھلے سے بلند تر اپنے اگلے سے جا کر مل جاتا ہے لیکن کیا اس ترقی کی انتہا یہیں پر جا کر فتح ہو جاتی ہے؟ نہیں، بھی نطق ادا را ک اور احساس و تمیز کا مرتبہ کمال کو نہیں پہنچا ہے انسانوں میں وحشی اور غیر متدين قبائل سے شروع کرو تو ان سے ترقی یافتہ وہ حقانی اور گنوار ہیں، ان سے اعلیٰ شہری اور متدين ہیں اور ان سے زیادہ بلند تر علام اور عقلاںے روزگار ہیں جو نظر و فکر اور قیاس و استدلال سے مجہول کو معلوم کرتے ہیں لیکن انسانوں کی بلند تر صفت وہ ہے جس کی عقل و هوش کے سامنے نظریات بھی بدیہیات ہیں جن کی روح قدسی اپنے تمام معلومات کو تحریب و مشاہدہ سے نہیں بلکہ بر او راست عالم ملکوت سے حاصل کرتی ہے جن کے حواس کی طاقت عام انسانوں سے اس قدر تیز ہوتی ہے کہ وہ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو عام انسان نہیں دیکھ سکتے اور وہ وہ کچھ سنتے ہیں جو عام انسان نہیں سن سکتے، یہ قوت کمالیہ اور یہ روح قدسیہ جس صفت انسانی میں ہوتی ہے وہی انہیاں ہیں۔

روقیتِ ملائکہ

انسان کے علم و احساس کا منبع روح ہے اور اس کے آلات و ذرائع اس کے باطنی اور ظاہری حواس ہیں۔ اگر اس سطح میں پر کوئی ایسا انسان ہو جو ان تمام آلات سے معراہ ہو تو وہ نہ کسی شے کا احساس کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کا علم حاصل کر سکتا ہے لیکن جیسے علم و احساس کے ان آلات میں ترقی اور تمیز آتی جاتی ہے اس کے علم و احساس میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ ایک خاص نقطہ پر آ کر وہ رک جاتے ہیں اور مادیات و محسوسات سے آگے نہیں بڑھ سکتے، لیکن خواب کی حالت میں روح کو مادیات اور محسوسات کی زنجیروں سے جب آزادی ملتی ہے تو غیر مادی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ روح انسانی کے علاقے جس قدر مادیات سے پاک ہوں گے، اسی قدر اس کے علم و احساس کے قوی میں ترقی ہوگی اور جس قدر اس عالم مادی سے اس کو افتراق ہوگا اسی قدر عالم ملکوت کے ساتھ اس کا اتصال بڑھتا جائے گا، اس بنا پر اگر کسی روح میں اس قدر استعداد اور صلاحیت عطا ہوتی ہو کہ وہ عالم بیداری میں بھی ان مادی تعلقات کو منقطع کر سکتی ہو تو جو کچھ عام روحوں کو خواب میں نظر آتا ہے اس سے بہت بڑھ کر اس کو بیداری میں محسوس و مشاہدہ ہو سکتا ہے، وہ

غیب کی آوازوں کو سن سکتی ہے، فرشتوں کو دیکھ سکتی ہے، ان سے باتیں کر سکتی ہے اور ان کے ذریعہ سے علم و معرفت کا فیض حاصل کر سکتی ہے۔

خوارق عادت

دنیا کے مادی حوادث جس طرح مادی اسباب و ملک کے نتائج ہیں، اسی طرح وہ نفسیاتی اسباب کے نتائج بھی ہوتے ہیں، نفس کے اندر مختلف قسم کے جذبات اور حرکات پیدا ہوتے ہیں اور ان سے ہمارا مادی جسم متاثر ہوتا ہے درخت یادیوار پر چڑھنے والے کواکشی پیش آتا ہے کہ جہاں اس کے دل میں خوف پیدا ہوا اس کے باٹھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور وہ کانپ جاتا ہے اور گر پڑتا ہے۔ وہی خوف سے بے ہوش ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ مر بھی جاتا ہے۔ شرمندگی اور خجالت سے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے، غیظ و غضب میں چہرہ تمہماٹھتا ہے۔ یہ کمزور نفوس کا حال ہے، اس سے زیادہ تو یہ نفوس اپنے تاثرات سے دوسروں کو متاثر کر لیتے ہیں اور اپنی قہر و محبت کی نگاہ سے دوسروں کو اپنا معمول بنالیتے ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصحاب نفوس قدسہ اور ارباب قوت کمالیہ اس مادی دنیا میں بہت کچھ تصرف کر سکتے ہیں۔

اکثر متفکرین اسلام نے پہلی اور دوسری شقوق کو ایک میں داخل کر دیا ہے اور یہ بھی وہ درحقیقت ایک ہی امور غیب کی اطلاع، ملائکہ اور روحانیات کا مشاہدہ، روئیت اور ان سے تھاٹب، یہ تمام ترویجی و مشاہدہ روحانیت کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں اور تیسرا چیز کا نام ان کی زبان میں مjugزہ ہے، ہم ان دونوں پر الگ الگ بحث کرتے ہیں۔

۱۰) ابن سینا نے اشارات میں تفصیل سے اور بحاجت میں اختصار کے ساتھ ان نظریات کو بیان کیا ہے۔ نسیر الدین طوی نے اشارات کی شرح النمط العاشر میں بھی اس کی تفصیل لکھی ہے۔ دیکھئے جس، ۳۲۱، امام رازی نے مباحثہ شریقہ جزء عالیٰ، جس، ۳۲۳، ۳۲۴ و اثرۃ العارف الظاہری حیدر آباد ۱۳۲۳ھ میں اور ابن مکویہ نے فوز الاعز بحث نیوات، جس، ۱۹۰۷ء و ت ۱۳۱۹ھ میں ان کو لکھا ہے دیگر فلسفیاءہ تصانیف میں بھی کم و بیش سیکی ہے۔

وَجْهٌ وَمُشَاهِدَةٌ

ہمارے حکماء متكلمين اور صوفيانے وحی والہام اور مشاہدہ روحانیات کی تشریع میں متعدد نظریے قائم کیے ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① الہام فطری اور الہام نوعی

دنیا میں جتنی چیزیں پرداہ عدم سے منصہ وجود پر آتی ہیں، وہ اپنے اپنے وجود کے ساتھ مختلف قسم کے خواص اور فطری علم اپنے ساتھ لاتی ہیں، گلب کا پھول سرخ اور چینی سفید کیوں ہوتی ہے؟ کھجور میٹھی اور اندر ان کڑوا کیوں ہوتا ہے؟ ایک ہی زمین اور ایک ہی آب وہا میں مختلف پودے اگتے ہیں، مگر ہر ایک کا رنگ، مزہ اور بیو مختلف کیوں ہوتی ہے؟ ان کے خواص اور کیفیات میں کیوں اس درجہ اختلاف ہوتا ہے؟ پرندہ کا بچہ اولاد کے چلکے سے باہر آنے کے ساتھ زمین سے دان چلنے لگتا ہے، بط کا بچہ پانی میں تیرنے لگتا ہے، حیوانات کے بچے ماڈل کے تھن میں منہ لگادیتے ہیں، چوہے کے بچنے گوکھی بلی نہ دیکھی ہو اور نہ بلی کے بچنے کوکھی چوہا دیکھا ہو، مگر عمر میں پہلی دفعہ جب ان کی مذہبیت ہو جاتی ہے تو ہر ایک سے اس کے فطری حرکات سرزد ہونے لگتے ہیں۔ ہر حیوان اپنے نفع و ضر کو سمجھتا ہے۔ وہ مہلکات سے بھاگتا اور منافع کی طرف لپکتا ہے، یہ تعلیم ان کو کس نے دی؟ شیر، لومڑی، کتا، بلی، ہر ایک کے بچے سے وہی اعمال سرزد ہوتے ہیں جو ان کے نوعی خصوصیات ہیں، ان اعمال کا معلم کون ہے؟ کوئے، بیبلوں کے جھنڈ میں اور بلبلیں کوؤں کے غول میں نہیں پیش تھیں یہ ہم جسی کا علم ان میں کہاں سے آیا؟ چیزوں کی مکھیوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز جماعت بندی اور ذخیرہ اندوزی کی قابلیت کیونکر پیدا ہوئی؟ ان سب بالتوں کا جواب یہ ہے کہ معلم فطرت نے عطیہ وجود کے ساتھ ساتھ یہ طبعی خصوصیات اور الہامات بھی ان میں دی یعنی کردیے ہیں۔

یہ تو انواع کا حال ہے۔ ہر نوع کے تحت میں اصناف ہیں جس طرح ہر نوع کی خصوصیتیں اور قابلیتیں الگ الگ ہیں، اسی طرح ہر صنف کی خصوصیات اور استعدادات بھی الگ ہیں، ایک کبوتر کی کتنی قسمیں ہیں؟ ایک آم میں کس قدر اقسام ہیں؟ ایک نوع انسان میں کس قدر طبقات ہیں؟ ان میں سے ہر ایک صنف، قسم اور طبقہ اپنی مشترک نوعی خصوصیات کے ساتھ کچھ مستقل الگ صنفی اوصاف بھی اپنے اندر رکھتا ہے جو دوسرے اصناف میں نہیں پائے جاتے، افریقہ کے ایک حصی انسان سے لے کر یورپ کے متعدد شہری تک، ایک ناخواندہ جاہل سے لے کر ایک فلسفی اور حکیم تک، کس قدر مختلف انسانی طبقات ہیں ہر طبقہ اپنے اندر متعدد صنفی خصوصیات اور ادراکات رکھتا ہے، اسی طرح ممکن ہے کہ معلم ازل انسانوں کے ایک اور صنف (انیما) کو علوم و معارف اور حقائق و اسرار کے وہ الہامات عطا کر دے جن سے دیگر صنف انسانی محروم اور نہ آشنا ہیں۔

دنیا میں جس قدر علوم و فنون، صنائع و حرف، ایجادات و اختراعات پیدا ہو چکے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی بانی،

موجد اور مخترع ہوگا پارچہ بانی اور خیاطی سے لے کر ریاضیات اور ملکانس تک جس قدر صنائع و ایجادات اور علوم و معارف ہیں، وہ کسی ایک شخص کے ذہن کا نتیجہ ہیں۔ اس بانی اور مخترع اول کے ذہن میں اس خاص یا ایجاد خاص کا خطور کیونکر ہو گیا؟ اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دوسرے سے سچے بغیر اس کے نفس میں اس مسئلہ خاص اور اس ایجاد خاص کے متعلق ایک خاص قسم کی سوجھ یا فہم پیدا ہو گئی اور اس کے ذہن میں کہیں سے ایسی حقیقت بے پرده مشہود ہو گئی جو دوسروں کے لیے تمام تر مستور تھی، یعنی الہام ہے، اب جس شخص کو فلسفیانہ الہامات ہوتے ہیں وہ فلسفی ہے۔ جس کو شاعرانہ ہوتے ہیں وہ شاعر ہے۔ جس کو آلات اور میثیلوں کا الہام ہوتا ہے وہ آلات ساز اور انجینئر ہے اور جس نفس قدسی میں اسرار الہیہ، نوامیں ملکویتی، عقایدِ حق، اعمالی صالح، قوانین عادلہ کا الہام ہو وہ پیغمبر ہے اور اس کے اس الہام کو وحی کہتے ہیں۔

② انقطاع حواس عن المادیات

انسان کے تمام محوسات اور مدرکات بواسطہ یا بلاؤ اسطہ اس کے حواس خس لیعنی سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ سے ماخوذ ہیں جن کے کام بر ترتیب سننا، دیکھنا، سوچنا، پچھنا اور ٹوٹانا ہیں۔ اسی طرح انسان میں پانچ قوائے دماغی بھی ہیں جن کے نام حس مشترک، خیال، واہمہ، حافظہ اور تخلیہ ہیں ان قوائے خس کے متفرق کام ہیں۔ حس مشترک تو آلات حواس کا خزانہ یا لیٹر بکس ہے، انسان کو اپنے پانچوں حواس کے ذریعہ سے جو کچھ محوس ہوتا ہے وہ سیدھا حس مشترک میں جا کر منطبع ہو جاتا ہے اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر خیال میں جمع ہو جاتا ہے اور وہاں محفوظ رہتا ہے۔ واہمہ وہ قوت ہے جو اپنے اس گزشتہ محفوظ خزانہ مدرکات کا بار بار جائزہ لیتی رہتی ہے اور اس پر احکام جاری کرتی رہتی ہے، مثلاً: دور سے ہم نے ایک زرد سیال شے دیکھی پہلے سے ہمارے خیال میں شہد کی صورت محفوظ ہے اس زرد سیال شے کو دیکھتے ہی ہم نے کہہ دیا کہ ”یہ شہد ہے اور یہ میٹھا ہوتا ہے“ یہ واہمہ کا کام ہے۔ حافظہ میں قوتِ واہمہ کے مخدوفات جمع رہتے ہیں اور تخلیہ جس کا دوسرا نام مفکرہ بھی ہے اس قوتِ دماغی کو کہتے ہیں جو مدرکات خیال کی ترکیب تحلیل کرتی رہتی ہے اور ہمیشہ نئی نئی شکلیں اور عجیب عجیب صورتیں، سینما (صور تحرک) کے تماشکی طرح ہمارے ذہن کے سامنے لاتی رہتی ہے کبھی دوسرا انسان بنا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ کبھی بے سر کا چلتا پھرتا انسان مشاہدہ کرتی ہے۔ کبھی پرستاں کی سیر کرتی ہے اور کبھی عالم قدس میں جانے کے لیے پرتو لتی ہے۔ ذہن کو ہزاروں لاکھوں میل کی مسافت دم کے دم میں طے کرداری ہے۔ آنکھیں بند کرتے ہی ہماری دوسری آنکھوں کے سامنے جو ہنگلہ فکر و خیال برپا ہو جاتا ہے وہ اسی کا کارنامہ ہے۔

اس تمہید کے بعد اب یہ سمجھنا چاہیے کہ ہماری قوتِ متفکرہ صرف آرام و سکون کے لمحوں میں کیوں یہ تماشے دکھاتی ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا حس مشترک ہمیشہ خارج سے آلات حواس کے بھیجے ہوئے محوسات کی تخلیل و دصول میں مصروف رہتا ہے، اس لیے جب تک ہماری، نیند یا غفلت یا کسی اور سبب سے

آلات و حواس میں تعطیل نہیں ہوتا، ہمارے قوائے دماغی میں آرام و سکون نہیں پیدا ہو سکتا۔ خواب کی حالت میں جب یہ حواس ٹھوڑی دیر کے لیے اپنا کام موقوف کر دیتے ہیں، اس وقت ہمارے پراسرار قوائے ہنسی عالم بالا کی سیر کرنے لگتے ہیں اور وہاں کے مشاهدات و مسموعات حصہ مشترک میں آ کر ہماری قوتِ تفکرہ کو حرکت دیتے ہیں اور ہم عجیب عجیب چیزیں دیکھنے اور عجیب عجیب آوازیں سننے لگتے ہیں۔ اب اگر کسی کی روح میں اتنی قوت ہو کہ حالت بیداری میں بھی اپنے ظاہری آلات کو معطل کر کے عالم بالا سے اپنا سلسلہ تعلق قائم کر سکتے تو اس کو سب کچھ اسی عالم بیداری میں نظر آ سکتا ہے۔

③ قوتِ نبوت

تیر انظر یہ ہے کہ حواس انسانی صرف پانچ کے اندر محدود نہیں ہیں، چنانچہ شیخ الالشراق نے حکمة الالشراق میں اس پر دلائل قائم کیے ہیں، بعض جمادات میں بنا تاتی اوصاف ملتے ہیں، بعض بنا تاتا ایسے دریافت ہوئے ہیں جن میں قوتِ حس ہے، جس سے دیگر بنا تاتاں عام طور سے محروم ہیں، حیوانات کے مختلف انواع میں بعض ایسے قوئی کا پتہ چلتا ہے جو دیگر حیوانات میں نہیں، شہد کی مکھیوں میں ایک ایسی عجیب و غریب قوت ہے جس سے ان کو کسی طرح بند کر کے لے جائیے اور کہیں جا کر چھوڑ دیجئے وہ اپنے جھٹتے کارستہ پالیتی پیں مکڑیوں کی القیدی اشکال بھی کسی نہ کسی قوت کا نتیجہ ہیں، خواہ اس کا نام جبلت یا فطرت ہی کیوں نہ رکھو اسی طرح ممکن ہے کہ انہیاں بیتلہم میں احساس و ادراک کی وہ خاص قوت ہو جس سے اور اصناف انسانی محروم ہیں وہ اپنی اسی قوتِ قدسیہ کے ذریعہ سے ان چیزوں کا احساس و ادراک کر لیتے ہیں جن کو عام قوائے انسانی نہیں کر سکتے۔ مولا نارومی بیتلہم نے مثنوی میں اس خیال کو جا بجا ناطہ ہر کیا ہے:

پنج حس سے ہست جزاں پنج حس آن چوز سرخ و این حسها چو مس
”ان پانچ جسمانی حواسوں کے علاوہ پانچ اور روحانی حواس بھی ہیں، وہ سونا ہیں اور یہ تاباہیں۔“

حس ابدان قوتِ ظلمت خورد حس جان از آفتایر می چرد
”جسمانی حواس تاریکی سے قوتِ اخذ کرتے ہیں تو روحانی حواس آفتاں سے۔“

ہر کہ از حس خدا دید آیتے در بر حرق داشت بهتر طاعتے
”حس نے اس خدائی احساس کی کوئی نشانی دیکھ لی ہے، وہ خدا کے سامنے زیادہ مطلع ہے۔“

گر بیدے حس حیوان شاہ را پس بیدے گاؤ خر اللہ را
”اگر حیوان اپنے احساس سے با دشہ کا مرتبہ پہچان سکتے تو نیل اور گدھ بھی خدا کو دیکھ لیتے۔“

گرنہ بودے حس دیگر مر ترا جز حس حیوان زبیرون ہوا
”اگر احساس حیوانی کے علاوہ تم کو اور دوسرے قوائے احساس نہ ملے ہوتے۔“

پس بنی آدم مسکرم کے بدے کرے بہ حس مشترک محروم شدے ①
”تو بنی آدم کا درجہ اتنا بڑھایا کیوں جاتا اور صرف حس مشترک کی بنا پر محروم راز کیوں نکر ہو سکتا۔“

فلسفی گویدز معقولات دون عقل از دہلیز می ماند بروں
”فلسفی نعم معقولات کی باقیں کرتا ہے تو عقل دلیز کے باہر رہ جاتی ہے۔“

فلسفی منکر شود در فکر وطن گوب رو سر را براں دیوار زن
”فلسفی جو صرف اپنی فکر و گمان کے باعث ان حقائق کا انکار کرتا ہے اس کو کہنا چاہیے کہ وہ اپنا سرد یار پر دے مارے۔“

نطق آب و نطق باد و نطق گلن ہست محسوس حواس اپل دل
”پانی، ہوا، مٹی، ان سب کا نطق اپل دل کے حواس کو محسوس ہوتا ہے۔“

فلسفی کو منکر حنانہ است از حواس اننبیاء بی گانہ است ②
”فلسفی جو ستون نبوی علیہ السلام کے گریہ کا منکر ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انہیا کے حواس سے واقف نہیں ہے۔“

④ حواس کی غیر محدود دیت

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حواس پانچ ہی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی حاسہ کسی انسان میں موجود نہیں ہے، تو یہ کیوں نکر کہا جاسکتا ہے کہ ان حواسوں کی دعیت احساس، ان کے حدود کے اندر محدود ہے اور چند اشخاص کو جو چیز دکھائی یا جو آواز سنائی دیتی ہے، وہ اس لیے غلط ہے کہ عام انسان اس کو دیکھنے نہیں سکتے، یا جو چیز ہم کو اس وقت دکھائی یا سنائی نہیں دیتی۔ وہ آئندہ بھی ہم کو دکھائی یا سنائی نہیں دے گی، بالکل ممکن ہے کہ ایک انسان جس کو دیکھ یا سُن نہ سکے، دوسرا انسان اس کو دیکھ اور سُن لے۔ کو نظر پاس کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتے، لیکن ہیر نظر میلوں کی خبر لیتے ہیں، بعض انسانوں اور حیوانوں میں بعض قوائے احساس اور لوں سے بہت زیادہ تیز ہوتے ہیں، چیزوں میں قوت شامہ، چیل اور کبوتر میں قوت باصرہ، سانپ میں قوت لامہ، کتوں اور گھوڑوں میں قوت سامحہ معمولی سطح حواس سے بہت زیادہ بلند ہوتی ہے، خود انسان کے حواس کے درجے کس قدر متفاوت اور مختلف ہیں، ایک انسان وور سے آواز سنتا ہے، دور کی چیز اس کو نظر آتی ہے، دور کی نہایت نازک خوبصوروں کر لیتا ہے، لیکن کمزور حواس کے انسان ان کا مطلق احساس نہیں کر سکتے، لیکن کسی طریقہ سے اگر ان کے حواس کی قوت اور تیزی میں اضافہ ہو سکے تو وہ پھر اسی طرح دیکھ سکتے، سن سکتے اور سوٹھ سکتے ہیں۔ مقدمہ بالا سے معلوم ہوا کہ ایک کم نظر انسان یا گراں گوش آدمی جس قدر دیکھتا یا سنتا ہے اگر اس کی قوت بصارت و سماعت کو کسی تدبیر سے ترقی دی جائے تو وہ حیرت انگیز طریقہ سے ترقی کر سکتی ہے اور پھر جس قدر اس کے

① مثنوی مولانا روم، ج ۲، ص ۱۰۶، مطبع ناصری بمبنی وکلیات مثنوی معنوی مولوی دفتر روم، ص: ۲۲۳ تا ۲۴۴ کائنون انتشارات علمی ”ک“، ص:- ② مثنوی مولانا روم، ج ۱، مرتد شدن کاتب و حی الخ ص: ۸۶؛ کلیات مثنوی معنوی مولوی دفتر اول مرتد شدن کاتب و حی الخ، ص: ۱۸۳۔ ”ک“، ص:

حوال میں ترقی ہوتی جائے گی، اس کے احساسات میں اضافہ اور محسوسات میں وسعت آتی جائے گی، ہمارے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس ہے ہم اس کو پینا چاہتے ہیں، اس میں گرد و غبار کا ایک ذرہ بھی ہم کو نظر نہیں آتا، لیکن ہم خود میں لگا کر دیکھیں تو قطرہ قطرہ میں ہم کو یہوں کی بستی کی بستی نظر آئے گی، غالباً آنکھ سے ہم کو صرف آفتاب، ماہتاب اور کچھ چھوٹے بڑے روشن ستارے دکھائی دیتے ہیں، یہاں تک کہ بھلیکوں کو ثابت کی حرکت تک محسوس نہیں ہوئی اور اس وقت تک صرف تین سو ستارے دریافت ہو سکے اور جب ایک سے ایک طاق تو دروڑنیں نکل رہی ہیں تو ہر فنی دور نیں کی ایجاد کے بعد پہلے سے زیادہ ہماری آنکھیں روشن ہوتی جاتی ہیں یہاں تک کہ صرف ساتویں درجہ کے ستارے تیرہ ہزار اور آٹھویں درجہ کے چالیس ہزار، نویں درجہ کے ایک لاکھ میں ہزار، ہم کو اس فضائی آسمانی پر تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ہر شل کی دور نیں سے کل چھوٹے بڑے دو کروڑ ستاروں کی فوج ہم کو دکھائی دینے لگی ہے۔

میکن حال سماحت کا ہے، پہلے ہماری آواز زیادہ سے زیادہ ایک میل جا سکتی ہو گی، ٹبلیفین کی پہلی ایجاد نے اس فاصلہ کو بڑھایا اور دو چار قدم کے بعد شہر کے ایک گوشے میں بیٹھ کر دوسرے گوشے کے لوگوں سے باقی کرنے لگے، چند سالوں میں یہاں تک ترقی ہو گئی کہ سو یوری لینڈ کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر ہم بولتے ہیں اور فرانس میں لوگ اس کو سنتے ہیں، لکھنؤ سے الہ آباد م کے دم میں آپ کی آواز پہنچتی ہے اور اب ہندوستان سے ہزاروں میل دوسری دن میں آپ کی آواز پہنچتی ہے۔

ان روزمرہ کی مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حوال کے فعل و انفعال اور تاثیر اور تاثر کے دائرے کی تحدید نہیں کی جاسکتی ہے اور یہ ممکن ہے کہ ایک صفت انسانی کے حوال اس قدر تیز، سریع اور قوی ہوں کہ ان کو وہ کچھ نظر آئے جو ہم کو نظر نہیں آتا اور وہ کچھ سنائی دے جو ہم کو سنائی نہیں دیتا، آنحضرت ﷺ نماز کی صفت کے اندر فرماتے ہیں کہ مجھ کو اسی مقام سے دوزخ اور جنت نظر آئی، حضرت یعقوب علیہ السلام کو کنعان کی وادی میں بیٹھ کر مصر سے حضرت یوسف علیہ السلام کے پیر ہن کی خوشبو معلوم ہوتی ہے، مولا ناروی ہبہ نشانہ اسی خیال کو ان اشعار میں ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس حالت میں ایک حس کی تیزی دوسرے حوال کو بھی تیز کر دیتی ہے:

پنج حس بایک دگر پیوستہ اند زانکہ این ہر پنج ز اصلی رستہ اند

”حوال نہ سے باہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، کیونکہ یہ پانچوں حوال ایک ہی اصل سے نکل کر آئے ہیں۔“

قوت یک قوت باقی شود مابقی را بسیر کرے ساقی شود

”ایک حاسد کی قوت بقید حوال کی قوت بن جاتی ہے۔“

عشق اندر دل فزايد صدق را

دیدن دیده فزايد عشق را

”اُس دو وجہ یہ میں سائنسی ترقی مزید عروج پر ہے۔“

”ویدار چشم، عشق کو ترقی دیتا ہے اور عشق دل میں سچائی پیدا کرتا ہے۔“

صدق بیداری ہر حس می شود حس ہمارا ذوقِ مونس می شود ۱۰
”سچائی ہر حساسی کا سبب ہو جاتی ہے اور حساس کو ذوق و وجہان سے مدد ملے لگتی ہے۔“

⑤ عالم مثال

علمائے اسلام میں جن کے سینے علم و حکمت کے ساتھ نورِ معرفت سے بھی منور ہیں، انہوں نے نظر و استدلال سے نہیں بلکہ ذوق و عرفان سے ایک اور راستہ اختیار کیا ہے، حکما میں دو گروہ ہیں، ایک وحدیہ اور دوسرا شعویہ۔ وحدیہ ہیں جو ایک ہی عالم کے قائل ہیں، یعنی ان کے نزدیک مبدئے عالم صرف ایک ہی ہے ان کی دو جماعتیں ہیں، ایک وہ جو مبدئے عالم صرف مادہ کو مانتی ہے اور مادہ کے علاوہ کسی اور چیز کو تسلیم نہیں کرتی، یہاں تک کہ عقل و حیات اور قوائے زندگی تک اس کے نزدیک تمام تر مادہ کی نیز نگیاں ہیں ان کو مادیتین اور طبیعتیں کہتے ہیں دوسری جماعت مادہ سے مکسر ملنکر ہے وہ صرف نفس اور روح کو تسلیم کرتی ہے اور اس عالم محسوس کو وہم و تصور سے زیادہ رہتے نہیں ویسا اس کے نزدیک عالم اور عالم میں جو کچھ ہے وہ نفس و روح کے مظاہر ہیں ان کو روحانیت کہتے ہیں۔

شیوه

دومبدئے عالم تسلیم کرتے ہیں، یعنی مادہ اور روح اور عالم کو ان دونوں کا جلوہ گاہ تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نے اوپر کی سطروں میں جن ارباب معرفت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تین عالم تسلیم کرتے ہیں، ایک تو یہ عالم اجساد یا عالم شہادت جس کو تم مادہ اور مادیات کہتے ہو، دوسرا عالم ارواح یا عالم غیب جو مادی اور مادیات سے منزہ اور مافق ہے اور تیسرا عالم بزرخ یہ وہ عالم ہے جہاں عالم اجساد اور عالم ارواح عالم شہادت اور عالم غیب دونوں کے اوصاف اور قوانین مجمع ہو جاتے ہیں، عالم اجساد کی چیزیں وہاں جا کر میکر مادی سے پاک ہو کر سامنے آتی ہیں اور غیر مادی معانی اور حقائق اور عالم ارواح کی مخلوقات وہاں جسم اور مجسہ ہو کر نظر آتی ہیں امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں لکھتے ہیں:

اے برادر! عالم ممکنات کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ عالم ارواح ای عالم مثال، عالم اجساد، عالم احادیث، عالم مثال کو عالم ارواح اور عالم ادade اند، عالم ارواح اسے عالم مثال ۲۔ عالم اجساد کے بیچ میں کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عالم و عالم اجساد ۳۔ عالم مثال را بزرخ گفتہ اند درمیان عالم ارواح و عالم اجساد و نیز گفتہ اند کہ عالم درنگ مرآۃ است گیئیں کے مانند ہے کہ اس عالم مثال میں اجساد مرممعانی و حقائق ایں ہر دو عالم را کہ وارواح کے معانی و حقائق لطیف صورتوں میں ظاہر

۱۰ مثنوی مولانا روم، ج ۲، کرامات ابراهیم الخ، ص: ۱۷۷ و کلیات مثنوی معنوی مولوی دفتر دوم، ص: ۳۷۴۔

معانی و حقائق اجساد و ارواح در عالم مثال بصور لطیفہ ظہور می نماید چہ در آنجا مناسب بر معنی و حقیقی صورت خود کوئی صورت و شکل و بیان نہیں ہے یہ صور و اشکال دوسرے عالموں سے آکر اس میں عکس انداز ہوتی ہیں جس طرح خود آئینہ میں کوئی صورت نہیں ہوتی بلکہ جو صور و اشکال اس میں نمودار ہوتی ہیں وہ خارج سے آکر اس میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔

معانی و حقائق اجساد و ارواح در عالم مثال بصور لطیفہ ظہور می نماید چہ در آنجا مناسب بر معنی و حقیقی صورت و سنتیت دیگر است و آن عالم فی حد ذاته متضمن صور و بیانات و اشکال نیست صور و اشکال درویں از عوالم دیگر منعکس گشته ظہور یافته است ورنگ مرآة است کہ فی حد ذاتها متضمن، بیچ صورت نیست، اگر درویں صورت کانن است از خارج آمده است۔

بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان بزرگوں کا عالم مثال وہی افلاطون کا عالم مثال ہے لیکن افلاطون فرقہ وحدیہ سے تھا، یعنی عالم کا مبدأ صرف ایک تسلیم کرتا تھا۔ اس لیے اس کے نظریہ کا منشارف یہ ہے کہ اس عالم محسوس میں ہر شے فرد افراد اجزائی اور شخص ہو کر آئی ہے۔ نفس کلی اور مطلق نوع کا وجود خارج میں نہیں، مثلاً: ہم کہتے ہیں، انسان ہنستا ہے، گھوڑا ہنہناتا ہے تو یہ کسی خاص انسان، خاص گھوڑے، یا خاص کتے کی نسبت حکم نہیں ہے بلکہ انسان، گھوڑے اور کتے کی نوع پر یہ حکم لگایا گیا ہے لیکن کلی انسان، مطلق گھوڑا اور مطلق کتے کا وجود تو اس عالم محسوس میں نہیں مگر کہیں نہ کہیں تو اس کا وجود ہونا چاہیے، پھر کہاں ہے؟ عام جواب یہ ہے کہ ذہن میں مگر ذہن جو ہمارے محدود و محصر دماغ کا دوسرا نام ہے کوئی ایسا ظرف نہیں جس کے اندر یہ ساری دنیا سمائے اس لیے ایک اور عالم ہے جس میں کلیات اور انواع بنتے ہیں، اس عالم محسوس میں جتنی چیزیں ہیں وہ کسی نہ کسی نوع کے تحت میں ہیں، یہ انواع عالم مثال میں ہیں اور ان کے عکس اور سائے جن کا نام افراد اور جزئیات ہے وہ اس عالم محسوس میں ہیں حقیقی وجود ان ہی انواع یا مثال کا ہے وہ گویا قدرت کے ساتھ ہیں اور ان سے ہی ڈھل ڈھل کر اس عالم محسوس میں افراد اور جزئیات نمودار ہوتے ہیں مگر ان افراد اور جزئیات کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے وہ صرف اپنی اپنی نوع کے آثار اور ظلال (سایہ) ہیں پھر ان میں سے ہر نوع کی مستقل روح نوعی ہے جو اس نوع کا خدا ہے، اسی کا نام ان کی اصطلاح میں رب النوع ہے۔

یہ ہے مثل افلاطون کی حقیقت، عالم مثال کی حقیقت اس سے بالکل الگ ہے، اس عالم کے قائمین جیسا کہ ابھی امام ربانی کے مکتوب کے حوالہ سے گزر چکا ہے، یعنی عالم کے قائل ہیں۔ عالم جسمانی، عالم روحانی اور عالم مثالی، عالم مثالی جسم و روح کے احکام کا جامع ہے، اس میں روحانی اشیاء مخصوص اور جسمانی چیزیں کسی اور مناسب شکل میں مشتمل ہو کر نظر آتی ہیں اور وہ معانی و حقائق جن میں جسم و جان نہیں، مثلاً: حیات،

۱ مکتوبات، مکتوب سی ویکم، ج ۳، ص ۵۷ مطبع نول، ش سور: ۱۸۷۷۔

موت، علم، عقل، جسمانی رنگ دروپ میں وہاں نمایاں ہوتی ہیں ارواح، فرشتے، جبریل جو جسم سے پاک ہیں، اس عالم میں جسم معلوم ہوتے ہیں، اس کی مثال بالکل خواب کی سی ہے کہ اس میں بھی روحانیات سم ہو کر اور بھی جسمانیات کسی اور شکل میں نمودار ہو کر جلوہ گر ہوتے ہیں اور اہل معرفت ان کو دیکھ کر ان کی مناسب تعبیر کرتے ہیں، مثلاً: بھی خواب میں علم دریا کی صورت میں، غیظ و غضب آگ کی شکل میں، شجاعت شیر کی بیت میں نظر آتی ہے، اسی طرح عالم مثال میں بھی معانی و حقائق روحانیات و مجررات کسی مناسب جسمانی شکل و صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور ان کو دیکھ کر اہل بصیرت ان رموز و نکایات کی حقیقت کو پالیتے ہیں۔ خود عالم مثال میں کوئی آبادی نہیں، وہ صرف ایک آئینہ خانہ ہے جس میں عالم بالایا عالم زیریں سے جو شکل بھی اس کے سامنے آتی ہے، اہل بصیرت کو نظر آ جاتی ہے۔

علمائے اسلام میں سب سے پہلے یہ خیال امام غزالی کے ہاں ملتا ہے لیکن اس کو انہوں نے عالم کے لفظ سے نہیں بلکہ وجود کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کسی شے کے وجود کا ثبوت ہمارے پاس اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ ہم کسی نہ کسی طرح اس کا احساس یا تفہیم کرتے ہیں ہمارے معلومات و محسوسات ذہن میں موجود ہیں اور ان کا یہ وجود بھی اسی طرح ناقابل انکار ہے جس طرح عام اشیاء کا یہ خارجی وجود، لیکن نہ ہم ان کو دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ سوونگہ سکتے ہیں، نہ ٹھوول سکتے ہیں، اس بنا پر امام صاحب کے نزد یہ کہ وجود کی تین قسمیں ہیں: وجود ہی، وجود عقلی اور وجود خیالی۔ اس آخری قسم کی انہوں نے حسب ذیل تفصیل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان حال تمثیلی رنگ میں محسوس اور مشاہدہ بن کر سامنے آئے اور یہ خاص انہیا علیہ السلام اور پیغمبروں کی نشانی ہے، اس کی مثال خواب کی ہے جس طرح خواب میں زبان حال پیغمبروں کے علاوہ عام آدمیوں کو بھی تمثیلی رنگ میں نظر آتی ہے اور وہ آوازیں سنتے ہیں، مثلاً: کوئی خواب دیکھتا ہے کہ اونٹ اس سے باہمی کر رہا ہے یا گھوڑا اس کو خطاب کر رہا ہے۔ یا کوئی مردہ اس کو کچھ دے رہا ہے یا اس کا اتحاد پکڑ رہا ہے یا اس سے چھینتا ہے یا یہ دیکھے کہ اس کی انگلی پر آ قاب سورج یا چاند گہن بن گئی ہے یا اس کا انحن شیر ہو گیا ہے یا اس قسم کی صورتیں جن کو لوگ خواب میں دیکھا کرتے ہیں، انہیا علیہ السلام کو یہ چیزیں بیداری میں نظر آتی ہیں اور اسی بیداری کی حالت میں یہ چیزیں ان سے خطاب کرتی ہیں ایک جا گتا ہوا آدمی جس کو یہ چیزیں نظر آتی ہیں اور محسوس ہوتی ہیں وہ اس بات میں کچھ فرق نہیں کر سکتا کہ یہ خیالی گویا ہے یا خارجی اور حسی ہے خواب دیکھنے والے کو تو یہ فرق اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ وہ جاگ جاتا ہے اور خواب و بیداری کی دونوں حالتوں میں وہ فرق محسوس کرتا ہے۔

جن لوگوں کو ولاستہ تامہ حاصل ہو جاتی ہے ان کو تمثیلی رنگ تنہ نظر نہیں آتا بلکہ اس کا اثر عام حاضرین پر بھی پڑتا ہے اس کی ولاستہ اپنے فیض کی شعاعیں ان پر ڈالتی ہے اور وہ بھی وہی دیکھتے ہیں جو صاحب ولاستہ کو نظر آتا ہے اور وہی سنتے ہیں جو صاحب ولاستہ کو سنائی دیتا ہے۔

* مفسنوں بہ علی غیر اہله، ص: ۱۹۔ مصر

احیاء العلوم باب عذاب القبر میں بھی امام صاحب نے اس کی تصریح کی ہے۔ امام خطابی (مشہور امام الحدیث) نے معالم اسنن میں اس کو روایا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ معالم کا اصل نسخہ موجود نہیں، ۱ حافظ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں ان کی رائے نقل کی ہے شریک بن عبد اللہ کی روایت جن میں معراج میں خدا کے قرب کی تصریح ہے، اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

فمن لم يبلغه هذا من الحديث الاهذا القدر مقطوعاً عن غيره ولم يعتبره باول القصة وآخرها اشتبه عليه وجهه ومعناه وكان قصاراً امارات الحديث من اصله واما الواقع في التشبيه وهو حطتان مرغوب عنهما واما من اعتبر اول الحديث باخره فانه يزول عنه الاشكال فانه مصرح فيهما فانه كان رؤيا لقوله في اوله "و هونائم" وفي اخره "استيقظ" وبعض الرؤيا مثل يضرب ليتأول على الوجه الذي يجب ان يصرف اليه معنى التعبير في مثله وبعض الرؤيا لا يحتاج الى ذلك بل يأتي كالمشاهدة ۲

"پس جس شخص کو اس حدیث کا اتنا ہی تکڑا (کہ معراج میں آنحضرت ﷺ سے خدا قریب ہوا) حدیث کے دوسرے تکڑوں سے الگ ہو کر پہنچا اور اس نے آغازِ روایت اور آخر روایت کو باہم ملا کر نہ دیکھا تو اس حدیث کا مطلب اس پر مشتمل ہو جائے گا اور اس کا انجام یہی ہو گا کہ یا وہ اصل حدیث سے انکار کر دے اور یا یہ کہ وہ خدا کی تجسم کا قائل ہو جائے اور یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ ہیں لیکن جو شخص اول و آخر حدیث کو ملا کر دیکھے گا تو اس سے اشکال رفع ہو جائے گا کیونکہ حدیث کے شروع میں اور آخر میں یہ تصریح ہے کہ یہ خواب تھا کیونکہ شروع میں ہے کہ آپ ﷺ سور ہے تھے کہ آپ نے دیکھا اور آخر میں ہے کہ اس کے بعد آپ بیدار ہوئے بعض خواب برگ تمثیل ہوتے ہیں جن کی تعبیر اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح اس قسم کے خوابوں کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض خواب تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ کی طرح ہوتے ہیں۔"

امام صاحب کے بعد شیخ الاشراق نے اس کا عالم نام رکھا اور اس کی کچھ کیفیت بیان کی، مگر انہوں نے عالمِ مثال اور مثال افلاطونی کو باہم خلط ملٹ کر دیا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی اپنی بعض تصنیفات میں اس خیال کو ظاہر کیا ہے۔ خواجه حافظ کے ہاں یہ خیال پایا جاتا ہے:

ع عالمر ہست کہ ایں عالم ازاں تمثالے است

۱ اب یہ کتاب شائع ہو گئی ہے۔ ۲ فتح الباری، ج ۱۲، ص: ۴۰۲۔

حضرات نقشبندیہ میں نہیں معلوم یہ خیال کب سے قائم ہے۔ بہر حال امام ربانی شیخ احمد سرہندي کے زمانہ کے بہت پہلے سے یہ خیال ان میں پایا جاتا ہے کیونکہ امام ربانی کی تحریروں میں متعدد مقام پر اس کا ذکر ہے ان کے بعد تو حضرات مجددیہ کی تصنیفات میں اس عالم کی نیزگی اور بوقلمونی پر نہایت پراسرار مباحث ہیں علمائے مشکلین میں سے جس کو سب سے پہلے اس نظریہ کو علم کلام میں استعمال کرنے کا خیال پیدا ہوا وہ مجدد الف ثانی کے ایک مرید ملا بدر الدین ہیں، چنانچہ وہ ایک خط میں مجدد صاحب کو لکھتے ہیں:

پس عذاب قبر در عالم مثال خوابد بود در رنگ اے کہ در خواب در عالم
مثال احسان نمایند و نوشته بودند کہ این سخن شاخہ انے بسیار دارد اگر

قبول نمایند فروع بسیار برین سخن متفرع خوابد ساخت ❶

”پس عذاب قبر بھی عالم مثال میں ہوگا، اسی طرح جس طرح کہ خواب میں مثالی رنگ میں درد اور تکلیف محسوس ہوتی ہے اور یہ بھی انہوں نے لکھا کہ اس مسئلے سے بہت سی شاخصیں نکل سکتی ہیں اور اگر آپ قبول فرمائیں تو اس سے بہت سے فروع پیدا ہو سکیں گے۔“

یہی چند منتشر خیالات تھے جن کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک عالم بنادیا۔ چنانچہ جو جہة اللہ البالغہ میں عالم مثال کا ایک باب باندھا ہے اور اس کے تمام اصول و فروع بیان کیے ہیں۔
ہم اس موقع پر شاہ صاحب کے اس باب کا پورا ترجمہ درج کرتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم موجودات میں ایک ایسا عالم بھی ہے جو غیر مادی ہے اور جس میں معانی (اعراض و حقائق) ان اجسام کی صورت میں منتقل ہوتے ہیں جو اوصاف کے لحاظ سے ان کے مناسب ہیں، پہلے (اس عالم میں اشیاء کا ایک گونہ وجود ہو لیتا ہے تب دنیا میں ان کا وجود ہوتا ہے اور یہ دنیاوی وجود ایک اعتبار سے بالکل اس عالم مثال کے وجود کے مطابق ہوتا ہے۔“

اکثر وہ اشیاء جو عوام کے نزدیک جسم نہیں رکھتیں، اس عالم میں منتقل ہوتی ہیں اور اترتی ہیں اور عام لوگ ان کو نہیں دیکھتے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب خدا نے رحم کو پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ یہ اس شخص کا مقام ہے جو قطع رحم سے پناہ مانگ کر تیرے پاس پناہ ڈھونڈھتا ہے۔“ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”سورہ بقرہ اور آل عمران قیامت میں بادل یا سائبان یا صفت پرندوں کی شکل میں آئیں گی اور ان لوگوں کی طرف سے وکالت کریں گی جنہوں نے ان کی تلاوت کی ہے۔“ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”قیامت میں اعمال حاضر ہوں گے تو پہلے نماز آئے گی پھر خیرات، پھر روزہ۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”نیکی اور بدی دو مخلوق ہیں جو قیامت میں لوگوں کے سامنے کھڑی کی جائیں گی سو نیکی، نیکی والوں کو بشارت دے گی اور بدی، بدی

❶ مکتوب سی ویکم، ج ۲، ص: ۵۷۔

والوں کو کہے گی کہ ہٹو ہٹو لیکن وہ لوگ اس سے چیختے ہی رہیں گے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”قیامت میں اور جتنے دن ہیں وہ معمولی صورت میں حاضر ہوں گے لیکن جمعہ کا دن چمکتا ممکناً آئے گا۔“ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”قیامت میں دنیا ایک بڑھیا کی صورت میں لائی جائے گی جس کے بال کچھ بڑی دانت نیلے اور صورت بد نما ہوگی۔“ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”جو میں دیکھتا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے گھروں پر اس طرح برس رہے ہیں جس طرح باطل سے قطرے۔“ اور آنحضرت ﷺ نے معراج کی حدیث میں فرمایا: ”اچاک چار نہریں نظر آئیں دونہریں اندر بھتی تھیں اور دو باہر، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولے، اندر کی نہریں تو جنت کی ہیں اور باہر کی نیل اور فرات ہیں۔“ آنحضرت ﷺ نے کسوف کی نماز میں فرمایا: ”بہشت اور دوزخ میرے سامنے مجسم کر کے لائی گئیں۔“ اور ایک روایت میں ہے: ”میرے اور قبلہ کی دیواروں کے بیچ میں بہشت اور دوزخ مجسم ہو کر آئیں۔“ میں نے ہاتھ پھیلائے کہ بہشت سے انگور کا ایک خوش تولوں لیکن دوزخ کی گرمی کی پٹ سے رک گیا۔“ اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حاجیوں کے چور کو اور ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا، جس نے ایک بُلی کو باندھ کر مارڈا لاتھا اور ایک فاحشہ عورت کو بہشت میں دیکھا جس نے ایک کتے کو پانی پلایا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت جو عام لوگوں کے خیال میں ہے وہ اس قدر مسافت (یعنی کعبہ کی چار دیواری) میں نہیں سامسکتی اور حدیث میں ہے کہ بہشت کو تکروہات نے اور دوزخ کوشہوات نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ بھر جبریل کو خدا نے حکم دیا کہ دونوں کو دیکھیں اور حدیث میں ہے ” بلا جب نازل ہوتی ہے تو دعا اس سے گشتنی لاتی ہے۔“ اور یہی حدیث میں ہے کہ ”خدا نے عقل کو پیدا کیا اور اس سے کہا کہ آگے آ، تو وہ آگے آئی پھر کہا کہ پیچھے ہٹ تو وہ پیچھے ہٹ گی۔“ اور حدیث میں ہے کہ ” یہ دونوں کتابیں پور و گار عالم کی طرف سے ہیں۔“ اور حدیث میں ہے کہ ”(قیامت میں) موت ایک مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان ذبح کر دی جائے گی۔“ اور خدا نے فرمایا کہ ” ہم نے اپنی روح مریم کے پاس بھیجی، تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن کر آئی۔“ اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ” جبریل ﷺ آنحضرت ﷺ کے سامنے آتے تھے اور آپ سے باتیں کرتے تھے اور کوئی ان کو نہیں دیکھتا تھا۔“ اور حدیث میں ہے کہ ” قبر ہفتاد در ہفتاد گز چوڑی ہو جاتی ہے یا اس قدر مست جاتی ہے کہ مردہ کی پسلیاں بھر کس ہو جاتی ہیں۔“ اور حدیث میں ہے کہ ” فرشتے قبر میں آتے ہیں اور مردہ سے سوال کرتے ہیں اور مردہ کا عمل مجسم ہو کر اس کے سامنے آتا ہے اور نزع کی حالت میں فرشتے حریر یا گزی کا کپڑا لے کر آتے ہیں اور فرشتے مردہ کو لو بے کے گز سے مارتے ہیں، مردہ شور کرتا ہے اور اس کے شور کی آواز مشرق سے مغرب تک کی چیزیں سنتی ہیں۔“ اور حدیث میں ہے کہ ” قبر میں کافر کے اوپر ننانوے اڑدھے مسلط ہوتے ہیں جو اس کو

کائے ہیں تاہم قیامت۔“ اور حدیث میں ہے کہ ”جب مردہ قبر میں آتا ہے تو اس کو نظر آتا ہے کہ آنے
غروب ہو رہا ہے وہ انھیں ہے اور کہتا ہے کہ ٹھہرہ نماز پڑھ لوں۔“ اور حدیث میں اکثر جگد آتا ہے کہ
”قیامت میں خدا بہت سی مختلف صورتوں میں لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہو گا اور آنحضرت ﷺ
خدا کے پاس اس حالت میں جائیں گے کہ خدا اپنی کرسی پر بیٹھا ہو گا اور یہ کہ خدا انسانوں سے بال مشافہ بات
چیت کرے گا۔“ اس فرض کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

ان حدیثوں کو جو شخص دیکھے گا تین باتوں میں سے ایک نہ ایک بات اس کو مانی پڑے گی یا تو ظاہری
معنی مراد لے اور اس صورت میں اس کو ایک ایسے عالم کا قائل ہونا پڑے گا، جس کی کیفیت ہم بیان کرچکے ہیں
(یعنی عالم مثال) اور یہ صورت وہ ہے جو اہل حدیث کے قاعدے کے مطابق ہے، چنانچہ سیوطی ﷺ نے اس
کی طرف اشارہ کیا ہے اور خود میری بھی یہی رائے ہے اور یہی مذہب ہے۔ یا اس بات کا قائل ہو کہ دیکھنے
والے کے حاسہ میں واقعات کی یہی شکل ہو گی اور اس کی نظر میں وہ اسی طرح جلوہ گر ہوں گے گواں کے حاسہ
کے باہر ان کا وجود نہ ہو، قرآن مجید میں جو آیے ہے کہ ”آسمان اس دن صاف دھواں بن کر آئے گا۔“ اس کے
معنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی کے قریب قریب لیے ہیں (یعنی یہ کہ لوگوں پر قحط پڑا تھا تو جب کوئی
آسمان کی طرف دیکھتا ہوا اس کو بھوک کی وجہ سے آسمان دھواں سامنے معلوم ہوتا تھا، ابن ماجہون (مشہور حدیث
تھے) سے مردی ہے کہ جن حدیثوں میں خدا کے اترنے اور مرنی ہونے کا ذکر ہے ان کے معنی یہ ہیں کہ خدا
مخلوقات کی نظر میں ایسا تغیر پیدا کر دے گا کہ وہ خدا کو اسی حالت میں دیکھیں گے کہ وہ اتر رہا ہے اور جلوہ دکھا
رہا ہے اور اپنے بندوں سے گفتگو اور خطاب کر رہا ہے، حالانکہ خدا کی جو شان ہے اس میں نہ تو تغیر ہو گا نہ مغلظ
ہو گا اور یہ اس لیے ہو گا کہ لوگ جان لیں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ تیری صورت یہ ہے کہ یہ سب باقیں بطور
تمثیل بیان کی گئی ہیں جن سے مقصود کچھ اور ہے لیکن جو شخص صرف اس احتمال پر بس کرتا ہے میں اس کو اہل حق
میں شمار نہیں کرتا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے عذاب قبر کے بیان میں ان تینوں مقامات کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ
ان تمام واقعات کے ظاہری معنی صحیح ہیں اور ان کے اندر ورنی اسرار محضی ہیں لیکن ارباب بصیرت کے نزدیک یہ
اسرار فاش اور کھلے ہوئے ہیں تو جن لوگوں پر یہ اسرار فاش نہ ہوں ان کو ان کے ظاہری معنوں کا انکار مناسب
نہیں ہے کہ ایمان کا آخری درجہ تسلیم اور اقرار ہے۔

اس کے بعد دوسرے مفترق ابواب میں وہی، معراج، روایت ملائکہ، ملاقات انبیاء ﷺ، برائی، سدرۃ
النشیٰ وغیرہ سب کی تشرح اسی عالم میں کی ہے، ہم نے آگے چل کر ایک عالم روایا کا قائم کیا ہے، اس میں دکھایا
ہے کہ اس اصول کی صحت پر آیات و احادیث سے استناد ہو سکتا ہے۔ ان تمام نظریات پر ایک نظر ڈال لینے کے

بعد یہ بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ ان کا درجہ دلائل و برائین کافی نہیں ہے بلکہ حقیقت میں ان سے ہر نظریہ کا حاصل صرف اسی قدر ہے کہ بظاہر ان چیزوں کو تسلیم کرنے میں عقل کو جو استحالہ یا کم از کم استبعاد نظر آتا ہے وہ کم یا دور ہو جائے اس لیے ہرگواہ نے اپنے اپنے ذوق اور طریق فکر کے مطابق اپنے تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ سے ایک ایسا تمثیلی نظریہ قائم کیا ہے جس پر قیاس کر کے وہ باقی مجبور پر مشاہدہ سے ماوراءں ان کا کچھ دھندا ساختا کرہے ہیں انسانی میں قائم ہو جائے کہ وہ ان کے انکار و استبعاد کی جرأت نہ کر سکے اور قلب بدگمان اور عقول نارسا کسی قدر تسلی پاسکے، ورنہ ظاہر ہے کہ شاہد سے غائب پر، محسوسات سے غیر محسوسات پر، تجربیات سے ناممکن التجزی حقائق پر، جسمانی قوانین فطرت سے روحانی خصائص پر استشہاد کیونکر کیا جاسکتا ہے؟

کہ کس نہ کشودو نہ کشاید بہ حکمت ایں معمارا

مُعْجزَاتٍ

ہمارے متكلّمین کے نزدیک معجزہ وہ امر ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کے دعویٰ صداقت کے لیے دنیا پر ظاہر کرتا ہے، اس کے لیے چند شرائط ہیں، مجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ خارق عادت ہو، تو گویا معجزہ کی عام تعریف یہ سمجھی جانی چاہیے کہ معجزہ اس خارق عادت چیز کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے پیغمبر کی قدمی کے لیے صادر ہو، اب معجزہ کے ثبوت میں اصل اشکال جو پیش آتا ہے، وہ یہ ہے کہ عالم کا ناتھ ایک نظام خاص پر قائم ہے، ہر شے کی ایک علت اور ہر حادثہ کا ایک سبب ہے، علت اور سبب کے بغیر کوئی شے پیدا نہیں ہوتی، علت و معلول کا جو سلسلہ اشیاء میں نظر آتا ہے ان میں باہم اس قدر لازوم ہے کہ وہ ایک دوسرے سے منفك نہیں ہو سکتے، ہر شے میں ایک خاصیت ہے جو اس سے الگ نہیں ہو سکتی اور نیز جس شے میں جس چیز کی خاصیت نہیں ہے اس کا اس سے صدور بھی نہیں ہو سکتا، آگ جلاتی ہے، سمندر بہتا ہے درخت ساکن ہے، پھر چلانہیں، سورج میں نور ہے، کنکر بولتے نہیں، سکھیا زہر قاتل ہے، انسان مر کر پھر جیتا نہیں، اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ آگ نے جلایا نہیں، سمندر فمعنیہ تھم گیا، درخت چلنے لگا، پھر حرکت کرنے لگا، آفتاب میں سیاہی آگی، زہر کھا کر آدمی مرنہیں اور انسان مر کراشارے سے پھر جی اٹھا تو درحقیقت وہ اس پورے نظام فطرت کو جس پر دنیا قائم ہے درہم برہم کرنا چاہتا ہے، علل و اسباب کے تاروپ کو بکھیر دینا چاہتا ہے اور اشیاء کے ان طبائع اور خواص کے اعلانیاً انکار پر آمادہ ہے جو ہمارا کے تجربہ سے ثابت ہو چکے ہیں اور جن میں کبھی تخلف نہیں ہوا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ نظام فطرت، یہ سلسلہ علل و اسباب، یہ طبائع اور خواص اس درجہ ناقابل تمنیخ ہیں کہ ان میں کسی قسم کی تغیر و تبدلی نہیں ہو سکتی، فلاسفہ اور حکماء کے ایک گروہ کے نزدیک یہ نظام، یہ سلسلہ، یہ اصول ناقابل شکست اور ناقابل تغیر ہیں۔ حکماء اسلام کا گروہ (مثلاً: فارابی، ابن سینا، ابن مسکویہ وغیرہ) اس بات کا قائل ہے کہ یہ تو یقین ہے کہ اس نظام فطرت اور سلسلہ علل و اسباب میں نہ تغیر و تبدل ہو سکتا اور نہ دنیا میں کوئی شے بغیر علت عادیہ اور سبب طبعی کے پیدا ہو سکتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں کہ معجزات اس نظام سلسلہ سے الگ ہیں اور وہ فطرت کی قانون شکنی کرتے ہیں بلکہ وہ بھی علل و اسباب طبعی کے متاثر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم ان علل و اسباب کے احاطے سے اب تک قادر ہیں اور وہ اب تک ہماری نگاہوں سے مخفی ہیں ممکن ہے کہ تحقیقات انسانی کا دائرہ کبھی اتنا وسیع ہو جائے کہ ان کے علل و اسباب ہماری فہم میں آ جائیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ تسلیم ہے کہ عالم میں ایک خاص نظام فطرت، موجودات میں سلسلہ علل و معلولات اور اشیاء میں طبائع و خواص ہیں لیکن ہم ان کی اس درجہ بھر گیری کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ کسی حال میں اور کسی طریقے سے شکست نہیں ہو سکتے آج تک ہمارا علم یہ ہے کہ نباتات دانہ سے، پرندے ائمہ سے اور حیوانات نطفے سے پیدا ہوتے ہیں مگر ممکن ہے کہ کل وہ ان کے بیچ کے وسائل اور ذرائع کے بغیر فمعنیہ پیدا ہو جائیں، غرض یہ کہ خرق

فطرت کیتھے محل نہیں ہے، اشاعرہ اپنا عقیدہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نہ تو عالم میں حقیقتاً تو انہیں فطرت ہیں اور نہ خود اشیاء کے اندر خواص ہیں بلکہ ہر شے سے جو عمل سرزد ہوتا ہے اس کو درحقیقت اللہ تعالیٰ اسی وقت اس میں پیدا کر دیتا ہے، اشاعرہ کے اس عقیدہ کا نہ صرف مدعاں عقل نے بلکہ ارباب طواہر ॥ تک نے مضمون اڑایا ہے لیکن درحقیقت یہ خیال ایسا نہیں ہے کہ اس کوئی میں اڑا دیا جائے، چنانچہ اس کی تفصیل آگئے گی۔

فلسفہ اور حکما کی وہ جماعت جو قوائیں فطرت کے ناقابل شکست ہونے پر ایمان رکھتی ہے اور اس بنا پر محجزات و خوارق سے قطعی انکار کرتی ہے امام رازی نے لکھا ہے ॥ کہ گو خود ان فلاسفہ کا اصل عقیدہ یہی ہے کہ وہ متعدد ایسے اصول تسلیم کرتے ہیں جن کی بنابر خوارق فطرت کا تسلیم کرنا ان کے لیے لازم ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

① وہ ”تولد ذاتی“ کے قائل ہیں یعنی یہ کہ جن جانداروں کی پیدائش ایک نظام خاص کے ساتھ ہوتی ہے ایک قطرہ آب سے خون، خون سے گوشت، پھر بتدریج مدتِ حمل کے اندر وہ شکم مادر میں پرورش پاتے رہتے ہیں، ایک متعین زمانہ کے بعد وضع حمل ہوتا ہے، پھر شیر خوارگی اور بچپن کے دور سے آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے ایک تنومند، قوی ہیکل، ذی روح صورت میں ظاہر ہوتے ہیں وہ دفعۃ النجاح کے منازل کو طے کیے بغیر اس ہیکل اور صورت میں نہ دار ہو جائیں، یہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ قطرہ آب کے زمانہ سے لے کر اس عالمِ شباب کے عہد تک اس جمیوعہ عناصر کو جو سالہا سال صرف کرنے پڑے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان عناصر میں حیات کی قابلیت پیدا ہونے کے لیے ایک خاص قسم کے اعتدال ترکیب کی ضرورت تھی جب ترکیب میں یہ اعتدال پیدا ہوا، حیات پیدا ہو گئی اس بنابر اگر کسی مجموعہ عناصر میں اس قسم کا اعتدال پیدا ہو جائے جس میں حیاتِ انسانی کے قبول کی صلاحیت ہو تو بغیر نظرِ حمل، خون، گوشت، وضع حمل، شیر خوارگی، بچپن وغیرہ، درمیانی وسائل طبعی کے، ایک اچھا خاصہ ایک نوجوان مٹی کے پتلے سے بن کر کھڑا ہو سکتا ہے جیسا کہ برسات میں اکثر کیڑے کوڑے سڑی گلی مٹی میں ایک خاص اعتدالی کیفیت پیدا ہو جانے سے جاندار اور ذی روح بن جاتے ہیں، اسی کا نام ”تولد ذاتی“ ہے۔

اسی تفصیل کی بنابر ان کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ذی روح کی پیدائش کے لیے دنیا میں جو سلسلہ اسباب عادۃ جاری ہے اس کے خلاف ہو سکتا ہے، تو پھر عصا سانپ بھی ہو سکتا ہے، مردے زندہ بھی ہو سکتے ہیں۔ پہاڑ سونا بھی ہو سکتا ہے۔ ایک عصا کے سانپ بن جانے کی فطری صورت یہ ہے کہ پہلے وہ سڑکل کر مٹی ہو جاتا ہے، وہ مٹی غذا کی ٹکل میں ایک سانپ کے اندر جاتی ہے اور پھر وہ غذا دوسرا ٹکل میں بن کر سانپ کا بچہ بن جاتی ہے۔ تولد ذاتی کے اصول پر یہ ممکن ہے کہ نجاح کے وسائل کے بغیر عصا میں سانپ بننے کی صلاحیت

۱) علماء اہن حجیبہ بُوْحَدَیْہ نَبْرَد عَلَیٰ " طفیلین میں اور ان حزم ظاہری نے کتاب الفصل فی الملل والنحل جزء ۵، ج ۱۳، ص ۱۳۲۱ احمد میں اس کی پروردگاری کی ہے۔ ارادہ کے جدید کلام کے بانیوں نے بھی اس کا کچھ کم نہیں اڑایا ہے، استاد مرموم نے تو تقریباً اپنی برکاتی تصنیف میں اشاعرہ کے اس خیال کو مفاتحت سے تعمیر کیا ہے۔ ۲) مطالب عالیہ جو محجزات نہیں موجودہ دار اصنفین و تفسیر کبیر سورہ اعراف آیت ۶۷ فالقی عصاہ۔الجزء الرابع ، ص: ۳۹۳ دار النطباعة العاصمة استنبول۔

② یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں جو کچھ حادث ہوتے ہیں، وہ کسی نہ کسی حیثیت سے مادہ (ہیوی) ہی کے تغیرات کے نام ہیں مادہ (ہیوی) اس تمام عالمِ عصری کا ایک ہی ہے اس بنا پر عالم میں انواع، اشکال اور خواص کے یہ لاکھوں اور کروڑوں تنوعات اور اختلافات جو ہم کو نظر آتے ہیں ان کا سبب موثر اگر بالفرض خود مادہ ہی ہوتا تو ضروری تھا کہ تمام دنیا میں ایک ہی شکل اور ایک ہی خاصیت ہوتی کہو گے کہ یہ اختلاف و تنوع مادہ کے اختلاف استعداد سے پیدا ہوا لیکن وہ استعداد تو تاثر اور انفعال کا نام ہے علت فاعلہ اور سبب موثر کیا ہے؟ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اجرام فلکی کی گردش اور رفتار ہے مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اجرام فلکی اس گردش و رفتار اور اختلاف اشکال کی کوئی حد و نہایت ہے اور نہ کسی قانونِ نظری کے ماتحت ہیں اور نہ ان کا علم ہم کو ہو سکتا ہے تو اس اصول کے صحیح ہاوس کر لینے پر یہ قدرت اور خوارقِ فطرت کی وہ کون سی مثال ہے جس کے محال ہونے کا دعویٰ وہ کر سکتے ہیں۔

③ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے یا تو وہ کسی سبب موثر کی بنا پر ہوتا ہے یا بلا سبب موثر کے ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں خرق عادت کو تسلیم کرنا پڑے گا، اگر یہ کہیے کہ یہ حادث بلا سبب موثر کے وجود پذیر ہوتے ہیں تو گویا آپ نے خود خرق عادت کو تسلیم کر لیا پھر دنیا میں کوئی عجیب ہی عجیب اور مستعد بات بھی ناممکن نہیں رہتی اور اگر یہ کہیے کہ یہ سبب موثر کے نتائج ہیں تو دو حال سے خالی نہیں یا یہ سبب موثر صاحب اختیار و ارادہ ہے اور یہ تمام حادث و تاثیرات اس کے ارادہ اور اختیار سے صادر ہوتے ہیں یادہ بے اختیار اور مسلوب الارادہ ہے اور یہ حادث و تاثیرات اس سے اسی طرح بے ارادہ اور اخطر ارانہ طبعی طور سے سرزد ہوتے ہیں جس طرح سورج سے روشنی، آگ سے گرمی، برف سے ٹھنڈک، پہلی صورت میں مجرمات اور خوارق کے صدور میں کوئی استعمال نہیں کیونکہ اس مدیر و موثر کا جب، جیسا ارادہ ہو وہ شے اسی طرح واقع ہو گی کوئی اس کا مانع نہیں۔ دوسری صورت میں ظاہر ہے کہ یہ تمام تاثیرات اس بے ارادہ موثر عالم سے زمان قدیم سے ایک ہی طور پر سرزد ہوتی چلی آتی ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، ایسی حالت میں ایک عام واحد، قدیم و ازلی سبب و موثر سے، یہ ہرنے آن اور نئے لمحہ میں ٹھنڈے اور مختلف شکل و صورت اور خواص کی اشیاء کیوں کوئکاظہ ہو پذیر ہوتی ہیں آپ کہیں گے کہ علت تو بے شک واحد قدیم ہے مگر علت کے وجود کے ساتھ معلوم میں بھی تو استعداد اور قبولیت کا مادہ پیدا ہونا چاہیے مادہ میں یہ استعداد و صلاحیت گردش فلکی کے مختلف اشکال کا نتیجہ ہے لیکن ابھی یہ کہا جا چکا ہے کہ آپ کے نزدیک اشکال فلکی کی نہ تو کوئی حد و پایاں ہے اور نہ وہ کسی خاص قاعدہ اور اصول کے اندر محدود ہیں اس بنا پر حادث عالم کے اختلاف اور نیرگلی کا باعث اگر گردش فلکی کا اختلاف اور نیرگلی ہے تو ایسی صورت میں یہ کیوں نہیں ممکن ہے کہ جو چیز آپ کو بظاہر خلاف فطرت اور خلاف عادت معلوم ہوتی ہے وہ کسی خاص

شکل فلکی کا نتیجہ ہو۔

گزشتہ تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ حکماء اسلام نے مجذات کے امکان پر حسب ذیل دلائل قائم کیے

ہیں:

① تاثیرات فلکیہ: مجذات کے انکار کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس کے عمل کرنے کے لیے کوئی مادی عملت ہمارے پیش نظر نہیں ہے اور ہم تمام معمولات کی تشریع مادی اور طبعی عمل و اسباب سے کرنا چاہتے ہیں لیکن حکماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ گردش افلاک اور گردش نجوم کا اس دنیا کے خواست پر بہت بڑا اثر ہے اور قوائے فلکی اس عالم کے واقعات میں موثر ہوتے ہیں، ایسی صورت میں اگر کسی ظاہر عجیب و غریب شے کی تغییل ہم مادی طبعی عمل و اسbab سے نہیں کر سکتے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ اس کے اسbab فلکی و سماوی ہوں۔

② عمل خفیہ: یہ ہم کو تسلیم ہے کہ تمام خواست کسی نہ کسی سبب طبعی کی بنا پر ہوتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سبب طبعی ہمارے علم و فہم میں آجائے دنیا میں بیسیوں اسرارِ قدرت ہیں جن کی اب تک تخلیل نہیں ہو سکی ہے، اس بنا پر ممکن ہے کہ مجذات بھی اسbab طبعی کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے ہوں لیکن ان کے اسbab عمل اب تک ہماری نگاہوں سے مخفی ہوں، مثلاً: یہ کہ انیمانے چالیس دن تک ایک ساتھ روزہ رکھا اور اس مدت میں ایک دانہ بھی انہوں نے نہیں کھایا، لیکن با اسیہ مادے ان کی قوت جسمانی میں کوئی فرق نہیں آیا، یہ ظاہر عجیب بات ہے مگر سبب طبعی سے الگ نہیں ہے، ہم کو کیوں بھوک لگتی ہے؟ اس لیے کہ ہمارے قوائے معدہ غذا کو ہضم کر لینے کے بعد اس کے خون کو جسم کے مختلف حصوں میں پہنچا دیتے ہیں تو ان کے لیے پھر کوئی کام باقی نہیں رہتا اور ان کو کام کی تلاش ہوتی ہے لیکن ہم روز مرہ دیکھتے ہیں کہ یہماری کے سبب یا خوف طاری ہو جانے کے باعث سے یا کسی غم کے سبب سے جسم پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کئی کمی روز تک معدہ کے قوی مיעطل ہو جاتے ہیں اور وہ اپنا کام انجام نہیں دیتے، اس لیے اس کو بھوک بھی نہیں لگتی اس بنا پر اگر یہی حالت کسی نفس کی اس بنا پر ہو جائے کہ اس کو روحا نیات کے ساتھ شدت انہاک اور جسمانیات سے قطعِ علاقت ہو گیا ہے تو اس کے قوائے جسمانی بھی معطل ہو سکتے ہیں اور وہ مدت تک فاقہ کر سکتا ہے، اسی طرح دوسرے مجذات کی تشریع بیان کی جاسکتی ہے۔

③ قوت کمالیہ: اس عالم میں جس قدر انسان ہیں ان کے نفسانی خصوصیات کو اگر غور سے دیکھا جائے تو عجیب و غریب اختلافات نظر آتے ہیں ایک بلید الفہم اور کودن ہے تو دوسرا اس کا دشمن، ایک کے علوئے ہمت اور بلند حوصلگی کا شوق ہے تو دوسرے کو سخنے کا، ایک علم کا عاشق ہے تو دوسرا اس کا دشمن، ایک کے علوئے ہمت اور ضعیف الارادہ ہے کہ وہ تنکے کو بھی پہاڑ جاتا ہے، ایک اس قدر قوی الحافظہ ہے کہ معمولی سے معمولی بات بھی اس کے ذہن کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتی، دوسرے کو موثی موثی بات بھی یا نہیں رہتی، پھر علم و فن کے عشاں میں بھی

کسی کو ادبیات سے لگاؤ ہے، کسی کو عقلیات کا چکا ہے، کسی کو منقولات میں مزہ ملتا ہے۔ قوت شہوانیہ کے لحاظ سے دیکھو تو کسی کو سواری کا شو قین پاؤ گے، کسی کو لباس و پوشک اور وضع قطع کا، کسی کو کھانے پینے کا، ایک کو صرف دولت جمع کرنے میں مزہ ملتا ہے تو دوسرے کو اس کو اڑانے میں لطف حاصل ہوتا ہے، کوئی طبعاً حلیم ہے تو دوسرا سرتاپ غصب کا شعلہ، ایک خلقی طور سے قانع ہے تو دوسرا حریص اور طماع، کوئی بذریعہ بدار نہیں، دوسرا بظاہر سمجھدے اور متنین نظر آتا ہے مگر باطن نہایت بد اطوار اور خفیہ الحركت ہے۔ ان میں سے ہر وصف و خاصیت کے بھی سیکڑوں مدارج اور راتب ہیں الغرض صفات و خواص نفسانی کے مظہر اس قدر رگنا گوں اور بولمنوں ہیں کہ وہ حصر و تحدید میں بھی نہیں آ سکتے، غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ہر ایک انسان کے نفس میں جو خصوصیات ہیں ان کے مطابق جو اعمال و آثار اس سے صادر ہوتے ہیں ان پر اس کو مطلق تجہب نہیں آتا لیکن دوسرے اعمال و آثار جن کے خصائص اس کے نفس میں نہیں ہیں ان پر اس کو خفت تجہب آتا ہے بلکہ اگر ان اشخاص کو اس نے خود دیکھا نہ ہو تو اس کو ان خصائص کا یقین مشکل سے آئے گا۔ ایک بخیل کے زندگی ایک بذل و کرم کی راہ میں تمام گھر بارٹادیا ایک مافق البشریت کارنامہ ہے، ایک دنیا دار جاہ پسند اور حریص آدمی کو ایک زاہد قانع اور متواضع آدمی کو دیکھ کر تجہب آتا ہے، معمولی حافظہ والوں سے کوئی کہے کہ امام بخاری کو ۶ لاکھ حدیثیں یاد کھیں اور انہیں کے ایک نایبنا ادیب کو اغافی کی ۲۰ جلدیں نوک زبان تھیں، تو اس کو یقین نہیں آئے گا، تیمور، بابر، ہمیں بال اور نپولین کی قوت عزم و ارادہ کے قصے کمزور اور ضعیف ارادہ کے آدمیوں کو مجذہ معلوم ہوں گے، ایک کمزور ارادہ کا آدمی خود اپنی اولاد و اعزہ و خدام کو بھی قابو میں نہیں رکھ سکتا لیکن غیر معمولی عزم و ارادہ کے لوگ ہزاروں لاکھوں آدمیوں پر اس طرح استیلا حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ اس کے ہاتھ میں پھیکر بے جان بن جاتے ہیں، یہی حال دوسرے خصائص کے اختلاف کا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تمام نفوس انسانی کے اتحاد و مابینت کے باوجود یہ اختلافات کہاں سے آئے؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ہر نفس کی جو ہریت دوسرے سے مختلف ہے، اس لیے ایک سے جو خصوصیات اور افعال صادر ہوتے ہیں وہ دوسرے سے نہیں ہوتے یا یہ کہ ہر جسم کی ترکیب غیری میں اختلاف مزاج ہے جس کے سبب سے ایک کی خصوصیات دوسرے سے نہیں ملتیں، بہر حال ان دو میں سے جو پہلو بھی اختیار کر سکجے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ممکن ہے کہ بعض ایسے نفوس بھی ہوں جن کی روحانی یا جسمانی قوت میں کوئی خاص ایسی بات ہو جس کی بنا پر ان سے عجیب و غریب اعمال اور تصرفات صادر ہوتے ہیں جن کا صدور عام انسانوں کی روحانی و جسمانی قوت سے باہر ہے اور اس لیے وہ ان کو مستبعد اور ناقابل فہم نظر آتے ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح ایک بلید کو ایک ذی فہم کے افعال پر، ایک ضعیف الحافظہ کو ایک قوی الحافظہ کی قوت پر، ایک طماع و حریص کو ایک قانع و زاہد کے حالات پر، ایک کمزور و ضعیف الارادہ کو قوی الارادہ اور مستحکم العزم پر تجہب

آتا ہے لیکن چونکہ وہ نفوس جن میں مجزرات کی قوت ہے نادر الوجود ہیں اس لیے عموماً ان کے خصائص و آثار پر تجربہ اور استبعاد بھی معمول سے زیادہ ہوتا ہے۔

④ قوتِ نفسیہ: ہر انسان اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو جس طرح چاہتا ہے حرکت دیتا ہے۔ گویا ایک قوت ہے جو اس کے تمام قالب جسمانی پر مسلط ہے اور یہ جسم اس کے امر اور ارادہ کے ماتحت اس کے حکم کو اس طرح بجالاتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت سے سرواخاف نہیں کر سکتا یہ تصرف اور عمل ہر نفس انسانی اپنے جسم کے اندر کرتا ہے اور یہ معمولی اور ادنیٰ نفوس کی قوت کی نیزگی ہے لیکن جو نفوس ان سے زیادہ طاقتور ہیں، وہ اپنے جسم کے باہر دوسرے نفوس اور اجسام کو بھی اپنا مطیع فرمان کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے جن کو کمال کا مجزرا نہ حصہ ملا ہے، ان کے لیے یہ سارا مادی عالم مثل جسم کے ہوتا ہے اور وہ اسی طرح اس عظیم الشان جسم میں تصرف کرنے لگتے ہیں جس طرح معمولی انسان اپنے جسم میں کرتے ہیں۔

⑤ تاثیراتِ نفسانیہ: یہ روزمرہ کام شاہد ہے کہ نفس انسانی میں جو جذباتی تغیرات پیدا ہوتے ہیں، وہ اس کے جسم مادی کو متاثر کر دیتے ہیں، رات کو کوئی چیز دیکھی اور اس کا بیت ناک تصور کیا اور گھبرا کر چیخ آٹھا، یا بے ہوش ہو کر گر پڑا، کسی درخت کی پتلی شاخ پر چڑھتے یا چھت کے منڈریا پتے تختے کے پل سے گزرتے ہوئے خوف طاری ہوا، ہاتھ پاؤں میں لغزش ہوئی اور آدمی گر پڑا، غصہ سے آدمی کا چہرہ سرخ اور خالت و شرمندگی سے زرد پڑ جاتا ہے، آدمی نے کسی نا گوار واقعہ کا تخلی کیا، غصہ آ گیا، غصہ سے بدن میں گرمی پیدا ہو گئی اور گرمی سے پیندا آ گیا، گھض و ہم سے آدمی ڈرجاتا ہے بلکہ بیمار پڑ جاتا ہے، یہاں تک کہ کبھی کبھی مر جاتا ہے، ان تمام واقعات میں دیکھو کہ نفسانی اثرات مادی جسم کو متاثر کر دیتے ہیں یہ تو کمزور نفوس کا حال ہے لیکن جو لوگ کہ ارباب نفوس قدیس ہیں وہ اپنے نفسانی اثرات سے دوسرے اجسام کو متاثر کر سکتے ہیں اور ان میں عجیب عجیب تغیرات اور تصرفات کر سکتے ہیں، یہ آخری دلیلیں بعینہ وہی ہیں جو آج ہپنا نرم (تقویم مقناطیسی) اور مسرازم کے نام سے لوگ پیش کرتے ہیں۔

معزلہ اور اشاعرہ دونوں فطرت شکنی اور خرقی عادات کو تسلیم کرتے ہیں، جہاں تک ہم ان کی عبارتوں سے بھکستے ہیں۔ اس نتیجہ میں دونوں کا اختلاف نہیں ہے بلکہ جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اصل نظریہ میں ہے معزلہ یہ سمجھتے ہیں کہ خاصیت و اثر علیت و معلویت و سیمیت نفس اشیاء میں ہے یعنی خود اشیاء کی طبیعت کے اندر کوئی ایسی بات ہے جو ایک علت و سبب اور دوسرے کو معلول و مسبب بناتی ہے آگ کی طبیعت میں جلانا اور برف کی طبیعت میں ٹھنڈک پیدا کرنا اzel سے اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے اسی کا نام طبیعت ہے جس سے اس کی خاصیت کا ظہور ہوتا ہے، اس لیے معزلہ سمجھتے ہیں کہ آگ سے سوژش اور برف سے ٹھنڈک کا جو صدروہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ نفس آگ یا برف کی طبیعت میں کوئی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے آگ میں سوژش اور

برف میں مھنڈک محسوس ہوتی ہے اور جب کوئی مجرۂ نبوی ظاہر ہوتا ہے تو یہ طبیعت یا اس کی خاصیت تھوڑی دیر کے لیے بدل دی جاتی ہے یا روک لی جاتی ہے۔

اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ خود اشیاء کی طبیعت کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جس کی بنا پر ایک علت و سبب اور دوسرے معلول و مسیب ہو نفس آگ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کو ہم گرفتی کا سبب قرار دیں اور نہ بر夫 کے اندر مھنڈک طبیعت کے طور پر موجود ہے بلکہ مختلف اشیاء کے متعلق ہم کو جو مختلف احساسات ہوتے ہیں، مثلاً: کسی سے گرمی، کسی سے سردی، کسی سے سختی، کسی سے نرمی، کسی سے جلن، کسی سے مھنڈک کا، یہ ہمارے ذاتی احساسات ہیں جن کو ہم حسب ارادۂ الہی اشیاء میں محسوس کرتے ہیں، ہماری عادت یہ ہو گئی ہے کہ ہم ایک شے کے بعد دوسری شے کو ہوتے ہوئے جب دیکھتے ہیں تو ہم ایک علت اور دوسری کو معلول سمجھنے لگتے ہیں، ورنہ حقیقت میں علت و معلول میں لزوم کا کوئی طبعی تعلق نہیں، اگر ارادۂ الہی بدل جائے تو ہم آگ میں مھنڈک اور بر夫 میں گرمی محسوس کرنے لگیں، نفس آگ اور بر夫 کی طبیعت میں کوئی ایسی شے نہیں جو اس تغیر کو مکال قرار دے اور اس لیے حسب ارادۂ الہی مجزات کا صدور ہوا کرتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”الرد علی المنطقین“ میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ کا اصل بانی جنم ہے جس کے انتساب سے فرقہ جہیہ قائم ہوا تھا، اس کے بعد ابو الحسن الاشعري نے اس کی پیروی کی، علامہ موصوف نے مسئلہ مذکور کی تعریج ان الفاظ میں کی ہے:

لَكُنْ مِنْ لَا يَثْبُتُ الْأَسْبَابُ وَالْعُلُلُ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ كَالْجَهَنِ وَمَوْافِقِيَهُ فِي
ذَالِكَ مِثْلُ أَبِي الْحَسْنِ الْأَشْعَرِيِّ وَاتِّبَاعِهِ يَجْعَلُونَ الْمَعْلُومَ اقْتَرَانَ أَحَدِ
الْأَمْرَيْنِ بِالْآخِرِ لِمَحْضِ مُشَيْئَةِ الْقَادِرِ الْمُرِيدِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونَ أَحَدُهُمَا
سَبِيلًا لِلَاخِرِ وَلَا مُولَدًا لِلَّهِ. وَامَّا جَمِيعُهُو رَأْعِلَاءُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنِ وَغَيْرِ
الْمُسْلِمِيْنِ أَهْلَ السَّنَةِ مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ وَالْفَقَهِ وَالْحَدِيثِ وَالْتَّصُوفِ وَغَيْرِ
أَهْلِ السَّنَةِ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَغَيْرِهِمْ فَيَشْبِهُونَ الْأَسْبَابَ وَيَقُولُونَ كَمَا يَعْلَمُ
اقْتَرَانَ أَحَدِهِمَا بِالْآخِرِ فَيَعْلَمُ أَنَّ فِي النَّارِ قُوَّةً تَقْتَضِي التَّسْخِينَ وَفِي الْمَاءِ
قُوَّةً تَقْتَضِي التَّبَرِيدَ وَفِي الْعَيْنِ قُوَّةً تَقْتَضِي الْأَبْصَارَ وَفِي الْلِّسَانِ قُوَّةً
تَقْتَضِي الْذُوقَ وَيَشْبِهُونَ الطَّبِيعَةَ الَّتِي تُسَمَّى الْغَرِيزَةُ التَّنْحِيَةُ وَالْخَلْقُ

وَالْعَادَةُ وَنَحْوُ ذَلِكَ مِنَ الْأَسْمَاءِ۔

”لیکن مشکلمین میں جو لوگ اسباب و علل کے منکر ہیں، جیسے جنم اور اس مسئلہ میں جنم کے جو موافق ہیں، جیسے ابو الحسن اشعري اور ان کے پیرو، وہ یہ مانتے ہیں کہ ہم کو صرف یہ معلوم ہے کہ

.....

* الرد علی المنطقین، ص: ۹۰، ۹۱۔

ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ایک لگاؤ اور علاقہ ہے اور یہ لگاؤ اور علاقہ صرف اسی قادر ذی ارادہ کی مشیت سے ہے بغیر اس کے کہ ایک دوسرے کا سبب ہو، ایک دوسرے کو پیدا کرتا ہو۔ جمیلہ اور اشاعرہ کے علاوہ تمام عقولاً یا مسلمان یا غیر مسلمان، مسلمانوں میں اہل سنت ہوں خواہ وہ متکلم ہوں، اہل فقہ ہوں، اہل حدیث ہوں، اہل تصوف ہوں اور غیر اہل سنت میں محترم ہوں یا کوئی اور فرقہ ہو، یہ سب لوگ اسباب کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح ہم کو یہ معلوم ہے کہ ایک کا دوسرے سے لگاؤ اور علاقہ ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ آگ میں ایک قوت ہے جو گرمی کو چاہتی ہے اور پانی میں ایک قوت ہے جو ٹھنڈک کو مقتضی ہے اور اسی طرح آنکھ میں ایک قوت ہے جو رؤیت کا باعث ہے اور زبان میں ایک قوت ہے جو مزہ پیدا کرتی ہے یہ لوگ طبیعت کو ثابت کرتے ہیں جس کا دوسرا نام فطرت، خلقت، عادت وغیرہ ہے۔

اوپر خرق عادت کے امکان اور عدم امکان کے متعلق چار نہب ہم نے نقل کیے ہیں یہی نہاہب آج بھی فلسفہ کی مملکت میں قائم ہیں لیکن غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ حقیقت میں اس باب میں صرف دو نہ نہب ہو سکتے ہیں ایک ان لوگوں کا جو کسی نہ کسی طرح سے باری تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں اور دوسران لوگوں کا جو اس کے کیسر منکر ہیں۔ دوسراءِ گروہ حکماءٰ طبیعین کا یادہ پرستوں کا ہے جن کے نزد یہک عالم مادی کے باہر کچھ نہیں ہے اور تمام کائنات ذرات مادہ کے پاہی تاثیر و تاثر کی جلوہ انگیزیاں ہیں اور سلسلہ علم و معلوم اور اسباب و مسیبات اور آثار و خواص کے مظاہر اور نتائج ہیں ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کی جماعت مجرہ اور خرق عادت پر کیونکر ایمان لاسکتی ہے جو لوگ ان کے سامنے فسیلہ حیثیت سے براہ راست مجرہ اور خرق عادت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ایک بے سود کوشش کرتے ہیں اور اگر عقلی حیثیت سے خرق عادت کا ثبوت بھی بہم پہنچ گیا ہے تو جب وہ اس بنیاد کو جس پر ثبوت اور شریعت کی عمارت قائم ہے یعنی ایک برتر خالق قوت کا وجود تسلیم نہیں کرتے تو اس خرقی عادت کے ثبوت سے ارباب نہاہب اور پیر و این شرائع کی کیا مقصد برداری ہو سکتی ہے؟ اشاعرہ نے اثبات مدعی کا طریقہ اختیار کرنا چاہا کہ پہلے مجرہ اور عادت کا امکان اور وقوع ثابت کیا جائے اور اس مجرہ اور خرق عادت سے ثبوت پر استدلال کیا جائے، ثبوت کے ثبوت سے ایک قادر مطلق کا ثبوت ہاتھ آئے گا اور پھر اس کے ادکام شریعت کا ثبوت ہم پہنچ گا، اس طریقہ استدلال کو اختیار کرنا درحقیقت ایگناگہ بہنانا ہے۔

این رہ کہ تومی روی بہ ترکستان است صحیح راستہ ان کے مقابلہ میں یہ ہے کہ پہلے باری تعالیٰ کے وجود کا اثبات کیا جائے اس کے بعد ثبوت،

شریعت، خرق عادت، مجرزہ سب کچھ ثابت ہو جائے گا جب تک اس چنان پر بنیاد قائم نہ ہو گی عمارت مسٹکم نہیں ہو سکتی۔

اسباب خفید کی توجیہ بے کار ہے

دوسرافرقہ باری تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے اور مجرزہ کو تسلیم کرتا ہے خواہ وہ اس کے وقوع کے کچھ ہی اسباب بیان کرے، وہ درحقیقت خرق عادت کو بھی تسلیم کرتا ہے یا اس کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اس سے اس کو کوئی چارہ نہیں۔ حکماءِ اسلام، فارابی اور ابن سینا وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ مجرزہ اسباب خفید کی بنا پر صادر ہوتا ہے اور اس کے اندر وہی طبعی عمل داسباب ہوتے ہیں، اس لیے خرق عادت لازم نہیں آتا اور معمول نظام عالم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستے میں بحر قلزم (ریڈی) حائل تھا، حکم ہوا کہ اپنی لکڑی سے دریا کو مارو، دفعتہ دریا خشک ہو گیا اور راستہ پیدا ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر پار اتر گئے لیکن جب فرعون نے اپنے شکر کے ساتھ دریا میں قدم رکھا تو دریا پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا اور وہ اپنے شکر کے ساتھ ڈوب کر مر گیا وہ اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ دریا میں مدد و جرحت، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچ تو جزر تھا اور دریا پایا ب ہو گیا تھا اور جس وقت فرعون دریا میں داخل ہوا، مدشروع ہو گیا اور ڈوب گیا۔ ہم ان اعتراضات کو جو نقیح حیثیت سے اس توجیہ پر وار ہوئے ہیں کہ توراة اور قرآن مجید نے اس مجرزہ کی جس طرح شریع کی ہے اس کی یہ صحیح نقل نہیں ہے، نظر انداز کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچ تو جزر تھا اور جب فرعون آیا تو مد ہو گیا آیا یہ اتفاقی امر تھا اور ممکن تھا کہ اس کے بر عکس ہوتا یعنی فرعون نج جاتا اور حضرت موسیٰ ڈوب جاتے اور یا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے جزر اور فرعون کے لیے مخصوص طور سے پیدا کیا گیا تھا یا ایسے اسباب بہم پہنچائے گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جزر کے وقت پہنچیں اور فرعون مد کے وقت پہنچیں اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ اس خطرناک دریا میں بے سمجھے بونجھے قدم رکھ کر پہلی صورت میں تو مجرزہ کیا نبوت کی بھی تشكیل لازم آتی ہے اور دوسری صورت میں خرق عادت کی تسلیم سے چارہ نہیں اور خرق عادت تسلیم کر لینے کے بعد خدا کی قدرت مطلقہ پر بھی ایمان لانا ہو گا۔

حکماءِ اسلام کی غلطی کا سبب

اصل یہ ہے کہ حکماءِ اسلام نے اسطوکی تقلید کی ہے اور مسئلہ علت میں تمام مشائیہ کے نظریہ کو قبول کر لیا ہے کہ ذاتِ واجب الوجود علت اولیٰ یا عقل اول کی علت تامہ ہے اور علت تامہ سے معلول کا تخلف نہیں ہوتا اور اضطرر اس سے پیدا ہو جاتا ہے، اس میں اس کے ارادہ اور قصد کو دخل نہیں ہوتا۔ اس کی صحیح مثال آن قتاب اور روشنی کی ہے کہ آن قتاب کی روشنی علت تامہ ہے، جب آن قتاب نکلے گا، روشنی کا ظہور ہو گا۔ خواہ وہ

موالع کی وجہ سے کبھی ہم کو نظر نہ آئے اور آفتاب سے اس روشنی کا صدور آفتاب کے قصد دارادہ سے نہیں ہے بلکہ مجرماً اور اخطر از ای روشی پیدا ہو رہی ہے عقل اول کے پیدا ہونے کے بعد عالم کا ناتام کا تمام کا رخانہ باہمی سلسلہ علل و معلول سے خود بخوبی پیدا ہونے لگا اور تمام عالم ایک ایسے نظام میں بندھ گیا۔ اب خالق اول کو اس میں دست اندازی کی مطلق قدرت ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مذہب کا پیروں سلسلہ علل و معلول کو نہیں توڑ سکتا اور اس لیے وہ خرقی عادت کو بھی تسلیم نہیں کر سکتا لیکن تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کی توجیہ ظاہری سلسلہ علل و معلول سے نہیں ہو سکتی اور شان کے وقوع سے کوئی انکار کر سکتا ہے، اس لیے ایک طرف اس کو لامحالہ ان واقعات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور دوسری طرف چونکہ وہ خدا کو مضطرب اور مجرمان چکا ہے، اس لیے براہ راست ان واقعات کو اس کی طرف منسوب نہیں کر سکتا اور چونکہ بلا سبب اور بے علت کے کوئی شے ہو نہیں سکتی، اس بنابر اسباب علل خفیہ کے سایہ کے سوا اس کو اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی مگر آپ نے اوپر دیکھ لیا کہ یہ بھی محفوظ نہیں اور خدا کو سوائے قادر مطلق مانے چاہ رہ نہیں۔

اشاعرہ اور معترض لہ میں نتیجہ کا اختلاف نہیں

اشاعرہ اور معترض لہ کے درمیان جو اختلاف ہے وہ صرف نظریہ کا فرق ہے اس سے نفس خرقی عادت اور مجرہ کے ثبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ امر کہ اشیاء کے طبائع میں فی نفسہ خواص اور آثار و دیعات ہیں یا اللہ تعالیٰ بروقت ان کو پیدا کر دیتا ہے، ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے کسی پہلو کے اثبات اور دوسرے کی تفصیل پر کوئی دلیل نہیں قائم کی جاسکتی اور مجرہ کے سلسلہ میں ہم کو اس کے چھیڑنے کی ضرورت نہیں، اس کا کوئی پہلو بھی صحیح ہو، بہر حال دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ بھی کبھی اشیاء کی عادت جاریہ کو اللہ تعالیٰ توڑ دیتا اور بدلتا ہے۔

خرق عادت سے انکار کا اصلی سبب سلسلہ اسباب علل پر یقین ہے

الغرض مجرہ بمعنی خرق عادت سے صرف اس فریق کو انکار ہے جو یا تو خدا کا قطعاً منکر ہے یا یہ کہ وہ خدا کو قادر و ذی ارادہ نہیں مانتا اور ناقابل شکست سلسلہ علل و معلول کے گورکھ دھندے پر یقین کامل رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ تمام نظم کا ناتام باہمی تاثیر و تاثر کا نتیجہ ہے، غور کیجھ تو معلوم ہو گا کہ اس مذہب کے پیر و اپنے اس عقیدہ باطل کے ضمن میں چند اور موہوم بالتوں کو بھی بلا دلیل تسلیم کیے بیٹھے ہیں اور اس لیے خرق عادت کے قبول کرنے کی ان کو جرأت نہیں ہوتی۔

مکمل اسلام میں ملاذ عادات کا بہ سے برداشتگاری بیان اسناد میں لکھتا ہے:

ولکنہا تجارتی لمباثت طلب اسبابها..... ثم انى لواقصصت جزئيات هذا الباب فيما شاهدناه

وفيمما حکى عن صدقناه الطالب الكلام

”لیکن یہ تجربے ہیں جب وہ ثبوت کو پہنچ گئے تو ان کے اسباب کی علاش ہوئی اور اگر اس قسم کی جزئیات کا تشکیل کریں جو ہم نے خود مشاہدہ کیا یا ان لوگوں سے جن کو ہم معتبر سمجھتے ہیں سنائے تو بہت طول ہو جائے گا۔“

سلسلہ اساباب عمل پر علم انسانی کو احتوا نہیں

- ① گویا انہوں نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کائنات کے جو علل اور اشیاء کے جو خواص انہوں نے دریافت کر لیے ہیں وہ نظام کائنات کے چلانے کے لیے کافی ہیں، اس کے لیے کسی اور کے دست اندازی کی ضرورت نہیں۔
- ② کائنات کے چہرہ اسرار کو انہوں نے تمامتر بے نقاب کر لیا ہے اور ہر شے کی علت اور خاصیت انہوں نے دریافت کر لی ہے۔

حالانکہ انسانی معلومات اس کے موجولات کے مقابلہ میں بہت کم حیثیت ہیں، اس فضائے کائنات کی بے شمار آبادیوں میں زمین نام ایک آبادی کے چوہائی خشک حصے کے بعض اجزاء کائنات تک فقط ان کی رسائی ہو سکی ہے، اس مبلغ علم پر اتنا عظیم الشان دعویٰ کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ جن چیزوں تک ان کی رسائی ہوئی بھی ہے ان کے متعلق جو کچھ نہیں معلوم ہوا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ یہ چیز اس طرح چل رہی ہے لیکن یہ حقیقت کہ وہ کیوں چل رہی ہے اور اگر وہ اس کے خلاف چل تو کیا استحالہ لازم آئے گا؟ یہ ایک معہد ہے اور ہمیشہ معمد رہے گا، اجرام فلکیہ اور طبقات ارضیہ کو چھوڑ دو کہ وہ دور ہیں، تم یہ کہتے ہو کہ بجلی میں یہ قوت ہے، سکھیا میں یہ اثر ہے، مقناطیس کا یہ خاصہ ہے لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ کیوں ایسا ہے؟ اور نزدیک آؤ، اپنے جسم کی دنیا کو دیکھو، تم صرف یہ جانتے ہو کہ سانس کی آمد و رفت ہمارے پھیپھڑوں کی حرکت سے ہے؟ بنس کی رفتار قلب کی قبض و بسط کی ڈوری سے وابستہ ہے، تمہارا نفس یا زہن بھوؤں میں ہزاروں میل کی خبر لیتا ہے اور خدا جانے عجا بات نفاسی کے کیا کیا تماشے دکھاتا ہے لیکن کوئی یہ حل کر سکا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دل کو کس نے مضطرب بنا رکھا ہے؟ پھیپھڑوں کی دھونکی کس طرح روز و شب مصروف عمل ہے دماغ کے ڈنی افعال کیوں کر سرانجام پاتے ہیں؟ جب اتنے قریب کی چیز تھمارے فلسفہ علل و اساباب کے دائرة سے باہر ہے تو دور دراز کی اشیاء کی نسبت تمہارا دعویٰ علم کس قدر تخریغیگزی ہے۔ حکما یعنی سائنسیت اعلانیہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ صرف ”کیسے“ کا جواب دے سکتے ہیں ”کیوں“ کا جواب ان کے موضوع بحث سے خارج ہے۔ فلاسفہ کا یہ حال ہے کہ دو فلسفی بھی ایک نظام خیال پر متفق نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطقین میں لکھا ہے: ”فلسفہ کوئی ایک متحدا خیال جماعت نہیں جس کا علم الہیات و طبیعت وغیرہ میں کوئی ایک مذہب ہو، بلکہ وہ مختلف الخیال فرقے ہیں اور ان کے اندر آراء و خیالات کا اتنا اختلاف ہے کہ اس کا احاطہ بھی مشکل ہے ان کے باہم اختلافات تو اس سے بھی زیادہ ہیں جس قدر کسی ایک آسمانی مذہب کے مختلف فرقوں کے اندر ہیں۔“ *

اس اختلاف رائے اور اس اختلاف خیال کی بنا پر کسی فلسفی کا یہ دعویٰ مذہب کا فلاں مسئلہ فلسفہ کے خلاف ہے، اس لیے ناقابل قبول ہے۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ یہ مسئلہ ہماری رائے یا ہماری جماعت کی رائے کے خلاف ہے، اس لیے ناقابل تسلیم ہے تو یہ مذہب پر ہی کیا موقوف ہے ہر نظام فلسفہ کا قائل

* الرد علی المنطقین، ص: ۲۹۰۔

دوسرے نظام فلسفہ کے بطلان پر اسی قدر وقوت سے اس استدلال کو کام میں لاسکتا ہے غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ فلسفہ کے جس قدر فرقے (اسکول) اور نظمات (سُسْم) ہیں درحقیقت وہ اسرار کائنات کے متعلق ایک مرتب خیال کی کڑیاں ہیں، ان مرتب خیال کی کڑیوں کو مان کر جس کے نفس کی تسلیم ہو جاتی ہے، وہ ان کا فلسفہ ہے اسی طرح مذہب بھی اپنا ایک نظام خیال رکھتا ہے اور جو لوگ اس نظام خیال پر یقین رکھتے ہیں ان کی اس سے تشقی ہو جاتی ہے ایسی حالت میں اگر مجوزہ کا امکان یاد قوع کسی نظام خیال کے خلاف ہے تو نفس یہ اختلاف اس کے ابطال کی دلیل نہیں ہو سکتا ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ہر فلسفیانہ مسئلہ اس لیے باطل ہے کہ دوسرے نظام فلسفہ کے وہ خلاف ہے۔

نظام عالم کے چلانے کے لیے علل و اسباب کے کافی ہونے کے فلسفہ پر یقین رکھنے کے لیے سب سے پہلی بحث کا آغاز آفرینش کی آتی ہے، آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ شے اس سب سے پیدا ہوئی اور اس شے کی پیدائش کا یہ سبب ہے؟ لیکن کیا کوئی یہ بتاسکتا ہے کہ یہ ماہہ کہاں سے آیا؟ اور اس کے حدوث کا سبب کیا ہوا؟ عناصر کیونکر اور کیوں وجود میں آئے؟ یہ نوع ب نوع چیزیں کیونکر بن گئیں؟ ہمارے جواب میں ان نظریات کا ذکر نہ کیجئے جن کا نام اصول ارتقا اور انتخاب طبعی وغیرہ ہے کہ ان کی علمی حیثیت مفروضات اور وہمیات سے زیادہ نہیں اور ان کی اخیر سرحد بالآخر عالمی اور جہالت پر جا کر ختم ہو جاتی ہے، ماہہ کی ابتدائی بنیاد چاہے اربع عناصر کو بتائے یا جواہر فردہ کو، یا سالمات کو، یا ایکھر کو، یا بر ق پاروں کو جن کو بھی بتاؤ لیکن ان کے حدوث کی علت نہیں بتائی جاسکتی اور نہ بتاسکتے ہیں کہ بالآخر وہ کہاں سے آئے؟ اب تو حیوانات نطفہ سے، پرندے ائمہ سے اور درخت گٹھلی سے پیدا ہوتے ہیں اور بغیر ان کے پیدا ہونا ناممکن سمجھا جاتا ہے لیکن یہ کوئی بتاسکتا ہے کہ دنیا کا پہلا حیوان پہلا پرندہ اور پہلا درخت بغیر کسی نطفہ، کس ائمہ سے اور کسی گٹھلی کے پیدا ہوا یا نہیں؟ اگر ہاں کہتے ہیں تو آپ نے اپنے دعویٰ کے خلاف ایک شہادت قبول کر لی اور اگر انکار کرتے ہیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پہلا نطفہ، پہلا ائمہ اور پہلی گٹھلی، انسان، پرندہ اور درخت کے بغیر پیدا ہوئی غرض اس گھنی کو آپ اپنے ناخن حکمت سے کسی طرح سمجھا نہیں سکتے اور ناچار آپ کو سلسلہ علل و اسباب کے مذہب سے برگشتہ ہونا پڑے گا۔

حقیقی علت خدا کی قدرت اور ارادہ ہے

جہاں آپ اپنے سلسلہ اسباب و علل کو چند قدم بڑھا سکتے ہیں وہاں بھی بالآخر پر افکن ہونے سے چارہ نہیں، پانی بادل سے برسا، بادل بخارات سے بنے، بخارات پانی سے اٹھے، جو سورج کی پیش سے گرم ہو کر یہ صورت اختیار کر لیتے ہیں، غرض پانی بخارات سے پیدا ہوا اور بخارات پانی سے پیدا ہوئے اس دور کے عقدہ لا نیخل کو آپ حل کر سکتے ہیں؟ یہ ناممکن ہے اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایک قادر و ذی ارادہ ہستی کو تسلیم کیجئے جس کی مشیت اور ارادہ سے سارا کارخانہ چل رہا ہے اسباب و علل صرف اس کی مشیت و ارادہ کے

مظاہر ہیں اور وہ اپنی عادت کے مطابق ایک طریق خاص پر اس کو چلا رہا ہے لیکن وہ اس کا پابند نہیں ہے صد یوں میں جب اس نے ضرورت بھی انسانوں میں اپنا ایک نشان قائم کرنے کے لیے عادت کے خلاف کوئی بات ظہور پذیر کر دی، علت و معلویت کا تعلق جو بظاہر نظر آتا ہے، ہم نے اس کی عادت جاریہ کی یہ رگنی اور یکسانی سے اس کو بجھ لیا ہے کہ اگر اس کی عادت جاریہ یہ رگنی اور یکسانی اختیار نہ کرتی تو مخلوقات اپنے منافع کے حصول اور مضرتوں کے دفع کے لیے پہلے سے کوئی تیاری نہ کر سکتیں۔

مولانا روم اور اسبابِ عمل اور مججزہ کی حقیقت

عارف روم نے اسی حقیقت کو ان اشعار میں ادا کیا ہے:

ستتر بنہا دو اسباب و طرق طالبان را زیر این ازرق تنق
”اللہ تعالیٰ نے آسمان کے ان نیلے پردوں کے نیچ کام کرنے والوں کے لیے عمل و اسباب اور عادات مقرر کر دیے ہیں۔“

بیشتر احوال بر سنت رود گاہ قدرت، خارقِ سنت شود
”دنیا کے زیادہ تر واقعات اُنہی عادات جاریہ کے مطابق ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی قدرت الہی اس عادت کو توڑ بھی دیتی ہے۔“

سنت و عادت نہادہ بامزہ باز کردہ خرق عادت معجزہ
”طریق و عادات (یعنی اسبابِ عمل) کو اس نے خوش آئندہ بنا لیا ہے لیکن پھر مججزہ سے خرق عادت بھی کر دیتا ہے۔“

اے گرفتار سبب! بیرون مپر لیک عزل آن مسبب ظن مپر
”اے وہ جو اسبابِ عمل کی زنجیر میں گرفتار ہے زیادہ نہ اڑ اور یہ خیال نہ کر کہ ان اسبابِ عمل کے بنا دینے سے وہ علاحدہ اعلل مسبب الاصباب بیکار ہو گیا۔“

هر چہ خواہد او مسبب آورد قدرت مطلق سببہا بر درد
”وَهُقْيَقَى مُسْبِبُ الْأَسْبَابِ جُوْجَاهَ كَرَءَ اُور اس کی قدرت علی الاطلاق اسباب کو توڑ دے۔“
لیک اغلب بر سبب راند نقاد تا ابد از طالبی جستن مراد
”لیکن بیشتر وہ اسباب ہی کے مطابق دنیا کو چلاتا ہے، تا کہ کام کرنے والوں کو اپنے حصول مقصد کا راستہ معلوم ہو۔“

چون سبب نبود چہ رہ جوید مرید پس سبب در راہ می آید پدید
”اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو کام کرنے والوں کو راہ کیونکر ملے؟ یہی اسباب تو نشانات ہیں کر نہ مدار ہوتے ہیں۔“

ایں سبب ہا برو نظر ما پر دہ ہاست کہ نہ ہر دیدار صنعت راس زال است
”یہ ظاہری اسباب لگاؤں کے پردے ہیں کیونکہ ہر آنکھ اس کی صنعت کو نہیں دیکھ سکتی۔“

دیدہ باید سبب سوراخ کن تا حجب را برکند از بیخ و بُن
”اس کے لیے ایسی آنکھ چاہیے جو اسباب کا پردہ چاک کر دے، تاکہ جبابات اٹھ جائیں۔“

از مسبب می رسد ہر خیر و شر نیست اسباب و وسائل را اثر
”درحقیقت ہر نیک و بد ای اصلی مسبب الاسباب کے یہاں سے پہنچتا ہے اور اس میں درمیانی اسباب و وسائل کو دخل نہیں۔“

باد و خاک و آب و آتش بتندہ اند بامن و مردہ با حق زندہ اند
”ہوا، مٹی، پانی اور آگ سب خدا کے تکون ہیں یہ ہمارے تمہارے سامنے تو بے جان مگر خدا کے سامنے جاندار ہیں۔“

سنگ بر آهن زنی بیرون جہد ہم به امر حق قدم بیرون نہد
”جب پھر لو ہے پر مار و تواس سے آگ نکلتی ہے یہ خدا ہی کے حکم سے اپنا قدم باہر کالتی ہے۔“

آهن و سنگ از ستم بربسم مزن کا یں دومی زایندہ مچو مردو زن
”لو ہے اور پھر کو بے فائدہ ایک دوسرے پر مت مار دکھی یہ دونوں نزو مادہ ہیں جو آگ کا بچ پیدا کرتے ہیں۔“

سنگ واہن خود سبب آمد ولیک توبہ بالا ترنگر ای مرد نیک
”پھر اور لوہا گوید دونوں آگ کا سبب ہیں لیکن ذرا اس سے آگے بڑھ کر غور کرو۔“

کا یں سبب را آن سبب آورد پیش بے سبب کے شد سبب ہر گز بخوبیش
”کہ اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب (خدا) نے آگے کر دیا یہ ظاہری سبب خود بے خود بلا سبب کب پیدا ہوا ہے۔“
آن سبب را آن سبب عامل کند باز گاہ سے بے پرد عاطل کند
”اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب نے دنیا میں موثر اور عامل بنادیا ہے پھر جب چاہے وہ اس کو بے اثر اور بیکار قرار دے سکتا ہے۔“

وان سبب ہا کانبیاء را رببر است آن سبب ہا زین سبب ہا برتر است
”جو اسباب کے انبیا کے کاموں میں پیش پیش ہوتے ہیں وہ ان ظاہری و دنیاوی اسباب سے بلند اور برتر ہیں۔“

ایں سبب را محروم آمد عقل ما وان سبب ہا راست محروم انبیاء
”ان ظاہری علل و اسباب کی محروم تو ہماری انسانی عقلیں ہیں لیکن ان حقیقی اسباب کے محروم انبیاء غلط ہیں۔“

چونکہ ظاہر ہیں ان اسباب علل کو دیکھ کر اصل علة العلل اور مسبب الاسباب کو بھول جاتے ہیں

* مشوی مولانا روم، دفتر ثالث، ج ۱: ۲۷۴ مطبع ناصری، بیت المقدس ۱۳۸۱ھ ایضاً مترجم قضی جواد حسین فتح پوری، ج ۱: ۱۶۱، بیتی آرٹ پرنس قاسم جان دبلیو: ۲۷۱۹۔

اور وہ نگاہوں سے اوچھل ہو جاتا ہے اس لیے انہیاں عَلَمٌ اس غفلت کے پردے کو چاک کر دیتے ہیں اور ظاہری علل و اسباب ان کے لیے بیکار کر دیتے جاتے ہیں۔

ہست بر اسباب، اسباب دگر در سبب منگر در آن افگن نظر
 ”ان ظاہری اسباب کے اوپر حقیقی اسباب بھی کافر مانیں، ان ظاہری اسباب کو نہ دیکھو حقیقی اسباب پر غور کرو۔“

انبیا در قطع اسباب آمدند معجزات خویش بر کیوں زدند
 ”انبیا قطع اسباب کے درپے ہیں اور اپنے مجذرات کا جہذا انہوں نے مرخ خیں گاڑ دیا ہے۔“
بی سبب مربع رابشگا فتند بی زراعت چاش گندم یافتند
 ”بغیر کسی سبب ظاہری کے انہوں نے سمندر کو شق کر دیا اور کھیت کے بغیر گیہوں کا خوش حاصل کیا۔“
جملہ قرآن ہست در قطع سبب عز درویش و ہلال بولہب
 ”تمام قرآن قطع اسباب کے بیان سے بھرا ہوا ہے، آنحضرت ﷺ کا غلبہ اور ابوالہب کی بربادی بھی اسی طرح ہوئی۔“

مرغ با بیلے دوسہ سنگ افگند لشکر رفت حبش را بشکند
 ”پرندے کنکریاں چینکتے ہیں اور جبش کے سیاہ لشکر کو شکست دیتے ہیں۔“
پیل راسوراخ سوراخ افگند سنگ مرغ کو ببالہ پر زند
 ”یکنکریاں جو اپر سے آتی ہیں، ہاتھیوں کے بدن میں چھید کر کے ڈال دیتی ہیں۔“
بسم چنین ز آغاز قرآن تا تمام رفض اسباب است و علت والسلام
 ”اسی طرح شروع سے آخر تک قرآن اسباب علل کے موثر حقیقی ہونے کا منکر ہے۔“

علت، خاصیت اور اس کی حقیقت

اس اجمالی کی تفصیل علت، خاصیت اور اثر کی تحقیق پر ہنسی ہے، اشیاء میں جو خواص اور آثار ہیں، ان کا علم ہم کو کیونکر ہوتا ہے؟ بھض تکرار احساس سے، جس کا درست نام تجوہ ہے۔ جب ہم آگ کے پاس جاتے ہیں تو گرمی اور سوزش کا احساس کرتے ہیں اور پھر جب جب ہم آگ کے پاس گئے تو ہم کو اسی قسم کا احساس ہوتا رہا۔ اس سے ہم میں یہ یقین پیدا ہوا کہ آگ کا خاصہ اور اثر گرمی اور سوزش ہے، فرض کرو کہ اگر تکرار احساس سے یہی تجوہ ہم کو برف سے حاصل ہو جائے تو یقیناً ہم کہہ دیں گے کہ برف کی خاصیت سوزش اور گرمی ہے برف اور آگ دونوں آپ کے سامنے ہیں دونوں کو اچھی طرح غور سے دیکھئے کیا ان کی ذات میں کوئی ایسی

* مشنوی مولانا روم، دفتر سوم، ص: ۲۴۴ مترجم قاضی سجاد حسین۔ ”ضن۔“

چیز نظر آتی ہے جس کی بنا پر احساس بلکہ تکرار احساس سے قبل آپ یہ فیصلہ کر دیں کہ ایک میں گرمی اور دوسرا میں شنڈک کا ہونا ضروری ہے اور آپ کے ہاتھ میں کوئی شخص کافروں اور سکھیا دنوں کی تھوڑی تھوڑی مقدار لا کر رکھ دیتا ہے اس سے پہلے آپ ان چیزوں سے واقف نہ تھے اب آپ دونوں کو غور سے دیکھئے اور خوب الٹ پلٹ کر دیکھئے، سو گھر کر، چکر کر، چھو کر، کس طرح آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان کے خواص و آثار کیا ہیں؟ یہ فیصلہ کرنا ممکن ہے۔ جب تک ان کا بار بار تجربہ نہ کیا جائے اور ہر بار کے عمل سے ایک ہی نتیجہ ظاہر نہ ہو اس سے ثابت ہوا کہ اشیاء کے خواص و آثار کا علم صرف یکسانی عمل اور تجربہ پر موقوف ہے۔ عمل کی اسی یکسانی اور تجربہ کی بنا پر ہم عمل و معلومات اور اسباب و مسیب اب کا سلسلہ قائم کرتے ہیں اور اسی کی بنا پر مدعا عقل و دانش وہ صنم کدہ قائم کرنا چاہتے ہیں جس کے پرستاروں کے نام پیغمبری، میری پیلس، مادہ پرست، فطرت پرست اور طبعی ہیں وہ جب ایک شے سے ایک ہی عمل اور اثر کا بار بار تجربہ کرتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں کہ اس شے سے اس خاصیت و اثر کا انفکاک قطعاً محال ہے اور جب ایک شے کے بعد فراؤ دوسرا چیز پیدا ہوتے دیکھتے ہیں اور بار بار دیکھتے ہیں اور کبھی اس میں تخفف نہیں پاتے تو یہ یقین کلی کر لیتے ہیں کہ دوسرا شے معلوم و مسیب اور پہلی شے علت و سبب ہے اور یہ کلی قائم کر لیتے ہیں کہ گرمی و سوزش کا سبب آگ ہے، شنڈک اور برودت کا سبب برف ہے، موت کا سبب سکھیا ہے یا یوں کہیے کہ آگ کا خاصہ جلانا، برف کا خاصہ شنڈا کرنا، سکھیا کا خاصہ انسان کی زندگی کو ختم کر دینا ہے۔ مجذہ کے امکان سے چونکہ ان کے خیال کے مطابق ان آثار و خواص کا انکار یا عمل و اسباب کا ابطال لازم آتا ہے یعنی یہ ماننا پڑتا ہے کہ آگ، ہوا اور جلانے نہیں، سمندر ہوا اور غرق نہ کرے، اس لیے وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مجذہ قطعاً محال ہے۔

اسباب و عمل محض عادی ہیں

لیکن ابھی ثابت ہو چکا کہ ہم جن کو آثار خاص یا اسباب و عمل کہتے ہیں محض اس تجربہ پر ان کی بنیاد ہے کہ ہم نے ہمیشہ اس شے کو ہوتے دیکھا ہے اور اس سے یہ موقع یا زیادہ سے زیادہ ظہن غالب یہ پیدا ہوتا ہے کہ آئندہ بھی جب یہ شے پیدا ہوگی تو اس کے بعد دوسرا شے پیدا ہو جائے گی لیکن اس سے یہ یقین کس طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم نے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے وہ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا اور ہمارے علاوہ شروع سے آج تک اور جن جن لوگوں نے اس کو دیکھا ہے ان کے مشاہدہ کا بھی یہی نتیجہ لکھا ہے اور آئندہ بھی ان کے مشاہدہ کا بھی نتیجہ لکھا کرے گا۔ آج تک آگ کے متعلق اور جن آگوں کے متعلق آپ کا جو تجربہ ہے اس پر آپ یقین کر سکتے ہیں لیکن محیط ارض کی ہر آگ کے متعلق جو آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے اور نہ آسکتی ہے یہ کیونکہ یقین پیدا کر لیتے ہیں کہ ان سب کا اثر جلانا ہی ہے اور نیز یہ اعتماد کس مقدمہ یقین پر قائم کر لیتے ہیں کہ آئندہ ناقیامت آگ کا عمل و اثر ہمیشہ جلانا ہی رہے گا اور جب آپ کے اس یقین

واعتماد کے لیے کوئی دلیل قائم نہیں ہے تو چند آگوں کو دیکھ کر آپ اس قضیہ کلیہ پر کیونکرنا قابل شکست یقین کی مہر لگا دیتے ہیں کہ دنیا کی یہ آگ جلاتی ہے اور ہمیشہ جلاتی رہے گی۔

اسبابِ عادیہ کا علم صرف تجربہ سے ہوتا ہے

غرض خواص و آثار اور اسبابِ عمل کی نسبت علم انسانی کا جہاں تک احاطہ ہے وہ صرف یکسانی عمل اور تجربہ کا نتیجہ ہے، ہم ایک شے کے بعد دوسروی شے کو ہوتے ہوئے دیکھتے آئے ہیں، اس لیے یہ توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی ایسا ہو گا، اس کی مثال یہ ہے کہ ہم ایک شخص کو آغاز عمر سے دیکھتے ہیں کہ وہ فلاں وقت سوتا ہے فلاں وقت جاگتا ہے، مسجد میں فلاں دروازہ سے اندر داخل ہوتا ہے، کبھی کسی سے انقام نہیں لیتا ہے، سالہا سال کے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد ہم اس کے متعلق بطریقِ ظن غالب یہ خیال قائم کر لیتے ہیں کہ اس وقت استثنے بجے ہیں اس لیے وہ اٹھا ہو گا، استثنے کرتے منٹ ہوئے ہیں اس لیے وہ سوگیا ہو گا، آج جب وہ نماز کے لیے جائے گا تو فلاں دروازہ سے اندر داخل ہو گا۔ اسی کاتام عادت ہے مگر کیا کبھی کوئی اس تحریکات میں جتنا ہو گا کہ سالہا سال کے تجربے کے بعد وہ یقینی دعویٰ کر بیٹھے کہ اس وقت اس کا سویارہنا حال قطعی ہے اس وقت اس کا جا گناہ محل ضروری ہے اور فلاں دروازہ سے اس کا داخلہ عقلًا لازم ہے۔

اسبابِ عمل کا علم بدلتا رہتا ہے

اسی طریق پر اشیاء اور موجوداتِ عالم سے عادتاً جو مختلف آثار و نتائج کا صدور ہوتا رہتا ہے، اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم ان اشیاء اور موجودات سے ان آثار و نتائج کے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور عادۃ ایسا سمجھتے ہیں کہ آئندہ بھی ان سے یہی آثار و خواص صادر ہوں گے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمثیل صحیح نہیں ہے انسان ایک صاحب ارادہ ہستی ہے، اس لیے اس کے افعال، اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں جن کو وہ جب چاہے بدل سکتا ہے دیگر غیر ذی روح اشیاء کے افعال ارادی نہیں ہیں، بلکہ خلائق ہیں اس لیے ان میں تغیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ درحقیقت ایک قسم کا مغالطہ ہے آپ کے حرکات و افعال آپ کے اعضاء سے صادر ہوتے ہیں جو بے ارادہ ہیں اور ارادہ آپ کے نفس یا روح یا ذہن کا فعل ہے جس طرح آپ کی روح یا نفس یا ذہن کی قوت ارادہ آپ کے جامد اور بے جان مضغہ گوشت اعضاء سے اپنی حسب خواہش مختلف حرکات و افعال صادر کرتی ہے اسی طرح روح عظم کی قوت ارادہ اس بے جان عالم کائنات سے اپنی خواہش کے مطابق مختلف افعال اور حرکات صادر کرتی رہتی ہے اور چونکہ عموماً وہ اس کو ایک ہی نیج پر چلاتی رہتی ہے اس لیے ہم کو اسباب عادیہ کا علم کسی قدر عطا ہو گیا ہے۔

اسی عادت کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ذہن کے اندر آگ اور گرمی، برف اور ٹھنڈک کے درمیان ایک

تلازם پیدا ہو گیا ہے جس کی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ آگ سے گرمی اور برف سے مختدک کا انشکاک نہیں ہو سکتا، حالانکہ اگر آگ اور برف کے متعلق ہمارا آئندہ تجربہ بدلت جائے تو یقیناً یہ تلازם کا خیال بھی بدلت جائے گا، مثلاً: جس عہد قدیم میں گروش آسمانی اور دو رنجوم حداثات کے اسباب و علی یقین کیے جاتے تھے اور ستاروں کی مختلف چالوں اور ان کی خاص خاص اشکال سے حادثہ عالم کی توجیہ کی جاتی تھی اسی وقت ستاروں کی ایک خاص شکل کے ظہور یا کسی خاص ستارہ کے طلوع اور اس کے آثار و متانج کے درمیان ایک خاص تلازם سمجھا جاتا ہو گا اور اس یقین کو کہ یہ دونوں باہم علت و معلول ہیں ناقابل انکار سمجھا جاتا ہو گا لیکن آج ایسا نہیں ہے۔ قدیم وجود یعنی طب میں اب آسمان و زمین کا اختلاف ہے دواؤں کے خواص و اثرات اور امراض کے علی و اسباب میں عظیم الشان تبدیلی ہو گئی ہے مگر قدیم اطبایا بھی قدیم طب کے واقف کاروں اور قدر شناسوں کے نزدیک ان کے تجربے اور یکسانی عمل کی بنا پر جن دواؤں کے جواہرات اور جن امراض کے جو علی و اسباب ہیں وہ ان کے یقینیات میں داخل تھے اور ہیں لیکن ممالک یورپ میں جہاں کوئی اس طب کا نام بھی نہیں جانتا اور اس کے تجرب و تحقیقات کا مشاہدہ نہیں کیا گیا ہے ہمارے اطباء کے یقین کردہ آثار و خواص اور اسباب و علی کوہاں اوہاں سے زیادہ رتبہ نہیں دیا جاسکتا۔

خود اوہاں کیا چیز ہیں؟ جاہل طبقوں اور روشنی تو موں میں بہت سے ایسے یقینیات ہیں جن کو آپ اوہاں سے تعبیر کرتے ہیں مگر ان میں یہ اوہاں کیونکر پیدا ہوئے؟ اسی تکرار تجربہ سے انہوں نے کئی دفعہ دیکھا کہ جب صحیح کافلاں پر نہ بولا یا اڑا تو فلاں بات ہو گئی، چند بار کے دیکھنے سے ان کے ذہن میں یہ خیال رائج ہو گیا کہ اس کا یہ اثر ہے حالانکہ معلوم ہے کہ اس پر نہ کے بولنے یا اڑنے اور اس بات کے ہونے کے درمیان کسی قسم کا تلازם نہیں ہے، تاہم چونکہ ان کا یقین ان کے تجربے پر منی ہے اس لیے اس کے خلاف باور کرنا ان کے لیے اتنا ہی محال ہے جتنا کہ آگ اور گرمی و سوزش کے درمیان تلازם اور ان دونوں کے درمیان علت و معلول پر عقیدہ رکھنے والوں کے لیے یہ تخیل کہ آگ موجود ہو اور اس سے گرمی و سوزش کا اثر ظاہرنہ ہو۔ جن ملکوں میں خپر نہیں ہوتے وہاں کے باشندے اپنے تجربہ کی بنا پر اس مسئلہ پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ دو مختلف النوع جانوروں میں باہم تو الد و تناصل نہیں ہو سکتا اور اگر اس کے خلاف ان کو یقین دلانا چاہیں کہ گھوڑے اور گدھے مل کر باہم اس فرض کو انجام دیتے ہیں اور اس سے خپر نام ایک تیسری نوع تیار ہوتی ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں ان کو کس قدر تامل ہو گا لیکن کیا ان کا تامل ہندوستان و مصر میں مطابق واقعہ سمجھا جائے گا جہاں ہزاروں دفعہ یہ مشاہدہ ہو چکا ہے۔

اسباب و علی کا علم تجربہ سے ہوتا ہے

الغرض ہم جن کو اصول فطرت، نوامیں قدرت اور لازماً ف نیچر کہتے ہیں وہ صرف روزمرہ کے مشاہدات

عادیہ کا نام ہے، ہم دیکھتے آئے ہیں کہ درخت کس طرح اگتے ہیں، جاندار موجودات کس طرح پیدا ہوتے ہیں، آفتاب کس طرح طلوع ہوتا ہے، پانی کس طرح برستا ہے، ان کو دیکھتے دیکھتے ہم اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ہم ان کا اسی طرح ہونا ضروری اور اس کے خلاف ہونا ماحل قطعی سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے، کچھ دنوں کے بعد وہ پھوٹتا ہے۔ اس میں کوپلیں نکل آتی ہیں پھر وہ پودے کی شکل اختیار کرتا ہے شاخیں نکلتی ہیں اور بڑھ کر درخت ہو جاتا ہے، ایک قطرہ آب خون اور خون سے گوشت بن جاتا ہے اس میں رگیں پڑھے اور بہڈیاں پیدا ہو جاتی ہیں، دل و دماغ اور جگر و گردہ اپنی اپنی جگہ پر بن جاتے ہیں پھر نہیں سے اس میں روح آ جاتی ہے پھر اس آئینہ میں احساس و عقل جلوہ آ رہوتی ہے، ایک مدت متعینہ کے بعد وہ پیدا ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے، اس طرز پیدائش کو دیکھتے دیکھتے حیرت زانی اور استجواب و استبعاد کی روح ہم سے بالکل فنا ہو گئی ہے اور ہم کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی غور نہیں کرتے کہ ایک جاندار و ذی عقل انسان کی صورت میں کیونکر بدلتا گیا لیکن ہمیں سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک بے جان لکڑی جاندار سانپ بن گئی اور عیسیٰ (علیہ السلام) نام ایک بچہ بن باپ کے پیدا ہو گیا تو ہماری محدود عقل و تجربہ کا پر غرور سر انکار سے ملنے لگتا ہے یہ کیوں؟ اس لیے کہ کبھی ہم نے ایسا ہوتا دیکھا نہیں، آفتاب روز پورب سے طلوع ہوتا ہے اور پچھم میں جا کر غروب ہو جاتا ہے، ہم کو اس پر مطلق تجہب نہیں ہوتا اور نہ یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے اور جب یہ سنتے ہیں کہ قیامت کے دن آفتاب پورب کے بجائے پچھم سے نکلتے گا تو ہم اس کو خلاف عقل کہتے ہیں، کیا پورب سے اس کا نکلتا عقل کے موافق تھا؟ اور تم آفتاب کو اگر پورب سے نکلتے نہ دیکھتے تو خود بخود عقولاً یہ فیصلہ کر لیتے کہ اس کو پورب ہی سے نکلتا چاہیے اور مغرب ہی میں ڈوبنا چاہیے۔ عموماً انسان کے ایک سر، دو آنکھیں، دو کان، دو ہاتھ اور دو پاؤں اور ہر ہاتھ پاؤں میں پانچ پانچ انگلیاں ہوتی ہیں۔ لیکن تاریخ طبعی انسانی کی کوئی کتاب پڑھئے تو معلوم ہو گا کہ قدرت کے مستثنیات کی بھی کوئی انہائیں اور سینکڑوں ہزاروں بچے اس کے خلاف پیدا ہوئے ہیں، اب جس طرح آپ اس پر اعتراض نہیں کرتے کہ انسان کے دو ہاتھ اور دو ہی پاؤں کیوں ہوتے ہیں؟ اس پر بھی اعتراض نہیں کر سکتے کہ اس بچے کے چار ہاتھ اور چار پاؤں کیوں ہیں اور جس طرح آپ کو اس پر حیرت نہیں ہوتی کہ آدمی جی کر مر کیونکر جاتا ہے، ایسے ہی اس پر حیرت نہ کیجئے کہ مر کر جی کیونکر جاتا ہے، ان دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ ایک واقعہ کو آپ نے بار بار دیکھا ہے اور دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا لیکن کسی چیز کا دیکھنا اور نہ دیکھنا کسی چیز کے فی نفسہ ماحل یا ممکن ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتی۔

حاصل یہ ہے کہ ہم کو جہزات کے متعلق جو استبعاد نظر آتا ہے اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ وہ ہمارے گزشتہ مشاہدات و تجربات کے خلاف ہوتا ہے لیکن اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ اس کے گزشتہ مشاہدات و تجربات

میں غلطی کا ہونایا اس میں انقلاب ہو جانا کچھ محال نہیں، طبیعتیات جدیدہ نے طبیعتیاتِ قدیمہ کی تحقیقات کی دیوار ڈھادی۔ حکماءِ جدید نے حکماءِ قدیم کے پیغمروں تجربات باطل کر دیے۔ بیتِ قدیم اور بیتِ جدید میں آسان وزیر میں کا اختلاف پیدا ہو گیا، اختراعاتِ جدیدہ نے پیغمروں اور ہزاروں قدیم مستبدات اور ممتعات کو ممکن بکھ واقعہ بنادیا، جب ہمارے گزشتہ تجربات اور تحقیقات کا یہ حال ہے تو انسانی تحقیقات و تجربات کی آئندہ صحت کی کون ضمانت کر سکتا ہے؟ فلسفہ یونان پڑھ کر ہم یقین کرتے تھے کہ زمین ساکن اور آفتاب متحرک ہے، اب روز روشن کی طرح یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ آفتاب ساکن اور زمین متحرک ہے، اس لیے اگر کسی پیغمبر کی زبان سے اس وقت یہ خیال ادا ہوتا کہ زمین متحرک اور آفتاب ساکن ہے تو حکمتِ قدیمہ کی درس گا ہوں میں یہ خیال شاید جاہلائے اور مضمون خیز سمجھا جاتا پھر حکمتِ جدیدہ کے دانایاں روزگار کو آج مذہب کی جو چیز مضمون خیز نظر آتی ہے کیا معلوم کہ کل خود ان کی تحقیقات "حکمتِ مستقبلہ" کے مدرسے میں قابلِ مضمون نہ مٹھرے گی۔

الغرض صفات بالا سے یا امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ بنی نوع انسان کے اصل سرمایہ علمِ عقل و معلول میں جو کچھ ہے وہ صرف ان کے تجربہ کی مکانی ہے اور اسی کی بناء پر استدلالِ تمثیل کے طور پر وہ ایک چیز کو چند بار دیکھ کر اپنے ذہن میں ایک حکم کلی پیدا کر لیتے ہیں، مثلاً: ایک سبب کو دیکھا، اس کی خوبیوں کو سوچ دیا، اس کے مزہ کو چکھا، اب دوسرا سبب ہمارے سامنے آتا ہے اس کی شکل و صورت اور رنگ کو دیکھ کر اس کی خوبیوں کو سوچ دیکھ کر ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی سبب ہے اور اس کا مزہ ایسا ہوتا ہے اور پھر چند سببوں کو دیکھ کر ہم یہ حکم کلی لگادیتے ہیں کہ ہر سبب ایسا ہوتا ہے اور اس کا یہ خاصہ اور اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم نے برف کو دیکھا اس کی شکل و صورت، رنگ و مزہ اور ٹھنڈک کو محسوس کیا اور پھر کئی دفعہ اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، ہم نے ہر دفعہ پہلی برف کے مثل دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ یہ بھی برف ہے اور ہر برف ٹھنڈا ہوتا ہے۔ بھی حال اس قضیہ کا ہے کہ "ہر تیز آگ جلاتی ہے۔" اب غور کیجئے کہ آپ کے یہ قضایا جو شخص استدلالِ تمثیل کی بنیاد پر رقمم ہیں، عقلناکیوں کی نکرنا قبل شکست یقین بننے کا دعویٰ کر سکتے ہیں یہ اور بات ہے کہ آپ عادتاً اپنی عملی اور کاروباری دنیا کے لیے ان پر یقین کر کے جلد منافع اور دفعی مضار میں ان سے کام لیں اور یہی علیتِ عادی کی حقیقت و مصلحت ہے۔

علامہ ابن تیمیہ عَلَیْہِ السَّلَامُ کا بیان کہ اسبابِ علیل تجربی ہیں

رہنمے جس پرواز پر مسئلہ علیت کی تشریع کی ہے یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے، علامہ ابن تیمیہ عَلَیْہِ السَّلَامُ نے الرُّدِّ علیِّ المنطقیین میں جا بجا اس خیال کو ظاہر کیا ہے، چنانچہ ہم یہاں اس کی تنجیص اس لیے درج کرنا چاہتے ہیں کہ مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ ناظرین کے سامنے آجائے۔ "کھانے کے بعد آسودگی، پینے کے بعد سیری بدہی تجربیات میں ہے، اسی طرح لذت وغیرہ کا احساس ہے کہ جب انسان اس کا احساس کرتا ہے تو

اس کے بعد فوراً ایک اثر پاتا ہے پھر جب بار بار اس شے کے احساس کے بعد وہی اثر پاتا ہے تو یہ کچھ لیتا ہے کہ جویں شے اس اثر کا سبب ہے اسی کا نام تجربیات ہے۔ قضاۓ کلیئے کی اصل بھی تجربیات ہیں، تفصیل یہ ہے کہ مثلاً جب ایک شخص کسی خاص دوا کو استعمال کرتا ہے اور یہ پاتا ہے کہ اس سے فلاں مرض دور ہو گیا، یا فلاں قسم کا نقصان ہو گیا تو مرض کا اس سے پیدا ہو جانا یا اسکی وجہا تجربہ ہے، بھی حال دیگر آلام ولذات کا ہے جو مشتملات، مسواعات، مریئات اور ملموسات سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ جب اس کو سونگھتا یا دیکھتا یا استنایا چھوتا ہے، پھر فس میں جو لذت کا احساس ہوتا ہے، وہ وجدانیات میں سے ہے جن کو حواس باطن سے دریافت کرتا ہے، اب فس میں جو اعتقاد کی قائم ہو جاتا ہے کہ اس جنس کے ہر فرد سے لذت حاصل ہوتی ہے اور جنس کے ہر فرد سے الہ حاصل ہوتا ہے وہ من قبیل تجربیات ہے کیونکہ حواس ظاہرہ و باطنہ سے شے کلی کا احساس نہیں ہو سکتا۔ حکم کلی کا جو اعتقاد نفس میں قائم ہو جاتا ہے وہ حس اور عقل کے مجموعے سے ہوتا ہے اور اسی کا نام تجربیات ہے، مثلاً یہ اعتقاد کہ کھانے اور پینے کی چیزوں سے آسودگی اور سیری پیدا ہوتی ہے اور زہر قائل کے استعمال سے آدمی مر جاتا ہے اور بیماری پیدا کرنے والے اسباب سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے اور اس بیماری کا فلاں اسباب و ذرائع سے استیصال ہو جاتا ہے، یہ کل کے کل قضایائے تجربیہ ہیں کیونکہ حس تو صرف جزئی اور شخصی چیزوں کا احساس کرنا ہے لیکن جب ایک شے سے ایک ہی احساس بار بار ہوتا ہے تو عقل اور اک کرتی ہے کہ اس مشترک امر کی وجہ سے جوان تمام افراد میں تھایہ بات پیدا ہوئی اور یہ چیز فلاں قسم کی لذت پیدا کرتی ہے اور اس شے سے فلاں قسم کی تکلیف پیدا ہوتی ہے، بھی حال حد سیات کا ہے کہ ان کی جزئیات کا تو علم احساس سے ہوتا ہے لیکن تکرار سے دیکھتے ہیں، تو گمان کر لیتے ہیں، کہ چاند کی روشنی کا اختلاف آفتاب کے مقابلہ کے اختلاف سے دیکھتے ہیں، تو کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور وہ سب ایک ساتھ حرکت کرتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا فلک ایک ہے، اسی طرح جب سیارہ کے اختلافی حرکات کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہر سیارہ کا فلک دوسرے سے مختلف ہے۔

قیاس کی بحث میں علامہ محمد وحید رضا کہتے ہیں:

”فلسفہ نے یقینیات کو صرف چند قضایا میں محدود کر دیا ہے، جن میں سے ایک حیات ہیں، حالانکہ یہ معلوم ہے کہ حس سے ہرگز کسی عام اور کلی شے کا اور اک نہیں ہو سکتا، اس لیے فقط حیات سے کوئی قضیہ کلیے عامہ نہیں بن سکتا جو برہان تھیں کا کوئی جزو، بن سکے، تمیل اہل منطق کہتے ہیں کہ ”آگ جلاتی ہے“ حالانکہ اس قضیہ کی عمومیت اور کلیست کا علم تجربہ اور عادات سے ہوا ہے جو قیاس تمثیلی کی ایک قسم ہے اگر کہا جائے کہ اس کا علم اس طرح ہوا کہ آگ میں جلانے والی قوت موجود ہوتی ہے تو یہ علم بھی کہ ہر آگ میں یہ قوت موجود ہوتی

ہے، ایک حکم کلی ہے جو احساس سے نہیں دریافت ہو سکتا اور اگر یہ کہا جائے کہ ضروری ہے کہ آگ کی صورت نوعیہ میں یہ قوت موجود ہو اور جس میں یہ قوت موجود نہ ہوگی وہ آگ نہ ہوگی تو یہ دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو مفید یقین نہیں کیونکہ یہ قضیہ کو ”جس شے میں یہ قوت ہوتی ہے وہ جلاتی ہے“، اس میں تمثیلِ شمول، عادت اور استقرارے ناقص کو دخل ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ آگ ہر شے کو جو اس کے اندر پڑتی ہے جلا دیتی ہے۔ وہ غلطی کرتا ہے کیونکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس شے میں جلنے کی قابلیت ہو ورنہ ہر شے کو نہیں جلا سکتی، جس طرح کہ پھر اور یا قوت کو نہیں جلا سکتی یا ان اجسام کو نہیں جلا سکتی جن میں مانع آتش دوائیں لگا دی گئی ہوں، خرقی عادت کی بحث کا مقام دوسرا ہے، بہر حال قضایائے حیہ میں کوئی کلیر ایسا نہیں ہے جس کا نقش نہ ہو سکے اور درحقیقت قضیہ، کلیر ہی ہوئی نہیں سکتا کیونکہ قضیہ، حیہ مثلاً ”یہ آگ جلاتی ہے“ اس میں حس صرف ایک خاص چیز کا ادراک کرتی ہے اور حکم کلی جو عقل لگادیتی ہے تو فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ نفس ان خاص افراد اور مثالوں کو دیکھنے کے بعد اپنے میں یہ استعداد پیدا کر لیتا ہے کہ اس کے اندر یہ الہام پیدا ہو جائے کہ ”ہر آگ جلاتی ہے“ یہی حکم کلی ہے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بھی قیاسِ تمثیل ہے اور اس کی کلیت اور عمومیت پر اس وقت تک وثوق نہیں کیا جا سکتا جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم تمام افراد میں مشترک ہے اور یہ اسی وقت تک ممکن ہے جب تمام افراد کا تجربہ کر لیا جائے پھر بھی قضایائے عادیہ میں سے کوئی قضیہ ایسا نہیں ہے جس کا نوٹا با تفاوت عقولاً جائز نہ ہو بلکہ فلاسفہ تک خرق عادت کو جائز سمجھتے ہیں مگر وہ اس کے لیے فلکی طبعی اور نفسیاتی اسباب بیان کرتے ہیں اور ان ہی نیوں اسباب کی طرف خرق عادت کو منسوب کرتے ہیں اور اسی سے انبیا کے مجررات اولیا کے کرامات اور سحر و غیرہ کو ثابت کرتے ہیں۔ *

اسی قیاس کی بحث کے آغاز میں علامہ محمد رحمن لکھتے ہیں:

”اور یہی حال تجربیات کا ہے، لوگوں نے عموماً تجربہ کیا ہے کہ پانی پینے سے سیری ہوتی ہے اور گلا کٹ جانے سے آدمی مر جاتا ہے اور ضرب شدید سے تکلیف ہوتی ہے۔ ان تمام قضیوں کا علم حضن تجربہ کی بنا پر ہے کیونکہ حس نے ایک خاص شخص نے محسوس کی ہے، اب یہ حکم کہ جو شخص ایسا کرے گا یہ خاص اثر پیدا ہو گا تو یہ قضیہ کلیر ہی ہے نہیں معلوم ہو گا بلکہ اس کے ساتھ حکم عقلی کا لگاؤ بھی ہے۔ تجربہ سے جواہرِ معین میں معلوم ہوتا ہے اس کی نسبت یہ دیکھنا ہے کہ اس شے معین میں اور اس کے اثرِ معین میں ایک خاص تلازم ہے اور اسی سے عادتِ مستمرہ کا علم ہوتا ہے، خصوصاً جب ان دونوں کے درمیان کسی متناسبت کا بھی شعور ہو جائے اور یہ ثابت ہو جائے کہ جہاں وہ شے پائی جاتی ہے وہاں وہ اثر بھی پایا جاتا ہے اور جہاں وہ اثر پایا جاتا ہے وہاں وہ شے

* الرد على المنشطين، ص: ۲۶۷، ۲۶۸ و ملخص الرد على المنشط، مجموع فتاوى ابن تيمية، ج: ۹۔
ص: ۲۱۸، ۲۱۹ مطبوعہ مؤسسة الرسالہ بیروت: ۱۳۹۸ھ۔

بھی پائی جاتی ہے اور نیز یہ کہ جہاں وہ شے نہیں پائی جاتی وہ اثر بھی نہیں پایا جاتا اور جہاں وہ اثر نہیں پایا جاتا وہاں وہ شے بھی نہیں پائی جاتی۔ اب جس قدر اس لزوم میں ظلیٹ پائی جائے گی اسی قدر علیت کا اعتقاد بھی ظنی ہو گا اور جس قدر لزوم میں قطعیت ہو گی اسی قدر لزوم کے اعتقاد میں قطعیت ہو گی اور یہی قضایا کے عادی یہیں ہیں طب کے تجربیات وغیرہ، یا یہ علم کر رونی کھانے سے آسودگی اور پانی پینے سے سیری ہوتی ہے اور کپڑے پہننے سے بدن میں گرمی اور برہنگی سے بدن میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے..... پس تجربیات سے علم حاصل ہونے کا سبب ایک شے کا دوسرا شے کے بعد ہونے سے اور تکرار اثر سے پیدا ہوتا ہے۔*

تجربیات کی بنا شہادت اور عایت اور تاریخ پر ہے

غرض ان مباحث کا حاصل یہ ہے کہ اشیاء کے خواص اور موجودات کے اسباب کا علم ہم کو حضور تجربے سے حاصل ہوا ہے، اب یہاں یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ کیا تجربی یقین کے پیدا ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ خود اس یقین کرنے والے نے اس کا تجربہ کیا ہو، ہم دنیا میں ہزاروں تجربی مسائل پر یقین رکھتے ہیں، مگر ان میں سے بہت کم ہمارے ذاتی تجربہ میں آئے ہیں، طبیعتیات، کیمیائیات، طبیات، فلکیات، ارضیات کی ہزاروں باتیں ہیں جن پر ہم یقین رکھتے ہیں مگر ہمارے ذاتی تجربہ میں بہت کم آئی ہیں، اگر آپ یہ کہیں کہ گوہ ہمارے ذاتی تجربہ میں نہیں آئی ہیں، لیکن ان علوم کے ماہرین نے ان کا تجربہ کیا ہے اور ہم کو ان کی شہادت کا اس لیے یقین ہے کہ وہ اپنے اپنے علوم میں کامل درستگاہ رکھتے تھے اور اپنے ذاتی تجربوں کو انہوں نے اپنی تصنیفات میں لکھ دیا ہے تو گویا آپ نے قبول کر لیا کہ دوسروں کے تجربیات بھی مفید یقین ہیں، بشرطیکہ خود ان تجربہ کرنے والے علماء پر ان کو وثوق ہو اور ان کے تجربیات صحیح و مستند شہادتوں اور واسطوں سے آپ تک پہنچیں۔ دنیا کے واقعات کا سب سے بڑا فترتاریخ ہے جو عہد ماضی کی ٹلمت میں ہمارے لیے چرا غیر راہ ہے اور اس چرا غیر میں تیل کون برابر ذاتا جاتا ہے، کہ یہ بحثتا نہیں؟ وہ راویان اخبار اور ناقلان حکایات ہیں جو ایک عہد سے دوسرے عہد تک اس کو روشن کرتے چلتے جاتے ہیں اگر یہ سلسہ روایت کہیں مقطع ہو جائے تو عہد ماضی کی دنیا بھی عالم مستقبل کی طرح تیرہ دنار ہو جائے لیکن تاریخ کی ہر شہادت آسانی کے ساتھ قبول نہیں کر لی جاتی بلکہ اس کے لیے چشم دید گواہوں کا وجود، ان کی صداقت اور راست شعاری اور پھر اس کے بعد پیچ کے واسطوں کی صحیحی اور راست گفتاری اور عدم فریب کے ثبوت کی بھی ضرورت ہے لیکن اگر یہ شرائط پورے پورے ہو جائیں تو روایات مقولہ کی صداقت میں کسی کوشش نہ ہونا چاہیے۔

فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں

حقیقت میں فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں، فلسفہ تو اشخاص یا جماعتوں کے منتظم خیالات کی

* البرد علی المنصفین، ص: ۸۹، ۹۰۔ * ایضاً، ص: ۹۲۔

اور سائنس کائنات، فطرت کے تجربی اکتشافات کی تاریخ ہے، فلسفہ کی درسگاہ کا ہر پروفیسر نہایت ثائق سے یہ کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں یونان، اسلام اور یورپ کے فلاں فلاں اساطین فلسفہ کی یہ رائے میں ہیں؟ کیا اس وثوق کی بنیاد صرف شہادت تاریخی پر نہیں ہے؟ آغاز آفرینش سے لے کر اس وقت تک دنیاۓ انسانی نے علم و اکشاف، تجربہ و انش کا جو سرمایہ جمع کیا ہے کیا وہ بجز شہادت تاریخ کے کسی اور طریقے سے حاصل ہوا؟ یا یہ ہو سکتا ہے؟ یا آئندہ ہو گا آپ یقین رکھتے ہیں کہ جسم بہتر بسیط غصروں سے مر کب ہے، ہائیڈروجن اور آسیجن پانی کے دوجوں ہیں، نیکھیا کے استعمال سے آدمی مر جاتا ہے مگر ان میں سے ایک بات بھی آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے، البتہ چونکہ صحیح اور مستند ریوں سے آپ تک یہ تحقیقات پہنچی ہیں، اس لیے آپ ان کو باور کرتے ہیں، لندن اور پیرس کو آپ نے خود نہیں دیکھا، لیکن با اس ہمہ آپ کو ان شہروں کے وجود میں تذکر نہیں، مگر کوہ قاف کے پرستان کے وجود پر آپ کو یقین نہیں، اس لیے کہ پہلے دو شہروں کے وجود کی خبر آپ نے بہ کثرت لوگوں سے اور ایسے لئے اسی ہے کہ آپ اس میں شک نہیں کر سکتے، لیکن کوہ قاف کے پرستان کے میں شاہدوں تک آپ کا سلسلہ روایت صحیح اور مستند ریوے نہیں پہنچا ہے، اس لیے آپ کو اس کے وجود میں بہت حد تک شک ہے، اسی طرح ہیئت و فلکیات کے اکثر مسائل، مثلاً ستاروں کی چالیں، خاص ستاروں کا طوع و غروب وغیرہ کسی نہ کسی ہیئت داں اور فلکی کا مشاہدہ ہے اور پھر صدیوں کے مشاہدات بیکجا ہو کر آپ کے سامنے ہیئت و فلکیات کا ناقابل انکار دفتر بن کر آتا ہے مگر غور کیجئے کہ اس دفتر بے پایاں کا ہر ایک مشاہدہ بجز تاریخی روایت و شہادت کے کسی اور طریقے سے پہنچا ہے، یا پہنچ سکتا ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے، برف ٹھنڈک پہنچاتی ہے، آفتاب روشن ہے، پھر سخت ہے، کھانے سے سیری ہوتی ہے، چوٹ سے تکلیف ہوتی ہے، غرض تمام قضاۓ تجربیہ جن پر علوم و فنون کی بنیاد قائم ہے اور جن کی عمومیت و کلیت کا آپ کو یقین یا ظن غالب ہے ان کی اس کلیت اور عمومیت کا یقین یا علیحدہ صرف آپ ہی کے ذاتی تجربہ پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر قضیہ کی عمومیت اور کلیت کے بنانے میں آپ کے سوا اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں اور بیسیوں لکھوں کے مشاہدات کو خل ہے اور یہ مشاہدات آپ تک تحریری یا زبانی تاریخی شہادتوں کے ذریعے سے پہنچے ہیں تب جا کر وہ انسانی مسلمات میں داخل ہوئے ہیں۔

تاریخی شہادتوں کے شرائطِ استناد

لیکن کسی تاریخی شہادت کے مستند ہونے پر آپ کچھ قیو، بھی عائد کر سکتے ہیں، مثلاً یہ کہ اخیر راوی چشم دید گواہ ہو، یعنی یہ کہ وہ واقعہ کے وقت، مقام واقعہ پر حاضر ہو اور خود اس کا بلا واسطہ ذاتی علم حاصل کیا ہو، وہ راست گفتار ہو، اس کا حافظ صحیح اور درست ہو، فرمی اور جھوٹانہ ہو، اسی طرح آغاز سلسلہ روایت سے لے کر آخر تک پنج کا ہر راوی بھی انہی صفات سے متصف ہو، جہاں تک ان صفات میں ترقی ہوگی واقعہ کے متعلق

آپ کے علم و اذاعان میں بھی ترقی ہوگی اور جہاں تک ان میں کی ہوگی آپ کے علم و اذاعان میں بھی کی ہوگی۔
مسلمانوں کا علم روایت

اب مسلمانوں کے علم اخبار، یا علم نقل و روایت یعنی اصول حدیث پر نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ یعنی یہی اصول انہوں نے ہر روایتی شہادت کے قبول کرنے کے لیے مقرر کیا ہے، سلسلہ روایت کے ان اوصاف میں جس قدر بھی نقش ہو گا، اس جزو واقعہ کے علم و اذاعان میں بھی اسی قدر نقش ان کے نزدیک پیدا ہو گا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف جس قدر بھی صحیح و مستند مجرمات منسوب ہیں، ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کی صداقت کو اس اصول پر پرکھنہ لیا گیا ہو، ہموم نے اپنی معرفۃ الاراء کتاب ”فہم انسانی“ میں جہاں مجرمات پر بحث کی ہے، انجیل کے بیان کردہ مجرمات کی نسبت وہ اس لیے بے اعتباری ظاہر کرتا ہے کہ مصنفوں انجیل جو ان واقعات کے راوی اول ہیں ان میں سے کوئی واقعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہے لیکن ہموم کو اگر اسلامی طرز روایت و اصول و حدیث کی احتیاطوں سے آگاہی ہوتی تو کبھی اسلام کے مجرمات کی نسبت اس بے اعتباری کا اس کو موقع نہ ملتا۔ صحیح مجرمات نبوی کے پہلے روایۃ یعنی وہ صحابہ کرام جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، صدق مقابل اور راست گفتاری پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرفاً گواہ ہے اور ان کی عقل، رزانہ اور متناثر رائے پر ان کے کارنا میں شاہد عدل ہیں، پیغام کے روایۃ وہ محمد میں عظام ہیں، جن کی چوائی، راستی اور حفظ و فہم پر امامے رجال کے اور اق کی مہریں ثابت ہیں پیغمبر اسلام ﷺ نے علی روس الاشہاد کہا اور بار بار کہا کہ ”جو شخص میری طرف کی جھوٹی بات کی نسبت کرے گا اس کا ملٹھانا جہنم ہے۔“ ﴿ صحابہ علیہما السلام کا یہ حال تھا کہ آنحضرت کے متعلق کسی خبر کو بیان کرتے ہوئے کاپ جاتے تھے۔ پیغام کے لفظ اور مستند روایۃ بھی انتہائی انسانی احتیاط سے کام لیتے تھے اس پر بھی ان کی تمام روایات کا درجہ یکساں نہیں ہے۔

اگر روایت کے ہر دور میں راویوں کی تعداد کثیر شریک ہو تو اس کو خیر متواتر کہتے ہیں اور اگر ہر دور میں گو تعداد کثیر نہ ہو لیکن دو یا تین سے زیادہ ہوں تو وہ مستفیض اور مشکور ہے اور اگر کسی دور میں ایک ہی راوی رہ گیا ہو تو اس خبر کو خبر احاد کہتے ہیں۔ مجرمات نبوی ﷺ مختلف طرق سے مردی ہیں اور اسی کے اعتبار سے ان کی صحیت بیان کا درجہ ہے یہ کچھ ہے کہ بعد کے لوگوں نے آپ ﷺ کی طرف بہت سے ایسے مجرمات منسوب کر دیے ہیں جو صحیح نہیں ہیں لیکن ہمارے محمد میں نے نہایت جاں فشائی اور ایمانداری سے ان روایات کو معیار پر پرکھ کر الگ کر دیا ہے اور اس کتاب کی جلد اول کے مقدمہ میں تمام دکمال بحث موجود ہے۔ مجرمات کے ثبوت پر یہ طریقہ استدلال گو عجیب ہے لیکن غلط نہیں، دنیا میں ہر واقعہ کے ثبوت کا یہی طریقہ ہے اور وہی اس باب میں بھی کار آمد ہے یہ کہی زبردست ہے کہ جس طریقہ استدلال پر دنیا نے یقین کا عملی کار و بار چل رہا ہے اس

* صحیح مسلم، مقدمة الكتاب، باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ، ٣، ٤، ٥۔

کو اگر نہ ہب استعمال کرے تو مدعا میں عقل کی جھین ممتازت پر بل پڑ جاتے ہیں۔

نادیدہ واقعات پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف روایات کی شہادت ہے

دنیا میں جو واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے اس کے علم کے دو ہی طریقے ہیں یا تو انسان اس واقعہ کے وقت موجود ہو گا یا موجود نہ ہو گا پہلی صورت میں اس کا علم اس کے احساس و مشاہدہ پر موقوف ہے اور وہ روایت کے تمام جھگڑوں سے بے نیاز ہے، جیسے کہ ان صحابہ کا اس مجرہ کے متعلق علم جوان کے سامنے ظاہر ہوا اور دوسرا صورت میں اس واقعہ کا علم صرف روایت سے ہو سکتا ہے اور اس کے سوا کوئی ذریعہ علم اس کے لیے دنیا میں موجود نہیں ہے، آپ کا فرض صرف اس قدر ہے کہ روایت کی اچھی طرح تفہید کر لجھے اور جس طرح دنیا کے دوسرے عملی کار و بار میں واقعات پر یقین کرنے کے ذرائع استعمال میں ہیں اس باب میں بھی انہی کو استعمال کیجئے، عقلی احتمالات اور قائمی شبہات کی کوئی حد نہیں ہے مگر کبھی روزمرہ کے معاملات میں وہ آپ کے یقین کے سدراہ نہیں ہوتے۔

خبر احاد پر بھی عملاً یقین ہوتا ہے

متواتر، مشہور اور مستفیض خبروں کو چھوڑ کر خبر احاد تک پر آپ روزانہ یقین کرتے ہیں خطوط، تار، اخبارات، آج کل کی زندگی کا جزو ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر آپ کو کامل وثوق ہے، رائٹر ایجنسی کے تاروں اور سنجیدہ اخباروں کے کالموں میں عجیب سے عجیب حیرت افزای واقعات وایجادات و طبی علاجات عموماً بیان ہوتے رہتے ہیں اور لوگ ان کو تسلیم کر لیتے ہیں، آج تمام تجارت کا دار و مدار ان ہی تاروں پر ہے، یہ شدید مالی خطرات کا موقع ہے مگر ہر یو پاری اور تاجر بخوبی اس خبر احاد کو یقین کر لیتا ہے اور اپنی تمام دولت اس کی نذر کر دیتا ہے اور کبھی یہ عقلی مباحثت اور شکوہ نہیں پیش کرتا کہ ممکن ہے کسی نے غلط کہا ہو، ممکن ہے غلط لکھا گیا ہو، ممکن ہے نامہ نگار جھوٹ بولتا ہو، ممکن ہے کاتب نے خود گھٹ کر لکھ دیا ہو، یہ تمام احتمالات عقلی قائم ہو سکتے ہیں مگر عملی یقین پر ان احتمالات کا مطلق اثر نہیں پڑتا۔

ہم شفاخانوں میں جاتے ہیں اور عطاروں اور کمپونڈروں سے دوائیں لے کر باطنیان تمام ان کو استعمال کرتے ہیں، حالانکہ معلوم ہے کہ ان شفاخانوں میں اسکیر اور سکھیا دنوں کی بولیں پہلو بہ پہلو رکھی ہیں، ممکن ہے کہ تہبا دو ابنا نے والے کی یہ اطلاع کریے وہ تمہارے نسخے کے مقابلہ ہے، غلط ہو اور اس لیے کہ اس کے استعمال سے احتراز لازم ہے مگر کبھی یہ خدا شہارے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتا اور ہم بخوبی اپنی جان کو خبر احاد کے یقین کی نذر کر دیتے ہیں پھر مجرمات اور مذہب ہی کے باب میں شہادت کے مسئلہ پر تمام عقلی احتمالات اور شکوہ کا ازالہ ضروری کیوں تصور کیا جاتا ہے۔

واقعات پر یقین کے لیے اصلی بنیاد امکان اور عدم امکان کی بحث نہیں بلکہ روایت کے ثبوت اور عدم ثبوت کی ہے

آج کل مغربی علم تاریخ اور فن روایت کا بڑا کارنامہ یہ اصول سمجھا جاتا ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو سب سے پہلے اس پر غور کرو کہ کیا وہ ممکن بھی ہے؟ اور جب یہ طے ہو جائے تو روایت کے دوسرے پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے لیکن یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے تمام واقعی علوم، ہمارے تجربے اور روایات ہی پر بنی ہیں، اس لیے کسی شے کے ممکن اور ناممکن ہونے کا فیصلہ شخص مشاہدہ کی تحقیق پر ہی مبنی ہے، اس لیے علم تاریخ اور فن روایت کی بنیاد اس کے امکان اور عدم امکان کی بحث پر قائم نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ ہمارے علماء اصول نے بتایا ہے صرف اس پر قائم ہے کہ آیا یہ واقعہ روایۃ صحیح بھی ہے یا نہیں؟

جس درجہ کا واقعہ ہو، اُسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیے

ہم کو اس اصول کی صحبت سے انکار نہیں ہے کہ جس درجہ کا واقعہ ہوا اسی درجہ کی شہادت بھی ہونی چاہیے لیکن درجہ نام کیست اشخاص سے زیادہ کیفیت اشخاص کا ہے۔ ایک واقعہ کو چند آدمی بیان کرتے ہیں مگر ان کی راست گفتاری معرض بحث میں ہے لیکن ایک ایسا شخص اس کے خلاف اپنی روایت بیان کرتا ہے جس کی صداقت مسلم ہے، جس کی راست گفتاری کا بار بار تجربہ ہو چکا ہے، جس کی سمجھ، حافظ اور دوستی کا ہم کو علم ہے اور جس کی دوسری اخلاقی صفات جن کا روایت پر اثر پڑتا ہے نہایت بلند ہیں تو ظاہر ہے کہ واقعہ کی حیثیت سے دوسری شہادت پہلی شہادت سے زیادہ قابل قبول ہے۔ راویوں کی ان صفات کی واقفیت کا روایاتِ اسلامیہ کے سواد نیا میں کسی اور قوم و مذہب کی روایات کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، اس لیے دنیا کے اور مذاہب اور قوموں کی روایات کے مقابلہ میں اسلامی روایات کی ایک خاص اہمیت ہے۔

مجزرات دراصل تجربیات کے خلاف نہیں ہوتے

اس موقع پر ایک اور مسئلہ کو بھی صاف کرنا ہے عام طور سے مجزرات کی شہادت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مجزہ کی شہادت سینکڑوں ہزاروں شہادتوں کے خلاف ہوتی ہے، اس لیے وہ ناقابل یقین ہے یہ حقیقت میں ایک قسم کا مغالطہ ہے، ہزاروں لاکھوں شہادتیں اس بات کی بے شک ہیں کہ آگ نے فلاں فلاں موقع پر جلایا، اب جو شخص ایک مجزہ کو بیان کرتا ہے کہ فلاں موقع پر آگ نے نہیں جلایا تو یہ شہادت ان ہزاروں لاکھوں شہادتوں کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ان سے الگ ایک واقعہ ہے اس روایت سے ان لاکھوں ہزاروں شہادتوں کی مخالفت اور انکار اس وقت لازم آتا کہ جن موقعوں کے متعلق یہ کثیر التعداد شہادتیں اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں ان کی تکذیب و تعلییم کی جاتی، دو شہادتوں کی باہمی ترجیح کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے

جب دونوں ایک ہی خاص واقعہ کو مختلف نتیجوں کے ساتھ بیان کریں اور یہاں یہ صورت نہیں ہے، جن آگوں کے جلانے کے متعلق سینکڑوں شہادتیں موجود ہیں، مجرزہ کاراوی ان کی تغطیہ و تکذیب نہیں کرتا بلکہ ایک خاص آگ کی نسبت اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے جس کے متعلق ان کو فیضیا یا اشتابا کوئی علم نہیں، مثلاً: ایک طرف ایک شخص کی تہاں یہ شہادت ہوتی ہے کہ پیغمبر ﷺ کے ہاتھوں سے پانی کا چشمہ ابلجے لگا، دوسری طرف سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی یہ شہادت ہوتی کہ نہیں ایسا واقعہ نہیں ہوا تو بے شک اس موقع پر دوسری شہادت کو پہلی شہادت پر ترجیح دی جاسکتی اور تمام مسلمان اس کے لیے تیار ہیں کہ اگر کسی مجرزہ نبوی کے متعلق اس قسم کی مخالف شہادت موجود ہو تو وہ اس مجرزہ کو صحیح مجرزات نبوی ﷺ کی فہرست سے خارج کر دیں گے۔

مجزات کا ثبوت روایتی شہادتیں ہیں

الغرض مجرزہ کی شہادت کے متعلق اصل بحث نہیں کہ یہ ممکن ہے یا ناممکن ہے بلکہ اصل بحث یہ ہے کہ یہ شہادت کس درجہ کی ہے؟ اور اس کے روایہ کی صحیح الہیانی کا کیا پایہ ہے؟ اس کے لیے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی راستی، دیانت، صدق مقال اور ان کی اخلاقی زندگی کے دیگر پہلوؤں کے مطالعہ کی حاجت ہے اور یہی شے ہے جو مجرزات کی شہادت کو طاقتوریا کمزور بناتی ہے اور یہی ہمارے محدثین اور اہلی اصول کا قانون شہادت ہے اور اسی طریق سے اہل السنۃ والجماعۃ مجرزہ کو ثابت کرتے ہیں۔ علامہ ابو منصور عبد القادر بغدادی اشعری کتاب الفرق میں اہل سنت کا مسلک لکھتے ہیں:

وبهذا النوع من الاخبار (المستفيض) علمنا معجزة نبينا ﷺ في انشقاق

القمر وتسيع الحصا في يده وحنين الجذع اليه لما فارقه واشباعه الخلق

الكثير من الطعام ي sisir ونحو ذلك من معجزاته۔

”اسی خبر مشہور کے ذریعہ سے ہم نے آنحضرت ﷺ کے مجرزات کو جانا، مثلاً: شق قر، دست مبارک میں نکریوں کا تسبیح پڑھنا، شاخ خرم کا گریہ و بکارنا اور تھوڑے کھانے سے بہت سے لوگوں کو سیر کر دینا وغیرہ۔“

خلاصہ مباحث

گزشتہ صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل سطور میں کیا جاسکتا ہے:

① مجرزہ خرق عادت اور قاعدة علت و معلول کی ارتقائی تکشیت کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے کسی پیغمبر کی سچائی کی نشانی کے طور پر لوگوں میں ظاہر کرتا ہے۔

② خرق عادت اور قاعدة علت و معلول کی تکشیت ممکن، بلکہ واقع ہے۔

* کتاب الفرق، لا بی منصور عبد القادر بغدادی، ص: ۳۱۲، مصر۔

- ③ کیونکہ عادات طبعی اور سلسلہ علل و معلوم کا علم ہم کو تجربہ سے ہوا ہے۔
- ④ اور تجربہ سے جو علم حاصل ہو، اس کی کلیت اور عمومیت عقلی کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، اس لیے اس سے مجرزہ کے محال ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔
- ⑤ تجربہ کی بنیاد اتنی مشاہدہ یا دوسرے مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر ہے۔
- ⑥ اس لیے مجرزہ کا ثبوت ذاتی مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر منی ہے۔
- ⑦ اسلامی روایات اور صحیح مجرزات نبوی ﷺ کی شہادت اس قدر بلند ہے کہ دنیا کی کوئی تاریخی روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس سے مجرزات اور خوارقی عادات کا وقوعی ثبوت بھی پہنچتا ہے۔

یقین مجرزات کے اصول نفسی

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خطاب فلسفہ اور منطق سے تھا لیکن ظاہر ہے کہ عملی دنیا کا کاروبار اس طبق کے بنائے ہوئے اصول و قواعد پر نہیں چل رہا ہے بلکہ خالق فطرت اپنے وضع کردہ اصول و قواعد پر اس کو چلا رہا ہے واقعات کی حد تک تجربہ اگنیز اور دور از عقل ہوں، تاہم انسانوں کی بڑی تعداد، دلیل و برہان منطق کے بغیر صدق دل سے ان پر یقین رکھتی ہے، کسی واقعہ پر یقین رکھنے کے لیے اس کا فہم انسانی میں آجانا اور عقل و استدلال کی میزان میں اس کا پورا ارتजانا ضروری نہیں ہے ایک طبیعی فلسفی سے لے کر عالمی تک مادہ کے وجود پر یقین رکھتا ہے، حالانکہ استدلال سے اس کا وجود ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ یہ روزمرہ کام مشاہدہ ہے کہ ایک واقعہ کی جب روایت کی جاتی ہے تو کچھ لوگ بے دلیل اس کو فوراً تسلیم کرتے ہیں اور بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ استدلال و برہان کے باوجود اس کے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے اگر استدلال کی قوت سے وہ خاموش بھی ہو جائیں تو ان کے دل کو تسلی نہیں ہوتی، جو شخص کسی جماعت یا ملک کے اندر کام کرتے ہیں ان کی چوائی اور خلوص و ایثار کے متعلق سب لوگوں کی رائے برابر نہیں ہوتی، ایک جماعت جس زور و قوت سے ان کے صدق و اخلاص پر ایمان رکھتی ہے۔ دوسرا جماعت اسی زور و قوت کے ساتھ ان کو خائن اور ریا کار جانتی ہے حالانکہ دونوں کے سامنے ان کے اعمال کا ایک ہی نقشہ پیش رہتا ہے مگر منائج مختلف ہوتے ہیں اور دو میں سے کوئی اپنے دعویٰ پر کھلے دلکل نہیں رکھتا اس لیے ایمان و کفر اور یقین و شک کے وجہ منطقی طرزِ استدلال سے نہیں بلکہ زیادہ تر تفسیاتی اصول و قواعد سے ماخوذ ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور یقین اور اذعان کی صورتیں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے الجامع العوام میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے ॥ کہ واقعات کا اذعان اور یقین ہمارے اندر کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ ”عام مسلمانوں کو علم کلام کی ضرورت نہیں، لیکن اگر

الجام العوام عن علم الكلام، ص: ۳۹، ۴۰ مطبع میمنیہ مصر: ۱۳۰۹ھ

کوئی یہ کہے کہ ہم کو خدا نے اپنی تو حید و صفات وغیرہ پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اور یہ باتیں بدیہی نہیں کہ ان کے لیے دلائل کی ضرورت نہ ہوا سی طرح ہم کو بغیر کی تصدیق کی ضرورت ہے اور یہ تصدیق مسئلہ مجوزات پر غور و فکر کیے اور مجوزہ کی حقیقت اور شرائط کے جانے بغیر ممکن ہی نہیں، اس بنا پر علم کلام کی اشد ضرورت ہے تو امام صاحب اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ”عام مخلوق کو صرف ان چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے اور ایمان اس یقین جازم کا نام ہے جس میں تردادر شک نہ ہوا س میں خط اور غلطی کا خیال اس کو نہ ہواں یقین جازم کے چھ درجے ہیں جو چھ مختلف طریقوں سے حاصل ہوتے ہیں:

① پہلا درجہ اس یقین کا ہے جو ایسے دلائل سے حاصل ہو، جن میں بہان کے تمام معنیانہ شرائط ایک ایک کر کے پائے جائیں اور ان دلائل کے مقدمات کا ایک ایک حرفاً چھی طرح جانچ لیا گیا ہو یہاں تک کہ کسی میں شک و شبہ اور غلطی والتباس کا احتمال نہ رہا ہواں اصول کے مطابق تو بہت کم لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جن کو یقین کا یہ مرتبہ نصیب ہو سکے بلکہ ہر زمانہ میں ایک دو آدمی سے زیادہ اس معیار پر پورے نہیں اتر سکتے اگر نجات صرف اسی یقین پر محصر ہو تو نجات پانے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہو گی، بلکہ انسانوں کے لیے دنیا کے واقعات پر یقین کرنے کی بہت کم گنجائش نکل سکتے گی اور شاید ریاضیات کے علاوہ کہیں اور اس صورت کا یقین پیدا کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

② دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان مسلمات سے یقین حاصل ہو، جن کو عام طور سے لوگ مانتے ہیں اور ارباب عقل کے حلقوں میں وہ مقبول و مشہور ہیں جن میں شک کا اظہار کرنا لوگ میسوب سمجھتے ہیں اور انفوس انسانی ان کے انکار سے ابا کرتے ہیں، ان مقدمات سے استدلال بعض لوگوں میں ایسا یقین جازم پیدا کرتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل را نہیں پاسکتا۔

③ تیسرا صورت یہ ہے کہ ان خطابیات کے ذریعہ سے یقین پیدا کیا جائے جن کو لوگ عام بول چال اور عملی کار و بار میں استعمال کیا کرتے ہیں اور عادۃ ان کو صحیح سمجھتے ہیں اگر طبع انسانی میں، خاص طور سے اس مسئلہ کی طرف غیر معمولی انکار یا شدید تعصب نہ ہو اور سامع میں تشکیک، مناظرہ اور خواہخواہ کر پیدا اور جنت کی عادت نہ ہو اور اس کی طرف فطرت صالحہ اور سادہ اور صاف ہو تو اس طریقہ سے اکثر افراد انسانی کو یقین کی دولت ہاتھ آ سکتی ہے اور اس لیے قرآن مجید نے اسی طرز استدلال سے اکثر کام لیا ہے۔

④ چوتھی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی دیانت اور ایمانداری پر یقین ہو اور اس پر کامل اعتقاد ہو، بکثرت لوگ اس کے مداح ہوں، یا تم خود اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر اس کی ہر بات کو صحیح باور کرتے ہو تو اس کا کہنا تمہارے اندر یقین پیدا کر دیتا ہے، جیسے اپنے بزرگوں اور استادوں اور مرشدوں کے بیان کا لوگ حرفاً حرفاً یقین کر لیتے ہیں، ایک بُراؤ شخص کسی کی موت کی خبر دیتا ہے تو یہ شخص اس کو باور کر لیتا ہے، اسی طرح اگر کسی شخص

کو کسی کی صداقت سچائی یا پاکیزگی اور زہد و تقویٰ کا یقین ہو جائے تو وہ بلا پس و پیش اس کی ہربات صحیح تسلیم کر لے گا، چنانچہ حضرت صدیق ؓ (یا ادا کا بر صحابہ ؓ) کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ جو حسن اعتقاد تھا وہ اسی قسم کا تھا، اس لیے آپ ﷺ جو کچھ فرماتے تھے ان کو اس کے باور کرنے میں کسی دلیل و برهان کی حاجت نہ تھی۔

⑤ حصول یقین کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ روایت کی صورت حال کی ایسی دوسرے قرائے سے صدقی ہو جن سے گواہ مناظرہ پسند اور جنت طلب شخص کی تشقی نہ ہو مگر عام اشخاص کی ان سے تسلی ہو جاتی ہے، مثلاً: اگر شہر میں یہ عام خبر پھیلی ہوئی تھی کہ امیر شہر بیمار ہے، اسی اثنامیں قلعہ سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور ایک شاہی غلام نے آ کر روایت کی کہ امیر نے وفات پائی تو اس روایت کے تسلیم کر لینے میں عام لوگوں کو کوئی جائے انکار نہیں رہتی گو اس کی صحت کی راہ میں آپ میسیوں عقلی احتمالات پیدا کرتے رہیں یہی سبب ہے کہ کتنے اعرابی تھے جنہوں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھایا آپ کی دل آؤزی اور پراش با تین سینیں یا آپ کے اخلاق کریمانہ کو مشاہدہ کیا اور بے دلیل و برهان آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے (کیونکہ انہوں نے پہلے آپ کی نبوت کا چرچا تو سناتھا لیکن اس دعویٰ کی صداقت نے ان کے دل میں پوری طرح گھر نہیں کیا تھا، مگر جب اتفاق سے آپ کے دیدار کا موقع ملا تو قرائے حال اور آثار قیافہ کے ذریعے سے نیک و بد اور اچھے برے کی تمیز کا جو ایک خاص جو ہر انسان میں دلیعت ہے، اس نے فیصلہ کر دیا کہ یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط)۔

⑥ چھٹا طریقہ یہ ہے کہ جو روایت بیان کی جائے اگر وہ سامع کے مزاج، اخلاق اور خواہش کے مطابق اور مناسب ہو تو اس کے صحیح تسلیم کر لینے میں اس کو کبھی پس و پیش نہ ہو گا اس حصول یقین میں نہ تو حسن اعتقاد کی ضرورت ہے اور نہ قرائے آثار کی تائید کی یہ فطری اور طبعی مناسبت خود حصول یقین کے لیے کافی ہے، (یہی سبب ہے کہ سائبین اسلام میں وہی صحابہ داخل ہیں جو فطرۃ نیک اور طبعاً راستی پسند اور جو یا ہے جتنے تھے)۔
انہی مختلف طریقوں سے لوگ یقین و اذعان کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرتے ہیں اور یہی طریقے غمیبات اور مجررات پر بھی یقین کرنے کے ہیں۔

مجزہ اور سحر کا فرق

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مجزہ سے جس طرح عجیب و غریب امور صادر ہوتے ہیں سحر و ظلم نیرنگ، شعبدہ سے بھی اس قسم کی باقیں و کھانی جاسکتی ہیں سحر و ظلم کے الفاظ اگر اس بیسویں صدی میں مکروہ معلوم ہوں تو ان کے معنی مسماۃ الزم اور پنونڈم کے سمجھ لیے جائیں، ایسی صورت میں ایک تغیری اور ساحر و شعبدہ باز اور مسماۃ الزم کے درمیان کیا فرق ہو گا؟ یہ سوال ہے جس پر علم کلام میں بڑی بڑی بحثیں ہیں، معمول اور ارباب

نواہر میں علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ ہے * کہ مجھہ کے علاوہ سحر و طسم و شعبدہ وغیرہ جو چیزیں ہیں وہ صرف فرب پ نظر ہیں لیکن مجھہ سے قلب حقیقت اور تبدیل خاصیت ہو جاتی ہے۔ اشاعرہ سحر و طسم کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ مجھہ سے جو عظیم الشان عجایبات سرزد ہوتے ہیں مثلاً: سمندر کا خشک ہونا، چاند کا شق ہو جانا وغیرہ یہ چیزیں سحر و طسم کے زور سے نہیں ہو سکتیں، حکماء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ مجھہ اور سحر میں فرق یہ ہے کہ صاحب مجھہ اپنی قوت کو خیر میں صرف کرتا ہے اور سارے حشر میں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان جوابات سے اشکال کی اصلی گرہ نہیں کھلتی۔ ایک شخص اپنے دعوے کے ثبوت میں ظاہر ایک خارق عادت کر شہزادی کرتا ہے، اب اس پر یہ بحث کہ یہ دھوکا یا نظر بندی ہے یا مرزاں ہی ہے، یا معمولی کام ہے، یا عظیم الشان کارنامہ ہے، نہایت مشکل ہے کیونکہ ان اشیاء کے قوع میں کوئی ظاہری امتیاز نمایاں نہیں ہو سکتا، نیز اس کا فیصلہ کہ یہ قوت خیر میں صرف ہوئی یا شر میں؟ یا یہ کہ ضروری ہے کہ یہ خارق عادات محل خیر میں صرف ہوں یا محل شر میں؟ اس کے علاوہ کوئی تیری نہیں ہو سکتی، بہت کچھ قابل بحث ہے ایک مسکریز راپنی قوت سے بعض بیماریوں کو دور کر دیتا ہے اور اس سے غریبوں کا علاج کرتا ہے تو یہ خیر اور نیکی کی چیز ہے تو کیا آپ اس کو مجھہ کہہ دیں گے؟

اصل یہ ہے کہ مجھہ اور دیگر عجایبات امور میں دو عظیم الشان فرق ہیں ایک یہ کہ مجھہ برہ راست خدا کا فعل ہوتا ہے اور دوسرے عجائب امور اسباب طبعی و نفسی کے نتائج ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مجھہ سے مقصود اعدائے دعوت الہی کی بلاست یا مبلغ رسالت کی تائید اور مومنین صادقین کی حمایت اور برکت ہوتی ہے محض کھیل تماشا، شعبدہ بازی اور بازی گری اس کا مقصد نہیں ہوتی اور سب سے آخری شے جوان دونوں کے درمیان حدفاصل بن جاتی ہے یہ ہے کہ ساحرو بازی گر و شعبدہ باز صرف تماشاے کرتب اور عجایبات دکھاتے ہیں اس کے ساتھ وہ اپنی زندگی کی پاکیزگی، ارادوں کی بے گناہی، دلوں کی طہارت اور صفائی، شریعت الہی کی تبلیغ، قلوب کے تزکیہ اور سیہ کاریوں کے قلع و قلع کے نہ وہ مدعا ہوتے ہیں اور نہ یہ خواص اور کارنامے ان سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن انبیاء ﷺ کی معصوم زندگی، پاک اخلاق، مقدس اعمال اور دیگر پیغمبرانہ خصائص و کیفیات خود ان کی نبوت کی منادی کرتے رہتے ہیں قدم قدم پر خدا ان کی دعوت کی تائید کرتا ہے، ان کی صدائے حق جماعتوں، قوموں اور ملکوں میں روحانی انقلاب پیدا کر دیتی ہے، ان کی سچائی، راستی اور صداقت پر ان کے سوانح حیات کا حرف گواہ ہوتا ہے، وہ سونے چاندی پر نہیں بلکہ دلوں پر اخلاص و ایثار اور صدق و صفائی کی مہر لگاتے ہیں۔ ایک ساحر اور مسکریز رخواص اشیاء میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے مگر کافر کو مومن، بدکار کو عیفیف، بے باک کو فیاض، بخل کو فیاض، سخت کو سرزم اور جاہل کو عالم نہیں بنا سکتا، وہ لوہے کو زر خالص کی صورت میں بدل

سکتا ہے لیکن کسی زنگ آسودہ دل کو جانہیں دے سکتا۔ یہ ظاہری اشتبہ اور التباس صرف نبی اور ساحر و متنبی (جھوٹے پیغمبر) ہی میں نہیں ہے بلکہ دنیا کی ہر حقیقت اسی طرح اپنے مقابل سے مشتبہ اور ملی جلی ہوتی ہے، صبر اور بے حیثی توکل اور کافیت شعاراتی، سخاوات اور اسراف حق گوئی اور گستاخی، شجاعت اور تہوار ان کے ڈاغلے باہم اس قدر ملے ہوئے ہیں کہ انسان کی قوت میزہ کبھی کبھی دھوکا کھا جاتی ہے لیکن اہل نظر ان دونوں حقیقوتوں کے ظاہری تشبیہ سے فریب میں نہیں آتے ان دونوں کی ظاہری شکل و صورت گوایک ہو مگر ان دونوں کے خصائص و آثار اس درجہ متفاوت اور متما زیں ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے حدود اور فرق و امتیاز کو فوراً پہچان لیتے ہیں جب پیغمبر اپنا مجھہ اور جادو گرا پنا کرتے دکھاتے ہیں تو ظاہری حیرت زائی کے لحاظ سے عوام کے نزدیک ایک لمحہ کے لیے گو دونوں ایک ہوں، مگر جب حقیقت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو ایک اخلاق کا محمسہ، پاکیزگی کا فرشتہ، شریعت کا حامل، گناہگاروں کا طبیب اور قلوب کا معالج ہوتا ہے اور دوسرا محض تماشا گر، یا شعبدہ با یا مصنوعی حیلہ گر اور نقال۔

ایک عطاٹی اور طبیب حاذق اور ایک معمولی سپاہی اور ایک بہادر جزل، ایک حرف شناس اور ماہر علوم، ایک مکار اور زاہد، ایک مصنوعی اور حقیقی صوفی کے درمیان شاید کبھی عوام فرق نہ کر سکیں مگر جب ان دونوں کے آثار و خصائص اور علامات و قرائن باہم ملائے جائیں تو ظلمت و نور کی طرح ان دونوں میں علاییہ فرق محصول ہو جاتا ہے۔ مولانا نے روم نے اس فرق مراتب کو منشوی میں نہایت عمدہ تشبیہات کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے، فرماتے ہیں:

صد ہزار ان ایں چنین اشباہ بینی فرق شان بفتاد سالہ راہ بینی

”اسی طرح کی لاکھوں ہم شکل چیزیں ہیں، لیکن ان میں کوسوں کا فاصلہ ہے۔“

ہر ۴ دو صورت گر بھم ماندو است آب تلخ و آب شیریں را صفات
”دونوں کی صورتیں اگر باہم مشابہ ہوں تو کچھ حرج نہیں۔ میمھا اور تلخ پانی دونوں کا رنگ ایک ہی طرح صاف ہوتا ہے۔“

ہر دو یک گل خورده زنبور و نحل لیک شد زان نیش وزین دگر عسل

”بھڑ اور شهد کی مکھی ایک ہی پھول چوتی ہیں لیکن اس سے زہر اور اس سے شہد پیدا ہوتا ہے۔“

ہر دو گوں آہو گیا خور دندو آب نیں یکرے سرگین شدوزان مشک ناب
”دونوں قسم کے ہر ان ایک ہی گھاس کھاتے اور ایک ہی پانی پیتے ہیں مگر اس سے میگنی اور اس سے مشک پیدا ہوتا ہے۔“

* مشنوی مولانا روم میں یہ مصرع اس طرح ہے ”ہر دو گوں زنبور خور دند از محل“ حکایت مرد بقال جلد ۱، ص: ۸ و کلیات مشنوی معنوی مولوی دفتر اول، ص: ۲۱ ”ک“، ”ص“

بہر دونے خورد ندازیک آب خور آن یکرے خالی و آن پر از شکر
”دونوں قسم کی نے، ایک پانی سے پرورش پاتی ہیں، لیکن ایک مزہ سے خالی اور دوسرا سے شکر پیدا ہوتی ہے“
ایں خورد زائد ہمہ بخل و حسد و آن خورد آید ہمہ نور احمد
”ایک آدمی غذا کھاتا ہے تو اس سے بخشن اور حسد پیدا ہوتا ہے اور دوسرا وہی غذا کھاتا ہے تو اس سے خدائی نور
پیدا ہوتا ہے۔“

ایں زمین پاک ست و آن شورست و بد این فرشتہ پاک و آن دیواست و دد

”یہ زمین سیر حاصل ہے اور وہ بری اور خبر ہے یہ مقدس فرشتہ ہے اور وہ شیطان اور جانور۔“

بحتر تلخ و بحر شیریں درمیان درمیان شان بزرخ لا یبغیان

”شیریں اور تلخ سمندر ملے ہوئے ہیں، مگر ان کے درمیان ایک حد فاصل ہے جس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔“

زر قلب وزرنیکو در عیار بیر محک ہر گز نہ دانی ز اعتبار ۲۷

”کھونے اور کھرے سونے کی تمیز کسوٹی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔“

صالح و طالح بہ صورت مشتبہ دیدہ بکشای کہ گردی منتبا

”نیک اور بد کار کی صورتیں ملتی جلتی ہیں آنکھیں کھولو تو تمیز ہو سکتی گی۔“

بحر رانیمیش شیریں چوشکر طعم شیریں رنگ روشن چون قمر

”دریا کا آدھا حصہ شکر کی طرح شیریں ہے مزائیحہ اور رنگ چاند کی طرح پیدا ہے۔“

نیم دیگر تلخ ہمچو زبر مار طعم تلخ و رنگ مظلوم قیر وار

”دوسرا نصف حصہ سانپ کے زہر کی طرح ہے مزائیحہ اور رنگ تارکوں کی طرح سیاہ ہے۔“

اے بسا شیریں کہ چوشکر بود لیک زہر اندر شکر مضمربود ۲۸

”بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو شکر کی طرح میشی ہیں لیکن اس کے باطن میں زہر چھپا ہے۔“

جز کہ صاحب ذوق شناسد بیاب او شناسد آب خوش از شورہ آب

”صاحب ذوق کے سوا اور کون پیچاں سکتا ہے وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا اور یہ کھارا ہے۔“

جز کہ صاحب ذوق کاشناسد طعوم شہد رانا خورده کرے دانی زموم

”صاحب ذوق کے سوا مزے کی تمیز اور کون کر سکتا ہے جب تک شہد کونہ کھاؤ موم اور شہد میں کیونکر تمیز کر سکتے ہو۔“

۲۷: مشنوی مولانا تاروم، ج1، ص: ۸؛ کلیات مشنوی معنوی مولوی، دفتر اول، ص: ۲۲، ۲۱۔

۲۸: مشنوی مولانا تاروم، ج1، تفسیر آیکریم مرجن الجھرین..... ص: ۶۸۔

سحر راباً معجزہ کر دہ قیاس ہر دوراً برمکر پندار د اساس
”اس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا اور یہ سمجھا کہ دونوں کی بندیا فریب پر ہے۔“

زر قلب و زرنیکو در عیار بے محک ہرگز نہ دافی ز اعتبار
”تم کھوئے اور کھرے سونے کو کسوٹی کے بغیر تینہیں کر سکتے۔“

ہر کرا در جان خدا بنہد محک ہر یقین را بار داند او ز شک ①
”خدائے جس کی روح میں کسوٹی رکھی ہے وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے۔“

چوں شود از رنج و علت دل سلیم طعم صدق و کذب را باشد علیم ②
”جب آدمی کے دل میں یہاڑی نہیں ہوتی تو وہ حمدق اور کذب کے مزے کو پہچانتا ہے۔“

اب صرف یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ جو قوت حرمت زاخوارق کی قدرت رکھتی ہے، اس کا رخ بھی نہایت آسمانی کے ساتھ بدلا جاسکتا ہے، یعنی ساحر بے تکلف اپنی ساحرانہ قوت کو دنیا کے ترکیہ اخلاق و اصلاح عالم میں صرف کر سکتا ہے اور اس سے کوئی مجال عقلی لازم نہیں آتا، لیکن امکان عقلی اور امکان واقعہ و مختلف چیزیں ہیں یہ عقلانیمکن ہے کہ ہر شخص بادشاہ ہو سکتا ہے، عالم عصر ہو سکتا ہے، کشور کشا ہو سکتا ہے گرواقغا اور عملایہ قدرت ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے ساحر محض ایک تماشاگر ہوتا ہے، اس میں یہ قدرت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اس قوت سے ترکیہ نفوس، تلہیر اخلاق اور اصلاح عالم کا کام لے سکے، یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی ساحر اور شعبدہ گرنے اصلاح عالم کا فرض ادا نہیں کیا۔ لیکن پیغمبر اپنے مجرمان کارنا موں سے دنیا کو والٹ دیتا ہے، بدی کے کائنوں کو ہٹا کر نیکی کے گل وریجان سے اس خاکدان عالم کو سجاد دیتا ہے۔

معجزہ دلیل نبوت ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اسی تقریر سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں؟ اشاعرہ کا جواب اثبات میں اور معتبر لکانی میں ہے۔ اس مسئلہ پر سب سے زیادہ سیر کن بحث ابن رشد نے ”کشف الادله“ ③ میں کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہو سکتا کیونکہ مطقبیانہ حیثیت سے دعویٰ اور دلیل میں مناسبت کا ہوتا ضروری ہے اور معجزہ اور نبوت میں کسی قسم کی مناسبت نہیں پائی جاتی مثلاً: جب ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے قوم کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوا ہے لیکن جب اس سے دعویٰ کی تصدیق کے لیے دلیل طلب کی جاتی ہے تو وہ خنک چشمی کو پانی سے بریز کر دیتا ہے، چاند کو دوکڑے کر دیتا ہے، لامبی کوسانپ بنا دیتا ہے، یہ تمام واقعات اگرچہ نہایت عجیب و غریب

① مشتوی مولانا روم، ج ۱، ص: ۸: حکایت مرد بقال۔

② ایضاً، ج ۲، ص: ۱۶۵: باز الحاج کردن۔ ③ ص: ۹۲: وما بعد مکتبہ محمودیہ جامع ازہر مصر۔

ہیں، لیکن ان دلائل کو دعویٰ کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ فرض کیجئے کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ فلسفہ و ریاضی کا بہت بڑا ماہر ہے اور اس کے ثبوت میں انسان کو جانور اور جانور کو انسان بنادیتا ہے تو اس واقعہ سے اس کے فلسفہ اور ریاضی کا کمال کیونکر ظاہر ہو سکتا ہے؟ اشاعرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ثبوت علم و عمل کے مجموعہ کا نام ہے اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی نسبت یہ تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں چیزوں میں کمال رکھتا ہے اور اسی کمال کے اظہار کے لیے مجرہ طلب کیا جاتا ہے اور انہیاں کے مجرزات اگرچہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں، تاہم ان کو صرف دونوں میں شمار کیا جاتا ہے اخبار بالغیب سے اس کے علمی کمال کا اظہار ہوتا ہے اور تصرف فی الکائنات سے اس کی عملی قوت ظاہر ہوتی ہے ایک اور مناسبت یہ ہے کہ مجرہ خرق عادت کا نام ہے اس میں کوئی نزاٹ نہیں کہ اشیاء اور حقائق کے خصائص اور عمل خدا کے امر و حکم سے ہیں اب جو شخص ان خصائص و عمل کو اپنے مجرہ سے توڑ دیتا ہے وہ گویا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ جس برتر ذات نے ان اسباب و عمل کو بنایا ہے وہی ان کو توڑ سکتی ہے اور یہ تکست خرق چونکہ اس کے واسطے ظاہر ہوا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی کا فرستادہ ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا کے پاس قاصد بھیجا ہے رعایا پوچھتی ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم بادشاہی قاصد ہو؟ وہ اس کے جواب میں بادشاہ کی مہر اور انگوٹھی پیش کرتا ہے اگرچہ ظاہر ہے کہ قاصد کے دعوائے پیاسا میری کو مہر اور انگوٹھی سے برادرست کوئی مناسبت نہیں، لیکن یہ مناسبت یوں ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ مہر اور انگوٹھی بادشاہی کی ثانی ہے جو ایک معمولی قاصد کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتی اس سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے نشانی دے کر بھیجا گیا ہے۔ علم کلام کی کتابوں میں ایک عام مثال یہ دی جاتی ہے کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ شاہی دربار اور جلوس کے رسوم و آداب خاص ہوتے ہیں بادشاہ دربار میں معمولی فرش پر نہیں، بلکہ طلاقی و نقفری تخت پر بیٹھتا ہے جلوس میں وہ پیادہ نہیں بلکہ سوار ہو کر رکھتا ہے، ایک شخص بادشاہ کی طرف سے قاصد بن کر مجھ میں آتا ہے، یہ مجھ اس کوششی پیاسا میر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے قاصد بادشاہ سے کہتا ہے کہ اے بادشاہ! اگر میں حقیقتاً تیرا فرستادہ ہوں تو رسوم و عادات کے خلاف تو فرش پر جلوس فرم اور پیادہ پائکل، بادشاہ اس کے مطابق دربار میں فرش پر جلوس کرتا ہے اور پیادہ پا چلتا ہے بادشاہ کا یہ عمل یقیناً اس بات کی تصدیق ہو گی کہ وہ شاہی قاصد ہے۔ اسی طرح دنیا کے اسباب و عمل اس دنیا میں خدا کی بادشاہی کے رسوم و عادات ہیں پیغمبر اس بات کا مدعا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے، کفار اس کے قاصد الہی ہونے سے انکار کرتے ہیں وہ کہتا ہے کہ اے خدا! اگر میں حقیقتاً تیرا فرستادہ ہوں تو اپنے رسوم و عادات کے خلاف مجرہ خرق عادت دکھا، وہ دکھادیتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔ لیکن مجرہ اگر دلیل نبوت ہے تو منطقی حیثیت سے یہ کس

شم کا استدلال ہے، ظاہر ہے اس کو بربان یقینی نہیں کہا جاسکتا، تاہم دلیل کا انحصار صرف بربانیات میں نہیں ہے بلکہ اس کی اور بھی متعدد قسمیں ہیں اور مجرہ ان مقدمات میں داخل ہو سکتا ہے۔ ابن رشد نے کشف الاadle میں مجرہ کو خطابیات میں داخل کیا ہے، یعنی مجرہ اگر چہ نبوت پر بالذات یقینی طور پر دلالت نہیں کرتا، تاہم جب کوئی پیغمبر سلسلہ کائنات میں عجیب و غریب تصرف کرتا ہے تو اس کو دیکھ کر ہر شخص اس کے کمال روحانی کا اعتراف کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو شخص ان عظیم الشان تصرفات کی قدرت رکھتا ہے وہ ضرور اپنے دعویٰ میں صادق ہو گا ان دونوں نتائج یعنی تصرف فی الکائنات اور اصلاح روحانی میں اگرچہ باہم کوئی تلازم نہیں، تاہم عوام کی دلفریبی کے لیے یہ کافی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ جدل ہے جس میں مسلمات خصم سے استدلال کیا جاتا ہے اور تاریخی حدیث سے مجرمات کو قیاس جدل کہنا زیادہ موزوں ہو گا زمانہ قدیم سے یہ خیال چلا آتا ہے کہ جو لوگ پیغمبر ہوتے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی با فوق الغطرت قوت ضرورت ہوتی ہے اور وہی پیغمبر کو عام لوگوں سے ممتاز کرتی ہے اس بنا پر جب کوئی پیغمبر کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے تو اس موروثی اور مسلمہ عقیدہ کی بنا پر تمام لوگ اس سے مجرہ طلب کرتے ہیں اور پیغمبر کو مجبوراً دکھانا پڑتا ہے۔ یہ مجرہ اگرچہ ایک فلسفی کے لیے دلیل و جست نہیں ہو سکتا، تاہم جو لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مجرہ دلیل نبوت ہے اور انہی کے طلب و اصرار سے اس مجرہ کا ظہور ہوا ہے ان کو اس کے ذریعہ سے ساکت کیا جاسکتا ہے اور وہ ان کے لیے دلیل ہو سکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان اس بحث میں خلط بحث ہو گیا ہے، اشاعرہ کا یہ کہنا کہ مجرہ دلیل نبوت ہے اس کے معنی نہیں ہیں کہ وہ منطقی دلیل ہے معتزلہ کا اعتراض اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب اشاعرہ اس کو منطقی دلیل کہیں دلیل کا لفظ یہاں منطقی محاورہ میں نہیں بلکہ عام اور لفظی معنی (نشان) میں استعمال ہوا ہے، اس بنا پر جب مجرہ سرے سے دلیل منطقی ہی نہیں تو یہ تلاش کرو اور انواع دلیل کی کس قسم میں داخل ہے بے سود ہے، چنانچہ اشاعرہ خود کہتے ہیں کہ مجرہ کی دلالت نبوت پر دلالت عقلی نہیں بلکہ عادی نہیں، شرح موافق بحث مجرمات میں ہے:

و هذه الدلالة ليست دلالة عقلية محضة كدلالة الفعل على وجود الفاعل
ودلالة احكامه واتقاده على كونه عالمًا بما صدر عنه فان الاadle العقلية
ترتبط لنفسها بمدلولاتها ولا يجوز تقديرها غير دالة عليها وليس
المعجزة كذلك بل هي دلالة عادية كما اشار اليه بقوله وهي عندنا اى
الاشاعرة اجراء اللہ عادته بخلق العلم بالصدق عقيبة: اى عقب ظهور

المعجزة۔

شرح موافق، حصہ هشتم، ص: ۲۲۸، مصر۔

”مجزہ کی دلالت بہوت پر محض دلالت عقلی نہیں جیسے فعل کی دلالت وجود فاعل پر یا فعل کے استحکام و ظلم کی دلالت فاعل کے علم پر ہے کیونکہ دلائل عقلی اپنے مدلولات کے ساتھ مر بوط ہوتے ہیں اور یہ فرض ناممکن ہے کہ وہ اپنے مدلول پر دال نہ ہوں اور مجزہ کی دلالت کی صورت ایسی نہیں ہے بلکہ مجزہ کی دلالت، دلالت عادی ہے، جیسا کہ صاحب موافق نے اپنے ان لفظوں میں کہا ہے کہ یہ دلالت ہمارے (اشاعرہ) کے زندگیکے اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادات یہ ہے کہ جب مجزہ صادر ہوتا ہے تو صاحب مجزہ کی سچائی کا علم وہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے۔“

آج کل کے محاورہ علمی میں اشاعرہ کے اس قول کی تشریع کہ مجزہ کی دلالت عقلی نہیں بلکہ عادی ہے یہ ہے کہ مجزہ مطلق نہیں بلکہ نقیاتی (سایکا لو جیکل) دلیل ہے، عادت انسانی یہ ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی غیر معقولی کارنامہ ظہور پذیر ہوتا ہے تو نفوس اس کی عظمت و کبریائی کے سامنے سرگوں ہو جاتے ہیں، جب ایک شخص عام انسانی حالت سے بلند ترستخ میں آ کر منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور خوارق عادت اس سے ظاہر ہوتے ہیں تو عام متاثر طبع فوراً اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ آج گونبٹ نہیں مگر ولایت ہے، آج بھی جس شخص کی نسبت با خدا اور ولی کامل ہونے کا خیال لوگوں میں ہوتا ہے تو فوراً یہ سوال ہوتا ہے کہ ان سے کچھ کرامات بھی صادر ہوتی ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ملا اور خود ذاتی مشاہدہ بھی ہوا تو اس شخص کی کوئی نسبت حسن اعتقد بڑھ جاتا ہے یہ عام تقاضائے انسانی ہے اس میں مومن و کافر، عالم و نعمان، مشاہدہ و قوف، اور زنگی و فرنگی کی کوئی تخصیص نہیں۔ لیکن جو طبیعتیں فطرتیاً اثر پذیر نہیں بلکہ معاند، متعصب اور کور باطنی ہیں، ان کے لیے یہ خوارق و مججزات قطعاً بے سود ہوتے ہیں کیونکہ ان کا عناد، تعصب اور کور باطنی حسن ختن کے بجائے ہمیشہ سوئے ظن کی طرف را ہمنائی کرتی ہے اور وہ بڑے سے بڑے مجزہ کو بھی دیکھ کر بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ بحر و جادو اور طلسم و نیزگ ہے، اس لیے صحیح راستہ یہ ہے کہ مدعاً بہوت کے اخلاق خلوص پاکیزگی و طہارت کا امتحان کیا جائے جس میں یہ باتیں ثابت ہو جائیں گی عادۃ ناممکن ہے کہ وہ کاذب اور جھوٹا ہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے منقاد میں، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مطالب عالیہ میں اور عارف روم نے مشتوی میں نہایت تفصیل سے اس بحث کو لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ بہوت کی اصل دلیل مجزہ نہیں بلکہ تعلیم و ارشاد اور قوت علم و عمل کا کمال ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر

بہوت کے کچھ آثار و خواص ہیں اگر کسی شخص کی نسبت یہ شبہ ہو کہ یہ پیغمبر ہے یا نہیں تو اس کا علم صرف اس کے احوال کی معرفت سے ہو سکتا ہے یہ معرفت یا تواتر ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہو، جیسی صحابہ کو تھی یا خبر متواتر سے اور سن کر ہو جیسی اب عام لوگوں کو ہے، بہوت کے آثار و کیفیات کی ذائق شناسی جس میں ہوتی ہے وہی

آمادہ تصدیق ہوتا ہے، مثلاً: اگر تم کو طب اور فقه سے کچھ واقفیت ہے اور ان کا ذوق رکھتے ہو تو جو شخص فیقہ یا طبیب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تم اس کے احوال کو دیکھ کر اور اس کی باتیں سن کر فوراً ای فصلہ کر سکتے ہو کہ یہ طبیب یا فیقہ ہے یا نہیں اور اسی طرح تم امام شافعی رضی اللہ عنہ کی نقاہت اور جالینوس کی طبابت کی تصدیق تقلید سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی تحقیق سے کر سکتے ہو گواج امام شافعی اور جالینوس کا وجہ نہیں مگر ان کے سوانح اور اقتنیفات پڑھ کر اب بھی تم کہہ سکتے ہو کہ امام شافعی فیقہ کامل اور جالینوس طبیب حاذق تھے یا نہیں، اسی طرح گو آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان نہیں مگر آپ کی سیرت مبارکہ آپ کی شریعت، آپ کی تعلیمات، آپ کے ارشادات موجود ہیں جن سے آپ کی نبوت کی تصدیق ہر شخص کر سکتا ہے، اسی معیار سے کسی مدعا نبوت کے دعویٰ پر یقین کرنا چاہیے۔ لاثنی کے ساتھ اور قرآن کے شق ہونے سے نہیں کیونکہ اگر ان خوارق پر نظر ڈالا اور دوسرے بے شمار قرآن اور شہادتوں کو ان کے ساتھ نہ ملا تو ممکن ہے کہ یہ خطرہ پیدا ہو کہ یہ جادوگری اور نظر بندی ہے۔ *

امام رازی علیہ السلام کی تقریر

امام رازی نے مطالب عالیہ میں نبوت اور متعلقات نبوت کی بحث سب سے زیادہ استیعاب سے لکھی ہے ان کی تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ نبوت کو تسلیم کرتے ہیں ان میں دو جماعتیں ہیں ایک کاندھ بہ یہ ہے کہ نبوت کی دلیل مجزہ ہے، یہ جمہور اہل مذاہب کا مسلک ہے، دوسرا دلیل بہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ہم کو خود غور کرنا چاہیے کہ صداقت و راتی کیا ہے؟ اس کے بعد ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں جو نبوت کے دعویٰ کے ساتھ لوگوں کو دین حق کی دعوت دیتا ہے اس کی دعوت موثر ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو باطل پرستی سے ہٹا کر حق پرستی کی طرف لا رہی ہے تو ہم یقین کر لیں گے کہ یہ چاہیئے نہ ہے یہ مذہب عقل سے قریب ہے اور اس راہ میں شکوہ و شہادت کم ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانیت کا کمال، قوت علمی اور عملی کی صحیح تتمیل اور تزکیہ ہے، اس قوت کے لحاظ سے انسان کے تین طبقے ہیں، ایک وہ جو اس میں ناقص ہے، یا عام انسان ہیں، دوسرا وہ جو خود کامل ہے مگر دوسروں کو کامل نہیں بنایا سکتا، یہ خواص اور صلحاء کا درجہ ہے، تیسرا وہ جو خود کامل ہے مگر دوسروں کو بھی کامل کر دیتا ہے یہ انہیا ہیں اس کمال و نقص کے ہزاروں متفاوت درجے اور مرتبے ہیں اور انہی کے لحاظ سے ان کی قوت اور مرتبہ کا اندازہ ہوگا، ان کی قوت علمی کے سامنے تمام مقدمات بدیکی ہوتے ہیں اور معارف الہی پر ان کو عبور ہوتا ہے اور ان کی قوت عملی اس عالم جسمانی میں تصرفات کرتی ہے اور یہی مجزات کا مقصد ہے، اس قوت علمی و عملی کے کمال کے ساتھ یہ نظر آتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو جوان دونوں میں پست اور ناقص ہیں اپنے فیض صحبت اور فیض تعالیٰ سے کامل کر دیتے ہیں اور امراض قلبی کا وہ علاج کرتے ہیں تو یہی ان کی نبوت کی دلیل ہے۔ امام

* المتفق من الفضلال، ص: ۳۵، ۳۶، مصر۔

رازی گوئی نے اس تفصیل کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ اثبات نبوت کا یہی طریقہ قرآن مجید نے اختیار کیا ہے اور چند سورتوں کی تفسیر لکھ کر دکھایا ہے، ان میں نبوت کے یہی آثار و خصائص بیان ہوئے ہیں۔ ﴿ مولا ناروم حجۃ النبی کے حقائق

مولانا نے اس بحث کو عمدہ تشبیهات اور تمثیلات سے اس درجہ قریب الفہم بنادیا ہے کہ تمام شکوک و شبہات دفع ہو جاتے ہیں، اس سے پہلے مولا نا کے وہ اشعار لکھے جا چکے ہیں جن میں یہ دکھایا ہے کہ نبوت کی قدیق کے لیے سب سے پہلی چیز صنِ ذوق ہے آب شیر میں اور آب شور، صورت و شکل اور رنگ و بودونوں میں ایک ہوتے ہیں مگر صرف صاحبِ ذوق ان دونوں کا فرق محسوس کر سکتا ہے، اسی طرح یہی اور متنی گو ظاہری شکل و صورت اور دعوا نے نبوت میں یکساں نظر آتے ہیں مگر صاحبِ ذوق ان دونوں کے آثار و خصائص سے فوراً تمیز کر لیتا ہے۔

”غور کر و صاحبِ ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے؟“	جز کہ صاحبِ ذوق بشناسد بیاب
وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میخاہے اور یہ کھاری ہے۔	اوشناساً آب خوش از شور آب
صاحبِ ذوق کے سوا مزہ کی تمیز اور کون رکتا ہے؟	جز کہ صاحبِ ذوق بشناسد طعوم
اگر شہرنہ کھلایا ہو تو موم اور شہد میں تمیز کیونکر کر سکتے ہو۔	شہدراناخورده کرے دانی زmom
اس نے سحر کو مجرزہ پر قیاس کیا اور یہ سمجھا کہ دونوں کی بنیاد فریب پر ہے۔	سحر را بامعجزہ کردہ قیاس ہردو را بر مکر پندارو اساس
تم کھوئے اور کھرے سونے کا فرق کسوٹی پر پر کھے لیغیر نہیں کر سکتے۔	زر قلب وزر نیکو در عیار بے محک ہر گز نہ دانی ز اعتبار
خدا نے جس کی روح میں یہ کسوٹی رکھی ہے وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے۔	ہر کرا در جاں خدا بندہ محک ہر یقیں را باز داند او زشک ﴿
جب آدمی کا دل بیماری سے پاک ہو تو وہ صدق و کذب کے مزہ کو پہچان لے گا۔“	چوں شود از رنج و علت دل سلیم طعم صدق و کذب را باشد علیم ﴿

دوسری چیز طلب ہے، جب تک دل میں کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی اس کی طرف التفات نہیں ہوتا جس کا دل صداقت و راستی کا بھوکا نہیں، وہ مذاقے روحاںی کا طالب نہیں اور جب دل میں طلب اور روح میں بے قراری پیدا ہو جاتی ہے، اس وقت وہ دلیل و برہان کے لفظی مباحث سے بہت بلند ہو جاتا ہے، کسی کو اگر پیاس

﴿ مطالب عالیہ کا بیش نظری نہ تھا نقش ہے، یہ صل راغب پاشا نے اپنے سخنہ میں بتام و کمال نقش کی ہے اور مولا نا شکل بیان نہیں کیا کلم کے سخنہ میں اس کو شائع کر دیا ہے، دیکھو سفینہ راغب پاشا مطبوعہ مصر، ص: ۲۷۷۔ ﴿ مثنوی مولانا روم تفسیر آیہ کریمہ مرج البحرين ج ۱، ص: ۶۸۔ ﴿ ایضاً، باز الحاج کردن حج ۲۰، ص: ۱۶۵۔

ہوا وہ تم سے پانی طلب کرے اور تم پانی کے گلاں کی طرف اشارہ کرو کہ یہ پانی ہے تو کیا وہ تمہارے اس دعویٰ پر دلیل مانگے گا کہ پہلے یہ ثابت کرو کہ یہ پانی ہے، نہیں بلکہ وہ بلا دلیل نہایت شوق سے اپنا ہاتھ بڑھائے گا اور پانی پینے لے گا۔

"جب کسی پیاسے کو کہو کہ جلد جاؤ دیکھو وہ پیالہ میں پانی ہے۔	تشنه راجون بگونی رو شتاب در قدح آب است بستان نمود آب
کیا کوئی بیاسا اس وقت یہ کہتا ہے کہ یہ فقط تمہارا دعویٰ ہے چلو ہوں۔	ہیچ گوید تشنه کیں دعویٰ است رو از برم ایے مدعی! مهجور شور
یا کیا وہ یہ کہتا ہے کہ پہلے اس دعویٰ کی دلیل لاؤ کہ یہ پانی ہے۔	یا گواہ و حجتی بنما کہ این جنس آب است و ازان ماء معین
یا جب شیر خوار پچ کو اس کی ماں بلا کر کہتی ہے کہ اے بچہ! میں تیری ماں ہوں	یا بہ طفل شیر مادر بانگ زد کہ بیامن مادرم باں ایر ولد
تو پچھے یہ کہتا ہے کہ اپنی ماں ہونے پر دلیل پیش کرو تب میں تمہارا دودھ پیوں گا۔	طفل گوید مادرا حجت بیار تاکہ باشیرت به گیرم من قرار
جس کے دل میں حق کا مزہ ہوتا ہے اس کے لیے خود ٹیغبر کا چہرہ اور ٹیغبر کی آواز مجزہ ہوتی ہے۔	در دل بر امتی کز حق مزہ است روشنے و آواز پیغمبر معجزہ است
جب ٹیغبر باہر سے آواز بلند کرتا ہے تو امت کی روح اندر ہی اندر مجده کرتی ہے۔	چون پیغمبر از بروں بانگ زند جان امت در دروں سجدہ کند
سبب یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اس کی آواز کی سی کوئی آواز روح کے کانوں نے اس سے پہنچنی سنی تھی۔"	زانکہ جنس بانگ او اندر جہاں از کسر نشینیده باشد گوش جان

تیسرا چیز اتحاد جنسیت ہے۔ مجزات کا مقصد عموماً معارف کو لا جواب اور خاموش کرنا ہوتا ہے، لا جواب کو خاموش کر کے تم تھصم کو زیر کر سکتے ہو مگر اس کے دل میں تنقی نہیں پیدا کر سکتے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں سچائی اور راستی کا عضر ہے وہ خود اپنی ہم جنس شے کے طلب گار اور خریدار ہوتے ہیں۔

"در حقیقت مجزات ایمان کا باعث نہیں ہوتے بلکہ اتحاد جنسیت کی لا اس کے صفات کا اپنی طرف کھینچتی ہے	موجب ایمان نباشد معجزات بوئے جنسیت کند جذب صفات
مجزات تو مخالفت کو دبانے کے لیے ہوتے ہیں اور اتحاد جنسیت کی بودل کو متاثر کرنے کے لیے ہے	معجزات از بھر قهر دشمن است بوئے جنسیت سوئے دل بردن است

* مشنوی مولانا روم بیان آں دعویٰ، ج ۱، ص: ۱۸۵

دبار کتم دشمن کو زیر کر سکتے ہو مگر دوست نہیں بنا سکتے جس کو زبردستی گردن پاندھ کر زیر کرو دوست کیکو ہو سکتا ہے۔

قهر گرد دشمن اما دوست نے دوست کے گرد دبہ بستہ گردنے *

مجزہات کا صدور اکثر اسی طرح ہوتا ہے کہ معاندین یہ سمجھ کر کہ پیغمبر کاذب ہے، اس سے کسی خرق عادت کا مطالبہ کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ اس کو پیش نہیں کر سکتا اور اس طریقہ سے لوگوں میں اس کی رسوائی ہو گئی اور اس کے دعویٰ کی تکذیب ہو جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس خرق عادت کو ظاہر کر دیتا ہے اور اس سے پیغمبر کی رسوائی اور فضیحت کے جائے اس کی صداقت اور راست بازی اور عالم آشکارا ہو جاتی ہے اور اس بنابر پیغمبڑہ اس کے صدق پر ایک نشانی اور آیت بن جاتی ہے، فرعون نے جادوگروں کو جمع کر کے چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسوایہ کرے مگر یہی واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی اور فرعون کی ناکامی کا سبب بن گیا اور سینکڑوں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر صدائے لبیک بلند کر دی، اس بنابر معاندین کا وجود اعلان نبوت کی بلند آہنگی اور شہرت کے لیے ضروری ہے۔

”مالفوں کا ارادہ کر طلب مجزہ سے یوکاروں کو لاغریں دیں یہیں ان کی ذلت اور مجزہ کے غلبہ و عزت کا باعث ہو گا	منکران را قصد از لال ثقات ذل شده عزو ظہور معجزات
ان کا ارادہ اس طلب مجزہ سے پیغمبر کی ذلت تھی لیکن یہی تذلیل کا ارادہ پیغمبروں کی عزت کا باعث ہو جاتا ہے	قصد شان زان کار ذل ایں بدہ عین ذل عز رسوالان آمدہ
اگر کوئی بدکار پیغمبر کا انکار نہ کرتا تو مجزہ برہان بن کر کیوں نازل ہوتا	گرنہ انکار آمدے ازہر بدے معجزہ برہان چران ازال شدے
جب تک فریق دوم دعویٰ سے مکروہ خواہ تقدیق نہ ہو قاضی گواہ اور شاہد کب طلب کرتا ہے؟	خصم منکر تانہ شد مصدق خواہ کرے کند قاضی تقاضائے گواہ
اسی طرح اے عقل مند! مجزہ بھی پیغمبر کا گواہ ہے جو مدئی کی تقدیق کے لیے سامنے آیا ہے	معجزہ ہمچوں گواہ آمد، زکی!
جب کوئی ناشناس طعنہ کرتا تھا تو خدا پیغمبر کو مجزہ دے کر نوازش فرماتا تھا	بہر صدق مدعی درپیشگی طعنہ چوں می آمد اہر ناشناخت
فرعون موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں سینکڑوں چالیں چلا گرمان میں سے ہر ایک خواہی کی ذلت بڑی کی کا باعث ہوئی	معجزہ می داد حق و بنواخت مکرا آن فرعون سی صد تو شدہ جملہ ذل او و قمیع او شدہ
اس نے اپھے برے ہر قسم کے جادوگر جمع کیے تاکہ موسیٰ کے مجزہ کو باطل کرے	ساحران آورده حاضر نیک و بد تاکہ جرح معجزہ موسیٰ کند

* مشتوی مولانا روم دریان حکایت رنجوری، ج ۶، ص: ۵۸۰۔

اور عصائے موی کی قوت کو باطل اور رسوای کرے اور لوگوں کے دلوں سے اس کے اعتبار کو کھوئے لیکن عین یہی سارش موی کی صداقت کی نشانی ہو گئی اور اس سے اس عصا کی قدر و مزارات اور بڑھ گئی۔*	تاعصار اباظل و رسوا کند اعتبار او زدلمہابر کند عین آن مکر آیت مومنی شدہ اعتبار آن عصا بالا شدہ
--	---

مجھہ سے مقصود اگر معاندین کو خاموش اور رسوای کرنے کے علاوہ ان کے دلوں کو متاثر کرنا ہوتا تو اس کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی کہ عصا کو سانپ بنایا جائے اور قمر کو دلکھ کر دیا جائے اور اس کے ذریعہ سے قلوب کو متاثر کیا جائے، ان جمادات و نباتات پر تصرف کر کے قلوب میں تصرف کرنے سے زیادہ صاف اور سیدھا راست یہ تھا کہ براہ راست خود دلوں میں تصرف کیا جائے کہ وہ صدائے نبوت کے سنتے کے ساتھ لبیک پکارا چیں۔ معاندین کا مجھہ طلب فرقہ جوانہیا سے جمادات و نباتات پر ان کے اثرات کا طالب ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے قبول ایمان پر آمدگی ظاہر کرتا ہے، خود ان کی یہ طلب، ان کے ضمیر کی پستی اور قلب کی سیاہی کی دلیل ہے جن کے آئینہ دل پاک و صاف ہوتے ہیں، وہ بلا واسطہ جمادات و نباتات پیغمبر سے براہ راست خود اس اثر کو قبول کرتے ہیں، اس کے علاوہ مجھہ سے ہر شخص کو ہدایت نہیں ملتی، اس کے لیے بھی استعداد کی ضرورت ہے، دریا کی طراوت اور اس کے روح افزا ہونے میں شک نہیں، لیکن اس میں خشکی کے پرندے زندہ نہیں رہ سکتے۔

معجزہ کان برجماء داتر اثر یا عصا یا بحریا شق القمر
”مجھہ جو بے جان چیزوں پر اثر و تصرف کرتا ہے، مثلاً: عصا کا سانپ ہو جانا، سمندر کا پھٹ جانا، چاند کا دو
لکڑے ہو جانا۔“

گر اثر بر جان زندبی واسطہ متصل گردد بہ پنهان رابطہ
”اگر وہ مجھہ براہ راست روح کو متاثر کرے تو اندر اندر روح سے اس کا رابط پیدا ہو۔“

برجمادات آن اثر ہا عاریہ است آن پسندے روح خوش متواریا است
”لیکن غیر ذی روح پر اس کا اثر عاریہ ہے اور روح کے لیے پوشیدہ ہے۔“

تا ازان جامد اثر گیرد ضمیر حتذا ان بے ہیولائے خمیر
”مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس غیر ذی روح شے کی اثر پذیری کو دیکھ کر روح انسانی اثر پذیر ہو۔“

برزتدا از جان کامل معجزات بہ ضمیر جان طالب چون حیات
”لیکن مجھہ روح کامل کو خود بے واسطہ اور براہ راست متاثر کرتا ہے اور طالب کے لیے زندگی ہوتا ہے۔“

معجزہ بحر اسٹ و ناقص مرغ خاک مرغ خاکی رفت دریم شد ہلاک

* مشتوی مولانا روم گفتہ عسس، ج ۶، ص: ۵۶۔

”مجزہ کی مثال دریا کی ہے اور ناقص کی خشکی کے پرندہ کی، خشکی کا پرندہ دریا میں جائے گا تو ڈوب جائے گا۔“

مرغ آبی دروے ایمن از ہ بلاک مابیان رامرگ بیر دریاست خاک ❶
”لیکن آبی پرندہ اس میں جائے تو موت سے بے پرواہ ہے گا بلکہ چھیلوں کے لیے تو دریا کے بغیر خشکی موت ہے۔“

الغرض ناقصین اور معاندین کے لیے جس طرح صدقی نبوت کے دوسرے دلائل بے کار ہوتے ہیں، مجزہ کی شہادت بھی بے کار ہوتی ہے۔ مجزہ طلب فرقہ شاذونا درہی دولت ایمان پاتا ہے لیکن وہ ہستیاں جو برادر است پیغمبر کے وجود سے اثر پذیر ہوتی ہیں، ان کو قبول اثر کے لیے مجزہ کے واسطہ کی حاجت نہیں، ابو جہل مجزہ جمادات دیکھ کر بھی کافر ہی رہا اور ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم مجزہ دل سے صدقی اکبر ہوئے۔

ازستیزہ خواست بو جہل لعین معجزات از مصطفیٰ شاہ بہین ”ابو جہل نے عناد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مجزہ طلب کیا۔“

معجزہ جست از نبی ابو جہل سگ دیدو نفزو دش ازان الا کہ شک ”لیکن یہ مجزہ دیکھ کر بھی شک کے سواں کو یقین نہ پیدا ہوا۔“

لیک آن صدیق حق معجز خواست گفت ایں رو خود نہ گوید غیر راست ❷
”لیکن ابو بکر صدیق صلی اللہ علیہ وسلم نے مجزہ طلب نہ کیا، انہوں نے کہا کہ یہ چہرہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سچ کے سوا جھوٹ کہہ ہی نہیں سکتا۔“

صحابہ کو کیونکر رسالت کا یقین آیا

اب یہاں پہنچ کر مفروضات اور نظریات کو جانے دیجئے واقعات کو بھیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آواز نبوت بلند کیا تو اس آواز کی تائید کرنے والا کوئی دوسرا نہ تھا، عرب کا ذرہ ذرہ اس صدائے حق کا داشمن تھا، آپ پشت ہاپشت کے خوکرہ عادات کے ترک کی دعوت دیتے تھے، موروٹی مذہب جو لوگوں کی رگ و پے میں سراحت کیے ہوئے تھا، آپ اس کی مذمت کرتے تھے، جن بتوں اور دیوتاؤں کے رب و بہیت سے وہ کاپنیتے تھے، آپ ان کو منہدم کرنے کا حکم دیتے تھے، سرقہ، ڈاکہ، بوٹ مار، قل، خوزیری، کینہ، عداوت، سود، قمار، زنا، شراب، غرض وہ تمام افعال جو عرب کے خصائص بن گئے تھے، آپ ان کا قلع قع کرنا چاہتے تھے، علاوہ بریں آپ کے دست مبارک میں کوئی ظاہری مادی طاقت نہ تھی، دولت و خزانہ نہ تھا، اس دعوت کو قبول کرنے والوں کے لیے بجز مصائب و بلاء کے، آپ کے پاس کوئی ظاہری قابل معاوضہ چیز نہ تھی، ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسلام کا نام لینے کے ساتھ وہ اپنے گھر سے بیگانہ، اپنی جائیداد سے محروم اپنے خاندان سے نا آشنا،

❶ مشوی مولانا روم دریان حکایت رنجوری، ج ۶، ص: ۵۸۳۔ ❷ ایضارد کردن معشوق، ج ۴، ص: ۳۲۱۔

اپنے طلن سے مجبور اور اکابر شہر اور وہ سائے قریش میں رسو، بدنام اور ہر قسم کی مصیبتوں کا ہدف اور نشانہ بن جائے گا، غریب مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ بے رحمیاں اور سفا کیاں کی جا رہی تھیں وہ سب کے سامنے تھیں، باسیں ہمہ ایک خلقت تھی کہ آستانہ محمدی ﷺ کی تلاش میں چلی آتی تھی، عرب کے دور دور کے قبائل سے لوگ چھپ کر پہنچتے تھے اور بیعت کر کے واپس جاتے تھے اور آخروہ بھی جو سالہا سال تک آنحضرت ﷺ کے دشمن تھے، اسلام کے شدید مخالف اور بدر واحد اور احزاب و خندق کے بانی تھے، وہ بھی ایک روز سر اطاعت جھکانے پر مجبور ہوئے۔

آخراں کے کیا اسباب تھے؟ اور کیونکر ان کو محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور صداقت کا یقین آیا۔ عیسائیوں کی طرح یہ کہنا آسان ہے کہ محمد ﷺ نے لڑکر لوگوں کو مطعم بنا لیا، لیکن سوال یہ ہے کہ ہزاروں جاں شارٹنے والے کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوئے؟ ان کو کس نے لڑکر مطعم بنا لیا؟ اب اگر اسلام لانے والوں کے اسباب پر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ سب کے اسلام لانے کا ایک ہی سبب نہ تھا، سینکڑوں ہزاروں آدمی ایک تحدیتیجہ کا یقین رکھتے ہیں لیکن ان کے یقین کے اسباب و علل کی تلاش کیجئے تو معلوم ہو گا کہ ان میں سے ہر ایک کے یقین کے اسباب و علل اور اذاعان کے طرق اور ذریعے مختلف ہیں، ہزاروں صحابہ ﷺ نے آپ ﷺ کی صداقت کی نبوت کی تصدیق کی، آپ کی رسالت پر ایمان لائے، آپ کی صداقت پر یقین کیا، مگر یہ تصدیق، یہ ایمان اور یہ یقین کسی ایک سبب کا نتیجہ نہ تھا، اس سے معلوم ہوا کہ صرف مجرہ، ہی نبوت کی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر طبیعت صالح اور قلب سالم کے لیے پیغمبر کی صداقت کی مختلف دلیلیں مؤثر اور کارگر ہوئی ہیں۔

حضرت ابو بکر ؓ صرف دعواۓ نبوت کو سن کر ایمان لے آئے، محض دعویٰ کی صداقت نے ان کو ہر دلیل و برہان سے بے نیاز کر دیا، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت عثمان، حضرت عبیدہ بن جراح ؓ نے ایمان دیکھ کر اسلام لے آئے کہ ابو بکر ؓ سادا نش منداں صداقت سے متاثر ہے، خدیجہ ؓ ایمان لا میں، مگر یہ کہہ کر آپ ﷺ جیسے اخلاق گرائیاں کا انسان جو غریبوں کا مولیٰ، مقرضوں کا اموالیٰ اور مسافروں کا جلاہ ہے، کبھی شیطان کے پیچہ میں گرفتار نہیں ہو سکتا، حضرت انبیاء غفاری اور حضرت عمر و بن عنبر سلمی ؓ یہ دلیل ہے کہ اسلام لائے کہ آپ ﷺ مکارِ اخلاق کا حکم دیتے ہیں، حضرت عمر، حضرت طفیل بن عمرو و دوی، حضرت جیبر بن مطعم، نجاشی شاہ و جہش وغیرہ سینکڑوں اشخاص کلامِ رباني سن کر حلقہ بگوش ہو گئے، حضرت ضماد بن نعلبة از دی نے نفس کلمہ طیبہ سننے کے ساتھ نفرہ حق بلند کر دیا، حضرت عبد اللہ بن سلام ؓ چہرہ انور کو دیکھتے ہی پکارا ہے کہ ”یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔“ حضرت ضماد بن نعلبة ؓ رئیس بن سعد اس طرح اسلام لائے کہ انہوں نے بے تکلفی کے ساتھ دربار نبوی میں آ کر آنحضرت ﷺ کو تم دلائی کہ تم کوچھ خدا نے بھیجا ہے اور جب آپ نے قسم کھائی تو وہ مسلمان ہو گئے۔ *

* آگے یہ واقعات مفصل احوالوں کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ ”رض“

اوں و خروج کے بہت سے لوگ اپنے یہودی ہمسایوں سے سنا کرتے تھے کہ ایک نبی آخر الزمان کا نلپور ہونے والا ہے، جب انہوں نے آپ کی تقریبی تو پیچان لیا کہ یہ ہی پیغمبر ہیں، فتح مکہ کے بعد یمنکڑوں قبائل اسلام لانے پر اس لیے مجبور ہوئے کہ خانہ خلیل کسی جھوٹے پیغمبر کے قبضہ میں نہیں جا سکتا۔ ایک پورا قبیلہ صرف آپ کی فیاضی سے متاثر ہو کر مکہ لا الہ الا اللہ پکارا تھا، متعدد شعراء عرب اور اصحاب علم صرف قرآن مجید کے اثر کو دیکھ کر دل کو قابو میں نہ رکھ سکے، متعدد قریشی چانباز جو معرکہ بدر سے مرعوب نہیں ہوئے تھے، مسلمانوں کے آداب و اخلاق کو دیکھ کر اسلام لے آئے، صحیح حدیثیہ کے بعد ہزاروں مکہ کے آدمیوں کو جب مسلمانوں سے بے تکلف میل جوں کا موقع ملا تو وہ اسلام کی صداقت کے اعتراف پر مجبور ہو گئے، ابو سفیان جس کو نہ تو مجزات اور خوارقی عادات متاثر کر سکے اور نہ بدروختی کی تلواریں اس کو مرعوب کر سکیں، نہ آنحضرت ﷺ کا رشتہ دامادی اس کے سخت دل کو نرم کر سکا، وہ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے پیغمبر کے اعتراف کو نہ روک سکا کہ قیصر روم اپنے تحنت جلال پر بینیہ کر مکہ کے بوریائشیں پیغمبر کے پاؤں دھونے کی آرزو رکھتا ہے۔ شمامہ بن اثال، ہندہ زوجہ ابوسفیان، ہمار بن الاسود، حوشی قاتل مجزہ ﷺ یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا کہ آپ ﷺ دشمنوں کے ساتھ بھی کس محبت سے پیش آئے، قیصر روم صرف آپ کے چند اوصاف اور اسلام کے چند مناقب سن کر اظہار حق پر مائل ہو گیا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ قبیلہ طے کے عیسائی رئیس تھے، وہ آپ ﷺ کو بادشاہ بھی کر میزد آئے، مگر یہاں انھوں نے دیکھا کہ ایک لوڈی آئی ہے اور آپ اس کی حاجت روائی کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کا دل اندر سے پکارا تھا کہ آپ بادشاہ نہیں پیغمبر ہیں۔ ایسے لوگ بھی تھے، جوان روحانی و اخلاقی مجزات کے مقابلہ میں مادی مجزات سے متاثر ہونے کی زیادہ قابلیت رکھتے تھے، قریش کے بہت سے لوگ فتح روم کی پیشین گوئی کو پوری ہوتے دیکھ کر اسلام لے آئے، ایک سفر میں ایک قبیلہ کی عورت آپ ﷺ کی اگلیوں سے پانی کا چشمہ بیٹے دیکھ کر اپنے قبیلہ میں جا کر کہتی ہے کہ آج میں نے عرب کے سب سے بڑے جاودگر کو دیکھا اور اسی استتعاب نے پورے قبیلہ کو مسلمان کر دیا، متعدد یہودی اس لیے مسلمان ہو گئے کہ گز شدہ نبیا کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کی جو شناسیاں بتائی گئی تھیں، وہ حرف بحر آپ میں صحیح نظر آتی تھیں، متعدد یہودی علماء نے آ کر آپ کا امتحان لیا اور جب آپ نے از روئے وہی ان کے جوابات صحیح دیے تو وہ آپ کی بیوت پر ایمان لائے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں اس وقت آپ کو چھار سوں تسلیم کروں گا۔ جب یہ خرے کا خوش آپ کے پاس آ کر آپ کی رسالت کی شہادت دے اور جب یہ تماشا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو مسلمان ہو گیا۔ * ایک سفر میں ایک اعرابی نظر آیا، آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کہا کہ آپ کی صداقت کی شہادت کون دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”سامنے کا درخت“ اور یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اس درخت کو بلا یا، وہ اپنی جگہ سے اکٹھ کر آپ کے پاس

کھڑا ہو گیا اور تین بار اس کے اندر سے کلمہ توحید کی آواز آئی، یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔ ❶ سراۃ بن مالک جو ابجرت کے وقت آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے آ رہے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ آپ کی دعا سے تین دفعہ ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں ڈنس گئے تو ان کو یقین ہو گیا کہ اسلام کے اقبال کا ستارہ نقطہ اون پر پہنچ کر رہے گا، چنانچہ نظرِ امان حاصل کیا اور بعد کو مسلمان ہو گئے۔ ❷

چوں پیغمبر از بروں بانگے زند ❸
جان امت در دروں سجدہ کند ❹
بر زند از جان کامل معجزات ❺
بر ضمیر جان طالب چوں حیات ❻

❶ سنن دار مسی، المقدمة، باب ما اکرم اللہ نبیه من ایمان الشجر: ۱۶۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبی ﷺ، واصحابہ الی المدينة: ۳۹۰۶۔ ❸ مشنی مولانا روم، بیان آد دعوی کہ..... ج ۲، ص: ۱۸۵۔ ❹ مشنی مولانا روم دریبان حکایت رنجوری، ج ۶، ص: ۵۸۳۔

دلائل و معجزات اور عقلیات جدیدہ

نوشتر مولانا عبد الباری صاحب ندوی، سابق استاد فلسفہ جدیدہ، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد۔ دکن

﴿وَمَا تُغْنِي الْأَلْيُوتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قُوَّةِ لَائِعَتِنَّۤ﴾ (۱۰/ یونس: ۱۰۱)

”جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے آیات و نذر بے کار ہیں۔“

لیکن

در دل پر کس کہ دانش رامزہ است روئیر و آواز پیمبر معجزہ است (عارف روم) متكلمین و حکماء اسلام نے عقلی حیثیت سے معجزہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ گزشتہ مباحث میں نظر سے گزر چکا ہے۔ ”سرت“ کے اس حصہ کو اصلاً معجزات نبوی کی نقی اور روایاتی تحقیق سے تعلق تھا، تاہم ضمناً قدیم کلامی مباحث بھی ایک حد تک آگئے ہیں، ذیل میں اس موضوع پر صرف عقلائے مغرب کی ترجمانی کرنی ہے اور جدید تحقیقات و خیالات کی روشنی میں جو مناسخ نکلتے ہیں، ان کو پیش کرنا ہے۔

آنماز کتاب میں نبوت اور معجزہ کے مفہوم کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے، سب سے پہلے اس پر ایک نظر اور ڈال لو۔

مفہوم نبوت

جس طرح رات کی تاریکی کے بعدون کی روشنی کا آنا قانون قدرت ہے، اسی طرح یہ بھی ایک سنت الگی ہے کہ جب عالم انسانیت پر ضلالت و گمراہی کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس کے مطلع سے ہدایت و راہنمائی کا نور طلوع کرتا ہے اور اگرچہ جس طرح خلمت شب میں چھوٹے بڑے ستارے اپنی جھملہ اہٹ سے کچھ نہ کچھ روشنی پیدا کرتے رہتے ہیں، اسی طرح عام مصلحین و مجددین کا سلسہ بھی کسی نہ کسی حد تک ضلالت انسانی کی سیاہی کو کم کرتا رہتا ہے، تاہم آفتاب کی خیا پاشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے، اس کے سامنے ستاروں کی جھملہ اہٹ بالکل ماند پڑ جاتی ہے اور کرہ ارض دفعہ بقاعدہ نور بن جاتا ہے۔

سلسلہ مصلحین کے اسی آفتاب ہدایت کے نام ادیان و شرائع کی اصطلاح میں نبی پیغمبر یا رسول ہے، عام مصلحین کے ہاتھ میں صرف انسانی عقل و بصیرت کی مشعل ہوتی ہے لیکن مخلوکہ نبوت سے جو نور ہدایت اپناتھے اس کا سرچشمہ وہ ”نور السموات والارض“ ہوتا ہے، جس سے عام مادی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں، پیغمبر وہ کچھ دیکھتا ہے جو ہم نہیں دیکھتے، وہ کچھ سنتا ہے جو ہم نہیں سنتے، اس کے احوال و کوائف سے ہم نا آشنا اور اس کے عقل و حواس سے پیگاہ ہوتے ہیں، مختصر ایوں سمجھو کہ پیغمبر انہ خصائص کی اصلی روح عالم ناسوت سے ماوراء کسی عالم غیب کے ساتھ تعلق و ربط ہے، انسان اسی عالم اسرار و غیوب کو اپنی محدود تعبیر میں عالم قدس، عالم روح، عالم مثال وغیرہ سے موسوم کرتا ہے۔

حال رسالت اپنے اہنائے جنس کو جو دعوت دیتا ہے اور دنیا کو جو پیام پہنچاتا ہے، اس کی سچائی کی واضح ترین دلیل یا آیت، اگرچہ خود یہ پیام اور اس کے حال کا جسم وجود ہوتا ہے، تاہم بـ "اقضائے" لیطمئن قلبی یا بالحاظ اتنا جدت اس داعی حق کے تعلق سے کچھ ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو عام حالات میں انسانی درستس سے باہر نظر آتے ہیں اور ان کی توجیہ و تعلیل سے انسانی عقل اپنے کو درمانہ پاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ سرد ہو گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اڑ دھا بن گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے، آنحضرت علیہ السلام نے چشم زدن میں "مسجد حرام" سے لے کر "مسجد قصیٰ و سدرۃ المنہجیٰ" تک کی سیر کر لی، ان واقعات کی توجیہ سے چونکہ عقل انسانی عاجز ہے، اس لیے ان میں ایک طرح کا غیب نظر آتا ہے اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوتا ہے، عالم غیب کے ساتھ اس کے روابط کی نشانی و آیات یا تائید غیبی کا کام دیتے ہیں، قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام بینات، برائین یا زیادہ تر آیات (یا آیات بینات) ہے، محدثین ان کو "دلائل نبوت" سے تعبیر کرتے ہیں اور حکما اور متکلمین کی اصطلاح میں انہی کو مجررات کہا جاتا ہے۔

ترتیب مباحث

مجازات کی جنوبيت ہے اس کے لحاظ سے سب سے پہلی بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ آیاں کا وقوع ممکن بھی ہے یا نہیں؟ قد مانے عمل مخفیہ وغیرہ سے توجیہ مجازات کی جو کوششیں کی ہیں ان کا مدعا حقیقتاً امکان ہی کو ثابت کرنا ہے مگر حکمت و فلسفہ کے دور جدید میں امکان کے ساتھ ایک دوسری زیادہ اہم بحث شہادت کی پیدا ہو گئی ہے، نفس امکان سے تو اب شاید ہی کسی حکیم یا فلسفی کو انکار ہو، البتہ یہ امکان اس قدر بعید اللوع معلوم ہوتا ہے کہ یقین وقوع کے لیے عام واقعات تاریخی کے درجہ کی شہادت کافی نہیں خیال کی جاتی۔

لیکن چونکہ امکان اور شہادت دونوں کی بحث کا اصلی مرجع مجذوب واقعات کا قابل یقین و اذعان ہونا یا نہ ہونا ہے، اس لیے امکان و شہادت دونوں سے زیادہ اہم سوال خود یقین کی ماہیت و اسباب کا ہے تجھ ہوتا ہے کہ اس طرح بحث مجازات کے ضمن میں متقدمین و متاخرین میں سے جہاں تک علم ہے کسی کا بھی ذہن نہیں گیا۔ صفحات ذیل میں نہ صرف اس اہم سوال کا مستقل جواب دیا گیا ہے بلکہ دراصل یہی جواب مجذوب کے متعلق تمام مباحث کا مقطع اور خاتمه ہے۔

بہر کیف اس خاکہ کی بنی پر ترتیب مباحث یہ ہو گی:

- ① امکان مجذوبات
- ② شہادت مجذوبات
- ③ استبعاد مجذوبات
- ④ یقین مجذوبات
- ⑤ غایت مجذوبات۔

امکان معجزات

یوں تو یورپ میں معجزات پر میوسوں مستقل کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں لیکن حق یہ ہے کہ اس بحث پر ہیوم ہے جو چند اور اق لکھتے تھے، وہ سارے طومار پر بھاری ہیں اور گو فلسفیانہ نقطہ نظر سے اس موضوع پر یہ سب سے پہلی تحریر تھی، تاہم دفعہ معجزات کے خلاف جو آخری حرباء استعمال کیا جاسکتا ہے، وہ بھی بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان اور اراق پر کم و بیش و صد یاں گزر جانے پر بھی موافق و مخالف دونوں کے قلم کی روشنائی انہی کے نقش مٹانے یا اجاءگر کرنے میں صرف ہوتی رہی ہے۔

ہیوم کا استدلال

ہیوم کے استدلال کا حاصل یہ ہے کہ

① انسان کے علم و یقین کا مدار تماں تر تجربہ پر ہے جس طرح آدمی تجربہ سے یہ جانتا ہے کہ آگ لکڑی کو جلاتی ہے اور پانی سے بجھ جاتی ہے، اسی طرح تجربہ ہی کی بنابر وہ اس کا بھی یقین رکھتا ہے کہ جب تک دروغ یہاں کا کوئی خاص سبب نہ ہو لوگ علی المعموم حق بولتے ہیں، یعنی جس چیز کی وہ روایت یا تصدیق کرتے ہیں وہ عام طور پر تحقیق کے بعد صحیح ثابت ہوتی ہے۔

② جس نسبت سے کسی امر کے متعلق گزشتہ تجربات کی شہادت قوی یا ضعیف ہوتی ہے، اسی سبب سے ہمارے دل میں اذعان، شک یا انکار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔

فرض کرو کہ تمہارے محلہ میں ساٹھ ستر برس کی عمر کا ایک بوڑھا فقیر رہتا ہے، جس کو تم بچپن سے دیکھتے ہو کر جھوٹے لپیٹے ہوئے بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتا ہے، پیری و فاقہ کشی سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ رہ گیا ہے، پل تک تم نے اس کو اسی حال میں دیکھا تھا، آج تمہارا ایک پڑوی آکر کہتا ہے کہ وہ یچارہ بدھ فقیرات کو مر گیا۔ تم کو اس کے بیان کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا لیکن یہی پڑوی اگر یہ بیان کرے کہ میں نے اس فقیر کو نہایت قیمتی لباس میں اعلیٰ درجہ کی موثر پر سوار و اہست وے کی دوکان پر کچھ چیزیں خریدتے دیکھا تو تم کوخت اچنچا ہو گا اور اگر پڑوی کی صداقت کا غیر معمولی طور پر تم کو اعتبار نہیں ہے یا اور بہت سے معتبر لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے تو اس بیان کے قبول کرنے میں تم بہت زیادہ بیس و پیش کرو گے۔ تیسری صورت یہ فرض کرو کہ اس پڑوی نے یہ بیان کیا کہ ”میں نے اس پیر فرتوت، پوست و استخوان فضیر کو آج دیکھا کر یہیں پھیپھی برس کا جوان رعنائے“ اب تم اپنے پڑوی کو یا تو محض لاغی سمجھو گے یا یہ خیال کرو گے کہ اس کو کچھ نہ کچھ دھوکا ہوا ہے لیکن اس بیان کی واقعیت کا اذعان ہرگز تمہارے دل میں نہ پیدا ہو گا کیوں؟

صرف اس لیے کہ اس قسم کی مثال انسان کے گزشتہ تجربات میں ایک بھی نہیں ملتی، اسی بنابر اس کو خلاف

Human under standing Human under standing

فطرت یا خارق عادت قرار دیا جاتا ہے، جس کو تسلیم کرنے کے بجائے یہ سمجھ لینا کہیں زیادہ قرین قیاس ہے کہ راوی کو دھوکا ہوا یا وہ دانستہ جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ پچ سے پچ آدمی کا جھوٹ بول دینا، یا عاقل سے عاقل انسان کا دھوکا کھا جانا بجائے خود ایک نادر الوقوع شے کہی، تاہم عدیم الواقع نہیں ہے اور خرق عادت کے مقابل میں اس کا وقوع بہت زیادہ ممکن و قابل قبول ہے۔

③ مجھہ اسی ضعف کے عدیم الواقع یا قانون فطرت کے خارق واقعہ سے عبارت ہوتا ہے ورنہ پھر وہ مجھہ نہیں رہتا اس لیے کہ اگر یہ مخفی نادر الواقع شے کا نام ہو جس طرح کسی آخری درجہ کے موقق کا صحت یا بہ جانا یا ایک مفلس کا رات بھر میں دولت مند ہو جانا تو یہ ایسے واقعات ہیں جن کی توجیہ کے لیے عام انسانی زندگی میں کچھ نہ کچھ تجربات ملتے ہیں، مثلاً: مفلس کے گھر میں کوئی دفینہ نکل سکتا ہے بخلاف اس کے مجھہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی تعلیل و توجیہ عام تجربات کی دسترس سے باہر ہو۔ اس لیے مجھہ گویا بذات خود آپ اپنی تردید ہے۔

اس استدلال کو خود ہیوم کے الفاظ میں بھی سن لینا چاہیے:

”مجھہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اہل تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں، اس لیے مجھہ خدا پے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا، کیا وجہ ہے کہ ہم ان باتوں پر قطعی یقین رکھتے ہیں کہ تمام انسان فانی ہیں، سیسے آپ ہی آپ ہوا میں متعلق نہیں رہ سکتا، آگ لکڑی کو جلاتی ہے اور پانی سے بجھ جاتی ہے، صرف یہی کہ یہ امور قوانین فطرت کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں اور اب ان کا توڑنا بغیر قوانین فطرت کے توڑے یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ بالمجھہ کے نامکن ہے جو چیز عام قانون فطرت کے اندر واقع ہوتی ہے وہ کبھی مجھہ نہیں خیال کی جاتی، مثلاً: یہ کوئی مجھہ نہ ہو گا کہ ایک آدمی جو دیکھنے میں تندرست و توانا ہے، اچا لک مر جائے کیونکہ اس قسم کی موت گونہ تقلیل الواقع کیں پھر بھی بارہا مشاہدہ میں آچکی ہے، البتہ مجھہ یہ مجھہ ہو گا کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے کیونکہ ایسا کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھا گیا ہے، لہذا جس واقعہ کو مجھہ کہا جاتا ہے اس کے خلاف تجربہ کا مستمر و متواتر ہو جانا ضروری ہے، ورنہ پھر یہ مجھہ کے نام سے نہ موسم ہو گا اور چونکہ کسی شے کا متواتر تجربہ خود ایک قطعی ثبوت ہے، تو گویا مجھہ کے نفس حقیقت و مانیست میں اس کے وجود کے خلاف ایک قطعی و برآ راست ثبوت موجود ہے اور ایسا ثبوت جو نہ اس وقت مجھہ کو ثابت ہونے دے سکتا ہے اور نہ خود بالحل کیا جا سکتا ہے، جب تک اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ثبوت نہ پیدا کیا جائے۔“

”لہذا صریح تجھے یہ نکلتا ہے کہ جو ایک کلی اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ کوئی تصدیق و شہادت مجرمہ کے اثبات کے لیے کافی نہیں ہو سکتی تاوقتیگیر یہ ایسی نہ ہو، جس کی تکذیب خود اس مجرمہ سے بڑھ کر مجرمہ ہو، جس کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے اور اس صورت میں بھی دلائل میں باہم تصادم ہو گا جو دلیل حقیقی زیادہ قوی ہو گی اپنی زائد قوت کے مناسب یقین پیدا کرے گی فرض کرو کہ ایک شخص آ کر مجھ سے کہتا ہے کہ اس نے ایک مردہ کو دیکھا کہ زندہ ہو گیا تو میں ذرا سوچنے لگتا ہوں کہ آیا یہ زیادہ ممکن ہے کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہو یا خود دھوکا لکھا گیا ہو یا یہ اغلب ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہا ہے صحیح ہو میں ان دونوں مجرموں میں موافقت کرتا ہوں اور جدھر کا پلہ زیادہ جھکتا معلوم ہوتا ہے اسی کے حق میں فیصلہ کر دینا ہوں اور ہمیشہ اسی احتمال کو رد کرنا پڑتا ہے جس میں مجرمہ پن زیادہ نظر آتا ہے البتہ اگر روایت کی تکذیب و اتعذر روایت سے بڑھ کر مجرمہ ہو تو اس صورت میں بے شک مجھ کو روایت کے یقین پر مجرمہ ہو جانا پڑے گا لیکن اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے۔“

غرض ہیوم کے استدلال اور اس کی تعریف مجرمہ کی رو سے اگر ایک طرف ہم اپنی میزان عقل میں کسی غارق عادت و اعد کی شہادت و روایت کو کھیس اور دوسرا طرف اس کے خلاف دنیا کے ہزار ہا سال کے متعدد متواتر تجربے کو تو ظاہر ہے کہ یہ شہادت چاہے کتنی ہی معتبر و قیع کیوں نہ ہوتا ہم اس متواتر تجربے کے ہم وزن کسی حال میں نہیں تھہر سکتی لہذا انسانی شہادت کی کوئی کیمت و یکیفیت بھی مجرمہ کے یقین و اثبات کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ حضرت مولیٰ علیہ السلام کا ایک مجرمہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنی جان کے دشمن اور اپنے سب سے بڑے منکر فرمون کے گھر میں پروردش پائی، ہیوم سے بڑھ کر مجرمہ کا کون دشمن و منکر ہو گا لیکن اس انکار کو جب اس کے پورے لفظ کی روشنی میں دیکھو تو نظر آتا ہے کہ قبول مجرمات کی راہ میں عقل کی خود فربی کا جو سب سے زبردست طسم حائل تھا اس کو ہیوم ہی نے توڑا اور ہمیشہ کے لیے بر باد کر دیا ہے جس کے بعد راستہ کے صرف چند کافنوں کا ہٹانا باقی رہ جاتا ہے۔ چراغ تلے اندر ہمراہ، آدمی بارہا اپنے ہاتھ کی مشعل سے دوسروں کو راستہ دھکلاتا ہے اور خود نہیں دیکھ سکتا۔

انسان کے ذہن میں جس قدر یہ اعتقاد رائج ہے، شاید ہی کوئی اور ہو کہ کائنات کا ذرہ ذرہ مادی علیل و اسہاب اور تو می خواص کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے، چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اپنے ظہور کے لیے ایک ائمہ اور غیر متغیر علالت رکھتا ہے، ہر شے اپنے اندر کوئی نہ کوئی ایسی قوت یا خاصہ رکھتی ہے، جس سے اس وقت تک اس کا انفکاک ناممکن ہے، جب تک یہ خود اپنی ذات و حقیقت سے منکف نہ ہو جائے، یہ ناممکن ہے کہ میرا قلم میز کی ایک جانب سے دوسرا جانب کو چلا گیا ہو، بغیر اس کے کسی ہاتھ یا کسی اور مادی شے نے اس کو حرکت دی ہو، اس کا غذ پر جو نقوش تم کو نظر آ رہے ہیں ضروری ہے کہ ان کو کسی نہ کسی قلم نے کھینچا ہے، اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا۔

کے انار کے درخت سے آم کا پھل، یا آم کے درخت سے انار کا پھل پیدا ہو، آم کے درخت سے ہمیشہ آم اور انار کے درخت سے ہمیشہ انار ہی پیدا ہوگا۔

غور کر وجب تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نہ جلا سکی تو تم کو اس کے باور کرنے میں کیوں پس وپیش ہوتا ہے، اس لیے کہ آگ جب تک آگ ہے جلانے کا خاصہ اس سے منکر نہیں ہو سکتا اس کو ابراہیم اور نمرود کی تمیز نہیں، اژدادھا ایک جاندار مخلوق ہے جو تو لید مثل کے قاعدے سے اپنی ہی جیسی جاندار مخلوق سے وجود میں آتا ہے اس لیے یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا کیونکر اژدادھا بن گیا، انسان کا بچہ اپنے والدین کے بندھے ہوئے اور مشترک عمل تو والد و تناصل کا نتیجہ ہوتا ہے پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے۔ وہ قدم کی مسافت طے کرنے کے لیے بھی آدمی کو اپنے پاؤں یا کسی اور مادی و سیلیم کی احتیاج ہوتی ہے اور جس قدر مسافت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اس کے قطع کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے، لہذا یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے بلا معمولی وسائل مادی کے استعمال کے طریقہ العین میں ”مسجد حرام“ سے ”مسجد قصیٰ“ اور ”سدرا المتنبی“ تک کی سیر کر لی، زمین و آسمان کی آیات کا مشاہدہ کیا اور تمام انبیاء سابقین سے گفتگو فرمائی، پھر یہ تمام مرحل اتنے وقفہ میں کیونکر طے ہو سکتے ہیں کہ دو اپنی پر کواڑ کی زنجیر مل رہی ہو اور بستر کی گرجی ہنوز قائم ہو۔

سلسلہ علل و اسباب اور اشیاء کے افعال و خواص ہی کے اصول و قوانین کا نام حکما اور فلاسفہ کی اصطلاح میں قوانین فطرت ہے، جن کا خرق حال خیال کیا جاتا ہے، مثلاً: کشش ثقل ایک قانون فطرت ہے جس کا یہ انتظام ہے کہ جب تم ڈھیلے کو اور پکھنکو گے تو وہ لوٹ کے ہمیشہ بیچے آئے گا فضایں اس کا معلق رہنا ممکن ہے، ہائیڈر و ہسن اور آسیجن دو عناصر کے ایک خاص مقدار میں ملنے کا خاصہ یہ ہے کہ پانی بن جاتا ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔

قوانين فطرت کی حقیقت

اب دیکھو کہ جن چیزوں کو تم قوانین فطرت کا لقب دیتے ہو اور جو ظاہر اس قدر قطعی اور امثل نظر آتے ہیں، واقعات کی کسوٹی پر ان کی کیا بساط تھرتی ہے؟ اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ نمک نمکین اور شکر میٹھی کیوں ہوتی ہے؟ تو یہ سوال تم کو ایسا ہی مہمل و مخفک معلوم ہوگا، جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ جز کل سے چھوٹا کیوں ہوتا ہے؟ جز کی حقیقت ہی یہ ہے کہ کل سے چھوٹا ہو، اسی طرح لوگ سمجھتے ہیں کہ نمکینی اور مٹھاں نمک اور شکر کی حقیقت میں داخل ہیں، لیکن سوچو کہ کیا نمک کی نہیں ذات میں تم کو کوئی ایسی نظر آتی ہے جن کی بنا پر بلا اس کو پچھے ہوئے تم یہ حکم لگا سکو کہ اس کا مزہ بالضرورة شکر کے مزہ سے مختلف ہونا چاہیے صرف دونوں کے پچھنے اور تجربہ کی بنا پر نمک کنمکین اور شکر کوشیریں یقین کیا جاتا ہے۔ سکھیا زہر ہے جس کے کھانے سے آدمی مر جاتا ہے

سکھیا کا ایک نکڑا لے کر اس کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھو، اس کی ذات یا حقیقت میں کہیں کوئی ایسی شے محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ سے تم بلا تجربہ اس کو موت کی علت قرار دے سکو جس شخص نے سکھیا بھی نہیں دیکھی یا اس کے اثر سے نادا فف ہے اس کو تم با آسانی کھلا سکتے ہو کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس کو خود سکھیا کے اندر کوئی ایسی نہیں نظر آتی جس سے بلا سابق تجربہ کے وہ اس کے زہر قاتل یا علت موت ہونے کا علم و یقین حاصل کر سکے میں وہ صدی کے سامنے دان کے لیے یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ پانی و مختلف اجزایا عناصر سے مرکب ہے لیکن جب تک اس حقیقت کا تجربہ نہیں ہوا تھا، ڈھانی ہزار سال تک حکما اور عقلائے عالم پانی کو ایک مفردو بسیط عضر یقین کرتے رہے، حالانکہ پانی کی جو صورت و شکل کا وہ مدرس ہے کہ سامنے تھی وہی طالیں ملطی ہے کہ سامنے بھی تھی، سکھیا اور شکر کے بجائے اگر ہم کو سمیت اور شیرینی کا تجربہ پڑھ کر نکریوں میں ہوتا تو ہم ان کو اسی طرح مہلک (پلاکت کی علت) و شیرین یقین کرتے جس طرح آج سکھیا اور شکر کو کرتے ہیں۔

جان اسٹورٹ مل نے اپنی مشہور کتاب ”نظام منطق“ میں اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے کہ

”آج سے بچاس سال پہلے وسط افریقہ کے باشندوں کے نزدیک غالباً کوئی واقعہ اس سے زیادہ تجربہ کی قطعیت و یکسانی پرمنی نہ تھا جتنا یہ کہ تمام انسان کا لے ہوتے ہیں، اسی طرح پچھے زیادہ دن نہیں ہوئے کہ اہل یورپ کو اس فطرت کی یکسانی کی ایک بالکل قطعی وغیر مشتبہ مثال سمجھتے تھے کہ تمام ہنس سفید ہوتے ہیں ہے مزید تجربہ کے بعد افریقہ و یورپ والوں دونوں کو معلوم ہوا کہ یہ خیالات غلط تھے لیکن اس تجربہ کے لیے ان کو پانچ ہزار برس انتظار کرنا پڑا اور اس طویل مدت میں انسانی آبادی کے دو برا عظم فطرت کی ایک ایسی یکسانی پر یقین کرتے رہے جس کا ہیئت کوئی وجود نہ تھا۔“

کائنات فطرت کی وسعت بکراں کو دیکھتے ہوئے آج بھی نوع انسان کے تجربہ پر مبنی قوانین فطرت کی بساط اس سے زیادہ نہیں ہے، جتنی کہ اس تجربہ کی تھی کہ تمام انسان کا لے ہوتے ہیں اور تمام ہنس سفید۔ انیسویں صدی کے ایک مشہور فلسفی ڈاکٹر وارڈ نے اسی حقیقت کو ایک مفروضہ مثال کے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا کہ فرض کرو کہ

”افریقہ کے کسی صحرائیں ایک نہایت عظیم الشان سلسلہ عمارت ہے جو چاروں طرف ایک چار دیواری سے گھرا ہوا ہے، اس کے اندر ایک خاص ذی عقل مخلوق آباد ہے جو اس احاطہ سے باہر نہیں جاسکتی، یہ عمارت ایک ہزار سے زائد کمروں پر مشتمل ہے جو سب مقفل ہیں اور کنجیوں کا

• جس نے پانی کو بسیط عضر کے بجائے آسکھن و ہائیڈرولجن سے مرکب ہافت کیا۔

• یونان کا پلا فلسفی جو پانی کو مبداء عالم جاتا تھا۔ • سُمُّ آف لاجک کتاب سوم باب ۳۶ صفحہ دوم۔

• وسط افریقہ کے آدمی کا لے ہوتے ہیں اور یورپ کے ہنس سفید ہوتے ہیں۔

پتہ نہیں کہ کہاں ہیں، بڑی محنت و جستجو کے بعد کلچیس کنجیاں ملتی ہیں، جن سے ادھر ادھر کے کچیس کمرے کھل جاتے ہیں جو سب ہم شکل ہیں لہذا کیا اس بنا پر اس احاطہ کے اندر رہنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کر دیں کہ بقیہ ۷۵ کرے بھی اسی شکل کے ہیں۔ *

تو انہیں فطرت یا خواص اشیاء و علاقہ تقلیل (علت و معلول) کی مذکورہ بالا حقیقت اگرچہ اب حکمت (سائنس) و فلسفہ دونوں کے مسلمات میں داخل ہے لیکن اس حقیقت کو سب سے پہلے جس شخص نے اجاگر کیا۔ وہ مجرزات کا منکر ہیوم ہی تھا، اس لیے خود اسی کی زبان سے سنو کہ جس چیز کو وہ خرق عادت کہہ کر ناممکن قرار دیتا ہے اس کے عدم امکان کا کیا وزن ہے۔

”جب * ہم اپنے آس پاس کی خارجی چیزوں پر نظر کرتے ہیں اور مختلف علتوں کے افعال کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کے اندر کسی قوت یا لازوم کا پتہ چلتا ہو، نہ ان کی کوئی ایسی صفت نظر آتی ہے جو معلول کو اس طرح علت سے جائز ہوئے ہو کہ ایک کو دوسرے سے مستحب کرنے میں خطا کا کوئی امکان نہ ہو، ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ ایک واقعہ کا ظہور دوسرے کے بعد ہوتا ہے بلکہ کے ایک گیند میں ضرب لگانے سے دوسرے میں حرکت ظاہر ہوتی ہے بس حواس ظاہری سے جو کچھ نظر آتا ہے اس کی بساط اسی قدر ہے اشیاء میں اس تقدم و تاخیر یا تبعیت کے پائے جانے سے ذہن کو فس تبعیت کے علاوہ کوئی اور حساس یا ارتسام باطنی نہیں حاصل ہوتا۔ کسی شے کو بھلی دفعہ دیکھنے سے ہم بھی قیاس نہیں کر سکتے کہ اس سے کیا معلول یا نتیجہ ظاہر ہوگا حالانکہ اگر علت کے اندر کسی قوت یا ازرجی کا پتہ مختص ذہن دوڑانے سے چل سکتا تو بلا کسی سابق تجربہ کے ہم اس نتیجہ و معلول کی پیشین گوئی کر دیتے اور پہلی ہی نظر میں قطعی حکم گا دیتے۔“

حقیقت امر یہ ہے کہ کائنات مادی کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کی صفات محسوس کی بنا پر ہم اس کے اندر کسی قوت کا سراغ لگا سکیں یا قیاس سے بتلا سکیں کہ اس سے کوئی اور دوسری شے ایسی وجود پذیر ہو سکتی ہے جس کو معلول کا لقب دیا جاتا ہے، صلابت، امتداد، حرکت یہ چیزیں بجائے خود مستقل صفات اور ایسے واقع کا نشان نہیں دیتیں جس کو ان کا نتیجہ کہا جاسکے موجودات عالم میں ہر آن تغیر و تبدل جاری ہے، ایک چیز دوسری چیز کے بعد برابر آتی جاتی رہتی ہے لیکن وہ قوت و طاقت جو اس ساری میشین کو چلاتی رہتی ہے ہماری آنکھوں سے او جھل ہے اور اجسام کی کسی محسوس صفت میں اپنا کوئی نشان نہیں رکھتی، ہم یہ واقعہ جانتے ہیں کہ آگ کے شعلہ میں گری پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں (گرمی و شعلہ) میں کیا لازوم ہے اس کے قیاس سے ہمارا خیل قطعاً عاجز ہے۔ *

اسی سلسلہ میں چند صفات بعد کی ایک اور طویل عبارت * کا یہاں اقتباس مناسب ہے جس سے

* مل کی مظنون کتاب سوم، باب ۲۱، ص ۲۱، حاشیہ۔ * فہم انسانی باب فصل ۱، ص ۲۰۔

* فہم انسانی باب ۱، فصل ۱۔ * ایضاً، ص ۷، ۸۔

آگے چل کر کام پڑے گا۔

"عام طور پر لوگوں کو فطرت کے پیش پا افتداد اور مانوس واقعات و افعال کی توجیہ میں کوئی دشواری نہیں نظر آتی (مثلاً: بھاری چیزوں کا نیچہ آ جانا، درختوں کی بالیدگی، حیوانات میں توالد و تناسل، یا غذا سے جسم کی پرورش غیرہ کے واقعات) بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان صورتوں میں ان کو علت کی بذات خود اس قوت کا علم و احساس ہے جس کی بنا پر یا اپنے معلوم ہوتزم ہے اور اس لیے ظہور معلوم میں خطا کا امکان نہیں، بات یہ ہے کہ تجربہ یا عادت دراز کی وجہ سے ان کے ذہن میں ایک ایسا میلان و رجحان پیدا ہو جاتا ہے کہ علت کے سامنے آتے ہی اس نتیجہ کا یقین ہو جاتا ہے جو معمولاً اس کے ساتھ پایا گیا ہے اور یہ مشکل سے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور نتیجہ ظاہر ہو سکتا تھا، صرف اس صورت میں جب کہ غیر معمولی واقعات وحوادث ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً: زلزلہ، وبا یا کوئی اور عجیب و غریب بات، تو البتہ ان کی صحیح علت کا پتہ نہیں لگتا اور سمجھی میں نہیں آتا کہ ان کی توجیہ و تشریح کیسے کی جائے اس مشکل میں پڑ کر لوگ علی العموم کسی ان دیکھی صاحب عقل و ارادہ ذات کے قائل ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ناقابل توجیہ ناگہانی واقعات اسی ذات کے پیدا کردہ ہیں لیکن فلاسفہ کی باریک یہی نگاہ کو نظر آتا ہے کہ روزمرہ کے معمولی واقعات کی پیدا کرنے والی قوت بھی اسی طرح ناقابل توجیہ ہے جس طرح کہ انتہائی سے انتہائی غیر معمولی واقعات کی چنانچہ، بہت سے فلاسفہ اپنی عقول کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ بلا استثنام واقعات عالم کا مبدأ اسی ذات کو قرار دیں جس کی طرف عوام صرف مجرزات اور فوق الفطرت واقعات وحوادث کے ظہور کو منسوب کرتے ہیں (ان کے نزدیک) ہر معلوم کی واقعی و برآ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہوتا ہے بلیز کا ایک گینڈ جب دوسرے گینڈ سے نکراتا ہے تو خود خدا اپنے ارادہ خاص سے اس کو تحرک کر دیتا ہے اور یہ ارادہ ان عام قوانین کے مطابق ہوتا ہے جو اس نے اپنی مشیت سے کائنات پر حکم فرمائی کے لیے مقرر کر دیے ہیں۔"

جب یہ مسلم ہو چکا کہ قوائیں فطرت کی بنیاد قائم تر تجربہ پر ہے اور تجربہ کے ناقابل خط ہونے کا کبھی کسی حالت میں کبھی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا تو پھر ظاہر ہے کہ کسی شے کو خلاف فطرت یا خارق عادت کہہ کر اس کو غلط یا ناممکن کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے، چنانچہ خود یہوم کا اپنے اسی اصول پر دعویٰ ہے کہ "جس شے کا تصور ممکن ہے وہ کسی تقاض کو مستلزم نہیں ہو سکتی اور جو شے مستلزم تقاض نہ ہو اس کو کسی جھٹ و بربان یا عقلی دلیل سے غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا۔"

پروفیسر بکسلے جو فلسفی سے زیادہ حکیم (Scientist) ہے اور جس کی جگہ حکما کی صفت اول میں ہے اس نے ہیوم کے اس قول کو اپنی تحریروں میں جا بجا نقل کر کے اس کی نہایت شدت سے تائید کی ہے۔ خود ہیوم کے نظریہ مجراز پر بحث کرتے ہوئے ॥ پہلے تو مجراہ کے متعلق اس کی تعریف کی تغییر کی ہے کہ ”وہ نام ہے تو انین فطرت کے خرق کا“ اور بتالیا ہے کہ ”مجراز کے معنی زیادہ سے زیادہ“ انہائی حیرت انگیز واقعات“ ॥ کے ہو سکتے ہیں، پھر اسی ضمن میں ہیوم کے مذکورہ بالاقول نقل کر کے لکھا ہے کہ

”لیکن مجراہ کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہے، لہذا خود ہیوم ہی کے دعویٰ کے مطابق مجراہ کو کسی برہانی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جاسکتا۔“ با ایں ہمہ ہیوم خود اپنے ہی اصول کے خلاف اور بالکل متناقض ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ ”مردہ کا زندہ ہو جانا مجراہ ہے کیونکہ ایسا پہلے کبھی کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہیں ہوا ہے۔“

اس ارتکاب تناقض کی تشریح کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے طنز آنکھا ہے کہ اگر ہیوم کے استدلال کی مہمیت کو برہمنہ کر کے دیکھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز پہلے کبھی نہیں واقع ہوئی وہ آئندہ بغیر تو انین فطرت کے خرق کے واقع نہیں ہو سکتی۔“

بکسلے کا ایک نہایت دلچسپ مضمون ”ممکنات و ناممکنات“ ہے، اس میں بھی ہیوم اس کے پیش نظر ہے اور اپنی حکیمانہ ذمہ داری کے پورے احساس و شعور کے ساتھ لکھتا ہے کہ ॥

”صحیح معنی میں بجز تناقض کے اور کسی بھی ایسی چیز سے میں واقع نہیں ہوں جس کو ”ناممکن“ کہنا حق بجانب ہو، منطقی ناممکنات کا وجود ہے لیکن طبی ناممکنات کا قطعاً کوئی وجود نہیں“ مریع مدرس، ماضی موجود، دو متوازی خطوط کا تقاطع“ یہ چیزیں ناممکنات سے ہیں، اس لیے کہ مدرس موجود یا حاضر اور تقاطع کا تصور ہی مریع ماضی اور متوازی کے تصور کے متناقض ہے، لیکن پانی پر چلانا، یا پانی کو شراب بنادینا، بچہ کے بے باپ بیدا ہونا، مردہ کو زندہ کر دینا، یہ چیزیں مفہوم بالا کی رو سے ناممکنات سے نہیں ہیں۔ ہاں اگر یہ دعویٰ کر سکتے کہ فطرت اشیاء کے متعلق ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل احاطہ کر لیا ہے تو شاید یہ کہنا بجا ہوتا کہ آدمی کے صفات چونکہ پانی پر چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقض ہیں اس لیے یہ افعال اس کے لیے ناممکن ہیں لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ علم فطرت کی انہائی تک پہنچنا کیسا؟ ابھی تک ہم اس کی ابتداء اور ابتداء سے آگے نہیں بڑھے ہیں بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکنات فطرت کی حد بندی نہیں کر سکتے جو کچھ واقع ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے، اس کا ہم کو علم ہے باقی جو کچھ واقع ہونے

بکسلے کی کتاب ”ہیوم“ بابے (متعلق مجراز) ॥ اگر یہی میں مجراہ کے لیے جو لفظ مستعمل ہے (مرکل) اس کے لفظی معنی بھی ”حیرت انگیز“ کے ہیں۔ ॥ ”ہیوم“ ۸۷۔

وala ہے اس کی نسبت ہم صرف ایک موقع قائم کر سکتے ہیں، جس کی بنیاد کم و بیش گزشتہ تجربہ کے صحیح بھٹھے پر ہے، جس سے ہم کو خیال ہوتا ہے کہ مستقبل ماضی کے مثال ہو گا۔“
اس میں شک نہیں کہ کچھ دن پہلے بعض گوشوں سے اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، کہ کائنات کا ہر ذرہ قانون کا پابند ہے اور ہم و بے عقل انسان کی بدترین دشمن ہے اور عقل و حکمت بہترین دوست ہے لہذا ہمارا فرض ہے کہ جہاں کہیں عقیدہ مجررات کا پتہ چلے اس پر حملہ کریں۔*

لیکن یہ باتیں قریب اچوہا کی صدی قبل کی ہیں، ۱۹۲۷ء کے بعد کوئٹہ نظریہ کی بدولت سائنس میں جو بھونچاں آیا ہے اس نے سائنس کی دنیا میں بھی اب ایسے بے باکاہ و مدعاہنہ فکر وں کی گنجائش نہیں چھوڑی، فلسفہ میں توقعات و معلوم کے لزوم و وجوب کی بنیادوں کو ہیوم کیا، ہیوم سے صد پوس پہلے امام ابو الحسن الشعیری ہی نے کھوکھلا کر دیا تھا، البتہ سائنس کی بنیاد ہی فطرت کی یکسانی یا علیت کے اٹل قانون پر کھنکی اور سمجھی جاتی تھی، اس ستم ظریفی کو کیا کہیے کہ خود سائنسی تجربات و اخبارات ہی کی راہ سے یہ اٹل قانون نہ صرف مجروح و متزلزل ہو گیا ہے، بلکہ سر آر تھرا یڈ نکھلیں جیسے اکابر سائنس کے نزدیک اس کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دینا پڑا ہے، چند سال قبل دنیا کے سائنس کے تازہ ترین معلومات و خیالات پر ”ماڑن بلیف“ کے نام سے رسائل کا ایک سلسلہ شائع ہوا تھا، اسی کے جتنہ جتنہ یہ اقتباسات پڑھو:

”کوئٹہ نظریہ نے بڑا زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے کہ مادی دنیا میں اب تک عمل و معلوم کے قانون کی فرمازوائی کو اٹل تصور کیا جاتا تھا، سارے طبعی و اقعنات و حوادث بالکل یہ جبری یا وجوبی قوانین کے تابع یقین کیے جاتے تھے، سلسلہ عمل و معلومات میں کہیں کوئی خلل و رخداد تھا مگر ۱۹۲۷ء میں اس خیال و یقین کو سخت دھکا لگا اور ماہرین طبیعتیات نے دیکھا کہ علیت کے وجوب و کلیت کو مادی دنیا سے رخصت کرنا پڑا اور سارے قرآن اسی کے نظر آتے ہیں کہ وجوبی یا قطعی علیت کا ہمیشہ کے لیے خاتمه ہو گیا، ابھی بالکل حال تک قانون علیت کو سائنسی تحقیقات کا بالاً فاق بنا دی اصول قرار دیا جاتا تھا لیکن اب اسی اصول کو ترک کر دینے کا سوال پیدا ہو گیا ہے کہ آپ کا کارخانہ فطرت میں ہر واقعہ لزوماً کسی ایسے دوسرے واقعہ ہی سے پیدا ہوتا ہے جس کو علیت کہا جاتا ہے؟ یا اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حوادث فطرت کی تھیں کوئی ایسی شے کارفرما ہے جس کو اختیار یا آزادی ارادہ کہا جاتا ہے۔ ماصل یہ کہ اس وقت تک طبعی مظاہر کی تخلیل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ہم کو کہیں بھی وجوبی یا جبری قانون کی موجودگی کی شہادت نہیں ملتی۔“*

(1) عجائب حیات (Wonder of Life) از نیگل باب ۲ مجررات۔

(2) مجررات پر سیرت کا یکرا آج (۱۹۴۵ء) سے سال قبل لکھا گیا تھا۔ (3) بحوالہ جریل آف فلاسفی بابت ۳۳۳ء۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ قوانین فطرت کا سرے سے کوئی وجود نہیں بلکہ ”ان“ کی حیثیت اعداد و شمار کے لیے قوانین کی رہ جاتی ہے، زندگی کا بیہدہ کرنے والی کمپنیاں کوئی ایسا قانون نہیں جانتی ہیں کہ فلاں شخص چالیس برس کی عمر میں مر جائے گا لیکن اتنا جانتی ہیں کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد آدمی چالیس کے سن میں مر جائیں گے یعنی افراد کا عمل ناقابل پیش بنی ہونے کے باوجود جماعت کی نسبت پیش بنی ممکن ہے بس قوانین فطرت فقط اسی معنی میں موجود ہیں اور سائنسی پیشیں گوئی یا پیش بنی ہو سکتی ہے۔

بالفاظ دیگر قانون فطرت کی نوعیت دراصل قانون عادت کی ہے یعنی کسی خاص فرد کے بارے میں وجود یا نہیں کی جاسکتی کہ وہ فلاں عمر میں مر جائے گا البتہ عادۃ یہ معلوم ہے کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد چالیس سال کی عمر میں مر جائیں گے مذہب کی زبان میں اسی قانون عادت کو عادة اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی بنا پر عمل فطرت کی یکسانی یا قوانین فطرت کے نفس وجود کا انکار نہیں لازم آتا البتہ ان قوانین کا غشا یہ ہے، بہرے، بے علم و اختیار مادہ کا اٹل و حوب و لزوم سے نہیں۔ بلکہ ایک علم و اختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی عادت جاریہ سے ہے جو کسی حکمت و مشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادت جاریہ کے خلاف بھی کر سکتی اور کرتی ہے یہی مجرہ ہے اور بقول مشہور سائنس دان ڈاکٹر کارپٹر کے کہ قائل مذہب سائنس دان کو اس کے ماننے میں کوئی عقلی دشواری نہیں پیش آ سکتی کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف بھی کر سکتا ہے ہم کو مجرمات کے خلاف اگر سائنس کے کسی ایسے فتویٰ کا علم نہیں جو معتبر شہادت کی موجودگی میں ان کے قبول کرنے سے مانع ہو۔

جب کارپٹر کے زمانہ میں ہی سائنس کا کوئی ایسا فتویٰ معلوم نہ تھا تو اب کوئی نظریہ کے بعد جب کہ کلام و فلسفہ کے نزدیکی قیامت سے گزر کر خود سائنس کی دنیا میں اور سائنس ہی کی راہ سے نظرت یا علیت کے نام نہاد اٹل قوانین کا وجود اتنا مشتبہ ہو گیا ہے کہ مادی دنیا سے بظاہر ان کو ہمیشہ کے لیے رخصت کرنا پڑ رہا ہے تو اور بھی سائنس کا یا قوانین فطرت کے خرق کا نام لے کر کسی مجرہ کا انکار کس منہ سے کیا جاسکتا ہے الہذا بقول کارپٹر ہی کے اصل سوال صرف یہ ہے کہ آیا اس قسم کی تاریخی شہادت موجود ہے یا نہیں جس سے معلوم ہو کہ خالق فطرت کبھی کبھی خلاف فطرت بھی کر دیا کرتا ہے۔

یہ صرف ممکن ہی نہیں ہے کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف کر سکتا ہے یعنی معمولی سلسلہ علل و اسباب و معلولات کو توڑ سکتا ہے بلکہ ایک اور نامور عالم طبیعتیات پروفسر ڈا بیر کا اعتراف یہ ہے کہ اس امر کی ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہے جس کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

* پورانام (Out Line of Modern Belief) ہے، مرتبہ بجے ڈبلیون سولیوان (Sullivan) واٹر گریسون (Grierson) حصہ چہارم، باب ۲، صفحہ: ۲۸۔ * دیکھوڑا ایک بیلاڑی کی (The Miracle of unbelief) (Metter, Either, Notion) (مادہ، پھر، حرکت)۔

کہ بعض طبعی حادث اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے تمام معمولی علل و اسباب غائب ہوتے ہیں اجسام حرکت کرتے ہیں اور دراصل الحکم نہ کوئی شخص ان کو جھوہر ہا ہے اور نہ بر قی یا مقنای طبیعی عوامل کا پتا ہے اس کی بھی شہادت موجود ہے کہ ایک نفس کا خیال دوسرے نفس میں (بلا کسی وساطت کے) پہنچ سکتا ہے اور جس قسم کے واقعات کو مجزہ سمجھا جاتا تھا ان کا وقوع اب غیر اغلب نہیں رہا ہے۔ بلکہ کو اگر چہ اس بارے میں ہیوم سے شدید اختلاف ہے کہ مجزہ نام قوانین فطرت کے خرق کا ہے۔ لیکن تصریحات بالا سے قانون فطرت کی جو حقیقت ثابت ہوتی ہے اس کو اگر وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو ہمارے نزدیک مجزہ کی یہ تعریف چند اس قابل اعتراض نہیں رہ جاتی۔

① قوانین فطرت عبارت ہیں قوانین عادت سے۔

② جو ہم کو بذاتِ خود اشیاء کے اندر معلوم نہیں بلکہ ان کی بیانات تمام تر گزشتہ تجربہ پر ہوتی ہے جس کے خلاف ہونا ہمیشہ ممکن ہے اور کسی اصلی استحالہ کو مستلزم نہیں۔

③ الہزا قوانین فطرت کے خلاف ہونا (یعنی ان کا خرق) بذاتِ خود ممکن، عقلنا جائز ہے بہ الفاظ دیگر کہ مجزہ عقلنا بالکل جائز و ممکن ہے۔

شہادتِ مججزات

امکان، وقوع کے لیے کافی نہیں

لیکن کسی امر کا صرف عقلنا جائز و ممکن ہونا اس کے وقوع کی دلیل نہیں، یہ عقلنا بالکل جائز و ممکن تھا کہ اکبر ہندوستان کے ساتھ انگلستان کا بھی بادشاہ ہوتا، مگر واقعاً ایسا نہیں، کسی شے کے وقوع کو قبول کرنے کے لیے دو صورتیں ہیں: (۱) غیر مشتبہ مشاہدہ یا (۲) تشفی بخش شہادت، غیر مشتبہ مشاہدہ کی صورت میں کوئی شے بحث طلب نہیں رہ جاتی، مثلاً:

”آنحضرت ﷺ نے ایک سفر میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے وضو کا پانی طلب فرمایا، انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا پانی نہیں ملا، انصار میں ایک شخص تھے، جو خاص طور پر آپ کے لیے پانی پہنچانا کر کے رکھتے تھے، حضرت جابر بن عبد اللہ نے آپ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی تکلا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ ہی میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو ہاتھ سے دبادیا پھر حضرت جابر بن عبد اللہ کو برتن دیا اور طشت طلب فرمایا، آپ نے ہاتھ کی انگلیاں پھیلائیں اور اس طشت کے اندر رکھ کر حضرت جابر بن عبد اللہ کو حکم دیا کہ

بسم اللہ کہہ کر آپ کے ہاتھ پر پانی گرا میں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی املا پھر تمام طشت بھر گیا یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے اس کے بعد آپ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرارہ گیا۔“ ﴿

اب اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو پچشم خود مشاہدہ کیا اور ان کو اس میں کسی فتنہ کا کوئی اشتباہ نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ ان کو اس کے یقین و قبول کرنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا، البتہ ہمارے لیے اس کے باور کرنے میں یہ بحث پیدا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ نفہ ممکن ہے یا ناممکن اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی شہادت کہاں تک قبل اعتبار ہو سکتی ہے۔ لہذا امکان مجرمات کا مرحلہ طے ہو چکنے کے بعد دوسری بحث شہادت مجرمات کی پیدا ہوتی ہے۔

ہیوم کا فتویٰ

ہیوم کاروایات مجرہ کے متعلق اگرچہ آخری فتویٰ بھی ہے کہ اس کے اثبات کے لیے انسانی شہادت کی کوئی کیمت و کیفیت نہیں کافی ہو سکتی، تاہم فس خارق نظرت و واقعات کے لیے اس کے نزدیک بھی انسانی شہادت کا ایک درج ایسا موجود ہے جس کی بنا پر ان کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

”فرض کرو کہ تمام زبانوں کے تمام مصنفین اس پر متفق ہوں کہ یہی جنوی ۱۶۰۱ء سے لے کر آٹھ دن تک برابر تمام روزے زمین پر تاریکی چھائی رہی یہ بھی فرض کرو کہ اس خارق عادت واقعہ کی روایت آج تک لوگوں کی زبان پر ہے اور دوسرے مالک سے جو سیاح آتے ہیں وہ بے کم و کاست اور بلا شایبہ تقاض وہاں کے لوگوں کے بھی روایت پیان کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہمارے زمانہ کے حکماء کام شک کے بجائے اس واقعہ کا یقین کر کے اس کی توجیہ اور اس کے عمل و اسباب کی جتو ہو گی کائنات نظرت میں زور و اخبطاط، فنا و فساد کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں کہ اگر کسی حادثہ سے اس کی تباہی کے آثار پائے جائیں تو اس کے بارے میں انسانی شہادت قابل قبول ہو گی بشرطیکہ سنبھالت و سمع، متواتر اور متفق اعلیٰ ہو۔“

ہیوم کا تعصب

اب اگر یہی واقعہ کسی نبی کی طرف منسوب کر کے مجرہ قرار دیا جائے تو ہیوم کے نزدیک اس پر یقین کرنے کے لیے کوئی انسانی شہادت قابل قبول نہ ہوگی، کیوں؟ اس لیے کہ ”اس قسم کی شہادت خود اپنی تکذیب ہے۔“ حتیٰ کہ ”جس مجرہ کی بنا کسی انسانی شہادت پر ہو، وہ جھٹ و استدلال کے بجائے محض تمثیر انگیز چیز

^{١٩} دیکھو کتاب هذا بیان عام معجزات (صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب حدیث حمار الطهرا ۷۵۱۹)

۲ فهم انسانی، باب ۱، ص: ۱۴۷

ہے۔ "ذہب کے نام سے لوگ ہمیشہ ملک و خرافات افسانوں کے دام میں آ جاتے ہیں الہذا ذہب کی طرف نفس اشتباب ہی مجذہ کے حیلہ و فریب ہونے کا پورا ثبوت ہے۔ ذہب جسی مقدس شے کی تائید میں لوگ بے ضرر کذب و افتراء سے باک نہیں کرتے، پیغمبر (معاذ اللہ) عزت پیغمبری کے شوق میں ہر طرح کے خطرات کو گوارا کر سکتا ہے، مگر و احتیال پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ انسان زد و اعتقاد اور بالطین عجائب پسند ہے، مجذہات کا قبول عام اور بہ آسانی شائع و ذائع ہو جانا خود اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ انسان میں عجائب پرستی کا کیسا شدید میلان ہے اور اس لیے عجائب پرستی کے تمام بیانات کو بجا طور پر اشتباہ کی نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے پھر مجذہات اور فوق الفطرت باتوں کے خلاف ایک ہی قوی قریبہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد زیادہ تر جاہل اور حوشی اقوام میں پایا جاتا ہے۔ ایک عقل مند آدمی پرانے زمانے کی حیرت زداریوں کو پڑھ کر پکارا ہوتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ اس قسم کے خارقی عادات و افعالے ہمارے زمانہ میں ظاہر نہیں ہوتے انہی وجہوں کی بنا پر دعویٰ ہے کہ ذہب کے نام سے جتنے مجذہات بیان کیے جاتے ہیں وہ سب کے سب محض خرافات اور انسان کی اوہام پرست فطرت کا ذہکرو سلا ہیں۔ *

بلاشبہ شہادت کی جرح و تعدیل اور تحقیق و تنقیح کے وقت یہ تمام امور قابلِ لحاظ ہیں لیکن کیا ان میں سے کوئی ایک شے بھی اسی ہے جس کی بنا پر محض مجذہ یا ذہب کے نام آتے ہی ہیوم کا یہ ایمانا قابلِ حمایت اور صریح تقصیب تھا جس کے لیے صدائے تائید حکمت و فلسفہ کے شمیڈہ حلقوں سے نہیں اٹھ کر تھی اور اگر کسی مجذہ کی تصدیق تنقیب بخش شہادت موجود ہو تو اس کے قبول سے محض مجذہ ہونے کی بنا پر کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مثلاً: ایک سفر میں "صحابہ رضی اللہ عنہم" بھوک سے اس قدر بے تاب ہوئے کہ اونٹیاں ذبح کرنی چاہیں لیکن آپ ﷺ نے ان تمام لوگوں کے زادراہ کے جمع کرنے کا حکم دیا، ایک چادر بچھائی اور اس پر تمام زادراہ ڈھیر کیا گیا، اس تمام سامان کی مجموعی تعداد نے صرف اس قدر زیمن کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ کر تھی اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا اور اپنے تو شہ و ان بھر لیے۔ *

کافی شہادت

اب اس روایت میں اگر ان امور کی کافی شہادت مل جائے کہ (۱) تمام زادراہ صرف ایک بکری کے بیٹھنے بھر کی جگہ میں آ گیا تھا (۲) اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی (۳) سب لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا (۴) اور اپنے اپنے تو شہ دا ان بھر لیے تو بکسلے جیسے حکیم و فلسفی تک کو اس روایت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ چنانچہ اسی نوعیت کا ایک مجذہ حضرت مسیح غلیظ اللہ کا انجیل میں مذکور ہے کہ پانچ روئیوں اور چھلیوں سے پانچ ہزار

* یہ تمام قریب ہیوم ہی کے الفاظ ہیں جو تم کو اس کے ضمنوں "مجذہات" میں جا بھالیں گے۔ ** دیکھو کتاب ہذا بیان عام مجذہات۔ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب استحباب خلط الازواد اذا فلت، والمواساة فیها: ۱۸۵۴۔

آدمیوں کا پیٹ بھر گیا اور پھر بھی اتنے مکڑے نجخ رہے جن کو جمع کرنے سے بارہ نو کریاں بھر گئیں ۔ لیکن اس مجزہ کے باور کرنے میں روایتا و درایتا جو دشوار یا نظر آتی ہیں ان کو پوری طرح واضح کرنے کے بعد بکسلے نے لکھا ہے کہ

”اگر یہ ثابت کیا جائے کہ (۱) کھانا شروع کرتے وقت روٹیوں اور مچھلیوں کا وزن کیا تھا (۲)

پانچ ہزار آدمیوں میں یہ تقسیم کی گئیں بلا اس کے کہ ان کی کیست یا کیفیت میں کوئی اضافہ ہوا ہو

(۳) تمام آدی واقعًا پوری طرح آسودہ ہو گئے (۴) اور اس کے بعد تو کریوں میں جو گلکوئے

جمع کیے گئے، ان کا وزن کیا تھا تو پھر ممکنات و ناممکنات کے بارہ میں میرے موجودہ خیالات

کچھ ہی ہوں لیکن مذکورہ پا، پار چیزوں کی تشفیٰ بخش شہادت کے بعد مجھ کو ماننا پڑے گا کہ پچھلے

خیالات غلط تھے اور اس مجزہ کو ممکنات فطرت کی ایک نئی اور خلاف موقع مثال سمجھوں گا۔“ ②

غرض مجزہ نہ صرف فی نفس ایک ممکن الواقع شے ہے بلکہ ”تشفیٰ بخش شہادت“ کی بنابر اس کے موقع کا یقین بھی کیا جاسکتا ہے اس کے بعد یہ بحث رہ جاتی ہے کہ آیا مذہبی یا تاریخی کتابوں میں جو محاجرات مذکور ہیں ان کے یقین کرنے کے لیے ”تشفیٰ بخش“ شہادت موجود ہے؟ اس سوال کا جواب ہیوم کو تو نہیں میں دینا ہی چاہیے تھا لیکن بیہاں پہنچ کر بکسلے بھی سپر افندہ ہو جاتا ہے اور ہیوم کے جواب سے لفظاً و معنوًیاً کامل طور پر اتفاق کر لیتا ہے۔ ③

”یہ بھی ہے کہ مجذبات کے ناممکن ہونے کا دعویٰ نہیں ثابت کیا جاسکتا لیکن مجھ کو کوئی ایسی شے قطعاً نہیں معلوم جس کی بنابر میں ہیوم کے اس وزنی فتویٰ میں پچھہ ترمیم کر سکوں کہ تاریخ کے سارے دفتر میں ایک بھی ایسا مجذہ نہیں ملتا جس کی تصدیق و تائید میں ایسے فہمیدہ، باہوش اور تعلیم یافتہ لوگوں کی کافی تعداد موجود ہو جن کے خود فریب مغالطہ میں پڑنے کا ہم کو اندر یہ شدہ ہو جن کی راست بازی اس درجہ غیر مشتبہ ہو کہ کسی مصلحت کی بنابر دوسروں کو فریب دہی کا ان پر گمان نہ ہو سکے جو لوگوں کی نگاہ میں ایسی عزت و شہرت رکھتے ہوں کہ اگر ان کا جھوٹ کھل جائے تو ساری عزت خاک میں مل جائے ساتھ ہی جن واقعات کی وہ روایت یا تقدیق کر رہے ہیں وہ ایسے علی الاعلان طریقے سے اور ایسے مشہور مقام پر واقع ہوئے ہوں کہ ان کی نسبت دروغ بیانی چھپ ہی نہ سکے حالانکہ انسانی شہادت کو قطعی بنانے کے لیے یہ تمام پاتیں ضروری ہیں۔“ ④

ہیوم نے کہنے کو تو کہہ دیا کہ قبول مجذبات کے لیے جس درجہ کی شہادت درکار ہے اس کا تاریخ کے دفتر

② مقالات بکسلے، ج ۵، ص: ۲۰۳۔

③ یو حتاب ۱۰، آیت: ۱۲-۱۵۔

④ مقالات بکسلے، ج ۲، ص: ۲۰۷۔

میں کہیں پتہ نہیں لیکن مجرمات کے عدم قبول کی کیا واقعات ہی وجہ ہے؟ اور کیا اس نے اپنے اس دعویٰ کی چند ہی صفات آگے بڑھ کر خود تردید نہیں کر دی ہے؟ فرانس میں کوئی مشہور درگاہ ہے جس کے نفس پر بقول ہیوم لوگ مدتلوں فریفته رہے ہیں۔

”بہروں کو ساعت، انہوں کو بصارت مل جانا اور بیاروں کا اچھا ہو جانا اس مقدس درگاہ کی معنوی کرامتیں تھیں جن کا ہرگلی کوچے میں چرچار ہتا تھا لیکن سب سے حیرت انگیز اور غیر معنوی بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی کرامتیں ایسے اخناص کو حکم یا ثابت بنا کر ان کے رو بروثابت کر کے دکھائی گئی ہیں جن کی دیانت پر حرف رکھنا ممکن ہے پھر ان پر ایسے گواہوں کی مہر تصدیق ثبت ہے جن کی شہرت و سند مسلم ہے، جس زمانہ میں ان کرامتوں کا ظہور ہوا وہ علم کا زمانہ ہے اور جگہ بھی ایسی جو دنیا کا مشہور ترین خطہ ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ یہ کرامتیں چھاپ چھاپ کر ہر جگہ شائع کی گئیں با اس ہمدردی ویسی فرقہ تک کو ان کی تحدیب یا پرورہ دری کی مجال نہ ہوئی، حالانکہ یہ لوگ خود اہل علم تھے، مجسٹریٹ ان کی حمایت پر تھا اور ان خیالات کے جانی دشمن تھے، جن کی تائید میں یہ مجرمات پیش کیے جاتے تھے، اب یہ بتاؤ کہ کسی امر کی تویش و تصدیق کے لیے اتنی تعداد میں موافق حالات ہم کو کہاں میرا سکتے ہیں اور ان دل بادل شہادتوں کے خلاف ہمارے پاس بھروسے کے اور کیا دلیل ہے کہ یہ واقعات بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارق نظرت ہیں اور معقول پسند آدمیوں کی نگاہ میں ان کی تردید کے لیے بس یہی ایک دلیل کافی ہے۔“ ﴿اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شَرِّ وَرَوْرِ انفُسِنَا﴾

ہیوم کا صریح تناقض

ایک ہی مضمون کے اندر ایسے زبردست فلسفی کی ایسی صریح تناقض میانی جس قدر حیرت افزائے اس سے کہیں زیادہ عبرت انگیز ہے، بات یہ ہے کہ انسان کا یقین ہمیشہ اس کی منطبق کا ساتھ نہیں دیتا۔ جب یہ اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور حاضر ہے اور اس دعویٰ پر انہوں نے اُن سے اُن دلائل قائم کر دیے ہیں، تاہم دیکھو کہ ۲۶ گھنٹے کی زندگی میں وہ خود کتنے لمحے ان دلائل کی بنا پر اپنے کو مجبور حاضر یقین کرتے ہیں، ہیوم کے دلائل فلسفے نے بے شک یہ ثابت کر دیا کہ ”مجسہ نافی نہ ممکن نہیں لیکن پھر بھی دل سے یہ لہک نہیں نکلتی کہ یہ واقعات (مجرمات) بذات خود ناممکن اور سراسر خارق عادات ہیں۔“ اور ان کی تردید کے لیے بس یہی ایک دلیل کافی ہے، فرانس کی درگاہ کے متعلق جو کرامتیں مشہور ہیں ان کی تویش و تصدیق کے لیے اسی درجہ کی شہادت اس کو مل گئی جس کا چند صفحہ پہلے اس کے نزدیک تاریخ کے سارے دفتر

﴿فَهُمْ انسانٌ، بَابٌ ۱۰، فَصْل٢، ص: ۱۴۲﴾، قابل توجہ فقرات کو زیرخط میں مؤلف ہڈانے کیا ہے۔

میں وجود نہ تھا لیکن پھر بھی ان کرامتوں سے قطعی انکار ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ مجرمات کا یقین کرنے کے لیے کسی مجرہ یا کرامت کی تائید میں صرف ممکن سے ممکن انسانی شہادت کا مہیا کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ پہلے اس کے عدم امکان کا دسوسرہ پوری طرح ذہن سے نکالنا چاہیے اور پھر خود یقین کی ماہیت و اسباب پر بحث کرنی چاہیے۔

انہتائی استبعاد

اوپر اگرچہ ہم نے ہیوم کی اس تعریف میں چند اس مضائقہ نہیں خیال کیا تھا کہ مجرمات نام ہے خارق فطرت واقعات کا، لیکن تم نے اقتباس بالا کے آخری زیر خط جملہ میں دیکھ لیا کہ ”خارق“ کا لفظ اس قدر گمراہ کن ہے، خود ہیوم ہی کے ففہد کی رو سے مجرمات کا بالذات ممکن ہونا قطعی طور پر محقق ہو چکا ہے، پھر بھی اس کی زبان قلم اس لغزش سے اپنے کو نہیں بچا سکتی کہ واقعات (مجرمات) بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارق نظرت ہیں۔ اصل یہ ہے کہ کسی انتقالات کی بنا پر ہمارے ذہن میں یہ غلط خیال بے طرح جا گزیں ہو چکا ہے کہ نظرت یا قانون نظرت ایک اٹل اور ناممکن التغیر ہے، اس لیے کسی واقعہ کو خارق نظرت کہتے ہی اس کے ناممکن ہونے کا تصور ذہن پر مسلط ہو جاتا ہے۔

لہذا جب یہ ختم طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ خود مجرہ کی ذات میں عدم امکان داخل نہیں ہے بلکہ ”تشفی بخش شہادت“ کی موجودگی میں اس کا یقین کیا جاسکتا ہے تو اس کو ”خارق نظرت“ کی گمراہ کن تعبیر کے بجائے بکسلے کے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ انہتائی حیرت انگیز واقعہ کہا جاسکتا ہے لیکن انہتائی حیرت انگیز سے بھی مناسب تر تعبیر انہتائی مستعد کی ہوگی۔

استبعاد مجرمات

نظرت کی یکسانی

ایک عام خیال جو اس ”حیرت انگیزی“ میں اضافہ کرتا ہے، یہ ہے کہ کارخانہ فطرت کے تمام پرزے ہمیشہ اور ہر حالات میں یکساں ہی نتائج پیدا کرتے ہیں، حکما جب تک فطرت کی یک رنگی پروزور دیتے ہیں تو اسی مغالطہ میں مبتلا نظر آتے ہیں حتیٰ کہ مل کو اپنی ”منطق“ میں اس خیال کی تردید کرنی پڑی کہ فطرت کی کارفرمائی ہمیشہ یکسانی پر بنی ہوتی ہے، ہم خود غور کریں تو کچھ حصہ کچھ مثالیں ایسی سامنے آتی رہتی ہیں جن سے یہ مغالطہ دور ہو جانا چاہیے ابھی آج ہی اخبار پڑھتے وقت اس قسم کے دو واقعے نظر پڑے۔

عورتوں کے علی العموم بہ وقت واحد ایک لڑکا ہوتا ہے یا کبھی کبھی دو لیکن حال میں میکسکو (امریکہ) میں

ایک عورت کے ایک ساتھ آٹھ لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک دوست سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو اس نے کہا: کچھ

نظام منطق کتاب ۳، باب: ۳۔ یہ دونوں واقعے آج ۲۷ فروری ۱۹۲۲ء کے لیڈر میں مذکور ہیں۔

عرصہ ہوا کہ برصا میں ایک عورت کے چھڑاکے ہونے کی خبر شائع ہوئی تھی۔ طبعی دنیا کا عام تجربہ ہے کہ جب خون کی حرارت کے ۱۰۸° اور جب پریشنج جاتی ہے تو آدمی نہیں بچتا لیکن برشل میں انفلوآنزا کی مریض ایک لڑکی کا بخارا ۱۱۳° اور جب تک پریشنج گیا، پھر بھی وہ اچھی ہو گئی اور زندہ ہے خود حیرت زدہ ڈاکٹر کی شہادت ہے کہ ”جب وہ پہلی دفعہ اس لڑکی کو دیکھنے کے لیے بلا یا گیا تو اس کی حرارت ۱۱۲° انگلی، خیال ہوا کہ تمہارا میسر میں کچھ نقصہ ہے، دوسرا تمہارا میسر منگا کر لگایا تو پھر وہ ۱۱۲°۔ ڈاکٹر کو اب بھی یقین نہ آیا اس نے دو تھر ما میسر اور منگوائے، بالآخر یقین کرنا پڑا کچھ علاج سے بخارا پری معتدل حالت پر آ گیا لیکن رات کو پھر بڑھ گیا اور دوسرے دن صبح کو جب ڈاکٹر نے دیکھا تو ۱۱۳° تھا، حیرت کی انتہا نہ رہی، بہر حال علاج سے فائدہ ہوا اور اب مریضہ خاصی رو بصحت ہے۔“

تریکون متی (ٹرگنا میسری) یا ”مساہیہ المثلثات“ وغیرہ ریاضیات عالیہ کی وہ شاخیں ہیں جن کی کالجوں میں ریاضیات کے اعلیٰ مدارج میں تعلیم دی جاتی ہے۔ ۱۱۱ بر س کے بچے جو علی اعوم زیادہ سے زیادہ اسکول کی چوتھی پانچویں جماعت میں پڑھتے ہیں، ان کی ریاضی دانی بس حساب کے چند ابتدائی قواعد تک محدود ہوتی ہے جوڑا کے غیر معقول طور پر ڈین و مختنی اور جن کی تعلیم کا گھر پر معلم رکھ کر کچھ خاص اہتمام کیا جاتا ہے وہ بہت ترقی کرتے ہیں تو ۱۱۳°۔ ۱۱۴° بر س کی عمر میں اسکول کی تعلیم پوری کر پاتے ہیں۔

لیکن گزشتہ سال اکتوبر میں (۷۶ کاتار۔ لیڈر) راج نرائن نامی ۱۱۱ بر س کے ایک مدرسی لڑکے کا مجذہ ریاضیات اسی عنوان سے یہ چھپا تھا کہ اس نے بلا کسی علم کی مدد کے اعلیٰ الجبرا، تریکون متی، تحلیلی، اقلیدس (جامیسری) وغیرہ از خود حاصل کی ہے۔

ولادت مسح غایلہ (بے باپ کے) یا احیائے موتی سے بڑھ کر کس شے میں انتہائی استعداد یا اعجاز ہو سکتا ہے لیکن سائنس کی تحقیقات نے (جس کے نزدیک انسان کی حقیقت حیوان عالم سے زیادہ نہیں) حیوانات ہی کے اندر اس کے ظاہری بھی تلاش کر لیے، چنانچہ ہمکے جیسے سائنس دان نے مجرمات ہی کے ضمن میں لکھا ہے کہ ”رہا مریم غایلہ“ کے کوارپن میں مسح غایلہ کا پیدا ہونا، تو یہ نہ صرف ممکن التصور شے ہے بلکہ علم الحیات کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض اضاف حیوانات میں یہ روزانہ کا واقعہ ہے، یعنی حال احیاءے موتی کا ہے بعض جانور مر کر مویاں کی طرح بالکل خشک ہو جاتے ہیں اور عرصہ تک اسی حالت میں رہتے ہیں لیکن جب ان کو مناسب حالات میں رکھ دیا جاتا ہے۔ تو پھر جان آ جاتی ہے۔“

ایجادات سائنس

یہ تو سائنس کا علمی و تحقیقی پہلو تھا، ایجادی و اختراعی پہلو نے بھی اس سے کم ”انہائی حیرت انگیز“ اعجاز نہایاں نہیں کی ہیں۔ لاسکنی ذریعہ پیغام رسانی کی ایجاد سے پہلے یہ کس قدر مستعد بلکہ ایک حد تک ناقابل تصور ہاتھی کہ آپ بسمی میں بیٹھے ہیں اور آپ کا دوست لندن میں، اور درمیان میں ہزار ہا میل سمندروں کی پہنچائی حائل ہے، تار و غیرہ کوئی محسوس شے آپ دونوں کے ماہین رابطہ نہیں پھر بھی چشم زدن میں آپ اس کو اپنا پیغام پہنچا دے سکتے ہیں ایک منٹ میں ۲۰ سینٹ ہوتے ہیں ایک سینٹ کے بھی ۱۲ حصے کیجھے اور اس سولہویں حصہ میں یہ پیام ۱۲ ہزار میل سے زائد کی مسافت طے کر سکتا ہے۔

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ آپ صرف پیغام ہی نہیں پہنچا سکتے ہیں بلکہ حال میں ایک فرانسیسی سائنس دان نے اس مجرہ کا دعویٰ کیا ہے کہ بسمی میں اپنے میز پر بیٹھے بیٹھے آپ اسی لاسکنی کے ذریعے لندن، پیرس، یانیویارک میں چیک پر اپنے دستخط ثبت کر سکتے ہیں قریب قریب یعنی سینکڑوں میل، کے مقامات پر اس کے کامیاب تجربات ہو چکے ہیں۔

تزوییم

طبعات کے ان کرائموں کو دیکھ پکھنے کے بعد اب ذرا نفیات کے اس شعبہ کی تحقیقات کو سامنے لایے جس کا نام پہنچا نرم ہے، عربی میں اس کو تزویم مقناطیسی کہتے ہیں لیکن ہم صرف تزویم یا عمل تزویم سے تعبیر کریں گے اس عمل کی کرامات ہمارے زمانہ میں ایک نہایت بلند پایہ محقق نفیات پر دیوریم جیس کے الفاظ میں یہ ہیں:

”عمل تزویم اپنے معمول سے جو کچھ بھی کہتا ہے اس کو وہ یقین کر لیتا ہے اور جس چیز کا حکم کرتا ہے اس کو بجا لاتا ہے حتیٰ کہ جو چیزیں معمولی حالت میں آدمی کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں وہ بھی عامل کے حکم سے واقع ہو سکتی ہیں۔ مثلاً: چھینک، چہرے کا سرخ یا زرد پڑ جانا، حرارت خون کا کم یا زیادہ ہو جانا، حرکت قلب میں تیزی یا سستی پیدا ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔“

تم معمول کو یقین دلا سکتے ہو کہ وہ تخفیہ جا جارہا ہے یا آگ میں جلا جا رہا ہے، تم اس کو آلوکھا وہ لیکن یہ یقین دلا سکتے ہو کہ شفتا لوکھا رہا ہے، تم اس کو سرکہ پلا کر یقین دلا سکتے ہو کہ شراب پی رہا ہے، نوشادر میں اس کو لاگنی کی بمحسوں ہو سکتی ہے کہ اس کو شیر نظر آ سکتی ہے، جھاڑواں کے لیے خوبصورت عورت بن سکتی ہے، راستہ کا شور اس کو موسیقی معلوم ہو سکتا ہے، جوان آدمی اپنے کو بچ، یا پوچھن عظیم سمجھنے لگ سکتا ہے۔ سریا دانتوں کا درود در کر دیا جا سکتا ہے۔ وجہ معاصل

وغیرہ کے مریض کو اچھا کیا جاسکتا ہے۔ بھوک فنا کر دی جاسکتی ہے، یہاں تک کہ ایک شخص نے ۳۱ دن تک کھانا نہیں کھایا جس چیز سے تم چاہو اسی چیز سے معمول بہرایا اندھا ہو سکتا ہے، مثلاً: فلاں لفظ وہ نہ سنتے لاکھاں کے سامنے چیخونہ سنے گا یا فلاں آدمی کو وہ نہ دیکھے اس کے سامنے کھڑا کرو وہ نہ دیکھے سکے گا۔^{۲۷}

اس عمل کے وقت معمول پر ایک نیند کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس لیے اس کا نام تنویم ہے لیکن عمل کا اثر اس کیفیت کے بعد بھی قائم رہ سکتا ہے، مثلاً: جس مرض کے لیے تم عمل کرو وہ ہمیشہ کے لیے دور ہو سکتا ہے یا فرض کرو کہ معمول سے تم یہ کہہ دو کہ آئندہ سال جنوری کی ۲۰ تاریخ کو صبح ۹ بجے اپنے پلٹگ کے پاس ایک شیر کھڑا دیکھو گے، سال بھر کے بعد ٹھیک اسی وقت پلٹگ کے پاس معمول کو شیر دکھائی دے گا۔ گوں عمل تنویم کے تجربات زیادہ تر نیند کی کیفیت طاری ہونے کے بعد کیے جاتے ہیں لیکن اس کیفیت کا نمایاں طور پر طاری ہونا کامیابی عمل کے لیے لازمی شرائط میں نہیں ہے بلکہ ڈاکٹرمول کا خیال تو یہ ہے کہ ایسے معمول نہیں کم ہوتے ہیں جن پر کیفیت نوم طاری ہوتی ہو۔^{۲۸} ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس عمل کا اثر افراد ہی تک محمد و نبیں بلکہ جماعتوں اور مجموعوں کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر البرٹ مول کا بھی نام لیا جا چکا ہے، اس جرمن فاضل کی کتاب ”ہپا نرم“، اپنے موضوع پر سب سے بہتر نہایت محققانہ اور مستند خیال کی جاتی ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس کتاب میں دکھلایا ہے کہ بہت سے مجرمات کی توجیہ نہایت آسانی کے ساتھ تنویم مقنایٹی سے کی جاسکتی ہے، مجرمات ہی پر کیا موقوف ہے، سحر و علمیات تک کے صد باغا بب کے گردھ مکل جاتی ہے اور جن واقعات پر عقلانے اور اہام دا باطیل کی مہربشت کر دی جاتی ہے تو اسی کی طرح قوانین نفسی کے حقوق بن گئے ہیں۔

مججزاتِ شفا

بہت سے مجرمات و کرامات کا تعلق امراض کی ایسی شفاسے ہے جو طب کے مادی و سائل علاج پر مبنی نہیں اور اس کے لیے مدعاں عقل کے ہاں اس کا نام ”وہم پرستی“ تھا لیکن آج تنویمی تحقیقات نے ایک نیا اور نہایت کامیاب اصول علاج مکشف کر دیا ہے جو عام مادی و سائل اور استعمال ادویہ سے قطعاً مستغنی ہے اور اس بے دوا کے علاج سے بہرے شنو ہو جاتے ہیں پسچھڑے اور سل کے امراض میں شفا حاصل ہوتی ہے آنکھوں کی بیماریاں جاتی رہتی ہیں وچھ مناصل دور ہو جاتا ہے زخم بھرا تے ہیں^{۲۹} کیا اس کے بعد بھی انجل

^{۲۷} دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب ”پنسلس آف سائکلوجی“، (اصول تفییات) جلد دوم، باب: ۳۷۔

^{۲۸} ڈاکٹرمول کی کتاب ”ہپا نرم“ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ ۱۹۰۹ء۔

^{۲۹} ڈاکٹرمول کی کتاب ”ہپا نرم“ صفحہ ۳۵۵ مطبوعہ ۱۹۰۹ء۔

کی روایات میجاںی کو محض خوش اعتمادی یا اکاذیب کا طور کہنا خود اپنے جہل مرکب کی گواہی نہ ہوگی؟ فرانس کی جس مشہور درگاہ کی کرامات شفا کا اوپر ذکر گزرا ہے ہیوم نے معتبر سے معتبر شہادت کے باوجود ان کو قطعاً ناممکن قرار دیا تھا لیکن ڈاکٹر مول بلاکسی مطالبة شہادت کے قدیم مصری اور یونانی مندروں کی کرامات شفا کو تنویم ہی کا مجزہ نہ انسخی اثر سمجھتا ہے ॥ غرض جو چیز ہیوم کے نزدیک قطعاً ناممکن تھی مول کے نزدیک اب اس میں اتنا استبعاد بھی باقی نہیں کہ کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبه کرے۔ جان اسشورث مل نے مجزہ کی تعریف یہ کی تھی کہ وہ عبارت ہے ایسے واقعہ سے جس کے پہلے وہ لوازم و شرائط نہ پائے جاتے ہوں جو دوبارہ اس کو وجود میں لانے کے لیے کافی ہوتے ہیں لیکن آج ہمارے سامنے وہ لوازم و شرائط موجود ہیں جن کی بنابر عصا اسی طرح اڑ دھا بن جاتا ہے جس طرح کہ کسی شیر نظر آ سکتی ہے، تم کو گے کہ تو پھر اس صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعجاز کیا رہا، اس کا جواب آئے گا، سردست تم صرف اتنا بجھ لو کہ عصا کا اڑ دھا بن جانا اتنا مستبعد واقعہ نہیں جس پر یقین کے لیے نفس نوعیت واقعہ کی بنا پر کسی غیر معمولی شہادت کی احتیاج ہو۔

عام تجربات

تو نیکی تجربات کے علاوہ یوں بھی کچھ نہ کچھ ایسے پراسار و اتعات مشاہدہ مسموع ہوتے رہتے ہیں، جن کی توجیہ عام قوانین فطرت سے نہیں ہوتی اور جو بہت سے مجزہات کے متعلق ہماری حرمت و استبعاد میں کمی پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے صوبہ کے مشہور انگریزی اخبار "لیڈر" نے پچھلے سال اپریل میں برداں کا ایک عجیب و غریب واقعہ چھاپا تھا جو نامہ نگار کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

"برداں میں ایک عجیب و پراسار واقعہ پیش آیا جس نے لوگوں میں کافی سننی پیدا کر دی ہے، لالہ کندن لال کپور ایک کھتری زمیندار امامہ حال کو ۲۶ بجے شام کے وقت مران متنوی چونکہ سوریہ بُشی کھتری تھا، اس لیے جب تک دوسرے دن صبح آفتاب نہ نکل لیا اس کی لاش جلانی نہیں گئی جلانے سے پہلے اس کے لارک (اند لال) نے ایک خالی کمرہ میں جہاں کوئی اور نہ تھا لاش کا فٹولیا لیکن اس کی حرمت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کے فٹو پر پانچ اور دھنڈلی تصویریں آگئی ہیں، ان تصویروں میں سے دو کو تو خاندان کے لوگوں نے پیچانا تھا کہ متنوی کی پہلی بیوی اور لڑکی کی ہیں جن کو مرے ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں باقی تین تصویریں جو زیادہ روشن نہ تھیں پیچانا نہ جاسکیں"۔

"نامگس آف سیلوون" میں ایک انگریز پلاتر (چائے کا کاشتکار) نے اپنے قلیوں کی قربانی اور پوچھا کے

کچھ مشاہدات لکھتے تھے جو اس کو عجیب معلوم ہوتے تھے ان میں یہ بھی تھا: ॥

۱۔ پہنچنامہ، صفحہ ۳۵۶۔ ۲۔ لیڈر نے "نامگس آف سیلوون" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

”ایک شخص آگ کی سوراخ دار چینی ہتھیلی پر رکھ کر مندر کے گرد رقص و طواف کرتا تھا اس نے مجھ کو یقین دلا�ا کہ یہ چینی اس کو بالکل گرم نہیں محسوس ہوتی تھی حالانکہ جب میں نے تجربہ چینی کے اسی حصہ کو جو اس شخص کی ہتھیلی پر تھی چھوا تو میری انگلی جل گئی ان کا بڑا اپجباری کم و بیش ایک منٹ تک آگ میں ہاتھ ڈالے رہا اور کوئی اثر نہ ہوا اسی طرح اور بھی کئی قیوں نے نہایت غیر معمولی حرکتیں کیں۔“

ان چشم دید بجا سب کو لکھ کر پلانٹر نے ناظرین اخبار سے درخواست کی ہے کہ اگر کسی اور صاحب نے اس قسم کے واقعات دیکھے ہوں تو براہ مہربانی اطلاع دیں یا اگر ان کی کوئی توجیہ و تشریح ہو سکتی ہو تو کریں اس پر خود ”ٹائمس“ نے لکھا ہے کہ سیلوں اور ہندوستان دونوں جگہ مذہبی رسم کے موقع پر اس قسم کے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں، مثلاً: کلب یو میں حرم کے موقع پر لوگ آگ میں چلتے ہیں ہم کو نہیں معلوم کر دیا یہ واقعات کی اب تک علیٰ توجیہ ہو سکی ہے، ایک نظریہ یہ ہے کہ لوگ اپنے آپ پر عمل تنویم کر لیتے ہیں۔ ۱

بہر حال توجیہ ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن ایڈیٹر ٹائمس نے پلانٹر کے بیان کی تکذیب نہیں کی نہ کسی مزید شہادت کا مطالبہ کیا، کیوں؟ اس لیے کہ اس طرح کے واقعات اور بھی وقت فوتو پیش آتے رہتے ہیں جن کو سامنے رکھنے کے بعد پلانٹر کا بیان اتنا مستبعد نہیں رہتا کہ نفس نوعیت واقعات ہی کی بنا پر ان کی تغطیط و تردید کر دی جائے یا کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کیا جائے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس واقعہ کو غلط سمجھو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نہ جلا سکی زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی بنا پر تم ان کی نبوت کا اقرار نہ کرو لیکن نفس واقعہ سے انکار کا کیا حق حاصل ہے؟

روایات صادقة

روایایا خواب کی شفی بخش عقدہ کشائی سے حکمت و فلسفہ کا ناخن اب تک عاجز ہے، مختلف اصناف خواب کی توجیہ کے لیے جو جو نظریات فرض کیے گئے ہیں، خود ایک خواب پریشان معلوم ہوتے ہیں لیکن قدرت اپنی عجائب آفرینیوں کے لیے انسانی توجیہات کا انتظار نہیں کرتی۔ تم کسی مبصر آدمی سے دریافت کرو، اس کو اپنی زندگی کے بہت سے ایسے خواب یاد ہوں گے جو واقعات مستقبل کی تمثیلی یا صریحی پیش میں تھے میرے ایک لطفی دوست کو اپنے خوابوں کی صحت کا اس قدر تجربہ ہے کہ جب کسی شخص سے خواب میں ان سے بے لطفی ہو جاتی ہے تو بیداری میں اس تجربے کے لیے وہ تیار رہتے ہیں اور اکثر کچھ نہ کچھ بد مرگی کی نوبت آئی جاتی ہے مجھ کو اپنے خواب بہت ہی کم یاد رہتے ہیں لیکن جو جس قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد رہتا ہے اسی قدر زیادہ صحیح نکلتا ہے، ۱۹۲۰ء کے روز ناچہ میں (۱۵ اپریل) ایک جگہ لکھا ہے کہ

۱ تنویم مقناعی کی تحقیقات کی رو سے آدمی خود اپنے اوپر بھی عمل کر سکتا ہے۔

”آج دوپہر کو سویا تو کیا خواب دیکھتا ہوں کہ ”ح“ کا خط آیا ہے، جس میں ”س“ کا بھی ایک خط ملفوٹ ہے، اٹھنے کے بعد ڈاک آئی تو یہ خواب بالکل واقعہ تھا، انتہا یہ کہ خطوں کا جو مضمون خواب میں دیکھا تھا، وہی قریب قریب بیداری میں بھی پایا، حالانکہ مجھ کو ”ح“ کے خط کا کوئی انتظار نہ تھا اور ”س“ کا خط تو حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔“

پروفیسر بلپر کت اسیریا کے آثار قدیمہ کا ایک مشہور ماہر ہے، اس نے دو بابلی کتبات کے متعلق ایک اشکال کو جوبیداری میں حل نہیں ہو سکا تھا، خواب میں حل کیا اور وہ بھی اس طرح کہ بابل کے ایک پرانے کا ہن نے خواب میں آ کر اس کی راہنمائی کی۔ *

جب عام لوگوں کے یہ تجربات ہیں تو پھر اس میں کیا استحقاب واستبعاد رہ جاتا ہے کہ بعض نفوس قدسیہ (انبیاء) کے تمام خواب رویائے صادقہ یا ایک طرح کا وحی والہام ہوتے ہیں، رسالت پناہ ﷺ پر وحی کی ابتدار و رویائے صادقہ (صالح) سے ہوئی تھی، اخبار بالغیب کی گرفہ بھی بڑی حد تک رویائے صادقہ سے کھل جاتی ہے۔

قیچی اسرارِ نبوت

اسرار نبوت میں سب سے زیادہ پر اسرار مقام وہ ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کو خدا خود ندادتا ہے (ونَادَيْهُ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَهُمْ مَّا مَأْتَاهُمْ ﴿٤﴾ الصَّفَّاتٌ: ٣٧) جہاں سے موئی علیہ السلام کو (وَكَلَمَ اللَّهِ مُؤْسَى تَكْلِيمًا ﴿٦﴾) (النساء: ١٦٤) کی بنا پر کلیم اللہ کا شرف عطا ہوتا ہے اور جہاں محمد ﷺ اور خدا میں ﴿قَابَ قَوْسَيْنَ﴾ (النجم: ٩) یا اس سے بھی کم کی دوری رہ جاتی ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں منطق و استدلال کا "حجاب اکبر" اٹھ جاتا ہے اور ظنی علم کی جگہ کشف و مشاہدہ کا حقائق حاصل ہو جاتا ہے، ابراہیم علیہ السلام کو کس نے ندادی؟ موئی علیہ السلام نے طور پر کس سے کلام کیا؟ اور "لن تر انى" کے باوجود کیا دیکھا؟ وہ کون ہی ہستی تھی جس میں اور محمد ﷺ میں صرف قاب قوسین کی دوری تھی؟ اور (فَأَوْحَى إِلَى عَنْدِهِ مَا أَوْحَى ﴿٥٣﴾) (النجم: ١٠) کا ما جرا کیونکر یورا ہوا؟ ان سوالات کا جواب چاہتمدید میں رہ کرندیا جا سکتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے۔

حقیقی آیاتِ نبوت کی عام مشالیں

عام مجزرات کی نوعیت ہے جو نکہ اس کی مثالیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے معمولی واقعات زندگی میں بھی ملتی رہتی ہیں، الہد اسی نسبت سے ان کے استبعاد میں بھی بہت سچھ کی ہو جاتی ہے لیکن ”ادی ایکن“ اور (سدرا آئشی) کی واردات جو اصلی مجزرات اور مقام نبوت کی حقیقی ”آیات کبریٰ“ ہیں ان کی، بظاہر کوئی مثال اس عالم ناسوت میں نہیں نظر آتی جس سے عام انسانوں کو ان کی فہم میں مدد ملے، بے شک «الْبُرِيَّكَ مِنْ أَلْيَاكَ الْكَبِيرِيَّةِ» (۲۰/ طہ: ۲۳) کا رتبہ بلند ملا، جس کوں گیا اور یہ سچ ہے کہ آن قتاب کی عالم افروزی کا اندازہ ستاروں کی چمک

۱۱۲ انسیکلوپیڈیا برنا کا مضمون "ذریم"۔

سے نہیں ہو سکتا تاہم بقدر استعداد جگلی طور کا ہلاکا سا پرتو ذرات پر کھی کھی پڑتی ہی جاتا ہے اور جسم بینا کی ہدایت کے لیے اتنا ہی بس ہے۔ انہیاے مسلمین علیہم السلام کے بعد اولیائے مقریین کے ہاں ان تجیات کی کافی شہادتیں ملتی ہیں لیکن عام انسانی سطح سے چونکہ یہ درجہ بھی بہت بلند ہے، اس لیے اور نیچے اتر کر ہم کو اپنی سطح کی کچھ مثالیں ٹلاش کرنی چاہئیں۔ پروفیسر ولیم جیمس جو ہمارے زمانہ کا سب سے نامور محقق نفسیات اور جس کا شمار اکابر فلاسفہ میں ہے اس نے لوگوں کے ذاتی واردات مذہب یا مذہبی تجربہ و شعور کے مختلف اصناف پر ۵۰۰ صفحات سے زائد کی ایک کتاب لکھی ہے۔ * اس میں بلا قید مشرق و مغرب، انہیا اولیا عوام و خواص علاوہ حکما سب کے تجربات مذہبی کی آپ بنتی واردات کو بیجا کیا اسی ذخیرہ میں سے ہم صرف عام انسانی سطح کے چند واقعات کا پڑستیب ذیل اختیاب کرتے ہیں۔ سب سے پہلے جیمس نے اپنے ایک بے تکلف اور نہایت ہی ذہین وزیر ک دوست کے متعدد تجربات لکھے ہیں، اس دوست کو کبھی کبھی رات کے وقت جب کہ یہ کتب بینی میں مشغول ہے، یا خالی بیٹھا ہے ایسا معلوم ہوا کہ کمرے کے اندر کوئی موجود ہے پنگ کے پاس ہے، اپنی گود میں اس کو دیوار ہے، گود نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟ یا کیا ہے؟ تاہم نفس اس کی موجودگی کا اس سے کہیں زیادہ اس کو یقین ہے جتنا کہ دن کی روشنی میں کسی ذی روح کی موجودگی کا ہو سکتا ہے وہ اس کو کسی متنفس ذات یا انسان کی طرح نہیں دیکھ رہا ہے پھر بھی اپنے تمام محسوسات سے زیادہ اس کے حقیقی، واقعی ہونے کا اذعان ہے:

”اس کی موجودگی میں نہ کوئی ابہام والتباس ہے، نہ یہ شعر یا موسیقی کے وجد و کیف کا سا پیدا کردہ کوئی جذبہ ہے، بلکہ یہ ایک قوی شخصیت کی نہایت قریب موجودگی کا قطعی علم و یقین ہے اور اس کے چلنے کے بعد میرے حافظہ میں اس کی یاد ایک حقیقت کی طرح تازہ ہے، ہر چیز جو میں لکھتا یا سنتا ہوں خواب ہو سکتی ہے، لیکن یہ واقعہ خواب نہ تھا۔“ (صفحہ ۲۰، ۲۱)

یہ دوست کوئی وہم پرست نہیں ہے بلکہ جیمس کو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ ان تجربات کو مذہبی رنگ میں کیوں نہیں تعمیر کرتا، اس کے بعد ایک اور شخص کا بیان ہے:

”میری آنکھ بہت رات رہے کھل گئی، ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے جان بوجھ کر جگا دیا اور پہلے میں یہی سمجھا کہ کوئی شخص اندر گھس آیا ہے، میں نے پھر سونے کے لیے کروٹ بد لی فوراً ہی محسوس ہوا کہ کمرے میں کوئی موجود ہے اور یہ کچھ عجیب احساس تھا کسی عام ذی حیات شخص کی موجودگی کا نہیں بلکہ ایک روحانی وجود کا احساس تھا ممکن ہے کہ تم کو اس پر نہیں معلوم ہوتی ہو لیکن میں وہ بیان کرتا ہوں جو مجھ پر گزری بجز اس کے کہ میں ایک روحانی وجود سے اس کو تعمیر کروں اور کوئی بہتر صورت مجھ کو اپنے احساس کے ادا کرنے کی نہیں ملتی، ساتھ ہی مجھ کو ایک یہ دہشت بھی محسوس ہوئی کہ کوئی عجیب دخونا کا واقعہ ظاہر ہوا چاہتا ہے۔“ (ص ۲۲)

* اس کا نام The Uireeties of Religious Experience تجربہ مذہبی کے اصناف پروفیسر موصوف کا انتقال ابھی ۱۹۱۶ء میں ہوا ہے۔

ایک سائنس دان کے اعتراضات سنو!

”میں اور میں سال کی عمر کے مانین میں بہتر تجھ لا اوری اور لامد ہب ہو گیا تھا، تاہم اس ”غیر متعین شعور“ سے میں کبھی خالی نہیں رہا، جس کا نام ہر برٹ اپنسر نے حقیقتہ مطلقہ رکھا ہے لیکن اپنسر کی طرح یہ حقیقت میرے لیے محض ناممکن العلم نہ تھی کیونکہ گوئیں نے طفلا نے طریقہ سے خدا سے دعا کیں مانگنا چھوڑ دیا تھا اور نہ ہبی رسم کے مطابق کبھی نماز نہیں پڑھی نہ دست بدعا ہوا، تاہم میرا زیادہ حال کا تجربہ بتلاتا ہے کہ عملاً اس ذات کے ساتھ مجھ کو وہی تعلق رہا ہے جو دعا اور نماز کا ہوتا ہے جب مجھ پر کوئی مصیبت پڑی خواہ دھانگی ہو یا کار و باری یا جب میں کسی معاملہ کے متعلق پریشان و مترد ہو اور میرا اول بیٹھنے لگا تو اعتراف کرتا ہوں کہ استعانت کے لیے میں اسی تعلق کی طرف بھاگا جو اس ذات کے ساتھ مجھ کو حاصل تھا، اس نے ہمیشہ میری نصرت کی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی تائید نہیں نے مجھ کو بے انتہا قوی کر دیا ہے میں پاتا ہوں کہ اس کے ساتھ میرا اعلق دراصل شخصی تھا کیونکہ اوہ چند سال سے اس سے استعانت کی قوت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے جس سے مجھ کو ایک صرخ فقدان کا شعور ہے اور اقرار ہے کہ میں اپنی زندگی میں ایک بڑی قوت و نصرت سے محروم ہو گیا ہوں جس ذات کو میں ”اس“ سے تعبیر کر رہا ہوں، یہ اپنسر کی نامعلوم حقیقت نہ تھی بلکہ یہ میرا خدا تھا جس کی تائید پر مجھ کو بھروساتھا لیکن جس کو نہیں معلوم میں نے کس طرح کم کر دیا۔“ (صفحہ ۲۵-۶۵)

سویز رلینڈ کے ایک شخص کی آپ بیتی ہے کہ

"میں پوری طرح صحیح و تدرست تھا کسی قسم کی تھکن بھوک یا پیاس قطعاً نہیں طبیعت بالکل چاق اور شگفتہ تھی مگر سے جو خبر ملی تھی اچھی تھی غرض دور و نزدیک کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ تھی ہوشیار را انہما ہم لوگوں کے ساتھ تھا، رات میں بھٹکنے کا بھی مطلقاً اندر یہ شے نہ تھا، محقر طور پر اپنی اس حالت کو یوں ادا کر سکتا ہوں کہ میرا دل و دماغ اس وقت کامل توازن کی حالت میں تھا کہ یکا یک بجھ کو اپنے اندر ایک طرح کا ارتقا محسوس ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ خدا موجود ہو گیا اس کی رحمت و قوت میرے سارے وجود میں نفوذ کر رہی ہے، یہ کیفیت اس درجہ شدید تھی کہ ساتھیوں سے بمشکل اتنا کہہ سکا کہ آگے چلو میرا انتظار نہ کرو، اب مجھ میں کھڑے ہونے کی تاب نہ تھی، ایک پتھر پر پینچھے گیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا امنڈا آیا، میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک حقیر اور میرے جیسی گناہ کا خالق پر اتنا برا حرم و فضل فرمایا کہ زندگی ہی میں اینے کو پہچا

٤١ اس حالت کو سامنے رکھ کر زال آیات کو پڑھئے، **(إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ)** (١) / الفاتحہ: ٤) **“فَوَرُوا إِلَى اللَّهِ”** (٥١) / الذاریات:
٤٢ **“وَمَا تَنْهَى الْأَمْنِ عَنِ اللَّهِ”** (٨) / الانفال: ١٠)

کراپی ربو بیت کا کرشمہ دھلایا، میں نے اس سے نہایت الحاح کے ساتھ دعا کی کہ میری زندگی تمام تراس کی رضا جوئی میں بسر ہو جواب ملا کہ بس تو روز بروز عاجزی و مسکن کے ساتھ میری رضا پر چلنے کی کوشش کرو اور اس کا فیصلہ مجھے خدا نے قادر تو انہا پر چھوڑ دے کہ اس سے بھی زیادہ شعور کے ساتھ تو مشاہدہ حق کے قابل ہوا ہے یا نہیں؟ یہ احساس و اثر اس قدر گہرا اور واضح تھا کہ میں نے اپنے دل سے سوال کیا کہ کیا موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر کچھ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ دیکھا تھا اس قدر بیان کردیا اور مناسب ہو گا کہ اس عالم و جد میں خدا کسی شکل و صورت اور رنگ و بو سے متصف نہ تھا، نہ میں اس کی موجودگی کی کوئی خاص جگہ محسوس کر رہا تھا۔“ (صفحہ ۲۶-۲۷)

جیسے نے تو اس قسم کے تجربات کا ایک انبار لگا دیا ہے لیکن ہم ایک طویل بیان کے وہ جملوں کے اعتباں پر بس کرتے ہیں قیاس اور اخذ نتائج کے لیے امید ہے کہ یہی تین چار مثالیں کافی ہوں گی امراض دماغی کے ایک ماہر ڈاکٹر نے خود اپنا تجربہ لکھا ہے:

”اس کے بعد مجھ پر ایک انتہائی فرحت و انبساط کی کیفیت طاری ہوئی جس کے ساتھ ہی ایک ایسی اشراقتی یا انشراتی حالت پیدا ہوئی جس کا بیان ناممکن ہے اس حالت میں دوسرا چیز وہ کے ساتھ اس بات کا بھی مجھ کو صرف یقین نہیں بلکہ عین مشاہدہ ہوا کہ کائنات بے جان مادہ نے نہیں بنی ہے بلکہ ایک ذی حیات وجود ہے مجھ کو خود اپنے اندر ایک ابدی حیات کا احساس ہوا یہ کیفیت صرف چند سکنیت تک رہتی لیکن اس کی یاد اور حقیقت کا احساس آج چوتھائی صدی گزر جانے پر بھی اسی طرح تازہ ہے۔“ (صفحہ ۳۹۹)

ان مثالوں کو سامنے رکھ کر اب یہ حدیث پڑھو:

ایک دفعہ صحیح کی نماز کے لیے آپ ﷺ دیرے سے برآمد ہوئے نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ تھہر جائیں پھر فرمایا: ”آج شب کو میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی کہ میرے لیے مقدر تھیں تو نماز ہی میں کچھ اونگ سا گیا، (نیست) اس حالت میں میں نے دیکھا کہ جلال الہی بے پرده میرے سامنے ہوا۔ خطاب ہوا۔ محدث (علیہ السلام) اتم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں لفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی، نہیں اے میرے رب امیں نہیں جانتا۔ اس نے اپنا ہاتھ دنوں مونڈھوں کے نیچے میں پیچھے پر رکھا، جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی اور آسمان وزمیں کی تمام چیزیں لگا ہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں، سوال ہوا یا محمد (علیہ السلام)؟! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں لفتگو کر رہے ہیں، عرض کی، ہاں اے میرے رب.....“ اخ

پوری حدیث کے لیے دیکھو آگے ذکر مشاہدات۔ مند احمد بن ضبل، حج ۵، ص: ۲۲۳۔

اس میں کلام نہیں مکالمہ طور اور ماجراۓ اسراء (معراج) کا مقام نمکورہ بالامثالوں سے اتنا ہی بلند ہے جتنا کہ انیا لیکن کا مقام انسانوں سے بلند ہونا چاہیے تاہم ”عالیٰ“ ہست کہ این عالم ازان تمثاليے است“ ان مثالوں میں ایک حد تک اس مقام پر تکادھندا ساقصور پیدا کیا جاسکتا ہے اور ہمارے مدعا کے لیے اسی قدر کافی ہے۔

مقدمات ثلاثہ

یقین مجررات کے لیے ہماری منطق استدلال کے تین مقدمات تھے، جن میں سے دو کوتہ ہیوم اور بکسلے نے بترتیب پورا کر دیا تھا، تیرا مختلف اصناف استبعاد کے شواہد سے پورا ہو جاتا ہے، ان مقدمات ثلاثہ کا خلاصہ یہ ہے:

① مجررات بذات خود کوئی تقابل تصور یا ناممکن الواقع شے نہیں ہیں۔ (ہیوم)

② زیادہ سے زیادہ ان کو ”انہائی حیرت انگیز“ یا ”انہائی مستبعد“ واقعات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اس لیے (الف) انسانی شہادت کی بنا پر ان کو قبول کیا جاسکتا ہے (ب) البتہ ”انہائی حیرت انگیزی“، واستبعاد کی وجہ سے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لیے جو شہادت مطلوب ہے، اس کو بھی ہر لحاظ سے انہائی حد تک قبل اعتبار ہونا چاہیے (بکسلے)

③ لیکن مجررات میں جس قسم کا استبعاد یا حیرت انگیزی پائی جاتی ہے اس کے شواہد چونکہ عام انسانوں کے مادی نفسی یا روحانی تجربات میں بھی ملتے رہتے ہیں جن کے قبول یقین کے لیے لوگ کوئی غیر معمولی شہادت طلب نہیں کرتے۔

لہذا یقین مجررات کے لیے بھی کسی غیر معمولی شہادت کی ضرورت نہیں۔
اصلی بحث یقین کی ہے

لیکن سوال یہ ہے کہ ہیوم و بکسلے کی ناقص منطق سے اگر کوئی شخص گراہ ہو گیا تھا تو کیا وہ اس منطق کا صرف تیرا مقدمہ پورا کر دینے سے راہ راست پر آجائے گا اور کیا اب صفات بالا کے پڑھ لینے سے مجررات کا کوئی منکر شدہ جائے گا مجھ کوتہ اندیشہ ہے کہ محض یہ سیاہ نقوش ایک منکر کو بھی مومن نہ بنا سکیں گے آپ کہیں کے کہ شاید استدلال ہی بودا ہے لیکن کیا دنیا کا کوئی قوی سے قوی استدلال بھی نفس اپنی قوت استدلال کی بنا پر کسی کو مجررات کا یقین دلا سکتا ہے؟ اس طویل اور یہ گل ۱۰ جو منطق کے ”اقایتم ثلاثہ“ ہیں کیا یہ سب کے سب مل کر بھی کوئی ایسی منطق یا عقلی استدلال پیدا کر سکتے تھے جو بذات خود ہر عالم و خاص کو مجررات کا یقین دلا دیتا؟ ان سوالات کا جواب فتحی میں ہے اور یقیناً فتحی میں ہے تو پھر مجررات کے متعلق خالی امکان وقوع اور شہادت وقوع کی بحث چند اس اہم نہیں رہ جاتی بلکہ اصلی بحث یقین کی ماہیت اور اس کے علل و اسباب کی ہے۔

۱۰ اس طویل اولیٰ الترتیب قیاسی و استقرائی منطق کے لام میں، جن کا تعلق اضافی حقائق و علوم سے ہے لیکن یہ گل (جرمنی) نے منطق کے زمین آسان ہی بدل دیے یعنی منطق کو با بعد الطیعتات بنایا کہ اس کے ذریعہ ہیئتہ مطلقہ کا سراغ لگانا چاہا ہے۔

یقینِ معجزات

یقین کی ماہیت

یقین کی فلسفیانہ ماہیت پر کوئی مفصل و مستقل بحث چھپیرنا مقصود نہیں ہے، نہ یہاں چند اس کی ضرورت ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ نفس تصور اور اس کے یقین میں کیا فرق ہے۔ یہاں ہمارے مقصد کے لیے صرف اتنا جان لینا چاہیے کہ ریاضی کے تصورات مجردہ **●** کی طرح امور واقعیہ (واقعات) کے متعلق ہمارا یقین ناقابل تغیر یا اطلاقی نوعیت کا نہیں ہوتا بلکہ لذت والم، حیرت و استجواب، رنج و غم، محبت و نفرت ارادہ و خواہش وغیرہ دیگر کیفیات نفسی کی طرح محض ایک اضافی و تغیر پر زندگی کیفیت کی حیثیت رکھتا ہے، جس طرح کسی واقعہ سے ہر شخص کے نفس میں کیفیات بالا کا پیدا ہونا یا یکساں طور پر پیدا ہونا بھی لازمی نہیں ہے، اسی طرح ہر آدمی کے دل میں اس واقعہ کا یقین یا ایک ہی معنی میں پیدا ہونا بھی لازمی نہیں۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں ایک روایت مذکور ہے کہ اسکندر یہ کتاب خانہ حضرت عمر رض کے حکم سے اس بیداری کے ساتھ جلا یا گیا کہ چھ مہینہ تک مصر کے حاموں کا بیندھن بنارہا، علم کافر ای اور حکمت و فلسفہ کا عاشق اس روایت کو پڑھ کر کف افسوس ملے گلتا ہے اور اس کے دل میں نفرت و غصہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بخلاف اس کے اسی روایت کو اگر ایک سپاہی پڑھتا ہے تو نہ وہ اپنے اندر کوئی نفرت و غصہ پاتا ہے اور نہ اتنا افسوس کرتا ہے اس کے نزدیک قلعہ انور پ کی بر بادی کتب خانہ اسکندر یہ کی تباہی سے کہیں زیادہ ماتم انگیز ہے لیکن یہی روایت اگر کسی صوفی عارف کی نظر سے گزرے تو رنج و غصہ کی جگہ اس کو انتہائی سرست ہو سکتی ہے کہ ”حباب اکبر“ کا یہ ”فتر“ بے معنی ”اسی سلوک کا مستحق تھا۔“ ”صد کتاب و صد ورق در نار کن“

تم نے دیکھا کہ ایک ہی چیز سے مختلف اشخاص پر مختلف بلکہ متفاہ جذبات طاری ہوئے۔ جذبات کی طرح یقین و عدم یقین کے بھی متفاہ اثرات طاری ہوئے ہیں جن اہل یورپ کے دل میں مسلمانوں کی وحشت و جہالت کا تعصب راحن تھا اور جن کی طبیعت تنقیص اسلام کی ہر شہادت کو قول کرنے پر حریص تھی انہوں نے نہ صرف شہادت کی تحقیق و تفییش کے بغیر اس خبر کا یقین کر لیا بلکہ اس کی روایتی و درایتی تضعیف کے بعد بھی ان کا یقین قائم رہا لیکن انہی اہل یورپ میں جو گروہ اس درجہ اسلام کے ساتھ عداوت نہیں رکھتا تھا کہ

● محوات کا تعلق چونکہ تاریخ اور روایت کے واقعات سے ہے نہ کہ ریاضی کی مجردات سے، اس لیے ہم مجردات ریاضیہ کے علم و یقین کی جزویت ہے اس کی بحث میں بھی بننا چاہتے ہیں دراصل یہ یقین بھی اسی اطلاقی اور اناقاب میں ہے جس کا انکار نہ ہو سکے بلکہ جیسے مطلق و مطلقی کا تواریخ و عواید ہے کہ ریاضیات کی مفروضہ قطعیت محض ایک وہم و غریب ہے جس طرح برائق کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے آدھے گھوڑے اور آدھے انسان کا یہ نہیں لازم آتا کہ برائق کا وجود تھی اور واقعی ہے اسی طرح دائرہ کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے لیکن مغلک کا جس کے لفظ قطر تمام برادر ہیں یہ لازم نہیں آتا کہ واقعہ ایسا کوئی دائرہ موجود بھی ہے انتہائی کمل کے نزدیک اس میں بھی کوئی تاقضیہ نہیں کہ دو اور تین مل کر چہ ہو سکتے ہیں۔

اس کے جذبے انصاف پسندی کو تعصب نے مغلوب کر لیا ہو، اس کو تحقیق کے بعد یہ روایت ہی سرے سے بے اصل و مصلحت خیز نظر آئی اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک مسلمان مورخ جو کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کو دامنِ اسلام پر وحشت و چہالت کا ایک بدنماد غمگھتا تھا اور کسی طرح اس کا محبت اسلام سے لبریز دل اس کے قول کرنے پر آماڈھ تھا اس کی تحقیقات نے اس روایت کو نہ صرف دشمنوں کا صریح افتراء بہتان قرار دیا بلکہ ائمۃ خودا انہی افتراء پر دشمنوں کو اصلی مجرم ثابت کر دکھایا۔

ع ہم الرا م ان کو دیتے تھے قصورا پناہ کل آیا۔ *

نظریات حکمت کا یقین

یقین کی یہ جذباتی و اضافی حیثیت صرف واقعات تاریخ و روایت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ فلسفہ و حکمت (سائنس) کے نظریات و نظارات کا یقین بھی یہی حیثیت رکھتا ہے پروفیسر جیمس نے ”ارادہ یقین“ اور ”جذبہ عقل پرستی“ * کے عنوان سے دونہیت دلچسپ مضمون لکھے ہیں ان میں اس نے دکھایا ہے کہ ہمارا یقین کس قدر خواہش وارا دیا جذبات کی اضافی کیفیات کا پابند ہے اور سائنس و فلسفہ کی بنیاد جس عقل پرستی پر ہے وہ بھی دراصل مذہب پرستی یا عجائب پرستی کی نوعیت کا ایک جذبہ ہے۔

یکسانی کا جذبہ

ایک فلسفی یا حکیم فلسفیانہ یا حکیمانہ فکر و شخص میں کیوں اپنا سر کھپاتا ہے؟ زیادہ تر اس ”خواہش“ کی بنا پر کوئی عالم میں جو ایک تشکیت و پریشانی کثرت و پر اگندگی نظر آتی ہے، کوئی ایسا اصول یا قانون دریافت ہو جائے جو اس کثرت و پر اگندگی کو وحدت و یکسانی کے رشتہ سے مربوط و مسئلہ کر دے، اس قانون و اصول کے عقلی یا صحیح ہونے کا کیا معیار ہے؟ صرف یہی کہ اس کے قبول و باور کرنے سے ہمارے دماغ کی حیرانی و پریشانی رفع ہو جاتی ہے اور کارخانہ فطرت میں یکسانی و ہمواری کی موجودگی کا ایک خوش گوارہ لذیذ احساس یا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ لذت کہ پر اگندہ واقعات دراصل کسی ایک ہی مخفی واقعہ کے مظاہر ہیں، اسی طرح کی لذت ہے جو کسی گوئی کو پر اگندہ آوازوں کے ایک لغہ یا راگ میں منتظم کر دینے سے حاصل ہوتی ہے کوئی شخص اس امر کی دلفریبی کو نہ محسوس کرے گا کہ سبب کو زمین کے ساتھ وہی تعلق ہے جو چاند کو اس کے ساتھ ہے، غبارہ اسی قانون کے ماتحت اوپر چڑھتا ہے جس کے ماتحت پھر نیچے گرتا ہے، اس یقین میں کس کے لیے لذت نہ ہوگی کہ پھاڑ پر

* دیکھو رسائل شعلی، مضمون کتب خانہ اسکندریہ، اب یہ مضمون مقالات شعلی حصہ ششم میں شامل ہے، دیکھو ص: ۱۵۔

** انگریزی میں ان دو لوگوں مضماین کے نام علی الترجیب Will to believe اور Sentiment of Rationalism جو دیگر مضماین کے ساتھ شائع ہوئے ہیں انہوں کے بیان ہم بخوب طوات اُن سے زیادہ استفادہ نہیں کر سکتے لیکن جو انگریزی دو اصحاب یقین کی حقیقت دویعت کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں ان کو یہ دو لوگوں مضمون ضرور پڑھنے چاہیے۔

چڑھنے پا درخت کے کامنے میں جس طاقت سے ہم کام لیتے ہیں وہ وہی ہے جو آفتاب کی ان کرنوں میں پائی جاتی ہے جو اس غلہ کو پکاتی ہیں جس کا صحیح ہم نے ناشتر کیا ہے۔ * نظم و یکسانی کی لذت کے لیے انسان کی فطرت جس درجہ حریص ہے اسی کو بلوظ رکھ کر ہمارے زمانہ کے ایک زبردست معلم فلسفہ پر و فیسر رداں نے تنبیہ کی ہے کہ ”جہاں کہیں بھی ہم کو کسی قانون فطرت کی وحدت و یکسانی کا یقین محسوس ہو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس احساس وحدت کا بڑا حصہ اصل فطرت کی واقعی وحدت کے بجائے اس ناقابل استعمال جذبہ پر بنی ہو سکتا ہے جو وحدت و نظم کی پسندیدگی کے لیے خود ہمارے فنون کے اندر موجود ہے۔ * یہی تعصب تھا جس کی بنا پر ایک بڑے سائنس دان نے جیس سے کہا کہ کلام فکسی کا دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو بھی تمام اہل سائنس کو اس کے دبانے اور چھپانے پر ایک کر لینا چاہیے کیونکہ اس سے فطرت کی یکسانی اور نیز بہت سی ایسی چیزوں کی تکاندیب ہوتی ہے جن کے مانے بغیر سائنس دان اپنا کام نہیں چلا سکتے۔ اس قول کو نقل کر کے جیس نے لکھا ہے کہ اگر یہی سائنس دان حضرات کلام فکسی کو سائنس کے حق میں مفید مطلب پاتے تو اس سے اغراض کے بجائے نہ صرف اس کی شہادت کی تحقیق پر آمادہ ہوتے بلکہ یہی شہادت یقین کے لیے کافی ہوتی * اب تم ہی فیصلہ کرو کہ کیا ”عقل پرست سائنس“ کے تعصبات ”وہم پرست مذهب“ کے تعصبات سے کچھ بھی کم یا مختلف ہیں؟ اور کیا اہل سائنس کا انکار مجرمات وحدت و یکسانی کے مذکورہ بالاعصب کا نتیجہ نہیں ہے؟

نظریات فلسفہ کا یقین

خیر اہل سائنس یا حکما کو تو خود ہی بڑی حد تک اس امر کا اعتراف ہے کہ سائنس کے نظریات و نوامیں زیادہ تراضی و مفرودی حیثیت رکھتے ہیں لیکن فلاسفہ یا متألهین، جو حقائق عالیہ اور صداقت مطلقہ کے چہرہ سے پرداہ اٹھانے کا دعویٰ رکھتے ہیں ان کے اصول و نظریات پر تو انسانی جذبات یا ذائقی میلانات کا سایہ تک نہ پڑنا چاہیے تھا مگر یہ کس قدر حرست انگیز منظر ہے کہ سب سے زیادہ فلسفہ ہی کے مذاہب و نظامات شخصی جذبات و خواہشات کا عکس نظر آتے ہیں! بلکہ حق یہ ہے کہ جتنے فلاسفہ اتنے ہی مذاہب، حتیٰ کہ ایک عام دلچسپ تقسیم کی رو سے فلاسفہ کی دو قسمیں یہ قرار پائی ہیں کہ رونے والے (بکائیہ) اور ہنسنے والے (ضنكیہ) فلاسفہ جن کو زیادہ سنجیدہ اصطلاح میں علی الترتیب ”شریعہ“ اور ”خیریہ“ * کہا جاتا ہے، یا اس کو ”یاسیہ“ اور ”رجائیہ“ بھی کہہ سکتے ہو، اگر نفیتی تحلیل کی جائے تو اس اختلاف کا مبنی رونے اور ہنسنے، یا س و رجا امید و نیم وغیرہ کے ذاتی جذبات و احوالوں ہی ثابت ہوں گے۔ دور جدید کا ایک زبردست فلسفی شوپنہار جس کا شمار فلسفہ کے اکابر ائمہ میں ہے اور جو فلاسفہ کی روشنی جماعت کا ایک نامور فرد ہے اس کا سارا فلسفہ ہی یہ ہے کہ صداقت مطلقہ صرف ارادہ یا

* جیس کا مضمون ”بندہ عقایت“ Sentiment of Rationality ۳۶۴۔ دیکھو اصول نظریات، جلد ۲، ص:

بکوالہ The Religious Aspect of Philosophy (فلسفہ کا مذہب یا پہلو) مصنف پر و فیسر رداں۔

** ارادوں یقین، ص: ۱۹۱۷ء۔ * اگر زری میں ان کا لقب علی الترتیب Pessimists اور Optimists ہے۔

خواہش ہے نہ کہ عقل یا فکر اور یہ ارادہ چونکہ "عقل" ہے، اس لیے اس کی کوئی غایت نہیں دنیا میں کوئی فلاحت و سعادت نہیں بلکہ یہ تمام تر بے مقصد ارادہ کا ایک کھلونا یا تماشا ہے، خارجی عالم اسی بے عقل و بے مقصد ارادہ کی محض ایک تصویر ہے۔ کرہ عقل کی سب سے اوپری سطح پر ہے اسے والے ان فلسفہ کے باہمی اختلافات بلکہ تضاد ا آ را کا یہ عالم ہے کہ جتنے مندانہی باتیں، کوئی کہتا ہے کہ دنیا تما متر عقل پر ہی ہے، کوئی مدعا ہے کہ اس کا وجود سر اپا بے عقلی ہے، کوئی شخص خدا کا یقین رکھتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ شخصی خدا ناقابل تصور ہے، کسی کو ذہن سے باہر خارجی دنیا کا اذعان ہے، کوئی ثابت کرتا ہے کہ خارجی دنیا کا وجود محض وہم و فریب ہے کسی کی زبان پر ہے کہ ایک مستقل و قائم بالذات روح ہے کوئی پکارتا ہے کہ نفس کے تغیر پر یا حال کے سوا کچھ نہیں ہے، کسی کا دعویٰ ہے کہ سلسلہ عدل لامتناہی ہے، کوئی مانتا ہے کہ نہیں ایک علة العلل ہے، کوئی انسان کو مجبور محض پاتا ہے اور کوئی مختار کوئی جد و عالم کی وحدت کا قائل ہے اور کوئی کثرت کا بظاہر مہمل سے مہمل بات بھی تم کو ایسی نہ ملے گی جس کا باور کرنے والا عاقل سے عاقل فلسفی نہ ملتا ہو۔

عقل انسانی کی انہی حیرانیوں کو دیکھ کر آدمی پکار ملتا ہے کہ کسی چیز کو حق کہنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ جب تم اس کو حق یقین کرو تو حق ہے ورنہ نہیں ॥ اور خصوصاً موجودہ زمانے میں تو اس سرعت و کثرت کے ساتھ نظریات ابل پڑے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ واقعی خیال کرنا قریباً ناممکن ہو گیا ہے، اس قدر مختلف ہندسات، اس قدر مختلف منظقوں اس قدر مختلف طبیعتی و کیمیاوی مفروضات پیدا ہو گئے ہیں کہ صحیح سے صحیح اصول کی نسبت بھی مگان ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعیت کا پرتو ہونے کے بجائے محض انسانی ذہن کی ایجاد ہے۔ ॥

مشاهدات کا یقین

تم سمجھتے ہو گے، کہ علم و یقین کی یہ اضافی یا ذہنی نوعیت زیادہ سے زیادہ اصول و نظریات تک محدود ہو گی، باقی مشاهدات و محسوسات جوان اصول و نظریات کا آخری مرجع ہیں وہ تو بہر حال کوئی اضافی شے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے متعلق زید و عمر کی نوعیت یقین میں کوئی تقاضات ناممکن ہے لیکن تمہارا یہ "ناممکن" "نصرف" "ممکن" بلکہ واقعہ ہے۔

دن رات کے ان معمولی تجربات کا تو ذکر ہی کیا کہ ایک چیز جو ایک آدمی کو خوبصورت معلوم ہوتی ہے دوسرے کو بد صورت نظر آتی ہے، ایک کو خوش مزہ محسوس ہوتی ہے دوسرے کو بد مزہ، آلات حس و مشاہدہ کی ساری دنیا عبارت ہے، رنگ و بو، آواز و مزہ، سردی و گرمی، شکل و صورت، طول و عرض، (اتمداد) پختی و بلندی، دوری و نزدیکی سے لیکن کیا ان میں سے ایک شے کے متعلق بھی عامی، حکیم اور فلسفی سب کا یقین یکساں نوعیت رکھتا ہے۔ عامی آدمی اپنے حواس کی نمکورہ بالا ساری دنیا کو خوس خارجی حقائق یقین کرتا ہے لیکن حکیم یا

• ارادہ، یقین Theories of Knowledge (نظریات علم) از پروفیسر و اکیس ۳۳۲ جوالہ۔

• حقیقت صفات (The Meaning of Truth) ص ۵۸۔

سائنس دان کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں اور آج کل کے سائنس دان تو بار بار اس حقیقت کو دہراتے رہتے ہیں کہ اشیاء دراصل وہ یا ویسی نہیں جیسی کہ ہمارے حواس کو محسوس ہوتی ہیں۔“ (ماڈرن بلیف صفحہ ۵۶) ذہن یا احساس سے باہر نہ کوئی رنگ ہے نہ بو، نہ کوئی آواز ہے نہ مژہ، لیکن حکمت کو چونکہ اپنی تحقیقات میں قدم تقدم پر مادہ و قوت کے الفاظ دہرانا پڑتے ہیں اس لیے خالص حکیم کے دل میں مادہ پرستی کا ایک ایسا جذبہ دیلان پیدا ہو جاتا ہے کہ باوجود اس اقرار کے کہ ”مادہ“ کسی نامعلوم شے کا نام ہے، پھر بھی کسی نہ کسی مفہوم میں اس کے وجود خارجی کے یقین پر اپنے کو مجبور پاتا ہے بخلاف اس فلسفہ یا بال بعد الطیعیات کا عالم چونکہ حکیمانہ تقبیبات سے بالاتر ہے، لہذا بے جھوک سرے سے وجود مادہ ہی کا انکار کر دیتا ہے، اس کے نزدیک اس جو کچھ وجود ہے وہ ذہن یا نفس کا، مگر یقین کی گردن دلائل سے کب حکمتی ہے ممکن ہے کہ چند لمحات کے لیے حکیم یا فلسفی عالم رنگ و بویا مادہ کے وجود فی الواقع کے خلاف یقین پر قائم رہ سکتا ہو، لیکن بالآخر اس کو جبلت کی حکومت قاہرہ اسی نقطہ پر واپس لاتی ہے جہاں سے غور و فکر نے اس کو منحرف کیا تھا اور شب دروز کی زندگی میں وہ عالم رنگ و بو کے وجود خارجی پر اسی طرح اذعان رکھتا ہے جس طرح ایک عامی آدمی۔ غرض یقین اپنی ماہیت کی رو سے تمام تر صرف ایک نفسی دیلان ہے جو نہ علم کا پابند ہے، نہ جبل کا، جس کا انحصار نہ عقل پر ہے، نہ بے عقلی پر، جو نہ کچھ پر موقوف ہے، نہ جھوٹ پر، وہ فلسفہ، حکمت، علم و عقل سب چیزوں سے پیدا ہو سکتا ہے اور کسی سے بھی نہیں پیدا ہو سکتا اور جب پیدا ہونا چاہتا ہے تو کلیفر ڈ کے اس مشورہ کا منہ نہیں دیکھتا کہ ”جھوٹ پر یقین کرنے سے بہتر ہے کہ بیشہ یقین کے بغیر ہو۔“ کیا عجیب بات ہے کہ یقین کی اس ماہیت پر بھی کہ وہ دلائل کا کوئی منطقی نتیجہ نہیں بلکہ حض ایک ذہنی دیلان ہے خود اس شخص کی نکتہ رس نظر پر ہی تھی جو یقین مجہزات کا سب سے بڑا خالف ہے چنانچہ ”ارٹاٹیلیں“، ”سو سائی“ کے ایک ممبر برادر نامی نے ۳۲ سال ہوئے ہیوم کے نظریہ مجہزات پر ایک مضمون کے ضمن میں خود ہیوم کے اصول کی بنابر لکھا ہے:

”ہیوم کے یقین مجہزہ سے اس لیے انکار ہے کہ مجہزہ گزشتہ مستمر تجربہ کے منافی ہوتا ہے مثلاً: گزشتہ تجربہ یہ ہے کہ الف کے بعد بیشہ ب طاہر ہوتا رہا ہے جس سے ہمارے اندر ایک قوی یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی ”ب“، بیشہ ”الف“ کے تالع ہوگا، ایک نہ بھی آدمی مجہزہ پر اس لیے یقین کرتا ہے کہ اس کے اندر عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے یقین کا ایک فطری دیلان موجود ہے، جن سے مدد کی تائید ہوتی ہو دونوں صورتوں میں یقین کا نفسیاتی سبب ظاہر ہے، ہیوم کا عدم یقین اس کے اس فطری دیلان پر مبنی ہے کہ جو کچھ پہلے ہوا ہے وہی آئندہ بھی ہو گا اور نہ بھی آدمی کا یقین اس کی عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے قبول کرنے کے

* دیکھو اسٹاٹیلیں سو سائی (جمعیۃ ار-طاطالیمیہ) لندن کی رواداد بابت ۱۹۱۲ء ص: ۹۲۔

فطری میلان پر ہی ہے جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو لیکن خود ہیوم کو تسلیم ہے کہ گزشتہ مفتر
تجربہ سے آئندہ پر حکم گانے کا ہم کوئی منطقی حق حاصل نہیں ہلہاذ ہی آدمی کا یقین مجرمات پر
اور ہیوم کا یقین قوانین فطرت پر (جس کا نتیجہ مجرمات کا عدم یقین ہے) منطق کی نگاہ میں
دونوں بالکل یکساں حیثیت رکھتے ہیں دونوں صورتوں میں یقین نفیاتی علت پر ہی ہے اور کسی
صورت میں بھی کوئی منطقی علت ہیوم نہیں پیش کر سکتا۔

جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یقین کی ماہیت صرف ایک طرح کا غیر منطقی میلان نفسی ہے تو اس کے
اسباب کی جگہ منطق و فلسفہ کے دلائل میں بے سود ہے، منطق یا فلسفیانہ دلائل زیادہ سے زیادہ میلان یقین کی
تقویت و تضعیف کا کام دے سکتے ہیں لیکن خود اس میلان کی تخلیق ان کے بس سے باہر ہے یہ میلان بذات
خود ایک نفسی حقیقت ہے لہذا اس کے اسباب تخلیق کا سراغ نفیات (علم النفس) ہی کے اور اس میں مل سکتا
ہے کم و بیش تمام علمائے نفیات نے یقین کی ماہیت و اسباب پر بحث کی ہے لیکن ہمارے لیے یہاں علم النفس
عام فضیل طلب طرز بحث سے ہٹ کر کسی قد ر مختلف اور مختصر راہ زیادہ مناسب ہو گی۔

نفیات یقین

البتہ بنیاد بحث کے لیے استناد اسی معتبر شہادت کا سامنے رکھنا ضروری ہے، جس کے لیے عبد حاضر
میں امریکہ کے سب سے بڑے استاد نفیات پروفیسر ولیم ہیمس کا نام مستند ترین ضمانت ہو سکتا ہے، اس لیے
پہلے ہم پروفیسر موصوف کی کتاب "اصول نفیات" کے باب احساس حقیقت (جلد دوم) سے اسباب یقین
کے متعلق چند اصولی باتیں بلطفظ نقل کرتے ہیں۔

① "معالجات (تماییر شفا طبی)" کے بارے میں انسان کی زود اعتمادی اسی قسم کے نفسی اسباب یعنی
جنرباتی (احوال) پر ہی ہے، حتیٰ کہ جب کوئی محبوب و عزیز شخص خطرناک بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو تو ناگوار
سے ناگوار شے بھی زود اعتمادی کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی (خصوصاً عورتوں کے لیے) جس شے میں کچھ بھی
امید و شفا ہواں کے کرنے سے تسلی حاصل ہوتی ہے لہذا جو علاج بھی ایسی حالت میں تجویز کیا جائے وہ آتش
گیر ماڈے کے لیے چنگاری کا کام دیتا ہے، طبیعت فوراً اس پر عمل کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے، آدمی اس علاج کا
سامان کرتا ہے اور کم از کم ایک دن کے لیے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ خطرہ جاتا رہا لہذا معلوم ہوا کہ یقین
آفرینی کے بڑے اسباب امید و نیم وغیرہ کے جذبات ہیں جن کے احاطہ اقتدار میں ماضی مستقبل اور حال
تینوں داخل ہیں۔"

اس کے بعد وسرے صفحہ پر ہے کہ

۱۔ اصول نفیات، ج ۲، ج ۳۰: ۳۱۱۔

② ”سب سے زیادہ یقین آفرین وہ نظریہ ہوتا ہے جو ہمارے محسوسات کی تشفیٰ بخش توجیہ کے علاوہ ایسی چیزیں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو جو سب سے زیادہ دلچسپ ہوں اور جو ہمارے حاسہ جمال پرستی اور جذباتی و عملی ضروریات کو سب سے زیادہ ممتاز کرتی ہوں۔“

لیکن ہم کو یہاں نفیات یقین کے متعلق اصل میں جس مختصر متن کی شرح کرنی ہے وہ یہ ہے کہ

③ ”ارادہ (خواہش) اور یقین (جس کے معنی نفس اور اشیاء کے مابین ایک خاص تعلق کے ہیں) ایک ہی نفیاتی واقع کے دونام ہیں۔“ *

خواہش یقین

ارادہ اور یقین کے ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے یقین کے لیے لازمی ہے کہ پہلے دل میں اس کے یقین کا ارادہ یا خواہش پیدا ہو یقین ایک قسم کی تشفیٰ ہے جب تک اس کے لیے طلب و شکنی نہ موجود ہو یہ نہیں حاصل ہوتا، پانی پینے اور اس سے سیراب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے پیاس لگے لیکن اکثر پیاس لگنا ہی پانی پی لینے کے لیے کافی نہیں ہوتا بلکہ شرط یہ ہے کہ اس کے پینے سے کوئی روکنے والا خیال موجود نہ ہو، مثلاً: پانی کا دشن کے ہاتھ سے ملانا، اس کی ناپاکی کا شہبہ یا کسی بیماری کے لیے اس کے مضر ہونے کا اندازہ اسی طرح نفس پیاس کے علاوہ کبھی کبھی ترمیمات کی موجودگی بھی پانی پینے پر آمادہ کردیتی ہے، مثلاً: گرمی کے موسم میں کسی دوست کے بیہاں صفائی و نفاست کے ساتھ کوری کوئی صراحیوں میں مختندا پانی رکھا ہوا اور ان کے آس پاس لکھنٹو کے نازک کاغذی آبنوارے پنے ہوں تو بے پیاس کے پیاس لگ آتی ہے۔

موانع و مسویات یقین

یقین کی صورت میں ہم ان دونوں چیزوں کو علی الترتیب خواہش یقین کے موانع اور مسویات سے تعبیر کریں گے، جب کوئی چیز یقین و اذعان کے لیے پیش کی جاتی ہے تو خواہش اور اس کے موانع و مسویات میں باہم ایک نفسی معرکہ آرائی ہوتی ہے اور یقین یا عدم یقین کا فیصلہ اس معرکہ آرائی کے آخری نتیجہ پر مختصر ہوتا ہے اگر خواہش یقین زیادہ قوی ہے تو وہ بلا مسویات کی اعانت کے موانع پر غالب آ جاتی ہے اگر موافع زیادہ قوی ہیں تو وہ خواہش کو مغلوب کر دیتے ہیں اگر موافع سرے سے نہیں موجود ہیں تو تباہ خواہش کافی ہو سکتی ہے یا اگر موافع بہت ہی معمولی درجہ کے ہیں تو ضعیف سے ضعیف خواہش بھی اپنے مسویات کی مدد سے ان کو زیر کر لے گی عقلی یا منطقی دلائل کو زیادہ سے زیادہ انہی موافع و مسویات کی صفت میں جگہل سکتی ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اس معرکہ کے تینوں (خواہش) موافع اور مسویات پہلو انوں کا اصلی حرہ جذبات ہی ہوتے ہیں۔

اب اوپر اقتباس اول میں جیسے نے جو مثال دی ہے، اس کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ یقین کے پیدا کرنے

میں خواہش و ارادہ کو کیا دھل ہے اور مویدات و موانع کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے؟ فرض کرو کہ زید کے گھر میں ایک شخص بیٹیوں سے مریض پڑا ہے، جبی علاج کوئی کارگرنیں ہوتا، ایک دوست آ کر کہتا ہے کہ شہر میں ایک مقنی پر ہیز گارا در بے طبع بزرگ ہیں جن کی دعا سے بہتوں کو فائدہ ہوا ہے تم بھی انہی کی طرف کیوں نہ رجوع کرو۔ ظاہر ہے کہ زید کے دل میں اس مریض کے لیے شفاطی کی خواہش موجود ہے، اب اگر اس کو بزرگوں سے بد عقیدگی (مانع) نہیں ہے، تو بے تکلف دوست کے مشورہ پر عمل کے لیے آ مادہ ہو جائے گا اور طبیعت میں کم از کم کچھ دیر کے لیے شفا کی ایک امید بندھ جائے گی، جس کا نام میلان یقین ہے، اب بزرگ موصوف کے پاس پہنچ کر وہ دیکھتا ہے، کہ اہل حاجت کا میلہ لگا ہوا ہے، پھر ان کے اتفاق اور بے لوثی کی کچھ مشایل آنکھ کے سامنے آتی ہیں، لازماً ان چیزوں سے زید کے میلان یقین کی اور تائید و تقویت ہوتی ہے۔ لیکن اگر اس کو بزرگوں سے بد عقیدگی ہے، وہ نہایت سخت مخدو مادہ پرست ہے، تو اسی حالت میں وہ دوست کے مشورہ پر عمل کرنے کی جگہ ائمہ اس سے طرح طرح کی بخشیں کرنے پر آ مادہ ہو جائے گا، دعا کے اثر کو قانون فطرت کے منافی بتائے گا، اس کی شہادت پر جرح کرے گا، جو لوگ ان بزرگ کے پاس حاجت لے کر جاتے ہیں، ان کو ادھام پرست کہے گا اور اپنے اندر کوئی میلان یقین نہ محسوس کرے گا۔

البتہ اگر یہی مادہ پرست و بد عقیدہ زید ایک دولت مند آدمی ہے، مریض خود اس کا اکلوتا، نوجوان اور ہونہار لڑکا ہے جو اس کی دولت کا تہباوارث اور خاندان کا ایک ہی چراغ ہے جس مرض میں اپنے بوڑھے باپ کی تمام امیدوں اور آرزوؤں کا یہ مرکز مبتلا ہے وہ نہایت خطرناک ہے، ذاکر اور اطباء علاج کرتے کرتے تھک گئے اور جواب دے پچکے ہیں ان حالات میں زید کی خواہش شفاطی جس درجہ توی ہوگی، معلوم ہے، انہی موانع کے لیے کہا جاتا ہے کہ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے، اب زید کی ساری بد عقیدگی و ہدایت رہ جائے گی، دوست کا مشورہ اس کی مایوسیوں میں امید کی ایک جھلک ثابت ہوگا، اس کی انتہائی طلب و شکنی، الحاد و مادہ پرستی کے تمام دلائل و موانع پر غالب آئے گی اور وہ بلا بحث و بحث دوست کے ساتھ ہو جائے گا اور حقیقتی ہی زیادہ اس کی خواہش توی ہوگی، اتنی ہی زیادہ امید و یقین کے ساتھ یہ ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ لیکن اگر زید کے الحاد و بد عقیدگی کا جذبہ اتنا زبردست ہے کہ وہ اس کی توی سے توی خواہش شفاطی کو بھی زیر کر سکتا ہے تو بڑے سے بڑے بزرگ کی بزرگی بھی بیکار ثابت ہوگی اور دوست کی جانب سے دعا کی شفابخشی کے دلائل و شواہد کا اگر انبار بھی لگا دیا جائے تو رائیگاں جائے گا «خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ» (۲/ انہ سر ۷۵) میں غالباً اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے ایمان و یقین کا حاصلہ قلب ہے اگر وہ مختوم ہے تو پھر عقل انسانی کی کوئی منطق اس مختومیت کا ازالہ نہیں کر سکتی۔ ساروں کے دل میں ذوق ایمان کی کچھ نہ کچھ تشنیخی موجود تھی، حضرت مولی علیہ السلام کا مجھہ دیکھ کر بے اختیار سر بجوہ ہو گئے اور پکارا ہے «أَمَّا كَيْرَتْ

ہر دُن و مُوسیٰ)۔ (۷۰/ظ) لیکن کیا فرعون کے معاند و مختوم قلب پر بھی کوئی مجرا اثر کر کر کا؟ انہیے کرام ﷺ خصوصاً سید الانبیاء ﷺ کی حیات طیبہ تمہارے سامنے ہے "سیرۃ النبی ﷺ" میں ابتدائی قبول اسلام کے صفات پر ہر سڑ ذوق ایمان و طلب یقین کے مذکورہ بالتفصیل حقائق سے معمور ملے گی۔

نفیات یقین کی شہادت و اعقات سیرت سے

حضرت ابوذر رغفاری ﷺ کے قبول اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بت پرستی سے تنفس ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے، انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص آنحضرت ﷺ جو نبوت کا داعویٰ کرتا ہے، اس کی تعلیم و تلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے اور واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکار م اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔ ان مویدات یقین کے بعد حضرت ابوذر ﷺ خود مکے گئے اور گواس وقت مکی سرز میں پر اعلان اسلام کے لیے نہایت خطرناک موانع موجود تھے، تاہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے بعد ذوق ایمان کی تشقی نے اتنا جوش پیدا کر دیا کہ عین حرم کے اندر حضرت ابوذر ﷺ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کر کے کہا کہ (اشهد ان لا الہ الا اللہ و اشهد ان محمدًا عبدہ و رسولہ) اس اعلان کی بدولت جان پچھنی مشکل ہو گئی۔

حضرت حمزہ ﷺ کو آپ ﷺ سے خاص محبت تھی، آپ سے صرف دو تین بڑے تھے اور ساتھ کھیلے تھے وہ گواہی تک ایمان نہیں لائے تھے لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، دل میں نور حق موجود تھا، بالآخر ان بے رحمانہ ایڈ اؤں نے جو دشمنان اسلام آنحضرت ﷺ کو پہنچاتے تھے، اظہار اسلام پر بے تاب کر دیا۔ اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو متعدد تھے کہ "آبائی دین کو دفعتہ کیوں کر چھوڑ دوں تمام دن سوچتے رہے آخ غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے۔" * موانع یقین موجود تھے لیکن دین حق کے قبول اور اس کے داعی کی حمایت کا جذبہ ان موانع سے قوی تر تھا۔ قیصر روم کے پاس جس وقت داعی اسلام ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا اور قیصر ابوسفیان میں باہم جو گفتگو ہوئی اس کے بعد گو قیصر کے خمیر میں ایمان و اذعان کی روشنی پیدا ہوئی اور اس نے کہا کہ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک خیبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہو گا میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا، لیکن قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہل دربار تخت برہم ہو چکے تھے نامہ مبارک پڑھے جانے کے بعد اور بھی برہم ہوئے یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھا دیا اور گواس کے دل میں نور ایمان آ چکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی۔ * تخت و تاج کی حرث دولت ایمان کی ترغیب سے قوی تر

۱۔ یہ پورا تحریر پڑھنے کے لائق ہے، دیکھو سیرۃ النبی ﷺ طبع بہارج دوم، جس: ۲۲۳۔

۲۔ سیرۃ النبی ﷺ طبع بہار جلد اول، جس: ۱۶۸۔

۳۔ ایضاً پر امام کا پڑھو۔

ثابت ہوئی۔

خرس و پریز کے تاریک دل میں قیصر روم کے برابر بھی ایمان کی روشنی نہ تھی، اس پر طرہ یہ ہوا کہ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلطین کو جو خطوط لکھتے تھے، ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا، بخلاف اس کے نامہ مبارک پر پہلے خدا کا نام اور پھر غرب کے دستور کے موافق رسول اللہ ﷺ کا نام تھا، خرس نے اس کو اپنی تحریر سمجھا اور بولا کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے پھر نامہ مبارک چاک کر دلا۔ لیکن چند روز کے بعد خود سلطنت عجم کے پرزاے اڑے۔ اسی قسم کے واقعات کی بنابر مصنف سیرت نے اوائل دعوت میں اسلام لانے والوں اور ان کے مخالفین کے جو مشترک خصائص گنانے ہیں، ان سے بھی تمام تر یقین کے انہی اصول و اسباب کی تائید ہوتی ہے، جو اور پر بیان ہوئے ہیں، تفصیل کے لیے خود سیرت (جلد اول) کی طرف رجوع کرنا چاہیے یہاں اختصار کے ساتھ صرف ضروری خلاصہ کا اعادہ کیا جاتا ہے۔
اسلام لانے والوں کے خصائص مشترک۔

- ① اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاش حق میں سرگردان اور فطرۃ نیک طبع و پاکیزہ اخلاق تھے، حضرت ابو بکر، حضرت صحیب اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہم وغیرہ کا شمار انہی طالبان حق میں ہے۔ (خواہش یقین)
- ② بعض صحابہ ایسے تھے جو احادیث کے تربیت یافتہ تھے، یعنی وہ لوگ جو زمانہ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کا پیر و کہتے تھے۔ (موانع یقین کی کمی)
- ③ یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسے تھے، مثلاً: عمار، خباب، ابو قیم، صحیب رضی اللہ عنہم وغیرہ جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی (موانع کی کمی)

قریش سے بڑھ کر اسلام کا کون دشمن ہو گا لیکن ان کی دشمنی کے کیا اسباب تھے؟

- ① مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی قریش بمساگان خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندان الہی کہلاتے تھے جس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاہد و کلید بردار تھے۔ عرب ایک مدت سے بت پرستی میں بتلا تھا، خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو سال میں موجودوں سے مزین تھی۔

اسلام کا اصلی فرض اس طسلم کو برآ در دینا تھا لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالم گیر اثر کا بھی خاتمه تھا، اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان کا اندر یہ شدھا، اسی قدر وہ مخالفت میں سرگرم تھے۔

- ② قریش کو عیسایٰ یحییٰ سے بالطبع نفرت تھی لیکن اسلام اور عیسایٰ یحییٰ میں بہت سی باتیں مشترک تھیں سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ

آنحضرت ﷺ عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

③ ایک بڑا سبب قائل کی خاندانی رقبت تھی۔ قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یکدیگر تھے، بنوہاشم اور بنوامیہ۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو خاندان بنوامیہ اپنے رقیب (باشم) کی فتح خیال کرتے تھے، اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت ﷺ کی خالفت کی۔

④ ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بد اخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں، بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بد اخلاقیوں کے مریکب تھے، ابواب نے حرم محترم کا غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا تھا، اخن بن شریق نام و کذاب تھا، نظر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، آنحضرت ﷺ ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے، دوسری طرف ان بد اخلاقیوں پر سخت دار گیر کرتے تھے، جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی، قرآن مجید میں پیغم علمای ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں۔

غرض اولاً تو ان قریش میں ایمان و یقین کی خواہش کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ نادیا اگر نفس خواہش کچھ موجود بھی ہوتی تو مذکورہ بالاموانع اس قدر روز دست تھے کہ جب تک یہ نہ ہٹا دیے جاتے، اس خواہش کا ظہور ناممکن تھا۔ یقین کے متعلق اس ساری لفظوں کا حصل یہ ٹھہرتا ہے کہ

① بذات خود یقین عام انسانی جذبات و احساسات ہی کی طرح کا ایک نفسی میلان یا ذہنی کیفیت ہے فلسفہ و حکمت، بلکہ ریاضی تک کے منطقی دلائل سے جو یقین پیدا ہوتا ہے اس کی مابینت بھی اس نفسی میلان سے زیادہ میلان نہیں ہے۔

② یقین کی بنیاد عقلی و نقلي تمام چیزوں میں یقین کی نفس خواہش اور پھر اس خواہش کے موانع و مویدات کا وزن ہے۔

③ ان بندیاکی اسباب یقین کی تعمیر تمام تر ان جذبات و معتقدات اور مزاعمات و مفروضات (علوم عقلیہ) سے ہوتی ہے جو کسی شے کے قبول و یقین کو پیش کرنے سے پہلے افراد یا جماعت کے نفس میں جاگزیں ہوتے ہیں۔ لہذا اب دیکھنا یہ ہے کہ مجرزات کے یقین و قبول کے لیے کس قسم کے معتقدات کی نفس میں پہلے سے موجودگی لازمی ہے۔

غاییت مجرزات

مجزہ منطقی دلیل نہیں

اوپر آغاز کلام میں مجرزہ کا جو مفہوم بیان کیا جا چکا ہے، اس سے معلوم ہوا ہو گا کہ مجرزہ نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے، البتہ جو شخص مذہب کا قائل ہے، غیب پر ایمان رکھتا ہے اور اس سنت الہی کا معتقد ہے کہ بندوں

کی ہدایت و راہنمائی کے لیے خداوند ہی کے اندر سے کسی نہ کسی برگزیدہ بندہ کو اپنے پیام کے ساتھ بھیجا رہا ہے، اس کے سامنے جب کسی مقدس انسان کی طرف سے اس پیام کے حال یا نبی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور یہ داعی الہ اپنے ظاہری و باطنی کمالات اخلاقیہ و اوصاف حمیدہ کے لحاظ سے عام انسانوں سے بر تنظر آتا ہے تو اس شخص کے دل میں ایمان کی ایک لمبڑیا ہوتی ہے، اب اگر اس پیغمبر سے کوئی مجذہ نہما واقعہ ظاہر ہوتا ہے یا اس کی طرف کسی مجذہ کا انتساب کیا جاتا ہے تو وہ اس کی صداقت کی ایک آیت یا نشانی کا کام دیتا ہے، جس سے ذوق ایمان کی تقویت ہوتی ہے اور اس طرح ایمان کے تنشہ کام نفوس کے لیے ایک معنی کر کے مجذہ برہار است خود نبوت کی نہیں، البتہ مدعی نبوت کی صداقت کی ایک نفسی دلیل بن جاتا ہے۔

مجذہ کی اصلی غایت

اس دلیل یا آیت کی جو غرض و غایت ہو سکتی ہے اس کی نفسی حقیقت کو یوں سمجھو کر مذہب کی بنیاد تمام تر اسرار و غیوب پر ہے، سب سے بڑا سر یا غیب بلکہ غیب خود خدا کا وجود اور اس کی ذات ہے، حشر و نشر، جن و ملک، وحی والہام تمام چیزوں ایک عالم غیب ہیں، نبوت نام ہے اسی عالم غیب کے ساتھ روایط و علاائق کا، مجذہ میں بھی چونکہ ایک طرح کاغذ پایا جاتا ہے یعنی وہ عالم ظاہری کے سلسلہ علل و اسباب سے الگ معلوم ہوتا ہے، اس لیے جو شخص غیب پر ایمان رکھتا ہے، اس کا نفس قدر رہا اس یقین کی جانب مائل ہو جاتا ہے کہ جس برگزیدہ انسان سے مجذہ ظاہر ہوا ہے وہ عالم غیب سے خاص تعلق رکھتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص سرے سے ایمان نہیں رکھتا یعنی سرے سے خدا اور مذہب ہی کا منکر ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے مجذہ تصدیق نبوت کی نہ کوئی دلیل بن سکتا ہے اور نہ آیت۔ کسی نبی کے صادق یا کاذب ہونے کا تصریح تو اس کے بعد کی شے ہے کہ پہلے آدمی کا نفس اس امر کا قائل ہو کہ خدا کا کوئی وجود ہے اور وہ ہدایت خلق کے لیے انہیا کو بھیجا یا بھیج سکتا ہے جو آدمی نقطۂ خط یا سطح وغیرہ مبادی اقلیدیں ہی کا قائل نہیں اس کو تم اقلیدیں کی کوئی شکل کیسے سمجھا سکتے ہو جس طرح علوم کی فرعی تفصیلات کے ماننے کے لیے پہلے ان کے مبادی کا ماننا لازمی ہے اسی طرح تفصیلات مذہب پر یقین کرنے کے لیے پہلے نفس مذہب کا یقین ضروری ہے۔

”جو شخص کسی فوق الفطرت ہستی اور انسانی معاملات میں اس کی مداخلت کا پہلے ہی سے قائل نہیں ہے اس کے سامنے اگر کسی انسان کی نسبت فوق الفطرت یا خارق عادت با توں کی روایت کی جائے تو وہ ان کو مجذہ نہ مانے گا مجذہات سے خود خدا کا وجود ثابت نہیں کیا جا سکتا اس لیے اگر خدا کا اعتقاد پہلے ہی سے نہ موجود ہو تو کسی فوق الفطرت ہستی کی مداخلت کے علاوہ مجذہ نہما واقعات کی اور بھی توجیہات ممکن ہیں، یہاں تک تو ہیوم کی دلیل بامعنی کہی جا سکتی ہے لیکن

اگر ایک ایسی ذات کا وجود قطبی یا غالب طور پر مان لیا جائے جو موجودہ نظام فطرت کی خالق ہے اور اس لیے اس میں تغیر و ترمیم بھی کر سکتی ہے تو یہیم کی دلیل یہ معنی ہو جاتی ہے جب تم نے خدا کو مان لیا تو پھر جس شے کو اس کے ارادہ نے پیدا کیا تھا اس پر اس ارادہ کا براہ راست عمل واشر خواستہ کا فرض نہیں رہتا بلکہ ایک سمجھیہ "امکان" بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں سوال کی نوعیت ہی بدلتی ہے اور خدا کی مداخلت یا عدم مداخلت کا فیصلہ اس بحث پر ٹھہرتا ہے کہ کائنات فطرت میں اس کی سنت عمل کیا رہی ہے یا عقل اکیار ہنا چاہیے۔ *

غرض مجذہ کو مجبہ کر اس کے یقین و قبول کی اولین شرط یہ ہے کہ آدمی پہلے غیب (خدا اور نہ ہب) پر ایمان رکھتا ہو اس کے بعد دیکھو کہ مجذہ کی مذکورہ بالا نایت اور اس پر یقین کی اولین شرط کو پیش نظر کر کر وقوع مجذہ کی مختلف صورتیں یا تو جیہات کیا ہو سکتی ہیں جزئی شوق یا فرعی احتمالات سے قطع نظر کر کے جن سے قدیم و جدید علم کلام کا دفتر پر ہے، اصولی طور پر صرف وہی دو صورتیں نہیں ہیں جن کی جانب ملنے اقتباس بالا میں اشارہ کیا ہے۔ پہلی صورت: یہ ہے کہ خدا نے کارخانہ عالم چلانے کے لیے کچھ اصول و قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن کے مطابق اس کل کا ہر پر زہ اپنی اپنی جگہ پر کام کرتا رہتا ہے اور ارادہ الٰہی اپنی اس سنت جاریہ میں کبھی کسی حالت میں تغیر و تبدل نہیں کرتا بقول اپنوزا کے کہ "خدا کی خدائی اور اس کی حقیقی عظمت و حکمت کا اظہار اسی سے ہوتا ہے کہ عالم ایک بند ہے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو قدرت خداوندی کے معنی یہی ہیں کہ کارخانہ فطرت اپنے ازلی یا ائلی قوانین کا تابع ہے۔ *

اس احتمال کی رو سے مجذہ کا دفع بھی انہی ازلی قوانین کی کسی نہ کسی ایسی کارفرمائی کے ماتحت ہونا چاہیے جس کا کم از کم ظہور مجذہ کے وقت عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا اور اس لیے مجذہ جو دراصل محض ایک فطری واقعہ ہوتا ہے بظاہر لوگوں کو مجذہ نظر آتا ہے مثلا: جس وقت تک عمل تنویم کے نفسی قوانین فطرت کا اکتشاف نہیں ہوا تھا عصائی موسوی کا اڑو دھا بن جانا مجذہ تھا لیکن آج اس نفسی قانون کے جانے والوں کے لیے کری کا شیر بن جانا فطری واقعہ ہے اور عصائی موسوی کے اڑو دھا نظر آنے کی بھی اس سے توجیہ کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس توجیہ سے کسی طرح نہیں نکلتا کہ حضرت موسیٰ ﷺ کے عهد میں یہ واقعہ مجذہ نہ تھا، اس لیے کہ اس زمانہ تک

* دیکھو Three Essays on Religion (نہب پر تین مضامین) مطبوعہ ایشیا کمپ پرنسپس: ۱۹۸۶ء نیز نظام منطق کتاب سوم باب ۲۵ فصل ۲، اسی میں مل نے ایک اور غلط فہمی کا بھی ازالہ کیا ہے کہ خدا کو مان لینے کے بعد مجذہ و کوئی نظر کا سرے سے خارق ہی نہیں کہا جا سکتے پھر کواد پر بھیکلو کوئی نہیں مانیا جائیں نہ ہو تو اس صورت میں اس کا زمین پر لوٹ کرن گرنا یا ہوا میں معلق رہنا بے شک خلاف فطرت ہوگا لیکن اگر اس کوچ میں کوئی روک لے تو زمین پر نہ گرنا بالکل خارق عادت نہ ہوگا کیونکہ مانع موجود ہے مجذہ کی صورت میں جو ارادہ خداوندی معمول سلسلہ عمل و اسباب کا خالق ہے وہی اس کے عمل سے مانع ہو جاتا ہے لہذا مجذہ نہ خلاف فطرت ہے اور نہ بالعادت کیونکہ عمل علت کی شرط تو یہ ہے کہ کوئی مانع نہ موجود ہو اور یہاں موجود ہے۔

2 اپنوزا جدید فلسفہ کا ایک نامور امام ہے دیکھو وہ مصنفات Spinosa's Work جلد اول ساہب ۲ بحث مجذہات۔

مجھرہ کی وہ غایت جس کا بھی اوپر ذکر آچکا ہے اس واقعہ سے پوری طرح حاصل تھی یعنی اس میں ایک طرح کا غیب پایا جاتا تھا اور اس کا وقوع عالم ظاہری کے سلسلہ ملک و اسباب سے الگ معلوم ہوتا تھا، لہذا اس سے نبی کی تصدیق کا (جو عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے) نفس میں میلان پیدا ہو سکتا تھا جیسا کہ ساروں کے نفس میں پیدا ہوا، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔ البتہ آج یہ واقعہ البرٹ مول یا ولیم جیمس کے سامنے بیان کیا جائے تو وہ اس کو بجاۓ مجھرہ کے صرف ایک فطری واقعہ سمجھنے کا حق رکھتے ہیں اس لیے اب اگر کوئی نبی یا ولی اپنی نبوت یا دلائل کی تصدیق کامیلان کسی مجھرہ یا کرامت کے ذریعہ سے مول اور جیس وغیرہ کے دل میں پیدا کرنا چاہے تو کوئی ایسی نشانی ظاہر کرنا ہوگی، جس کی توجیہ سے ان کا موجودہ علم اسی طرح عاجز ہو جس طرح کہ انبیاء سابقین کے زمانہ میں ان کے معجزات کی توجیہ سے اس وقت کا علم عاجز تھا یا بعض کی توجیہ سے اب بھی عاجز ہے، مثلاً: شق قمر لیکن اصل یہ ہے کہ عمل تنویم کے تجربات میں اگر تھوڑی ہی قیاسی وسعت اور پیدا کر لی جائے تو شق قمر وغیرہ تقریباً ہر قسم کے خوارق کی توجیہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس عمل کا دار و مد ارتقاء متر عامل کی قوت اثر آفرینی اور معمول کی اثر پذیری پر ہے، یہ نفسی تاثیر و تاثر کم و بیش ہر انسان میں موجود ہے جس کی ادنیٰ مثالیں ہم کروزان کی معمولی زندگی میں ملتی رہتی ہیں، ہماری زبان کی ایک عامیانہ مثل ہے کہ ”خر بوزہ کو دیکھ کر خر بوزہ رنگ پکڑتا ہے۔“ جس کے یہی معنی ہیں کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے اوضاع والاطوار سے اثر پذیر ہوتا ہے، یہی صحبت کے فوائد اور بری صحبت کے مضار کا بھید یہی نامحسوس تاثر ہے، جس قدر کسی شخص کی قوت ارادی یا قوت تاثیر زبردست ہوتی ہے اسی قدر رزیادہ دوسروں پر اثر ڈال سکتا ہے۔ دنیا کے اکابر رجال کی کامیابی کا ایک بڑا راز یہی قوت رہی ہے ان کے صرف کہنے کا لوگوں پر جو اثر پڑتا ہے وہ دوسروں کے دلائل و برائین کا نہیں پڑتا، اس کی بہترین زندہ مثال گاندھی جی ہیں، انہوں نے جس درجہ کے امر اور اعیان ملک سے چونہ کتوالیا ہے اور اپنی سیدھی سادی گفتگو اور تحریروں سے جس طرح اس کی خوبیوں کا یقین بڑا رہا لیکن لاکھوں انسانوں کے دل میں پیدا کر دیا ہے وہ بڑی حد تک اسی قوت کا کرشمہ ہے ورنہ ملک میں ان سے زبردست خطیب، انش پرداز اور منطقی سینکڑوں ملیں گے لیکن اثر آفرینی کا یہ سحر و جادو کسی کی تقریر، کسی کی تحریر اور کسی کے دلائل میں نہیں ملتا، غرض اثر آفرینی یعنی کی یہی قوت ہے جس کو عامل تنویم عشق سے بڑھا کر کسی کو شیر اور جھاڑ کو جھیسن عورت بنادے سکتا ہے۔

ان واقعات کی بنا پر ہم کو یقیناً اپنے قیاس میں اتنی توسعی کا حق حاصل ہے کہ ماہرین تنویم یا عام اکابر رجال و مصلحین کی قوت آثر آفرینی کے مقابلہ میں انبیاء کرام علیهم السلام کی وہی وروحدانی قوت تاثیر و نفوذ کا

* اگر یہی میں اثر آفرینی کے لیے (Suggestion) کی اصطلاح ہے جس کی پوری حقیقت کو تجربات اور مشاہدوں سے سمجھنے کے لیے انحضرات اکنہ سیدہ کی لچک پ کتاب ”نفسیات اثر آفرینی“ The Psychology of suggestion کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

مرتبہ کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہوتا ہے اور اس لیے وہ ان سے بھی بدر جہاز یادہ عجیب تر و محیر العقول امور کا یقین لوگوں کے دل میں پیدا کر دے سکتے ہیں، عامل تنویم اثر آفرینش کے لیے کچھ نہ کچھ ظاہری حرکات و سکنات یا الفاظ و خطاب کا محتاج ہوتا ہے اور اس کا زیادہ ترا اثر افراد تک محدود رہتا ہے لیکن نبی کی اعلیٰ اور روحانی قوت تاثیر کے لیے صرف باطنی ارادہ کافی ہو سکتا ہے اور اس کا اثر افراد سے بڑھ کر جماعت تک کوچھ بڑھ ہو سکتا ہے۔ البتہ یہاں ایک وسوسہ دل میں پیدا ہو گا جس کا دور کر لینا ضروری ہے وہ یہ کہ مجرمہ کی اس توجیہ کو قبول کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کی حقیقت ایک طرح کے سحر، نظر بندی یا فریب ہو اس سے زیادہ نہیں ہے لیکن جس شخص کو کوئی مجرمہ نظر آتا ہے اس کا وجود خود اس شخص کی نظر ہو اس یا زیادہ تجھ یہ ہے کہ ذہن سے باہر کسی خارجی و حقیقی شے کی صورت میں نہیں ہوتا۔

بعض وسوسوں کا جواب

اوپر مجرمہ کی جو غایت معلوم ہو یکجی ہے، اس کے لحاظ سے اس وسوسہ کا صاف جواب تو یہ ہو گا کہ وہ غایت ہر نوع حاصل ہے، مجرمہ فی نفسہ چاہے کوئی خارجی شے ہو یا شخص ہنی، اصلی غرض صرف اتنی ہے کہ جس فرد یا جماعت کے سامنے کوئی مجرمہ پیش کیا جائے، اس کے علم کے لحاظ سے وہ اپنے اندر کچھ نہ کچھ غیب رکھتا ہو، ہاں بظاہر اس سے بھی ایک اور قوی تراشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں پھر بندی اور عالم تنویم یا ساحر میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اس اشکال کا حل بھی ضمناً اپر ہی گزرا چکا ہے کہ مجرمہ بجائے خود بیوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے بلکہ جس شخص میں ظاہری و باطنی کمالات یعنی اصل خصالص نبوت و اوصاف حمیدہ عام انسانوں کے مقابلہ میں فوق العادہ حد تک مجتن ہوتے ہیں اس کے حق میں مجرمہ شخص تائید مزید کا کام دے سکتا ہے اور جس شخص پر بیوت کے یا اصلی خصالص و کمالات روحانی موثر نہ ہوں وہ بلاشبہ نبی کو بھی زیادہ سے زیادہ ایک بڑا ساحر قرار دے گا جیسا کہ مکرین نے ہمیشہ کہا ہے کہ «هَذَا السِّحْرُ كَذَابٌ۝» (۳۸/ ص: ۴) «إِنَّ هَذَا لِسِحْرٍ عَلَيْهِمْ۝» (۲۶/ الشعرا: ۳۴)

﴿قَالُوا هَذَا إِسْحَرٌ مُّبِينٌ۝﴾ (۲۷/ النمل: ۱۳) «وَيَقُولُونَ إِنَّهُ مُسْتَهْمِرٌ۝﴾ (۵۴/ القمر: ۲)

مکرین اسلام کے ہاں سحر و مجرمہ کی بحث ایک مستقل مسئلہ ہے لیکن ان میں بھی اہل حقیقت کا مسلک ہی ہے کہ دونوں میں کوئی نوعی فرق نہیں ہے بعضوں کے نزدیک تو محض استعمال کا فرق ہے لیکن انسیا اور اولیا پے نفس کی قوت مجرمہ نہیں کو مقاصد خیر کے لیے استعمال کرتے ہیں اور ساحر مقاصد خیر کے لیے سفیہ الراغب، ص: ۱۱۸: سولاً ناجید الدین فراہی جن سے بڑھ کر جو بود و نیا اے اسلام میں شایدی کی کوئی قرآن کی سعادت حاصل ہو وہ بھی ﴿لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُوْنَ﴾ (۱۰/ یونس: ۷۷) سے بھی تجویز اخذ فرماتے ہیں کہ مجرمہ اور سحر میں صرف فرق ہے کہ ساحر فلاخ یا بیان نہیں ہوتا یعنی وہ اپنی قوت کو خود اپنے یادوسروں کے لیے فلاخ و خیر کے اغراض میں استعمال نہیں کرتا بلکہ اعلیٰ الحکوم چادر گروں کی اخلاقی حالات نہایت پست ہوتی ہے۔ لیکن ﴿وَلَا يُفْلِحُ الْأَجَرُ حَيْثُ أُتْتَ﴾ (۲۰/ طہ: ۶۹) کی نص قرآنی کا زیادہ صاف و تجھ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساحر کا سحر جب نبی اور اس کے مجرمہ کے مقابلہ میں آتا ہے تو وہ مغلوب و تباکم رہتا ہے جیسا کہ عصائی موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ظاہر ہوا۔ اس سے سحر و مجرمہ میں جب کہ دونوں میں مقابلہ ہو ظاہری فرق و تمیز کا بھی ایک لیکنی معیار ہاتھ آ جاتا ہے باقی دونوں کی باطنی حقیقت میں کیا فرق ہے یہ تو ان سحر کا عالم ہی جان سکتا ہے جیسا کہ تمام فی حقائق میں معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ ساروں نے فرق جان لیا تھا۔

لیکن اس وسوسہ کا (کہ تو جیہے بالا کی بنابر مجزہ کی حقیقت کسی خارجی واقعی وجود کی جگہ محض ایک ذہنی یا خیالی وہم کی رہ جاتی ہے) تحقیق جواب دراصل با بعد الطیبیات سے متعلق ہے جو تمام عقلی موجودگانوں کی آفری عدالت مرافق ہے مگر اس عدالت کا آخری فیصلہ ہرگز نہیں ہے کہ حقیقی یادِ واقعی وجود صرف خارجی چیزوں کا ہے بلکہ اس کے زدوں یک تو یہی امر سرے سے مشتبہ ہے کہ خود خارج کا کوئی وجود ہے اور اس اس طین فلسفہ کی ایک بڑی جماعت (تصوریہ) کا مسلک یہ ہے کہ ”عالم تمام حلقد وام خیال ہے۔“ حقیقی وجود صرف روح، ذہن یا نفس کا ہے باقی دریا پہاڑ، چاند، سورج زمین و آسمان جو کچھ دیکھتے ہو یہ سب تمہارے ذہن ہی کے اندر ہیں مادہ اور عالم مادی محض ایک ”وہم و مگان ہے۔“ اس جماعت نے عالم خارجی کی ایک توجیہ یہی کی ہے کہ جن چیزوں کو ہم موجودات خارجی سمجھتے ہیں وہ صرف ذہن کے تصورات ہیں جو خدا ہمارے اندر پیدا کر دتا ہے اسی راز کی طرف اکبر مر حوم نے بالتوں بالتوں میں اس طرح اشارہ کیا ہے کہ ”جو کچھ ہے سب خدا کا وہم و مگان ہمارا۔“ لہذا جس ذات یا قوت نے سارے ذہن میں عصائی موسوی اور ثابت مسلم ترکیہ تصور پیدا کیا تھا اسی نے اگر تھوڑی دیر کے لیے عصائی جگد اثر دہا اور ترکیہ تصور پیدا کر دیا تو دونوں کے وجود کی حقیقت و نعمیت میں کیا فرق پڑا۔ سانس جس کا جذبہ مادہ پرستی دلائل سے لا جوابی اور خود مادہ کو غیر مادی وغیرہ جو ہری کتبنے کے باوجود مادیات کے وجود نہ رہتی سے یہ قائم دست برداری پر راضی نہیں اور اس تاریخی تکوین میں کسی نہ کسی طرح ایجاد ہنا ہی پسند کرتا ہے وہ بھی کم از کم محسوسات کی نسبت تو یہ مانے پر مجبور ہی ہے کہ رنگ و بو آواز و مزہ، سردی و گرمی وغیرہ کا وجود صرف ایک ذہنی احساس یا تصور ہے جس کو مادہ نامی کوئی ”نا معلوم“ شے ہمارے ذہن میں خلق کر دیتی ہے اور جس کا ذہن سے باہر کوئی وجود نہیں جب رنگ اور آواز جس کوہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کافنوں سے سنتے ہیں اس کے حقیقی واقعی وجود کے صرف اتنے ہی معنی ہیں کہ جس اس کا احساس و تصور رکھتے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ مجزات کے وجود کوہم اس سے زیادہ حقیقی واقعی ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

ایک اور اعتراض

یہ تو وہ شبہات تھے جو مجزہ اور سحر و نویم کی یکسانی یا مجزات کے محض ذہنی وجود کی بنابر پیدا ہوتے تھے لیکن ایک اور اعتراض مجزہ کی تمام ان تو جیہات پر وارد ہوتا ہے جن کی رو سے یہ نظرت کے معمولی یا غیر متغیر قوانین اور علل و اسباب (چاہے وہ نفسی ہوں یا طبعی و مادی) ہی کے کسی نہ کسی ایسے مخفی عمل کا معلول کیا جاتا ہے جس کا ظہور مجزہ کے وقت عام لوگوں کو علم نہیں دلتا، یہ ایک اعتراض مجزہ کے اضافی ہونے کا ہے فرض کرو کہ

● مابعد الطیبیات کے اس نازک مندرجہ کی تو صحیح کی گنجائش یہاں نہیں؛ بلکہ جاسکتی البتہ درجہ بدین تصوریت کے ہانی اول بر کلے کا فلسفہ اردو میں منتقل ہو چکا ہے جو لوگ فلسفہ کا ذوق رکھتے ہیں و تو اس کی اصل کتاب ”مکالمات رسادی“ کا مطالعہ کر سکتے ہیں عام لوگ شاید فلسفہ بر کلے سے زیادہ فائدہ اٹھا کیسی گے (مطبوعہ دار مصنفوں)۔

شق قرکی علت خواہ تو میم کی طرح کوئی نفسی قانون ہو یا کیمیا وی جذب و اتصال کی طرح جو چاند کے مختلف اجزاء کو باہم ملحت کیے ہوئے ہے کوئی ایسا مادی قانون دفع و افتراق ہو جس نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے ہوں ان دونوں صورتوں میں شق قر صرف اسی وقت تک موجود ہے جب تک کہ اس کے نفسی یا مادی قوانین و ملک کا اکٹھاف نہیں ہوتا لیکن پیام رسانی کے اکٹھاف سے پہلے اگر کوئی شخص ہندوستان میں بیٹھ کر ایک سینئنڈ میں امریکہ کا کوئی واقعہ معلوم کر لیتا تو یہ کسی مجوزہ سے کم نہ ہوتا لیکن اب معمولی بات ہے۔ بے شے اس معنی کر کے مجوزہ بیچنی اضافی شے ہے اور بیشتر ہے گا کوئی مجوزہ ایسا نہیں پیش کیا جاسکتا جو اس احتمال اضافیت سے خالی ہو کیونکہ انسان کا علم ہی تمام تر اضافی ہے اگر اس کا علم قطعی و مختتم طور پر تمام قوانین فطرت کا احاطہ کر سکتا تو البتہ کسی حد تک مجوزہ کی نسبت یہ مطالبه بجا ہو سکتا تھا کہ ابد الابد تک کسی قانون فطرت سے اس کی توجیہ نہ ہوئی چاہیے لیکن جب ہمارا علم ہی اضافی ہے تو کوئی مجوزہ احتمال اضافیت سے کیسے خالی ہو سکتا ہے؟ ایک مد نبوت یہ ابیاز دکھا سکتا ہے کہ ایک ہفتہ تک آفتاب غروب نہ ہو لیکن اس کا قطعی یقین کیسے دلایا جاسکتا ہے کہ آج گے چل کر علم ہیئت کے اکٹھافات سے اس ابیاز کی توجیہ نہ ہو سکے گی؟ لہذا جو شے آج مجوزہ ہے بالفرض کل وہ طبعی واقعہ ثابت ہو جائے تو بھی اس سے آج اس کے مجوزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور مجوزہ کی غرض و غایت کو پورا کرنے کے لیے اسی قدر کافی ہے۔ (دیکھواد پر صفحہ)

دوسری صورت: یہ ہے کہ عام طور پر تو کارخانیہ کا نات ایک مقررہ سنت یا بند ہے ہوئے قوانین ہی کے ماتحت چلتا رہتا ہے لیکن کبھی کبھی خدا اپنے مرسلین و مقریین کی تائید نہیں کے لیے اس "سنن جاریہ" میں مداخلت اور تغیر و تبدل کو بھی جائز رکھتا ہے خواہ یہ تغیر و تبدل فطرت میں کسی نئے حذف و اضافہ کی وساطت سے ہو یا اس کا مشابہ راست ارادہ الہی ہو اور جس طرح اسپنوزا کے نزدیک خدا کی خدائی اس میں نظر آتی ہے کہ عالم ایک بند ہے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو، اسی طرح بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ ہر معلول کی برآ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک بستی برتر کا ارادہ ہے۔ ان فلاسفہ کے نزدیک قوی عجزہ کے لیے بھی ارادہ الہی کی برآ راست مداخلت ہی والا احتمال زیاد تر قابل قبول ہوگا۔

اس صورت کے مختلف احتمالات

صورت مداخلت کے ان احتمالات میں اگرچہ کوئی قطعی تفریق ہر جگہ نہیں کی جاسکتی، تاہم جو موٹا سا فرق کیا جاسکتا ہے اس کو مثالوں سے سمجھ لینا چاہیے:

① عام قانون فطرت یہ ہے کہ انسان کا بچہ بلا اتصال جنسی نہیں پیدا ہوتا لیکن اس اتصال جنسی سے جو مادہ تو لیدر جم مادر میں داخل ہوتا ہے اس کو اگر خدا خور جم کے اندر ہی پیدا کر دے جس طرح کہ اور بہت سی ربویات جسم میں پیدا ہوتی ہیں تو بلا اتصال جنسی لہ کا پیدا ہو سکتا ہے اور مداخلت خداوندی کی یہ صورت فطرت میں

ایک نئے عارضی اضافو کی وساطت پر مبنی ہو گی ممکن ہے کہ ”ولادت مسجع غلیظاً“، میں خدا نے اپنی مداخلت کی اسی صورت سے کام لیا ہو۔

② اسی طرح اضافو کے بجائے حذف کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ چاند کے مختلف اجزاء جس کیمیا وی جذب و اتصال کی قوت سے آپس میں پیوستہ ہیں ان میں سے صرف اس حصہ قوت کو جو چاند کے نصفین میں موجود اتصال ہے تھوڑی دیر کے لیے خدا حذف یا سلب کر لے جس سے شق قمر کا مجزہ ظاہر ہو سکتا ہے۔

③ تیسرا احتمال یہ ہے کہ کسی مادی واسطہ کا حذف و اضافو یہ بغیر بر اہر راست خدا نے صرف ارادہ ”کن فیکون“ سے قدر کو شق اور مسجع غلیظاً کو پیدا کر دیا ہو۔

یہی آخری صورت عیقق انتظار فلاسفہ متکلمین اور اہل حق کا نہ ہب ہے بلکہ تو یہی احتمال کی تو خود کلام مجید کی رو سے گنجائش نہیں اس لیے کہ تو یہی کام عمل اس کے عامل کے علم و ارادہ کے تحت ہوتا ہے اور مجرمات میں انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و ارادہ کو قطعاً خل نہیں ہوتا اسی لیے وہ فرمائش و تقدی پر کسی آیت یا مجزہ کو خود پیش کر سکتے ہے مجزہ کا صاف اعتراف اور اس امر کا غیر مخلکوں اعلان کرتے ہیں کہ آیات تو صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ «إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْهُ اللَّهِ» (الانعام: ٩٠) اور رسول اگر ان کو پیش کرتا یا کر سکتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کے بر اہر راست حکم و اذن سے، خود کسی رسول میں ہرگز اس کی طاقت نہیں کہ اللہ کی مرضی و مشیت کے بغیر کوئی آیت یا مجزہ پیش کر سکے۔ «وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةً إِلَّا يَأْتُنَّ بِهِ اللَّهُ» (المومن: ٧٨) اگر عامل تو یہ کی طرح انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی علم و ارادہ سے مجزہات ظاہر کرتے ہوتے تو حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عصا کو سانپ کی صورت میں ظاہر فرمائ کر خود اسی سے کیوں ڈرتے اور پھر اس کے عصا بنا دینے کو اللہ تعالیٰ بر اہر راست اپنی طرف کیوں منسوب فرماتا کہ ”ذو نہیں ہم اس کو پھر ابھی چھڑی ہی بنادیں گے۔“ «وَلَا تَخْفَ سَعْيُهُمَا سِيرَتَهُمَا الْأُولَى» (طه: ٢٠)

باقي اور جتنے احتمالات اور بیان ہوئے وہ بھی بس احتمالات و تاویلات ہی کے درجہ میں ہیں لیکن تاویل خواہ بعد ہی ہوتکذیب کے مقابلہ میں اہون ہے لہذا یہ درحقیقت ایسے طفل مزاج عقل پرستوں پر تمام جست اور انکار و تکذیب کی راہ سے ان کو بچانے کے لیے ہیں جو بچوں کی طرح مٹھائی و عقل کا نام لیے بغیر کسی اعلیٰ حقیقت کی طرف ملتقت ہی نہیں ہوتے اور جن کی عقل، عقل کے نام سے اتنی مرعوب ہے کہ خود عقل کی نارسائی تک بھی رسائی نہیں پاسکے ہیں۔ اصل بحث و توجہ کی بات ایک ہی ہے کہ سارے کارخانہ فطرت کی اساس و بنیاد کوئی بے شعور و بے ارادہ مبدع ہے یا اندر باہر نفس و آفاق میں جو کچھ بھی ہے اور ہوتا ہے تمام تر بالذات و بر اہر راست کسی علم و ارادہ والی ذات کی مشیت و قدرت کا ظاہور ہے فلسفہ اور فلسفیانہ عقل کے لیے ایک طرف تو یہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے کہ جہاں کہیں جو کچھ بھی ہے یا ہورہا ہے وہ ایک ہی ہستی کی جلوہ

فرمائی و کار فرمائی کے مظاہر ہیں اور فلسفہ تصوریت کی رو سے (جس کا جدید فلسفہ میں خصوصاً دور دورہ رہا ہے) یہستی اسی نوعیت کی ہے جس کو ہم شاعر الذات، نفس و روح یا انداز یا قدر تیر کرتے ہیں، باقی مادہ و طبیعت یا مادی و طبیعی عوامل و قوانین کی ساری تعبیرات و اصطلاحات دفتر بے معنی ہیں۔

۔ تیرے الفاظ نے کر کھے ہیں دفتر پیدا ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا (اکبر)

نئی بات جو سائنس اور سائنس دانوں کے نام سے مرعوب ذہنوں اور عقولوں کے لیے خصوصاً لائق توجہ ہے یہ ہے کہ مادہ کی بظاہر جس ٹھوں چڑان پر مادیت یا طبیعی عوامل و قوانین کی پوری عمارت کھڑی تھی، وہ خود نئی طبیعتیں ہی میں برف کی طرح پکھل رہی ہے۔ ”اب ازی وغیر فانی مادہ اور ٹھوں سالمات پر انا افسانہ ہو چکے ہیں قائم بالذات جو ہر کی حیثیت سے مادہ کو اب کوئی اساسی حقیقت نہیں تسلیم کیا جاتا وہ اب عمل برتنی تو انہی (ایر قیات) میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔“ لیکن خود برق یا بر قیات کی انتہائی حقیقت کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا، بھی نہیں بلکہ مادہ کو کسی معنی میں موجود جانے کے لیے عام انسانی ذہن و دماغ کے لیے کم از کم اتنا سہارا ناگزیر تھا کہ وہ کسی جگہ (یامکان میں) موجود ہے لیکن نظریہ اضافیت نے اس آخری سہارے کو بھی چھین لیا۔

”مادہ جو ہماری عام عقل و فہم کے لیے ایک موجود فی المکان اور قائم فی الزمان جو ہر تھا اور کائنات نام تھا مادہ کے ڈھیروں ڈلوں یا ایسے مادی جو ہروں کا جو خاص خاص قوانین کے مطابق زمان و مکان میں ادھر سے ادھر مارے مارے پھرتے تھے۔ اب جو بڑا انقلاب سائنس کے نقطہ نظر سے برپا ہوا ہے وہ صحیح معنی میں اسی واقعہ کا تیجہ ہے کہ مادہ اور زمان و مکان سرے سے تین جدا گانہ حقائق ہی نہیں قرار دیے جاتے۔“ *

ایک عام آدمی عربیاں الفاظ میں اس کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے کہ مادہ نہ کسی جگہ ہے نہ کسی وقت میں یعنی نہ کسی زمان میں تو پھر ”ہے“ کے کیا معنی؟ اضافیت کے مظروف کی حیثیت سے نہ پایا جاتا ہو بے ساختہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ ریاضیات نے تحلیل کرتے کرتے ہماری خارجی (یا مادی) دنیا کو قریباً عدم تک پہنچا دیا ہے۔ ** اور یہ تو بہر حال واضح ہو گیا ہے کہ کائنات کو کوئی مشین نہیں قرار دیا جاسکتا۔ پرانی مادیت دیوالیہ ہو چکی ہے، یعنی وہ مادیت جو کائنات، زندگی اور ذہن سب کا ایک مادی تصور رکھتی تھی۔ *** اسی طرح سائنس و ریاضی کے جھروکوں سے بھی فلسفیانہ تصوریت ہی جھاگنے لگی ہے حتیٰ کہ

”سائنس دانوں کو طبعی کائنات میں کسی اساسی خارجی یا معرفتی حقیقت کی جستجو میں معلوم ہوا

ہے کہ کوئی خارجی حقیقت اگر سرے سے ہو بھی تو وہ کوئی ایسی نہایت ہی عجیب و غریب شے

* ماڈرن بلیف۔ مقدمہ ص: ۱۵۱۔ ** ایضاً ص: ۱۳۳۔ *** ایضاً۔

ہوگی جو کبھی خواب و خیال میں بھی نہ آتی تھی، اینڈن نے نظریہ انسانیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو طبیعت کی ایک دوسری جدید ترقی کو ائمہ تمیوری تک پہنچ کر ہم نے خارجی حقیقت کی جستجو کے مقصد کو ترک کر دیا ہے اور طبعی کائنات کی ایسے عناصر میں تحلیل کرنا پڑی ہے جو صراحتہ ذہنی (SUBJECTIVE) ہیں، اگر خارجی دنیا کو جانے میں ہمارے لیے خود اپنے ذہنی عنصر کو جدا کرنا مشکل ہے تو خود ان (SELF KNOWING) شعور کے مسئلے میں جہاں ”ذہن و خارج“، (یعنی جانے والا اور جانا گیا) حقیقت ایک ہو جاتے ہیں اس کو جدا یا ممتاز کرنا کہیں زیادہ مشکل ہو گا۔

غرض فلسفہ کے بعد سائنس میں بھی ہوا کارخ جس طرح تصوریت یعنی اس خیال کی طرف جا رہا ہے کہ ہماری کائنات اور اس کی نیرنگیاں بے شعور مادہ کی میکائی کا رستا نیا نہیں بلکہ ذہن و شعور کی کارفرمائیاں ہیں اور خالص سائنس و ان نہیں لیکن سائنس و ان فلسفی کی حیثیت سے سرجنیس، جیانس، ماکس، پلائک، شرودنگر آئینہ میاں وغیرہ جسے رجال سائنس کا تصوریت کی جانب رجحان برہت اجا رہا ہے اور کائنات کا اساسی سرچشمہ شعور کو قرار دینے لگے ہیں جیسا کہ سرجنیس جیانس کا صاف اعتراف ہے کہ میرا رجحان تصوریت کے اسی نظریہ کی طرف ہے کہ اسکی وہیادی حقیقت شعور ہے اور مادی کائنات اس سے ماخوذ ہے۔

ذہاہب کا وجود اسی ذہنی شعور و ذہنی علم اساسی سرچشمہ کائنات کے سوا کیا ہے اور جب ساری کائنات ہی کسی نہ کسی طرح اس کے علم و شعور سے ماخوذ یا اس کی ملکوں ہے تو مجذرات کے مادی یا میکائی عوامل و قوانین کی جستجو خود عقل کی رو سے کوئی عقائدی کا کارنامہ ہے۔ عقل و دانش کی بات تو بس وہی اکبرالہ آبادی کی ہے کہ سے تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا یقین مجذہ کے شرائط

غرض یقین مجذہ کی اولین شرط خدا اور غیب کا یقین ہے اس کے بعد اپنے اپنے علم و مذاق کے مطابق تو جو مجذرات کی جس طرح یہ ”پہلی صورت“، ممکن ہے کہ وہ عام قوانین فطرت (خواہ نہیں یا مادی) ہی کے کسی مخفی عمل کا نتیجہ ہوں اسی طرح مداخلت کی (خواہ براہ راست ہو یا بواسطہ حذف و اضافہ) ”دوسری صورت“ بھی قابل قبول ہے، انگلستان کے مشہور منطقی ولیم اسال جیونس نے ایک نہایت شخصیم کتاب ”اصول سائنس“ کے نام سے لکھی ہے جس میں آخری نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ”اوپر علم سائنس کی حقیقت و نویعت کے متعلق جو بخشش گز ری ہیں ان سے ایک نتیجہ جو نہایت

۱۔ مازن بلیف مقدمہ، ص: ۸۔ ۲۔ مازن بلیف، ص: ۵۲۰۔

۳۔ ان مباحثت کی کامل و تفصیلی تفصیل ان شاء اللہ لفلف اسلام کے ذیل میں بشرط صحت و حیات ملے گی۔

۴۔ The Principal of Science (حائیز) طبع آخ ۱۹۱۳ء میں ۲۶۔

صف طور پر لکھتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کا رخانہ فطرت میں مداخلت خداوندی کے امکان کو کسی طرح باطل نہیں نہ سمجھ سکتے، جس قوت نے کائنات مادی کو خلق کیا ہے وہ میرے نزدیک اس میں حذف و اضافہ بھی کر سکتی ہے اس قسم کے واقعات ایک معنی کر کے ہمارے لیے ناقابل تصور کہے جاسکتے ہیں پھر بھی یہ اس سے زیادہ ناقابل تصور نہیں ہیں جتنا کہ خود عالم کا وجود ہے۔“

مگر جو شخص اس خالق کائنات قوت ہی کا قطعاً منکر ہو، جو سے غیب ہی پر ایمان نہ رکھتا ہو اور جو آرنست ہیگل (جرمنی کا مشہور ملحد و مادہ پرست) کی طرح خود خدا، روح، حشر و نشو وغیرہ کو معجزات (بمعنی اوہام و خرافات) قرار دیتا ہو اور جس کے نزدیک معجزات کا یقین جہالت و بربریت کی آخری نشانی ہو، جس کا فنا کر دینا ہی علم و تمدن کی فتح ہوگی۔^{۱۰} تو ایسے آدمی کو آپ کسی معجزہ کا اس معنی میں کیونکر یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ کسی غبی قوت کا آفریدہ ہے یا جس شخص سے وہ ظاہر ہوا ہے، اس کے عالم غیب کے ساتھ رابطہ و تعلق (نبوت) کی آیت یا نشانی ہے؟ یقین کی اور جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس کے لحاظ سے معجزہ پر بحثیت آیت نبوت کے یقین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ غبی پر ایمان ہو، جس کے بغیر یقین معجزہ کی خواہش کا پیدا ہونا ممکن ہے پھر بھی جس شخص کی نسبت کوئی معجزہ بیان کیا جاتا ہو یا جس سے یہ ظاہر ہوا ہو، اس کی زندگی «وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ» (۶۸ / القلم: ۴) کی تفسیر اور ظاہری و باطنی کمالات کا بجائے خود ایک معجزہ ہو، (یہ چیز س خواہش یقین کے لیے مؤیدات کا کام دیں گی) اور سب سے آخری لیکن سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ فرعون و ابو جہل کی طرح دل میں خصومت و عناد، خودی و خود بینی، ذاتی اغراض یا ہوا و ہوس کے موافع یقین نہ موجود ہوں۔ جس طرح ان شرائط کی عدم موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات پر آمادہ نہیں کر سکتی بالکل اسی طرح ان کی موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات سے باز نہیں رکھ سکتی۔

میرے ایک دوست جن کا شمار کم از کم مسلمانوں میں تعلیم جدید کے مستثنی افراد میں سے ہے، آج سے چند برس پسلے مغربی عقل و حکمت کے شدید پرستار تھے اور وجود خدا کا ان سے اقرار کرانا، اس لیے نامکن تھا کہ وہ مل کی منطق اور مسلسلے وہیکل کی تحقیقات سے نہیں ثابت ہوا تھا۔ قرآن میں ان کے نزدیک علم النفس کے بیشیوں دوائق مریٰ تھے اور اس کا پیش کرنے والا تجھیب اسلام (غایلہ اللہ) سکندر، اسیزر، سقراط، وپیولین وغیرہ قائدین عظام و مصلحین عالم کی صفات میں اپنی جگہ رکھتا تھا، تاہم اگر آیات قرآنی کو بحثیت کلام الہی ان کے سامنے تلاوت کیا جاتا یا تجھیب اسلام غایلہ اللہ کی مکارام اخلاقی سے معمور زندگی کو آپ غایلہ اللہ کی تجھیب کے ثبوت میں بیان کیا جاتا تو وہ ”جواب جاہلی“ کی تامکتیں ”خاموشی“ یا زیادہ سے زیادہ ایک ”خندہ تحقیقی“ کی سزاوار تھی ظاہر ہے کہ بد عقیدگی کے اس عالم میں روایات معجزہ کی حقیقت اس سے زیادہ کیا تجھہ سکتی ہے کہ وہ

* دیکھویگل کی کتاب Wonders of Life (عجائب حیات) باب ۳ معجزات۔

محض اپنے رواۃ کی خوش اعتقادیوں یا جاہلانہ عجائب پر مصیتیوں کا مجموعہ ہیں۔ لیکن ادھر ان کی اس درجہ حرمت اگئیز کا یا پلٹ ہوئی ہے کہ عقلیات مغرب کا سارا طومار ان کے نزدیک "صدق کتاب و صدق ورق در نار کن" سے زیادہ کا سخن نہیں ہے قرآن کریم "دفائق نفسیہ" کی جگہ "حقائق الہیہ" کامفع بن گیا ہے "سریت نبویہ ﷺ" کا ایک ایک حرف نبوت پر شاہد عدل ہے جو زبان جیس اور اونٹ کی نفسیاتی تحقیقات سے رطب اللسان رہتی تھی اس کو انتہائی لذت اب صرف بزرگان دین کے مناقب، کشف و کرامات اور مسائل تصوف کے ذکر میں ملتی ہے حتیٰ کہ دور اول کے "ناصع احباب" کو اب خود ان پر "خوش اعتقادی" کا گمان ہونے لگا ہے۔

اس قلب ماہیت کا نتیجہ یہ ہے کہ انبیاء عظام ﷺ کا تو ذکر ہی کیا ملک کی موجودہ تحریک "ترک موالات" کے بانی کی ذرا غیر معمولی اخلاق سے آراستہ زندگی بھی ان کو روحانی کمالات ہی کا پرتو نظر آتا ہے انتہایہ کہ ان کی طرف جو طرح طرح کی کراتیں منسوب کی جاتی ہیں ॥ ان میں ایک مشہور واقعہ بعض درختوں سے روئی چیزیں ایک چیز کا نکلنا تھا میرے یہ دوست بھی اس کو تائید عینی کی ایک نشانی بخشنے میں شریک تھے میں نے کہا کچھ لوگ اس روئی کو کسی کیڑے کی رطوبت بتلاتے ہیں۔ کہا، اس سے کیا ہوتا ہے خدا نے اسی وساطت سے تائید کی ہوگی۔ شرائط تیقین و غایت تمجیدات کے مقدمات بالا کو سامنے رکھ کر اب ذرا ریگستان عرب کے اسی انسان کی زندگی، دعوت اور تعلیمات پر ایک سرسری نظر کرو، جس نے ساڑھے تیرہ صدی ادھر کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔

اس قدسی صفات انسان کی امانت و دیانت نے ہم وطنوں کی طرف سے اس کے لیے امین کا لقب حاصل کیا تھا اس کی راست گوئی دوست و دشمن سب کو یہاں تسلیم تھی، حضرت خدیجہ ؓ جن کو پچیس برس تک آپ ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل رہا، وہ ایک موقع پر آپ کو تسلی دیتی ہیں کہ "ہرگز نہیں خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا، آپ صدر حرم کرتے ہیں، مقرضوں کا بار امدادتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیتیوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔" ॥

اس اپنے پرائے کے غم خوار کی دعوت صرف یہ تھی کہ لوگوں ((لا اله الا اللہ)) کہو تو نجات پاؤ گے، اس دعوت سے باز رکھنے میں روسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تحکم گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی ॥ اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہدم و دمساز یعنی ابوطالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا۔ جس کا جواب اولو المعلم من الرسول کی زبان سے فقط یہ ملا کہ "چچا جان! اگر قریش میرے دامنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تو بھی اپنے اعلان حق یہ تحریر گزشتہ تحریک ترک موالات کے شباب کے زمانہ میں لکھی گئی تھی اس وقت اس طرح کی بہت سی کراتیں بانی ترک موالات کی زندگی اور اوصاف سے متعلق ملک میں پھیلی تھیں۔ ॥ صحیح بخاری، کتاب بدء السوْحی: باب کیف کان بدء الْوَحْیِ: ۳۔ ॥ سیرۃ النبی ﷺ طبع پڑا حصہ اول، ص: ۱۶۱۔

سے باز نہ آؤں گا۔ * نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا یعنی حق کامیاب ہوا لیکن کیا اس کامیابی سے دائیٰ حق ملکیت نے خود کوئی فائدہ حاصل کیا ہے؟

مسجد بنوی کے گھن میں آپ ﷺ کے سامنے مال غیمت کے انبار لگ جاتے تھے * مگر خود اس انبار کو تقسیم کرنے والے شاہ کو میں ﷺ کی زندگی یہ تھی کہ آپ کھال کی چٹائی یا خالی زمین پر آرام فرماتے تھے۔ کاشانہ نبوت گوانوار الہی کا مظہر تھا، تاہم اس میں رات کو چراغ نہیں جلتا تھا۔ * کسی کئی دن تک فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے۔ گھر کا کام کا ج خود کرتے۔ کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جہاز دیتے، رو دھرو دھلیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھتے، اس کو چارہ دیتے، غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے۔ * حضرت فاطمہ ؓ آپ کی محبوب ترین اولاد تھیں جن کی عام خاگلی زندگی یہ تھی کہ چکلی میں سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، بار بار منٹک میں پانی بھرنے سے سینہ پر گھٹنے پڑ گئے تھے گھر میں جہاز دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے لیکن با ایس ہم جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لوٹڑی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقر اویتائی کا حق ہے۔ *

اتباہی نہیں کہ آپ ﷺ دنیاوی عیش و آرام سے دست بردار تھے بلکہ دشمنان دین طرح طرح کی ایذا میں پہنچاتے تھے گالیاں دیتے تھے۔ گو” رحمۃ للعالمین“ کا ہاتھ ان کے حق میں بھی ہمیشہ صرف دعا ہی کے لیے امتحنا تھا اور ان کے ساتھ تسلی ہی کا حکم فرماتے تھے۔ راہ میں کائنے بچا دیتے تھے، نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈالتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن معیط نے آپ کے گلے میں چادر پیٹھ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ * یہ سب کچھ تھا لیکن دعوت حق، نوع انسان کی ہدایت اور فلاح و بہبود کی تعلیمات کا کام بلا شائیہ تزلزل بجارتی تھا۔ کیوں؟ اس لیے کہ آپ کو اپنے فرستادہ خدا ہونے کا اذعان، ہر وقت اس کی نصرت و معیت پر اعتماد اور بالآخر بالطل کے زہوق اور حق کے غلبہ کا اسی طرح یقین تھا۔ جس طرح تم کورات کی تاریکی کے بعد طلوع صبح کا یقین ہوتا ہے کفار کی دشمنی اور ایذا رسانی سے تنگ آ کر ابو طالب سمجھاتے ہیں کہ ”جان پدر! اس کام سے ہاتھ اٹھا لو۔“ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ”عم محترم! میری تھائی کا خیال نہ کیجئے۔ حق زیادہ دیریک تھا نہیں رہے گا“ جنم و عرب ایک دن اس کے ساتھ ہو گا۔ ”کفار قریش بد نیتی (قتل) کے ساتھ آپ کے تعاقب میں لٹکے ہیں، غار ثور جس میں آپ مخفی ہیں اس کے قریب پہنچ گئے ہیں کہ ”ریفقت فی الغار“ (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ) نے گھبرا کر عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ وہیں اس قدر قریب ہیں کہ ذرا نیچے جمک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔“ آپ ﷺ

* سیرۃ النبی ﷺ طبع بہ ا حصہ اول، ص: ۱۶۷۔

* سیرۃ النبی ﷺ طبع بہ ا حصہ دوم، ص: ۲۰۹۔

* ایضاً، ص: ۲۳۶۔

* ایضاً۔

* ایضاً۔

نے فرمایا کہ ﴿لَا تَحْزِنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (الثوبۃ: ٤٠) "غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔" * ایک موقع پر آپ کسی درخت کے نیچے تھا اس طرح احت فرمائے تھے کہ ایک بدوجو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا، پھر سے آیا اور آپ ﷺ کی تواریخ کے اتار کرنیام سے باہر کھینچ لی اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعہ آپ بھیار ہو گئے، دیکھا کہ ایک بدوعن بکف کھڑا ہے جس نے پوچھا کہ اے محمد! اب تم کوون بچا سکتا ہے؟ ایک پر اطمینان صدا آئی کہ "اللہ۔" *

کیا تشنگان ایمان کے لیے خود یہ صد امجزہ نہیں ہے؟ اور کیا جن لوگوں سے یہ صدائیکی تھی ان کو کوئی دیکھنے والا کاذب تصور کر سکتا تھا؟ اسی کا اثر تھا کہ حضرت عبد اللہ بن سلام ﷺ پر اٹھے کہ (لیس هذا بوجه کذاب) "یہ جھوٹے کام نہیں ہے۔" *

یہ سمندر کے صرف چند قطرے تھے اور اگرچہ انسان کا نقص قلم پیغمبرانہ سیرت کے تمام خط و خال کو کامل طور پر نمایاں نہیں کر سکتا، تاہم "سیرۃ النبی ﷺ" کے گزشتہ و حصوں میں (جہاں سے یہ چند منتشر تطریات مانعوں ہیں) انسانی باتھے جو نا تمام مرتع کھینچ سکا ہے، اسی سے تم بڑی حد تک اندازہ کر سکتے ہو کہ کسی پیغمبر بشری کے اندر ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ حُكْمٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم: ٤) کی اس "جماعیت کبریٰ" کا ظہور بجائے خود اتنا بڑا عجاز ہے، جس سے بڑھ کر کوئی مجذہ نہ طلب کیا جاسکتا ہے اور نہ پیش کیا ہے، زیریں جا سکتا ہے۔

اسی انجی محض جامع ہستی کے متعلق جو صاحب شمشیر نہیں بھی ہوا رگو شیخیں بھی، بادشاہ کشور کشا بھی ہو اور گدائے بے نواب بھی، فرمزاوائے جہاں بھی ہوا رجہ کر داں بھی، مغلس قانع بھی ہوا رغنی دریا دل بھی، جس کی زبان ہم وقت ذکر الی اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو، جس کے پاؤں رات بھر نماز میں کھڑے رہنے سے آماں کرتے ہوں۔ اگر کوئی ایسا اعتماد یا کیا جائے جو خدا کی طرف سے تائید نہیں کی تاشنی یا آیت معلوم ہو تو اس شخص کو اس کے نیقین و قبول میں کیا تاہل ہو سکتا ہے جو خدا اور شیب پر ایمان رکھتا ہے۔ لیکن جو شخص یہ گل کی طرح خدا اور غیب ہی کا منکر ہو یا فرعون کی طرح خدا پے کو خدا کہتا ہو، ﴿أَتَأْرِيْكُمُ الْأَعْلَى﴾ (النیازعات: ٢٤) یا جس کے قلب کو ابو جہل والولہب کی طرح کفر و عناد کی تاریکی نے سیاہ کر لکھا ہو اس کے سامنے بڑے سے بڑا مجذہ پیش کرنے پر بھی زیادہ جواب یہ مل سکتا ہے کہ ﴿يَسْعُرُ مُسْتَحْرِرٌ﴾ (القمر: ٢) *

یہی راز تھا کہ سیرت نبویہ ﷺ کے سارے دفتر میں بستکل ایک آدھا ایسا واقعہ ملتا ہے کہ مجذات کی بنا پر اگلوں نے رسالت کی تصدیق کی ہو بلکہ عہد رسالت کے بزراروں ایمان لانے والے وہی ہیں جن کے دل میں ایمان کا مڑھتا اور جن کے لیے "روئے و آواز پیغمبر" ہی اصل مجذہ تھا گو آج ظاہری روئے و آواز ہم سے مستور ہے لیکن معنوی آدمی قرآن اور حقیقی "روئے پیغمبر" سیرت طیبہ عبدالاہاد تک ذوق ایمان رکھنے والوں کے لیے مجذہ نمائی کرتی رہتے ہیں۔ (مغلیظ)

* سیرۃ النبی ﷺ ص: ۱۹۸۔

** سیرۃ النبی ﷺ طبع ہد احمد ص: ۶۰۸۔

*** ترمذی: ۱۲۴۸ میں ص: ۳۷۰۔ مسند احمد، ۱۳۲۲ میں ص: ۴۵۱۔

لُبْ لَبَاب

گزشتہ مباحثت کا لباب یہ ہے کہ

① مجزہ نام ہے پیغمبرانہ اوصاف و مکارم اخلاق کے جامع انسان کے تعلق سے کسی ایسے واقعہ کے ظہور کا جس کی کم از کم بوقت ظہور عالم علیل و اسباب سے توجیہ نہ ہو سکے۔

② ایسے واقعات بذات خود عقلنا ناممکن نہیں، ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ”انہائی حیرت انگیز“ یا مستبعد واقعات کی ہوتی ہے، اس لیے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لیے بھی نہایت غیر معمولی شہادت کی ضرورت نظر آتی ہے۔

③ لیکن دراصل یہ استبعاد ایسا نہیں ہوتا جس کی کافی مثالیں عام زندگی میں بھی نہ لٹکی ہوں اور جن کے قبول کے لیے کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

لہذا یقین مجرمات کے لیے بھی معمولی درجہ کی قابل اعتماد شہادت کافی ہو سکتی ہے۔

④ مگر یقین صرف شہادت وغیرہ خارجی چیزوں سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کا دار و مدار زیادہ تر یقین کی خواہش اور اس کے موافع و موئیدات پر ہے جس کا تعلق بڑی حد تک خود یقین کرنے والے کے گزشتہ معتقدات و مزاعمت سے ہوتا ہے۔

⑤ یقین مجرمات کی خواہش کا پیدا ہونا موقوف ہے۔ ”ایمان بالغیب پر“

⑥ اگر غیب پر ایمان ہے اور فرعون والیوں کی طرح عناو و تعصّب کے موافع موجود نہیں ہیں تو ساتھ ہی ساتھ انہیا کی نبوت کی زندگی اپنے احوال و اخلاق کے لحاظ سے بجائے خود اس کی نبوت کی موئید ہے تو مجرہ (بمعنی خارق عادت) کا کیا ذکر ہے خود پیغمبر کی آواز و اصوات ہی مجرہ ہے۔

— در دل ہر کس کہ دانش را مزہ است

روئے و آواز پیغمبر معجزہ است

آیات و دلائل اور قرآن مجید

انبیا علیہم السلام اور آیات و دلائل

گزشتہ صفحات میں جو کچھ پھیلایا گیا ہے وہ انسانی افکار و خیالات کی جہاں تک مترس ہے، اس کی تشریع ہے، لیکن مسلمانوں کے نزدیک ہدایت و ارشاد کا اصلی سرچشمہ قرآن مجید ہے، اس لیے آیات و دلائل کی نسبت اخیر فصلہ اسی کی عدالت میں ہونا چاہیے۔ قرآن مجید میں انہیں علیہم السلام کے سوائغ حالات کے ضمن میں ان آیات اور مجرمات کا بھی بیان ہے جو ان کو خدا کی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات و دلائل انہیں علیہم السلام کے سوائغ کا ضروری جزو ہیں، خصوصاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے مجرمات سب سے زیادہ تفصیل اور تکرار کے ساتھ قرآن میں بیان ہوئے ہیں کہ نزول قرآن مجید کے وقت انہی دنوں انہی علیہم السلام کی انتیں عرب میں موجود تھیں اور انہی کے سامنے اسلام اپنے دعوؤں کو پیش کر رہا تھا۔

قرآن مجید میں جن انہیں علیہم السلام کا تذکرہ ہے ان میں سے کم و بیش حسب ذیل انہیں علیہم السلام کے آیات و دلائل بیان ہوئے ہیں، حضرت نوح، حضرت لوٹ، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت زکریا، حضرت یونس، حضرت موسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد رسول اللہ علیہم السلام بعض ایسے انہیا بھی ہیں جن کے آیات و دلائل کے ذکر سے قرآن خاموش ہے، مثلاً: حضرت اُنْقَلِ، حضرت اسْمَاعِيلِ، ذوالکفل اور الیعیں علیہم السلام وغیرہ لیکن اس خاموشی سے یہ نہیں ثابت ہوگا کہ ان کو کسی قسم کی نشانی اور دلیل عطا نہیں ہوئی تھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ علیہم السلام نے فرمایا:

((مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبَيَ إِلَّا أُنْعَطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مِثْلَهُ أُوْمَنَ أَوْ آمَنَ - عَلَيْهِ الْبَشَرُ)) ۱۰

”ہر بھی کو کچھ ایسی باتیں دی گیں جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے۔“

البتہ انہیا کرام علیہم السلام کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیر معمولی آیات و دلائل انہیں علیہم السلام کو مرحمت ہوئے جن کو سخت و شدید معاندین اور مکریں کا سامنا کرنے پڑا اور ضرورت بھی انہی کو تھی کہ ان کے عناد و انکار کا وہ ان کے ذریعے سے جواب دے سکتے، باقی وہ انہیں علیہم السلام جو اپنی جماعتوں میں صرف تجدید و اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے ان کو اس قسم کے دلائل کی حاجت نہ تھی کہ ان کی جماعتوں نے ان کی دعوت کے مقابلہ میں عناد و انکار کا انہیں کیا تھا۔

قرآن مجید اور اصطلاح آیات و دلائل

قرآن مجید نے انہیں علیہم السلام کے ان مجرمات کو عموماً آیت یعنی نشانی کے لفظ سے تحریر کیا ہے:

۱۰ بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبي ﷺ بعثت بجماع الكلم: ۷۲۷۴؛ مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان، بر رسالة نبینا محمد ﷺ الى جميع الناس ونسخ الملل بملته: ۳۸۵۔ یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُّوسَىٰ يَأْتِيْنَا بَيْتَ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سُحْرٌ مُّفْتَرٌ﴾ (۲۸) / القصص: ۳۶
”جب موئی علیہ السلام کے پاس ہماری آیات لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو صرف مصنوعی جادو ہے۔“

﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الظُّفَرَ وَالْجَرَادَ وَالْقَمَلَ وَالضَّفَادُعَ وَالدَّمَارِيَتِ مُفَضَّلَتِ﴾

(۱۳۳) / الاعراف:

”تو ہم نے فرعون کی قوم پر طوفان، بندی، جوں، مینڈک اور خون کی کھلی ہوئی آیتیں بھیجنیں۔“

فرعون حضرت موئی علیہ السلام سے کہتا ہے:

﴿إِنِّي كُنْتَ جُنْتَ بِإِيمَانِ قَاتِلِيهَا إِنِّي كُنْتَ مِنَ الصَّدِيقِينَ ۝ فَأَلْقَى عَصَاهَةً فَإِذَا هِيَ نُعْبَانٌ مُّبَيِّنٌ ۝﴾ (۷/ الاعراف: ۱۰۷، ۱۰۶)

”اگر تم کوئی آیت لے کر آئے ہو تو اب لا اگر تم سچے ہو، موسیٰ نے اپنی لاہی ڈال دی تو وہ دفعتہ سانپ بن گئی۔“

کفار مجھرہ طلب کرتے ہیں تو اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْأَيْتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (۶/ الانعام: ۱۱۰) ”آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔“

﴿إِنَّمَا الْأَيْتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (۲۹/ العنكبوت: ۵۰) ”آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔“

کفار کہتے ہیں:

﴿فَلَيَأْتِنَا بِأَيْتٍ كَمَا أَرْسَلَ إِلَّا وَلَوْنَ ۝﴾ (۲۱/ الانبياء: ۵)

”چاہیے کہ وہ ہمارے پاس کوئی آیت لا کیں جیسے پہلے پیغمبر سیمھے گئے۔“

حضرت صالح علیہ السلام اپنے مجھزہ کی نسبت کہتے ہیں:

﴿وَيَقُولُ هَذِهِ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ أَيَّةً﴾ (۱۱/ هود: ۶۴) ”اور اے لوگو! یہ خدا کی اونٹی آیت ہے۔“

لفظ آیت اور مجھزہ کی حقیقت

آیت کے معنی ”نشانی“ اور ”علامت“ کے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو علم و احساس کے جو ذرا رکع عطا کیے ہیں وہ حقیقت میں صرف آیات و علامات کی شناخت اور یاد ہے، دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں تم ان کو کس طرح جانتے اور پہچانتے ہو؟ صرف آیات و علامات سے، کلیات سے لے کر جزئیات تک جو کچھ ہم کو خارج سے علم حاصل ہوا ہے وہ محض نشانیوں کو دیکھ کر ہم جانتے ہیں کہ یہ گھوڑا ہے، یہ انسان ہے، یہ درخت ہے، یہ سیب ہے، یہ انگور ہے لیکن ہم کیوں جانتے ہیں؟ اس طرح کہ ان چیزوں کی جو مخصوص نشانیاں ہیں وہ الگ الگ ہمارے ذہن میں محفوظ ہو گئی ہیں اور اب انہی کی مدد سے ہم کہتے ہیں کہ یہ فلاں چیز ہے ہم پہچانتے ہیں

کہ یہ زیدہ ہے، یہ عمر وہ ہے، یہ میرا عزیز ہے، یہ میرا گھر ہے، یہ میرا گھوڑا ہے مگر یہ تمام شاخیں آیات و علامات ہی کی مدد سے ہیں اگر دنیا میں ہرشے کی مخصوص آیات و علامات مٹا دی جائیں تو ہم یقیناً کسی چیز کو نہ شاخت کر سکتے ہیں، نہ جان سکتے ہیں، نہ پہچان سکتے ہیں۔

یہی آیات و علامات کی جان پہچان اور شاخت ہے جو حیوان و انسان اور عقل مندو بے وقوف میں فرق پیدا کرتی ہے، جس میں ان آیات و علامات کی شاخت، تمیز اور یاد کی قوت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر راس کی عقل و دانائی کا کمال زیادہ ہوگا، ہماری منطق کا تمام تر استدلال بجز آیات و علامات کے اور کیا ہے؟ ہم اپنے جس دعویٰ پر جو دلیل قائم کرنا چاہتے ہیں وہ انہی آیات و علامات کی مدد سے کرتے ہیں بلکہ ہمارے تمام تر تجربے اور مشاہدے بلکہ طبیعت، کیمیات، نباتات، حیوانات، ارضیات، ہندسیات، ریاضیات وغیرہ جو کچھ اور جس قدر علوم بھی ہیں وہ صرف علامات شناسی کا بھروسہ ہیں جن سے ہم براہ راست جزئیات کا علم حاصل کرتے ہیں اور پھر ہم ان سے کلیات تیار کر لیتے ہیں۔

غرض ہمارا تمام تر فن استدلال دراصل ان ہی آیات و علامات پر موقوف ہے اگر اشیاء کی علامات و آیات محو کردی جائیں تو نہ ہم کسی چیز کو پہچان سکیں گے اور نہ کسی دعویٰ پر کوئی دلیل قائم کر سکیں گے ہم علت سے معلوم پر اور معلوم سے علت پر استدلال کرتے ہیں مگر انہی آثار و علامات کے ذریعے سے ہم کو تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ شے جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے ساتھ یہ آثار و آیات ظاہر ہوتے ہیں اب کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ ”یہ شے پیدا ہوتی ہے، اس لیے اس کا فلاں نشان اور اثر بھی ضرور پیدا ہوا۔“ یہ علت سے معلوم پر استدلال ہے اور کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ ”فلاں نشان اور علامات ظاہر ہے اس لیے وہ شے بھی ہے۔“ یہ معلوم سے علت پر استدلال ہے کبھی ہم آگ کے وجود سے حرارت کے وجود پر اور کبھی حرارت کے وجود سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔

ہم کسی غیر آباد میدان میں پہنچ جاتے ہیں، وہاں ہم کو ایک شامہ اور عمارت نظر آتی ہے اگرچہ ہم نے اس عمارت کے بنائے والوں کو نہیں دیکھا ہے، مگر اس عمارت کو دیکھ کر ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کسی معمدار کی صنعت ہے۔ ایک جنگل میں ایک جھونپڑے کے اندر ایک تہاڑخی پڑا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے زخم صاف ہیں مگر ہم پڑی ٹھیک ہے، اس کے آرام و آسائش کے تمام سامان قرینہ سے رکھے ہوئے ہیں، ہم نے گو اس کے تیار دار کو نہیں دیکھا مگر آس پاس کے علامات و آثار بتاتے ہیں کہ اس پیار کا کوئی تیار دار ہے اور وہ نہایت رحم و مہربانی سے اس کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔ ایک شخص آ کر کہتا ہے ”میں طبیب ہوں“ اس کے پاس جو مریض آتے ہیں وہ اس کے نہ سے شفا بھی پاتے ہیں اب گوہم نے اس کو طب کی تحصیل کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر اس کے آثار و علامات کو دیکھ کر اس کے دعویٰ کی قدر یقین کر سکتے ہیں، یہی ہمارا فن استدلال ہے اور

اے پرہمارے تمام حصولی علوم کی بنیاد ہے۔

آیات اللہ

قرآن مجید میں آیت کاظماً معنی میں اس کثرت سے آیا ہے کہ ہم یہاں ان کا استھانا بھی نہیں کر سکتے، ہر صرف مفترق سوتوں سے چند آیات یہاں نقش کرتے ہیں، جن سے غبیوم کی تشریح بوجائے گی:

﴿إِنَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَذِكْرٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَوُقُوفٌ خَلِقَهُمْ وَمَا يَبْتَدِئُ مِنْ دَاءٍ بَلْ إِلَّا لِقَوْمٍ يُؤْتَقُونَ ۗ وَالْخِلَافُ الْيَلِيٰ وَالْهَمَارِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَخْيَاهُ الْأَرْضُ بَعْدَ مَوْتِهِا وَتَصْرِيفُ الرِّيَاحِ أَيْتُ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۖ تِلْكَ أَيْتُ اللَّهُ نَشْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ قَيَّمٌ ۚ حَدِيثُكُمْ بَعْدَ اللَّهِ وَأَيْتُهُ يُؤْتَقُونَ ۚ﴾ (۴۵ / الجاثیة: ۶-۳)

”آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور تمہاری پیدائش میں اور زمین میں جو چوپاۓ چلتے ہیں، ان میں ان کے لیے جو یقین کرتے ہیں نشانیاں ہیں اور رات دن کے لئے پھیر اور آسمان سے خدا جو روزی بر ساتا ہے اور جس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور ہواوں کے پھر نے میں عقتل والوں کے لیے نشانیاں ہیں، یہ آسمیں ہیں جن کو ہم چاہی کے ساتھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں تو پھر خدا اور اس کی نشانیوں کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لا کر میں گے۔

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْخِلَافِ الْيَلِيٰ وَالْهَمَارِ وَالْفُلُكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ يَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَخْيَاهُ الْأَرْضُ بَعْدَ مَوْتِهِا وَبَثَ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابٍ ۝ وَتَصْرِيفُ الرِّيَاحِ وَالْكَعَابُ الْمُسَخَّرُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَذِكْرٌ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۚ﴾ (۱۶۴ / البقرة: ۲)

”بے شک آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے لئے پھیر اور ان کشیوں میں جو دریا کے اندر انسانوں کو فا کمہ پہنچانے والے سامان لے کر چلتی ہیں اور خدا آسمان سے جو پانی بر ساتا ہے جس سے وہ زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور زمین میں جو چوپاۓ اس نے پھیلائ کھے ہیں اور ہواوں کو مختلف سوتوں میں چلانے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے بیچ میں مخزی ہیں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَخْرَجَنَا بِهِ نَبَاتٌ كُلُّ شَيْءٍ فَأَخْرَجَنَا مِنْهُ خَضْرًا بَخْرَجَ مِنْهُ حَبَّاً مُتَرَكِّيًّا ۖ وَمِنَ الْقَنْدِلِ مِنْ طَلْعَهَا قَوْانٌ دَانِيَةٌ ۝ وَجَنَّتٌ قِنْ أَعْنَابٌ وَالْكَرْتُونَ وَالرُّمَانَ مُشْتَهِيًّا ۝ وَغَيْرَ مُتَشَاهِيٍّ ۝ أُنْظُرُوا إِلَى تُرَهَّةٍ أَذَّا أَنْرَوْيَنِعَهُ ۝ إِنَّ فِي ذَلِكُمْ

”اور وہی خدا جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس سے ہر چیز کی نشوونما کو ظاہر کیا پھر اس سے بزرے پیدا کیے، جس سے ہم تدبیت دانہ نکالتے ہیں اور کھجور جن کے خوشے نیچے لٹکتے ہیں اور انگوروں کے باغوں کو اور زینتوں و انارکو اس نے پیدا کیا جو ہاہم ملے جلے ہوتے ہیں اور ان میں بھی ہوتے ہیں، ان کے پھلنے اور پکنے کو دیکھو ان چیزوں میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَيْلَى لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالثَّهَارْ مُبِصِّرًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ﴾

(۱۰ / یونس: ۶۷)

”اس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو اس نے روشن بنایا اور اس میں ان کے لیے جو سنتے ہیں نشانیاں ہیں۔“

﴿وَمِنْ أَيْتَهُ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنَ الْفِسْكُمْ أَنْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَهُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَغَرَّبُونَ وَمِنْ أَيْتَهُ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَاحْتِلَافُ أَسْنَتَكُمْ وَأَلْوَانَكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَلَمِينَ وَمِنْ أَيْتَهُ مَنَامَكُمْ بِالَّذِي وَالَّهَارْ وَابْتِغَاوَكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ وَمِنْ أَيْتَهُ يُرِيدُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعاً وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَبِهِ يَرْأَوْهُمْ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ وَمِنْ أَيْتَهُ أَنْ تَقْوَمَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ﴾

(۲۰ / الرُّوم: ۲۱-۲۵)

”اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے خود تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ تم کو ان کے پاس سکون اور قرار حاصل ہو اور تم دونوں کے لیے لطف و محبت پیدا کر دیا۔ اس میں سوچنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کی پیدائش اور تمہاری زبانوں کا اور انگوں کا ایک درسرے سے الگ ہونا ہے اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں رات اور دن کو تمہاری نیند ہے اور تمہارا اس کی مہربانی (روزی) کی تلاش کرتا ہے اس میں ان کے لیے جو سنتے ہیں، نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دھاتا ہے جس میں خدا کا خوف اور رحمت کی امید دونوں ہیں اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے

یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔“

﴿وَمِنْ أَيْمَانِهِ الْأَيْلُونُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ (۴۱/ فصلت: ۳۷)

”اور اس کی نشانیوں میں سے رات دن سورج اور چاند ہیں۔“

یہ آیات اللہ یعنی خدا کی نشانیاں، خدا کے وجود اور اس کے صفات کمالیہ کی علامات ہیں جس طرح دیرانہ کی عمارت معمار کے وجود کو اور ایک زخمی کی مرہم پی اور اس کے آرام و آسائش کا اہتمام، تیاردار کے رحم و کرم کے صفات کو ظاہر کرتا ہے، اسی طرح اس عالم کی یہ عظیم الشان عمارت جس کی چھت آسمان اور حسن زمین ہے ایک خالق و صانع کے وجود کو بتاتی ہے اور زمین کے اندر و باہر ابر، بارش، دن، رات، چاند، سورج، درخت، میوے پھل، غله کے اقسام وغیرہ زمین کے جانداروں کی زندگی کے سامان آرام و آسائش اس خالق و صانع کے رحم و کرم، عطا و بخش اور دیگر اوصاف کمال کو نمایاں کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ خالق کو اپنے تمام مخلوقات کے ساتھ ایک خاص تعلق اور اعتماد ہے، کفر انہی کے دلوں میں پروارش پاتا ہے جو ان آیات الہی میں غور و فکر نہیں کرتے اور ان کی جلوہ گری سے حقیقی جلوہ آراءستی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

﴿وَتِلْكَ عَادٌ لَّهُ مَحْدُودٌ إِلَيْتَ رَبِّهِمْ﴾ (۱۱/ هود: ۵۹)

”اور یہ عاد کا قبیلہ ہے جس نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔“

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ لَكَفَرُوا إِلَيْتَ رَبِّهِمْ﴾ (۱۸/ الکھف: ۱۰۵)

”یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔“

﴿وَلَا تَكُونُنَّ مِنَ الَّذِينَ لَكَذَّبُوا إِلَيْتَ اللَّهَ﴾ (۱۰/ یونس: ۹۵)

”اور ان لوگوں میں نہ ہو جنہوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا۔“

﴿فَعَنْ أَظْلَمِ مِمَّنْ كَذَّبَ إِلَيْتَ اللَّهَ﴾ (۶/ الانعام: ۱۵۷)

”اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جس نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا۔“

جس طرح یہ آیات الہی عام بندہ اور خالق و مخلوق کے تعلق اور رابطہ کو نمایاں کرتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی خاص بندہ سے اپنے تعلق اور رابطہ کو اپنے مخصوص علامات و آیات کے ذریعہ سے نمایاں کرتا رہتا ہے۔

① انبیاء علیهم السلام قوموں کے تاریک ترین زمانوں میں نور الہی کی مشعل ہاتھ میں لے کر تھا مجموعوں کے اندر آتے ہیں، لوگ اس نور کو بھانا چاہتے ہیں اور تنقیخ و تخبر سے مشعل کے تھانے والے دست و بازو کو زخمی کرنا چاہتے ہیں مگر وہ شیع الہی سمجھنے کے بجائے رفتہ رفتہ اپنے دائرہ نورانی کو دو سیع کرتی جاتی ہے اور بالآخر سطح ارض

کے کناروں تک پہنچ جاتی ہے:

﴿لَيُرِيدُونَ لِيُطْهِرُوا نُورَ اللَّهِ يَأْفِي وَهُمْ وَاللَّهُ مُتَقْبِلُونَ وَلَوْكَرَةُ الْكُفَّارُونَ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ إِلَيْهُمْ وَدِينُنَ الحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ تُلْهِهُ وَلَوْكَرَةُ الْمُشْرِكُونَ ﴾

(الصف: ٩٨)

”وہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے خدا کے نور کو بھاگ دیں اور خدا اپنے نور کو پورا دش کرنے والا ہے گو کافر اس سے خوش نہ ہوں اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا مذہب دے کر بھیجا ہے، تاکہ وہ اس کو ہر مذہب پر غالب کر دے گو شرک اس سے ناراض ہوں۔“

② باوجود تمام معاندانہ کوششوں اور مخالفانہ جدوجہد کے اس نورِ الہی کا پھیلتا جانا خود اس بات کی شہادت ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور اس مشعل گیر دست و بازو میں خدا کی غیر مرمری قوت کام کر رہی ہے۔“

﴿وَمَا رَأَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلِكِنَ اللَّهُ رَأَيَ ﴾ (الانفال: ١٧)

”اور تم نے وہ مٹھی بھر کر کریاں نہیں پھینکیں بلکہ خدا نے پھینکیں۔“

قدم قدم پر تاسیداتِ الہی اس کا ساتھ دیتی ہیں:

﴿إِنَّمَا تَخْنُونَ نَزَّلَنَا الْكِتَابُ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ (الحجر: ٩)

”ہم نے اس نصیحت کو اتارا اور بے شک ہم ہیں اس کی حفاظت کرنے والے۔“

③ پیغمبر کے صحیفہ زندگی کا صفحہ صفحہ ہر قسم کے اخلاقی داغ سے پاک ہوتا ہے، اس کی سچائی اور استیازی عالم آشکارا اور دوست و دشمن سب کے نزدیک بے عیب ہوتی ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی نسبت کافروں نے گواہی دی:

﴿يَصِلِّيْهُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوْا فَأَبْلَيْهِ هَذَا﴾ (ہود: ١١)

”اے صالح! پہلے تم سے بڑی بڑی امیدیں تھیں۔“

حضرت شعیب علیہ السلام کی مخالفت کے باوجود ان کو اقرار کرنا پڑا کہ وہ بڑے عبادت گزار ہیں:

﴿إِشْعَيْبُ أَصْلُوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ تَرْكَ مَا يَعْبُدُ إِبْرَاهِيمَ﴾ (ہود: ٨٧)

”اے شعیب! کیا یہ تمہاری عبادت گزاری تم کو کہتی ہے کہ ہم اس کو چھوڑ دیں جس کو ہمارے باب پر ادا پوچھتے تھے۔“

آنحضرت ﷺ اپنی شہادت میں خود اپنی زندگی کو پیش کرتے ہیں:

﴿فَقَدْ لَيْسَتُ فِيْكُمْ عُمَراً قِنْ قِيلَهُ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴾ (يونس: ١٠)

”میں نے تمہارے درمیان مدت تک عمر گزاری ہے کیا تم سمجھتے نہیں۔“

④ سب سے آخر یہ کہ تبلیغ و دعوت میں دین الہی کی نصرت اور اشاعت میں مخالفین کی شکست اور ہزیرت میں صلحاء کو مزید ایمان اور تسلیم کے حصول میں عجیب و غریب ماقوم فہم نشانات ظہور پذیر ہوتے ہیں، جس کو عرف عام میں مجوزات کہتے ہیں۔

غرض یہی وہ امور ہیں جو خالق اور داعی حق کے درمیان رابطہ خاص اور علاقہ مخصوص کو نمایاں کرتے ہیں اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرستادہ الہی ہے۔

آیات و دلائل کی دو قسمیں، ظاہری اور باطنی

تفصیل بالا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آیات اور نشانات دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک ظاہری اور مادی اور دوسری باطنی اور روحانی، ظاہری اور مادی آیات و دلائل تو وہ خوارق ہیں جن کو لوگ عام طور پر مجوزات کہتے ہیں، مثلاً: صردہ کا زندہ کرنا، عصا کا سانپ بن جانا، انگلیوں سے پانی کا چشمہ املا، پیار کو اچھا کرنا وغیرہ۔ باطنی اور روحانی آیات و دلائل مدعی نبوت کی صداقت، معصومیت، تزکیہ، تاثیر، تعلیم، ہدایت، ارشاد و فلاح اور تائید ہے اہل نظر اور حقیقت شناسوں کے لیے یہی باطنی آثار و آیات نبوت کی حقیقی نشانیاں ہیں، باقی ظاہری نشانیاں صرف سلطی اور ظاہری میں نگاہوں کے لیے ہیں جو ہر چیز کو ان ظاہری آنکھوں سے دیکھ کر پہچانتی ہیں۔

نبوت کی باطنی نشانیاں واقعات کی روشنی میں

ہم نے نبوت کی ظاہری اور باطنی و نشانیاں قرار دی ہیں اور باطنی نشانیوں کو ظاہری علامات پر ترجیح دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ حقیقت شناس صرف باطنی نشانیوں کے طلب کار ہوتے ہیں، آگے چل کر ہم بتا کیسی گے کہ قرآن مجید بھی ان ہی کو نبوت کی اصلی علامات قرار دیتا ہے، یہاں واقعات کی روشنی میں یہ واضح کرنا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں بھی جو لوگ اہل نظر تھے، وہ انہی علامات کی تلاش کرتے تھے، چنانچہ ان لوگوں کو بھی چھوڑو جنہوں نے بالآخر نبوت کی تصدیق کی اس عہد کے ان یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھ جنہوں نے گوئی سبب سے علی الاعلان اس کی تصدیق کی جرأت نہیں کی مگر وہ اندر ورنی طور سے متاثر ہو چکے تھے۔

بی اسرائیل سے بڑھ کر عرب میں علامات الہی کا راز دان کوئی اور نہ تھا سیکڑوں یہودی مشکل کانہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے، امتحانات لیے، تحریکات کیے، مگر ان کا امتحان و تحریک کیا تھا؟ یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے اخلاق کی آزمائیں کرتے تھے، صحف انہیاً بی اسرائیل کے سوالات دریافت کرتے تھے، آپ کی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کرتے تھے، ان میں سے کسی نے آ کر آپ سے خارق عادت مجزہ کا مطالعہ نہیں کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ تماشے بظاہر اور لوگ بھی دھا سکتے ہیں اور یہ خوارق نبوت کی باطنی اور اندر ورنی علامات نہیں ہیں، آنے والے نبی کی بشارتیں اور صفتیں تورات اور انجلیل دونوں میں مذکور تھیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی صاحب خوارق ہونا اور ظاہری مجوزات دکھانا۔ اس کی صفت نہیں بتائی گئی تھی بلکہ تورات میں اس

کے اوصاف یہ بتائے گئے تھے کہ وہ فاران سے طلوع ہوگا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آئے گا، اس کے ہاتھ میں آٹیش شریعت ہوگی، وہ غربیوں اور مسکنیوں کا مددگار ہوگا اور بدکاروں کو جنگی مرد کے مانند ہلاک کرے گا۔ وہ عبادت گزار اور خدا کے احکام کا مطیع ہوگا، مختون قوم (عرب) میں پیدا ہوگا۔ انجلی نے بتایا تھا کہ وہ تسلی کی روح ہوگا، وہ مسیح علیہ السلام کی ناکمل تعلیم کی تخلیق کرے گا، خدا کی زبان اس کے منہ میں ہوگی۔

یہود و نصاریٰ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کا امتحان لیا۔ مگر امتحان کے پرچم میں مادی مجزرات کا سوال شامل تھا بلکہ عام علمی اور نرمی باتوں کی نسبت استفسار تھا۔ قرآن مجید نے ان کے دسوالوں کو درج کیا ہے: «وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقَرْنَيْنِ» (الکھف: ۸۳) اور «وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ» (الاسراء: ۸۵) پہلے سوال میں ”ذی القرنین“ کا قصہ پوچھا گیا ہے اور دوسرے سوال میں ”روح“ کی حقیقت دریافت کی گئی ہے، ان کے علاوہ قرآن مجید میں اہل کتاب کے متعدد اعتراضات اور سوالات مذکور ہیں مگر ان میں سے ایک میں بھی یہ نہیں کہ ہم کو اپنی نبوت کی صداقت کے ثبوت میں کوئی خارق عادت تماشا دھاؤ بلکہ وہی سوالات کرتے تھے جس کو پیغمبر کے علم و عمل میں یا تعلیم و تزکیہ سے تعلق تھا، آگے جل کر ایک خاص باب میں ہم نے یہودیوں کے امتحانی سوالات جمع کر دیے ہیں، ان کو پڑھ کر تم بہتر فیصلہ کر سکتے ہو۔ قرآن مجید میں ان کا ایک سوال بے شرط ایسا مذکور ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ بھی آنحضرت ﷺ سے کسی مادی مجزرہ کی خواہش رکھتے تھے اور وہ یہ ہے:

﴿يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَبَ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ﴾ (النساء: ۱۵۲)

”اہل کتاب تھے فرمائش کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے کتاب اتارے۔“

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ یہودیوں کی مجزرہ طلبی نہ تھی بلکہ چونکہ توارہ کے متعلق ان کا یہ خیال تھا کہ اس کی چند لوگوں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے لکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں، اس لیے وہ اسی تخلیق کے مطابق قرآن کے مخاطب اللہ ہونے کے لیے اس کے نزول کو بھی اسی طرح چاہتے تھے۔ اب اس عہد کے عیسائیوں کو لو، قیصر روم کے دربار میں جب قاصد نبوی پہنچا تو ابوسفیان کو (جو اس وقت آنحضرت ﷺ کے دشمن تھے) بلاؤ کر قیصر نے آنحضرت ﷺ کے متعلق جو سوالات کیے، وہ حسب ذیل ہیں:

قیصر: مدئی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان: شریف ہے۔

قیصر: اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزر اے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: جن لوگوں نے اس کا نامہ ب قبول کیا ہے، وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان: کمزور لوگ ہیں۔

قیصر: اس کے پیرو بڑھر ہے ہیں یا لگھتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان: بڑھتے جاتے ہیں۔

قیصر: کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجوہ ہے؟

ابوسفیان: ابھی تک تو نہیں لیکن اب جو معاہدہ ہوا ہے دیکھیں وہ اس پر فائم رہتا ہے یا نہیں۔

قیصر: تم لوگوں نے اس سے جگ کی ہے؟

ابوسفیان: ہاں۔

قیصر: متنیج کیا رہا؟

ابوسفیان: کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ۔

قیصر: وہ کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان: کہتا ہے ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناو، نماز پڑھو، پاک دامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے کہا کہ ”تم نے اس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اپنے خاندان سے پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوں ہے، تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا، جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکہ جھوٹ باندھ سکتا ہے؟ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے، پیغمبروں کے ابتدائی پیروی وہیں غریب ہی لوگ ہوتے ہیں، تم نے تسلیم کیا کہ اس کا نامہ ب قبول کرتا جاتا ہے، سچ نامہ ب قبول کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں دیا، پیغمبر کبھی فریب نہیں دیتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز و تقویٰ اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے اور اگر یہ سچ ہے تو وہ مقیناً پیغمبر ہے۔“ ①

با وجود طول کلام کے ہم نے یہ تمام آیات سوالات و جوابات یہاں نقل کر دیے ہیں، غور کرو یہ تمام سوالات صرف پیغمبر کے حقیقی آثار و علمات مے متعلق ہیں، ان میں ایک سوال بھی ایسا نہیں ہے جن میں یہ مذکور ہو کہ یہ کہ کامدی نبوت کوئی معجزہ بھی پیش کرتا ہے؟ حالانکہ اگر نبوت کی حقیقی علامت خوارق عادت ہوتے

① صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ: ۷۔

تو سب سے پہلے عیسائی قیصر کو یہی سوال پوچھنا چاہیے تھا۔

حضرت جعفر شافعیؑ مجاشی کے دربار میں اسلام پر تقریر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ ایہا الملک اہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوچھتے تھے، مردار کھاتے تھے، بد کاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، اس اشنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے، اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پھر وہ کو پوچھنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خوزینی سے باز آئیں، قیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو تکلیف نہ دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم ان پر ایمان لائے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال سے بازاۓ۔

نجران کے عیسائی علماء حاذقہ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے قرآن کی آیتیں سنیں، مسلمانوں کی روحانی کیفیتوں کا مشاہدہ کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت اسلام کا فصلہ دریافت کیا، اس کے بعد آنحضرت علیہ السلام نے قرآن مجید کے حکم کے مطابق ان سے مبلغہ کرنا چاہا مگر انہوں نے منظور نہیں کیا اور آپس میں کہا کہ اگر یہ واقعی پیغام ہے تو ہم تباہ ہو جائیں گے، بالآخر سالانہ خراج پر صلح کر لی، دیکھو انہوں نے اسلام کی تعلیمات کا ہر طرح امتحان کیا لیکن دعویٰ کے ثبوت میں انہوں نے ظاہری نشان نہیں مانگا۔

اب خاص عرب کے حقیقت شناس افراد کا مطالعہ کرو آنحضرت علیہ السلام کی نبوت کی ان میں سے ہزاروں اشخاص نے تصدیق کی جن کے فضل و کمال، عقل و هوش اور فہم و ذکا پر ان کے حالات و واقعات گواہ ہیں مگر ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا، جو باطنی علامات کو دیکھ لینے کے بعد ظاہری نشانیوں کا طلب گار ہوا ہو، مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اسلام لائیں، چنانچہ آغاز و حی ہی میں آنحضرت علیہ السلام نے جب حضرت خدیجہؓ سے اپنے مشاہدات روحانی کا تذکرہ فرمایا تو وہ ایمان لے آئیں مگر کس اثر سے؟ اس کی توضیح اس سے ہوتی ہے کہ جب آپ علیہ السلام نے بتقاضاۓ بشریت ان سے اپنے خوف جان کا تذکرہ کیا تو انہوں نے جواب دیا:

وَاللَّهِ مَا يَخْزِيكُ اللَّهُ أَبْدًا إِنَّكَ لِتَصْلِي الرَّحْمَ وَتَحْمِلُ الْكُلَّ وَتَكْسِبُ

الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتَعْنِي عَلَى نِوَابِ الْحَقِّ۔

”اللہ کی قسم! خدا آپ کو کبھی رسوانہ کرے گا، آپ صلد رحم کرتے ہیں، قرض داروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، حق کی مصیبتوں پر لوگوں

¹ مسند احمد، ج ۱، ص: ۲۰۳، ۲۰۴۔ ² صحيح بخاری، کتاب المغازی، باب قصة اهل نجران:

³ صحيح بخاری، باب بدء الوجه: ۴۳۸۰

کی اعانت کرتے ہیں۔“

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو جب آنحضرت ﷺ کی بعثت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ ذرا اس شخص کے پاس جا کر دیکھو جو دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے، وہ مکہ آئے اور تحقیق حال کر کے واپس گئے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا:

رأيته يامر بمكارم الاخلاق و كلاماً ما هو بالشعر۔

”میں نے اس کو دیکھا، وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ایک کلام پیش کرتا ہے جو شعر نہیں۔“

اس قسم کے میسیوں و اقuat ہیں جن سے حقیقت حال کی تشریح ہوتی ہے اور جن کی تفصیل سے ”سیرۃ النبی ﷺ“ کی گزشتہ جلدیں بھری پڑی ہیں۔

قرآن مجید اور نبوت کی باطنی علامات

یہ تمام بیانات درحقیقت قرآن مجید کی ان آیتوں کی تشریح ہیں، جن میں نبوت کی حقیقت اور اس کے اصلی آثار و علامات بتائے گئے ہیں:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابَ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا مُصَّيْنُ لَكُمْ كُثُرًا فَمَا أَكْنُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُونَ عَنْ كُثُرَةٍ قَدْ جَاءَكُمْ فِيمَنْ أَنْلَوْرَ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ يَهْدِي إِلَيْهِ اللَّهُ مِنَ الْأَئِمَّةِ رَضْوَانَهُ سُبْلَ السَّلَامِ وَيُنْهِيَّهُمُ مِنَ الظُّلْمِ إِلَى الْوَرِيَادِنِ وَيَهْدِيُّهُمُ إِلَى صِرَاطِ مُّسْتَقِّنِ﴾

(۵/ المائدۃ: ۱۵-۱۶)

”اے یہود و نصاریٰ! تمہارے پاس ہمارا رسول آپ کا جو تمہاری کتاب کی بہت سی باتیں جن کو تم چھپاتے ہو صاف صاف بیان کرتا ہے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے، اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی اور قرآن آپ کا خدا اس کے ذریعہ سے ان کو جو اس کی خوشنودی کے پیرو ہیں سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور ان کو اپنے حکم سے وہ اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور ان کو سیدھا راستہ بتاتا ہے۔“

﴿رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَُّ عَلَيْهِمُ الْيَهُودُ وَيُزَكِّيُّهُمْ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾

(۲/ الجمعة: ۶۲)

”خود ان ایسوں میں سے ایک رسول معموث کیا جوان کو خدا کی آیتیں سناتا ہے، ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دیتا ہے۔“

﴿رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتَوَلَُّ عَلَيْهِمُ الْيَهُودُ وَيُزَكِّيُّهُمْ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾

* صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی ذر: ۶۳۶۲۔

(۱۶۴/آل عمران)

”خود امیوں میں سے ایک رسول مسجوت کیا جوان کو خدا کی آسمیں سناتا ہے، ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔“

﴿الرَّسُولُ الَّتِي الْأَنْتُمْ إِذْنِي بِهِ عَجَدُونَهُ مَلَكُوتِي عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرِيلَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَا أَمْرُهُمْ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَمَحْلُولُ لَهُمُ الطَّيْبَاتُ وَيَحْرُمُ عَلَيْهِمُ الْحَبَيْثُ وَيَضْعِمُ عَنْهُمْ
إِصْرَهُمُ وَالْأَخْلَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (۷/الاعراف) (۱۵۷)

”اس ای فرستادہ الہی اور پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ توراۃ و انجلیل میں لکھا ہاتے ہیں، وہ ان کو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور (رسم درواج) کے جو بوجھ اور بیڑیاں ان پر پڑی ہوئی تھیں وہ ان سے دور کرتا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَكَانِيْا إِلَى اللَّهِ بِأَدْنِيهِ وَبِسَارِجَا
مُنْبِرًا﴾ (۴۵/الاحزاب) (۴۶)

”اے پیغمبر! ہم نے تمہ کو اپنا گواہ اور (نیکوکاروں کو) خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا، خدا کی طرف اس کے حکم سے پکارنے والا اور روشن چراغ بنانا کر بھیجا ہے۔“

الغرض نبوت کے اصلی آثار و علامات یہ ہیں کہ وہ آیات الہی تلاوت کرتا ہے، زنگ آلوہ نفوس اور سیہ کار قلوب کو جلا دیتا ہے، لوگوں کو کتاب و حکمت اور اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اچھی باتوں کو پھیلاتا ہے اور برا سیہوں سے روکتا ہے، وہ طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتا ہے، وہ قوموں کے بوجھ کو اتارتا ہے اور ان کے پاؤں کی بیڑیوں کو کاث ڈالتا ہے، وہ خدا کا گواہ بن کر اس دنیا میں آتا ہے، لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے، نیکوکاروں کو بشارت سناتا ہے، بدکاروں کو عذاب الہی سے ڈراتا ہے اور اس فلمت کدہ عالم میں وہ ہدایت کا چراغ بن کر چلتا ہے۔ قریش آنحضرت علیہ السلام سے مجذہ کے طالب ہوتے ہیں اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِيَنَا أَيَّةً ۚ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَقُتُلُوكُلُهُمْ لَشَابِهَتْ قُلُوهُمْ ۖ قَدْ بَيَّنَتِ الْأَيْتَ لِقَوْمٍ يُؤْقَنُونَ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ يُشَيْرُ إِلَيْهِ
وَنَذِيرًا وَلَا شَكَلَ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحْيُونَ ۝﴾ (۲/ البقرة) (۱۱۸، ۱۱۹)

”اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا خود ہم سے باہم کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی، ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا، دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہو گئے، ہم نے تو نشانہ ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دیں (اے

محمد ﷺ ہم نے تجوہ کو سچائی دے کر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ذرا نے والا بنا کر بھیجا اور (جن کو اب بھی یہ نشانیاں باور نہ آئیں) ان دوزخیوں کی تم سے باز پر سہ ہو گی۔“

کفار پیغمبر کی صداقت کی نشانی چاہتے ہیں، اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی صداقت کی روشنی تو اس کا سرتاپا وجود ہے اور اہل یقین کے لیے اس کی سچائی کی تمام نشانیاں ظاہر کر دی گئی ہیں، اس کی حقانیت نیکوکاروں کو خوشخبری سنانا، بدکاروں کو ذرا نہ رکھنا اور منصب کرنا اور اس سے انقلاب انسانی اور فتنات حرج روحانی کا ظہور یہ خود اس کی صداقت کی کھلی نشانیاں ہیں:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا أَنْزَلْتَ عَلَيْهِ أَيْتَ قُنْ رَبِّهِ فَإِنْ إِيمَانُ الْأَيْتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنْذَلْتَ يُؤْمِنُونَ﴾ اور
﴿كَمْ لَكُفِيمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ﴾

(۵۰/۲۹) العنكبوت:

”اور وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں، کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں۔ ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ تجوہ پر ہم نے کتاب اتاری جوان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔“

یعنی خود یہ دعوت الہی اور پیغام رب اپنی آیت و نشانی ہے اور اہل بصیرت کے لیے یہی مجرہ ہے:

﴿أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةً أَنْ يَعْلَمَهُ اللَّهُمَّ إِنَّمَا يُبَيِّنُ لَقَوْنَاعِنِينَ﴾ (۲۶/الشعراء: ۱۹۷)

”کیا ان کافروں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ بنی اسرائیل کے عالم لوگ اس کو جانتے ہیں۔“ یعنی پیغمبر اسلام ﷺ کا مجرہ یہ ہے کہ ایک امی ہو کر وہ ایک ایک ایسی کتاب اور اسی تعلیم پیش کرتا ہے جس کی صداقت کو عملاً بنی اسرائیل جانتے اور سمجھتے ہیں، کیا یہ مجرہ جہلائے قریش کی تسلی کے لیے کافی نہیں ہے کہ بڑے بڑے علماء اس کی سچائی کے دل سے معرف ہیں:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِنَا بِآيَةٍ قُنْ رَبِّهِ أَوْ لَمْ تَأْتِنَاهُمْ بِسَيِّئَةٍ مَا فِي الصُّحْفِ الْأُولَى وَلَوْلَا كَانَ أَهْلَنَّهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قِيلَهُ لَكَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولاً فَنَتَّقَعُ إِلَيْكَ﴾

(۲۰/ طہ: ۱۳۴، ۱۳۳)

”اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا کیا ان کو اگلی کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی اور اگر ہم ان کو اس سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! کیوں تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔“

یعنی گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کی جو صفات اور نشانیاں مذکور تھیں، پیغمبر اسلام ﷺ کی کام مصدقہ کامل ہونا یہی سب سے بڑی نشانی ہے یا اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کفار بار بار یہی کہتے ہیں کہ مجرہ دکھاو، مجرہ تو انہیں دکھائے جا چکے، کیا یہیں معلوم کہ گزشتہ قومیں مجرات دیکھ کر بھی جب ایمان نہ لائیں تو ان کا کیا حشر ہوا کفار کا سوال تھا کہ

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كُفَّارًا لَوْلَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهِ أَيْهَا الْمِنْ رَبِّهِ ط﴾ (۱۳ / الرعد: ۷)

”اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔“

اس کے جواب میں خدا نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَكَلِيلٌ فَوَمِ هَادِيٌ ط﴾ (۱۳ / الرعد: ۷)

”اے محمد ﷺ! تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم میں ایک ہادی گزرائے۔“

مقصود یہ کہ نبوت کی حقیقت مجرہ نہیں بلکہ انداز اور ہدایت ہے۔

ظاہری آیات اور نشانات

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انہیا علیہم السلام ظاہری آیات اور مادی نشانات سے خالی ہوتے ہیں، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتیں بیک زبان اس کی تقدیق کرتی ہیں کہ بالحق آئیوں کے ساتھ ان کو ظاہری حصہ بھی ملتا ہے، قرآن مجید نے اکثر انبیاء علیہم السلام کے سوانح و واقعات کے ضمن میں ان کے ظاہری آثار و دلائل کو بھی تفصیل بیان کیا ہے، بلکہ کہنا یہ ہے کہ یہ مادی اور ظاہری نشانات نبوت کی اصل حقیقت سے خارج ہیں یہی سبب ہے کہ متعدد مقامات پر قرآن مجید نے کفار کی مادی نشانیوں کی طلب میں آپ ﷺ کی طرف سے یہ الفاظ کہتے ہیں:

﴿هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَّارٌ سُولَّا ط﴾ (۱۷ / بنی اسرائیل: ۹۳)

”میں تو صرف ایک انسان پیغمبر ہوں۔“

ظاہری نشانات صرف معاندین طلب کرتے ہیں

لیکن نبوت کے ظاہری اور عامیانہ آثار و علامات یعنی خارق عادت مجرات صرف وہ فرقہ طلب کرتا ہے جس کے دل کی آنکھیں اندر ہوتی ہیں اور جو تعصّب و عناد اور جہل کے باعث حق کے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا، چنانچہ انبیاء کرام پر ایمان لانے والوں کے حالات پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ مجرات کی طلب نیکو کاروں نے نہیں کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجرہ بنی اسرائیل کے مقابلہ میں نہیں بلکہ فرعون کے مقابلہ میں دیا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے حواریوں نے نہیں بلکہ یہودیوں نے مجرہ طلب کیا، آنحضرت ﷺ سے ابوکبر و عمر رضی اللہ عنہما نے نہیں، بلکہ ابو جہل وابولہب نے مجرہ ما نگا، یہی حال دوسرے انبیاء علیہم السلام کا بھی ہے، قرآن

مجید نے اس حقیقت کی پوری تصریح کی ہے اور طلب مجزہ کے سوال کو ہمیشہ کفار کی طرف منسوب کیا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا أَيْةً﴾ (۲/ البقرة: ۱۱۸)

”اور جن کو کتاب الہی کا علم نہیں (یعنی کفار قریش) کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔“

﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ أَيْةٌ﴾ (۶/ الانعام: ۳۷)

”اور کفار نے کہا کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتنا ریگی۔“

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ أَيْةٌ مِّنْ رَبِّهِ﴾ (۱۳/ الرعد: ۲۷)

”اور کفار کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی۔“

﴿وَقَالُوا لَوْلَا يُأْتِنَا بِآيَةٍ مِّنْ رَبِّهِ﴾ (۲۰/ طہ: ۱۳۳)

”اور کفار نے کہا کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا۔“

دیکھو کہ ہر آیت میں کفار ہی کا مجزہ طلب کرنا ظاہر کیا گیا ہے۔

کفار کا یہ مجزہ طلب کرنا فتنی مجزہ کی دلیل نہیں

کفار کے اس بار بار کے اصرار سے کہ پیغمبر ہم کو مجزہ کیوں نہیں دکھاتے بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کو کوئی مجزہ نہیں دکھایا، اگر وہ کوئی مجزہ دیجئے چکے ہوتے تو بار بار مجزہ کے لیے اصرار کیوں کرتے؟ لیکن یہ استدلال سرتاپا غلط ہے، ان کو نفس مجزہ ما لگنے پر بھی بلکہ مادی اور ظاہری مجزات طلب کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ عناوے طلب مجزہ پر مصر ہیں، چنانچہ ان تمام مقامات میں جہاں کفار کی اس طلب مجزہ کا ذکر ہے یہ تصریح موجود ہے اور انہیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان خوارق سے انہیں تسلی نہ ہوگی ان کو چاہیے کہ نبوت کے اصلی آثار و علامات کی طرف توجہ کریں کہ سعادت مندوں کی تسلی ان ہی سے ممکن ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا أَيْةً كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مُّثِلُّوْهُمْ طَائِبَهُتْ قُلُوبُهُمْ طَقْدَ بَيْنَ الْأَيْتَ لِقَوْمٍ يُوْقَنُونَ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ يُبَشِّرُ إِنَّمَا أَنْذِرْنَاكُمْ لَا أَنْذِرْنَاكُمْ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيْمِ﴾ (۲/ البقرہ: ۱۱۸)

”اور جنہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی آیت نہیں آتی ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا دونوں کے دل ایک سے ہو گئے ہیں، ہم نے نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دی ہیں، اے

پیغمبر احمد نے تجھ کو سچائی دے کر، نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور (جن کو یہ نشانیاں باور نہ آئیں) ان دوزخیوں کی تم سے باز پس نہ ہوگی۔“
اس آیت کریمہ میں صاف موجود ہے کہ ہم نشانیاں کھول کر بتاچکے ہیں لیکن ان نشانیوں سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اہل یقین ہیں اور جو ہر امر میں شک کرتے ہیں ان کا علاج صرف دوزخ ہے، دوسرا آیت میں ہے:

﴿وَقَالُواْ تُولَا يَأْتِينَا بِالْيَةٍ قُنْ رَّبِّهِ طَ اُوْلَئِنَّا تَأْتِيْهُمْ بَيْتَهُ مَا فِي الصُّحْفِ الْأُولَى هَ وَكُونَاتٌ أَهْلَلُنُّهُمْ بِعَدَّا بَ قِنْ قَبْلِهِ لَقَالُواْ رَبِّنَا تُولَا اُرْسَلْتِ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَّيَّهُ إِلَيْكَ﴾

(۱۳۴: ۱۳۳: ۶۰/ ۲۰)

”اور کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا؟ کیا ان کے پاس گزشتہ کتابوں کی گواہی نہیں بھی؟ اگر ہم اس سے پہلے کسی عذاب سے ان کو ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! کیوں ہمارے پاس کوئی رسول تو نے نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔“

اس آیت میں بھی مجرزات ظاہر ہونے کے بعد مزید مجرزات کی طلب پر گزشتہ قوموں کے واقعات کی طرح جو اگلی کتابوں میں مذکور ہیں، متوجہ کیا گیا ہے کہ دیکھ لو! دنیا میں ان کا کیا حشر ہوا جنہوں نے مجرزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں قبول کیا۔

مجرزات تو بہر حال کسی آنی زمانہ اور مخصوص وقت میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر دنیا کے دوسرے حوادث کی طرح فنا ہو جاتے ہیں اس بنا پر اگر ہر معاند کے سوال پر پیغمبر مجرزہ ہی دکھاتا رہے تو یہ تسلیم شاید کمی ختم نہ ہو اور پیغمبر کی زندگی صرف ایک تماشگر کی حیثیت اختیار کر لے اس لیے ظاہری مجرزہ طلب کرنے والوں کو دامگی اور مسلسل مجرزہ کی طرف ملتفت ہونے کی تاکید ہوتی ہے:

﴿وَقَالُواْ تُولَا أَنْزِلَ عَلَيْنَا إِلَيْتُ مِنْ رَّبِّهِ طَ قُلْ إِنَّمَا الْأَيْتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّؤْمِنٌ هَ وَ لَمْ يَغْفِلْهُمْ أَنَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَبَ يَقْرَئُ عَلَيْهِمْ هَ﴾ (۵۱، ۵۰: ۲۹) / العنكبوت

”اور وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی کہ دے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں میں صرف کھلاڑ رانے والا ہوں کیا یہ ان کو بس نہیں کرتا کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جوان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔“

معاند میں کو مجرزہ سے بھی تسلی نہیں ہوتی

نفیات انسانی کا خاصہ ہے کہ جب کسی کی طرف سے اس کے جذبات مخالفانہ ہوتے ہیں تو وہ اس کی

کسی بات کو حسن ظن پر محمول نہیں کرتا اور اس کو اس کی ہرشے کے اندر شر، جبٹ اور بدی نظر آتی ہے، جلی سے جلی اور واضح سے واضح برہان بھی اس کے دل کے ریب اور قلب کے شک کو دور نہیں کر سکتے، معاذن دین جوانبیا علیہ السلام کے مکارم اخلاق، حسن عمل، حسن تعلیم اور دیگر علمی و عملی تلقینیات کو باور نہیں کرتے اور ان کے کھلے اور بدیہی دعوؤں کو بھی تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے اور ہر قسم کی دلیلوں کو سن لینے کے بعد بھی وہ اپنے لاعلانج مرض شک سے نجات نہیں پاتے تو آخر اخیل کے طور پر وہ پیغمبروں سے خارق عادت ماجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں اور چونکہ انہیں بدگمانی سے یہ یقین ہوتا ہے کہ ہماری یہ طرح کا ایک مدعی انسان بھی ایسی عجیب و غریب چیز پر قدرت نہیں رکھتا، اس لیے وہ بھی کوئی خارق عادت امر پیش نہ کرے گا اور اس طرح اس کی رسولی عالم آشکارا ہو جائے گی اور خود اسی کے ہاتھوں سے اس کے دعوؤں کے تاروں پوکھر جائیں گے لیکن قدرت الہی آخری جنت کے طور پر ان کے سامنے مججزات اور خارق عادت بھی پیش کردیتی ہے، تاہم ان کو دیکھ کر بھی معاذن اندروح ان کے دلوں میں پیغمبروں کی سچائی کا اعتبار نہیں پیدا ہونے دیتی اور بدگمانی انہیں یہ بتاتی ہے کہ گواں خارق عادت کے ظہور میں تو شک نہیں مگر یہ خدائی قوت کا کر شہم نہیں بلکہ یہ شیطانی عمل اور سحر و جادو کی قوت سے پیدا ہوا ہے اور چونکہ بظاہر مججزہ اور سحر و شعبدہ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا اس لیے ان کے بدگمان قلب کو اس سے بھی تسلی نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو متعدد مججزے دکھائے مگر ہر ایک کے جواب میں انہیں یہی سنتا پڑا کہ تم جادوگر ہو:

﴿هَذَا سُحْرٌ مَّيِّنٌ﴾ (۲۷/ النمل: ۱۳) “یہ تو کھلا جادو ہے۔”

﴿إِنْ هُدُنِ لَسْحَرٍ﴾ (۲۰/ طہ: ۶۳) “یہ مویٰ اور بارون (علیہ السلام) یقیناً جادوگر ہیں۔”

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مججزہ عصا کو دیکھ کر مصر کے جادوگر سجدے میں گر گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری پر ایمان لے آئے مگر فرعون یہی کھتار ہا:

﴿إِنَّهُ لَكَبِيرٌ مِّمَّا لَذِئْنِ عَلَيْكُمُ السُّحْرُ﴾ (۲۰/ طہ: ۷۱)

“یہ مویٰ علیہ السلام سب کا بڑا جادوگر ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔”

تورات میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو جب کوئی مججزہ دکھاتے تھے تو ہر مججزہ کے بعد فرعون کے دل کی بختی علی حالہ باقی رہ جاتی تھی، چنانچہ تورات میں تقریباً ہر مججزہ کے بعد یہ مذکور ہے: ”لیکن فرعون کا دل سخت رہا اور اس نے ان کی نہ سئی“ * انجلیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے زیادہ مججزات دکھائے لیکن خود انجلیل میں مذکور ہے کہ تقریباً ہر مججزہ کے بعد حاضرین کی دو جماعتیں ہو جاتی تھیں، ایک تو ان کی معتقد ہو جاتی تھی اور یقین کرتی تھی کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور

دوسری کہتی تھی کہ یوسع کے ساتھ شیطان رہتا ہے تب یہودیوں کے بیچ ان باتوں کے سب اخلاف ہوا اور بہتوں نے ان میں سے کہا کہ اس کے ساتھ ایک دیوتار رہتا ہے اور وہ مجھوں ہے۔^۱ تم اس کی کیوں سنتے ہو اور وہ نے کہا، یہ بتیں اس کی چیز جس میں دیو ہے کیا دیواند ہے کی آنکھیں کھول سکتا ہے۔^۲ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک گونگے کو اچھا کیا لوگ حیرت زدہ رہ گئے لیکن فریسی یہودیوں نے کہا: یہ دیوں کے سردار کی مدد سے دیوؤں کو نکالتا ہے۔^۳ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معاندین کے جواب میں کہا: ”تم کہتے ہو کہ میں دیوؤں کو بدل زبول (ایک دیوتا کا نام ہے) کی مدد سے نکالتا ہوں۔^۴ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے متعدد دفعہ لوگوں سے کہا کہ ”تم مجرمات دیکھتے ہو مگر ایمان نہیں لاتے۔“

یوسع (عیسیٰ علیہ السلام) نے یہ بتیں کہیں اور اپنے تیس ان سے (فریسی یہودیوں سے) چھپایا اور اگرچہ اس نے ان کے رو برداشتے مجرمے دکھائے پر وہ اس پر ایمان نہ لائے^۵ ”تب ان شہروں کو جن میں اس کے بہت سے مجرمے ظاہر ہوتے، ملامت کرنے لگا کیونکہ انہوں نے توبہ نہ کی تھی۔“^۶ کفار قریبیں آنحضرت علیہ السلام سے مجرموں کے طالب ہوتے تھے مگر جب مجرمے دیکھتے تھے تو کہاں اور جادوگر کہنے لگتے تھے۔^۷ عرب میں پیشین گوئی کا ہن کیا کرتے تھے، آنحضرت علیہ السلام کی پیشین گوئیوں کو دیکھ کر معاندین نے آپ علیہ السلام کو کہا ہن کا خطاب دیا تھا، اس لیے قرآن مجید نے کہا:

﴿فَمَا أَنْتَ بِنُعْمَةِ رَبِّكَ يَكَاهِينَ﴾ (۵۲/ الطور: ۲۹)

”اے پیغمبر! تو اپنے پر ودگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے۔“

﴿وَلَا يَقُولُ كَاهِينٌ﴾ (۶۹/ الحاقة: ۴۲) ”اور یہ کسی کا ہن کی بات نہیں ہے۔“

آنحضرت علیہ السلام کے مجرمات اور خوارق کو وہ دیکھتے تھے اور ان کو جادو کا اثر سمجھتے تھے۔

﴿ثُمَّأَذْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ إِنْ هُنَّ إِلَّا سُحْرُ بَيْتِنَا﴾ (۷۴/ المدثر: ۲۴، ۲۳)

”پھر پیغام پھیر کر چلا اور غرور کیا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے جو اگلے وقت سے چلا آتا ہے۔“

کفار ایک دوسرے کو منع کیا کرتے تھے کہ محمد (علیہ السلام) کے پاس نہ جایا کرو کیونکہ وہ جادو کیا کرتے ہیں:

﴿هَلْ هُنَّ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأُنُونَ السُّحْرَ وَإِنَّمَا تُحَرِّرُونَ﴾ (۲۱/ الانیاء: ۳)

”یہ محمد تو تمہاری ہی طرح آدمی ہیں کیا تم جادو کے پاس آتے ہو اور تم دیکھ رہے ہو۔“

﴿قَالَ الَّذِينَ لَكَفَرُوا لِلْحَقِّ لَتَأْتِيَ جَاءُهُمْ لَا هُنَّ إِنْسَنٌ مُّبِينٌ﴾ (۴۶/ الاحقاف: ۷)

”حق کے منکرین کے پاس جب حق آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔“

¹ یوحننا کی انجیل، باب: ۱۹، ۱۰۔ ² متی کی انجیل، باب: ۳۴، ۹۔

³ لوقا کی انجیل: ۱۸، ۱۱۔ ⁴ یوحننا کی انجیل: ۱۳، ۳۷۔ ⁵ متی کی انجیل: ۱۰، ۱۱۔

⁶ متی کی انجیل: ۱۱، ۱۰۔ ⁷ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، مناقب ابی ذر: ۶۳۶۱۔

آنحضرت ﷺ نے جب مجرہ شن القمر دکھایا تو کفار نے اس کو بھی جادو کہا:

﴿إِقْرَبُتِ السَّاعَةُ وَأَنْشَقَ الْقَمَرُۚ وَإِنْ يَرَوْا إِلَيْهِ يُغْرِضُوا وَيَقُولُوا سُحْرٌ مُّسْمَرٌ﴾

(القمر: ٢٠، ١)

”نژدیک آگئی قیامت اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ کوئی بھی نشانی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔“

دوسرا مجرا ت کو دیکھ کر وہ یہی کہتے رہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو جادوگر ہے:

﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَباً أَنَّ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدْمَ صَدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۝ قَالَ الْكُفَّارُونَ إِنَّ هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾

(يونس: ٢٠)

”کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک پروپی اتاری کی لوگوں کوڑا اور ان کو جو ایمان لائے بشارت دے کہ ان کے پروردگار کی بارگاہ میں ان کی بڑی پائے گاہ ہے کافر کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادوگر ہے۔“

معاذین کو مجرہ سے بھی ایمان کی دولت نہیں ملتی

چونکہ معاذین کو حق و باطل کی تمیز کی قوت نہیں ہوتی اور یقین کی سعادت سے وہ محروم ہوتے ہیں، اس لیے بڑی سے بڑی نشانی بھی شک و شبہ کے گرداب سے ان کو باہر نہیں نکال سکتی، وہ بھی اس کو جنت و اتفاق کا نتیجہ سمجھتے ہیں، بھی اس کو حرج و جادو سمجھ کر اس کی تندیب کرتے ہیں، بھی فریب اور قوت شیطانی کا ان کو دھوکا ہوتا ہے، اس لیے مجرماں سے بھی ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی، جنت کے لیے ایک دفعہ مجرہ ان کو دکھایا گیا تو ان کا شہر رفع نہیں ہوا پھر مجرہ طلب کرتے ہیں تو قرآن کہتا ہے کہ اب بھی ان کی تسلی نہ ہوگی، چنانچہ سورہ انعام کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام مراتب کو بیان کر دیا ہے:

﴿وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ أَيَّةٍ مِّنْ أُلْيَتْ رَبِّهِمْ لَا كَانُوا عَنْهَا مُغْرِضُينَ﴾ (آل الانعام: ٤)

”اور خدا کی نشانیوں سے کوئی نشانی ان کے پاس نہیں آتی لیکن یہ کہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔“

﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْنَاكَ كِتَابًا فِي قُرْطَابٍ لَّمْ سُوْدٌ يَأْيُدُهُمْ أَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ (آل الانعام: ٧)

”اے پیغمبر! اگر ہم تجھ پر ایسی کتاب بھی آسمان سے اتاریں جو اوراق میں لکھی ہو کہ وہ اس کے اپنے ہاتھوں سے چھوئیں تو وہ جو کافر ہیں بھی کہیں گے کہ یہ فقط ایک ساحرانہ تماشا ہے۔“

﴿وَكُنْ تَيْرَوْا كُلَّ أَيَّةً لَا يُؤْمِنُوا بِهَا مَحْتَى إِذَا جَاءُوكُمْ يُجَادِلُونَكُمْ يَقُولُ الَّذِينَ لَفَرَدُوا إِنْ هُدَى إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ (الانعام: ٢٥)

”اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں گے تو وہ ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ جب وہ تیرے پاس آتے ہیں تو تجھ سے جھگڑا کرتے ہیں اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صرف اگلوں کی کہانیاں ہیں۔“

﴿وَقَالُوا إِلَّا أَنْزَلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَكْرَمُ مِمَّا لَا يُنْظَرُونَ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَّهُ سَنَّا عَلَيْهِمْ مَا يَلِيسُونَ﴾ (الانعام: ٩، ٨)

”اور کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتنا راگیا، کہہ دے کہ اگر فرشتہ اتنا را جاتا تو ان کو پھر مہلت نہ دی جاسکتی اور بات پوری ہو جاتی اگر ہم رسول کا ساتھی کسی فرشتہ کو بناتے تو اس کو بھی انسان ہی کی صورت میں بناتے تو پھر وہی شہبے ان کے دلوں میں ہم پیدا کرتے جواب یہ کر رہے ہیں۔“

﴿وَلَوْ أَنَّا نَرَلَنَا إِلَيْهِمُ الْمَلِكَةَ وَكَلَمَهُمُ الْمَوْلَى وَحَسَرَنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبْلًا مَا كَانُوا لَيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلِكُنَّ الْكُفَّارُ هُمْ يَجْهَلُونَ﴾ (الانعام: ١١)

”اور اگر ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتے بھی اتنا کر بھیجیں اور مردے بھی ان سے باٹیں کریں اور ہر چیز ان کے سامنے لاکھڑی کر دیں تو وہ ایمان نہ لائیں گے لیکن یہ کہ خدا کی مشیت ہو لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔“

آنحضرت ﷺ کو فرط شفقت سے یہ خیال بار بار آتا تھا کہ یہ رو سائے قریش ایمان کی دولت سے محروم نہ رہنے پائیں خدا نے فرمایا کہ ان کو حقیقت میں براہ راست نبوت کا انکار نہیں بلکہ ان کو نبوت سے اس لیے انکار ہے کہ ان کو اولاً نفس خدا پر یقین نہیں یہ ظاہر نبوت کی نشانیوں کو طلب کرتے ہیں مگر واقع یہ ہے کہ ان کو خدا کی نشانیاں بھی تسلیم نہیں ایسے لوگوں کی قسم میں ایمان کی سعادت نہیں، ان کے لیے مجرے بیکار ہیں یہ سعادت انہی کو ملتی ہے جو حق کے طالب ہیں اور حق کی باتوں کو سخنے ہیں:

﴿قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحِزُّنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يَنْذِلُونَكَ وَلِكُنَّ الظَّالِمِينَ بِأَلِيَّتِ اللَّهِ بِيَحْمِدُونَ وَلَقَدْ گُلَيْتُ رُسُلٌ قَبْلَكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُرِبُوا وَأَذْوَاهُ حَتَّىٰ اللَّهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَتِ اللَّهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَّيَّارِ الْمُرْسَلِينَ وَإِنْ كَانَ كَبِيرًا عَلَيْكَ أَعْرَاضُهُمْ فَإِنْ أَسْتَعْفَتَ أَنْ تَبْتَغِي نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلُّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيهِمْ بِأَيْقُونَ شَاءَ اللَّهُ لَجَمِيعِهِمْ عَلَى الْهُدَى فَلَا تَنْجُونَ مِنْ الْجَهَلِينَ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ

يَسْمَعُونَ وَالْمُوْلَوْنَ يَعْتَمِمُهُ اللَّهُ تَمَّ الْيَوْمَ يُرْجَعُونَ وَقَاتُلُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ أَيَّةٌ مِّنْ رَّبِّهِ طَفْلٌ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنْزِلَ أَيَّةً وَلَكِنَّ الْكُثُرَ هُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (٦/ الانعام: ٣٣ تا ٣٧)

”هم جانتے ہیں کہ ان کافروں کی باتیں تجوہ کو غمکن کرتی ہیں لیکن تجوہ کو غمکن نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ تجوہ کوئی نہیں تھلاستے بلکہ دراصل ان ظالموں کو خدا کی نشانیوں سے انکار ہے تجوہ سے پہلے انہی بھی جھلائے گئے تو انہوں نے اپنی تکنید بپر صبر کیا اور ان کو بھی ایذا پہنچانی گئی یہاں تک کہ ان کے پاس خدا کی نصرت آئی خدا کی باتوں کو کوئی بد لئے والا نہیں گزشتہ پیغمبروں کے واقعات مجھ کو معلوم ہو چکے ہیں اور اگر ان کافروں کی روگردانی تجوہ پر گراں ہو تو اگر تجوہ میں طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرگ یا آسمان میں کوئی سیرھی ڈھونڈ کر ان کو کوئی نشانی لا کر دے (ان نشانیوں سے ان پر کوئی اثر نہ ہوگا) اگر خدا چاہتا تو ان کو راہ ہدایت پر منفق کر دیتا تو (غمکن ہو کر) جاہلوں میں سے نہ بن، دعوتِ الہی کو وہی قبول کرتے ہیں جو آواز پر کان دھرتے ہیں (اور یہ کافر جو دل کے مردے) ہیں ان کو خدا ہی اٹھائے گا پھر اسی کی طرف لائے جائیں گے یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی کہہ دے کہ خدا نشانی لانے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نادان ہیں۔“

لیکن مجرہ دیکھنے پر بھی ان کے قلوب کو طیران حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس شک و شبہ کا مشاخص عناد ہے حق طلبی نہیں اگر حق طلبی مقصود ہوتی تو پہلی ہی دفعہ دیکھ کر وہ ایمان لے آتے:

»وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهَدًا أَيْمَانَهُمْ لِيَنْ جَاءَنَّهُمْ أَيَّةٌ يَوْمَنْ يَهَا طَفْلٌ إِنَّمَا الْأَيَّةُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشَعِّرُ كُلُّمُ لَا إِنَّهَا إِذَا جَاءَتُ لَا يُؤْمِنُونَ وَنَقْلِبُ أَفْدَلَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةً وَنَذِرُهُمْ فِي طُفْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ وَلَوْ أَنَّا نَرَكُنْنَا إِلَيْهِمُ الْمِلِّكَةَ وَكَلَمَهُمُ الْمُوْلَى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ فَقِيلًا مَا كَانُوا لَيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَكُنَّ اللَّهُ وَلَكِنَّ الْكُثُرَ هُمْ يَجْهَلُونَ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّنِي عَدُوًا شَيْطَانَ الْإِنْسَ وَالْجِنْ يُوْجِي بَعْضَهُمْ إِلَى بَعْضِهِنَّ ۝ (٦/ الانعام: ١١٣ تا ١١٤)

”اور یہ کافر خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ان کے پاس آجائے گی تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں اور تمہیں کس نے بتایا کہ یہ نشانیاں دیکھ کر ایمان لائیں گے یہ ایمان نہیں لائیں گے (نشانی کے بعد) ہم ان کے دلوں کو (حصول یقین سے) اور ان کی آنکھوں کو (اپنے دیکھنے پر اعتبار کرنے سے) پھر دیتے ہیں جس طرح کہ یہ پہلے اس پر ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی اسی سرکشی کی حالت

میں چھوڑ دیں گے کہ بھکتے رہیں اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتار کر بھجیں اور مردے بھی اٹھ کر ان سے باتیں کریں اور ہر چیز ہم ان کے سامنے بھی کر دیں تو وہ ایمان لانے والے نہیں، مگر جو چاہے اللہ، لیکن ان میں اکثر نادان ہیں اور ہم نے اسی طرح ہر بھی کام معاملہ انسانوں اور جنوں سے بنایا ہے جو ایک دوسرے کو دھوکے کی نمائش با تین سکھایا کرتے ہیں (اسی عناد کے باعث وہ نشانیوں کو نہیں مانتے)۔“

اگر فرع جلت کے لیے ان کو مجبورہ دکھایا بھی جاتا ہے تو حیله جوئی کر کے کہتے ہیں کہ گردنڈ انبیا کو جیسے مجرزے دیے گئے، جب تک وہی مجرزے ہم کو نہ دیے جائیں، ہم ایمان نہ لائیں گے:

﴿فَلَمَّا كَانَ يَأْتِيُهُ كَمَا أُرْسِلَ إِلَيْهِ الْأَوْلَوْنَ﴾ (الأنبياء: ٥)

”چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے جیسے پہلے لوگ پیغمبر بننا کر بھیجے گئے۔“

لیکن فرض کرو کہ وہی مجرزات دکھائے جائیں تو ان کی حیله جو طبیعت ان سے کب تسلی پائے گی، وہ فوراً یہ کہہ دیں گے جیسا کہ انہوں نے بارہا کہا ہے کہ یہ محض ساحرانہ کر شمہ ہے اور ہماری آنکھوں کو مسحور کر دیا گیا ہے:

﴿وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الْكِتَابُ لَمَنْ جَنُونٌ ۝ لَوْمًا تَأْتِينَا بِالْمَلِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّدِيقِينَ ۝ مَا نُنْزِلُ الْمَلِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذَا مُنْظَرِينَ ۝ إِنَّا نَحْنُ نُنْزِلُنَا الَّذِي رَأَى
وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْءِ الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهُمْ قَنْ رَسُولٌ إِلَّا
كَانُوا يَهْيَ سَاهِرُونَ ۝ كَذَلِكَ نَسْلَلُهُ فِي قُلُوبِ الْجُحْرِمِينَ ۝ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُئُلَةُ
الْأَوَّلِينَ ۝ وَكُوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلَّوْ فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝ لَقَالُوا إِنَّا سُكِّرْتُمْ
أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ ۝﴾ (الحجر: ٦ - ١٥)

”اور کافر کہتے ہیں کہاے وہ جس پر نصیحت اتری ہے تجھ پر کوئی جن سوار ہے، کیوں تو فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتا اگر تو سچا ہے، خدا کہتا ہے، خدا کہتا ہے ہم فرشتوں کو دنیا میں حق کے ساتھ اتارتے ہیں، اگر فرشتے اتار دیے جائیں تو پھر ان کافروں کو مہلت نہ دی جائے گی اس نصیحت کو ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ ہم نے تجھ سے پہلی قوموں میں بھی پیغمبر بھیجے اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی پیغمبر نہ گیا لیکن انہوں نے اس سے تمخر کیا اسی طرح ہم گنہگاروں کے دلوں میں بخدا ہیتے ہیں وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے یہ اگلوں سے رسم ہوتی آئی ہے اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور وہ اس میں چڑھ گئی جائیں تو یہی کہتے رہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو متواہ بنا یا گیا ہے بلکہ ہم پر جاؤ کر دیا گیا ہے۔“

حاصل یہ کہ ان معاندین کے شکوہ و شہابات کا تو برتو بادل مجرمات اور آیات کی روشنی سے بھی نہیں چھستا، آنحضرت ﷺ نے جب پہلے پہل اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی تو آپ کو انہوں نے مجنون کا خطاب دیا قرآن مجید نے ان کی تردید کی:

﴿مَا أَنْتَ بِنَعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍۚ﴾ (القلم: ۶۸)

”تو اپنے پروردگار کی عنایت سے مجنون نہیں۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کے سامنے مجرمات اور آیات پیش کیے کہیں مجنون سے بھی یہ افعال صادر ہوتے ہیں؟ تو انہوں نے آپ کو مجنون کے ساتھ ”کاہن“ اور ”جادوگر“ کہا:

﴿فَمَا أَنْتَ بِنَعْمَةِ رَبِّكَ يَكَاهِنُ وَلَا مَجْنُونٌۚ﴾ (الطور: ۵۲)

”تو اپنے پروردگار کی عنایت سے نہ تو کاہن ہے اور نہ مجنون۔“

﴿قَالَ الْكُفَّارُ إِنَّ هَذَا لَسُحْرٌ مُّبِينٌۚ﴾ (يونس: ۱۰)

”کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادوگر ہے۔“

آپ ﷺ نے ان کے اس الزام کے جواب میں اپنی تعلیمات و تلقینیات کو پیش فرمایا کہ کاہن و جادوگر علم و حکمت کا یہ خزانہ نہیں رکھتے لیکن پر عنا د قلوب کو اس سے بھی تسلی نہ ہوئی اور کہا کہ علم و حکمت کے اسرار انہیں کوئی سکھاتا ہے:

﴿وَقَالُوا مَعْلَمٌ مَّاجِنُونٌۚ﴾ (الدخان: ۱۴)

”اور (ان معاندوں نے) کہا کہ یہ سکھایا ہوا مجنون ہے۔“

الغرض انسانوں کے افہام و تفہیم اور بدایت و راہنمائی کے جو اسلوب اور طریق ہو سکتے تھے وہ سب ان کے سامنے پیش کیے گئے مگر انہیں شنك و شبک کی کشمکش سے نجات نہیں۔

بایں ہم انبیاء ﷺ و معاندین کو مجرمات دکھاتے ہیں اور وہ اعراض کرتے ہیں

معاندین کی اس پیکم طلب اور اصرار سے خیال ہو سکتا ہے کہ اگر ان کو کوئی مجرمه دکھایا جائے تو وہ شاید ایمان لے آئیں لیکن تمام انبیاء ﷺ کی سیرتیں شہادت دیتی ہیں کہ ایسا نہیں ہوا، انہوں نے مجرمات دکھے پھر بھی اپنے انکار و اعراض پر نہایت استقلال کے ساتھ قائم رہے، حضرت موسیٰ ﷺ نے فرعون کو بار بار مجرمه دکھایا لیکن اس کا انکار ایمان سے متبدل نہ ہوا جیسا کہ توراة اور قرآن دونوں میں بکھر اربیان ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْأَيْتَمَا إِذَا هُمْ قِنْهَا يَضْحَكُونَ۝ وَمَا أَنْتُ بِنَعْمَمْ مِنْ أَيْةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْرَيَهَا۝ وَأَخْدُنَهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۝ وَقَالُوا يَا أَيُّهُ اللَّهُجُرُادْعُ لَنَارَبَكَ يَمَا عَاهَدَ عِنْدَكَ۝

إِنَّا لَهُ مَتَدُونٌ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْلَوْنَ ۝ (٤٢) / الزخرف: ٤٧)

”جب مویٰ ﷺ ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آیا تو وہ ہنتے ہیں اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں، لیکن یہ کہ وہ پہلی نشانی سے زیادہ بڑی ہوتی ہے اور ہم نے ان کو بڑے عذاب میں گرفتار کیا کہ شاید وہ رجوع کریں اور انہوں نے مویٰ ﷺ سے کہا: اے جادوگر! اپنے خدا سے ہمارے لیے دعا کر جیسا کہ اس نے تھے سے تیری دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے کہ وہ ہم سے یہ عذاب دور کر دے ہم راہ راست قبول کیے لیتے ہیں جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں۔“

اس موقع پر ایک نکتہ خاص خیال کے لائق ہے، یہ حکایت حضرت مویٰ ﷺ کے تصریح کا ایک نکلا ہے جو زمانہ ماضی کا ایک واقعہ تھا، جس کو تمام تر صینہ ماضی سے ادا ہونا چاہیے تھا لیکن اس میں تین جگہ اللہ تعالیٰ نے صینہ مصارع کا استعمال کیا ہے جو واقعہ حال و مستقبل کے بیان کے لیے مقرر ہے:

- ① جب مویٰ ﷺ ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آئے تو وہ ہنتے ہیں۔
- ② اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں لیکن وہ پہلی نشانی سے بڑی ہوتی ہے۔
- ③ پہلے انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر مویٰ ﷺ کی دعا قبول ہو گئی تو ہم ایمان لے آئیں گے لیکن جب دعا قبول ہو کر اس کا اثر ہوا تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں۔

اس موقع پر صینہ مصارع کے استعمال سے یہ نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ گویا واقعہ خاص فرعون کے ساتھ پیش آیا مگر یہ مخصوص حضرت مویٰ ﷺ ہی کے فرعون کے ساتھ نہیں بلکہ ہر عہد کے فرعون اور ہر پیغمبر کے معاندین کی نفسی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ جب ان کے پیغمبر خدا کے احکام اور نشانیاں لے کے ان کے پاس جاتے ہیں تو وہ صدائے خندہ تحریر بلند کرتے ہیں لیکن خدا ان کو نشانیوں پر نشانیاں دکھاتا جاتا ہے، تاہم ان سے ان کی تسلیم نہیں ہوتی اور دوسری کوئی نشانی مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ نشانی ہم کو دکھادی گئی تو ہم یقیناً ایمان لے آئیں گے لیکن جب وہ نشانی بھی ان کو دکھادی جاتی ہے تو ان کو اس سے بھی تسلیم نہیں ہوتی اور وہ آخر تک ایمان کی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت صالح ﷺ کی امت نے حضرت صالح ﷺ سے ایک نشانی طلب کی، انہوں نے کہا یہ اونٹی تمہاری نشانی ہے، جو ایک دن میں ان کے چشمے یا کنوئیں کا نہ کام پانی پی جاتی تھی اور دوسرے دن ان کے جانوروں کو پانی ملتا تھا لیکن اس نشانی کو دیکھ کر کہ اونٹی تمام چشمے یا کنوئیں کا پانی پی جاتی ہے، انہیں تسلیم نہ ہوئی اور اس اونٹی کو مارڈ الا نتیجی یہ ہوا کہ اس کی پاداش میں وہ ہلاک کر دیے گئے، سورہ شعر آءیں ہے:

﴿مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۝ فَأُلِّيْتُ بِأَيْوَةٍ كُنْتَ مِنَ الصَّدِّيقِينَ ۝ قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَّهَا شَرِبٌ﴾

وَلَكُمْ شُرُبٌ يَوْمَ مَعْلُومٍ۝ وَلَا تَسْوُهَا بِسُوْعٍ فَيَا خَذْلُمْ عَذَابٌ يَوْمَ عَظِيمٍ۝ فَعَقْرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَدِيْمِينَ۝ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ طَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَا يَةً طَوْمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ۝

(۲۶/الشعراء: ۱۵۸-۱۵۹)

”اے صالح! تم ہماری ہی طرح آدمی ہو، اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو کوئی نشانی لاو، صالح نے کہایہ اونٹی ہے اس کے لیے پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمہارے لیے ایک مقرر دن کا پانی پینا ہے اور اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرو ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آئے گا تو انہوں نے اس کی کوئی کاش ذاتی پھرنا دم ہوئے تو عذاب نے انہیں آگھیرا۔ اس واقعہ میں بڑی نشانی ہے، صالح غاییہ اللہ کی قوم کے لوگ اکثر مومن نہ تھے۔“

عبد محمدی ملکی شیعیم کے فرعونوں اور معاندوں کی نفسی کیفیت بھی یہی تھی کہ ان کو نشانیاں دکھائی جاتی تھیں، مگر انہیں عناد کی کور باطنی کے باعث ان سے تکمیل نہیں ہوتی تھی، چنانچہ کفار قریش کے حال میں قرآن مجید کا بیان ہے:

﴿وَمَا تَأْنِيْهُمْ قِنْ أَيَّةً قِنْ لَيْتَ رَبَّهُمْ لَا كَانُوا عَنْهَا مُغْرِضِينَ۝ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ۝ فَسَوْفَ يَأْتِيْهُمْ كَذَّبُوا مَا كَانُوا يَهْ سَتَّهُزُّهُوْنَ۝﴾

(۶/الانعام: ۴، ۵)

”ان کے پاس خدا کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی لیکن وہ اس سے اعراض کرتے ہیں، حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو جھٹالایا تو عنقریب جس چیز کا مذاق اڑاتے ہیں، اس کی حقیقت ان کو معلوم ہوگی۔“

ایک موقع پر قرآن مجید نے اسی واقعہ کو بیان کیا ہے کہ جب محمد رسول اللہ ملکی شیعیم کے صدق نبوت کی کوئی نشانی ظاہر ہوتی ہے تو معاندین قریش کہتے ہیں کہ ان نشانیوں سے ہم کو تکمیل نہ ہو گی، جب تک گز شہزادیوں کی طرح خود ہم کو بھی وہی نشانیاں نہ دی جائیں، یعنی نبوت کے تمام آثار و کیفیات خود ہم پر طاری نہ ہوں، تاکہ ہم کو دھوکا اور فریب کا شہزادہ نہ ہے، خدا نے کہا، یہ نبوت ہر ایک کا حصہ ہیں:

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَيَّةً قَالُوا كُنْ ثُوْمِنَ حَتَّىٰ نُوْنَ مُشَلٌّ مَا أَوْتَ رَسُولُ اللَّهِ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ يَسْلَطَةً۝﴾ (۶/الانعام: ۱۲۴)

”اور جب ان کفار قریش کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک ہم کو بھی وہ کچھ نہ دیا جائے جو خدا کے پیغمبروں کو دیا گیا ہے، خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کا منصب کس کو عطا کرے۔“

اس لیے بالآخر معاندین کی طلب مجرہ سے تغافل بر تا جاتا ہے

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد بالآخر معاندین پر جھٹ تمام ہو جاتی ہے اور پھر طلب مجرہ کے لیے ان کے پیغم اصرار الماح اور طلب کی کوئی پروانیں کی جاتی اور صرف عذاب الہی کی آخری نشانی ان کے لیے باقی رہ جاتی ہے، انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام انہیں علیہ السلام سے زیادہ مجرمات اور نشانیاں دکھائیں، تاہم فریضی یہ ہو دیوں کو مجرہ کی تشکیل باقی رہ گئی اور ہر ملاقات میں انہوں نے مجرہ کی نی فرمائش کی۔

”تب فریضی نکلے اور اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے جھٹ کر کے اس کے امتحان کے لیے کوئی آسمان سے نشان چاہا۔“ (مرقس ۸: ۱۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آہ سرد بھر کر فرمایا:

”اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں تم سے کہتا ہوں کہ زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔“ (مرقس ۱۸: ۱۲)

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک گولے کو اچھا کیا بعضوں نے کہا کہ

”یہ بعل زبول دیوتا کی مدد سے ایسے عجیب کام کرتا ہے اور اوروں نے آزمائش کے لیے اس سے ایک آسمانی نشان مانگا۔“ (لوقا ۱۱: ۱۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا:

”اس زمانہ کے لوگ بُرے ہیں، وہ نشان ڈھونڈتے ہیں، پر کوئی نشان ان کو نہ دیا جائے گا مگر یوں نبی کا نشان۔“ (لوقا ۱۱: ۲۹)

اللہ تعالیٰ نے معاندین قریش کے جواب میں اسی نکتہ کا اظہار فرمایا:

»وَمَا مَنَعَنَا أَنْ تُرِسَّلَ إِلَيْهِ إِلَّا كُنَّا لَدَبَ بِهَا الْأَكْفُونَۚ« (۱۷/ بنی اسرائیل: ۵۹)

”اور ہم کو نشانیوں کے بھیجنے سے صرف اس امر نے باز رکھا کہ پہلوں نے ان کو جھٹالا یا۔“

قرآن مجید میں چار پانچ مقام پر مذکور ہے کہ عہد محمدی علیہ السلام کے معاندین نے کہا:

»لَوْلَا أَنْتُلَّ عَلَيْهِ أَيَّهُ قِنْ رَيْهَۚ« (۱۳/ الرعد: ۷)

”محمد علیہ السلام پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی۔“

اس کے جواب میں ان کو نبوت کی اصلی حقیقت، انذار، تبیشر اور ہدایت کی طرف متوجہ کیا گیا اور خرق عادت کی کسی مزید نشانی کے دکھانے سے تغافل اور احتراز بر تا گیا۔ عیسائی مفترضین قرآن مجید کی ان آئیوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ ”محمد علیہ السلام“ نے مجرہ دکھانے سے اس لیے انکار کیا کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی مجرہ نہیں ملا تھا۔ اگر ان آئیوں سے یہ اتنبا طبع صحیح ہے تو انجیل کی جو آیتیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں، ان کا کیا

مطلوب ہوگا؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فریضیوں کو مجزہ دکھانے سے انکار کرنا بھی یہی نتیجہ ظاہر کرتا ہے کہ نعوذ باللہ ان کو کوئی مجزہ خدا کی طرف سے نہیں ملا تھا؟

مجزہ کے انکار یا تاخیر کے اسباب

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات روحاںی کو بھی ایک نظام اور اصول کے تحت رکھا ہے، اس بنابر ہم کو ضرورت ہے کہ ان مصالح اور اسباب کا پتہ لگائیں جن کی بنابراد جو دقدرت اور اشد ضرورت کے مجزہات سے کلیتہ انکار کیا گیا ہے یا ان کے ظہور میں تاخیر ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے امعان مطالعہ سے ان اسباب کو ذیل کی صورتوں میں محدود کیا جاسکتا ہے۔

① مجزہات کے ذریعہ سے جو لوگ ایمان لاتے ہیں، ان کا ایمان محض جبری، تقلیدی اور بالواسطہ ہوتا ہے، وہ لوگ اپنے دل میں انبیاء کے محسوس تعلیم کا کوئی خاص ذوق نہیں پاتے، صرف مجزہات کی قوت اور جو بھی ان کو متغیر اور مبہوت کر دیتی ہے، حالانکہ انبیاء علیهم السلام کی تعلیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی جماعت میں ایسے افراد شامل ہوں جو شریعت کے رمز شناس اور اس کے اسرار و حکم سے ذوق آشنا ہوں۔ یہی حالت ہے جس کو قرآن مجید نے ”شرح صدر“ اور ان شرح قلب سے تعبیر کیا ہے:

﴿فَكُنْ يَقِيدَ اللَّهُ أَكَنْ يَعْهِدِيَةَ كَيْفَرْ حَصْدَرَةَ لِلْأَسْلَامَ﴾ (٦/ الانعام: ١٢٦)

”جس کو خدا ہدایت دینا چاہتا ہے، اس کے سینہ کو قبول اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔“

اس قسم کے لوگوں کے لیے مجزہات کی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے لیے آنکہ دن و مہاتاً آسمان و زمین، دن اور رات غرض دنیا کا ایک ایک ذرہ مجزہ ہوتا ہے اور خدا کے وجود، خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی نبوت پر بلا واسطہ دلالت کرتا ہے، ان کے لیے صرف تفکر اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے، یہی گروہ ہے جس پر زیادہ سے زیادہ انبیاء علیهم السلام کی نگاہ انتخاب پڑتی ہے اور وہ ان کو صرف تفکر و اعتبار کی ترغیب دیتے ہیں، اس گروہ کے بال مقابل ایک کو باطن فرقہ اور بھی ہوتا ہے جس پر نظام فطرت کے دوسرے شواہد و آیات کی طرح مجزہات کا بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکتا، انبیاء علیهم السلام کو ابتدائے بعثت سے انہی دو گروہوں سے سابقہ پڑتا ہے اور چونکہ فطرہ ایک مجزہات سے بے نیاز ہوتا ہے اور دوسرے پر مجزہات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اس لیے ان دونوں گروہوں کے لیے مجزہات بیکار ہوتے ہیں اور اس بنابر انبیاء علیهم السلام ان کے پیش کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اسی نکتہ کو خداوند تعالیٰ نے ان آیتوں میں بیان کیا ہے:

﴿فُلْ اُنْظُرُوا مَآذَافِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُغْيِي الْأَيْتُ وَالْتَّدْرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ۝﴾

(۱۰۱: یونس)

”کہہ کہ دیکھو آسمان و زمین میں کس قدر نشانیاں ہیں اور نشانیاں اور ذرا واقعے تو اس قوم کے

لیے کچھ بھی مفید نہیں جو ایمان نہیں لانا چاہتی۔“

﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا كُلَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ أَيَّةٌ مِّنْ رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضْلِلُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنْشَأَهُ ﴾ (۱۳ / الرعد: ۲۷)

”اور کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اترتا کہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کو ہدایت کرتا ہے۔“

② بعض دفعہ معاندین اسکی انسانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جن کے بارے متحمل، قوت انسانی کے دوش و بازوں نہیں ہو سکتے، خدا کا خود انسانوں کے سامنے آنا، خدا کا خود ہر انسان سے باتمیں کرنا، فرشتوں کا نظر آنا، آسمان سے کوئی جسم کتاب اتنا را باز گیری کی طرح پیغمبر کا آسمان پر چڑھنا، کفار کی طرف سے جب اس قسم کے مجزات طلب کیے جاتے ہیں تو انہیاً علیہم السلام کو ہمیشہ انکار کرنا پڑتا ہے اور اس انکار کا منشاء خود مکریں کی نظرت ہے:

﴿ يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابَ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا فِي السَّمَاوَاتِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَى أَكُلَّهُ مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهَرًا فَأَخَذَنَّهُمُ الصُّعْقَةُ بِظَلَمِهِمْ ﴾ (۴ / النساء: ۱۵۳)

”تم سے یہود کہتے ہیں کہ ان کے اوپر آسمان سے ایک کتاب اتار دو، لیکن ان لوگوں نے تو موی سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا یعنی ان لوگوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو حکم خلا دکھادو اس فلم کا جواب نہیں نے اپنے اوپر کیا یہ نتیجہ ہوا کہ بجلک کی کڑک نے ان کو دبادیا۔“

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَبِّرُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْثِينَا أَيَّهُ مَكَدِّلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قِتْلُهُمْ تَشَاهِدُهُنَّ فَلَوْلَهُمْ ﴾ (۲ / البقرہ: ۱۱۸)

”اور جن لوگوں کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کیوں خدا ہم سے باتمیں نہیں کرتا یا کوئی نشانی ہمارے پاس نہیں لاتا، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی کہا، دونوں کے دل ایک سے ہیں۔“

﴿ لَوْمَاتَأْتَنَا بِالْمَلِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّدِيقِينَ مَا نَنْزِلُ الْمَلِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذَا أَمْنَطُرِينَ ﴾ (۱۵ / الحجر: ۸، ۷)

”کیوں نہیں فرشتوں کو ہمارے پاس لے آتے اگر تم سچ ہو (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے لیکن حق کے ساتھ اگر وہ ان کافروں کے سامنے اتریں تو پھر ان کو مہلت نہ دی جاسکے گی۔“

③ مادیت کی ترقی کے زمانہ میں تمام فضائل و محسن کا مرکز صرف دولت، جائداد، مال و اسباب ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عام لوگ اخلاق و عادات، تہذیب و معاشرت، رسم و رواج غرض تمام چیزوں میں امرا کی تقلید

کرتے ہیں لیکن انہیاں نے ہمیشہ اپنی معاشرت، اپنی وضع، اپنے لباس غرض اپنی ایک ایک ادا سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ نضائل کا منبع صرف روح ہے اور زخارف دنیوی سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔
اسی بنا پر جب مسکرین انہیاں سے اس قسم کے مجرمات طلب کرتے ہیں جو امراء کے ساتھ مخصوص ہیں تو انہیاں کو عموماً ان کا انکار کرنا پڑتا ہے:

﴿وَقَالُوا مَا لِهٗ الرَّسُولُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَعْبُدُ فِي الْأَسْوَاقِ ۖ لَوْلَا أَنْزَلَ اللَّهُ مَلِكُ فَيُكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۚ أَوْ يُلْهِي إِلَيْهِ كُنْزًا أَوْ تَغُونُ لَهُ جَنَّةً يَأْكُلُ مِنْهَا ۖ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِنْ تَسْتَعْنُ إِلَّا بِرُجُلٍ مَسْحُورًا ۚ﴾ (۸/۲۵) الفرقان: ۷، ۸

”اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پیغمبر کیوں کھاتا ہے اور کیوں بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کیوں اس پر ایک فرشتہ نہیں اترتا جو اسکے ساتھ لوگوں کو ڈرائے یا اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتنا راجاتا یا اس کے پاس کوئی باغ کیوں نہیں ہے، جس سے وہ کھائے اور ظالموں نے کھاتم صرف ایک ایسے شخص کا اتباع کرتے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔“

④ آیت بالا سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کفار کا عام خیال یہ تھا کہ خدا کی طرف سے جو قاصد بن کر آئے اس کو مرتبہ بشریت سے بالاتر ہونا چاہیے اور اس کو بے انتہا خدائی قدر میں حاصل ہونی چاہیں، اس بنا پر جب اس قسم کے مجرمے طلب کیے جاتے ہیں جن سے اس ظن فاسد کی تائید ہوتی ہے تو انہیاں سے انکار کرتے ہیں:

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لِكُمْ عِنْدِي خَرَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلِكٌ ۚ إِنْ أَتَيْتُ إِلَّا مَا يُؤْتَيِ الْكَوَافِرُ ۚ﴾ (۶/۵۰) الانعام: ۵۰

”کہہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں نے یہ کہا کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں۔“

⑤ محدثی بہ مجرمات یعنی وہ مجرمات جو کفارے مطالبہ پر صادر ہوتے ہیں، ان کی تائیر کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ایسے مجرمات پر ایمان نہ لانے کے بعد پیغمبر کو بھرت کا حکم ہوتا ہے اور مسکرین کا گروہ ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثالیں قوم نوح، نمرود اور فرعون سے لے کر قریش تک کی تمام تاریخیں پیش کرتی ہیں اور قرآن کریم نے اس کو بصرخ بیان کر دیا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی امت نے ان سے نشانی طلب کی، خدا نے کہا شانی تمهیں دکھائی جائے گی لیکن اس کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو تمہاری ہلاکت یقینی ہے:

﴿وَمَا مَنَعَنَا أَنْ تُرِسِّلَ إِلَيْا لِيَأْلِيَتِ إِلَّا كُنْدَبَ بِهَا الْأَكْوَافُ ۖ وَأَتَيْنَا كَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصَرَةً ۖ فَظَلَّلُوا بِهَا ۖ وَمَا نُرِسِّلُ إِلَيْا لِيَأْلِيَفَهَا ۚ﴾ (۱۷/ بنتی اسرائیل: ۵۹)

”اور ہم نے نشانیاں بھیجنے اس لیے موقوف کیا کہ الگوں نے ان کو جھٹلا یا اور ہم نے خمود کو اتنی کی نشانی دی، سمجھانے کو اور پھر اس کا حق نہ مانا اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں تو ذرا نے کو۔“
لیکن جس طرح افراد کی موت و حیات کا ایک زمانہ ہے، اسی طرح قوموں کی ہلاکت و بر بادی کی ایک خاص مدت متعین ہے:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ﴾ (۷/ الاعراف: ۳۴، ۱۰/ یونس: ۴۹) ”ہر قوم کا ایک زمانہ مقرر ہے۔“
اس لیے اس قسم کے معجزات کے ظہور میں اس مدت متعین تک کے لیے تاخیر کی جاتی ہے اور پیغمبر اور معاندین دونوں اس کے منتظر رہتے ہیں:

«وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ أَيَّةٌ مِّنْ رَّبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَأَنْتُمْ فِي الْمُنْتَظَرِينَ» (۲۰/ یونس: ۶۰)

”اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان نہیں اترتا؟ کہہ کہ غیب صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے تم لوگ اس کے ظہور کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔“
یہی سبب ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا مظہر اتم بنایا ان کے ہاتھوں سے تحدی اور مطالبہ کے مجردوں کے صدور میں تاخیر بر تی جاتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انجیل کی آیتیں گزر چکی ہیں کہ یوں تو ان سے بیسیوں مجرے سرزد ہوتے تھے مگر تحدی اور مطالبہ کے مجرہ سے انہوں نے بالعموم انکار کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو تباہ و بر بادیں دیکھنا چاہتے تھے، یہاں تک کہ حواریین نے جب زیادت ایمان اور ترقی ایمان کے لیے مجرہ کی فرمائش کی تو خدا نے جواب دیا:

«إِنِّي مُنذِّلٌ لَّهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنْكُمْ فَإِنَّمَا أَعْذِبُهُ عَذَابًا لَا أَعْذِبُهُ أَحَدًا قَرَنَ الْعَلَمِيْنَ» (۵/ المائدہ: ۱۱۵)

”میں یہ آسمانی خوان تم پر اتار سکتا ہوں لیکن اس کے بعد اگر تم میں سے کسی نے انکار کیا تو میں اس کو ایسا خفت عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو نہ دیا ہو گا۔“

غرض کائنات روحانی کا یہی اصول پیش نظر تھا، جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کفار کے مطالبہ کی پروانیں کرتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ ان کے مطالبہ اور تحدی کے مطابق مجرہ آنے کے بعد ان کو پھر فرستہ نہ دی جاسکے گی اور وہ بر باد ہو جائیں گے۔ چنانچہ معاندین قریش آنحضرت ﷺ سے یہ مجرہ طلب کرتے تھے کہ فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ، خدا نے کہا کہ اگر وہ سامنے آئیں بھی تو انسانوں کی صورت میں آئیں گے اور تم کو پھر وہی شبہ رہ جائے گا، علاوہ ازیں قانون الہی میں یہ آخی جھت ہے، اگر فرشتے اتر آئے اور اس سے بھی تمہاری تسلی نہ ہوئی تو پھر تم کو اس مطالبہ کے مجرہ کے بعد مہلت نہیں

سکے گی اور تم ہلاک و بر باد کر دیے جاؤ گے:

﴿لَوْمَاتٍ أَتَيْنَا بِالْمَلِكَةِ إِنْ كُلُّتَ مِنَ الصَّدِيقِينَ ۝ مَا نَنْزِّلُ الْمَلِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا ۝

إِذَا فَنَطَرُيْنَ ۝﴾ (۱۵ / الحجر: ۷، ۸)

”کیوں تم فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتے اگر تم سچے ہو خدا کہتا ہے فرشتوں کو حق کے ساتھ اتارتے ہیں، اگر وہ اتریں تو پھر تم کو اس وقت مہلت نہیں دی جائے گی۔“

⑥ معاندین عموماً پیغمبروں کو جھوٹا جان کر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جس آخوندی مجرمانہ عذاب کی تم دھمکی دیتے ہو، وہ آخر کب آئے گا اور وہ جلد کیوں نہیں آتا؟ چونکہ اپنی نافہی سے ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ مجرمانہ عذاب ظاہرنہ ہوگا، اس لیے وہ اس کا مطالبہ بار بار کرتے ہیں، تاکہ لوگوں میں پیغمبر کی سکی ہو اور ہماری طرح اور لوگ بھی اس کو کاذب تسلیم کریں۔ چنانچہ قرآن میں بار بار ہر قرآن کے کافروں کے کافروں کے اس مقولہ کو دھرایا گیا ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی امت نے کہا:

﴿وَإِنْ تَكُنْ لَّكُلَّتَ لَيْلَتِيْنَ ۝ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كَسْفًا قِنْ الشَّمَاءِ إِنْ كُلُّتَ مِنَ

الصَّدِيقِيْنَ ۝﴾ (۲۶ / الشعراء: ۱۸۶، ۱۸۷)

”اور ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔“

لیکن اس کے لیے خدا کے ہاں ایک قانون مقرر ہے:

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْبِلُونَ ۝ قُلْ أَرَعِيهِمْ

إِنَّ اللَّهَمَّ عَذَابُهُ بِيَاتٍ أَوْ نَهَارًا هَذَا إِسْتَخْيُولُ مِنْهُ الْجُنُّمُونَ ۝ أَنَّمَّا إِذَا مَا وَقَعَ أَمْنَمْ يَهُ

اللَّهُ وَقَدْ كُنْتُمْ يَهُ سَتَخْيُلُونَ ۝﴾ (۱۰ / یونس: ۵۱ تا ۵۳)

”ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے تو جب اس کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو پھر نہ ایک گھنٹی وہ دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی، کہہ دے اے پیغمبر! بھلا دیکھو تو اگر خدا کا عذاب راتوں رات یادن کو آپنے پچھے تو یہ گناہ کا جلدی کر کے کیا کر لیں گے؟ کیا جب آنے والا واقعہ آ جائے گا تب تم ایمان لاوے گے، اب ایمان لاتے ہو؟ حالانکہ تم تو اسی کی جلدی کر رہے تھے۔“

عقیدہ مجرمات کی اصلاح

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے کہ اس کی نظر میں ان ظاہری مجرمات کی چند اس وقت نہیں، وہ لوگوں کو ہمیشہ اصل روح نبوت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس کے خاص اسباب ہیں، اسلام دنیا میں دین الہی کی تکمیل اور گزشتہ مذہبی اخلاقی تصحیح کے لیے آیا تھا ان ظاہری مجرمات نے گزشتہ قوموں میں بہت سے فاسد عقیدے پیدا کر دیے تھے جن انگیاں علیہ السلام اور بزرگوں سے بکثرت مجرمات صادر

ہوئے ان میں الوبیت اور خدائی کا عصر تسلیم کیا گیا اور اس طرح توحید اور نبوت کی اصلی حقیقت جس پر دین الہی کی بنیاد ہے متزلزل ہو گئی اس لیے قرآن مجید نے نہایت وضاحت اور نہایت صفائی اور نہایت تصریح کے ساتھ ان غلطیوں کا پردہ چاک کیا اور دنیا میں توحید اور نبوت کی اصل حقیقت اس استواری اور مضبوطی کے ساتھ قائم کر دی کہ آئندہ فساد اور سوئے عقیدہ کے سیل و طوفان سے اس کو گزندہ بچنے کا خطرہ باقی نہ رہا۔

① سب سے پہلے اس نے یہ حقیقت واضح کی کہ نبوت اور ظاہری مجرّمات میں کوئی حلازوں نہیں اور یہ آثار و دلائل اصل نبوت سے خارج امور ہیں۔ نبوت کے اصل لوازم وحی، مخاطبہ الہی، تذکیرہ، انذار، تمشیر، تعلیم اور ہدایت ہیں، جیسا کہ ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، اس بنا پر جب معاذین نے مجرّمات کا مطالبه کیا ہے تو قرآن مجید نے اکثر اس کے جواب میں نبوت کی اصلی حقیقت کی طرف ان کو متوجہ کیا ہے:

«قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يَكُلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْلِمُنَا أَيْةٌ ۖ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
قُثُلَ قَوْلِهِمْ ۖ شَابِهَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ قَدْ بَيَّنَ الْآيَتِ لِقَوْمٍ يُؤْقَنُونَ ۚ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ يُبَشِّرُ
وَنَذِيرًا ۖ وَلَا سُئَلَ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ۝» (۲/ البقرة: ۱۱۹، ۱۱۸)

”اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں خدا خود ہم سے کیوں بتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی، ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا، دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہو گئے، ہم نے تو نشانیاں ان لوگوں کے لیے کھول دی ہیں جو یقین کرتے ہیں، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے تمہ کو چھائی دے کر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے جن کو اب بھی یہ نشانیاں نہ نظر آئیں تو ان دوزخیوں کا حال تھے سے نہ پوچھا جائے گا۔“

«وَقَالُوا لَوْلَا أُنْلِلَ عَلَيْهِ أَيْتٌ مِنْ رَبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّمَا الْآيَتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّا أَنَذَرْنَا مُّمَّا
لَمْ يُفْهَمْ مَا أَنَّزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يَتَّلَقَّ عَلَيْهِمْ ۝» (۵۰/ العنكبوت: ۲۹)

”اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروارگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اترتی ہیں کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں کیا ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تمہ پر کتاب انتاری جوان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔“

«وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْلِلَ عَلَيْهِ أَيْتٌ مِنْ رَبِّهِ ۖ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادِيٌ ۝»

(الرعد: ۷)

”اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشان اس کے پروارگار کی طرف سے کیوں نہیں اتنا راجتا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تو تو ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کا ایک ہدایت کرنے والا ہوتا ہے۔“

② قرآن مجید نے نہایت وضاحت اور تکرار کے ساتھ اس حقیقت کا اعادہ کیا ہے کہ ہمارا پیغمبر بشر اور خالص بشر ہے، اس میں الہیت کا کوئی شایب نہیں ہے اور اس لیے وہ اپنی طرف سے خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا:

﴿فُلِ إِنَّهَا أَنَا بَشَرٌ مُّثَلُّكُمْ يُوْحَى إِلَيَّ﴾ (۱۸/الکھف: ۱۱۰، ۴۱ / ختم السجدة: ۶)

”میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں، (البتہ) مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔“

کفار قریش کا خیال تھا کہ پیغمبر کے ساتھ فرشتوں کا پراہنا چاہیے، کبھی بھی خود خدا اس کے سامنے آ کر نمایاں ہو، اس کے لیے سونے چاندی کا محل ہو، عجیب و غریب اقسام کے باغ اس کے قبضہ میں ہوں، ہمارے سامنے وہ آسمان پر چڑھے اور وہاں سے ہمارے لیے کتاب اتار لائے:

﴿وَقَالُوا لَنْ تُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَتَعْجَلَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْثُوَعَ إِلَّا وَتَكُونُ لَكَ جِئْنَةٌ مِّنْ نَحْنِنَا
وَعَنِّنَا فَتَعْجِزَ الْأَنْهَارُ خَلَلَهَا تَعْجِيزًا إِلَّا وَسُقْطَ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ
وَالْمَلِكَةَ قَيْلَةً أَوْ يَأْتُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ رُخْرُفٍ أَوْ تَرْقِيَ فِي السَّمَاءَ مَا وَلَكَ نَوْمٌ لَّمْ قِيلَ
حَتَّى تَتَرَلِّ عَلَيْنَا كِتَابًا قَرْوَةً﴾ (۱۷/بنی اسرائیل: ۹۰-۹۳)

”اور کافروں نے کہا کہ ہم تم پر اس وقت تک ایمان نلا کیں گے جب تک ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نہ بھا دو یا تمہارے قبضہ میں بھجوڑ اور انگور کا ایک باغ نہ ہو اور پھر تم اس کے پیچ میں نہیں نہ بھا دو یا جیسا کہتا کرتے ہو، آسمان کوٹکڑے کر کے ہم پرنگ گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو خامن بنا کر لے آؤ یا تمہارے لیے سونے کا ایک گھرنہ ہو جائے تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور وہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کا لیقین اس وقت تک ہم کون آئے گا جب تک وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ اتار لاؤ جس کو ہم پڑھ سکیں۔“

ان سب کے جواب میں قرآن مجید آپ ﷺ کو سکھاتا ہے:

﴿فُلِ سُبْحَنَ رَبِّيْنِ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا سُولَّا لَّهُ﴾ (۱۷/الاسراء: ۹۳)

”کہہ دے اے پیغمبر! سبحان اللہ! میں کون ہوں، ایک آدمی پیغمبر۔“

﴿فُلِ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ
أَتَيْتُ إِلَّا مَا يُوْحَى إِلَيَّ﴾ (۶/الانعام: ۵۰)

”اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف الہام کیا جاتا ہے۔“

﴿قُلْ لَا أَمِلْكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْكُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سُنْكَرُ
مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِي السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَّبَشِّيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

(۱۸۸: الاعراف)

”اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دے کہ خود میرا نفع اور نقصان بھی میرے قبضہ اختیار میں نہیں لیکن جو چاہے خدا اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو اپنا بہت سافا کندہ کر لیتا اور مجھ کو کوئی گزندہ پہنچتا، میں تو صرف ڈرانے والا اور خوبخبری سنانے والا ہوں، ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔“ غور کرو کہ زمین سے باعث کا آگاہ دینا، یا سونے کا محل کھڑا کر دینا یا چشمہ بناد دینا یا آسمان سے لکھی کھھائی کتاب اتار دینا، نہ خدا کی قدرت سے باہر تھا اور نہ اس رسول کے ان محجزات سے مافق مطالہ تھا، جس کے ہاتھ سے چھٹے بہ چکے تھے، جس کے اشارے سے درخت چل چکے تھے یا جو سوراج میں ساتوں آسمانوں کی منزلیں طے کر چکا تھا لیکن چونکہ اگر ان کے مطالباً پر یہ امور واقع ہو جاتے تو وہ اگر بد عقیدگی کو راہ دیتے تو وہ آپ ﷺ کو جادوگر کہہ دیتے اور اگر خوش عقیدگی کا اظہار کرتے تو آپ کو نعوذ باللہ مافق بشرطیم کر لیتے اور یہ دونوں باتیں اصول کے متناہی ہیں، اس لیے سرے سے ان کے اس جاہلانہ مطالباً کو رد کر دیا گیا کہ چند لوگوں کے ایمان و عدم ایمان کی خاطر نفس پیغام و دعوت کے اصول کی بخش کنی نہیں کی جاسکتی۔

③ عام لوگوں میں انبیاء ﷺ کی نسبت یہ غلط عقیدہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ برادر است عالم کائنات کے تصرف پر قادر ہیں، چنانچہ موجودہ انجلی کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰ ﷺ کے محجزات کو جس طریقہ سے پیش کیا ہے، اس نے عیسایوں کے دلوں میں یہ لقین پیدا کر دیا ہے کہ پ تمام کائنات حضرت عیسیٰ ﷺ کے قبضہ قدرت میں تھی اور وہ اس میں جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے، یہی بیان دی پڑھ رہے جس پر انجلی کے مصنفوں نے دین حق کی دیوار کچ کھڑی کی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ توحید کی عمارت اس پر قائم نہ رہ سکی۔ قرآن مجید نے نہایت شدت اور نہایت اصرار سے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ محجزات اور نشانات، پیغمبر کی قوت اور راہ دے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں:

﴿قُلْ إِنَّمَا الْأَيْتُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ (۱۰۹: الانعام)

”کہہ دے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔“

﴿قُلْ إِنَّمَا الْأَيْتُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ (۵۰: العنكبوت)

”کہہ دے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں۔“

﴿قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُبَرِّئَ أَيْةً﴾ (۶: الانعام)

”کہہ دے اے پیغمبر! کہ خدا کو قدرت ہے کہ وہ نشان اتارے۔“

سب سے زیادہ صاف اور صریح آیت یہ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِالْآيَاتِ إِلَّا مِنْ أَنْ لَهُ اللَّهُ طَرِيقًا﴾ (۳۸ / الرعد)

”کسی رسول میں یہ قدرت نہیں کہ وہ خدا کی اجازت کے بغیر کوئی نشان لائے۔“

انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجرمات جس عبارت اور لب و لبھ میں پیمان ہوئے ہیں۔ ان کا صاف منشاء یہ ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام کائنات کی بادشاہی پر درکردی گئی تھی، اس لیے وہ خاص اپنی قدرت اور اختیار سے جو چاہتے تھے کر دیتے تھے۔ قرآن مجید اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام مجرمات کو پیمان کر دیا ہے مگر اسی کے ساتھ اس عقیدہ باطل کو بھی روکرتا گیا ہے اور نہایت تصریح کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہ جو کچھ تھا خدا کی قدرت سے تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اختیار سے نہیں، چنانچہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے قرآن کہتا ہے:

﴿أَتَيْنَاهُنَّكُمْ بِإِيمَانِ قَنْدِيلٍ رَّبِيعَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُنَّ مِنَ الظَّالِمِينَ كَهْيَةُ الطَّالِبِرِ فَأَنْفَخْ فِيهِ
فِيهِنَّ كُنُونٌ طَيِّبٌ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأَبْرِيزُ الْأَكْلَمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأَنْجَى الْمَوْتَنِ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾

(۴۹ / آل عمران)

”میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں کہ میں مٹی سے پرندہ کی صورت کا جانور بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے اور مادرزاد انہیں اور کوڑھی کو اچھا اور مردہ کرتا ہوں، خدا کے حکم سے۔“

دوسرے موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے احسانات جنماتے ہوئے خدا نے فرمایا:

﴿وَإِذْ تَحْلُقُ مِنَ الطَّالِبِرِ بِإِذْنِ فَتَنَفَّخْ فِيهَا فَتَكْنُونُ طَيِّبًا بِإِذْنِ وَتُبْرِيزُ
الْأَكْلَمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَنِ بِإِذْنِ﴾ (۱۱۰ / المائدہ)

”اور یاد کر جب تو مٹی سے پرندہ کی طرح صورت میرے حکم سے بناتا تھا پھر اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہو جاتا تھا اور تو انہیں اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتا تھا اور جب مردے کو میرے حکم سے زندہ کرتا تھا۔“

یہ قرآن مجید کے اسی اظہار حقیقت اور خالص تعلیم کا اثر تھا کہ اسلام میں توحید اور نبوت کی حقیقتیں مشتبہ نہ ہوں گیں اور پیغمبر اسلام علیہ السلام میں الوہیت کا ادنیٰ سا شاید بھی مسلمانوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا اور تمام دنیا کے مذاہب میں توحید کامل کی علمبرداری صرف اسلام کے دست و بازو کو پرہیز ہوئی۔

مسئلہ اسباب و علل میں افراط و تفریط

عقیدہ مجرمات کے اصلاحات ہی کے تحت میں مسئلہ اسباب و علل سے بھی تعریض کرنا ہے۔ جس نے

دوسرے نہ اس کی طرح اسلام میں بھی دو فرقے پیدا کر دیے ہیں، ایک فرقہ وہ ہے جو دنیا میں صرف اساب و علل کے اختیارات کو تسلیم کرتا ہے اور ان اختیارات کو ناقابلِ نفع و تغیر مانتا ہے، اس کے نزدیک اس عالم میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ ان ہی مادی علل و اساب کے ماتحت ہوتا ہے اور ان میں کسی قسم کا رد و بدل اور نفع و تغیر نہیں ہوتا اور اس لیے وہ خرق عادات کو منع اور حال یقین کرتا ہے کیونکہ یہ اساب و علل اور عالم کا یہ نظام کا راستہ الہی ہے اور سنن الہی میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، جیسا کہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں سے ثابت ہوتا ہے:

﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسْتَةً اللَّهُ تَبَدِّلِيَّةً﴾ (۴۳/ فاطر: ۴۵)

”تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تبدلی نہ پاؤ گے۔“

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسْتَةً اللَّهُ تَبَوَّلِيَّةً﴾ (۴۳/ فاطر: ۴۶)

”تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تغیر نہ پاؤ گے۔“

﴿لَا تَبَدِّلَ نَحْكُمُ اللَّهُ﴾ (۳۰/ الروم: ۳۰) ”اللہ کے بنائے کو بدلا نہیں۔“

دوسرافریق اللہ تعالیٰ کو نظام خاص، قوانین فطرت اور اساب و علل کا پابند بھرا، اس کی شان قدرت کے منافی سمجھتا ہے اور وہ ان نفع کے وسائل کے بغیر اسکو فرمائے روایت مطلق یقین کرتا ہے، یہ فریق اپنے دعویٰ پر حسب ذیل دلیلیں پیش کرتا ہے:

﴿فَعَالٌ لَّمَّا يُرِيدُ﴾ (۵۸/ البروج: ۱۶) ”وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

﴿كَذَلِكَ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا يَشَاءُ﴾ (۴۰/ آل عمران: ۴۰)

”اسی طرح خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔“

﴿وَيَعْلَمُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾ (۱۴/ ابراہیم: ۲۷)

”اور خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَشَاءُ﴾ (۱۸/ الحج: ۲۲)

”بے شک خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

﴿وَلَكَذِكَ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا يُرِيدُ﴾ (۲۵۳/ البقرہ: ۲)

”لیکن خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُرِيدُ﴾ (۵/ المائدہ: ۱)

”بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُرِيدُ﴾ (۱۴/ الحج: ۲۲)

”بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

ان آیات کے علاوہ حسب ذیل آیت قرآن مجید میں کم و بیش تغیر کے سات آنحضرت مصطفیٰ پر مذکور ہے:

﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِكُلِّ شَيْءٍ وَقَدْ يُرِيدُ﴾ (۲/ البقرة: ۲۸۴، ۳/ آل عمران: ۱۸۹، ۵/ المائدۃ: ۱۷)

”اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔“

ان آئینوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شے کی علت صرف خدا کی قدرت مشیت اور رادہ ہے اور اس لیے ہر قسم کے خرق عادت ممکن ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فرائق افراط و تفریط کے دو کناروں پر ہیں اور انہوں نے قرآن مجید کی تمام آئینوں پر غور و تدقیق نظر نہیں ڈالی ہے، یہی سبب ہے کہ انہوں نے اشیاء کے خواص و طبائع اور عقلی مصالح و حکم کا انکار کیا ہے۔

قرآن مجید اسباب و مصالح کا قائل ہے

حالانکہ ان آیات بالا کی بنا پر یہ دعویٰ کرتا کہ قرآن اسباب و علل اور مصالح و حکم کا منکر ہے، کتاب الہی سے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے صفات کمالیہ اور اس کے حکیم ہونے کی نفعی کرتا ہے، قرآن مجید نے جا بجا مخلوقات الہی میں تدبیر اور فکر کی دعوت دی ہے اگر یہ صحیحہ، قدرت اسباب و مصالح سے خالی ہوتا تو یہ دعوت بے سود تھی، قرآن ان عجائب قدرت کو آیات اللہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور ان کے اسرار و حکم پر غور و فکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی دلیل سے وہ خدا کی قادر و حکیم ہستی کے وجود پر استدلال کرتا ہے اگر یہ چیزیں اسباب و مصالح سے خالی ہوئیں تو ان میں غور و فکر کرنا بیکار ہوتا، قرآن نے آسان وزمین، چاند و سورج، ہوا بادل، پھول پھل، جسم و جان ان میں سے ہر شے کو اللہ کی وسیع قدرت اور ولائق مصلحت کا اعلان عام قرار دیا ہے اور انسان کو بار بار ادھر متوجہ کیا ہے:

﴿إِنَّ فِي خُلُقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ النَّبِيلِ وَالْهَارِكَاتِ لَآدُلُّ الْأَلْيَابِ لِلَّذِينَ يَذَّكَّرُونَ اللَّهُ قِيمًا وَقَعْدَوْدًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَكَبَّرُونَ فِي خُلُقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بِأَطْلَالٍ﴾ (۳/ آل عمران: ۱۹۰، ۱۹۱)

”آسان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور جو اللہ کو اٹھتے بیٹھے اور لیٹھے یاد کرتے ہیں اور آسان وزمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا۔“

خدانے ان لوگوں کو جو اشیاء کی پیدائش کو خالی از مصلحت جانتے ہیں زجر فرمایا ہے:

﴿أَفَحَسِبُتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَا مِنْ عَبْدٍ وَأَنَّمَا إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾ (۲۳/ المؤمنون: ۱۱۵)

”کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے“

جاوے گے۔“

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْهُمَا لِعِينَ﴾ (٤٤ / الدخان: ٣٨)

”اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو، جو ان کے درمیان ہے ان کو محض کھیل کے لیے نہیں بنایا ہے۔“

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَنَا بِهِ بَأْكَاتٍ كُلُّ شَيْءٍ فَأَخْرَجَنَا مِنْهُ خَفِيرًا تَحْيِي جَمِيعَ مِنْهُ حَيَاةً مُتَرَاكِيًّا وَمِنَ التَّغْلِيلِ مِنْ طَلَعِهَا قَوْانِ دَانِيَةً وَجَنَّتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالرَّيْبَوْنَ وَالرُّمَانَ مُشْتَبِهًانَ وَغَيْرُ مُشْتَبِهٍ أُنْظَرُوا إِلَى تَمَرِّيدٍ إِذَا آسَرُوْنَ يَنْعِمُونَ﴾

(٩٩ / الانعام: ٦)

”اور اسی خدا نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے ہرشے کی روئی گی پیدا کی کہ پھر ہم نے اس سے ہری کھیتی نکالی اور اس سے تو برتو دانے پیدا کیے اور چھوپاروں کے درخت سے اس کے پھولوں سے لکھے ہوئے خوشے اور انگوہ اور زیتون اور سیب کے باغ جن کے میوے ایک ہی قسم کے اور مختلف اقسام کے بھی پیدا کیے، جب وہ پھلتا ہے تو اس کے پھل اور اس کے پکنے کو دیکھو۔“

اگر ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ مصالح و احکام کے آثار پوشیدہ نہ رکھتا تو ان میں نظر و فکری دعوت کیوں دیتا، متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مخلوقِ الہی کے ”منافع“ کی خاص تصریح فرمائی ہے:

﴿وَالْأَنْعَامَ حَكَّاهَا لَكُمْ فِيهَا دُفَءٌ وَمَنَافِعٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَلَكُمْ فِيهَا جَهَانِ حِينَ تُرْبَعُونَ وَجِينَ سَرَحُونَ وَتَحْمِلُنَ الْأَنْكَلَمَانِ بَلْ لَمْ تَكُنُوا لِيَفْسِدُوا لِإِثْقَلِ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ وَالْحَيَّلَ وَالْبَيْلَانَ وَالْحَمِيرَ لَتَرْكِبُوهَا وَرَزِينَهُ وَسَخْلُقَ مَا لَا تَعْلَمُونَ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّمَيِّلِ وَمِنْهَا جَآبِرٌ وَأَوْشَاءُ لَهَدِ الْكُمَادَ أَجْمَعِينَ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ قِنَةٌ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ شَيْمُونٌ يُؤْتَ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالرَّيْبَوْنَ وَالثَّغْلِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الشَّمَرِتٍ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذَّةً لِقَوْمٍ يَتَغَرَّبُونَ وَسَعَرَ لَكُمُ الْكَيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالقَمَرَ وَالْجَوْمُرَ مَسْكُرَتٌ يَأْمُرِيَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذَّةٌ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ وَمَا ذَرَّ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْلِفًا أَوْانَهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذَّةً لِقَوْمٍ يَذَّكَرُونَ وَهُوَ الَّذِي سَخَرَ الْجَرَاثِيَّاتِ كُلُّهُ مِنْهُ لَهُمَا طَرِيًّا وَسَخَرَ جُوْمًا مِنْهُ حَلِيَّةً تَلْبِسُوهَا وَكَرَى الْفُلُكَ مَوَاحِرَ فِيهِ وَلَتَبْتَعُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشَدُّونَ﴾

(١٤ / النحل: ٥)

”اور خدا نے جانوروں کو پیدا کیا، ان کے اون میں خوشگوار گرمی اور بہت سے فائدے ہیں، ان میں سے بعض جانور تھہاری خوارک ہیں اور تم کو ان سے رونق ہے، جب شام کو ان کو پیچھر لاتے ہو اور جب چراتے ہو اور وہ تھہارے مال و اسباب کو اس شہریک انھا لے چلتے ہیں جہاں تم بغیر سخت تکلیف کے نہیں لے جاسکتے تھے، بے شک تھہار ارب شفقت والا ہم بیان ہے اور گھوڑے، چھر اور گدھے بنائے کہ تم ان پر سوار ہو اور وونق ہو اور وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے، خدا ہی پر ہے سیدھی راہ اور اس سے بہنے والی بھی اور اگر چچا ہے تو سیدھی راہ دے تم سب کو، اسی نے آسمان سے تھہارے لیے پانی اتارا، کچھ اس میں سے پینے کے کام آتا ہے اور کچھ سے درخت اگتے ہیں جس میں تم اپنے جانور چراتے ہو، اس پانی سے خدا تھہارے لیے صحیتی اگاتا ہے اور زیتون، چھوپاہارے، انگور اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے اور اسی خدا نے رات اور دن اور سورج اور چاند تھہارے کام میں لگائے اور تارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور جو بھیرا ہے تھہارے لیے زمین میں کئی رنگ کے غلے اور دانے، اس میں ان کے لیے جو سوچتے ہیں نشانی ہے، اور وہی خدا ہے جس نے دریا کو کام میں لگایا ہے کہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے وہ (موتی اور موٹے) نکالو جس کو زینت کا سامان بنا کر پہنچنے ہو اور تم دیکھو کہ کشیاں اس دریا کو چھاڑتی ہوئی چلتی ہیں اور اس واسطے کے تلاش کرو اس کی روزی کو اور شاید احسان یا نو۔“

غور کرو، اگر ان چیزوں میں مصالح و حکم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم انسانوں کو ان چیزوں کی پیدائش پر شکر کا حکم کیوں دیتا۔

بعض اشیاء کے مصالح و حکم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم انسانوں کو ان چیزوں کی پیدائش کی مصلحت یہ ظاہر کی ہے:

﴿وَالْأَنْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَابِيَّ أُنْ تَمِينَ بِكُلِّهِ﴾ (۱۵/ النحل)

”اور اس نے زمین میں بڑے بڑے پہاڑوں کے گرد ڈال دیئے ہیں کہ زمین تم کو لے کر جھک نہ پڑے۔“

ستاروں کی پیدائش کی یہ غرض بتائی:

﴿وَيَا الْجِنَّوْهُمْ يَهْتَدُونَ ۝﴾ (۱۶/ النحل)

”اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں۔“

رات کی پیدائش کی مصلحت یہ بتائی:

﴿جَعَلَ لَكُمُ الْأَيَّلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ﴾ (۱۰ / یونس: ۶۷)

”اور اسی نے رات بنائی کہ تم سکون حاصل کرو۔“

چاند کے گھنے ہر ہنے کی غایت یہ ظاہر کی:

﴿يَسْأَلُوكُمْ عَنِ الْأَهْلَةِ قُلْ هُنَّ مَوَاقِعُ لِلنَّاسِ﴾ (۲ / البقرة: ۱۸۹)

”لوگ تھے سے چاند کی نسبت دریافت کرتے ہیں کہہ دے کہ وہ لوگوں کے لیے وقت اور زمانہ کا معیار ہیں۔“

سایہ، آفتاب، رات، دن، ہوا اور پانی کے مصالح یہ تعلیم کیے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ كَيْفَ مَذَّالِلُنَّ
وَكُوَشَاءُ كَجْعَلَةِ سَائِلَةِ
ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ
دَلِيلًا ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا لَّيْسَ إِنَّا
وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَيَّلَ لِيَابَاسًا وَالْقَوْمَ سَبَانًا
وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيِ رَحْمَيْهِ وَأَنْزَلَنَا مِنَ
السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا لِتُنْجِيَ بِهِ بَلْدَةً مَيْتَةً وَسُقْيَةً مِنَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنْاسِيَّ كَثِيرًا﴾

(۴۵ / الفرقان: ۴۹ تا ۵۰)

”کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے سایہ کو کس طرح پھیلا رکھا ہے اور اگر وہ چاہتا تو ایک ہی جگہ ٹھہر ارہتا، پھر سورج کو سایہ کاراہنما بنایا، پھر اس سایہ کو ہم اپنی طرف آہستہ آہستہ سبیت لیتے ہیں، اسی خدا نے رات کو تمہارا اوڑھنا اور نیند کو آرام اور دن تمہارے جدوجہد کے لیے بنایا اسی خدا نے اپنے ابر رحمت کے آگے آگے ہواں کو خوشخبری سنانے والا بنایا اور ہم نے آسمان سے ستھرا اور نکھرا پانی اتارا کہ اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیں اور چوپا یوں اور بہت سے انسانوں کو اس سے سیراب کریں۔“

قرآن مجید نے اشیاء کے اسباب و عمل ہونے کا بھی صاف اقرار کیا ہے، مثلاً: جا بجا بارش کو کھیت اور پھل پھول کے پیدا ہونے کا سبب بتایا ہے:

﴿وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الظُّرَى رِزْقًا لِّكُمْ﴾ (۲ / البقرة: ۲۲)

”اور آسمان سے پانی بر سایا اور اس پانی سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے۔“

تمام ذی روح چیزیں پانی سے زندہ ہیں:

﴿وَاللَّهُ خَلَقَ الْجَنَّاتَ دَأْبَقَهُ مِنْ مَاءٍ﴾ (۴۵ / النور: ۴۵)

”اور خدا نے ہر چلنے والے کو پانی سے پیدا کیا۔“

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَقِيقًا﴾ (۲۱/الانیاء: ۳۰)

”اور ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا۔“

ہر قسم کے بنا تات پانی سے اگتے ہیں:

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَنَا بِهِ نَبَاتٌ كُلُّ شَيْءٍ﴾ (۶/الانعام: ۹۹)

”اسی نے آسان سے پانی بر سایا، پھر ہم نے اس سے ہر چیز کی روشنیگی ظاہر کی۔“

باد صراحت آندھی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ ہے:

﴿فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرِصَارًا فِي آيَةٍ لِّمَحَسَّاتِ لِئَذِيقَهُمْ عَذَابَ الْغَزْبِ﴾

(۴۱/ ختم السجدة: ۱۶)

”ہم نے عاد کی قوم پر باد صربھیجا نہیں دنوں میں، تاکہ ہم ان کو رسولی کا عذاب چکھائیں۔“

﴿رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ لِّمَنْ تُدْقِرُ كُلُّ شَيْءٍ بِإِمْرِ رَبِّهَا﴾ (۴۶/الاحقاف: ۲۵، ۲۴)

”ایسی آندھی جس میں دردناک عذاب تھا جو خدا کے حکم سے ہرشے کو برباد کر دیتی ہے۔“

﴿إِذَا رَسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَنْتُ عَلَيْهِ لَا جَعْلَتْهُ كَالْرَمِيمِ﴾

(۴۱/ الذریات: ۴۲)

”یاد کرو جب ہم نے فائدہ نہ پہنچانے والی آندھی ان پر بھیجی جو جس شے پر گزرتی تھی اس کو بوسیدہ بڑی کی طرح کر دیتی تھی۔“

آگ جلاتی ہے:

﴿تَلْفَحُ وُجُوهُهُمُ النَّارُ﴾ (۱۰۴/ المؤمنین: ۲۳)

”آگ ان کے چہروں کو جھلسادیتی ہے۔“

آگ لکڑی سے پیدا ہوتی ہے:

﴿إِلَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ التَّمَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا﴾ (۸۰/ یس: ۳۶)

”حس نے ہرے درختوں سے آگ کو پیدا کیا۔“

قرآن مجید اشیاء کے طبعی خواص کا بالکل مسکرہ نہیں شراب میں خواص ہے:

﴿فَلَنْ فِيهِمَا إِلَّمْ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمْ مَا أَكْبَرُ مِنْ تَقْعِيْهَا طَ﴾ (۲۱۹/ البقرة: ۲)

”کہہ دے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور ان میں لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں

لیکن ان کا گناہ اسکے فائدے سے زیادہ ہے۔“

اون میں گرمی کی خاصیت ہے۔

﴿فِيهَا دُفْعٌ﴾ (۱۶ / النحل: ۵) ”جانوروں کے اون میں خوشنگوار گرمی ہے۔“

پانی میں پیاس بجھانے اور درخت اگانے کی خاصیت ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَا عَلِمْتُمْ نَهَرًا وَمِنْهُ شَجَرٌ﴾ (۱۶ / النحل: ۱۰)

”وہی خدا آسمان سے پانی برساتا ہے، اس سے پینا ہے اور اس سے درخت ہیں۔“

شہد میں صحت بخشنے اور بیماری دور کرنے کی خاصیت ہے:

﴿يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ فُتُّى لِكُفَّارٍ الْوَانَةُ فِيهِ شَفَاءٌ لِلنَّاسِ ط﴾ (۱۶ / النحل: ۶۹)

”شہد کی لمبھیوں کے پیٹ میں سے پینے کی چیز لکھتی ہے جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں ان میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔“

لیکن علتِ حقیقی قدرت و مشیت ہے

غرض ان آیات کریمہ سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اس بابِ علل، مصالح و حکم اور طبائع و خواص کے وجود کو تسلیم کرتا ہے اور اس جماعت کا ساتھ نہیں دیتا جو ان چیزوں کا انکار کرتی ہے اور یہ جانتی ہے کہ ان چیزوں کے تسلیم کرنے سے قدرت و مشیتِ الہی کے عقیدہ کا باطل لازم آتا ہے، حالانکہ یہ تو اس وقت لازم آتا ہے جب ان اس بابِ علل اور طبائع و خواص کو خدا سے مستقل اور مستغنی تسلیم کیا جائے اور قرآن اس کی تعلیم نہیں دیتا قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء اس بابِ علل سے پیدا ہوتی ہیں اور ان میں طبائع و خواص ہیں، لیکن یہ اس بابِ علل اور طبائع و خواص خود خلاقِ عالم کے پیدا کردہ اور مقرر کردہ ہیں اور وہ ان ہی پر عموماً کا رہندر ہتا ہے لیکن وہ اس درج ان کا مجبور اور پابند نہیں کہ وہ ان میں تغیرت کر سکتا ہو اور کبھی اپنے خاص حکم و ارادہ سے بھی وہ ان کو نکلتا ہو کیونکہ اس عقیدہ سے کفر پر ورش پاتا ہے اور خدا کی قدرت اور عظمت میں فرق آتا ہے اس لیے ہر موقع پر قرآن مجید نے اپنی تعلیم میں اس نکتہ کو لمحہ نظر رکھا ہے کہ اس بابِ علل کے ساتھ ساتھ خدا کی مشیت اور ارادہ کو پیش نظر رکھتا ہے، تاکہ انسانوں میں خدا کی معدودی، مجبوری اور عدم قدرت کاصور نہ پیدا ہو اور نہ اس کی مشیت و ارادہ پر خود اس کی مشیت و ارادہ کے سوا خارجی پابندیاں عائد ہوں، چنانچہ وہ تمام آیتیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے متعلق اور دوسرے فریق کی طرف سے پیش کی گئی ہیں وہ اسی موقع کی ہیں اور جن سے یہی تعلیم مقصود ہے۔

ہم نے اپر اس بابِ علل اور طبائع و خواص کے ثبوت میں جس قدر آیتیں لکھی ہیں غور کرو ان سب میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف کی ہے جس کا مطلب یہ ہے لان مسماۃت کے اس بابِ علل اور اشیاء کے طبائع و خواص خود اس نے اپنی مشیت و ارادہ اور اپنے حکم و امر سے بنائے ہیں اور ہر جگہ اس کی توضیح کر دی ہے، تاکہ ظاہر میں انسان ان ظاہری علل و اس باب اور طبائع و خواص کو دیکھ کر اشیاء کی علتِ حقیقی کا انکار

کر کے بتلائے الحادیا اس باب و خواص کو مستقل اشریک تاثیر مان کر گرفتار شرک نہ ہو جائے یہ انہیا کی تعلیم کا خاص طریقہ ہے اور قرآن نے اس نکتہ کو کہیں فراموش نہیں کیا ہے یہاں تک کہ انہیاے کرام ﷺ اور بزرگان خاص کو بھی عادتِ جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے خلاف باور کرنے میں جب استحقاب اور استبعاد ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ کیا ہے اور ان کے اس استحقاب اور استبعاد کو اپنی قدرت اور مشیت کو یاد دلا کر رفع کیا ہے، حضرت سارہ ﷺ کو بیرونہ سالی میں جب حضرت الحلق ﷺ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو قرآن اور قرآن دونوں میں ہے کہ ان کو اس پر سخت تجھب ہوا انہوں نے کہا:

﴿يَوْمَ لَتَّعْلَمُوا أَنَّا عَجَزْنَا وَهُدًى أَعْلَمُ إِنَّ هُدًى اللّٰهِ أَعْلَمُ﴾

(۷۲: هود: ۱۱)

”اے خرابی! کیا میں جنوں گی؟ اور میں بڑھیا ہوں اور میرا یہ خاوند بوڑھا ہے یہ تو بڑے تجھب کی بات ہے۔“

فرشتوں نے جواب میں کہا:

﴿أَتَعْجِزُونَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ﴾

(۷۳: هود: ۱۱)

”اے سارہ! کیا تم خدا کے کام سے تجھب کرتی ہو؟“

اس قدر تنبیہ ان کے ایمان کے لیے کافی تھی۔

حضرت زکریا ﷺ ابوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی بانجھ تھیں، حضرت زکریا ﷺ کو اپنی بیوی کی حالت کا نقطی علم تھا لیکن وہ اپنی بیوی کی ظاہری عدم استعداد اور اسباب و علل کے نہ موجود ہونے کی صورت میں بھی خدا کی قدرت اور مشیت کے موثر حقیقی ہونے پر یقین کامل رکھتے تھے، چنانچہ اسی حالت میں انہوں نے ایک وارث کی دعا مانگی مگر جب ان کو اجابت دعا کی بشارت دی گئی تو تقاضاۓ بشریت سے کہ انسان ظاہری اسباب و علل کے دیکھنے کا عادی ہے، اس کمال ایمان کے باوجود ان کو یہ واقعہ مستعد معلوم ہوا اور انہوں نے عرض کی:

﴿رَبَّ أَنِّي يَغْنُونِي عَمَّا يَكُنْتِ أُمْرًا إِنِّي عَاقِرٌ وَّقُدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عَيْنَيَا﴾

(۸: مریم: ۱۹)

”اے میرے رب! کہاں سے میرے لڑکا ہوگا میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا ہوں

یہاں تک کہ بڑھاپے سے اکڑ گیا ہوں۔“

خدانے اس کے جواب میں صرف اسی قدر فرمایا:

﴿قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيْنَ هَبِّينَ وَقُدْ خَلَقْتَكَ مِنْ قَبْلٍ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا﴾

(۹: مریم: ۱۹)

”کہا یوں ہی ہے تیرے رب نے کہا! یہ مجھ پر آسان ہے (زکریا تجھ کو یاد نہیں) کہ میں نے تجھ کو پیدا کیا اور تو کچھ نہ تھا۔“

حضرت مریم علیہ السلام کو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دی گئی تو انہوں نے بھی ظاہری علل و اسباب کے خلاف ہونے پر حیرت ظاہر کی:

﴿قَالَتْ أُنْيَأُنْ لِيْ غَلَمْ وَكُمْ لِمَسْنَفِيْ بَشْرُ وَلَمْ أَكُ بَغَيَّاً﴾ (۱۹ / مریم: ۲۰)

”مریم علیہ السلام نے کہا! میرے لڑکا کہاں سے ہو گا، مجھ کو کسی آدمی نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں کسی بدکار تھی؟“

فرشته نے جواب میں کہا:

﴿قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبِّكِ هُوَ عَلَىٰ هَمٌِّ وَلَنَجْعَلَهَا أَيَّةً لِلْكَافِرِ وَرَحْمَةً مِنَّا﴾

(۱۹ / مریم: ۲۱)

”بولا یوں ہی ہے، تیرے رب نے کہا، وہ مجھ پر آسان ہے اور ہم اس کو لوگوں کے لیے نشانی بنانا چاہتے ہیں اور اپنی طرف نہ سے رحمت۔“

قرآن میں سنت اللہ کا مفہوم

وہ فریق جو خرق عادت اور خلاف اسباب و علل کے مجال ہونے پر قرآن مجید کی ان آتوں سے استدلال کرتا ہے جن میں ”سنت الہی“ کے عدم تبدیل کا ذکر ہے درحقیقت دانستہ یا نادانستہ مفہوم قرآن کی تحریف کا مجرم ہے قرآن مجید میں ”سنت الہی“ کا ایک خاص مفہوم ہے اور اسی اصطلاح خاص میں یہ لفظ کی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، خیر و شر، حق و باطل، نور و ظلمت اور ظلم و انصاف جب باہم مکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر، حق کو باطل پر، نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے، گناہ گار اور مجرم قویں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لیے مؤثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک، آسان کی گرج، زلزلہ کی قهرہ را ہٹ، آندھی کی گھرگھڑا ہٹ، دریا کے طوفان، پہاڑ کی آتش نشانی یا دشمن کی توار سے ہلاک اور برپا ہو جاتی ہیں، یہ سنت الہی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی اور اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہو گا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے اسی مفہوم میں آیا ہے چنانچہ وہ تمام آیتیں ذیل میں لکھ دی جاتی ہیں، تاکہ ناظرین کو شک و شبہ نہ رہے۔ قریش داعی حق کو شہر مکہ سے نکالنے کی تیاری کرتے ہیں اور اس دعوت کو قبول کرنے سے اعلانیہ انکار کر دیتے ہیں تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِنْ كَادُوا إِلَيْسَتْغِرُونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُغْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَيَبْتُونَ خَلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا﴾

سُنَّةَ مَنْ كَذَّلْرَسْلَنَا قَبْلَكَ مِنْ رَسُولِنَا وَلَا تَجْمِدْ لِسْتِنَّا تَحْوِيلًا ﴿٦﴾

(۱۷) بنی اسراء بیل: ۷۶، ۷۷)

”اور وہ (کفارقریش) تو تجوہ کو اس شہر سے لے تھے گہرانے، تاکہ وہ تجوہ کو یہاں سے نکال دیں لیکن اگر ایسا ہو تو وہ تیرے بعد کم ٹھہریں گے یہ دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جن کو ہم نے تجوہ سے پہلے بھیجا اور تو اللہ کے دستور کو ملتے نہ پائے گا۔“

مدینہ کے منافقین اپنی شرارت سے باز نہیں آتے، خدا فرماتا ہے:

﴿أَيُّهُمَا تُقْفِدُوا أَخْذُوا وَقْتَلُوا تَقْتَلُوا مُسْكِنَةَ اللَّهِ فِي الظِّيَّانِ حَلَوْا مِنْ قَبْلٍ وَلَكُنْ تَجْمِدَ لِسْنَةَ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ (۲۳/الاحزان: ۶۱، ۶۲)

”وہ جہاں پائے گئے کچھ کٹلے گئے اور مارے گئے، دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے اور تو اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پائے گا۔“

اس مفہوم کو واضح کرنے کے لیے سورہ فاطر کی حسب ذیل آیت سے بڑھ کر اور کون سی آیت ہو سکتی ہے:
 ﴿وَلَا تَجْعِلِ الْمَدْرَسَيِّ الْأَبَاهِلَمْ فَهُنَّ يَكْثُرُونَ إِلَّا سُكَّةَ الْأَكْلَيْنَ فَلَكُنْ تَجْمِدَ لِسْنَةَ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَكُنْ تَجْمِدَ لِسْنَةَ اللَّهِ تَحْوِيلًا أَوْ لَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظِّيَّانِ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (۴۴/فاطر: ۴۲، ۴۳)

”اور بدی کا راد او پیچ خود داؤ پیچ کرنے والوں کو والٹ جاتا ہے تو کیا اب یہ کافر پہلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں تو تم اللہ کے دستور کو ہرگز نہ بدلتے پاؤ گے اور نہ کبھی اللہ کے دستور کو ملتے پاؤ گے کیا وہ زمین میں پھرے نہیں ہیں کہ دیکھتے کہ اس سے ہبھی قوموں کا کیا انعام ہوا،“ عدیمیہ کے موقع پر کفارقریش کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تکمیل دی جاتی ہے:

﴿وَلَوْ قَتَلُوكُمُ الظِّيَّانُ كُفَّارُوا لَوْ كُمُ الْأَدْبَارُ نَمَّ لَا يَجِدُونَ وَلَيَأْتُوا لَأَنْهِيَرًا مُسْكِنَةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ هُنَّا وَلَكُنْ تَجْمِدَ لِسْنَةَ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ (۴۸/الفتح: ۲۲، ۲۳)

”اور اگر یہ کافر سے لڑتے تو پہنچ پھیر دیتے پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے اور نہ مد و گار، اللہ کا دستور یہ پہلے سے چلا آتا ہے اور تم اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پاؤ گے۔“

اب ان آتوں کے پڑھ لینے کے بعد بھی سنتہ اللہ کے مفہوم کے سمجھنے میں کس کو غلطی ہو سکتی ہے؟

قرآن میں فطرۃ اللہ کا مفہوم

قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے جس کو یہ فریق اپنے شہوت میں پیش کرتا رہتا ہے:

﴿فَطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ (۳۰/الروم: ۳۰)

”خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں۔“
اس موقع پر اس آیت کو پیش کرنا قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں فطرۃ اللہ سے مقصود توحید ہے جس کو وہ دین فطری سے تعبیر کرتا ہے چنانچہ اور پر کی پوری آیت اگر پیش نظر ہو تو یہ مفہوم خود بخواہ یعنی ہو جاتا ہے، خدا فرماتا ہے:

﴿فَأَقْدَمَ وَجْهُكَ لِلّٰهِ الْقَيْمٰنَ حَنِيقًا طَّافِرَةً لِلّٰهِ الْقَيْمٰنَ فَطَرَّ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبَدِيلٌ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذُلِّكَ الدِّينُ الْقِيْمٰنُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الروم: ۳۰)

”سو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم رکھ، وہی اللہ کی فطرت خاص پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے، خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں یہی سیدھا دین ہے، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔“

قرآن مجید کی اس اصطلاح کی تفسیر ایک صحیح حدیث سے پوری ہو جاتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((ما من مولود يولد إلا على الفطرة فابواه يهود انه اوينصر انه اويمجسانه كما تنتج البهيمة بهيمة جماعه هل تحسون فيها من جدعاء ثم يقول ﴿فَطَرَّ اللّٰهِ الْقَيْمٰنَ فَطَرَّ النَّاسَ الخ﴾))

”کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا لیکن ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی اور موسیٰ بننا دیتے ہیں، جس طرح ہر جانور صحیح و سالم بچہ پیدا کرتا ہے، کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کتابچہ بھی وہ جتنا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ”خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔“ اور آخر آیت تک۔

مجھرہ کا سبب صرف ارادۃ الہی ہے

الغرض اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نہ تو اسباب عادیہ کا منکر ہے اور نہ عالم کے نظام کا کو عمل و مصالح سے خالی تسلیم کرتا ہے لیکن وہ ان تمام اسباب عمل سے مافوق ایک اور قادر اور ذری ارادہ ہستی کو فرمانزوائے کل یقین کرتا ہے جس کی مشیت اور ارادہ کی قوت سے کائنات کی یہ مشین چل رہی ہے مجھرہ کا سبب اور علت برادر است اس کی مشیت اور ارادہ ہے، کبھی یہ مشیت اور ارادہ عادات جاریہ اور ظاہری عمل و اسباب کے پرده میں ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً: قوم نوح کے لیے طوفان آنا، قوم ہود کے لیے کوہ آتش فشاں کا پھوننا یا زمزدہ آنا، حضرت ایوب علیہ السلام کا چشمہ کے پانی سے صحیح و تدرست ہو جانا، قوم صالح کے لیے آندھی آنا، مکہ

* صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ الروم: ۴۷۷۵۔

میں نقطہ نظر میں کار و نما ہونا، غزوہ خندق میں آندھی چنان یہ تمام نشانیاں ظاہری اسباب اور عادات جاریہ کے خلاف نہیں لیکن ان اسباب کے ظاہر ہونے کا سبب جس میں حق کی فتح اور باطل کی نکستت، تیکوں کاروں کی نجات اور گناہ گاروں کی ہلاکت ہوئی محض بخت واتفاق نہیں بلکہ ارادہ و مشیت الٰہی نے خاص ان قوموں کے لیے بطور نشانی کے ان کو پیدا کیا اور کبھی یہ مشیت الٰہی عادات جاریہ اور اسباب ظاہری کا نقاب اوڑھ کر نہیں بلکہ بے پرده نشان بن کر سامنے آتی ہے، مثلاً: عصا کا سانپ بن جانا، انگلیوں سے چشمہ کا جاری ہونا، مردہ کا جان، چاند کا دوکڑا ہو جانا، پتھر سے چشمہ کا ابلنا، درختوں کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا، بے جان چیزوں میں آواز پیدا ہونا کہ ان چیزوں کی تشریح موجودہ علم و اسباب علیل کی بنا پر نہیں کی جاسکتی اور نہ ان کو عادات جاریہ کے مطابق کہا جاسکتا ہے، اس لیے ان کی علت خدا کی مشیت اور ارادہ کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی، اس لیے انہیاں نے یہ تصریح کی ہے کہ جو کچھ جان سے ظاہر ہوتا ہے وہ صرف خدا کی قدرت، مشیت اور اذن سے ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ ظاہری علیل و اسباب کے مطابق ہوں تو وہ پیغمبر اور خدا کے باہمی ربط و علاقہ کی دلیل کیونکہ بن سکتے ہیں کفار ان کو دیکھ کر فوز اکھہ سکتے ہیں کہ یہ قول اس سبب سے ہوا ہے، اس لیے خدائی نشان ہونے کا ثبوت کیونکہ بہم پہنچ سکتا ہے؟

مجزہ کی باعتبار خرق عادت کے چار قسمیں

اس بنا پر یہ ضروری ہے کہ مجزرات اور نشانیاں کسی نہ کسی حیثیت سے خارق عادت ہوں چنانچہ:

- ① کبھی نفس واقعہ خارق عادت ہوتا ہے، مثلاً: عصا کا سانپ بن جانا، چاند کا دوکڑا ہو جانا، انگلیوں سے چشمہ کا ابلنا، مردہ کا زندہ کرنا وغیرہ
- ② کبھی یہ ہوتا ہے کہ نفس واقعہ خلاف عادت نہیں ہوتا، مگر اس کا اس وقت خاص پر و نما ہونا خرق عادت بن جاتا ہے، مثلاً: طوفان آنا، آندھی آنا، زرزلہ آنا، کفار کا باوجود کثرت تعداد کے، بے یار و مد و گاراہی حق سے خوف کھانا وغیرہ تمام تائیدات الٰہی اسی قسم میں داخل ہیں۔
- ③ ایک صورت یہ ہے کہ نفس واقعہ اور اس کے ظہور کا وقت خاص تو عادات جاریہ کے خلاف نہیں ہوتا مگر اس کا طریقہ ظہور خلاف عادت ہوتا ہے، مثلاً: انہیا کی دعاوں سے پانی کا برنسا، بیمار کا اچھا ہونا، آفتوں کا کٹل جانا، کہ نہ تو پانی کا برنسا یا بیمار کا اچھا ہو جانا یا کسی آئی ہوئی آفت کا کٹل جانا، خلاف عادت ہے اور نہ اس کے ظہور کا کوئی خاص وقت ہے لیکن جس طریقہ سے اور جن اسباب علیل سے یہ مجزرات ظاہر ہوئے وہ خارق عادت ہیں، استجابت دعا اسی قسم میں داخل ہے۔
- ④ کبھی نہ تو واقعہ خارق عادت ہوتا ہے اور نہ اس کا طریقہ ظہور خارق عادت ہوتا ہے بلکہ اس کا قبل از وقت علم، خارق عادت ہوتا ہے، مثلاً: انہیا نے فرمایا کی پیشین گویاں، ایک دفعہ زور بے آندھی چلی آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے۔“ چنانچہ جب لوگ مدینہ سے باہر تھے آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے۔“

مدینہ پہنچنے تو معلوم ہوا کہ مدینہ میں ایک منافق اس آندھی سے مر گیا، اس مجرہ میں نہ تو آندھی کا چنان خرق عادت ہے، نہ آدمی کا آندھی کے صدمہ سے مر جانا خلاف اسباب ہے، بلکہ صرف واقعہ کا قبل از وقت علم خرق عادت ہے۔

اہل ایمان پر اثر کے لحاظ سے مجرمات کی دو قسمیں

انبیاء ﷺ کی زندگی علم و عمل دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور ان کے تمام ارشادات و تعلیمات سے صرف ان ہی دونوں کی ترقی اور تکمیل مقصود ہوتی ہے، اس لحاظ سے انبیاء کے بعض مجرمات کا اثر صرف علم و یقین پر پڑتا ہے ان سے کوئی عملی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا، ہاتھ کا چمک اٹھنا، عصا کا سانپ بن جانا، چاند کا شق ہو جانا، اگرچہ نہایت عظیم الشان مجرے ہیں لیکن ان کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ ایک گروہ ایمان لا یا اور دوسرا نے انکار کیا لیکن انبیاء کے بہت سے مجرمات ایسے ہوتے ہیں جن سے نہایت عظیم الشان عملی نتائج ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً عصا کے سانپ بن جانے سے بوسرا ایل کوئی عملی فائدہ نہ پہنچ سکا لیکن اس کے ذریعہ سے پانی کا جو چشمہ ابلا وہ ان کے لیے حیات بخش ثابت ہوا پہلی قسم کے مجرمات کو قرآن میں جست، برہان اور سلطان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان سے علم و یقین کو ترقی ہوتی ہے اور دوسری قسم کے مجرمات کو اس نے تائید اور نصرت الہی کہا ہے پہلی قسم کے مجرمات طلب اور سوال کے متمن ہوتے ہیں لیکن تائید اور نصرت الہی اس کی پابندی نہیں ہوتی۔

آغاز نبوت میں چونکہ انبیاء ﷺ صرف عقايد کی تعلیم دیتے ہیں اور کفار کی طرف سے ان ہی عقايد کا انکار کیا جاتا ہے اور انہی کے اثبات پر دلیل طلب کی جاتی ہے، اس لیے اول اول انبیاء ﷺ سے اسی قسم کے مجرمات کا ظہور ہوتا ہے، جن کا اثر صرف علم و یقین پر پڑ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ﷺ کو اسی قسم کے دو مجرے دے کر فرعون کے پاس بھیجا اور اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کو مجرہ شق القمر دکھایا لیکن اس کے بعد انبیاء ﷺ کی تعلیم و ہدایت سے مومنین مخلصین کا ایک گروہ پیدا ہو جاتا ہے جو عموماً مغلوب الحال، خانہ بدوش، بے سرو سامان اور بے یار و مددگار ہوتا ہے، یہ گروہ اگرچہ صفائی باطن اور خلوص نیت اور شدت ایمان کی بنا پر کسی مجرہ کا خواستگار نہیں ہوتا، تاہم تائید الہی خود اس کی طلب کار ہوتی ہے اور ہر موقع پر اس کی حفاظت اور حمایت کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تائیدات الہی کا ظہور اکثر بغیر طلب و سوال کے ہوتا ہے، مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ سے کسی مجرہ کا سوال نہیں کیا لیکن آپ سے اکثر مجرمات کا ظہور انہی کے درمیان ہوا، بالخصوص غزوہات میں اکثر تائید الہی نے مسلمانوں کی مدد کی ہے، غزوہ بدر و حنین میں فرشتوں کا آسمان سے نازل ہونا، تحوزے سے زادراہ کا تمام فوج کے لیے کافی ہونا، آپ کی اگلیوں سے پانی کا لکھنا، یہ اور اس قسم کے بہت سے مجرمات غزوہات ہی کے زمانہ میں آپ سے ظہور

پذیر ہوئے اور ان سے تمام مسلمانوں نے ایسی حالت میں فائدہ اٹھایا جب کہ تمام دنیوی اسباب و وسائل منقطع ہو چکے تھے۔

اسی کا نام قرآن مجید کی زبان میں نصر (مد) اور تائید ہے اور یہ ہر بی بی کو آخروقت میں عطا کی جاتی ہے اور عین اس وقت جب بظاہر اسباب مایوسیوں کے تمام مناظر پیش ہوتے ہیں اور تائید حق کا بظاہر کوئی سامان نظر نہیں آتا وفعۃ نصرت الہی توقع کے خلاف گرد پیش کے واقعات کے خلاف بجلی کی طرح نامیدیوں کے بادل سے چک ٹھنی ہے:

﴿أَمْ حَسِبُّهُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَا كَيْفَ لَكُمْ مَّا شَاءُوا إِنْ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَّا مَسَّتُمُ الْأَبَاسَاءَ
وَالصَّرَاطُ وَمَنْ لَوْلَا حَتَّىٰ يَقُولُ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَلَىٰ نَصْرًا اللَّهُ أَكْلَانَ نَصْرًا اللَّهُ
قَرِيبٌ﴾ (۲/ البقرة: ۲۱۴)

”کیا تم کو خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر وہ حالت گزری نہیں جو تم سے پہلوں پر گزری ان پر مصیبت اور تکلیف آئی اور اس قدر جھوڑ جھڑائے گئے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھ مسلمان (جھبرا کر) کہا ٹھے کہ خدا کی نصرت کہاں ہے؟ ہاں خدا کی نصرت نہ دیک ہے۔“

﴿حَتَّىٰ إِذَا أَسْتَيْنَ الرَّسُولُ وَظَاهِرُوا أَهْمَمُ قَدْ لَذُبُوا أَهْمَمُهُمْ نَصْرُنَا لَا فَيْقَنُونَ مَنْ نَشَاءُ وَلَا
يُرْدُدُنَا سَاعَةً عَنِ الْقَوْمِ الْجُرْمِينَ﴾ (۱۲/ یوسف: ۱۱۰)

”یہاں تک کہ جب نامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے نصرت کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا کہ ہماری نصرت آگئی پھر ہم نے جن کو چاہا وہ بجادیے گئے اور پھری نہیں جاتی ہماری آفت گناہ ہمارا قوم سے۔“

خدا کا یہ قطعی وعدہ ہے کہ وہ حق پرستوں کو ہمیشہ آخراں نصرت عطا کرے گا:

﴿وَكَانَ حَطَّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۳۰/ الروم: ۴۷)

”اور ایمان داروں کی مدد، ہم پر فرض ہے۔“

یہ نصرت مسلمانوں کو ہر قدم پر تسلی کا پیغام سنائی تھی، بد رہو کہ احمد، خندق ہو کہ خمین، ہر جگہ وہی ان کی دشمنی تھی:

﴿لَقَدْ نَصَرَ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ﴾ (۹/ التوبہ: ۲۵)

”خدا نے بہت سے موقوں پر تمہاری نصرت کی۔“

لیکن سب سے بڑی نصرت بد رہی تھی، جب تین سو بے برگ و ساز نہتوں نے قریش کی ایک ہزار مسلح فوج کو کامل ٹکست دے دی:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَ كُمَالُ اللَّهِ بِإِذْرِقَةٍ وَآتَهُمْ أَذْلَةً﴾ (۳/ آل عمران: ۱۲۳)

”اور خدا نے یقیناً بدر میں تمہاری مدد کی، جب تمہارے پاس کوئی قوت نہ تھی۔“

لیکن عام مجرمات اور نصرت الہی میں یہ فرق ہے کہ جو مجرمات بطور جحت اور برہان کے پیش کیے جاتے ہیں، وہ صرف انبیاء علیہم السلام کی روحانی طاقت کا فیض ہوتے ہیں، یعنی ان کا یہ فیض سبب ہوتا ہے ارادہ الہی کے ظہور کا، لیکن نصرت الہی میں پیغمبر کی روحانی طاقت کے ساتھ مونین کے کمال ایمان، شدت یقین، تزکیہ نفس اور استعداد قلب کی شرکت بھی ضروری ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے جب بخت فاقہ کی حالت میں نزول مائدہ (خوان آسمانی) کی درخواست کی تو انہوں نے ان کو تقویٰ اختیار کرنے کی تعلیم دی:

﴿إِذْ قَالَ الْمُوَارِثُونَ لِيَعُسُّى إِنَّ أَبَنَ مَرِيمَ هُلْ يَسْتَطِعُهُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَآبِدَةً فَنَّ﴾

السماء؎ قَالَ أَتَقُولُ اللَّهُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنُينَ ﴾۵﴾ (۱۱۲/ المائدۃ)

”یاد کرو جب حواریوں نے کہا، اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا آپ کا پروردگار ہم پر آسمان سے

ایک خوان اتار سکتا ہے؟ عیسیٰ نے کہا، خدا سے تقویٰ کرو اگر تم کو بقین ہے۔“

میدان جگ میں آنحضرت علیہ السلام صحابہ کو نزول ملائکہ کی بشارت سناتے ہیں، تو ساتھ ساتھ صبر اور تقویٰ کی بھی تعلیم دیتے ہیں:

﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَكُنْ يَفْكِيرُمُّ أَنْ يُنْذَلُّ كُلُّ رَبِّكُمْ بِشَكَّةِ الْأَفِيفِ نَنَزِّلُ مِنَ الْمَلِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴾

بَلْ أَنْ تُصْبِرُوا وَتَتَقَوَّلُوا وَيَا أَيُّوبَ كُمْ قَنْ فَوْهُمْ هُدَى يُمْدَدُ كُلُّ رَبِّكُمْ بِخَمْسَةِ الْأَفِيفِ نَنَزِّلُ مِنَ الْمَلِكَةِ مُسَيْرَمِينَ ﴾﴾ (۳/۱۲۴، ۱۲۵/آل عمران)

”یاد کر اے پیغمبر! جب تو مسلمانوں سے کہہ رہا تھا کہ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اتار کر تم کو مدد دے (خدا کہتا ہے) ہاں اگر تم مستقل رہو اور تقویٰ کرو اور وہ فوراً آ جائیں تو خدا اپا نجح ہزار سوار فرشتوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرے گا۔“

یہی وہ مجرمات تھے جن کی نسبت صحابہ کرام علیہم السلام بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کو برکت سمجھا کرتے تھے۔

کفار کے لیے نتائج کے لحاظ سے مجرمات کی دو قسمیں

جس طرح مونین پراثر کے لحاظ سے مجرمات کی دو قسمیں ہیں، اسی طرح کفار پر نتائج کی حیثیت سے بھی ان کی دو قسمیں ہیں، آیت ہدایت اور آیت ہلاک، انبیاء علیہم السلام کفار کو پہلے ہدایت کی نشانیاں دکھاتے ہیں اور ان کو حق کی دعوت دیتے ہیں، کفار کی کثیر تعداد میں جس قدر صاحب اجزا ہوتے ہیں، وہ اس دعوت کو قبول کرتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ بالآخر وہ وقت آتا ہے، جب مادہ فاسد کے سوا کفار کی جماعت میں کوئی صلاحیت پڑ رغضاً باقی نہیں رہ جاتا تو اس وقت آیت ہلاک، آسمان کی بخلی، فضا کی آندھی، زمین کا سیلا، لوہے کی تکواں بن کر ردمہا ہوتی ہے اور سطح خاکی کو ان کے وجود کی نجاست سے پاک کر دیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو متعدد مجرزے عنایت ہوئے تھے مگر وہ اس لیے تھے کہ ان کو دکھا کر فرعون کو حق کی طرف دعوت دی جائے، جب ایک مدت کے بعد اہل مصر میں سے جس قدر لوگ ایمان لاسکتے تھے لے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شق بحر کی آیت ہلاک عنایت ہوئی اور رود احمر کی لمبیں فرعون کو اس کے سارے سازو سامان اور امراض کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نگل گئیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو آیت طوفان، حضرت صالح علیہ السلام کو آیت ناقہ، حضرت لوط علیہ السلام کو بر بادی سدوم کی نشانی، حضرت شعیب علیہ السلام کو آیت صاعقه بحر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آیت رفع اور آنحضرت مسیح پیغمبر علیہ السلام کو مجرزہ بسطہ الکبریٰ (بدر) جو دیا گیا تھا، وہ اسی دوسری قسم میں داخل تھا، ان میں سے ہر مجرزہ اور نشانی کے طور کے بعد یا خود اسی مجرزہ اور نشانی کے ذریعہ سے معاذین کی ہلاکت، استیصال اور بر بادی ہوئی اور اسی کو قرآن مجید نے سنت اللہ (خدا کا دستور) اور سنت الاولین (پہلوں کا دستور) کہا ہے کہ ہر پیغمبر کی قوم میں یہ اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے:

﴿وَلَا يَجِدُونَ الْمَكْذُّبَ إِلَّا يَأْهُلُهُ فَهُلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنْنَةُ الْأَوَّلِينَ﴾

(۴۳/فاطر)

”اور بدی کا داؤ بیچ کرنے والوں پر اسٹ جاتا ہے تو کیا اب یہ کافر اگلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں۔“

﴿أَيْنَمَا تُقْتَلُوا أَخْدُوا وَ قُتْلُوا تَقْتيلًا ۝ سُنْنَةُ اللَّهِ فِي الَّذِينَ حَكَمَّا مِنْ قَبْلِهِ ۝﴾

(۶۱/الاحزان)

”یہ جہاں پائے گئے کبڑے گئے اور مارے گئے، یہ اللہ کا دستور پڑا ہوا ہے اگلی قوموں میں۔“ اس مجرزہ عذاب کے ظاہر ہونے میں عموماً ایک وقت میں تک تا خیر کی جاتی ہے جس کے اسباب حسب ذیل ہیں:

① یہ مجرزہ عذاب اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا، جب تک آیات ہدایت سے قوم کے تمام صالح اجز اس کے فاسد عنصر سے الگ نہیں ہو جاتے اور مومنین اور کافرین ایک دوسرے سے پھٹ کر جدا نہیں ہو جاتے اور رسول کو بقیہ عناصر کے ایمان سے قطعی بایوسی نہیں ہو جاتی، حضرت نوح علیہ السلام نے ایک طویل زمانہ تک اپنی قوم کو دعوت دی اور اس کے بعد نا امید ہو کر انہوں نے آخری مجرزہ کی دعا مانگی:

﴿رَبَّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الظَّالِمِينَ ذَيَّارَهُ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضْلُلُوا عِبَادَكَ وَلَا يَلْدُدُوا إِلَّا فَاجْرًا لِّكَفَارًا ۝﴾ (۷۱/نوح: ۲۶، ۲۷)

”اے میرے پروردگار از میں پر کافروں میں سے کوئی نہیں والا نہ چھوڑ، اگر تو ان کو چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گراہ کریں گے اور وہ نہ جنیں گے لیکن فاجر اور کافر کو۔“

اس کے بعد طوفان آیا اور قوم نوح کو بہا لے گیا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون سے پوری بایوسی ہو گئی تو انہوں نے دعا کی:

﴿رَبِّنَا إِنَّكَ أَتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَكَةَ زَيْنَةَ وَآمُوا لِأَفِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبِّنَا لِيُضْلِلُوكُمْ عَنْ سَبِّيلِكُمْ رَبِّنَا أَطْهِسْنَ عَلَىٰ آمُوا لِهِمْ وَأَشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾

(۸۸: ۱۰ / یونس)

”اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں شان و شوکت اور دولت عطا کی ہے، اے ہمارے رب! وہ اس سے یہ کام لیتے ہیں کہ وہ لوگوں کو تیرے راستے سے گراہ کرتے ہیں، خداوندان کی دولت کو سمیت دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے جب تک وہ تیرے دردناک عذاب کا مزہ نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے۔“

اسی موقع پر اسی قسم کی دعا کیں دیگر انہیاً علیہ السلام نے بھی کی ہیں۔

② اس منزل پر پہنچ کر پیغمبر کو اپنے مونین کی جماعت کو ساتھ لے کر بھرت کا حکم ہوتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کو مع رفقا کے کشی پر چڑھا کر کفار سے الگ کیا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے ملک سے اپنی بھرت کا اعلان کرتے ہیں (﴿إِنَّ مُهَاجِرَ إِلَىٰ رَبِّيٍّ﴾ ۲۹/ عنکبوت) ”میں خدا کی طرف بھرت کرتا ہوں۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاتے ہیں، حضرت لوط، حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت صالح علیہ السلام، سب نے اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر اپنی نافرمان قوموں سے علیحدگی اختیار کی اور جب تک یہ بھرت نہیں ہو لیتی اور مونک و کافر الگ نہیں ہو جاتے، مجھرہ عذاب نہیں بھیجا جاتا، حضرت نوح علیہ السلام جب تک کششی پر سوار ہو کر علیحدہ نہ ہو لیے، طوفان نہ آیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تک کلد انہوں کے ملک عراق سے نکل کے شام اور مصر نہ چلے گئے، ان پر عذاب نہ آیا، اسی طرح حضرت لوط، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر جب تک الگ نہ ہو گئے، ہلاکت کا عذاب نہیں آیا اور جب انہوں نے بھرت کر لی تو یہ مجھرہ عذاب مختلف صورتوں میں ان قوموں پر نازل ہوا اور مونین کی نجات اور کافروں کو ہلاکت نصیب ہوئی۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ان واقعات کو بکثرت بیان کیا گیا ہے اور نیز اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ دستور اور قانون فرمایا ہے، جس میں تغیر و تبدل ناممکن ہے جیسا کہ اس سے پہلے ”قرآن مجید میں سے اللہ کے مفہوم“ کے ضمن میں آیات قرآنی کے حوالہ سے اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے، سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ اس اصول کو اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا وَقْتٌ أَيَّامَ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ طَقْلٌ فَإِنْتَظِرُوْا إِلَىٰ مَعْلَمٍ قَنْ﴾

الْمُنْتَظَرُوْنَ ۝ تُمَرِّنُنَّا وَالَّذِيْنَ امْنَوْا كَذَلِكَ ۝ حَقًا عَلَيْنَا لِنُجُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(١٠٢ / یونس: ١٠٣)

”کیا یہ کافر گز شدت قوموں کی طرح واقعہ ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں، کہہ دے کہ انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور ایسے ہی ایمان لانے والوں کو ہم پر فرض ہے، ہم نجات دیں گے ایمان والوں کو۔“

آنحضرت ﷺ اور مجذہ ہدایت

ہدایت کی غرض سے آنحضرت ﷺ سے جو مESSAGES سے جو مESSAGES اور نشانیاں صادر ہوتی رہتی تھیں، ان کا بڑا حصہ غیر معمولی قوت تاثیر، استجابت دعا، تائید و نصرت اور پیشین گوئی کا تھا، اسی غیر معمولی قوت تاثیر کا نتیجہ تھا کہ قریش لوگوں کو آپ ﷺ کے پاس جانے سے روکتے تھے، سیرت کی کتابوں میں اس قسم کے متعدد واقعات مذکور ہیں، قرآن مجید کی یہ آیت کفار کے اس باطنی اعتراض کا آئینہ ہے:

﴿لَا سَمْعًا لِهُدَى الْقُرْآنِ وَالْغَوَافِيْهِ لَعَلَمُكُمْ تَغْلِيْفُوْنَ ۝﴾ (٤١ / حم السجدة: ٢٦)

”اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور و غل کرو، شاید تم غالب آؤ۔“

قرآن کے اثر کا ان پر یہ رعب چھالیا ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہ دیکھتے تھے کہ وہ شور و غل اور ہنگامہ کر کے لوگوں کو سننے نہ دیں، آنحضرت ﷺ کی استجابت دعا کا بھی کفار کو بدرجہ اطمینان تھا، ایک دفعہ صحابہ حرم میں جب ابو جہل وغیرہ وہ سائے قریش آنحضرت ﷺ کی نماز میں خلل انداز ہوئے اور آپ نے ان پر بددعا کی تو تھا: ”مسلم میں یہ تصریح ہے کہ وہ اس کوں کر کا پ اٹھے۔“ ایک دفعہ جب مکہ میں قحط عظیم پڑا تو ابوسفیان نے آپ کے پاس آ کر کہا کہ ”محمد (ﷺ) تمہاری قوم ہلاک ہو گئی، خدا سے دعا کرو کہ وہ اس بلا کوان سے دور کرے۔“ چنانچہ آپ نے دعا کی اور وہ بلا دour ہوئی۔ ﴿ اسی طرح آپ کی پیشین گوئی کی صداقت کا بھی ان کو دل سے اعتراف تھا، یاد ہو گا کہ غزوہ بدر سے پہلے جب امیریہ کو حضرت سعد الفصاری رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے مارے جانے کی پیشین گوئی کی ہے تو وہ گھبرا لٹھا اور اس کی بیوی پر یہ اثر ہوا ہے کہ اس نے غزوہ بدر کے موقع پر اپنے شوہر کا دامن تھام لیا کہ ”محمد (ﷺ) کی پیشین گوئی تھیں یا نہیں؟“ ﴿ فتح روم کی مشہور پیشین گوئی جس دن پوری ہوئی

❶ صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب اذا القى على ظهر المصلى قذر او جيفة لم تفسد عليه صلوته: ٤٤٠، مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب مالقى النبي ﷺ من اذى المشركين والمنافقين: ٤٦٤٩۔

❷ صحيح بخاري، كتاب التفسير، سورة حم الدخان: ٤٨٢٤۔

❸ صحيح بخاري، كتاب المغازى، باب ذكر النبي ﷺ من يقتل بيده: ٣٩٥٠۔

بہت سے لوگ اس نشان صداقت سے ہدایت پا کر مسلمان ہو گئے۔ * ۲) حضرت ﷺ کی تائید و نصرت کے عجائب بھی قریش کی نظر وں سے گزر چکے تھے وہ بار بار آپ پر حملہ کی تیاریاں کرتے تھے اور ناکام رہتے تھے ایک دفعہ ابو جہل نے بینا پاک ارادہ کیا اور اس نیت سے آگے بڑھا تو فوراً ذر کر چیچھے ہٹ گیا ساتھیوں نے واقعہ پوچھا تو بتایا کہ مجھے یہ نظر آیا کہ میرے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی خندق ہے اور چند پردار ہستیاں کھڑی ہیں۔ * ۳) الغرض ہدایت کے متعدد نشانات تھے جو مکہ میں کفار کو اس غرض سے دکھائے گئے تھے کہ ان کو دیکھ کر ان کے قلوب میں قبول حق کی صلاحیت پیدا ہو۔

شق قمر آخري نشان ہدایت تھا

ہدایت کی ان نشانیوں میں کفار مکہ کے لیے سب سے آخری * ۴) اور فیصلہ کن نشان شق قمر کا تھا، جس کے بعد آیات ہلاکت کا آغاز ہونے والا تھا احادیث میں ہے کہ کفار مکہ آپ ﷺ سے مجرمہ کے طالب تھے تو آپ ﷺ نے ان کو شق قمر کا مجرمہ دکھایا، چاند و مکارے ہو کر نظر آیا لیکن معاندین کو اس عظیم الشان اور واضح تر مجرمہ سے بھی ہدایت نہیں، بعضوں نے کہا محمد ﷺ نے جادو کیا ہے، کسی نے کہا ایسی عجیب عجیب باتیں ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں، چنانچہ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے:

﴿إِنَّ قُرْبَةَ السَّاعَةِ وَأَشْقِقَ الْقَمَرِ وَإِنْ يَرُوا إِلَيْهِ يَعْرُضُوا وَيَغْوِلُوا يَسْعُرُ مُسْكَنَهُمْ﴾ (۵۴ / القمر: ۱ ، ۲)

”قیامت کا وقت قریب آگیا ہے اور چاند شق ہو گیا اور اگر یہ کافر کوئی نشانی دیکھیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔“

اب خداوند والجلال کے رحم و کرم نے دوسری شان اختیار کی یعنی اس کے قہر و غصب نے ان غیر صلاحیت پذیر ہستیوں سے سطح ارضی کو پاک کر دینے کا تھیہ کر لیا اور وہ سنت الہی جو تمام گزشتہ امتوں کے ساتھ جاری رہی یعنی یہ کہ مجرمہ کے دیکھنے کے بعد ایمان نہ لانے پر کفار کی ہلاکت اور بر بادی فرض محتم ہو جاتی ہے، وہ قریش کے حق میں جاری ہوئی۔

گزشتہ دستور الہی کی تفصیل کے مطابق اس ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کے لیے پہلے دو چیزوں کی ضرورت تھی:

* ۱) تمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة الروم: ۳۱۹۴۔ * ۲) صحيح مسلم، كتاب صفات المناقفين واحكامهم، باب قوله تعالى: (إن الإنسان ليطفي إن رآه استغنى) ۴۰۱۵۔ * ۳) ہم نے قرآن مجید کے بتائے ہوئے اصول الہی کے مطابق اونا ایسا سمجھا تھا کہ شق قمر کا مجرمہ، بھرت سے پہلے ظاہر ہوا ہو گا لیکن سیر و مغاری اور کتب احادیث کا مطبرہ ذخیرہ اس دعویٰ کے ثبوت و انکار دونوں سے خاموش تھا، اسی اثنائیں حاکم کی دستور کی دوسری جلد حیرہ آباد سے چھپ کر پہنچی، اس میں سورہ قمر کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو واقعہ کے مبنی شاہد ہیں، یہ تصریح ملی کہ یہ نشان قبل مغرب اجنبی میں پہنچنے لیتی بھرت سے پہلے ظاہر ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھرت سے کچھ ہی پہلے کا ہے حاکم کی یہ راویت بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور حافظ ذہبی نے تخلیص مدرسہ میں اس کی تصدیق کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ راویت مصنف عبد الرزاق میں بھی موجود ہے، (مدرسہ، ج ۲، ج ۲۷۲، ۲۷۲، ۲۷۲)۔

- ① موئین کی جماعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی شہر مکہ سے بھرت۔
- ② بھرت سے پہلے ہدایت کی کسی آخری کھلی نشانی کا ظاہر ہونا۔
- چنانچہ بھرت سے پہلے شق قمر کا نشان ظاہر ہوا اور اس کو دیکھ کر بھی جب قریش کے رؤسا اسلام نہ لائے تو آنحضرت ﷺ کو مکہ سے بھرت کا حکم ہوا اور ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کا وقت قریب آگیا صحابہ رضی اللہ عنہم میں اسرار نبوت کے جو محروم تھے وہ پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ یہ بھرت قریش کی بر بادی کا پیش خیمہ ہے۔ متدرک حاکم (جلد ۳، ص: ۷) اور مندار بن خبل (جلد ۱، ص: ۲۱۶) میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ سے نکل تو حضرت ابو بکر ؓ نے کہا «اَنَا لِلّٰهِ» مکہ والوں نے اپنے پیغمبر کو نکال دیا اب یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے، چنانچہ «اُذْنٌ لِلّٰهِ» والی قتال کی آیت نازل ہوئی۔*
- آنحضرت ﷺ اور مجزہ ہلاکت

آنحضرت ﷺ نے مکہ میں قریش کو تقریباً ۱۳ برس تک دعوت دی اور ان تیرہ سالوں کے اندر اس راہ میں ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف برداشت کی اور آیات ہدایت کے مختلف نمونے ان کو دکھائے، بالآخر شق قمر کا مجزہ بھی ان کی نگاہوں کے سامنے سے گزرا اور آخر وہ وقت آیا جو اپنے پیغمبروں کے سامنے دوسرا قوموں پر آچکا تھا یعنی قبیلہ قریش میں سے وہ افراد صالح جو بے خوف و خطر حق کو قبول کر سکتے تھے، انہوں نے حق کو قبول کر لیا اور صرف وہ رؤسائے قریش رہ گئے جو قول حق کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتے تھے یا وہ ضعف اپنے جو ان رؤسائے موجودگی میں حق کا ساتھ دینے کی قوت نہیں رکھتے تھے اور اس لیے ضرورت ہوئی کہ ان رؤسائے وجود سے ارض حرم کو پاک کیا جائے۔

آنحضرت ﷺ مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے تھے اور وہاں بھی کوئی حق کا سامنے والا نہیں تھا، بازار اور راستہ میں شریروں نے آپ کو پھر مارے، یہاں تک کہ قدم مبارک خون آلو دھو گئے، آپ مکہ واپس آرے ہے تھے کہ فرشتہ جبال نے آپ کو نداری کہ اگر اجازت ہو تو پہاڑوں سے ان کو چکنا چور کر دیا جائے رحمت عالم ﷺ اب بھی مایوس نہ ہوئے اور پارگاہ الہی میں عرض کی کہ ابھی وہ مجزہ ہلاکت ظاہر نہ ہو، شاید کہ ان کی نسل سے کوئی توحید کا پرستار پیدا ہو۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ ؑ نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! احمد کے علاوہ آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ دن جب میں نے طائف کے سردار عبدیا لیل کے سامنے اپنے کو پیش کیا اور اس نے انکار کیا میں مغموم واپس آ رہا تھا کہ فرشتہ جبال نظر آیا۔“ اور اس کے بعد آپ نے کفار کی ہلاکت کے لیے فرشتہ جبال کی اجازت طلبی اور اپنا جواب بیان کیا۔** آنحضرت ﷺ اس دن کو ایام مصائب کی تاریخ میں سب

*نسائی، کتاب الجهاد، باب وجوب الجهاد: ۳۰ اور ترمذی تفسیر آیت بالا: ۳۱۷۱ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے ”س۔“

** مسلم، کتاب الجهاد والسریر، باب ما لقى النبي ﷺ من اذى المشركين: ۴۶۵۳ و بخاری، کتاب بدء الخلق: ۳۲۳۱۔

سے زیادہ سخت فرماتے ہیں، ظاہر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے طائف کی تکلیف کو سخت ترین دن فرمایا لیکن واقعیت نہیں ہے اس سے بھی زیادہ تکالیف اور مصیبت کی گھڑیاں آپ پر آتی ہیں بلکہ اس لحاظ سے آپ اس کو سخت ترین دن قرار دیتے ہیں کہ یہ قریش کی فرصت اور مہلت کی اخیر گھڑی تھی اور اب مجرمة ہلاک ان کے سر پر تھا اور رحمت عالم ﷺ کو اس کا صدمہ تھا، تاہم قریش کو اب آخری عذاب کی اطلاع دی گئی تھی اور وہ نادان استہزا کرتے تھے، جیسا کہ دوسری قومیں بھی اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کرتی آتی ہیں۔ کفار قریش آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر کہتے تھے جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے وہ کیوں نہیں آتا؟ اگر تم میں قدرت ہے تو وہ عذاب لا اور اپنی صداقت کی یہ آخری نشانی بھی دکھادو:

«وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ أَيْةٌ مِّنْ رَّبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَإِنْتَظِرُوْا إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝» (۱۰ / یونس: ۲۰)

”اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں نہیں اترتا۔ اے پیغمبر کہ دے کہ غیب کی بات خدا کے پاس ہے، تم اس کے ظہور کا انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔“

کبھی آ کر کہتے:

«أَوْ سُقْطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْنِي بِاللّٰهِ وَالْمَلِيْكَةِ قَبِيلًاً»

(۱۷ / بنی اسرائیل: ۹۲)

”یا جیسا تم کہا کرتے ہو، آسمان کے مکڑے مکڑے کر کے ہم پر گرا دیا خدا و فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔“

«لَوْمَا تَأْنَيْنَا بِالْمَلِيْكَةِ إِنْ كُلْتَ مِنَ الصَّدِيقِيْنَ ۝» (۱۵ / الحجر: ۷)

”اگر تم پچھے ہو تو کیوں نہیں ہمارے پاس فرشتوں کو لے آتے۔“

خدانے جواب میں کہا:

«وَمَا كَلَّا وَإِذَا امْنَظَرِيْنَ ۝» (۱۵ / الحجر: ۸)

”جب فرشتے آ جائیں گے تو پھر انہیں مہلت نہ دی جائے گی۔“

کفار قریش کو مجرمہ عذاب کے دیکھنے کی جلدی تھی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پیشیں گوئی سراسر جھوٹ ہے، خدا نے کہا جب تک پیغمبر کی آمد کی برکات ختم نہ ہو جائیں یعنی تمام افراد صالیح اگذ نہ ہو جائیں گے عذاب نہیں آئے گا۔

«وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيْئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمُشْلُثُ طَ وَإِنَّ رَبَّكَ لَدُوْ

مَغْفِرَةٌ لِّلثَّالِسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْوَقَابِ ۝ (١٣ / الرعد: ٦)

”اور کفار جلدی چاہتے ہیں تجھ سے بھلائی سے پہلے برائی، حالانکہ ان سے پہلے گزشتہ قوموں میں اس قسم کے واقعات گزر چکے ہیں اور تیر ارب لوگوں کی گناہ گاری کے باوجود ان کو معاف کرتا ہے اور تیر ارب بڑے عذاب والا بھی ہے۔“

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے مجزہ کا ذکر کر کے کہتا ہے:

﴿لَا يُؤْمِنُونَ يَهُ حَطَّلٍ بَّيْرَوَالْعَذَابِ الْأَكِيمِ فَيَأْتِيهِمْ بِعَذَابٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ فِي قُوُّتِهِ أَهْلَنَّا نَحْنُ مُنْظَرُونَ أَفَيَعْدُ إِنَّا يَسْتَعْجِلُونَ أَفَرَءَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ لَمَّا جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ مَا أَغْلَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَسْتَعْجِلُونَ وَمَا أَهْلَنَا مِنْ قُرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ۝﴾ (٢٦ / الشعراء: ٢٠٨ تا ٢٠٨)

”وہ نہ مانیں گے اس کو جب تک دکھ کا عذاب نہ دیکھ لیں گے پھر یہ عذاب اچانک ان پر اس طرح آجائے گا کہ ان کو خبر (نہیں) ہونے پائے گی تو اس وقت کہیں گے کہ ہم کو مہلت بھی کچھ مل سکتی ہے؟ کیا یہ کفار ہمارا عذاب جلد مانگتے ہیں، بھلا دیکھ تو اگر ہم نے ان کو چند سال فائدہ اٹھانے کا موقع دے بھی دیا اور پھر ان پر وہ عذاب آ گیا جس کا وعدہ تھا تو کیا ان کی یہ دولت ان کے کچھ کام آئے گی؟ ہم نے کسی آبادی کو بلاک نہیں کیا لیکن اس کو ڈرنا نے والے پہلے موجود تھے۔“

یعنی اس اصول کی بنا پر کہ قوموں کی ہلاکت سے پہلے ان کے اندر ایک ڈرنا نے والا مامور ہوا کرتا ہے، قریش میں بھی ایک ڈرنا نے والا آ گیا اگر وہ اس کی نہ سیں گے تو کچھ لی قوموں کی طرح وہ بھی نیست وابود ہو جائیں گے۔ سورہ حج میں اللہ تعالیٰ قریش کو مختلف قوموں کے حالات سن کر کہتا ہے:

﴿فَكَانُوا مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَلَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَارِجَةٌ عَلَىٰ عَرُوشَهَا وَبِئْرٌ مُعَكَلَةٌ وَقَصْرٌ مَشِيدٌ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَنَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ يَهَا أَوْ أَذَانٍ يَسْمَعُونَ يَهَا فَإِلَهَهَا لَا تَعْنِي الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْنِي الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَكُنْ يَخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَلْفٌ سَيِّئَةٌ مِنَّا تَعْدُونَ وَكَانُوا مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخْذَنَهَا وَإِنَّ الْمَصِيرَةَ فَإِنْ يَأْتِهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَّا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝﴾ (٢٢ / الحج: ٤٥ تا ٤٩)

”تو کتنی بستیاں ہم نے بر باد کیں اور وہ گناہ گاری چیزیں اور ارب وہ اپنی چھتوں پر ڈھنی پڑی ہیں اور کتنے کنوں بے کار پڑے ہیں اور کتنے اوپنجے اوپنجے محل خراب اور ویران ہیں، کیا یہ کافر

زمیں میں چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ ان کے پاس دل ہوتے جن سے سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے کیونکہ آنکھیں کچھ اندر ہی نہیں ہوتی ہیں (کہ ان کو یعنی عبرتاک مناظر سوچھائی نہ دیتے ہوں) مگر وہ دل اندر ہے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں اور یہ کافر تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہٹالے گا اور تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے ہزار برس کے برابر ہے اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی اور وہ گناہ گار تھیں پھر ان کو پکڑا اور میری طرف پھر آتا ہے، کہہ دے اے لوگو! میں تو صاف صاف تم کو ڈرستانے والا ہوں۔“

قرآن نے رؤسائے قریش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا:

﴿فَهُنَّ يَنْظَرُونَ إِلَّا سَيِّدَ الْأَوْلَيْنَ ﴾ (۴۳/۲۵) فاطر:

”کیا وہ ہمیں قوموں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں۔“

چنانچہ گزشتہ قوموں کے قانون کے پورے ہونے کے دن آگئے ہیں یعنی رسول اور مؤمنین کو گناہ گار قوم کی آبادی کے اندر سے نکل جانے کی اجازت ملی، کیونکہ چیسا پہلے گزر چکا ہے، جب تک رسول اپنی قوم سے ہجرت نہیں کرتا عذاب و ہلاکت کا نشان ظاہر نہیں ہوتا، چنانچہ کفار قریش کو جو اس نشان کے دیکھنے کے لیے بے تاب تھے، پہلے ہی یہ جتا دیا گیا تھا:

﴿وَإِنْ كَادُوا إِسْتَقْبَلُوكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُغُرُّجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَيَلْبَثُونَ خَلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا سُئَلَ كَمْ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِيُسْتَيْنَآتِنِيَّةَ حَوْيَلًا ﴾

(۱۷) بنی اسراء یہل: ۷۶، ۷۷

”اور اگر وہ اس زمین سے تجھ کو گھبرا نے لے گے ہیں، تاکہ تجھ کو یہاں سے نکال دیں تو یاد رہے کہ تیرے چلتے جانے کے بعد بہت کم پھر تھہر سکیں گے تجھ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان کی یہ سنت ہے اور خدا کی سنت کو تم مٹانے پاے گے۔“

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، رؤسائے قریش اور ادھر بیٹھے ہیں، دل گل کی باقیں کر رہے تھے، ابو جہل نے کہا کہ کون نذر میں جا کر وہاں سے اونٹ کی اوپھڑی اٹھالائے گا؟ چنانچہ ایک شریر نے یہ خدمت انجام دی اور جب آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے تو وہ نجاست آپ کی پشت مبارک پر ڈال دی، آنحضرت ﷺ اس بوجھ سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے اور کفار اس منظر کو دیکھ کر ہنسی سے بے خود ہوئے جاتے تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اس موقع پر موجود تھے، کہتے ہیں کہ میں یہ دیکھ رہا تھا لیکن مجھے میں اتنی طاقت نہ تھی کہ میں ان کے سامنے کچھ کر سکتا، اسی اثناء میں ایک شخص نے جا کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی جو اس زمانہ میں بچی تھیں وہ آئیں اور اس نجاست کو ہٹایا تو آپ ﷺ نے

سراخایا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ سرور عالم ﷺ روسائے قریش کے ایمان سے قطعاً میوس ہوتے ہیں اور یہ اس لیے نہیں کہ آپ کے جسم مبارک کو تکلیف پہنچی بلکہ اس لیے کہ وہ نماز (یعنی مشاہدہ جمال الہی) میں جو اس دنیا میں آپ کی محظوظ ترین چیز تھی خلل انداز ہوئے۔ قرآن نے کہا:

﴿أَرَعِيتَ الَّذِي يَتَّهِي عَبْدًا إِذَا أَصْلَى﴾ (٩٦ / العلق: ١٠-٩) (۹۶/۱۰-۹)
”کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندہ الہی کو نماز سے روکتا ہے۔“

یہ روسائے قریش کی مہلت کا اخیر لمحہ تھا، آنحضرت ﷺ نے بلند آواز میں بددعا کی اور اس آخری محجزہ ہلاک کی درخواست کی مگر پھر بھی رحمت عالم ﷺ کی شفقت دیکھئے کہ حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح پوری قوم کی تباہی و بر بادی کی دعائیں مانگی، بلکہ صرف قریش کے رئیسون کے حق میں بددعا کی اور ان میں سے بھی سات رئیسون کے نام لیے اور فرمایا ”خداؤند! خداوند! قریش کے سرداروں کو لے، خداوند! ابو جہل، عقبہ، شیبہ، عقبہ بن معیط، امیہ بن عقبہ اور ابی بن خلف کو کپڑا۔“ یہ بددعا سن کر سب کے ہوش اڑ گئے۔

اب سنت الہی کے مطابق معراج کے ساتھ ہجرت کی دعا آپ ﷺ کو بتائی گئی:
﴿رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صَدْقٍ وَّآخِرَ جُنُبٍ مُّخْرَجَ صَدْقٍ وَّاجْعَلْنِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا تَصِيرًا﴾ (١٧ / بنی اسرائیل: ٨٠)

”خداوند! مجھ کو خوبی سے کہیں پہنچا اور خوبی سے نکال اور اپنے پاس سے مجھے ایک مدد کرنے والی طاقت عطا کر۔“

یہ دعاء مقبول ہوئی اور بشارت آئی:

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ رَهْوًا﴾ (١٧ / بنی اسرائیل: ٨١)
”حق آگیا اور باطل بہت گیا اور باطل منہ ہی کو ہے۔“

انبیا کی سنت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اپنے قبیعین کے ساتھ ہجرت فرمائی اور جس دن کا انتظار تھا وہ آگیا، قرآن نے کہا روسائے قریش پر آیت عذاب کے نازل ہونے کے لیے ہجرت کا انتظار تھا، وہ ہو چکی اور اب کوئی مزید انتظار نہیں۔

﴿وَإِذْ يَنْكِرُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُنْبَئُوكُمْ أَوْ يَقُولُونَ أُو يُغْرِيُوكُمْ وَمَنْ كُلَّمَ اللَّهُ مَا وَاللَّهُ

صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسبیر، باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین: ۴۶۴۹۔

بخاری، کتاب الوضوء، باب اذا القى على ظهر المصلى ۲۴۰ اور مسلم باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین: ۴۶۴۹۔ ۳ ترمذی، ابواب التفسیر: ۳۱۳۹ اور مستدرک حاکم، باب الهجرة، ج ۳، ص ۳ میں تصریح ہے کہ یہ دعائے ہجرت ہے۔

خَيْرُ الْمٰكِرِينَ ۝ وَإِذَا تُلْقٰى عَلَيْهِمْ أَيْمَانًا فَالْأُولَٰئِقُ قُلْنَا مِثْلَ هٰذَا إِنْ هٰذَا
إِلَّا كَآسَاطِيرُ الْأَوَّلِيْنَ ۝ وَإِذْ قَالَوا اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا
جِهَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَعْوَى وَإِنْتَ نَعْدَابٌ أَلِيْبُو ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۝ وَمَا كَانَ
اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ لَا يُسْتَكْفِرُونَ ۝ وَمَا كَانُهُمْ أَلَا يُعَذِّبُهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصْدُونَ عَنِ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَ ۝ إِنْ أُولَٰئِكَ هُوَ الْمُتَّقُونَ ۝ (٨/الأنفال: ٣٤)

”اور جب (اے پیغمبر) مکریں داؤ کر رہے تھے تیری جان لینے کا کہ وہ تھوڑا قید کر دیں یا اس
ڈالیں یا جلاوطن کر دیں وہ داؤ کرتے ہیں اور خدا بھی داؤ کرتا ہے اور خدا داؤ کرنے والوں میں
سب سے بہتر ہے اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں، ہاں ہم نے
سنا، اگر چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں، یہ تو فقط اگلوں کی کہانیاں ہیں اور جب وہ کہتے ہیں
کہ اے خدا! اگر یہ قرآن حق ہے تو ہم پر پھرود کی بارش کریا کوئی اور بڑا عذاب ہم پر لا اور خدا
ان پر (بھرت سے پہلے) کیونکر عذاب کرتا، جب کہ تو ان میں تھا اور خدا ان پر عذاب کرنے
والا نہیں ہے، دراً نحاکیہ وہ مغفرت چاہتے ہوں اور خدا ان پر عذاب کیوں نازل نہ کرے گا،
جب وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس کی تولیت کے مستحق نہیں، اس کے مستحق
صرف پرہیزگار ہیں۔“

غزوہ بدر مججزہ ہلاک تھا

جس طرح دوسری قوموں کے لیے مختلف مجرمات عذاب، آئے اسی طرح جس قوم میں آنحضرت ﷺ میں
میتوڑ ہوئے تھے، اس کے لیے غزوہ بدر مججزہ عذاب تھا، بھرت سے قبل آنحضرت ﷺ کی بد دعا سے پہلے
قریش پر فقط کا عذاب آیا، جو اس قدر رنجت تھا کہ بھوک سے آنکھوں کے سامنے انہیں اچھا جاتا تھا، آسان کی
طرف دیکھتے تو ہوں اس انتظار آتا تھا، بعض رو سائے قریش نے خدمت بنوی ﷺ میں آ کر کہا کہ محمد (ﷺ)!
تم رحمت و شفقت اور صدر حمی کی دعوت دیتے ہو، تم دیکھتے ہو کہ اس قحط سے قریش کا کیا حال ہے؟
آنحضرت ﷺ نے دعا کی اور یہ بلا دور ہوئی ﴿ مگر پھر قریش کی سرگردانی کا وہی عالم ہو گیا تو ان کے لیے
مجرم عذاب کے سوا کوئی اور طریقہ علاج باقی نہ رہا، چنانچہ بھرت کے بعد بدر کا باطشہ کبری (بڑی پکڑ) ان کے
لیے ہلاکت کی نشانی قرار پائی، قرآن مجید نے بھرت سے پہلے مکہ میں اپنایا اعلان عام سنا دیا تھا، جس میں پہلے
اس قحط کی پھر اس کے گزر گرانے کی اور اس کے بعد غزوہ بدر کی پیشیں گوئی کی تھی:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي الشَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَعْنَى النَّاسَ طَهَّرَ عَذَابَ أَلِيمٍ ۝ رَبِّنَا الْكَافِرُونَ ۝

عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ^۱ أَلَّا لَهُمُ الْذِكْرُ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ^۲ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ
وَقَالُوا مَعَلَّمٌ قَيْدُونُ^۳ إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابَ قَلِيلًا إِلَّا لِمَ عَادُوْنَ^۴ يَوْمَ تَبَطَّشُ الْبَطْشَةَ
الْكَبِيرِ^۵ إِنَّا مُنْتَقِيُّونَ^۶ وَلَقَدْ فَتَّاكَ قَبْلَهُمْ قَوْمَ فَرْعَوْنَ^۷

(٤٤) / الدخان: ١٠ تا ١٧)

”اس دن کی راہ دیکھ جب آسمان صاف دھوان کر لادے جو لوگوں کو گھیر لے، اس وقت کہا جائے گا، یہ ہے دکھ کی مار، تب گڑگڑا میں گے کہ خداوندا ہم سے یہ عذاب دور کر دے، ہم ایمان لاتے ہیں، کہاں ہے ان کے لیے سمجھنا، حالانکہ ان کے پاس کھول کے سنانے والا رسول آپ کا تو اس سے پیٹھ پھیری اور کہا کہ سکھایا ہوادیوانہ ہے، اچھا ہم تھوڑے دنوں کے لیے عذاب کو دور کر دیتے ہیں تم پھر وہی کرنے والے ہو انتظار کرو اس دن کا جب ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے، ہم بدلتے لینے والے ہیں اور ان سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو آزمائچے ہیں۔“

ان آیات کریمہ میں پورے واقعہ کی تصویر کھینچ دی گئی ہے اور آخر میں یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ بطش اکبر ان رو سائے قریش کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے جو فرعون کے لیے غرق بحر کی حیثیت تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیتیں قریش کی شان میں نازل ہوئی ہیں، قریش نے جب نافرمانی کی تو آنحضرت ﷺ نے خدا سے دعا کی کہ ”اے خدا! ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے سات برس والے قحط کی طرح قحط نازل کر،“ چنانچہ میں سخت قحط پڑا، یہاں تک کہ بھوک سے آسمان اور قریش کی آنکھوں کے درمیان دھوان ساڑھا نظر آتا تھا انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے آ کر دعا کی درخواست کی چنانچہ آپ نے دعا کی اور بارش ہوئی۔ خدا نے کہا کہ وہ پھر اپنی پہلی حالت پر آ جائیں گے یعنی ایمان نہ قبول کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بطشہ الکبیری (بڑی پکڑ) کا دن مقرر مایا، یعنی بدر۔ *

یاد ہو گا کہ صحن حرم میں رو سائے قریش جو نماز میں خلل انداز ہوئے تھے، آپ نے ان کا نام لے کر ہر ایک کے حق میں بد دعا کی تھی، اس سے پہلے کہ غزوہ بدر کا واقعہ پیش آئے، بھرت کے بعد ہی آپ نے ان کی ہلاکت و بر بادی کا اعلان کر دیا تھا، بدر سے پہلے حضرت سعد النصاری رضی اللہ عنہ عمرہ کو گئے تھے ابو جہل نے ان کو روکا، امیرہ نے پیچ میں دخل دینا چاہا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ”امیرہ تم دخل نہ دو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم ان کے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے۔“ یہ سن کر امیرہ ذرگیا، چنانچہ جب بدر کا موقع پیش آیا تو اس نے جانے میں پس و پیش کیا، لوگوں کے طعن سے اس نے جانا چاہا تو اس کی بیوی نے دامن تھام لیا اور کہا: ”کیا تم کو اپنے پیری دوست کی بات یاد نہیں؟“ *

جب غزوہ بدر کے لیے آپ ﷺ مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے تو اس وقت جیسا کہ پہلی جلد میں تفصیل

* صحيح بخاری، کتاب التفسیر سورہ حم الدخان: ٤٨٢۔ 2 صحيح بخاری، کتاب المغازی: ٣٩٥٠۔

گزر چکی ہے، مسلمانوں کے سامنے قریش کی دعویٰ تھیں تھیں، ایک قریش کا شامی قافلہ جو مدینہ کی راہ سے گزر کر مکہ جا رہا تھا، دوسرا رہ سامنے قریش کا جنکی لشکر جو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلا تھا، خدا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ ان دعویٰ تھوں میں سے ایک ان کے ہاتھ لگے گی، عام مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ تجارتی قافلہ ان کے ہاتھ آئے گا لیکن حضور انور ﷺ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج معمولی فتح دھنکست کا نہیں بلکہ اس بطہشتہ الکبریٰ کا دن ہے جس کا بارگاہ الہی میں مدت سے وعدہ تھا۔ رات کو جب مسلمان بدر کے پاؤ پر پہنچ ہیں تو انہیں یہ فکر ہوئی کہ قریش کے تجارتی قافلہ کا پتہ لگایا جائے، چنانچہ مسلمان مجرم ادھر ادھر گئے اور ایک چر دا ہے کو پکڑ لائے اور اس سے قریش کے قافلے کا حال پوچھنے لگے، اس نے جواب دیا کہ ”قریش کے قافلہ کا تو مجھے علم نہیں، البتہ ان کا لشکر ادھر پڑا ہے۔“ یہ سن کر مسلمانوں نے اس کو مارا کہ یہ ہم سے صحیح حال چھپاتا ہے مار کھانے پر اس نے کہا، اچھا شہر و قافلہ کا حال بتاتا ہوں۔ جب لوگ اس کو چھوڑ دیتے تو وہ پھر یہی کہتا کہ مجھ کو قافلہ کی خبر نہیں، البتہ یہ جانتا ہوں کہ ادھر قریش کا لشکر سامنے پڑا ہے۔ آنحضرت ﷺ نماز میں صرف تھے، اس سے فراغت ہوئی تو فرمایا: ”جب وہ جھوٹ کہتا ہے تو تم چھوڑ دیتے ہو اور جب وہ حق کہتا ہے تو تم مارتے ہو۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”قریش کی تباہی کا دن ہے، یہ الوجہل کا مقتل ہے، یہ عقبہ کا ہے، یہ ابی کا ہے وغیرہ۔“ راوی کہتا ہے کہ آپ نے جس کا مقتل جہاں متعین فرمایا تھا ایک سر موفق دہاں سے اس نے تجویز نہیں کیا اور معرکہ جنگ میں وہ وہیں مراپڑا ملا۔ حضرت عبد اللہ مسعود رضی اللہ عنہ جو حن حرم کی بدعا کے دن موجود تھے، وہ کہتے ہیں کہ عرب کے ساتوں رئیس جن کے حق میں آپ نے پدمعا کی تھی مل کے کل بدر کے میدان میں ڈھیر ہو گئے اور بطہشتہ الکبریٰ کے انقام کی پیشیں گوئی پوری ہوئی۔ سورہ انفال جس میں بدر کے تمام واقعات کا ذکر ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہی وہ فیصلہ کا دن تھا جس کا مدت سے انتظار تھا:

﴿وَيَوْمَ أَنْ تَبْيَقُ الْحَقَّ يَكْلِمُهُ وَيَقْطَعُ دَارِ الْكُفَّارِينَ لِيَحْقِمَ الْحَقَّ وَيُنْظَلَ الْبَاطِلُ﴾

﴿وَلَوْكَرِهِ الْمُجْرِمُونَ﴾ (الأنفال: ٨)

”اور خدا جو چاہتا ہے کہ حق کو اپنی بات سے مستحکم کر دے اور کافروں کا پیچھا کاٹ دے تاکہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دے گا اگرچہ گناہ گار اس کو پسند نہ کریں۔“

وسط سورہ میں فرمایا:

﴿كَذَابِ إِلَيْ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ لَكُفُرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخْذَهُمُ اللَّهُ بِمَا نُورْهُمْ﴾

(الأنفال: ٥٢)

”یہ ویسا ہی ہوا جیسا فرعون والوں کا اور ان سے پہلوں کا کہ انہوں نے اپنے پروردگاری

* یہ دونوں واقعے صحیح بخاری، کتاب المغازی: ۳۹۶۰ و مسلم، کتاب الجهاد، باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین: ۴۶۴۹ میں موجود ہیں۔

شانیوں کو جھلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ان کو ہلاک کر دیا۔“

یہ فیصلہ کا دن تھا:

﴿وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّغْيَرِ الْجَمِيعِ﴾ (۸/الانفال: ۴۱)

”اور جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن اتارا جس دن دونوں شکر آئے سامنے بھڑے۔“

یہ سب اس لیے ہوا کہ

﴿لَيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَقْعُولًا﴾ (۸/الانفال: ۴۲-۴۳)

”تاکہ خدا اس کام کو پورا کر دے جو پہلے مقرر کیا جا چکا تھا۔“

کلکتہ: بدر کے میدان میں جب تین سو بے سرو سامان مسلمان ایک ہزار، لوہے میں غرق فوج سے مقابل تھے، آنحضرت ﷺ نے بھی اسی قسم کی بدعتاً مانگی، جیسی حضرت نوح عليه السلام نے طوفان سے اور حضرت موسی عليه السلام نے غرق سے پہلے اپنی اپنی قوم کے لیے مانگی تھی۔ حضرت نوح عليه السلام نے کہا: ”خداوند! اب زمین پر کوئی کافر بننے والا نہ چھوڑ کر جب تک وہ زندہ رہیں گے تیرے نام کی تقدیس نہ ہوگی اور نہ ان کی نسل سے کوئی تیرانا نام لینے والا پیدا ہوگا۔“ (۱/نوح: ۲۶-۲۷) حضرت موسی عليه السلام نے کہا: ”خداوند! ان کے دل سخت کر دے جب تک عذاب نہ دکھلے لیں گے ایمان نہ لا سکیں گے۔“ (۱۰/یونس: ۸۸) لیکن اس موقع پر آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو فقرہ نکلا وہ یہ تھا کہ ”خداوند! اپنا وعدہ پورا کر، اگر یہ مٹھی بھر مسلمان تباہ ہو گئے تو پھر کوئی تیرا نام لینے والا نہ ملے گا۔“ * حضرت نوح اور حضرت موسی عليه السلام نے براہ راست اپنی اپنی قوم کی بنا ہی کی دعا مانگی لیکن رحمت عالم ﷺ نے اب بھی دعا مانگی تو صرف اہل توحید کی فتح و نصرت کی دشمنوں کی بنا ہی و بر بادی کی نہیں۔

حاکم نے مدرس (جلد ۳ صفحہ ۲۱) میں بروایت صحیح نقل کیا ہے کہ بدر کے قیدی جب گرفتار ہو کر آئے اور آپ نے ان کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا اور مختلف صاحبوں نے مختلف رائےیں کیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کفار قریش اپنے انبی بھائیوں کی طرح ہیں جو ان سے پہلے تھے (یعنی گزشتہ انہیا کی امتوں میں) نوح عليه السلام نے دعا کی کہ ”خداوند! زمین پر ان کافروں میں سے کوئی آبادگرد والا باقی نہ رکھ۔“ (۱/نوح: ۲۶-۲۷) موسی عليه السلام نے فرمایا: ”ہمارے پروردگار ان کی دولت کو مناداے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔“ (۱۰/یونس: ۸۸) ابراہیم عليه السلام نے فرمایا: ”جس نے میری بیرونی کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو خدا غفور و رحیم ہے۔“ (۱۲/ابراهیم: ۳۶) عیسیٰ عليه السلام نے کہا: ”اللہ! اگر تو ان (نافرمانوں) پر عذاب بھیجے تو وہ تیرے بندے ہیں اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو غالب اور دانا ہے۔“

* صحيح مسلم، کتاب الجهاد، باب الامداد بالملائكة في غزوة بدر واباحة الغنائم: ۴۵۸۸۔

(۱۸) اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے قریش کو خطاب کر کے فرمایا کہ ”تم لوگ وہ قوم ہو جس میں فریب اور دعا سے قتل کر دینے کا رواج ہے تو تم میں سے کوئی زرفد یہ یا اپنا سرد یہ بغیر لوث کرنے جا سکے گا۔“ اس روایت سے ہمارے اصول مذکورہ کی حرف حرفاً تائید ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ ① بدر قریش کے لیے ویسا ہی عذاب ہلاکت کا دن تھا، جیساً گزشتہ قوموں پر ہلاکت کے لیے دن آیا کئے ہیں۔

② آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر دو قسم کے انبیاء ﷺ کے نام اور ان کی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے، ایک وہ جنہوں نے سخت گیری کا پہلو اختیار کیا، مثلاً: حضرت نوح اور حضرت موسیٰ ﷺ اور دوسرے وہ جنہوں نے نرمی کا اظہار کیا، مثلاً: حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ ﷺ، آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں سے سچ کی راہ اختیار کی۔

سحر اور مججزہ کا فرق اور ساحر اور پیغمبر میں امتیاز

گزشتہ صفات میں انبیاء ﷺ کے جو خصائص و امتیازات اور علامات و آثار بتائے گئے ہیں ان سے خود سحر و مججزہ کا فرق اور ساحر و پیغمبر کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے، سحر و شعبدہ صرف دل گی کے آنی تماشے ہوتے ہیں، لیکن مججزات و آیات قوموں اور جماعتوں کے صلاح و فساد تغیر و تحریک، ترقی اور تنزل کے اسباب و سامان ہوتے ہیں، ساحر کا مقصد کسی غیر معمولی واقعہ کا صرف حیرت انگیز طریقہ سے اظہار ہوتا ہے، تاکہ وہ دیکھنے والوں کو تھوڑی دیر کے لیے متبحیر کر دے، لیکن پیغمبر کا مقصد اپنے ان حیرت انگیز اعمال سے دنیا کی اصلاح، قوموں کی دعوت، جماعتوں کی تہذیب اور دینِ الٰہی کی تقویت کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا پیغمبر، پیغمبر، نذری، مزکی، ہادی، سراج منیر اور شاہدِ عالم ہوتا ہے، ساحران تمام اوصاف سے خالی ہوتا ہے اور حیرت انگیز تماشاگری کے سوا اور کوئی ممتاز بات اس کے اندر نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں سحر کے متعلق جس قدر بیانات ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سحر کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا اور تخلیل اور نظر بندی سے زیادہ اس کو وقوع نہیں دیتا۔ ہاروت و ماروت کے قصہ میں سحر کے زور و قوت کا منہجاً یہ بیان کیا ہے:

﴿مَا يَفْتَأِلُونَ يِهِ بَيْنَ الْمَرْءَ وَرَوْجَهِ وَمَا هُمْ يَضَارُونَ يِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَعْلَمُونَ مَا يَضْرِهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ (۲۰: البقرة)

”سحر کا وہ فن سیکھتے ہیں جس سے خاوند اور اس کی بیوی میں تغیریق کر دیتے ہیں اور یہ کسی کو حکمِ الٰہی کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے اور یہ وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی ہے اور نفع نہیں پہنچاتی۔“

غرض سحر و جادو کوئی مؤثر حقیقی نہیں سورہ طہ میں نہایت تصرع کے ساتھ یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ خیال سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں:

﴿جَالُلَّهُمَّ وَعَصِيهِمْ بِخَيْلٍ إِلَيْهِ مِنْ سُحْرِهِمْ أَنْهَا تَشْتَهِي﴾ (۲۰ / طہ: ۶۶)

”پھرنا گاہ مصر کے جادوگروں کی رسیاں لاثھیاں اور ان کے جادو کے اثر سے موئی علیہ السلام کے خیال میں معلوم ہونے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔“

حکم ہوا کہ موئی تم بھی اپنا عصانے اعجازِ الٰہ دنیجہ یہ ہوا کہ جن نے باطل پر فتح پائی:
 ﴿فَلَمَّا كَانَ الْتَّكَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ وَأَنْتَ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفَ مَا صَنَعُوا إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سُحْرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حِيثُ أَنِّي﴾ (۲۰ / طہ: ۶۸، ۶۹)

”ہم نے کہا، موئی اور نہیں تم ہی سر بلند رہو گے تمہارے دامنے ہاتھ میں جو ہے تم اس کو ڈال دو وہ ان کی صنعت کاری کو نگل جائے گا بے شک جادوگروں نے جو صنعت کی تھی وہ جادو کا فریب تھا اور جادوگر جدھر سے بھی آئے وہ فلاح نہیں پاسکتا۔“

ساحر اور نبی میں اللہ تعالیٰ نے جو فرق و امتیاز بتایا وہ یہی ہے کہ نبی فلاح پاتا ہے اور جادوگر فلاح نہیں پاتا، نبی کے تمام اعمال، مسامی، جدو جہد اور مہماں کا مرکز مخمور فلاح اور خیر ہوتا ہے اور جادوگر کا مقصد صرف فریب، دھوکا اور شر ہوتا ہے، دوسرا جگہ ایک اور آیت میں اسی مفہوم کو دہرا لیا گیا ہے، حضرت موئی علیہ السلام مصر کے جادوگروں سے کہتے ہیں:

﴿مَا چَنَمْ يَهُ السُّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيِّطِنُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ﴾

(۱۰ / یونس: ۸۱)

”جو تم لائے ہو وہ جادو ہے، اللہ اس کو باطل کر دے گا، بے شک اللہ شریروں کے کام کو نہیں سنوارتا۔“

یعنی وہ سحر و جادو ایک آنی تماشا ہوتا ہے اور اعجاز کا اثر دیگی ہوتا ہے اور اس کے مقابلے دنیا میں نہایت عظیم الشان ہوتے ہیں، فرعون نے حضرت موئی علیہ السلام کے اعجاز کو دیکھ کر کہا کہ یہ سب جادو کے کرنے ہیں ہیں حضرت موئی علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿أَسْعِرْهُذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ﴾ (۱۰ / یونس: ۷۷)

”کیا یہ جادو ہے اور جادو کرنے والے تو فلاح نہیں پاتے۔“

غرض ”فلاح“ اور ”عدم فلاح“ سحر اور اعجاز کے درمیان سب سے بڑا فرق ہے۔

کفار آنحضرت علیہ السلام کی نسبت کہتے تھے کہ یہ شیطان کی قوت سے یہ کلام پیش کرتے ہیں اور ان کے

کلام کا سرچشمہ شیطان کی تعلیم ہے، خدا نے اس کے جواب میں کہا کہ اس حقیقت کا امتیاز کہ اس کا منبع اور سرچشمہ خیر ہے یا شر اور یہ شیطان کی قوت کا نتیجہ ہے، یا ملکوتی طاقت اس کا مظہر ہے، نہایت آسان ہے اور خود مدعی کی زندگی اور اس کے اخلاق و اعمال اس کے شاہد عدل ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کے مطابق درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ان دونوں قوتوں کے درمیان تفریق کچھ زیادہ نہیں، خدا نے کہا ”هم بتائیں شیطان کس پر اترتے ہیں؟“

﴿تَنَزَّلُ عَلَى كُلِّ أَفَاكِ أَثْيُوٰ لَيَقُولُونَ السَّمَمُ وَالْكُرُّهُمُ لَكِذَبُوْنَ ﴾

(۲۶/الشعراء: ۲۲۳، ۲۲۴)

”شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گناہ کار پر، لا ذلتے ہیں وہ سنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں۔“

یعنی نبی اور متنبی کا فرق خود اس کی اخلاقی زندگی ہے علاوہ ازیں افترا پرداز اور شریر کے کام کو مستقل اور داعیٰ زندگی عطا نہیں ہوتی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُعْلَمُوْنَ مَا تَعْمَلُوْنَ قَلِيلٌ مَا وَلَاهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

(۱۱۶/التحلیل: ۱۱۷)

”جو لوگ کہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے چند روزہ کامیابی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

مجازات اور نشانات سے کن لوگوں کو ہدایت ملتی ہے مجازات و دلائل، آیات اور آثار سے ہدایت کن لوگوں کو عطا ہوتی ہے، قرآن مجید نے ان کے اوصاف و شرائط بیان کیے ہیں:

① سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کو خدا پر ایمان ہوا گراس کوسرے سے خدا پر ایمان نہیں تو اس کو مجرہ سے ہدایت نہیں مل سکتی، اس کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ پہلے کائنات کے انراوے عجائب کو دیکھ کر ایک قادر مطلق ہستی کے وجود پر یقین کرے، اس کے بعد مجرمات اور نشانیوں کے ذریعہ سے اس کو نبوت کے باب میں ہدایت نصیب ہوگی:

﴿فَلِ اقْتُلُوا مَا ذَادَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أَغْنَى الْأَلْيُوتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قُوَّمٍ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾

(۱۰/یونس: ۱۰۱)

”کہہ اے پیغمبر! کہ غور سے دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کے جو ایمان نہیں رکھتے۔“

② دوسری چیز جو آیات اور نشانیوں سے عبرت پذیر نہیں ہونے دیتی وہ خودی اور تکبر ہے معاندین چونکہ عموماً دولت مندر و سا اور عیان عقل خرد ہوتے ہیں اس لیے ان کا جذبہ انانیت ان کو داعیان حق کے علم کے نیچے کھڑے ہونے سے باز رکھتا ہے، اس بنا پر آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس جذبہ سے پاک ہوں معاندین نے ہمیشہ انبیاء کو کہا ”أَبْشِرُ أَهْنَّا وَاحْجَلُ أَتَيْتُكُمْ“ (القمر: ٢٤) یہ پیغمبر تو ہماری طرح ایک آدمی ہے کیا ہم اس کی پس روی قبول کر لیں۔ ”مصر کے بادشاہ اور سرداروں نے اسی جذبہ کی بنا پر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اور ان کو گوناگون مجذبات دیکھنے کے بعد بھی ہدایت نہیں ملی:

﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هُرُونَۚ بِإِلْيَاهٍ وَسُلْطَنٍ مُّبِينٍۚ إِلَى فَرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَهَامَانَ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالَيْهِمْۖ فَقَالُوا أَتُؤْمِنُ بِيَسِرَّيْنِ وَمُثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا نَأْعِدُنَّۚ﴾

(المومنون: ٤٥ تا ٤٧)

”پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نشانیاں اور کھلی قوت دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے غرور کیا اور وہ مغرب لوگ تھے تو انہوں نے کہا: کیا ہم اپنی ہی طرح کے آدمیوں پر ایمان لا سکیں درآ نحاکیہ ان کی قوم ہماری رعایا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے مکروہ اور خود پسندوں کی نسبت اپنا یہ فیصلہ سنادیا: ﴿سَاصْرِفْ عَنِ الْيَقِينِ الَّذِينَ يَتَغَيَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحُقْقَ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ أَيْةٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا﴾ (الاعراف: ١٤٦)

”ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیوں کے سمجھنے سے پھر دیں گے جو زمین میں ناقہ تکبر کرتے ہیں۔ اور اگر وہ تمام نشانیوں کو دیکھنے بھی چکیں تب بھی ایمان نہ لاسکیں گے۔“

قریش کے معاندین جو اپنی قوم کے رہساں، اکابر اور اہل دولت تھے وہ بھی ان نشانیوں سے اسی لیے ہدایت نہ پاسکے کہ ان کو ایک غریب و مغلظ اور بے یار و مددگار انسان کی پیروی گوارانہ تھی وہ کہتے تھے کہ اگر بہت ہوتی تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی کو ملتی:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْنَيْنِ عَظِيمٍ﴾

(الزخرف: ٤٢)

”اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن طائف اور مکہ کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترتا۔“

سب سے آخری پیغمبر جوان آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کی صلاحیت اور استعداد پیدا کرتی ہے۔ وہ دل کا قبول حق کی طرف میلان ہے۔ بڑے سے بڑے خوارق اور عجیب سے عجیب مجذبات ان لوگوں کے

نژد یک سخراجادو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے جن کے دل انابت اور رجوع الی الحق کی استعداد سے خالی ہیں:

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ طَفْلٌ إِنَّ اللَّهَ يُضْلِلُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنْأَىٰهُ﴾ (۱۳ / الرعد: ۲۷)

”اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری کہہ دے کہ خدا جس کو چاہتا ہے گراہ کرتا ہے اور اسی کو اپنی راہ دکھاتا ہے جو خدا کی طرف اپنے کو رجوع کرتا ہے۔“

اگر قبولیت اور اصلاح کی یہ استعداد نہ ہو تو بڑے سے بڑا مجرم بھی باطل پرستی سے زیادہ نہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر گمراہی کے شقاوت کی مہرگی ہوئی ہے۔

مشرک جو کسی مذهب حق کو نہیں مانتے اور علم سے بے بہرہ ہیں ان کا یہی حال ہے:

﴿وَلَئِنْ جِئْنَهُمْ بِإِيمَانِ لَيَقُولُنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ اللَّهَ أَنَّمَا الْمُبْطَلُونَ ۚ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الظَّالِمِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (۵۸، ۵۹ / الروم: ۳۰)

”اور (اے پیغمبر مصلی اللہ علیہ وسلم) ! اگر تو ان کے پاس کوئی نشانی لائے تو وہ جو مکر ہیں کہیں گے کہ تم فرمی ہو اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے جو علم نہیں رکھتے۔“

اہل کتاب یعنی یہود و نصاری پیغمبر اسلام ﷺ کی صداقت کے طلب ثبوت میں یہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک ہم ان کو پیغمبر رحمتیں تسلیم نہ کریں گے جب تک اسی قسم کے مجرم وہ نہ دکھائیں جیسے ان پیغمبروں نے لوگوں کو دکھائے تھے قرآن کہتا ہے کہ فرض کرو کہ صرف ان ہی جیسے مجرموں سے پیغمبر کی سچائی تسلیم کی جاسکتی ہے، تو ان پیغمبروں نے تو ہی مجرم دکھائے تھے پھر ان کو دیکھ کر ان کے زمانہ کے کل مکرین کیوں ایمان نہ لے آئے اور آخوند وہ ان کو جادو گر ہی کیوں سمجھتے رہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحُقْقُ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ مِثْلَ مَا أَنزَلْنَا مُؤْسِىٌ مَا وَلِمْ يَكْفُرُوا بِهَا أُوْتَ مُؤْسِىٌ مِّنْ قَبْلِنَا قَالُوا إِسْعَرُنَ تَظَهَّرًا وَقَالُوا إِنَّا إِنَّا يَكْفِلُ كُلَّ مُفْرُدٍ﴾ (۴۸ / القصص)

”تو جب ہماری طرف سے سچائی ان کے پاس آئی تو انہوں نے کہا، کیوں نہیں (محمد ﷺ) کو دیسی ہی چیز دی گئی جیسی موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی، کیا موسیٰ کو جو چیز دی گئی تھی اس کا انکار مکرین پہلنہیں کر چکے انہوں نے کہا کہ یہ جادو گر ہیں جو باہم ایک دوسرے کے مد دگار ہیں ان سب کے ماننے سے انکار کرتے ہیں۔“

صداقت کی نشانی صرف ہدایت ہے
قرآن مجید نے اس کے بعد ہی کہا کہ صداقت کی نشانی صرف ہدایت و راہنمائی ہے کہ مدی جو پیغام
اور جو احکام پیش کرتا ہے وہ انسانوں کو فلاج بنجات اور رشد کی طرف لے جاتے ہیں اور جو ان سے انکار کرتے
ہیں وہ ظالم اور خود سرپیز ان کو ہدایت کی سعادت نہیں ملتی:

﴿قُلْ فَأُنُّوْا يَكْتُبُونَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدِي مِنْهُمَا أَتْيَعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ
يَسْتَعْجِلُوكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۝ وَمَنْ أَكْثَلَ مِنْ أَثْيَمَهُوَنَهُ بِعَنْهُ هُدًى ۝ قَنَّ
اللَّهُ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَآتِيَهُمْ بِالْقَوْمِ الظَّلِيلِينَ ۝﴾ (٤٩: ٢٨) (القصص: ٤٩، ٥٠)

”کہہ دے (اے پیغمبر ﷺ)! کہا گر تو رات اور قرآن دونوں جھوٹی کتابیں ہیں اور تم پچے
ہو تو ہدایت میں ان سے بڑھ کر کوئی ایسی کتاب الہی لا تو میں اس کی پیروی کروں تو اگر وہ
تمہارے اعلان کے مطابق نہ کر دکھائیں تو جان لے کہ یہ صرف اپنی خواہش نفسانی کی پیروی
کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو ہدایت الہی کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفسانی کی
پیروی کرتا ہے اللہ خود سرلوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔“

آیات و دلائل نبوی ﷺ کی تفصیل

”م مجرہ“ کے ہر پہلو پر کلی حیثیت سے بحث کرنے کے بعد اب موقع آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تمام ما فوق فہم بشری سوانح و واقعات کی تفصیل کی جائے، یہ سوانح و واقعات دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو حقیقت میں لوازم نبوت ہیں اور کم و بیش ہر پیغمبر کو وہ ایک ہی طرح پیش آئے ہیں، ہم نے ان کا نام ”**خصائص النبوة**“ رکھا ہے، دوسرا قسم میں وہ جزئی واقعات داخل ہیں جو ہر پیغمبر سے اس کے حالات زمانہ کے مطابق مختلف صورتوں میں صادر ہوئے ہیں اور جن کو اصطلاح عام میں مجرمات کہتے ہیں۔

ہم نے ان مجرمات کو ان کے استثناء اور ماغذہ کی حیثیت سے تین مختلف ابواب میں منقسم کر دیا ہے پہلے میں وہ مجرمانہ واقعات ہیں جو بخش صریح یا اشارۃ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ دوسرا باب ان مجرمات کا قرار دیا ہے جو صحیح اور مستند روایات سے ثابت ہیں اور تیسرے باب میں ان مجرمات پر بحث کی ہے جن کو تو بعض محدثین اور ارباب سیر نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے مگر محمد ثانہ اصول کی بنابر وہ تمام ترکمز اور غیر مستند ہیں اس کے بعد کتب سابقہ کی وہ پیشین گوئیاں درج ہیں جو آنحضرت ﷺ کی آمد کے متعلق ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں اور سب سے آخر میں خصائص محمدی ﷺ کا باب ہے اس تفصیل کے مطابق آئندہ اور ایق کی ترتیب حسب ذیل صورت ہوگی:

- ① **خصوص النبوة۔**
- ② **وہ آیات و دلائل جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔**
- ③ **صحیح اور مستند روایتوں سے جو آیات و دلائل ثابت ہیں۔**
- ④ **غیر مستند روایتیں اور ان پر تنقید۔**
- ⑤ **کتب سابقہ کی بشارتیں۔**
- ⑥ **خصوص محمدی ﷺ۔**

خاصیّات النبوّة

دنیا میں ہر جنس اور نوع کی کچھ نہ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، جن سے وہ اپنے غیر سے ممتاز ہوتی ہیں، وہ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جن سے اس جنس اور نوع کی کوئی فرد خالی نہیں ہوتی، اسی طرح نبوت کی بھی کچھ نہ کچھ خصوصیتیں ہیں جو اس کے لئے بہزلف لوازم حیثیت کے ہیں چنانچہ دنیا میں جس قدر پیغمبر کسی نہ کسی قوم اور کسی نہ کسی زمانہ میں آئے ہیں وہ ان خصوصیات سے ہمیشہ ممتاز ہوئے ہیں، مثلاً: یہ کہ خدا نے کسی نہ کسی طرح ان کو اپنے کلام و ارشاد سے مفتخر اور اپنے احکام سے مطلع فرمایا ہے ان کے ادراک و احساس کی قوتوں کو اس قدر بلند کیا کہ عام انسانوں کو جو چیزیں نظر نہیں آتیں ان کو نظر آتی ہیں، عالمہ پیر بن جن آزادوں کو نہیں سن سکتے وہ ان کو سنائی دی ہیں، ملائکہ الٰہی خدا کے قاصد بن کر ان کے پاس آئے ہیں صداقت کے لحاظ سے ان کے خواب و بیداری کا ایک ہی عالم رہا ہے کیونکہ گوان کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل نہیں سوتے ۱۴ اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے کوئی نہ کوئی نشانی بھی عطا فرمائی ہے۔ ۱۵

آنحضرت ﷺ چونکہ افضل الرسل اور خاتم النبین تھا اس لئے ان خصوصیات میں سے ہر خصوصیت کا وفرحہ آپ کو عنایت ہوا تھا اسی لئے مکالمة الٰہی، نزول ملائکہ، مشاہدہ خواب و بیداری وغیرہ خصائص نبوت کے واقعات آپ کی سیرت میں دوسرے انبیاء ﷺ کی سیرتوں سے پیشتر اور کامل تر نظر آتے ہیں ۱۶ چنانچہ قرآن مجید میں ان کے اشارات اور احادیث صحیحہ میں ان کی تفصیلات مذکور ہیں مختلف انبیاء ﷺ میں ان خصائص کا کم و بیش ہونا بھی قرآن مجید کا فیصلہ ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَكُلُّنَا بِعِضْهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَنَهُمْ مِنْ كَلَمَ اللَّهِ وَرَقَمَ بِعِضْهُمْ دَرَجَاتٌ﴾

وَأَتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ وَأَتَيْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۚ (۲۵۳: البقرة)

”ان پیغمبروں میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت بخشی ہے ان میں سے بعض سے خدا نے باقی کی بعضوں کے رتبے بلند کئے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس کے ذریعہ سے اس کی تائید کی۔“

ویکھئے مکالمة الٰہی، رفع درجات، عطاۓ نشان، تائید برودح القدس، یہ چاروں باتیں ایسی ہیں جن سے خدا کوئی فرستادہ محروم نہ تھا، تاہم چونکہ ان میں سے ہر چیز تمام پیغمبروں میں یکساں نہیں بلکہ بعض کو ان میں سے کسی چیز کا حصہ افادہ یا گیا تھا اور بعض کوئی دوسری چیز زیادہ ملی تھی اس لئے ہر پیغمبر کی طرف اس خاص چیز کی نسبت مخصوص طور سے کی گئی ہے، جس کا ان کی قسمت میں بڑا حصہ آیا تھا، اس سے یہ مقصود نہیں کہ نبوت

۱۴ صحیح بخاری، کتاب المذاقب، کان النبی ﷺ نام عینہ: ۲۵۷۰ و کتاب التوحید، باب وكلم الله موسی تکلیما: ۷۵۱۷۔ ۱۵ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام: ۷۷۷۴۔

۱۶ کماقیل حسن یوسف دم عیسیٰ بد بیضاء داری۔ آنچہ خوبان بسم دارند تو سما داری۔

کے ان خصائص سے کوئی پیغمبر محرم بھی تھا۔

ان خصائص میں سے اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ زوروی اور نزول ملائکہ پر دیا ہے ہر جگہ رسول اور نبی کی گواہ تعریف ہی بھی کی ہے کہ ایک ایسا انسان جس کو خدا نے اپنی پیغمبری کے لئے منتخب کیا ہو اور اس پر اپنی وحی نازل کی ہو چنا چہ سورہ نحل اور سورہ انبیاء میں تمام پیغمبروں کا مشترک وصف یہ بتایا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجُالًا نُوحِيَ إِلَيْهِمْ﴾ (۱۲ / یوسف: ۱۰۹)

”اور ہم نے اپنا قاصد بنا کر تم سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا لیکن وہ انسان تھے جن کی طرف ہم نے اپنی وحی بھیجی۔“

نزول ملائکہ کی نسبت بھی خدا نے یہ فرمایا: ”وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو اس لئے اتارتا ہے، تاکہ وہ اس کی بات کو ان تک پہنچاویں۔“

﴿يَنْزَلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادَةِ﴾ (۱۶ / النحل: ۲)

”خدا اپنی بات کی روح دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو نازل کرتا ہے۔“

ان کے علاوہ رویت و مشاہدہ غیب اور سیر ملکوت کے احوال و مشاہدہ کا بھی اکثر انبیاء ﷺ کے سوانح زندگی میں ان کے درجوں اور رہوں کے مطابق پیش آنا، اسفار و کتب الٰہی سے ثابت ہے جیسا کہ آئندہ اور اقل کے مطالعہ سے ناظرین پرروشن ہو گا۔

مکالمہ الہی

﴿وَمَا كَانَ لِي شَرِكَانْ يُكْلِمُهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيَا أَوْ مِنْ وَرَآئِي جَهَاب﴾ (۴۲/ الشوری: ۵۱)

پیغمبروں کی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت مکالمہ الہی ہے۔ قرآن مجید میں بار بار پیغمبروں کے ساتھ خاطر بر بانی اور مکالمہ الہی کی تصریح ہے اور مجموعہ تورۃ میں ہر پیغمبر کے متعلق اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خدا انہی سے کلام کیوں کرتا ہے؟ قرآن مجید کی ایک آیت میں اس کی حسب ذیل تصریح ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِي شَرِكَانْ يُكْلِمُهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيَا أَوْ مِنْ وَرَآئِي جَهَاب أُو يُنْسَلَ رَسُولًا فَيُوَجِّي
يَا ذُنْبِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَيْهِ حَكْمٌ﴾ (۴۲/ الشوری: ۵۱)

”اور کسی بشر کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے دوبد کلام کرے لیکن وہی کے ذریعہ سے یا پردہ کی آڑ سے یا یہ کہ وہ کسی قاصد کو بھیجے جو اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے، بے شک وہ علیٰ وحکیم ہے۔“

اس آیت میں مکالمہ الہی کی تین صورتیں بیان ہوتی ہیں کلام بالوحی، کلام پس پرده اور کلام بذریعہ قاصد و فرشتہ، ان ہر ساقسام میں سے ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی طریقہ کلام سے مشرف کیا گیا ہے، بعض پیغمبروں کو خصوصیت کے ساتھ کلام پس پرده کے شرف سے متاز کیا گیا ہے اسی لئے ان کے فضائل میں تکلم الہی کی فضیلت کو مستقل حیثیت دی گئی ہے، مثلاً: حضرت موسیٰ علیہ السلام کمان کی شان میں:

﴿وَكَلَمَ اللَّهُ مُؤْسِي تَكْلِيمًا﴾ (۴/ النساء: ۱۶۴)

”او خدا نے موسیٰ (علیہ السلام) سے با تمیں کیس۔“

کی تصریح ہے، ان کو وادی یمن کے ایک درخت سے خدا کی آواز سنائی دی، سورہ بقرہ میں اس خاص طریقہ کلام کے دائرہ کو اور بھی وسعت دی گئی ہے چنانچہ پیغمبروں کے وصف میں خدا نے فرمایا:

﴿فِتَّهُمْ مِنْ كَلَمَ اللَّهِ﴾ (۲/ البقرہ: ۲۵۳)

”ان پیغمبروں میں سے بعض سے خدا نے با تمیں کیس۔“

اس آیت کریمہ میں یہ تصریح ہے کہ کم پیغمبروں کو خدا تعالیٰ نے اس مخصوص طریقہ کلام سے مشرف کیا اس لئے اس شرف خاص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دوسرے انہیا علیہ السلام بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو مکالمہ الہی کے تینوں مذکورہ بالاطر یقون سے خدا کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے، بلکہ واقعہ معراج میں وہ مرتبہ بھی پیش آیا ہے جہاں حبیب و محبوب کے درمیان قاصد و پیامبر سرے سے بیگانہ تھے، جہاں زمان و مکان اور جلوہ و زگاہ کی شرکت بھی مخلٰ تہائی تھی، جہاں نہ کوہ سینا تھا، نہ برق طور دشت یمن تھا، نہ نسل وادی صوت سردمی سامع نہ واز تھی اور حقیقتِ محمدی ﷺ گوش سامع ﴿فَأَوْتَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْتَى﴾ (۵۳/ النجم: ۱۰)

”پھر اس نے اپنے بندہ سے چپ چاپ با تمیں کیس۔ جو با تمیں کیس۔“

وَحْيٌ

﴿وَمَا يَنْقُضُ عَنِ الْهُوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وُحْيٌ يُوْلَىٰ﴾ (٥٣/النجم: ٤، ٣)

گوئی کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے ایک وحی بھی ہے، لیکن اسلام کے محاورہ میں وحی کا مفہوم اس قدر وسیع کر دیا گیا ہے کہ مکالمہ الہی کی تمام صورتیں اس کے تحت میں داخل ہو گئی ہیں وحی کے معنی میں حسب ذیل ہیں:

الوَحْيُ الْإِشَارَةُ وَالْكِتَابَةُ وَالرِّسَالَةُ وَالْأَهْلَامُ وَالْكَلَامُ الْخَفْيُ وَكُلُّ مَا فِيهِ
إِلَى غَيْرِكَ ۖ

”وحی کے معنی اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم دوسرا کے خیال میں ڈالو۔“

لکھنا، بیان کا شعر ہے:

لَقَدْ رَكَانَ وَحَاهُ الْوَاحِدِيِّ ۖ
حَتَّىٰ نَحَاهُمْ جَدَنَا وَالنَّاهِيِّ
خَطًا وَرَكَابٍ، لَبِيدٍ كَبِيْتَهُمْ ۖ

فَمَدَافِعُ الرِّيَانِ عَرِيٰ رَسْمَهَا ۖ
خَلْقًا كَمَا ضَمِنَ الْوَحْيُ سَلَامَهَا ۖ
”تو ریان پہاڑ کے نالوں کے آثار پرانے ہو کر ایسے دھند لے ہو گئے، جیسے پھر میں لکھی ہوئی عبارت۔“
حکم دینا، بیان کرتا ہے:

وَحْيٌ لَهَا الْقَرَارُ فَاسْتَقْرِرْتُ ۖ
وَشَدَهَا بِالرَّاسِيَاتِ الثَّبِيْتِ ۖ
”زمیں کو ظہرنے کا حکم دیا تو وہ ظہرگئی اور اسے جنم ہوئے پہاڑوں سے حکڑ دیا۔“
چھپا کربات کرنا، ابو زؤیب کا شعر ہے:

فَقَالَ لَهَا وَقَدْ أَوْحَتِ إِلَيْهِ ۖ
الْأَلَّهُ أَنْكَ مَا تَعْيَفُ ۖ
”اس مرد نے کہا جب عورت نے اس سے پوشیدہ طریقہ پر گفتگو کی کہ تیری ماں کا کیا کہنا وہ کیا
قال بدلتی ہے۔“

اشارہ کرنا: يوْحَى إِلَيْهَا بِانْقَاضٍ وَنَقْنَقَةٍ ۖ
”وہ مرغ اس مرغی کی طرف کڑ کڑ اکارا اشارہ کرتا ہے۔“

آواز: ابو زؤیب: مَرْتَجِزُ الْجَوْفِ بُوْحِي اعْجِمٍ ۖ

۱ لسان العرب، ج ۲، ص: ۸۹۲ بیروت۔ ۲ ایضاً۔ ۳ سبع المعلقات کا شعر ہے، یکھدیوان لبید بن ربعة عاصمی۔ ۴ لسان العرب حوالہ مندرجہ بالا۔ ۵ ایضاً۔ ۶ عقمه کا شعر ہے لسان العرب حوالہ مندرجہ بالا۔ ۷ ایضاً۔

”گھوڑے کے پیٹ سے نکھنے والی آواز آتی ہے۔“

لیکن اہل لغت کہتے ہیں کہ اس لفظ کے اصلی معنی ”دوسروں سے چھپا کر کسی سے چکے چکے بات کرنے کے ہیں۔“ کسانی عرب کا محاورہ بتاتا ہے کہ ”وَحِيتَ إِلَيْهِ بِالْكَلَامِ وَأَوْحِيَ إِلَيْهِ هُوَ أَنْ تَكْلِمَهُ بِكَلَامٍ تَخْفِيَهُ مِنْ غَيْرِهِ۔“ یعنی کسی سے اس طرح بتیں کرو کہ اس کو دوسروں سے چھپاو۔ ابو حمزة ایسا حق لغوی کہتا ہے: وَاصْلُ الْوَحْىِ فِي الْلُّغَةِ كَلْهَا اعْلَمُ فِي خَفَاءِ۔“ وحی کا اصل مفہوم اس کے تمام معنوں میں چھپا کر اطلاع دینے کے ہیں۔“

قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے اصل مفہوم کے اندر تین معنوں میں آیا ہے:

① فطری حکم:

﴿وَأَوْلَىٰ رَبِّكَ إِلَيَّ التَّعْلِيلُ﴾ (۱۶ / النحل: ۶۸)

”تیرے پر درگار نے شہد کی کھیوں کو حی کیا۔“

﴿إِنَّ رَبَّكَ أَوْلَىٰ لَهَا﴾ (۹۹ / الزلزال: ۵)

”اس لئے کہ تیرے پر درگار نے ”زمین“ کو حی کیا۔“

عجائج کے اس شعر میں بھی یہی معنی ہیں:

وحى لها القرار فاستقرت
و شده بالراسيات الشبت
”خدانے زمین کو ساکن رہنے کی“ وحی کی تودہ ساکن ہے اور اس کو مضبوط پہاڑوں سے
باندھ دیا ہے۔“

② دل میں بات ڈال دینا:

﴿وَإِذَا وَحَيْتَ إِلَى الْحَوَارِيْقَ أَنْ أَمْوَالِيُّ وَرِسُولِيُّ﴾ (۵ / المائدہ: ۱۱۱)

”اور جب میں نے حواریوں کو ”وحی“ کیا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاو۔“

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهَا﴾ (۲۸ / القصص: ۷)

”اور ہم نے موی کی ماں کو ”وحی“ کیا کہ اس پچھے کو دو دھپلاو۔“

③ چکے سے بات کرنا:

﴿يُؤْتِيَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقُولِ﴾ (۶ / الانعام: ۱۱۲)

”یہ ایک دوسرے کی چکنی چپڑی بات ”وحی“ کرتے ہیں۔“

﴿وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَيُؤْخُونَ إِلَى أُولَئِكَهُمْ﴾ (۶ / الانعام: ۱۲۱)

”اور یہ شیطان لوگ اپنے دوستوں کو ”وحی“ کرتے ہیں۔“

وہی کے ان متفرق معنوں میں ایک مفہوم مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ”منہ سے لفظ نکالے بغیر ایک شخص کا دوسرا خپل کو اپنا مفہوم سمجھا دیتا“، یا اگر الفاظ ہوں تو وہ اس قدر پوشیدہ ادا ہوں کہ دوسراے ان کو نہ سن سکیں۔ اس لئے اشارہ کرنا، لکھنا، دل میں ڈال دینا، حکم فطری، خط اور کتابت اور جانوروں کا اپنے حرکات سے اپنا مطلب ظاہر کرنا سب اس کے معنوں میں داخل ہیں۔ بہر حال اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہی کا لفظ جس نہ ہی معنی میں مستعمل ہے وہ درحقیقت لغوی معنی کے بہت قریب ہے، چنانچہ خود شعراء جاہلیت نے اس کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مکالمہ الہی اور وہی کا آغاز روایا اور خواب سے ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مردی ہے:

اول مابدی به رسول اللہ ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم فكان

لایری رؤیا الاجاءَث مثل فلق الصبح۔ ❶

”آنحضرت ﷺ کے ساتھ وہی کا آغاز ایجھے خواب سے ہوا آپ ﷺ جو خواب دیکھتے وہ صحیح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوتا تھا۔“

صحیح بخاری کے پہلے ہی باب میں حدیث ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر وہی کیوں نکرتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((احیاناً یأتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشدہ علی فی فصیم عَنْ وَقْد وَعِتْ عَنْهُ

ما قال واحیاناً یتمثّل لی المَلْک رجلًا فی کلمتی فاعی ما یقول)) ❷

”کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح میرے پاس آتی ہے اور یہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے اور پھر یہ حالت دور ہو جاتی ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں اس کو محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی وہ فرشتہ (جریل) میرے لئے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور وہ مجھ سے با تمیں کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے اس کو میں محفوظ کر لیتا ہوں۔“

صلصلة الجرس یعنی ”گھنٹہ کی آواز کی طرح آواز کا ہونا۔“ اس کی تشریع متكلمان اور ارباب باطن نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے لیکن ہم اس کا صاف اور صریح مطلب وہ سمجھتے ہیں جو عوام ہافت غیب یا منادی غیب کے لفظ سے سمجھتے ہیں یعنی کہ آواز سنائی دے لیکن کوئی صورت نظر نہ آئے، باگ جرس کے ساتھ اس کی تشبیہ مجھ اس بات میں ہے کہ جس طرح دور سے جرس کی آواز سنائی دیتی ہے اور اس کے متعینہ اشاروں سے انسان کچھ سمجھ سکتا ہے حالانکہ جرس یا اس کے بجائے والے کی شکل آنکھوں سے اوچھل یا بہت دور ہوتی ہے، اسی طرح پیغمبر کبھی دور سے منادی غیب کی آواز سنتا ہے لیکن کوئی جسم شکل اس کے سامنے نہیں ہوتی، اسی کے بالمقابل آپ ﷺ نے وہی کی دوسری صورت بیان فرمائی کہ بولنے والا فرشتہ مجسم ہو کر سامنے

❶ صحیح بخاری، کتاب بده الوحی، باب کیف کان بده الوحی: ۲؛ مسلم، کتاب الایمان: ۴۰۳۔

❷ صحیح بخاری، کتاب بده الوحی، باب کیف کان بده الوحی: ۲۔

آتا ہے اور وہ باتیں کرتا ہے۔

حدیثوں میں طریقہ وحی کی اور صورت بھی آئی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ان روح القدس نفث فی روعی)) *

”روح القدس نے میرے دل میں پھونکا۔“

اور کہیں یہ صیغہ مجھوں کے ساتھ آیا ہے:

”میرے دل میں پھونکا گیا۔“

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہی حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر وحی کی حسب ذیل قسمیں قرار دیں ہیں:

روایات صادقة، حج خواب دیکھنا۔ ①

نفث فی الروع یا القافی القلب، دل میں پھونکنا، یادل میں ذالا۔ ②

صلصلة الجرس، گھٹٹ کی طرح آواز آنا۔ ③

تمثیل فرشتہ کی کسی شکل میں مشکل ہو کر نظر آنا۔ ④

فرشتہ کا اپنی اصلی صورت میں نمودار ہونا۔ ⑤

وہ طریق مکالمہ جو مسراج میں پیش آیا۔ ⑥

بلا واسطہ مکالمہ۔ ⑦

صحیح بخاری، بدء الوحی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تیری صورت مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے اور پھر وہ شدت جاتی رہتی ہے۔“ آپ پر وحی آتی تھی تو آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓؓ نے فرماتی ہیں کہ ”وحی اترنے کی حالت میں میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تھی تو سخت سردی کے دنوں میں بھی جین مبارک عرق آلوہ ہو جاتی تھی۔“ * ایک اور موقع پر حضرت عائشہؓؓ نے فرماتی ہیں کہ ”وحی کی حالت میں آپ کی پیشانی سے موتیوں کی طرح پینے کے قطرے ڈھلنے لگتے۔“ * صحابہؓؓ کا بیان فرماتی ہے کہ اس حالت میں جسم مبارک بہت بھاری ہو جاتا تھا سواری کے اونٹ بیٹھ بیٹھ جاتے تھے۔ * حضرت زید بن ثابتؓؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ پر وحی آئی اور میرا پاؤں زانوئے مبارک کے پیچے با تھا مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا پاؤں بوجھ سے ٹوٹ جائے گا۔ * یعلیؓؓ بن امیہؓؓ کے پیشے

١) النهاية في غريب الحديث والأثر، ج ٢، ص: ١١١، ١١٥؛ شعب الایمان: ١١٨٥؛ مصنف عبد الرزاق، باب القدر، ١١/١٢٥؛ ابن ابی شیبہ، کتاب الرہد، ٦٩/١٩ طبع جدید بیروت؛ مسنون الشهاب.

٢) شرح السنہ بغوفی، باب التوکل علی الله، ٧/٢٤٤-٢٤٥؛ زاد المعاد، ج ١، ص: ١٩، ١٨؛ ٣) ١١٥١

٤) بخاری، کتاب بدء الوحی: ٢۔ ٥) بخاری، کتاب المغازی، حدیث الافق: ٤١٤١۔

٦) مسنون احمد، ج ٦، ص: ١١٨؛ و مسنون رکح حاکم، کتاب التفسیر، سورۃ المزمل، ج ٢، ص: ٥٠٥۔

٧) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النساء، باب: لا یستوى القاعدون من المؤمنين: ٤٥٩٢ و جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، تفسیر باب ومن سورۃ النساء: ٣٠٣٣۔

ایک صحابی تھا ان کو برا شوق تھا کہ ایک دفعہ نزول وحی کے عالم میں وہ آپ کی زیارت کرتے، اتفاق سے جس کے سفر میں ان کو یہ سعادت نصیب ہو گئی وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا ہے اور آپ خراستے لے رہے ہیں تھوڑی دیر میں یہ حالت رفع ہو گئی۔ ﴿عَبَادُهُ بْنُ صَامِتٍ قَالَ إِنَّمَا كہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ پر یقیناً پروی نازل ہوتی تو آپ کو بے چیزی ہوتی، چہرہ کارنگ بدلتا، آپ سر جھکا لیتے، صحابہ جو آپ کے ساتھ بیٹھے ہوتے وہ بھی سرینچے کر لیتے وحی کے بعد آپ سراخھتے۔﴾

فرشتہ کی زبانی سب سے بھلی وحی غارہ میں آئی اس وقت عمر شریف چالیس برس کی تھی اور ﴿إِنَّمَا يَأْشِمُ رَبِّكَ الَّذِي حَكَقَ﴾ (۹۶/العلق: ۱) کی ابتدائی آیتیں اس مکتب کا اولین درس تھا، اس کے بعد پچھے ڈنوں تک وحی کا سلسلہ کارہا آپ کوخت صدر مدد ہوا، اب ان احراق کی روایت ہے کہ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئی۔ ﴿وَالْقُسْطِيٰ وَالْيَلِ إِذَا سَبَقَ مَا وَدَعَكَ رَبِّكَ وَمَا أَقْلَى﴾ (۹۳/الضھی: ۱ تا ۳)

”تم ہے دن کی جب کوہ پوری روشنی پر ہو اور تم ہے رات کی جب کوہ سنان ہو جائے کہ تیرے پر درگار نے تھجھ کو جھوڑا بے اور نہ تھجھ سے اس نے اپنی محبت اٹھائی۔“

لیکن صحیح بخاری تفسیر سورہ واصحی اور باب کیف نزل الوحی میں ہے کہ اس سورہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ بیمار تھے چند روزاتوں میں اٹھ کر عبادت الہی میں معروف نہ ہو سکے تو ایک ہمسایہ عورت نے طعن سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) تیرے شیطان نے تھجھ کو جھوڑ دیا کیونکہ وہ دو تین روز سے تیرے پاس نہیں آیا۔ اس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ ﴿اسی موقع پر دوسری روایت ہے کہ اس عورت نے کہا میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے رفیق نے تم سے ملنے میں تاخیر کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورہ اس کے بعد کسی اور زمانہ میں نازل ہوئی۔﴾

تمام محمدین ﴿کا اس پر اتفاق ہے کہ فترة الوجی یعنی سلسلہ وحی کے رک جانے (فترۃ) کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں، آپ ﷺ حراسے واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک آوازنائی دی آپ نے اور ہر ادھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا، اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ نظر آیا، آپ حضرت خدیجہ ؓ کے پاس آئے تو کہا کہ مجھے کمل اور ہادا اور مجھ پر محدث اپانی ڈالو، اسی حالت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿لَيَأْتِهَا الْمُدَّرِّةُ فَمُؤْنَذِرَةٌ وَرَبِّكَ فَقَدِيرٌ﴾ (۷۴/المدثر: ۱ تا ۳)

۱- صحیح بخاری، کتاب الحج، باب غسل الخلوق ثلات مرات من الثیاب: ۱۵۳۶، کتاب فضائل القرآن: ۴۹۸۵۔ ۲- صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب عرق النبي ﷺ: ۶۰۶۱۔

۳- سیرت ابن حشام، ج ۱، ص: ۱۵۴۔ ۴- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ الضھی: ۴۹۵۰۔ ۵- ایضاً: ۴۹۵۱۔ ۶- اس کے برخلاف صرف حضرت جابر ؓ کی حدیث ہے (بخاری)، کتاب بدء الوحی: باب کیف نزول الوحی: ۴، تیزدیکھیں کتاب التفسیر، سورہ المدثر: ۲۴) کہ انہوں نے حضرت ﷺ سے سنا کہ سب سے پہلی وحی میں سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں مگر اجتماع عام یہ ہے کہ یہ حضرت جابر ؓ کا دعہ ہے وہ آیتیں فترة وحی کے بعد سب سے پہلے اتریں۔

”اے گلیم پوش! انہوں اور لوگوں کو خدا سے ڈراپنے رب کی کبریاں بیان کر۔“
 اس کے بعد مسلسل وہی نازل ہونی شروع ہو گئی ॥ اور اس کا تاریخ وقت تک نہ نو تا جب تک حیات طیبہ
 کاظماً ہری سلسلہ منقطع نہ ہو گیا، یعنی چالیس برس کے سن سے لے کر تیریٹھ کے سن تک کل ۲۳ برس نزول وہی کے
 ہیں۔ حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی آخر عمر میں وہی کی کثرت ہو گئی تھی۔ ॥ محدثین
 نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تھی۔ اطراف ملک سے فودا کا سلسلہ جاری ہو گیا
 تھا، حکام اور لوگوں کے استفسارات بڑھ گئے تھے، اس لئے خطابِ الہی کی ترقی بھی اس کے ساتھ ضروری تھی۔
 ”صحابہ کرام ﷺ وفات نبوی ﷺ کے بعد جب ان ایام سعادت کو یاد کرتے تھے جب مدینہ کی
 گلیاں روح الامین کی گزرگاہ اور مدینہ کے درود یا وہی کے مطلع انوار تھے تو ان کی آنکھیں اشک آلوہ
 ہو جاتی تھیں، آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد حضرت ابو بکر و عمر بن عبدالعزیز ان کی
 ملاقات کو تشریف لے جاتے تھے، آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر و عمر بن عبدالعزیز ان کے گھر تشریف
 لے گئے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں سبب دریافت کیا تو کہا آہ! کہ آنحضرت ﷺ وفات
 پا گئے اور وہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، یہ سن کر ان صاحبوں کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ ॥
 قرآن مجید نے وہی کی حقیقت کو اس قدر بلند کیا ہے کہ وہ نبوت کے متراوہ ہو گئی ہے۔ دنیا کے
 دوسرے مذاہب میں نبوت کی حقیقت یا تو سراسر مفقود ہے اور یا یہ کہ اس کو انسانیت و بشریت کے پروتے اس
 قدر منزہ سمجھا ہے کہ اس کو الوہیت کا ہم رتبہ قرار دے دیا ہے، لیکن قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو کئی دفعہ
 اس اعلان کی تاکید کی ہے کہ

﴿قُلْ إِنَّمَا آنَا بَشَرٌ مُّقْلِلٌ مُّؤْمِنٌ إِنَّمَا إِلَهُّكُمْ إِلَهُّكُمْ إِلَهٌ وَّاحِدٌ﴾

(۱۸) الکھف: ۱۱۰، ۴۱ / فصلت: ۶)

”کہہ دو کہ میں تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہوں (فرق یہ ہے) کہ میرے پاس وہی بھیجی جاتی
 ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے۔“

آنحضرت ﷺ جو کچھ خدا کی طرف سے لوگوں کو نانتے تھے، وہ چیز آپ کے نفس واراہ سے نہیں
 اٹھتی تھی بلکہ خدا کی طرف سے ان کے اندر آتی تھی:

﴿وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهُوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَعِيٌ يُوْمَنِيٌّ﴾ (۵۳) (النجم: ۳، ۴)

”وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ وہی ہے جو اس کو سمجھی جاتی ہے۔“

البتہ اس کا مواد اور مہبٹ آپ ﷺ کا پاک و منزہ قلب تھا:

صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ۴ و کتاب التفسیر: ۴۹۲۲۔ ۲ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن،
 باب کیف نزل الوحی: ۴۹۸۲۔ ۳ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ام ایمن: ۶۳۱۸۔

﴿فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ يَوْمَ الْقُدُّوسِ﴾ (۲/ البقرة: ۹۷)

”اسی نے اس کو تمہارے قلب پر خدا کے حکم سے اتا را ہے۔“

﴿نَزَّلَ بِهِ اللَّهُؤْمَهُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ﴾ (۲۶/ الشعرا، ۱۹۳، ۱۹۴)

”روح الامین نے اس کو تیرے قلب پر اتا را ہے۔“

اور یہی مجموع وحی آپ ﷺ کی نبوت کا بڑا مجزہ ہے ارشاد ہوا کہ ”دنیا میں کوئی پیغمبر نہیں آیا لیکن اس کو ایسی چیزیں دی گئی جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے لیکن مجھے جو چیز دی گئی وہ وحی ہے جو مجھ پر اتاری گئی۔“

سرمایہ وحی کی جود و لست اسلام کے ہاتھ آئی وہ قرآن کی صورت میں مسلمانوں کے سینوں اور سفینوں میں اب تک محفوظ ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گنج گراں مایہ حدیث صحیح کے اور اراق میں ممزون ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھے قرآن عطا کیا گیا، اور اتنا ہی اور۔“ یعنی وہ احکام و مواعظ جن کو جان شاروں نے حرزاں جان بنا کر رکھا اور دوسروں کو سپرد کیا۔ یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ صحابی جبت الدواع کے زمانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہزارہ میں آپ ﷺ تھے کہ ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ اس شخص کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں، جس نے کپڑوں میں خوشبوی لینے کے بعد احرام کی نیت کی، آنحضرت نے کسی قدر انتظار کیا، آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی جب وہ کیفیت زائل ہوئی تو آپ نے دریافت کیا کہ وہ آدمی کہاں گیا؟ لوگ اس کو سامنے لائے آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو خوشبوتم مل چکھو اس کو تین دفعہ دھوڑا اور اس کپڑے کو اتارا تو اپنے اوپر حسب معمول عمرہ ادا کرو۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”روح القدس نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک وہ اپنی روزی پوری نہ کرے، تو لوگو! خدا سے ڈردا اور روزی کی تلاش میں صحیح طریقہ کو کام میں لا اور رزق میں تاخیر تھیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ گناہ کے ذریعوں سے روزی تلاش کرو، کیونکہ جو خدا کے پاس ہے وہ اس کی بندگی ہی سے مل سکتا ہے۔“ ۴ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھ سے جریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کی امت میں جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔“

اور بہت سی حدیثیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ ”خدا نے مجھے حکم دیا ہے“ یا ”خدا نے مجھ سے یہ کہا۔“

۱) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی: ۴۹۸۱ و صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان بررسالة: ۳۸۵۔ ۲) ابو داود، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ: ۴۶۰۔

۳) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب نزل القرآن بلسان قریش والعرب: ۴۹۸۵۔

۴) مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۴؛ حیدر آباد۔

۵) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ومن كان آخر كلامه لا اله الا الله: ۱۲۳۷۔

لیکن وہ قرآن مجید کے اجزاء نہیں ہیں، اسی لئے فقہا نے وحی کی دو قسمیں کر دی ہیں، وحی متعال یعنی وہ وحی جو تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن اور وحی غیر تعلو جو تلاوت نہیں کی جاتی مثلاً: وہ احکام و نصائح جو بروایت صحیح احادیث میں مذکور ہیں، پہلی وحی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف تو اتر روایت سے ثابت ہے اور وہ اپنے لفظ و معنی دونوں کے لحاظ سے خدا کا کلام ہے۔ دوسری قسم تو اتر سے بہت کم مردی ہے اور وہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے خدا کا ارشاد ہے۔

نَزْوُلُ مَلَائِكَةٍ

﴿أَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلِكَةِ رُسُلًا﴾ (۲۲ / الحج: ۷۵)

لفظ "ملائکہ" کا واحد "ملائک" ہے جو عربی کے قاعدہ سے "ملك" ہو گیا ہے یہ الوکتے سے مشتق ہے، جس کے معنی "پیغام" کے ہیں اس لئے ملائکہ کے معنی پیغام رسان اور قاصد کے ہیں۔ ملائکہ الٰہی خالق اور مخلوق کے درمیان قاصد ہیں۔ قرآن مجید نے متعدد مقام پر ان کو رسول اور رسول اللہ یعنی قاصدان الٰہی کہا ہے:

﴿أَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلِكَةِ رُسُلًا﴾ (۲۲ / الحج: ۷۵)

"خدا فرشتوں میں سے اپنے پیغام بر منتخب کرتا ہے۔"

علاوه ازیں یہ خدا کے حکم سے عالم کی میشین کے پروزوں کو ہلاتے اور چلاتے ہیں اور اسی لئے حدانے ان کو مدبرات امر کے نام سے بھی یاد کیا ہے (سورہ والنماز عات) ان کی مخصوص صفت یہ ہے کہ خدا کے سراپا مطیع ہیں اور اس کے کسی امر یا اشارہ سے کبھی روگروانی نہیں کرتے:

﴿عَلَيْهَا مَلِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمْرَهُمْ وَيَعْلَمُونَ مَا يُؤْمِرُونَ ۝﴾

(۶۶ / التحریر: ۶)

"اس پر سخت اور مضبوط فرشتے ہیں اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس سے روگروانی نہیں کر سکتے اور وہ وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔"

انبیاء ﷺ کی تمام سیرتیں، فرشتوں کی آمد، ان کی بشارت اور نصرت سے معمور ہیں، تورات اور انجیل و قرآن ہر کتاب الٰہی ان کے کارناموں کی شاہد ہے، حضرت آدم ﷺ کی بارگاہ میں انہوں نے سجدہ کیا، حضرت ابراہیم ﷺ کے مہمان خانہ میں یہ نیچے گئے، حضرت لوٹ ﷺ کی حفاظت اور ان کی قوم کی بر بادی پر یہ مامور ہوئے، حضرت ہاجر ﷺ کو بیان میں یہ نظر آئے، حضرت یعقوب ﷺ کے خیمه میں ان کا دنگل ہوا، حضرت ایوب ﷺ کے مناظرہ جبرا اخیار میں حکم یہ قرار پائے، حضرت زکریا اور مریم ﷺ کو بشارت انہوں نے دی، آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں بھی یہ مختلف فرائض پر مامور ہوئے، یہ آپ کی خدمت میں احکام الٰہی کے قاصد تھے، دشمنوں سے وجود اقدس ﷺ کی محفوظت ان کے پسرو تھی، کمزور اور ناتوان مسلمانوں کی دشمنی کی خدمت میں بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی آنحضرت ﷺ کے سرخیل جبرا اخیار ﷺ ہیں اور وہی خدا اور پیغمبروں کے درمیان سفارت پر مامور ہیں اور یہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھی آنحضرت ﷺ کے سفارت کا فرض انجام دیتے تھے اور خدا کا پیغام پہنچاتے تھے۔

نَزْوُلُ جَرِيلٍ

”جَرِيل“ عَبرَانِي لفظ ہے جس کے لغوی معنی ”مرد خدا“ کے ہیں لیکن یہ اصطلاح شریعت میں اس فرشتہ کا نام ہے جو خدا اور خاص ان خدا کے درمیان پیامبری کی خدمت انجام دیتا ہے تو رات اور انجیل میں بھی یہ نام اسی شیعیت سے مستعمل ہوا ہے، چنانچہ دانیال (۲۱۔۱۹۔۸) میں اس کی پیامبری کا بیان ہے اسی طرح انجیل (لوقا ۱۹۔۲۶) میں مذکور ہے کہ وہ حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس حضرت میحیٰ علیہ السلام کی بشارت اور حضرت مریم علیہ السلام کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت لے کر آیا تھا۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ وہ پیامبر جو آنحضرت علیہ السلام اور خدا کے درمیان وحی کا اپنی تھا وہ یہی جَرِيل تھا:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلْجَنَّـِيْـِـنَ فَإِنَّهُ نَزَّـَلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّـِـهِ﴾ (۲/ البقرة: ۹۷)

”جو جَرِيل کا دشمن ہو وہ ہو کیونکہ (اے پیغمبر علیہ السلام) اس نے خدا کے حکم سے تیرے دل پر اس کو نازل کیا ہے۔“

اور کہیں اسی کو الروح الامین (امانت دارروح) سے تعبیر کیا ہے:

﴿نَزَّـَلَ يَهِ الرَّسُوْلُ الْأَمِيْـِـنُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِـِـرِـِـيْـِـنَ﴾

(۲۶/ الشعرا: ۱۹۳، ۱۹۴)

”امانت دارروح اس کو لے کر تیرے دل پر اتری، تاکہ تم لوگوں کو خدا کے خوف سے ڈرانے والوں میں ہو۔“

سورہ نحل میں اس کو روح القدس (پاکی کی روح) کہا گیا ہے۔

﴿قُلْ نَزَّـَلَ رُوحُ الْقُدُّـِـسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ (۱۶/ النحل: ۱۰۲)

”کہہ دے کہ اس کو روح القدس نے تیرے پر درگار کی طرف چاؤں کے ساتھا تارا ہے۔“

رسول (فرستادہ) کا لفظ بھی اس کی شان میں استعمال کیا گیا ہے:

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَـِـرِيْـِـمٍ﴾ (۴۰/ الحاقة: ۶۹)

”یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے۔“

سورہ تکویر میں اس رسول“ کے متعدد صفات کا بھی ذکر ہے:

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَـِـرِيْـِـمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْـِـنٍ مُّطَّـَاعٍ ثَمَّـَـرَأْمِيْـِـنٍ﴾

(۸۱/ التکویر: ۲۱، ۱۹)

”یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے جو قوت والا ہے اور تخت والے خدا کے حضور میں اس کا

اعتبار ہے اس کی سب اطاعت کرتے ہیں اور وہ امانت والا ہے۔“

سورہ بخیر میں اس کے کچھ اور صفات بھی ذکر ہیں:

﴿عَلَيْهِ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ دُوْرَةٌ طَفَّالَتُ فَأَسْتَوْيَ ۝﴾ (٥٣ / النجم: ٦٠، ٥)

”اس پیغمبر کو بڑی قوت و اعلیٰ اور بڑی طاقت والے نے تعلیم دی۔“

آغاز وحی کے واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے جبریل کے لئے الملک کا لفظ فرمایا ہے اور ورقہ نے اس کو ”ناموس“ کے لفظ سے ادا کیا ہے، ﴿ملک کی اصل جیسا کہ ابتداء میں بتایا جا چکا ہے، املک جو الوک سے نکلا ہے اور جس کے معنی پیغام کے ہیں، اس لئے ملک کے معنی پیغمبر کے ہوئے اور لفظ ناموس کے معنی محروم اسرار اور راز داں کے ہیں۔ بہر حال یہ تمام مختلف الفاظ اور عنوانات ایک ہی مفہوم و معنی کو دا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جبریل علیہ السلام کا نام تین مقام پر آیا ہے دو دفعہ سورہ بقرہ میں اور ایک جگہ سورہ تحریم میں لیکن اس کی خصوصیت کے ساتھ کہ وہ وحی محمدی کے پیغمبر اور قرآن کے حامل ہیں، صرف ایک ہی موقع پر قرآن مجید نے اس نام سے ان کو یاد کیا ہے اور وہ اس آیت میں:

﴿مَنْ كَانَ عَذْوًا لِّجَبِيرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (٢ / البقرہ: ٩٧)

”جو جبریل کا دشمن ہو وہ ہو کیونکہ اس نے تیرے قلب پر خدا کے حکم سے اس کو اتارا ہے۔“

دوسری آیوں میں قرآن مجید نے حامل قرآن فرشتہ کی تعبیر جیسا کہ ہم اور لکھائے ہیں، روح الامین، روح القدس اور رسول کریم کے الفاظ سے کی ہے لیکن احادیث اور روایات میں ان الفاظ کے بجائے جبریل کا یہ لفظ عام طور سے مستعمل ہوا ہے۔

ایک پیغمبر کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جبریل کی سب سے بہل آمد اس وقت ہوئی ہے جب آپ غارہ ایں مختلف تھے، صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی زبانی یہ واقعہ ان الفاظ میں ادا ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وحی کا آغاز خواب میں رویائے صالحہ سے ہوا۔ آپ جو روایاری کیتھے تھے وہ سیدہ سحر کی طرح (سچا ہو کر) نمودار ہوتا تھا پھر (طبعت مبارک میں) تخلیہ پندیدہ کیا گیا۔ غارہ ایں جا کر آپ تھا کچھ دن سر کرتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے تھے، جب وہ سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آتے اور پھر نیا سامان لے کر غار میں چلے جاتے یہاں تک کہ حق آپ کے سامنے آگیا اور وہ فرشتہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا: ”پڑھ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں پڑھائیں ہوں۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اس نے مجھ کو پکڑ کر اتنا دبایا کہ وہ تحکم گیا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ ”پڑھ“ میں نے پھر وہی جواب دیا اس نے مجھے اتنا دبایا کہ وہ تحکم گیا اور چھوڑ دیا اور کہا کہ ”پڑھ“ میں نے پھر کہا کہ ”میں پڑھا۔

* صحیح بخاری، باب کیف کان بدد الروحی: ۳۔

نہیں ہوں۔“ اس نے تیسری دفعہ بایا اور چھوڑ دیا اور کہا:

﴿إِنَّا بِإِسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ حَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَيْنٍ إِنَّا وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي
عَمَّ بِالْقَلْمَنِ عَلَمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (٩٦/العلق: ١ تا ٥)

”اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو جنم ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا پروردگار بڑا بزرگ ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے سکھایا اور انسان کو وہ کچھ تعلیم کی جو نہیں جانتا تھا۔“

آنحضرت ﷺ ان آئینوں کے ساتھ گھر واپس آئے، قلب مبارک پر لرزہ تھا، حضرت خدیجہ ؓ نے پھر کہا کہ پاس آئے اور فرمایا: ”مجھے کمل اوڑھاؤ، مجھے کمل اوڑھاؤ۔“ لوگوں نے آپ کو کمل اوڑھایا، جب آپ کو سکون ہوا تو حضرت خدیجہ ؓ نے تمام ماجرا بیان کر کے فرمایا کہ ”مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔“ حضرت خدیجہ ؓ نے کہا: ”ہرگز آپ کی جان کو خطرہ نہیں خدا آپ کو بھی رسوانہ کرے گا آپ قرابتداروں کا حق ادا کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ کو آپ خود اٹھاتے ہیں، فقیروں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں، مسافروں کی مہماں نوازی کرتے ہیں، انصاف کی خاطر آپ لوگوں کی مصیبوں میں کام آتے ہیں۔“ پھر آپ ﷺ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی یا عربی لکھنا جانتے تھے (شاید توارہ سے مراد ہو) اور انجیل کو عبرانی یا عربی میں لکھتے تھے۔ * اور بہت بوڑھے تھے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ ؓ نے کہا کہ اے اسن عُم! اپنے سُبْحَانَهُ كَمَا جَرَى نَبِيٌّ، ورقہ نے کہا: ”اے میرے سُبْحَانَهُ بَتَأْتِيْ قَمَّ كِيَادِ يَكْتَبْتَهُ ہو؟“ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا، ورقہ نے کہا: ”یہ وہی ناموں (حرام اسرار ہے) جو موی پر اتارا گیا تھا، اے کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا، اے کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جب کہ تمہاری قوم قم کو نکال دے گی۔“ آپ ﷺ نے پوچھا: ”کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی؟“ اس نے جواب دیا: ”ہاں جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو اور اگر اس زمانہ تک میں زندہ رہتا تو تمہاری ہر طرح مدد کروں گا۔“ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد ورقہ نے وفات پائی۔ *

اس کے بعد جریل غلیظ کی آمد رکی رہی اور آپ ﷺ بدستور غارہ را میں جاتے رہے، اسی اشام میں ایک دن آپ غارہ سے نکل کر اور پہاڑی سے نیچے اتر کر جب میدان میں پہنچنے تو غیب سے ایک آواز آئی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے آگے پیچپے داہنے بائیں دیکھا پھر نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو دیکھا کہ وہی دروازتیں بیس ایک میں ہے کہ عبرانی میں لکھتے تھے اور دوسرا میں ہے کہ عربی میں لکھتے تھے۔ * صحیح بخاری، کتاب بده الوحی: ۲ و کتاب التیبیر: ۶۹۸۲ و کتاب التفسیر: ۴۹۵۳ میں یہ پورا واقعہ مفصل مذکور ہے میں نے ان آئینوں کو تسلیل کے لئے کچھ کردیا ہے چونکہ استاذ مرحوم نے جلد اول میں ان تفصیلات کو قلم انداز کر دیا تھا، اس لئے یہاں ان کے لکھنے کی ضرورت ہوئی۔

فرشتہ جو پہلے غارہ میں نظر آیا تھا آسان اور زمین کے پیچے تخت پر بیٹھا ہے اور میں مرعوب ہو کر گھر واپس آیا۔^۱
اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کی پے در پے آمد شروع ہوئی۔ حضرت جبریل علیہ السلام جب وہی لے کر
آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں آتے تو آپ جلد جلد اپنی زبان سے ان کے الفاظ کو ادا کرنے لگتے اس پر حکم
ہوا:

(لَا تُحِكِّمْ يَهِ لِسَانَكَ لَتَعْجَلْ يَهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَعْدَةٌ وَقُرْآنَهُ^۲) (۷۵ / القيامة: ۱۶، ۱۷)
”وَهِيَ كَالْفَاظُ كَسَاتِحِهِ أَپَنِي زَبَانَ كَوْجَلَتْ طَلْبِي كَ لَعْنَجَشِنَهِ نَدَوَاسَ كَ حَفَاظَتْ أَوْ قَرَاءَتْ
كَافَرْضَهِمْ پَرْهِے۔“

اس کے بعد جب جبریل علیہ السلام نازل ہوتے تو آپ خاموشی سے سنتے اور ان کے چلے جانے کے بعد
آپ اس کو پڑھتے۔

بارگاہ نبوی میں جبریل علیہ السلام کے آنے کا کوئی وقت تعین نہ تھا صبح و شام، روز و شب، صلح و جنگ، ہر
وقت فیضانِ الہی کا چشمہ الہما رہتا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نصف شب کو
سوتے تھے کہ اٹھ کر بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے صبح کو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”رات جبریل علیہ السلام نے
مجھے پیغام دیا کہ میں اس وقت بقیع جا کر لوگوں کی مغفرت کی دعا مانگوں۔“^۳ غزوہ بدرب میں آپ علیہ السلام نے
فرمایا کہ ”دیکھو یہ جبریل علیہ السلام اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں۔“^۴ غزوہ خندق سے جب
مسلمانوں کی فوج لے کر آنحضرت علیہ السلام واپس آئے اور تھیار کھول کر غسل فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے سامنے
آ کر کہا کہ آپ علیہ السلام نے تھیار کھول دیے حالانکہ ہم اب تک مسلح ہیں اور ہنقریظ کو بھی ان کی خداری کا صدر دینا
ہے۔^۵ یا اس ہمہ سب سے زیادہ جبریل علیہ السلام کی آمد آپ کے پاس ماہ رمضان میں ہوتی تھی جس میں وہ ہر
روز آ کر آپ سے قرآن مجید سنتے تھے اور خود آپ کو سناتے تھے۔^۶

جبراہیل علیہ السلام اس وقت بھی آتے تھے جب آپ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوتے تھے لیکن جو کچھ آپ
یکھتے اور سنتے تھے وہ عموماً اور لوگوں کو دکھائی اور سنائی نہیں دیتا تھا، ایک دفعہ آپ حضرت عائشہؓ سے بیٹھا کے سامنے
بیٹھے ہوئے تھے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”اے عائشہ! جبریل علیہ السلام تم پر سلام صحیح ہیں۔“ انہوں نے کہا: یا
رسول اللہ! آپ وہ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی۔^۷ تورات میں انبیائے بنی اسرائیل کے قصور میں اس
فرشتہ غیب کے بھرم اور تنکل کے بکثرت واقعات مذکور ہیں۔ انھیل میں ہے کہ روح القدس کبوتر کی شکل میں

۱ صحیح بخاری، کتاب بده الوحی، ۴: ۴۹۲۴۔ ۲ بخاری، کتاب التفسیر: ۴۹۲۷۔

۳ نسائی، کتاب الجنائز، باب الامر بالاستغفار للمؤمنين: ۲۰۳۹۔

۴ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب شہود الملائکہ بدر: ۳۹۹۵۔ ۵ صحیح بخاری، کتاب المغازی،
باب مرجع النبي ﷺ من الأحزاب و مخرججه إلى بنى قريظة: ۴۱۱۷۔ ۶ صحیح بخاری، کتاب بده الوحی: ۶۔

۷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ، باب فضل عائشہ: ۳۷۶۸۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتری۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت علیہ السلام لوگوں کے ساتھ باہر بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آ کر آپ کے پاس بیٹھا اور سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ خدا پر، اس کے فرشتوں پر، خدا سے ملنے پر اور اس کے پیغمبروں پر اور قبر سے پھر جی اٹھنے پر تم یقین رکھو۔“ اس نے پھر پوچھا کہ اسلام کیا ہے؟ جواب دیا کہ ”تم خدا کی اطاعت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور نماز پڑھو، زکوٰۃ مفروضہ دو، روزے رکھو۔“ اس نے کہا اور احسان کیا ہے؟ ارشاد ہوا: ”احسان یہ ہے کہ تم خدا کو اس طرح پوچھو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔“ اس نے پھر سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”مجیب اس باب میں سائل سے زیادہ واقف نہیں البتہ میں تمہیں اس کی علامتیں بتاتا ہوں جب لوٹدی اپنے آقا کو جنے اور جب اونٹوں کے چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں، قیامت کا علم ان پانچ باتوں میں سے ہے جن کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔“ پھر آپ علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْدِدُ عِلْمَ السَّاعَةِ﴾ (٣١/لقمان: ٣٤) ”قیامت کا علم خدا ہی کو ہے۔“

حضرت عائشہؓؒ بیان کرتی ہیں کہ جب میل علیہ السلام کو آنحضرت ﷺ نے ان کی اصلی شکل میں دو وغیرہ ملاحظہ فرمایا۔ ایک دفعتو معراج میں سدرۃ النبیؐ کے پاس اور دوسری دفعہ ایک اور مقام پر وہ آسمان کے کناروں میں نظر آئے۔ سورہ بجم کی آیتیں اسی کے متعلق ہیں:

﴿عَلَيْهِ شَرِيكُ الْقُوَىٰ لَدُوْمَرَةٌ فَاسْتَوَىٰ وَهُوَ يَلْأَقُ الْأَعْلَىٰ ثُمَّ دَنَا فَتَسْلَىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْلَىٰ فَأَوْحَىٰ إِلَى عَنْدِهِ مَا أَوْلَحَىٰ مَا كَذَبَ الْفَوَادُ مَارَأَىٰ أَفَمُرْزُونَهُ

١- صحيح بخاري، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل: ٥٠ - ٢- صحيح بخاري، كتاب فضائل القرآن،
باب كيف نزل الوحي: ٤٩٨٠ - ٣- صحيح بخاري، كتاب التفسير، تفسير سورة والنجم: ٤٨٥٥ وصحيح
مسلم، كتاب الإيمان، باب معنى قول الله عزوجل: «ولقد رأى نزلة أخرى»: ٤٣٩.

عَلَىٰ مَا يَرِيَ وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزَلَةً أُخْرَىٰ لَمْ يَنْدِسْ دُرَّةً الْمُنْتَهَىٰ ﴿٥٣﴾ (النجم: ٥٣ تا ١٤)

”بڑی قوتیں والے طاقتوں نے اس کو سکھایا اور پھر وہ برابر ہوا اور بہت اوپر آسمان کے کنارے تھا پھر قریب ہوا، پھر انک آیا تو دو کمانوں کے بعد تھایا اس سے بھی قریب تر تو خدا نے اپنے بندہ پر جو حجی کی جو وحی کی، دل نے جھوٹ نہیں بولا جو دیکھا، کیا تم لوگ اس سے اس کے مشاہدہ پر جگھرتے ہو، حالانکہ اس نے اس کو دوسرا دفعہ اترتے دیکھا سدرۃ المنతھی کے پاس۔“

سورہ تکویر کی حسب ذیل آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار آپ کو مجنوں اسی لئے کہتے تھے کہ آپ اس غیر مشاہدہ سی کے مشاہدہ کا دعویٰ کرتے تھے:

﴿إِنَّهُ لَقَوْنُ رَسُولٍ كَرِيمٍ۝ ذُرْقُوٰةٌ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ۝ مُطَاعٌ ثُمَّ أَمِينٍ۝ وَمَا صَاحِبَكُمْ يَمْنُونَ۝ وَلَقَدْ رَأَاهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ۝﴾ (التكوير: ١٩ تا ٢٣)

”یہ ایک بزرگ پیغام رسال کی بات ہے قوت والا، جو عرش والے خدا کے پاس معتبر ہے وہاں اس کی اطاعت کی جاتی ہے، وہ امانت دار ہے، تمہارا ساتھی (یعنی پیغمبر) مجنوں نہیں ہے، یقیناً اس کو آسمان کے کھلے کنارے میں دیکھا۔“

وہ ذوقِ دشوق جو حضور ﷺ کو اس قاصدِ اللہ کی آمد کے ساتھ تھا، وہ اس آرزو کی شکل میں ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ نے جریل علیہ السلام سے فرمایا: ”تم اس سے بھی زیادہ میرے پاس کیوں نہیں آیا کرتے۔“ جواب ملا:

﴿وَمَا نَتَزَّلُ إِلَّا يَأْمُرُ بِكَ لَكَ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِنَا وَمَا خَلَقَنَا وَمَا بَيْنَ ذِلْكَ وَمَا كَانَ رَبِّكَ نَهِيَّاً﴾ (مریم: ٦٤)

”هم تو تیرے پر رودگار کی اجازت اور حکم سے اترتے ہیں ہمارے آگے اور پیچے اور درمیان کا سب علم اسی کو ہے اور تیر ارب بھول چوک سے پاک ہے۔“

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شب کو میں نکلا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تھا چاندنی میں نہل رہے ہیں، میں سمجھا کہ شاید آپ اس وقت تہائی چاہتے ہیں اور کسی اور کا یہاں ہونا، پسند نہ فرمائیں گے، چنانچہ اسی خیال سے میں سایہ میں ہو گیا لیکن آپ کی نگاہ پڑ گئی پوچھا: ”کون ہے؟“ عرض کیا آپ پر قربان میں، ابوذر۔ آپ نے ساتھ لے لیا اور تھوڑی دیر تک شیلتے رہے، پھر فرمایا: ”جو آج دولت مند ہیں وہی کل قیامت میں غریب ہوں گے لیکن وہ شخص جس کو خدا نے دولت دی ہو وہ اس کو دابنے بائیں آگے پیچھے پھینک دے اور اس میں نیکی کا کام کرے۔“ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر تک ساتھ ٹھہلاتا رہا، اس کے بعد ایک خاص جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”تم یہاں پھرے رہو۔“ اور یہ کہہ کر آپ پہاڑ کی طرف گئے اور

* صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب وما ننزل الا بامر ربک..... ٤٧٣١

میری نگاہوں سے او جھل ہو گئے، میں نے دور سے آواز سنی تو میں ڈرائیکن چونکہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں اپنی جگہ سے نہ ملوں اس لیے تھہرا رہا تھوڑی دیر کے بعد آپ سامنے سے آتے نظر آئے اور زبان مبارک سے یہ فرم رہے تھے: ”اگرچہ چوری کرے اور زنا کرے۔“ میں نے کہا، یا رسول اللہ! آپ پر قربان ہو، آپ پہاڑی کی اوٹ میں کس سے باتیں کر رہے تھے فرمایا: ”کیا تم نے آواز سنی؟“ عرض کیا ہاں فرمایا: ”جب ریل علیہ السلام تھے پہاڑی کے پیچے مجھے نظر آئے اور کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جو اس حال میں مر架 کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہ بنایا ہو، وہ جنت میں داخل ہو گا۔“ آنحضرت علیہ السلام فرماتے ہیں: ”میں نے کہا، یا جبریل علیہ السلام کیا اس نے زنا یا چوری ہی کیوں نہ کی ہو؟“ جواب دیا: ”ہاں“ میں نے پھر کہا: ”اگرچہ زنا چوری ہی کیوں نہ کی ہو؟“ تیسرا دفعہ بھی جواب دیا ہی کیا تھا۔

فرشتہ میکائیل کا نزول

جبراًئیل علیہ السلام کے علاوہ دوسرے ملائکہ کا بھی آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں آنا ثابت ہے، قرآن مجید میں جبریل علیہ السلام کے علاوہ ایک دوسرے فرشتوں کے نام بھی آئے ہیں، جن میں سے ایک میکائیل علیہ السلام ہیں یہودیوں نے قرآن کے ماننے سے اس لئے اپنا انکار نطاہر کیا تھا کہ یہ جبراًئیل علیہ السلام کی وساطت سے نازل ہوتا ہے، خدا نے اس کے جواب میں کہا:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلِكَتِهِ وَرَسُولِهِ وَجُنُوبُهُ وَمِيقَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَذُولٌ لِّلْكُفَّارِ﴾

(۹۸/البقرة)

”جو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبراًئیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو خدا ان کا فروں کا دشمن ہے۔“

یہودیوں کے اعتقاد میں یہ عرش الہی کے چار مخصوص فرشتوں میں سے ایک کا نام تھا، یہ خاص طور پر اسرائیل اور اس کے خاندان کا محافظ سمجھا جاتا تھا اور ایسیوں میں ان کی مدد کیا کرتا تھا (دینیاں ۱۰-۱۲-۲۱) عیسائیوں کے فقیدہ کے مطابق یہی فرشتہ تھا جو کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوا تھا۔ (اعمال ۷-۳۸)

میکائیل بھی آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوئے ہیں، معراج کے موقع پر جو دو فرشتے آئے تھے وہ جبراًئیل اور میکائیل علیہ السلام تھے، اسی طرح غرذہ احمد میں جو دو فرشتے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کرتے تھے، وہ بھی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے جبراًئیل اور میکائیل علیہ السلام تھے ۲ بعض روایتوں میں ہے کہ

۱ صحیح بخاری، کتاب الرفاقت، باب قول النبي ﷺ ما یسرنی ان عندي مثل احد هذا ذهبا: ۶۴۴۴۔

۲ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اکرامه ﷺ بقتال الملائكة: ۶۰۰۵، ۶۰۰۴۔

نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں میکا نیل علیہ السلام، آپ کے ساتھ تھے۔

عام ملائکہ کا نزول

جب ریل اور میکا نیل علیہ السلام کے ناموں کی تخصیص کے علاوہ دوسرے عام فرشتوں کا بلاغیں نام آپ کی خدمت میں آنے بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور انہی کی روحانی تائیدات کا اثر تھا کہ آپ کا دل ہر وقت سکینیت الہی سے معمور رہتا تھا، آنحضرت علیہ السلام کے دوش مبارک پر جب نبوت کا بارگراں رکھا گیا تو یقیناً آپ کو نظر آتا ہوا کہ ایک طرف بظاہر ایک بے دست و پا انسان ہے جس کے قبضہ میں نہ سونے چاندی کے خزانے ہیں اور نہ اس کے علم کے نیچے خود اس کی ذات کے سوا کوئی دوسرا سپاہی ہے اور دوسری طرف ایک دنیا ہے جس کے ہاتھوں میں دنیاوی دولت کے خزانے اُبلى رہے ہیں اور جس کے پرچم کے زیر سایہ ہزاروں اور لاکھوں کا مذہبی دل ہر وقت حق کے مٹانے کو آمادہ پیکار ہے، یہ وہ وقت تھا جب فرشتوں کو حکم پہنچا کر میرے پیغمبر کو اپنی بشارتوں اور خوشخبریوں سے مطمئن کرو:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلِكُكُهُ يَصْلُوْنَ عَلَى النَّبِيِّ مُلَيَّكَهَا الَّذِينَ أَمْنَوْا صَلَوَاعَلَيْهِ وَسَلَّمُوا عَلَيْهِ﴾ (۱۸، الحزاد: ۵۶)

”بے شک خدا اور اس کے فرشتے اس پیغمبر پر حمت بھیجتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی اس پر درود وسلام بھیجو۔“

رئیس قریش اپنی قوت و طاقت پر نازل ہو کر اعلان کرتا ہے کہ رئیس میں قریش ہمارے ساتھ ہیں۔ پیغمبر کی طرف سے خدامناوی فرماتا ہے:

﴿فَلَيَدْعُ نَبِيَّهُ سَنَدَعُ الرَّبَّانِيَّةَ﴾ (۹۶ / العلق: ۱۷)

”وہ اپنی مجلس کے لوگوں کو بلائے ہم بھی اپنے فرشتوں کو واژدیں گے۔“

اس وقت جب منافقین آپ علیہ السلام کی بزم خاص میں شاق ڈالنا اور گھر میں خانہ جنگی کے سامان بھم پہنچانا چاہتے ہیں بعض ازواج سے آپ آزردہ ہیں، تو ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مُؤْلِهٖ وَجِرِينُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ﴾

(۴ / التحریم: ۶۶)

”تو خدا پیغمبر کا والی دن اصر ہے اور جریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے اس کے مدگار ہیں۔“

ایک بار ابو جہل نے کفار سے پوچھا کہ کیا محمد (علیہ السلام) کبھی تمہارے سامنے سر بیو دھوتے ہیں۔ سب نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: لات و عزی کی قسم! اگر میں ان کو مجده کرتے ہوئے دیکھوں گا تو ان کی گردن توڑ

ذالوں گا اور ان کی بیشانی کو زمین میں رکڑ دوں گا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپ ﷺ مصروف نماز تھے وہ اسی نیت سے آپ کی طرف بڑھا لیکن فوراً سہم کر پیچھے ہٹ گیا، کفار نے سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی ایک خندق اور بہت سے پر (یعنی فرشتوں کے) حائل ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کی تکابوئی کر دیتے۔“

قرآن مجید کی اس آیت میں:

﴿أَرْعَيْتَ الَّذِي يَهْلِكُ عَبْدًا إِذَا صَلَّى﴾ (١٠ / العلق: ٩٦)

”تم نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو نماز سے مانع آتا ہے۔“

اسی واقع کی طرف اشارہ ہے۔

سفر طائف سے جب آپ ناکام واپس آ رہے تھے تو حسب اقتداء بشری آپ دل شکستہ تھے، جب آپ قرن العمالب میں پہنچے اور سراٹھایا تو دیکھا کہ اب کا ایک لکھ سایہ فیکن ہے، اس میں آپ کو ایک فرشتہ نظر آیا جس نے پکار کر کہا: ”یا محمد ﷺ! میں پہاڑوں پر موکل (ملک الجبال) ہوں، آپ کے پروردگار نے آپ کی اور آپ کی قوم کی گنتگونی مجھے بھیجا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو میں پہاڑوں کے نیچے ان کو چکل ڈالوں۔“ فرمایا: ”شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو۔“

اسلام کی تاریخ میں ابتلاء و امتحان کا سب سے زیادہ سخت اور سب سے پہلا موقع غزوہ بدربدر میں پیش آیا، مسلمانوں کی تعداد تین سو انیس آدمیوں سے زیادہ نہ تھی لیکن اس شرذمةٰ قلیلہ کے مقابلہ کے لئے کفار کا مذہبی دل امدا ہوا چلا آتا تھا، آنحضرت ﷺ نے جب اس منظر کو دیکھا تو قبلہ رو ہو کر درگاہِ الہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، دفعۂ ایک ہزار فرشتوں کی روحانی فوج مسلمانوں کی صف جنگ میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿إِذْ سَتَغْفِلُونَ رَبُّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُهْدِكُمْ بِالْفَقْرِ فَنَّ الْمَلِكَةُ مُرْدِفِينَ﴾^۵

(الانفال: ۹)

”جب تم خدا سے فریاد کر رہے تھے تو خدا نے تمہاری فریاد کو سنا اور کہا کہ میں ایک ہزار ہمراہ کاب سواروں سے تمہاری مدد کرتا ہوں۔“

اس فوج نے جس طرح مسلمانوں کی مدد کی اس کی کیفیت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان کی ہے کہ ایک مسلمان ایک کافر کا تعاقب کر رہا تھا کہ اس نے کافر کے اوپر سے کوڑے کی آواز سنی اور سوار

صحیح مسلم، کتاب صفات المناقین واحکامہم، باب قوله تعالى: «إن الإنسان ليطعن»، ٧٠٦٥، مسند أحمد، ج ٢، ص: ٣٧٠۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائكة: ٣٢٣١ و صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب ما لقى النبي ﷺ من اذى المشرکین: ٤٦٥٣۔

کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”آگے بڑھاے جیزدم“ یہ کہنا تھا کہ کافر چوتے زمین پر گرد اسلامانوں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو اس کی ناک میں سوراخ ہو گیا تھا جس میں نکیل گئی ہوئی تھی اور تمام چہرہ پھٹ گیا تھا اور اس میں نیلی بدھیاں پڑ گئی تھیں ان صحابی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس واقعہ کو بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا:

”ج کہتے ہو یہ تیرے آسمان کی مدد ہے۔“ *

غزوہ احمد میں بھی مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت کم تھی مسلمانوں کو یہ دیکھ کر اضطراب ہوا ایکن آنحضرت ﷺ نے تسلی دی کہ ”ابنی قلت تعداد اور بے سرو سامانی پر نہ جاؤ، خدا اپنے ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، خدا نے کہا، کہ ہاں بے شک اگر مسلمان جرأت و ہمت اور صبر سے کام لیں گے تو میں پانچ ہزار فرشتوں کی فوج ان کی مدد کو اتاروں گا۔“ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو تفصیل بیان کیا ہے:

﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَكُنْ يَأْلِفِيكُمْ أَنْ يُمْدِدُكُمْ رَبِّكُمْ بِيَكْثِيرَةِ الْأَفِيفِ إِنَّ الْمَلِكَةَ مُنْزَلَّاتٍ هُنَّ لَا إِنْ تُصِرِّفُونَ وَتَنْكِعُونَ وَيَا تُؤْكِلُونَ مِنْ فَوْهَمِ هُنَّا يُمْدِدُكُمْ رَبِّكُمْ بِخَمْسَةِ الْأَفِيفِ إِنَّ الْمَلِكَةَ مُسَوِّمَاتٍ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا لَكُمْ وَلِتَطَمِّنَ قُلُوبِكُمْ بِهِ هُنَّ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ (۱۲۶:۳) آل عمران (۱۲۶)

”اے پیغمبر اجب تم مسلمانوں سے کہتے تھے کہ کیا تم کو یہ بس نہیں کرتا کہ خدا تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، ہاں بے شک اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو اور تمہارے دشمن بڑے زوروں سے بڑھ کر آئیں تو وہ پانچ ہزار بہادر فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا، خدا نے اس وعدہ کو تمہارے لئے ایک خوشخبری بنا یا اور تا کہ تمہارے دلوں میں طمانتیت پیدا ہو مدد تو خدا ہی کے پاس سے آتی ہے۔“

لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے صبر کا سر رشتہ چھوٹ گیا، اس لئے خدا کے وعدہ نظر سے وہ محروم رہ گئے مگر آنحضرت ﷺ کے وجود اقدس کی حفاظت کے لئے دو فرشتے ساتھ تھے حضرت سعد بن ابی وقار رض فرماتے ہیں:

”میں نے غزوہ احمد میں دوسخید پوش آدمیوں کو دیکھا جو آپ ﷺ کی طرف سے سخت جانبازی کے ساتھ لڑ رہے تھے اور میں نے ان کو نہ اس سے پہلے دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا۔“ *

صحیح مسلم کی روایت میں نصرت ہے کہ یہ دونوں فرشتے جبریل و میکائیل علیہما السلام تھے۔ *

غزوہ احمد کے بعد غزوہ خندق پیش آیا، اس غزوہ میں بھی مسلمانوں کی بے چارگی اور بے سرو سامانی کا

* صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب امداد بالملائكة: ۴۵۸۸۔ ** صحیح بخاری، کتاب المغازی:

- ۴۰۰۴ - *** صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب اکرامہ ﷺ بقتال الملائكة: ۶۰۰۴، ۶۰۰۵ -

وہی عالم تھا، اسلامی فوج کی رسید کی یہ کیفیت تھی کہ خود مقدس سپہ سالار علی اللہ علیہ السلام اپنے سپاہیوں کے ساتھ کئی وقت کا بھوکا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی وہ روحانی فوج نازل کی جو بھوک اور پیاس سے بے نیاز ہے۔ سورہ الحزاب میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اپنا احسان جانتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا نَعَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءُوكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِبْعًا
وَجُنُودًا مِّمَّا تَرَوْهُ أَطْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ (۹/الحزاب: ۳۳)

”اے ایمان والو اخدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب کفار نے تم کو آ کر گھیر لیا تو ہم نے ان پر بھی ہوا بھیجی اور اس فوج کو بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا اور اللہ ہمارے کاموں کو دیکھ رہا تھا۔“

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے جو قدیم الاسلام صحابی تھے، روایت ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ علیہ السلام! آپ کو پہلے پہل کیونکر معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام پیغمبر ہیں، فرمایا کہ ”میں ایک دفعہ جا رہا تھا کہ آسمان سے دفرشتے اترے، ایک آسمان کی طرف گیا اور ایک زمین پر آیا، ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ ”کیا یہ وہی ہے؟“ دوسرے نے کہا ”ہاں یہ وہی ہے“ پھر اس نے کہا: ان کو ایک آدمی سے تو لوٹو میرا پلہ بھاری رہا، پھر دس سے، پھر سو سے، پھر ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں تولاگیا تب بھی میرا پلہ وہی بھاری رہا، دوسرے فرشتے نے کہا اگر ان کی تمام امت بھی ایک پلہ میں رکھو اور ان کو دوسرے میں سب بھی ان کا ہی پلہ جھلتا رہے گا۔“

یہ حقیقت میں آنحضرت علیہ السلام کی فضیلت بشری کی تمثیل تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مکہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام ایک شب عشاء کی نماز پڑھ کر لوئے تو میرا ہاتھ پکڑ کر مکہ کے باہر میدان میں لے گئے اور ایک جگہ خط کھٹکیج کر فرمایا: ”یہاں ٹھہرہ اور اگر تم کو کچھ لوگ نظر آئیں تو ان سے بولنا نہیں وہ بھی تم سے نہیں بولیں گے۔“ یہ کہہ کر آپ علیہ السلام ایک طرف تشریف لے گئے، اس اثنائیں مجھے وہ لوگ نظر آئے جو سلطی قوم کی طرح معلوم ہوتے تھے وہ برہنہ تھے اور انہیں کچھ نظر آتے تھے، وہ میری طرف آ کر پھر رسول اللہ علیہ السلام کی طرف چلے جاتے تھے اور خط سے آ گئے نہیں بڑھتے تھے، آدھی رات کے بعد آپ علیہ السلام واپس تشریف لائے اور فرمایا: ”تم دیکھتے ہو کہ آج شب میں سویا نہیں۔“ یہ کہہ کر میرے زانو پر سر رکھ کر سو گئے، اتنے میں کچھ لوگ اجلے اجلے کچھے پہنے جن کے حسن و جمال کا حال خدا ہی جانے کہ کیا تھا، پاس آ کر بیٹھ گئے کچھ آپ کے سرہانے بیٹھے اور کچھ آپ علیہ السلام کے پاؤں کے پاس آ کر بیٹھے، دونوں نے مل کر آنحضرت علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی ایک تمثیل بیان کی اور

یہ حدیث سنن دارمی، باب کیف کان اول شان النبی علیہ السلام: ۱۴ میں ہے اس کا مسلمہ سند یہ ہے: اخبرنا عبداللہ بن عمران حدثنا ابو داود حدثنا جعفر بن عثمان القرشی عن عثمان بن القرشی عن عممان بن عروة بن الزبیر عن ابی ذر غفاری تمسرے راوی جعفر بن عثمان القرشی کا صحیح نام جعفر بن عبداللہ بن عثمان القرشی ہے جو محمد بن میں معتبر نہیں۔

کہا کہ یہ وہ پیغمبر ہے جس کی آنکھیں گوسٹی ہیں مگر دل ہشیار رہتا ہے، اس کے بعد وہ چلے گئے، آپ ﷺ بیدار ہوئے تو فرمایا: ”ان لوگوں نے جو با تم کیس وہ میں نے شیل تم جانتے ہو یہ کون تھے؟“ عرض کی خدا اور خدا کا رسول زیادہ جانتے ہیں فرمایا: ”یہ فرشتے تھے ان کی تینیل کی تفسیر یہ ہے۔“ *

حضرت حذیفہ ؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز عشاء پڑھ کر آپ ﷺ چلے تو میں آپ کے پیچھے ہو لیا، فرمایا: ”کون؟ حذیفہ۔“ عرض کی، جی ہاں۔ فرمایا: ”آج وہ فرشتہ مجھ پر اترا جاؤ آج تک زمین پر نہیں اترتا تھا، اس نے خدا سے اذن مانگا کر وہ میرے پاس آ کر مجھے یہ بشارت سنائے کہ فاطمہ ؑ جنتی یہیوں کی اور حسن اور حسین علیہما السلام جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔“ *

* ترمذی، ابواب الامثال، باب ماجاء فی مثل الله عزوجل لعباده: ۲۸۶۱۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

* ترمذی، ابواب المناقب، باب ان الحسن والحسین سید اشیاب: ۳۷۸۱۔ حدیث حسن غریب۔

عالِم رؤیا

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولُهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ﴾ (۴۸ / الفتح: ۲۷)

رؤیا اور خواب در حقیقت نفس یا روح کے عجائبات کا ایک حیرت انگیز طیسم ہے۔ علمائے نفس کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے قوائے نفسی و دماغی ہر وقت اور ہر آن اپنے ہنی اعمال میں مصروف رہتے ہیں، جب وہ سوچتا ہے اور اس کے ظاہری حواس بے کار ہو جاتے ہیں، اس وقت بھی ان کے فکر و نظر کا عمل جاری رہتا ہے مگر چونکہ عموماً انسان عیقین اور پر سکون نیند سوتا ہے، اس لئے جانے کے بعد اس کو اپنی حالت خواب کا احساس نہیں ہوتا لیکن بھی کبھی جب اس کی نیند مستقرق اور گہری نہیں ہوتی تو اس کو اپنی گزشتہ سیر دماغی کے مکمل یا نامکمل مناظر یاد رہ جاتے ہیں، اسی کا نام خواب ہے، یہ تو فلسفہ قدیمہ کا "فرسودہ خیال" تھا، اب جدید عہد ترقی میں سایکالوجی اور نفیضات کے علماء کا مشہور و مقبول نظریہ یہ ہے کہ ہم عالم بیداری میں اپنے جن خیالات، جذبات اور ارادوں اور تمناؤں کو جان کریا بے جانے کی سبب سے دبادیتے ہیں، عالم خواب میں جب ہمارے تعلق اور احساس کی جابرانہ حکومت ان سے انھوں جاتی ہے تو ان کو ابھرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ ہم کو خواب بن کر نظر آتے ہیں، بہر حال یہ شاید ان رؤیا کی توجیہ ہوگی جن کو "خواب پریشان" یا "اوہام دماغی" کہنا زیادہ موزوں ہے۔

عرفائے روح اس خواب پریشان یا اوہام دماغی کے مفکر نہیں ہیں لیکن رؤیا کی حقیقت ان کے نزدیک کچھ اور ہے، وہ کہتے ہیں کہ انسان جسم و روح سے عبارت ہے، روح جب تک جسم کے اندر رہے اس کی جلوہ نمائی کے دروخ ہیں، جسمانی و روحانی، اپنے جسمانی دروازہ سے وہ جھانکتی ہے تو اس کو جسم کے مادہ کی سطح پر رنگ رنگ کے نقش و نگار اور گلکاریاں نظر آتی ہیں، یہ اس کے وہ تعلقات اور لچسپیاں ہیں جو اس کے اس جسمانی و مادی عالم کے ساتھ قائم ہیں لیکن اس کے چیچے ایک دوسرا دروازہ ہے جہاں سے وہ روحاںیت کے عالم کی سیر کر سکتی ہے، جس قدر اس کا تعلق اس، دلپتگی، شیفتگی اور مشغولیت عالم جسم سے زیادہ ہوگی اسی قدر دوسرے عالم کی طرف سے فراموشی، غفلت اور بے تعلقی زیادہ ہوگی، حالت خواب میں روح کی ظاہری جسمانی مصروفیتیں چونکہ کم ہو جاتی ہیں، اس لئے اس کو دوسری کھڑکی کی طرف جھانکنے کی فرصت مل جاتی ہے اور پھر روح کو جس قدر تعلقات خارجی سے بے گانگی زیادہ ہوتی ہے شہرستان ملکوت میں اس کی سیر بہت آگے تک اور بہت دور تک اور وہاں کے تمثیلی مناظر و مشاہدات سے اس کی اطلاع اور واقعیت زیادہ صحیح اور پچی ہوتی ہے جو روحیں کہ اس عالم جسمانی کی بندشوں میں رہ کر بھی ان میں گرفتار و مقید نہیں ان کے لئے عالم بیداری بھی اکلیم روح کی گلگشت سے مانع نہیں، اسی کا نام مشاہدہ و مکاشھہ ہے۔

انبیاء ﷺ کے مقدس قالبوں میں جوار و اح طیبات ہیں وہ عالم ظاہری کی گرفتاریوں کے بعد بھی جس حد

تک آزاد اور بے تعلق رہتی ہیں وہ عام حدا نامی سے بہت آگے اور بہت بلند ہے، اسی لئے عالم مشاہدہ اور عالم روکیا دنوں میں خلاقت و اسرار کی بتیاں ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں، بیداری تو بیداری وہ سوتے بھی ہیں تو بیدار رہتے ہیں، ان کے جسم سوتے ہیں لیکن ان کی رو میں ہمیشہ جاتی رہتی ہیں:

((تَنَاهُ أَعْيُنَهُمْ وَلَا تَنَاهُ قُلُوبُهُمْ)) ﴿١﴾

”پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل ہمیشہ بیدار رہتے ہیں۔“

غافل انسان ادھر الفات نہیں کرتا، ورنہ درحقیقت نیند اور خواب کا معاملہ ایک بزر ملکوتی اور راز الہی ہے:

«وَمِنْ أَيْتِهِ مَنَامَكُمْ بِالْأَيْلَمْ وَالنَّهَارِ وَإِبْرَغَأَكُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ» ﴿٣٠﴾ (الروم: ۳۰)

”خدا کی نشانیوں میں سے (ایے انسانو!) راتوں میں اور دنوں میں تمہاری نیند ہے (اور پھر بیدار ہو کر اپنے کار و بار میں تمہارا مصروف ہونا) اور اس کی دولت کو تلاش کرنا ہے، اس میں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں، بڑی بصیرتیں ہیں۔“

موت اور نیند دنوں کم و بیش ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں، فرق اس قدر ہے کہ موت کی حالت میں جسم سے روح کو داغی مفارقت ہو جاتی ہے اور نیند میں عارضی، موت میں تمام تعلقات ظاہری کے بندوٹ جاتے ہیں اور نیند میں کچھ نہ کچھ گر ہیں باقی رہ جاتی ہیں۔ قرآن مجید نے اسی روزانہ پیش آئے والے حیرت افرا واقع مقدرت کی طرف ہم کو اس آیت میں متوجہ کیا ہے:

«أَللَّهُ يَتَوَفَّ الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتَهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا إِنَّمَا يُمْسِكُ اللَّهُنَّ قَطْنِي عَلَيْهَا الْمُوْتَ وَيُؤْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلِ مَسْكَنِي إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ» ﴿٥﴾

(الزمر: ۴۲)

”وَهُوَ اللَّهُ هُوَ جُو روحوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا، ان کو نیند میں ان کی (مصلوحت دنیاوی) کا وقت پورا کر دیتا ہے پھر جن پر موت کا فرمان جاری ہو چکتا ہے، ان کو اپنے پاس روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقت مقررہ تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے، اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔“

حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”توفی نوم ازاں قبلی است کہ شخص ازوطن مالوف خود به شوق و رغبت

صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب کان النبی ﷺ تَنَاهُ عنہ وَلَا يَنَمُ قلبہ۔ ۳۵۷۰۔

از برائے سیر و تماشا بیرون آید تا فرح و سرور حاصل کندو خرم و شادان به وطن خود باز رجوع نماید و سیرگاہ او عالم مثال است که متضمن عجائب ملک و ملکوت است۔^۱

عربی زبان میں خواب کے لئے دو لفظ ہیں، ایک حلم جس کی جمع احلام آتی ہے، اس کے معنی ”خواب و خیال“ کے ہیں یعنی محض وہم و تخيّل، دوسرا روایا یہ اس خواب کو کہتے ہیں جس میں حقیقت بینی اور مرثیاتی ہو، ان دونوں لفظوں میں ایک اور فرق یہ ہے، پہلے میں وسوسہ شیطانی کا داخل ہوتا ہے اور دوسرا اس سے پاک ہے، یہ فرق سورہ یوسف کی ان آیتوں میں صاف نظر آئے گا، عزیز مصر نے خواب دیکھا ہے، اپنے درباریوں سے اس کی تعبیر پوچھتا ہے، اہل دربار کہتے ہیں یہ محض خواب و خیال اور وہم ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُلَكُ أَفْتُونِي فِي وَعْيَايٍ إِنْ كُنْتُمْ لِلْكُوَافِرَ عَنْ عَبْرَوْنَ ۝ قَاتُوا أَهْنَاكُمْ أَحْلَامَهُ وَمَا تَحْنُنْ يَتَأْوِيلَ الْأَحْلَامِ بِغَلِيبِينَ ۝﴾ (۱۲ / یوسف: ۴۳، ۴۴)

”اے دربار یا امیرے اس خواب کے پارہ میں مجھے رائے دو، اگر خواب کی تعبیر تم پیان کر سکتے ہو، انہوں نے کہا، یہ تو محض اوهام و خیالات کا مجموعہ ہے، ان اوهام اور خیالات کی تعبیر سے ہم واقف نہیں۔“

گو عالم رویا کا ناظارہ ہر اس ہستی کو بھی بھی پیش آتا ہے جو روح سے وابستہ ہے اور جس میں کالے گورے، مومن و کافر، ثقی و سعید اور نیک و بد کی کوئی تمیز نہیں لیکن جس طرح ایک نہایت نازک اور باریک یا کسی دور سے آئے والی چیز کو بہت سی آنکھیں دیکھتی اور دیکھتی ہیں لیکن ان میں حقیقت اور رحمت کے قریب اسی کی رویت ہوتی ہے جس کی بینائی تیز، آلات باصرہ صحیح اور فہم و استنباط کی قوت لطیف ہوتی ہے، اسی طرح عالم رویا کے مشاهدات کی حقیقی اور صحیح رویت بھی انہی کے لئے ہے جن کی روح و دل کی بینائی تیز اور بصیرت کی آنکھیں روشن اور ادراک و عرفان کے حواس لطیف ہوں اور جن کے نفس کے آئینہ میں صلاح و تقوی کا صیقل زیادہ ہو:

﴿وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ آنِيَةٍ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَغْنَى﴾ (۱۷ / الاسراء: ۷۲)

”اور جو بیہاں اندھے ہیں وہ وہاں بھی اندھے ہوں گے۔“

﴿وَأَنْقُوا اللَّهَ ۖ وَيَعْلَمُمُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلَيْهِمْ ۝﴾ (۲ / البقرة: ۲۸۲)

”خدا سے تقوی کرو اور وہ تم کو علم بخشتا ہے اور خدا کو ہر چیز کا علم ہے۔“

اسی لئے دنیا کے تمام مذاہب نے رویا کو خاص اہمیت دی ہے، اسلام اور شارع اسلام نے جس طرح دین کے اور شعبوں کی تکمیل کی ہے، اس حقیقت کو بھی نہایت واضح اور روشن کر دیا ہے، قرآن مجید کی آیت ہے:

^۱ مکتبات سی و بیکم، ج ۳، ص: ۵۸۔

اللَّهُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٢﴾ (٦٤، ٦٣) / يومنٌ (١٠)

”جو ایمان لائے اور وہ مقتی ہیں، ان کے لئے اس دنیا میں بشارت ہے اور آخرت میں بھی، خدا کی یاتوں میں تبدیل نہیں یہی بڑی کامیابی سے۔“

جب یہ آئیں اتریں تو صحابہ کرام ﷺ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اس دنیا میں بشارت کیا ہے؟ فرمایا کہ ”وہ روزیاے صالح ہے جو ایک مرد مسلم دیکھتا ہے۔“ * آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”نبوت اور رسالت ختم ہو گئی لیکن صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے اور وہ مبشرات (خوشخبریاں) ہیں۔“ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا: ”مسلم کی رویائے صالح یہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔“ * بخاری، سلم * اور ترمذی کی متعدد رواياتوں میں مختلف صحابیوں سے مردی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مومن کی رویائے صالح نبوت کے چھیالیں حصول میں سے ایک حصہ ہے۔“ * اس سے زیادہ رویا کی اہمیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ نبوت کا ایک حصہ ہے لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ وہ کون سی رویا ہے، ابھی ہم اور لکھاۓ ہیں کہ عربی میں خواب کے لئے دو لفظ ہیں، حلم (خواب پریشان یا خیالات نفسانی) اور رویا، حدیث صحیح میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((الرُّؤيا مِنَ اللَّهِ وَالْحَلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ))

”روپا خدا کی طرف سے اور حلم شیطان کی طرف سے ہے۔“

آغاز مضمون میں علمائے نفس اور عرفائے روح کی تشریحات کی تفصیل ہو چکی ہے، ذیل کی حدیث سے یہ حقیقت بہت اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے، صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اصدقکم روپیا اصدقکم حديثا)) ۶۰ ”تم میں سے سب سے سچا خواب دیکھنے والا ہے جو سب سے زیادہ حق بولتا ہے۔“ حقیقت میں انسان کا ظاہر اس کے باطن کا آئینہ ہے جس کی زبان حق بولے گی اس کی روح بھی یقیناً حق دیکھے گی۔ علمائے نفسمات حدیث کے اس اک فقرہ کی گرد کشاٹی اور اے اک ماں میں کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا: "خواب تین قسم کے ہوتے ہیں ایک رویاۓ صالح یہ خدا کی طرف سے خوبخبری ہوتی ہے، دوسرا غم پیدا کرنے والا خواب یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، تیسرا وہ خواب ہوتا ہے جو انسان کی اپنے دل کی باتیں اور خیالات ہوتے ہیں۔" * اس تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ علمائے نفس اور عرفائے روح جس خواب اور رویا کی تشریح کرتے ہیں وہ اپنی اپنی حقیقت کی روح سے بالکل الگ

^١ جامع ترمذى، أبواب الرؤيا، باب ذهبت النيرة وبقيت الميسرات: ٢٢٧٥ - ٢٢٧٢ .
^٢ أيضاً: ٢٢٧٢ .

۳ مسلم، ۵۹۰۰، ۵۹۱۶ میں ۲۷۵ اور ۷۰ کے عدّہ بھی آئے ہیں "ض"۔ ۴ ترمذی: ۲۲۷۰، بخاری:

⁵ صحيح بخاري، كتاب التعبير، باب الرؤيا الصالحة جزء من ستة وأربعين مسلم: ٦٩٨٣؛ مسلم: ٥٩٠٦.

^٣ جزء من النبوة: ٦٩٨٦؛ مسلم: ٥٨٩٧ وترمذى، أبواب الرؤيا: ٢٢٧٧.

⁶ صحيح مسلم، كتاب الرؤيا: ٥٩٠؛ جامع ترمذى، أبواب الرؤيا: ٢٢٩١۔

ہیں اس عالم روایا کے تحت میں جس قسم سے بحث ہے وہ صرف پہلی قسم ہے۔ عام انسانوں اور انہیا ﷺ کی روایا میں وہی نسبت ہے جو ان دونوں کی ذات میں ہے جب عام انسانوں کی آنکھیں سوتی ہیں تو کم و بیش ان کے دل بھی سوتے رہتے ہیں۔ لیکن انہیاے کرام ﷺ کی آنکھیں جب سوتی ہیں تو بھی ان کے دل بیدار رہتے ہیں حضرت عائشہؓؑ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے بڑی دریتک تہجد کی نماز پڑھی لیکن ابھی ورنہ بیش پڑھے تھے کہ لیٹ گئے۔ حضرت عائشہؓؑ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ بے وتر پڑھے سوتے ہیں، فرمایا: ”اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں، لیکن میرا دل نہیں سوتا۔“^۱ مسراج کے ذکر میں ہے کہ آپ اس حالت میں تھے کہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں، لیکن دل بیدار تھا اور انہیا ﷺ کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار رہتے ہیں۔^۲

انہی حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر جمہور علمائے اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ انہیاے کرام ﷺ کی روایا بھی اسی قدر قطعی اور حقیقی ہے، جس قدر آپ کے عام احکام و حج اور مخاطبات الہی، حضرت ابراہیم ﷺ نے جو خواب اپنے پہلو نے بیٹھ کی قربانی کے متعلق دیکھا، اس کے حکم الہی ہونے میں انہیں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوا اور انہوں نے اس کی تقلیل ویسی ہی ضروری تکمیلی میں اس حکم کی جو عالم بیداری میں انہیں خدا کی طرف سے ملتا۔ دوسرے شفیروں کے حالات میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ ان کو اپنی روایا کی صحت و صداقت اور واجب العمل ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہا خود آنحضرت ﷺ کے سوانح مبارک میں یہ احوال بہ کثرت پیش آئے ہیں اور اس عالم میں جو احکام اور علوم آپ کو دیے گئے ہیں وہ بھی اسی طرح قطعی ہیں جس طرح وہ احکام اور علوم جو دوستی کے دوسرے طریقوں سے آپ کو مرحمت ہوئے۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت ابن عباسؓؑ کا قول ہے کہ (رویا الانبیاء و حی) ”انہیا کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔“^۳

اوپر اشارہ گزر چکا ہے کہ بعض علمائے اسلام اور اصحاب کشف و عرفان عالم غیر اور عالم ملکوت اور اس عالم شہادت اور عالم جسمانیات کے، میان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں جس کا نام انہوں نے عالم بزرخ (درمیانی مقام) اور عالم مثال رکھا ہے، چنانچہ عالم امیں امام خطاہ، امام غزالی، علامہ سیوطی، شاہ ولی اللہ صاحب اور صوفیہ میں حضرت امام ربانی اور تمام حضرات مجددیہ اس عالم کے قائل ہیں شاہ صاحب نے جمیعت اللہ البالغین اس کا ایک خاص باب باندھا ہے^۴ جس میں متعدد احادیث سے علامہ سیوطی اور امام غزالی کی تحریروں سے اس عالم کا ثبوت ہے، پہنچایا ہے عالم مثال ان کے نزدیک گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود و نہریا شیشہ ہے جس میں عالم شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار یا جسم نہیں ہیں، مثلاً: صفات، اعراض، نیکی و بدی، ایمان و علم، وغیرہ وہاں اپنی مناسب و موزوں

^۱ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ: ۱۷۲۳۔

^۲ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب کان النبی ﷺ تنا نام عینه: ۳۵۷۰۔

^۳ ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عمر فاروق: ۳۶۸۹۔

^۴ حجۃ اللہ البالغة، جزء اول، ص: ۱۰۔

شکلوں میں جاندار اور جسم ہو کر نظر آتی ہیں، نیکی ایک حسین و جمیل کی شکل میں، بدی ایک کریبہ المنظر صورت میں، ایمان آفتا ب بن کر علم دریا کے رنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے، اسی طرح عالم غیب کی چیزیں، جنت، دوزخ، ملائکہ وغیرہ اسی نہر و آئینہ میں منعکس ہو کر اس عالم شہادت کے لوگوں کو نظر آتی ہیں اور جس طرح تصویر کی شبیہ اور نہر و آئینہ کے عکس میں اور اصل جسمانی شکلوں میں کامل مشابہت اور مثالثت ہوتی ہے اسی طرح عالم غیب کی اشیاء اور عالم مثال

کی شبیہوں اور تصویروں میں پوری مثالثت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔

بہر حال اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیح میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریع اس عالم میں بخوبی کی جاسکتی ہے، انھیں اور قرآن مجید دونوں میں ہے کہ جبریل حضرت عیسیٰ ﷺ کی پیدائش کی بشارت لے کر آئے:

﴿فَمَكَلَ لَهَا بَكْرًا سَوِيًّا﴾ (۱۹ / مریم)

”مریم کے سامنے ایک پورے انسان کی مثال بن کر آئے۔“

احادیث میں ہے کہ ایک دفعہ نماز کی حالت میں آپ ﷺ کے سامنے جنت اور دوزخ کی صورتیں جلوہ گر کی گئیں، اس موقع پر مختلف صحابیوں نے اس مفہوم کو حسب ذیل مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((انه صورت لى الجنة والنار حتى رأيتهما دون الحافظ)) ❶

”میرے لئے جنت اور دوزخ مصور کی گئی یا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی صورت پیش کی گئی یہاں تک کہ میں نے ان کو اس دیوار کے پاس دیکھا۔“

((لقد رأيت الان منذ صليت لكم الصلوة الجنة والنار ممثلتين في قبلة هذا الجدار)) ❷

”میں نے ابھی جب تم کو نماز پڑھا رہا تھا جنت اور دوزخ کو اس دیوار کے رخ میں مثل دیکھا یا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی مثال پیش کی گئی۔“

((إني رأيت الجنة..... ورأيت النار)) ❸

”میں نے جنت کو دیکھا اور دوزخ مجھے بھی دکھائی گئی۔“

((فعرضت على الجنة..... وعرضت على النار)) ❹

❶ صحیح بخاری، کتاب الفتنه، باب التعوذ من الفتنه: ۷۰۸۹۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب رفع البصر الى السماء في الصلوة: ۷۴۹۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الكسوف، باب صلوٰة الكسوف جماعة: ۱۰۵۲۔

❹ صحیح مسلم، کتاب صلوٰة الكسوف، باب ما عرض على النبي ﷺ: ۲۱۰۰۔

”مجھ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئی۔“

((الْقَدْ جَيَءَ بِالنَّارِ ثُمَّ جَيَءَ بِالجَنَّةِ)) ﴿۲﴾

”میرے پاس جنت اور دوزخ لائی گئی۔“

((اطلعت فی الجنة واطلعت فی النار)) ﴿۳﴾

”میں جنت اور دوزخ میں جانکلا۔“

ایک ہی مفہوم کو مختلف راویوں نے ان مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے لیکن ہم سب کو معلوم ہے کہ الفاظ کی اختیاط بھی جس قدر امام بخاری کے ہاں ہے کسی اور کے ہاں نہیں اس نے امام بخاری کے الفاظ تصویر اور تمثیل یا صورت اور امثال یا امام مسلم کے الفاظ لا یا جانا اور پیش کیا جانا پر ذرا تامل درکار ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زبان اس درجہ اداے مطلب میں قاصر ہے کہ وہ اپنے الفاظ سے عالم محسوس کی کیفیتوں کی بھی پرده دری نہیں کر سکتی پھر اس سے یہ موقع کس قدر بے جا ہے، کہ غیر محسوس عالم کی کیفیتوں کو وہ کبھی الفاظ کا جامد پہنچا سکتی ہے جو ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ صحیح مستند اور محفوظ ذریعہ سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے، وہ دوسروں تک پہنچادیں۔ وہی نبوی ﷺ کا آغاز رذیائے صالح سے ہوا آپ ﷺ کو چیزیں رویا میں دکھائی جاتی تھیں اور وہ سپیدہ صحیح کی طرح ٹھیک ٹھیک پوری ارتقی تھیں۔ ﴿۴﴾

معمول تھا کہ صحیح کی نماز کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منہ کر کے آپ ﷺ جائے نماز پر بیٹھے رہتے اور ان سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ لوگ بیان کرتے اور اگر وہ رویائے صالح ہوتی تو آپ ﷺ اس کی تعبیر کرتے اگر وہ خواب دخیال ہوتا تو کہہ دیتے کہ یہ محس خواب دخیال ہے، اسی اثنامیں اس شب میں اگر خود آنحضرت ﷺ کو کوئی رویا دکھائی گئی ہوتی تو آپ ﷺ اس کو سناتے۔ ﴿۵﴾

آنحضرت ﷺ کی جس قدر رویا احادیث میں مذکور ہیں، ان کی دو فسیں ہیں، ایک وہ ہیں جو تمثیلی رنگ میں دکھائی گئی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کی تعبیر و تشریح خود اپنی زبان مبارک سے کر دی ہے، دوسری وہ رویا ہیں جو بعینہ واقعہ اور حقیقت ہیں اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان کو بیان کرتے وقت ان کی تاویل و تشریح نہیں کی، اس کی بھی دو فسیں ہیں، ایک وہ جس میں بعض اوقات دنیا کے متعلق پیشین گوئی اور اخبار غیب ہے، دوسری وہ جس میں احوال آخوند اور اسرار غیب کا اظہار ہے، ذیل میں ہم بر قلم کے واقعات کو الگ الگ عنوانوں کے تحت میں بیان کرتے ہیں۔

﴿۱﴾ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب ما عرض على النبی ﷺ: ۲۱۰۲۔ ﴿۲﴾ صحیح بخاری، کتاب

الرقاق، باب صفة الجنۃ: ۶۵۶۔ ﴿۳﴾ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ۲؛ کتاب التعبیر: ۶۹۸۲؛ صحیح

مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی: ۴۰۳۔ ﴿۴﴾ صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب تعبیر الرؤیا بعد

صلوٰۃ الصیح: ۷۰؛ مسلم، کتاب الرؤیا: ۱، ۵۹۳۷، ترمذی، ابواب الرؤیا: ۲۲۹۴۔

رویائے تمثیل

ابھی آپ ﷺ مکہ معظمه میں تھے، اسلام پر سختی اور مصیبت کے دن تھے، صدائے حق پر بلیک کہنے والوں کی تعداد کم تھی کہ آپ کو عالم رویا میں دکھایا گیا کہ آپ اپنی جماعت کے ساتھ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ان طالب کی ترویازہ سمجھو رہیں لا کر آپ کو اور آپ کے رفقاء کو دی گئی ہیں، آپ نے اس کی تعبیریہ کی کہ دنیا میں مسلمانوں کی ترقی اور آخوند میں عاقبت بخیر ہو گی اور ان کا نامہ بھلے اور پھولے گا۔

ابھی آپ ﷺ نے بھرت نہیں کی تھی لیکن بھرت کا زمانہ قریب تھا کہ آپ کو بھرت اور بھرت کے بعد کے تمام اہم واقعات رویا میں دکھائے گئے، آپ نے فرمایا کہ "میں نے دیکھا کہ میری بھرت کی سرز میں چھوہاروں کا با غستاں ہے، میرا خیال تھا کہ یہ یمامہ یا بھر کا شہر ہو گا لیکن وہ شہر پر بکھلا۔" اسی خواب میں نظر آیا کہ میرے ہاتھ میں توار ہے، میں نے اس کو ہلایا تو وہ ٹوٹ گئی۔ یہ احمد کی شکست کی طرف اشارہ تھا، پھر میں نے اس کو ہلایا تو وہ ایک نہایت عمدہ توار ہو گئی۔ یہ اس واقعہ کی تمثیل تھی کہ احمد کے بعد اللہ تعالیٰ فتح کا میابی اور مسلمانوں کا اجتماع نصیب کرے گا۔ میں نے اسی خواب میں گائے کوڑج ہوتے دیکھا۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو احمد میں شہید ہوئے اس کے بعد بھلائی دیکھی یہ وہ بھلائی ہے جو اسلام کو نصیب ہوئی۔"

مسلمانوں نے جب مدینہ کو بھرت کی ہے تو یہاں کی آب و ہواں کے موافق نہ تھی وہاں پہنچنی تھی، مہاجرین میں اضطراب ساتھا، آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک کالی سیاہ عورت جس کے سر کے بال الجھے اور پریشان ہیں وہ مدینہ سے نکل کر جھٹ کی طرف جا رہی ہے، اس کی تعبیر یہ ارشاد فرمائی کہ مدینہ کی وبا جھٹہ میں منتقل کر دی گئی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدینہ منورہ اس سے پاک ہو گیا۔

ایک دفعہ رویا میں آپ کو دکھایا گیا کہ آپ کے دونوں ہاتھ میں سونے کا ایک ایک لگن ہے، اس سے آپ کو تکلیف ہوئی حکم ہوا کہ ان کو پھونک دو، آپ نے پھونکا تو دونوں لگن ہاتھوں سے علیحدہ ہو کر اڑ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے اس کی تعبیریہ کی کہ یہ بوت کے دو جھوٹے مدی ہیں (مسیلم اور اسود عنسی) جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔"

آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ کے سامنے دو دھکا پیالا لایا گیا، آپ نے اس کو اس قدر سیر ہو کر پیا کہ انگلیوں سے دو دھ بہنے لگا، پیالہ کا بچا ہوا دو دھ آپ ﷺ نے حضرت عمر بن الخطاب کو عطا فرمایا۔ آپ نے لوگوں

صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب رؤیا النبی ﷺ: ۵۹۳۲۔ صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب رؤیا النبی ﷺ: ۵۹۳۴۔

صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب اذا رأى انه اخرج الشيء: ۷۰۳۸، باب المرأة السوداء: ۷۰۳۹؛ ترمذی، ابواب الرؤیا، باب ما جاء في رؤیا النبی ﷺ: ۲۲۹۰۔

صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب اذا طار الشيء في المنام: ۷۰۳۴؛ صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب رؤیا النبی ﷺ: ۵۹۳۶؛ ترمذی، ابواب الرؤیا، باب رؤیا النبی ﷺ: ۲۲۹۲۔

سے جب یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے دریافت کیا، یا رسول اللہ ﷺ اس کی تعبیر آپ نے کیا کی؟ فرمایا: ”علم“، اسی طرح آپ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا: ”آج شب کو جب میں سویا تھا، میرے سامنے کچھ لوگ پیش کئے گئے، ان میں سے کسی کے بدن پر کرتہ سینہ تک تھا، کسی کے اس سے یقچے تک عمر ﷺ جب سامنے آئے تو ان کے جسم پر کرتہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے دامن زمین پر لوث رہے تھے۔“ سنن والوں نے پوچھا، یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی فرمایا: ”دین۔“ ایک شب میں آپ کو ذات محمدی ﷺ پر ختم نبوت اور تمثیل دین کی تمثیل دکھائی گئی، آنکھیں خواب آلوہ تھیں لیکن قلب اقدس بیدار تھا، کچھ فرشتے اتر کر آپ کے پاس آ کر بیٹھئے اور آپس میں ایک دوسرے سے بولے کہ ”اس پیغمبر کی کوئی تمثیل بیان کرو، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی آقا ہو، اس نے ایک محل تیار کیا اور اس میں دستِ خوان بچھایا اور لوگوں کو کھانے کی دعوت دی، اب جس نے اس کی بات کو قبول کیا، وہ آیا اور کھا پی کر سیر ہوا اور جو نہیں آیا اس کو اس نے سزا دی“ بیدار ہو کر آپ ﷺ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”وہ آقا تو خدا ہے، جنت اس کا محل ہے جس نے اس کی دعوت کو قبول کیا وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے انکار کیا اس کو اس نے عذاب دیا۔“

ایک دفعہ آپ ﷺ کو یہ دکھایا گیا کہ آپ ایک کنویں کے اندارے پر کھڑے ہیں، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے دیکھا کہ میں حوض کو شرپ کھڑا ہوں، اردوگر لوگوں کا جماوا ہے، آپ ڈول سے پانی کھینچ کھینچ کر ان کو پلا رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ”اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابو مکر آئے اور انہوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے کر مجھے سکدوش کر دیا اور پھر وہ پانی کھینچ کھینچ کر پلانے لگے مگر خدا ان پر رحم کرے، ذرا کھینچ میں کمزوری معلوم ہوتی تھی، اس کے بعد عمر آئے تو ڈول بڑھ کر بڑا ہو گیا اور عمر نے اس قوت اور تیزی سے پانی کھینچا کہ حوض کناروں تک پر ہو گیا اور لوگ پی کر سیراب ہو گئے۔“ یہ خواب اتنا واضح تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی تعبیر کی ضرورت نہیں سمجھی، کون نہیں سمجھا کہ ڈول اور پانی کھینچنے سے مراد خلافت اور خدمتِ خلق کی بجا آوری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان چند سعید لوگوں میں ہیں جن کو اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی جا چکی تھی

* صحيح بخاري، كتاب التعبير، باب اللين: ٧٠٦، باب اذا اعطي فضلته غيره في النوم: ٢٧، باب القدح في النوم: ٢٠٣؛ ترمذى، أبواب الرؤيا: ٢٢٨٤.

* صحيح بخاري، كتاب التعبير، باب القميص في المنام: ٧٠٨؛ جامع ترمذى، أبواب الروايا: ٢٢٨٥.

* جامع ترمذى، أبواب الأمثال، باب ما جاء في مثل الله عزوجل لعباده: ٢٢٦١.

* صحيح بخاري، كتاب التعبير، باب نزع الذنوب والذنبين: ٧٠٢١، ٧٠٢٠؛ صحيح مسلم، باب من فضائل عمر: ٦١٩؛ ترمذى، أبواب الروايا، باب ما جاء في رؤيا النبي ﷺ في الميزان والدلل: ٢٢٨٩.

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”رات میں نے دیکھا کہ میں جنت میں ہوں، سامنے ایک محل ہے اور ایک عورت اس میں بیٹھی وضو کر رہی ہے، میں نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے، جواب دینے والے نے جواب دیا کہ یہ عمر کا مسکن ہے، میں نے چاہا کہ اندر جاؤں مگر عمر کی غیرت یاد آئی توالتا پھر گیا۔“ حضرت عمر بن عزوزؓ سن کر روپڑے اور کہا، یا رسول اللہؐ میں آپ سے غیرت کرتا؟ ॥ ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت بلاں بن عزوزؓ سے پوچھا کہ ”اے بلاں! تم کون سا ایسا نیک عمل کرتے ہو کہ میں جب جنت میں گیا تو تمہارے جوتوں کے چاپ کی آواز سنی۔“ عرض کی، یا رسول اللہؐ ! میں ہمیشہ باوضور ہتا ہوں اور جب نیا وضو کرتا ہوں دور کعت نماز پڑھ لیتا ہوں۔ ॥

ورقد بن نوبل کا نام آغاز وحی کے ضمن میں ابھی گزر چکا ہے، یہ حضرت خدیجہ ؓ کے رشتہ دار تھے اور اسلام سے پہلے سچے عیسائی ہو گئے تھے، جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ سے نزول جبریل علیہ السلام کا عال سنا تو انہوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور کہا کہ ”اگر زندہ رہا تو اس وقت جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی میں آپ کی پوری مدد کروں گا۔“ حضرت خدیجہ ؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ ! ورقہ جنت میں گئے یادوؤخ میں، انہوں نے تو آپ کی تصدیق کی تھی، لیکن آپ کے ظہور سے پہلے مر گئے۔ فرمایا: ”مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے کہ وہ پسید کپڑے پہنے ہیں اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ان کے جسم پر یہ لباس نہ ہوتا۔“ ॥

ایک شب کو جب آپ ﷺ مصروف نماز تھے جمال اللہی بے ناقاب ہو کر سامنے آگیا، صحیفین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ صحن کی نماز کے لئے آپ دری کو برآمد ہوئے، نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہیں، پھر فرمایا: ”آن شب کو جب میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی میرے لئے مقدر تھیں تو نماز ہی کے اندر میں اونٹھ گیا، میں نے دیکھا کہ جمال اللہی بے پردہ میرے سامنے ہے، خطاب ہوا یا محمد ﷺ ! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں، عرض کی، نہیں اے میرے رب امیں نہیں جانتا۔ اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے سچ میں میری پیٹھ پر رکھا، جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی اور آسان دمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں، سوال ہوا، یا محمد اتم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں، عرض کی، ہاں ! اے میرے رب ان اعمال کی نسبت

صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب التصریف المتن: ۲۳۰۷، صحیح مسلم، باب من فضائل عمر: ۱۹۶۲؛ ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عمر: ۳۶۸۸، ۳۶۸۹۔

بخاری، کتاب التهجد، باب فضل الطہور بالليل والنیام: ۱۴۱؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل بلاں: ۶۲۴؛ ترمذی، ابواب المناقب: ۳۶۸۹۔

جامع ترمذی، ابواب الرؤیا، باب ماجاء فی رؤیا السبیط: ۲۲۸۸۔

گفتگو کر رہے ہیں جو گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ پوچھا: وہ کیا ہیں؟ عرض کی: نماز باجماعت کی شرکت کے لئے قدم اٹھانا، نماز کے بعد مسجد میں تھہرنا اور ناگواری کے باوجود اچھی طرح و خوب کرنا جو ایسا کرے گا اس کی زندگی اور صوت دونوں بخیر ہوں گی، وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہو جائے گا جیسا اس دن تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ پھر سوال ہوا کہ یا محمد اور جات کیا ہیں؟ گزارش کی، کھانا کھلانا، نرمی سے باشیں کرنا، جب دنیا سوتی ہو تو انھوں کرنماز پڑھنا۔ پھر حکم ہوا کہ اے محمد! مجھ سے مانگو، میں نے عرض کی، خداوند میں نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے اور غریبوں سے محبت کرنے کی توفیق چاہتا ہوں، میری مغفرت کر، مجھ پر رحم فرماء، جب کسی قوم کو تو آزمانا چاہے تو مجھے بے آزمائے اٹھالیزا، میں تیری محبت کا اور جو تمھے سے محبت رکھے اس کی محبت کا اور جو عمل مجھ کو تیری محبت کے قریب کر دے اس کی محبت کا خواستگار ہوں۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا: ”یہ جو کچھ تھا حق تھا اور اس کو پڑھا کرو۔“ *

آثار قیامت کے بعض واقعات بھی اسی عالم میں آپ پر پیش کئے گئے، آپ نے صحابہ کے مجمع میں ایک دن فرمایا: ”رات مجھے ایک رویدا دکھائی گئی، میں نے دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں، اسی اثناء میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا رنگ گندم گوں تھا، بہتر سے بہتر گندم گوں آدمی جو تم نے دیکھا ہو، اس کے گیسو پڑے ہوئے تھے، بہتر سے بہتر گیسو جو تم نے دیکھے ہوں، لکھنگی سے بال درست کئے تھے اور ان سے پانی کے قطرے پیک رہے تھے داؤ دمیوں کے لندھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ طواف کر رہا تھا میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملائیں این مریم ﷺ میں ادھر دیکھنے کو مراثوں کے پیچھے ایک اور آدمی نظر آیا سرخ رنگ، موٹا، بھدا، بالوں میں بہت گھوٹکھر پڑے ہوئے ایک آنکھ سے کانا آکھ ایسی معلوم ہوتی تھی گویا کہ ابھرا ہوا انگور ہے میں نے پوچھا، یہ کون ہے؟ معلوم ہوا دجال ہے۔“ *

ام المؤمنین نسب بنت جوش ﷺ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ سونے سے جاگ اٹھے چہرہ مبارک سرخ تھا اور زبان پر یہ کلمات تھے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ! أَفْسُوسٌ هُوَ عَرَبٌ بِإِرَبٍ نَزَدَ يَكْ آنگی، یا جوج ما جوج کی دیوار میں آج اتنا سوراخ ہو گیا۔“ *

حضرت جبریل ﷺ اور دوسرے فرشتے جس طرح آپ کے عام مشاہدہ میں آتے تھے اسی طرح اس عالم رویا میں حاضر ہوتے تھے حضرت سره بن جنبد ﷺ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نے فرمایا: ”آج شب کو

* یہ روایت جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة ص: ۳۲۳۵ و مسنون احمد، ج ۵، ص: ۲۴۳ مذکور ہے، ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

۱) صحيح بخاری، کتاب التعبیر، باب الطواف بالکعبۃ فی الننام: ۷۰۲۶ و صحيح مسلم، باب ذکر المیسیح الدجال: ۴۲۹ تا ۴۲۵۔ ۲) صحيح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ: ویل للمرء من شر قد اقترب: ۷۰۵۹ و صحيح مسلم، باب اشراط الساعة: ۷۲۳۵۔

میں نے خواب میں دو شخص دیکھے جو مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ دوزخ کی آگ کو جو جلاتا ہے وہ مالک دار و نہ دوزخ ہے میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں۔ ۱

نقارہ جمال الہی کے بعد اس عالم کا سب سے بڑا مشاہدہ وہ تھا جس میں آپ ﷺ کو دوزخ کے مہیب و ہولناک مناظر اور بہشت کی بعض لکش اور سرت افزا جلوہ آرائیاں دکھائی گئیں، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد آپ ہم لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے تھے اور پھر دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے، بہر حال حسب معمول آج بھی آپ نے دریافت فرمایا، ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ ﷺ ارشاد ہوا: "آج شب کو مجھے رویا میں یہ نظر آیا کہ دو آنے والے میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے اٹھایا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک مقدس سرز میں میں لے گئے، میں نے دیکھا کہ ایک آدمی پڑا ہے، دوسرا شخص ایک بڑا پتھر ہاتھ میں لئے اس کے پاس کھڑا ہے، وہ زور سے پتھر اس کے سر پر مارتا ہے جس سے اس کا سر چور چور ہو جاتا ہے اور پتھر لڑھنے لگتا ہے، وہ دوڑ کر پتھر اٹھاتا ہے تو اس کا سر پھر درست ہو جاتا ہے، وہ پھر آ کر اسی طرح مارتا ہے اور سر کے پر خچے اڑ جاتے ہیں، میں نے پوچھا: سبحان اللہ! یہ کیا ہے؟ میرے ساتھیوں نے کہا آگے چلو، آگے چلو میں آگے چلا تو دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہے دوسرا شخص کے ہاتھ میں لو ہے کا آنکھ رکھا ہے، وہ ایک طرف اس کے منہ میں آنکھ رکھا اس کو کھینچتا ہے تو باخوبیں پھٹ کر گدی سے مل جاتی ہیں پھر آنکھ میں پھر نہیں میں آنکھ رکھا اس کو کھینچتا ہے اور چیڑا لتا ہے اور ہر سے فرست کر کے دوسرا جانب جاتا ہے اور ادھر کے بھی جزرے اور آنکھ اور نہیں کو اسی آنکھ سے سیچھے تک چیڑا لتا ہے، اسی اثنامیں پہلی طرف کے سب زخم بھر آتے ہیں اور پھر آ کر وہ ان کو چیڑا ہے تو دوسرا طرف کے بھر جاتے ہیں، میں نے کہا: سبحان اللہ! یہ کیا ہے؟ جواب ملا آگے چلو آگے چلو میں اور آگے بڑھا تو دیکھا ایک تنور ہے اس میں آگ روشن ہے پکھ مرد اور عورتیں اس میں نگزے ڈالے گئے ہیں، جب نیچے سے آگ کا شعلہ اٹھتا ہے تو چیختے ہیں چلا تے ہیں، تھوڑی دری میں وہ آگ دب جاتی ہے اور پھر بلند ہوتی ہے اور پھر وہ چیختے ہیں اور چلا تے ہیں، میں نے کہا: سبحان اللہ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے پھر آگے بڑھنے کو کہا، اب آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک خون کی سرخ ندی ہے، اس میں ایک آدمی تیر رہا ہے اور کنارے پر ایک شخص پتھر لئے کھڑا ہے وہ آدمی چاہتا ہے کہ تیر کر کنارے لگ جائے مگر جب وہ قریب آتا ہے وہ شخص پتھر اس زور سے تاک کر مارتا ہے کہ وہ اس کے منہ میں جا کر لگتا ہے اور حلق سے نیچے اتر جاتا ہے، وہ آدمی ہٹ کر پھر جہاں تھا وہی پہنچ جاتا ہے اور پھر وہ کنارے پر آنے کا قصد کرتا ہے کہ پھر اسی طرح پتھر آ کر اس پر پڑتا ہے، میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: آگے چلو، آگے چلو میں اور آگے چلا تو ایک شخص نظر آیا کہ یہ منظر آدمی جو تم نے دیکھا ہو وہ اس سے بھی زیادہ کر یہہ منظر تھا

۱ بخاری، بده الخلق، باب ذکر الملائکۃ: ۳۲۲۶۔

آگ اس کے سامنے دیکھ رہی تھی اور وہ اس کو اور دہکارا تھا اور اس کے چاروں طرف پھر رہا تھا میں نے اپنے ساتھیوں سے پھر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے آگے بڑھنے کو کہا: میں آگے بڑھا تو ایک ہر ابھر اگنجان باغ نظر آیا جس میں نوبہار کے رنگ برنگ پھول کھلے ہوئے تھے، باغ کے بیچ میں ایک نہایت ہی خوبصورت عمارت دکھائی دی کہ میں نے ویسی کبھی نہیں دیکھی تھی، اس میں بنج بوڑھے، جوان، عورت، مرد ہر طرف آگے نظر آئے، آگے بڑھا تو ایک اور عمارت جو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت تھی نظر آئی اس میں بھی کچھ لوگ مختلف سن و سال کے دکھائی دیے، ایک باغ میں ایک درخت کے پاس ایک دراز قد انسان دیکھا جس کا سر اتنا اوپا تھا کہ آسمان تک پہنچ گیا تھا اور مجھے نظر نہیں آتا تھا، اس انسان کے چاروں طرف اتنے بنچے نظر آئے کہ میں نے اتنے نہیں دیکھے تھے میں نے اپنے ہمراہیوں سے پھر سوال کیا مگر انہوں نے اور آگے بڑھا دیا تو ایک بہت بڑے باغ کے قریب جس سے زیادہ بڑا اور زیادہ خوبصورت باغ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا پہنچا، اندر گیا تو ایک شہر نظر آیا جس کی چاروں یواری ایک ایک سونے اور ایک ایک چاندی کی اینٹوں سے تعمیر ہوئی تھی دروازہ کے پاس پہنچ کر دروازہ کھلوایا دروازہ کھلا اور ہم اس کے اندر داخل ہوئے تو وہاں ہم کو ایسے لوگ نظر آئے جن کا آدھا دھڑ تو نہایت خوبصورت تھا اور آدھا دھڑ نہایت بد صورت میرے ہمراہیوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اس نہر میں غوطے لگاؤنا گا ایک نہایت صاف و شفاف نہر نظر پڑی وہ گئے اور جا کر اس میں غوطے لگائے غوطے لگا کر باہر آئے تو ان کی بد صورتی جاتی رہی اور وہ نہایت خوبصورت ہو گئے ساتھیوں نے کہا: یہ شہر جنت عدن ہے اور آپ کی منزل وہ ہے میری نگاہ اور پرانی تو ایک محل سپید بادل کی طرح دکھائی دیا میں نے کہا: خدا تمہارا بھلا کرے مجھے وہاں جانے دو انہوں نے جواب دیا کہ بھی نہیں مگر آپ وہاں یقیناً جائیں گے پھر میں نے کہا کہ آج رات کو میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں۔ بتاؤ یہ کیا تھیں انہوں نے کہا ہم آپ کو سب بتا دیں گے۔ پہلا آدمی جس کا سر پتھر سے توڑا جا رہا تھا وہ تھا جو قرآن پڑھ کر پھر اس کو چھوڑ دیتا ہے اور فرض نماز سے غافل ہو کر سوچاتا ہے اور وہ شخص جس کی آنکھ ناک اور منہ چیرا جا رہا تھا وہ تھا جو جھوٹ بولتا ہے، تنور میں جو عورت مرد ننگے بدن نظر آئے وہ زنا کار ہیں خون کے دریا میں جو غوطے لگا رہا تھا اور پتھر نگل رہا تھا وہ سود خور ہے (کہ وہ لوگوں کا خون چوس کر حرام کھاتا تھا) کر یہہ مفترض شخص جو آگ دہکارا تھا دوزخ کا دار و نغم مالک تھا باغ میں جو دراز قد انسان اور اس کے چاروں طرف بنچے نظر آتے تھے وہ ابرا یہم علیلہ تھے اور یہ بنچے وہ کم سن تھے جو دین فطرت پر مرتے۔ ”یہاں پر حاضرین مسجد میں سے ایک مسلمان نے آنحضرت ﷺ کو ٹوک کر کہا: ”یا رسول اللہ! اور مشرکین کے بنچے؟ فرمایا: ”اور وہ بھی۔“ (کیونکہ وہ ہوش میں آنے سے پہلے دین فطرت ہی پر مرتے) پھر مسلمانہ نگتو آگے بڑھا اور فرمایا: ”اور فرشتوں نے بتایا کہ یہی عمارت جس میں ہر عمر کے لوگ تھے عام اہل ایمان کا مسکن ہے اور دوسری عمارت جو اس سے بہتر تھی اور جس میں ہر سن و سال کے

کچھ آدمی ملے وہ شہیدوں کا مقام ہے اور یہ لوگ جن کا آدھا دھر خوبصورت اور آدھا بد صورت تھا وہ تھے جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ برے اعمال بھی کئے خدا نے ان سے درگز رکیا۔ ﴿

❶ صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب تعبیر الرؤیا بعد صلوٰۃ الصبح: ۴۷ و کتاب الجنائز: ۱۳۸۶۔

مشاهدات و مسموعات

عالم بیداری

﴿أَفَمِنْهُنَّ عَلَىٰ مَا يَيْسَرُونَ﴾ (النجم: ٥٣)

”پیغمبر جو کچھ دیکھتا ہے کیا اس پر تم اس سے جھگڑتے ہو؟“

انبیاء ﷺ کے حواس عام اصناف انسانی کے حواس سے زیادہ لطیف ہوتے ہیں یا ہمارے حواس کے ماسوا ان کے کچھ اور بھی حواس ہوتے ہیں، جن سے عام انسان اسی طرح بیگانہ ہیں جس طرح ماوراء دنابینا ایک تیز نگاہ فوجان کی قوت پینائی اور لطف نظر سے نا آشنا ہے۔

مشاهداتِ نبوی ﷺ عام مادی و اقطاعات نہیں جن کی روایت صحابہ کرام ﷺ خود اپنے علم یا رؤیت یا سماعت سے کر سکتے، بلکہ وہ ان واقعات سے اسی قدر جان سکتے تھے، جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے کبھی کبھی ظاہر فرمایا، اس لئے روایاتِ حدیث میں مشاهداتِ نبوی ﷺ کا احاطہ نہیں ہو سکا ہے اور نہ عام امت کے عمل دین کے لئے ان کیفیات مافوق کا علم ضروری ہے، بہر حال لفظ و عبارت کے حدود میں جہاں تک ممکن ہے ہم ان کے احاطہ کی کوشش کرتے ہیں۔

مشاهداتِ نبوی ﷺ کی فہرست میں سب سے پہلی چیز روح القدس یا روح الامین یا جریل نامی فرشتہ کی رؤیت ہے، جو سب سے پہلے غارہ میں نظر آیا اور اس کے بعد کچھ زمانہ تک وہ آپ کی نگاہ سے اچھل رہا ۱ اور آنحضرت ﷺ کو اس کی وجہ سے تکلیف رہی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مکہ میں آپ کے چند سال ایسے گزرے کہ آپ کو صرف غیب کی آوازیں سنائی اور روشنی دکھائی دیتی تھی اور کوئی چیز آپ کو نظر نہیں آتی تھی۔ ۲ غالباً یہی فتوۃ الوجه کا زمانہ ہے، یہ زمانہ ختم ہو گیا تو آپ نے ایک دن آواز سنی، نظر اٹھا کر دیکھا تو آسان و زیمن کے بیچ ایک کرسی پر وہی فرشتہ بیٹھا ہو انظر آیا، ۳ مگر عموماً وہ کسی نہ کسی شکل میں نظر آتا، صحیح روایتوں میں ہے کہ جریل صرف دو دفعہ اپنی اصلی صورت میں آپ کو نظر آئے، آپ نے اس وقت دیکھا کہ ان کے جسم پر چھ سو پر ہیں اور ان کے دونوں بازوؤں نے افق کو گھیر لیا ہے ۴ جریل کے علاوہ دوسرے فرشتگان الہی بھی بارگاہ نبوت میں آیا کرتے تھے، جس کی تفصیل نزول ملائکہ کے عنوان میں گزر چکی ہے۔

فرشتگوں کے مقابل دوسری ہستی شیطان کی ہے، یہ قوت شر ہے، جس سے کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا،

۱ صحیح بخاری: ۳، ۴ و مسلم باب بدء الوضی: ۴۰۹ تا ۴۰۳۔ ۲ صحیح مسلم، کتاب الفضائل،

باب کم اقام النبي ﷺ بمکہ: ۶۱۰، ۶۱۴۔ ۳ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوضی: ۴۰۶۔

۴ صحیح بخاری، باب الخلق: ۳۲۲۲، ۳۲۳۳ و کتاب التفسیر، سورہ والنجم: ۴۸۵ تا ۵۸۵؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء: ۴۳۴۔

سب سے پہلے اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی آزمائش ہوئی اور خدا نے یہ تجھے ظاہر کیا:

﴿كَمْ أَجْدَلَهُ عَزْمًا﴾ (۱۱۵/ طہ: ۲۰) ”ہم نے آدم میں استقلال نہیں پایا۔“

سفر ایوب اور قرآن میں ہے کہ اس سے حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش ہوئی اور وہ اس امتحان میں پورے اترے۔ انخلیل میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی شیطان سے آزمائے گئے اور انہوں نے کامیابی سے اس میدان کو سر کیا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے۔“ پوچھنے والے نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا: ”ہاں لیکنہ اسلام لیکن وہ مسلمان ہو گیا ہے یا مطبع ہو گیا ہے، ایک دفعہ کا واقعہ ارشاد فرمایا: ”میں نماز پڑھ رہا تھا کہ شیطان مجھے چھیڑنے لگا اور میری نماز توڑنے لگا تو خدا نے مجھے اس پر غلبہ عطا کیا۔“ *

جنت و دوزخ گو اور عالم کی چیزیں ہیں لیکن نگاہوں سے پردہ اٹھ جائے تو سامنے آ جائیں، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ سورج گر ہن ہوا، آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز کو کھڑے ہوئے اور بہت دیر تک قراءت، رکوع اور سجدہ میں مصروف رہے، اسی اثناء میں صحابہ نے دیکھا کہ آپ نے ایک بارہاتھ آگ کو بڑھایا، پھر دیکھا کہ آپ کسی قدر پیچھے ہیں، نماز کے بعد لوگوں نے دریافت کیا، تو فرمایا: ”اس وقت میرے سامنے وہ تمام چیزیں پیش کی گئیں، جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، جنت اور دوزخ کی تتمیل اسی دیوار کے پاس دکھائی گئی، میں نے بہشت کو دیکھا کہ انگور کے خوش نلک رہے ہیں چاہا کہ توڑلوں اگر میں توڑ سکتا تو تم تا قیامت اس کو کھا سکتے تھے پھر میں نے دوزخ کو دیکھا جس سے زیادہ بھیاں کی چیزیں نے آج تک نہیں دیکھی لیکن میں نے اس میں زیادہ تر عورتوں کو پایا۔“ لوگوں نے سوال کیا رسول اللہ ایک یوں فرمایا کہ ”اپنے خادموں کی ناشکری کے سب اگر ایک عورت پر تم عمر بھرا حسان کرو اور صرف ایک دفعہ وہ تمہارے کسی فعل سے آزاد رہو ہو جائے تو وہ کہے گی کہ میں نے بھی تمہارا اچھا برداشت نہیں دیکھا۔“ میں نے اس دوزخ میں اس چور کو دیکھا جو حajojیوں کا اسباب چرایا کرتا تھا میں نے اس میں ایک یہودی عورت کو دیکھا جس پر اس لئے عذاب ہو رہا تھا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ دیا تھا اس کونہ کچھ کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین پر گردی پڑی چیزیں کھائے اور آخراں بھوک سے اس نے جان دے دی۔“ *

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں جنت میں جانکلا تو دیکھا یہاں کے باشندوں میں بڑی تعداد ان کی ہے جو دنیا میں غریب تھے اور دوزخ میں جا کر دیکھا تو ان میں بڑی تعداد عورتوں کی پائی۔“ *

❶ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس: ۳۲۸۴۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الكسوف، باب صلوٰۃ الكسوف جماعة: ۱۰۵۲، ۷۴۵ و صحیح مسلم، باب صلوٰۃ الكسوف، باب ما عرض النبي ﷺ فی صلوٰۃ الكسوف من امر الجنة والنار: ۲۱۰۱ تا ۲۱۰۲ تا میں پورے واقعی تفصیل ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف ابواب میں مقرر تناقل کیا ہے کی ایک باب میں پوری تفصیل نہیں۔ ”ض“

❸ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة: ۳۲۴۱۔

کے اخیر سال میں آپ ﷺ شہدائے احمد کے مقبرے میں تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آ کر آپ نے ایک خطبہ دیا، اسی درمیان میں آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اپنے حوض (کوثر) کو سینے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانہ کی سنجیاں حوالہ کیں گے، اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے لیکن ذرتاً اس سے ہوں کہ اس دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں رشک و حسد نہ کرنے لگو۔"

منبر مبارک مسجد نبوی ﷺ میں تھا اور اسی سے متصل ازواج مطہرات کے جمرے بھی تھے جن میں سے ایک میں جد اقدس پر دخاک ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیا ریوں میں سے ایک کیا ری ہے اور میرا منبر میرے حوض پر رکھا ہے۔"

محمد ثین نے اس حقیقت کو مختلف تاویلیوں سے ظاہر کرنا چاہا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کی صحیح تشریح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ایسا مشاہدہ کرایا گیا۔ معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے لئے جب آپ بیدار ہوتے تو انہات الموئین کو بھی جگا دیتے، ام الموئین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ ایک شب خواب سے بیدار ہوئے تو فرمایا: "سبحان اللہ! آج شب کو کیا کیا دلت کے خزانے اور کیا کیا فتنے نازل ہوئے ہیں ان حجروں میں رہنے والیوں (ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم) کو کون جگائے، اے افسوس! دنیا میں کتنی عورتیں سامان آ رائش سے آ راستہ ہیں مگر آ خرت میں وہ نگلی ہوں گی۔" (کہ دنیا میں وہ جائے عملی سے برہنہ تھیں۔)

اسامة بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن آپ ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے، ایک میلے پر چڑھے پھر فرمایا: "اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم دیکھ رہے ہو؟" لوگوں نے عرض کی، نہیں یا رسول اللہ ﷺ فرمایا: "میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کو بارش کی طرح برستے دیکھ رہا ہوں۔" (یہ غالباً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد کے واقعات کا مشاہدہ تھا۔)

آنحضرت ﷺ کو ہر حال میں اپنی امت کی فکر دامن گیر رہی تھی ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام کناروں کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا، میں نے ان کے مغرب و مشرق کو دیکھا، میری امت کی سلطنت ان تمام کناروں تک پہنچ جائے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں، مجھے سرخ و سپید (سونا چاندی) کے دونوں خزانے دیے گئے ہیں میں نے خدا کے حضور میں دعا کی کہ باراہا! میری امت کو کسی عالمگیر خقط سے برپا نہ کرنا اور نہ ان پر ان کے سوا کسی غیر وشن کو مسلط کرنا، حکم ہوا کہ میرے دربار میں فیصلہ کی تبدیلی نہیں ہوتی میں نے تمہاری یہ

❶ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الشہید: ۱۳۴۴؛ کتاب الرقاق، باب بحث من زهرة النبی: ۶۴۲۶۔

❷ صحیح بخاری، کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد..... و باب فضل مابین القبر والمنبر: ۱۱۹۶۔

❸ صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب تحریض علی قیام اللیل: ۱۹۲۶۔

❹ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ: ویل للعرب: ۷۰۶۰ و صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب نزول الفتنه کمواقع القطر: ۷۲۴۵۔

دعا قول کی، تواب میری امت کوکوئی دوسرا تباہ نہ کرے گا بلکہ وہ خود ایک دوسرا کو تباہ کریں گے۔ * مسلمانوں کی پوری تاریخ اس مشاہدہ اقدس کی تغیری ہے۔ گزشتہ انہیاً کے کرام کی تقلیلیں اکثر آپ کو دکھائی گئی ہیں اور معراج اور عالم روئیا کے علاوہ بیداری کے عالم میں بھی یہ مشاہدے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ سفر میں (غالباً سفر حج) جاتے ہوئے وادی ازرق سے گزرے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ”یہ کون سی وادی ہے؟“ لوگوں نے کہا، یہ وادی ازرق ہے فرمایا: ”گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ موئی گھٹائی سے اتر رہے ہیں اور ان کی زبان پر تلبیہ (صدائے حج) جاری ہے۔“ اس کے بعد ہرشا کی گھٹائی آئی، فرمایا: ”یہ کون سی گھٹائی ہے؟“ لوگوں نے بتایا کہ یہ ہرشا کی گھٹائی ہے فرمایا: ”گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ متی کے بینے یوس غلیظاً سرخ اونٹی پر سوار ہیں، کمل کا جبہ پہنچے ہیں، اونٹی کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے اور وہ لبیک اللہم لبیک کہتے جا رہے ہیں۔“ *

معراج کے واقعہ میں یاد ہو گا کہ جب کفار نے بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”وَهُنَّا مِنْ أَنفُسِهِمْ يَأْكُلُونَ طَرْحَ يَادَتِهِ تَحْتَهُ كَذَفْعَةِ اللَّهِ تَعَالَى نَفْسَهُ إِنَّمَا يَنْهَا كَذَفْعَةَ الْمَقْدَسِ كَذَفْعَةَ دَرِيَّةٍ“ اور میں جواب دیتا جاتا تھا۔ *

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ کی قبرستان سے گزر رہے تھے، فرمایا: ”ان دو قبروں پر عذاب ہو رہا ہے۔“ یہ عذاب کسی گناہ کبیرہ کی پاداش میں نہیں ہے ایک کو اس بات پر سزادی جاری ہے کہ وہ طہارت کے وقت پر دہنیں کرتا تھا، یا یہ کہ پیشاپ کی چھینٹوں سے پر ہیز نہیں کرتا تھا، دوسرے کے عذاب کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی چغلی کھلایا کرتا تھا۔“ اس کے بعد آپ نے ایک درخت کی بزرنگی کو دیکھ کر کے دونوں پر کھڑا کر دیا اور فرمایا: ”شاید ان کی تسبیح و تہلیل سے ان کی سزاوں میں تخفیف ہو۔“ *

حضرت ابوالیوب الانصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ دوپھر کو گھر سے نکلے تو آپ کے کانوں میں ایک آواز آئی فرمایا: ”یہ یہود پران کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔“ یہ بخاری کی روایت ہے۔ *

طبرانی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہود کو ان کی قبروں میں جو عذاب دیئے جا رہے ہیں، ان کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی ہیں۔“ * ایک جہاد میں مسلمانوں کی طرف ایک آدمی مارا گیا تھا لوگوں نے کہا وہ شہید ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہر گز نہیں میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک عباچا ہی تھی۔“ اس کے بعد آپ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ

* صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب هلاک الامة بعضهم بعض: ۷۲۵۸۔

* صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء: ۴۲۰۔ * صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب حدیث الاسراء: ۳۸۸۶ و صحیح مسلم باب الاسراء: ۴۲۸۔ * صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب عذاب القبر من الغيبة والبول: ۱۳۷۸۔ * بخاری، کتاب الجنائز، باب التعمود من عذاب القبر: ۱۳۷۵۔ * ارشاد الساری قسطلانی شرح حدیث مذکور، ج ۲، ص: ۵۲۷۔

جنت میں صرف اہل ایمان جائیں گے۔ *

عمرو بن عامر خرازی عرب میں پہلا شخص ہے جس نے جانوروں کو دیوتاؤں کے نام نذر کرنے کی بدعت پیدا کی۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں نے جہنم کو دیکھا اس کے شعلے ایک دوسرے کو توڑ رہے ہیں اور اس میں عمرو بن عامر کو دیکھا کہ وہ اپنی آنسیں گھیٹ رہا ہے۔“ *

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ ایک دفعہ بنی نجاش کے نخشتان میں جانلکا آپ ایک خچر پر سوار تھے اور جان شار ساتھ ساتھ تھے کہ دفعہ نچر اس زور سے بھڑکا کہ قریب تھا کہ آپ گر پڑیں، پاس پانچ چھوٹے قبریں تھیں دریافت فرمایا: ”ان قبروں کو کوئی جانتا ہے؟“ ایک نے کہا ہاں یا رسول اللہ! میں جانتا ہوں فرمایا: ”یہ لوگ کب مرے ہیں۔“ عرض کیا کہ یہ لوگ شرک کی حالت میں مرے ہیں۔ فرمایا: ”ان لوگوں کی ان کی قبروں میں آزمائش ہو رہی ہیں اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم مردوں سے ذر کر ایک دوسرے کو دفن کرنے میں ڈرانے لگو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ تم کو بھی عذاب قبر کی وہ آوازیں سنائے جو میں سن رہا ہوں۔“ *

ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کسی طرف کو تشریف لے جا رہے تھے، اتنے میں ایک سخت بدبو پھیلی فرمایا: ”جانتے ہو کیسی بدبو ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں۔“ *

حاکم میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی طرف جا رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے بلال! جو میں سن رہا ہوں تم سن رہے ہو؟“ عرض کی، نہیں یا رسول اللہ ﷺ فرمایا: ”تم نہیں سنتے کہ مردوں پر عذاب ہو رہا ہے۔“ * مستدرک حاکم، کتاب الزہد، امام احمد، بزار اور یہقی کی شعب الایمان میں ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پینے کی کوئی چیز مانگی تو لوگ شہد اور پانی لے آئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دیکھ کر دنے لگے لوگوں نے گریہ کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک دن میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر تھا تو دیکھا کہ آپ ہاتھ سے کوئی چیز ہمارہ ہے ہیں اور مجھے کوئی چیز ہٹانے کی نظر نہیں آتی تھی تو میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کس چیز کو ہمارہ ہے ہیں؟ فرمایا: ”یہ دنیا ہے جو میرے سامنے مشتمل ہو کر آئی ہے، میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے چل جاؤ تو اس نے کہا، اگر آپ مجھ سے فتح گئے تو آپ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں فتح سکتے۔“ *

* جامع ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی الغلول: ۱۵۷۴۔ * بخاری، کتاب المناقب، باب قصة خزاعة: ۳۵۲۱، ۶۴۲۴۔ * صحیح مسلم، کتاب الجنۃ، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ: ۷۲۱۳۔

* مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص: ۳۵۰۱۔ * احمد، ج ۲، ص: ۲۵۹۔ * حاکم، ج ۱، ص: ۴۰۔

* مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص: ۳۰۹؛ شعب الایمان: ۱۰۵۱۸ ذہبی نے لکھا ہے کہ بخاری وغیرہ نے اس کے ایک راوی عبد الصمد کو متزوک کہا ہے۔

اسراء و معراج

﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعِنْدِهِ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۱)

اسراء کے معنی ”رات کو چلانے یا لے جانے کے ہیں۔“ چونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ حیرت انگیز مجرمانہ سفر رات کو ہوا تھا، اس نے اس کو اسراء کہتے ہیں اور قرآن مجید نے اسی لفظ سے اس کو تعبیر کیا ہے، ﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعِنْدِهِ لَيْلًا﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۱) ”پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندے کو لے گیا۔“ معراج ”عروج“ سے نکلا ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں، چونکہ احادیث میں آپ ﷺ سے لفظ عرج بی جھ کو اوپر چڑھایا گیا، مردی ہے، اس نے اس کا نام معراج پڑا۔

انبیاء اور سیر ملکوت

انبیاء ﷺ کے روحاںی حالات و واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولو العزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور منصوب ساعت میں یہ منصب رفع حاصل ہوتا ہے اور اس وقت شرائط روایت کے تمام مادی پر دے ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹادیے جاتے ہیں، اسباب سماحت کے دنیاوی قوانین ان کے لئے منسوخ کر دیے جاتے ہیں، قووز مانی و مکانی کی تمام فرضی یہ زیاد ان کے پاؤں سے کاٹ ڈالی جاتی ہیں، آسمان و زمین کے تختی مناظر بے جواب ان کے سامنے آتے ہیں اور وہ اس کے بعد نور کا حلہ بہشتی پہن کر فرشتوں کے روحاںی جلوں کے ساتھ بارگاہ الہی میں پیش ہوتے ہیں اور اپنے اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربائی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حرمیم خلوت گاہ قدس میں بار پا کر قاب قوسین (دوکانوں کے فاصلہ) سے بھی نزدیک تر ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کا شانہ آب و خاک میں واپس آ جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم ﷺ کو جب نبوت عطا ہوتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَكَذَلِكَ نُرِيَ إِبْرَاهِيمَ مَلْكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (۶/ الانعام: ۷۵) ”او اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان اور زمین کی بادشاہی دھاتے ہیں۔“ یہ سیر ملکوت یعنی آسمان و زمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کیا ہے، یہی اسراء و معراج ہے۔

حضرت یعقوب ﷺ کے متعلق تورات میں مذکور ہے۔

”یعقوب پیر سین سے نکلا اور حاران کی طرف روانہ ہوا اور وہاں ایک مقام پر جا کر لیٹا کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا اور اسی مقام سے کچھ پھر اپنے سر کے نیچے رکھ لئے اور وہیں سورہ، وہاں خواب میں دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک زینہ لگا ہوا ہے، جس پر سے خدا کے فرشتے چڑھا اور اتر رہے ہیں اور خدا اس پر کھڑا ہے اور اس نے کہا میں ہوں خداوند، تیرے باپ ابراہیم اور

اسحاق کا خدا، جس زمین پر تو سویا ہے وہ تجوہ کو اور تیری نسل کو دوں گا۔” (تکوین - ۲۸) حضرت مولیٰ غلیظ اللہ کو طور پر جلوہ حق کا پرتو نظر آیا، وہی ان کی معراج ہے، دیگر انہیاے بنی اسرائیل کے مشاہدات ربانی اور سیاحت روحانی کی تفصیل سے تورات کے صفات معمور ہیں، عیسائیوں کے مجموعہ انہیل میں یوحنار رسول کا مکانہ بہ تفصیل مذکور ہے، جس میں ان کو خواب کے اندر بہت سے روحانی مناظر دکھائے گئے ہیں اور قیامت کے واقعات تمثیلی رنگ میں ان کے سامنے پیش کئے گئے ہیں، یہ پورا مکانہ جس کو ہم سفر نامہ ملکوت کہ سکتے ہیں ۷۲ بابوں میں ختم ہوا ہے اور ان میں آثار قیامت جزا اوسرا اور جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق اکثر ایسی باتیں بیان کی ہیں جو قرآن مجید کے بالکل مطابق ہیں اور ان کو تمام مسلمان پسند کرتے ہیں۔ جوں اپنے پیغمبر زدشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانہ نہاتے ہیں جس میں زیادہ تر آنحضرت ﷺ کے واقعات معراج کے نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پیر و ان بدھ بھی خلیل حکمت کے سایہ میں بودھ کے مشاہدہ ربانی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔

بہر حال اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ سے سیر ملکوت انہیاے مقریان الہی اور مدعاوین قرب الہی کے سوانح کا جزو رہی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے منصب اور رتبہ کے مطابق اس عالم کے مشاہدہ کا فیض حاصل کیا ہے، اسلام نے اس خزانہ کو یہاں تک عام کیا ہے کہ اہل ایمان کے لئے دن میں پانچ دفعہ اس دربار کے کسی نہ کسی گوشہ تک رسائی ممکن کر دی ہے کہ ((الصلوٰۃ معراج المؤمنین))۔

معراج نبوی ﷺ

لیکن حضور ﷺ چونکہ سرور انہیا اور سید اولاد آدم تھے، اس لئے اس حظیرہ قدس اور بارگاہ لامکان میں آپ ﷺ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جواب تک دوسرے مقربان بارگاہ کی حد نظر سے باہر رہا تھا۔

معراج نبوی کا وقت و تاریخ اور تعداد و قوع

اس امر میں اختلاف ہے کہ معراج کب اور کس تاریخ کو واقع ہوئی اور ایک دفعہ ہوئی یا مختلف اوقات میں، صحیح و مستدر روایات کے مطابق اور جمہور علماء کی رائے کے موافق معراج صرف ایک دفعہ واقع ہوئی جو لوگ تعداد کے قائل ہیں اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ چونکہ رواتوں میں جزئیات معراج کے بیان میں اختلاف ہے، اس لئے انہوں نے رفع اختلاف کے لئے متعدد دفعہ معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے۔ ﴿ تا کہ ہر مختلف فی واقع ایک ایک جدا گانہ معراج پر منطبق کیا جائے لیکن درحقیقت یہ ایک فرض محض ہے جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہیں متندا اور صحیح روایات ہمارے سامنے ہیں اور ان میں تعدد معراج کا اشارہ تک نہیں ہے، ایک ایسے اہم ماقوم مشاہدہ، بشری اور

* امام کیمی نے روض الانف شرح سیرۃ ابن حشام میں اسی استدلال کی ہے اپر تعدد کا میلان ظاہر کیا ہے، جن اج: ۲۳۳: مصر۔

طویل واقع کے متعلق جو اس وقت واقع ہوا جب مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور جس قدر تھی وہ بھی پر آنہ حال اور منتشر الخیال تھی اور ایک ایسے واقع کے متعلق جس کے رواۃ اکثر وہ لوگ ہیں جو اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے یا بہت چھوٹے تھے یا مدنی لوگ ہیں جن کو قبل بھرت کے واقعات کی ذاتی اور بلا اصطہ واقعیت نہ تھی اگر جزیات میں معمولی اختلاف یا بعض واقعات کی ترتیب میں تقدم و تاخر واقع ہوا ہے تو ان کی تطبیق کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں خود ہمارے سامنے روزانہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں ان کے جزیات کی تفصیل اگر مختلف روایوں سے نہیں یا مختلف اوقات میں ہم خود بیان کریں تو ترتیب واقعات اور دیگر جزوی امور میں بیکار اختلافات پیدا ہو جائیں گے با ایں ہم اصل معاملہ اور اس کے اہم اجزاء کے موقع میں شک و شبہ نہ ہوگا۔

بعض ارباب سیر نے دو دفعہ معراج کا ہونا ظاہر کیا ہے جن میں وہ ایک کو اسراء اور دوسرے کو معراج کہتے ہیں کہ قرآن میں اسراء اور احادیث میں معراج آیا ہے، انہوں نے اس کی ضرورت اس لئے لکھی ہے کہ قرآن کے پندرھویں پارہ میں اسراء کا بیان ہے، اس میں صرف کہ مسیح کے ساتھ حالت بیداری میں ہی ہوا، حالانکہ معراج میں تو آسمان کا سفر ہوا ہے اور عجیب و غریب واقعات پیش آئے ہیں اور بعض روایتوں میں یہ تصریح ہے کہ یہ خواب تھا، بہر حال یہ بھی استنباط اور قیاس سے آگئیں بڑھتا، قرآن مجید کے الفاظ خواب و بیداری دونوں کے متحمل ہیں، اس بنا پر اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج ایک ہی دفعہ واقع ہوئی ہے۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ ”یہی جہوڑ محدثین، مشکلین اور فقہاء کی رائے ہے اور روایات صحیحہ کا تو اتر بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے اور اس سے عدول نہیں کرنا چاہئے۔“ ﴿ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کے تعدد معراج کے قول کو بالکل لغو اور بے سند اور خلاف سیاق احادیث ٹھہرایا ہے۔ ﴾

معراج کے وقت اور زمانہ کی تفصیل میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ یہ بھرت سے پہلے کا واقعہ ہے جب کہ تاریخ اور سنہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی اور عرب میں عموماً اسلام سے پہلے کسی خاص سنہ کا رواج نہ تھا، تاہم وقت کے متعلق اتنا تو تیقین طور پر معلوم ہے کہ رات کا وقت تھا خود قرآن مجید میں ہے انس ری یعنی لے گیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو رات کے وقت) اور تمام روایات بھی اس پر متفق اللفظ ہیں لیکن صحیح دن اور تاریخ کا پتہ لگانا نہایت مشکل ہے، محدثین کے ہاں کسی سے بھی برداشت صحیح اس کی تصریح موجود نہیں ہے۔ ارباب سیر نے بعض صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے کچھ روایتیں کی ہیں لیکن ان کی تصریحات مختلف ہیں، تاہم اتنی بات پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ یہ بعثت اور آغاز وحی صلوات اللہ علیہ وآلہ وساتھی کے بعد اور بھرت سے پہلے کا واقعہ

* شرح مواہب، جلد ۱، ص: ۲۵۵۔ ** تفسیر القرآن العظیم، الجزء الثالث، ص: ۲۲۔
 *** صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں معراج کے بیان میں شریک نہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قبول آغاز وحی کے ہوا، اس کا مطلب بعض فرشتوں کا آنا ہی نفس معراج نہیں، تفصیل آگے آئے گی۔

ہے جو مکہ معظمه میں پیش آیا۔

مہینہ کی تعمیں کے متعلق ارباب سیر کے پانچ اقوال ہیں کوئی (۱) ربیع الاول کہتا ہے (۲) کسی نے ربیع الآخر کی روایت کی، (۳) بعض رجب کی تعمیں کرتے ہیں، (۴) بعض رمضان یا (۵) شوال کہتے ہیں یہ آخری روایت سدی کی ہے جس کو ابن حجر طبری اور بہقی نے نقل کیا ہے، اس کی روایت ہے کہ معراج بھرت سے امینی پیشتر واقع ہوئی، بھرت اوائل ربیع الاول میں ہوئی ہے، اس بنا پر کے امینی پیشتر آخر رمضان ہو گایا آغاز شوال لیکن کون نہیں جانتا کہ سدی پایا اعتبار سے ساقط ہے، واقدی سے ابن سعد نے دو روایتیں کی ہیں ۱۸۱ ایک یہ کہ ”سنیخ کی شب تھی، کے اتارنخ تھی اور رمضان کا مہینہ تھا، بھرت (ربیع الاول سنماہ) سے امینی پیشتر کا یہ واقع ہے“ دوسری یہ ہے کہ ”یہ بھرت سے ایک سال پہلے کے اربیع الاول کا واقع ہے۔“ واقدی نے ان روایات میں کسی قدر تصریح کے ساتھ دن اور تاریخ اور وقت بتادیا ہے لیکن ہمارے علمائے رجال کی عدالت میں ان کی شہادت کوئی بڑی قدر و قیمت نہیں رکھتی، چنانچہ ان روایتوں میں بھی جس روایت میں وقت اور یہ تاریخ کی جس قدر تفصیل زیادہ ہے، اسی قدر وہ زیادہ نامعتبر ہے کیونکہ اس کی سند ناتمام ہے، دوسرے ہمیں کی روایتیں بھی اسی قسم کی ہیں، ابن تیہہ دینوری (المتون ۷۲۶ھ) اور علامہ ابن عبد البر (جواہر التوفی ۳۶۳ھ) نے رجب کی تعمیں کی ہے اور متاخرین میں امام راغبی اور امام نووی عجمیہ طیانے (روضہ میں) اسی کو تیقین کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور محدث عبدالغنی مقدسی نے بھی اسی مہینہ کو اختیار کیا ہے بلکہ ۲۷ تاریخ کی بھی تصریح کردی ہے اور علامہ زرقانی (جواہر التوفی) نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعضوں کی رائے ہے کہ بھی قوی ترین روایت ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں اسلاف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو ظن غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عمل ہے اور جو لوگوں میں مقبول ہو۔ ۲۰۲ اس مسئلہ کے حل کی ایک صورت یہ ہے کہ متاخرین کے نقول، قیاسیات، استنباطات اور مجادلات سے جو دس سے زیادہ مختلف اقوال پر مشتمل ہیں قطع نظر کر لیا جائے تو دیکھا جائے کہ قدیم روایوں کی اصل تصریحات کیا کیا ہیں اور کثرت روایت اور مگان صحت کا راجح پہلو کس کی جانب سے، چنانچہ تصریحات حسب ذمیں ہیں:

نام راوی	روایت	کیفیت سند
(۱) ابن سعد بواسطہ واقعی از حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاص و ام سلمہ و عائشہ و ابن عباس و ام ہانی <small>رضی اللہ عنہم</small>	کے اربع الاول بھرتو سے ایک سال قبل = =	اہن سعد نے یہ روایت متعدد مسلسل طریقوں سے صحابے نقل کیا ہے۔
(۲) موسیٰ بن عقبہ بواسطہ زہری	بھرتو سے ایک سال قبل =	موسیٰ بن عقبہ کی سیرت معتبر ترین کتب سیرت میں ہے۔
(۳) زہری بواسطہ سعید بن میتب		

¹ ابن سعد، ج ١، ص: ٣٥٨ و ٣٥٥ میں مذکور ہے۔

=	بھرتوں سے ایک سال قبل	(۲) عمروہ بن زیر از حضرت عائشہؓ خلیفۃ
=	=	(۵) قادہ
=	بھرتوں سے ایک سال قبل	(۶) مقاتل
=	۷ ربيع الاول بھرتوں سے ایک سال پہلے	(۷) ابن حرب تج
=	بھرتوں سے ۱۸ ماہ پہلے	(۸) ابراہیم بن اسحاق الحرمی
=	۷ ربيع الاول بھرتوں سے ایک سال پہلے	(۹) مسلم بن قبیلہ
=	بھرتوں سے ۱۶ مہینے پہلے	(۱۰) عمروہ بن شعیب از حضرت عمروہ بن العاص
سدی پایا اقتدار سے ساقط ہے	بھرتوں سے ۱۶ مہینے پہلے	(۱۱) شدی

متاخرین نے امام زہری کے انتساب سے مختلف اقوال نقیل کئے ہیں، ایک بھرتوں سے پانچ سال قبل، اور دوسرے العثث سے پانچ سال بعد، پہلے قول کے ناقل علامہ ابن ججر (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۵۵، مصر) ہیں اور ان کا بیان ہے کہ قاضی عیاض، امام قرطبی اور امام نووی شارحین صحیح مسلم اسی کے موید ہیں لیکن امام نووی کی شرح صحیح مسلم مطبوعہ ہندوستان (ص ۹۱) اور قسطلانی کی سیرۃ مواہب لدنیہ (مطبوعہ مصر ص ۷۰ زرقانی) میں دوسرے قول منقول ہے۔ زرقانی **✿** نے جلد اول فصل معراج میں اس اختلاف پر حیرت ظاہر کی ہے، افسوس ہے کہ قلمی نسخ موجود نہیں، ہمارا خیال ہے کہ یہ اختلاف کتابت کی غلطی اور مسامحت سے پیدا ہوا ہے، اسی طرح اسد الغابہ، ابن اثیر مطبوعہ مصر (ص ۲۰) میں سدی کی نسبت لکھا ہے کہ ”وہ کہتا ہے کہ معراج بھرتوں سے چھ مہینے (ستہ اشہر) پہلے ہوئی یہ درحقیقت ۱۶ ہے ستہ اشہر کے بجائے ستہ عشر شہر اچاہیے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اس سے (تفیری اسراء) نقل کیا ہے اور جو اس کی ۱۶ مہینے والی روایت کے قریب قریب ہے جو طبری وہیں میں ہے، چھٹی صدی میں علامہ ابن اثیر نے کسی قیاس یا استنباط تاریخی کی بنا پر بھرتوں سے تین سال پہلے معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے مگر جہاں تک ہم کو معلوم ہے، کسی اور نے ان کا ساتھ نہیں دیا ہے اور نہ کہیں سیرت کی امہات کتب میں یہ تاریخ ذکور ہے، بھرتوں سے پہلے نقیل کیا ہے اور یہ دونوں حادثے بھرتوں سے تین سال پہلے پیش آئے تھے اس سے اشارہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ابن اسحاق کا خیال تھا کہ معراج بھرتوں سے تین سال پہلے ہوئی۔

ہم نے مقدمہ کی پوری روادا ناظرین کے سامنے رکھ دی ہے جس سے معلوم ہوا ہوگا کہ قدیم روایوں کا ایک بڑا حصہ ایک سال قبل بھرتوں کا زمانہ متعین کرتا ہے، ایک دو بزرگ کے یا ۸ مہینے کی مدت اور بڑھاویت ہے یہیں، متاخرین میں سے بعض اصحاب نے جو قیاس تاریخی سے تین سال یا پانچ سال قبل بھرتوں کا زمانہ متعین کرنا چاہا

✿ تمام روایات مختلف مأخذوں سے صحیح کی گئی ہیں، اول ان سعدیں ہے دوم، چهارم یا زادہم تفسیر ابن کثیر، (سورہ اسراء، ص: ۴۰) میں ہے، تشمیم تفسیر ابن جریر (۲۱۵) میں ہے، تجمیع، تشمیم تفسیر ابن حبان (اسراء، ص: ۵) میں ہے، ابتدی اقوال و روایات کے لئے فتح الباری، زرقانی، شرح شفاء عیاض، استیعاب ابن عبد البر، اسد الغابہ، ابن اثیر اور روشن الانف (ذکر معراج) دریکھئے۔

ہے اس کاہنی یہ ہے کہ بخاری میں ہے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نماز بخگانہ کی فرضیت سے پہلے وفات پا چکی تھیں۔ نماز بالاتفاق معراج میں فرض ہوئی پھر بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نماز نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی اور دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے انتقال کیا ان مقدمات کو بیجا کر کے انہوں نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے (بقول ابن اثیر) پانچ سال پہلے (بقول قاضی عیاض وغیرہ) پیش آیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال اس وقت درست ہو سکتا تھا جب یہ ثابت ہوتا کہ نماز بخگانہ کی فرضیت اور حضرت خدیجہؓ نماز کی وفات دونوں ایک ساتھ ہو کیں یا کم از کم یہ کہ پہلا واقعہ دوسرے واقعہ کے چند روز بعد پیش آیا، حضرت عائشہؓ نماز کی روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نماز نے معراج (فرضیت نماز بخگانہ) سے پہلے وفات پائی، اب یہ نہیں معلوم ہے کہ ایک مہینہ پہلے یا سال پھر پہلے یا چند سال پہلے اس نے ان قیاسات سے معراج کی تاریخ متعین نہیں ہو سکتی۔

بہر حال ابتدائی راویوں کی کثیر جماعت جن میں بعض نہایت معتبر اور ثقہ ہیں، اسی جانب ہیں کہ یہ ہجرت یعنی ربیع الاول سنہ اہم سے ایک سال یا ذی ریہ سال پہلے کا واقعہ ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صحیح میں گوکوئی تاریخ نہیں بیان کی ہے لیکن ترتیب میں وقایع قبل ہجرت کے سب سے آخر میں اور بیعت عقبہ اور ہجرت سے متصل اپنے واقعہ معراج کو جگہ دی ہے اور ابن سعد نے بھی سیرت میں واقعہ معراج کا یہی موقع ترتیب میں رکھا ہے، اس سے حدیث اور سیرت کے ان دو اماموں کا یہی مناشطا ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے کچھ ہی زمانہ پہلے خواہ وہ ایک سال ہو یا اور کچھ کم و بیش معراج کا زمانہ متعین کرتے ہیں، آگے چل کر ہم یہ بتائیں گے کہ ہمارے نزدیک قرآن مجید سے یہی مستطیل ہوتا ہے کہ معراج اور ہجرت کے بیچ میں کوئی زمانہ حاکل نہ تھا بلکہ معراج درحقیقت ہجرت ہی کا اعلان تھا۔ مہینہ کی تعین مشکل ہے جو لوگ ہجرت یعنی ربیع الاول اہم سے ایک سال پہلے کہتے ہیں ان کے حساب سے اگر یہ ربیع الاول ادھر شامل کر لیا جائے تو ادھر معراج کا ایک مہینہ ربیع الآخر پڑے گا اور اگر شامل نہ کیا جائے تو ربیع الاول ہی رہے گا اور اگر عام مشہور و معروف بر جب کی تاریخ اختیار کی جائے تو ہجرت سے ایک سال ۶ مہینے پیشتر کا واقعہ تسلیم کرنا ہو گا۔

معراج کی صحیح روایتیں

واقعہ معراج چونکہ نہایت اہم، ہماری مادی کائنات سے ماوراء قیاس استنباط اور عقل انسانی کی سرحد سے بالاتر ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس باب میں صحیح و ملاص راویوں کی پیروی کی جائے، احادیث و سیرت کتابوں میں اس واقعہ کو کثیر التعداد صحابیوں نے بیان کیا ہے۔ علامہ زرقانی نے ۲۵ صحابیوں کو نام بنا گنایا ہے اور حدیث و تفسیر کی جن جن کتابوں میں ان کی روایتیں مذکور ہیں ان کی تصریح کی ہے۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے

تفسیر (بنی اسرائیل) میں ان میں سے اکثر روایتوں کو لکھا کر دیا ہے، ان میں صحیح، مرفوع، قوی، ضعیف، موقوف، مرسل، مغکر بھی قسم کی روایتیں ہیں، صحاح ستہ میں معراج کا واقعہ مستقل صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ضمناً اور مختصر آیہ و ادعات مختلف ابواب میں کہیں کہیں آگئے ہیں، امام بخاری اور مسلم نے اس واقعہ کو حضرت ابوذر، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سات اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے، ان میں چار پچھلے صحابیوں نے صرف چند متفرق جزئیات بیان کئے ہیں۔

صحیحین میں واقعہ معراج کا مسلسل اور مفصل بیان حضرت ابوذر، حضرت مالک بن صعصعہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مردی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہم نے تین طرق سے روایت کی ہے، ایک طریقہ میں صحیح مسلم باب الاسراء اور صحیح بخاری کتاب التوحید، اخیر راوی وہی ہیں لیکن اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ انہوں نے خود آنحضرت علیہ السلام سے سنایا کسی صحابی نے ان سے بیان کیا، دوسرے طریقہ میں (صحیح بخاری باب ذکر الملاکہ و باب المعراج اور صحیح مسلم باب الاسراء) یہ تصریح ہے کہ انہوں نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہم سے سناد اور تیرے طریقہ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب الانبیاء) میں یہ صراحت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم سے بھی سنایا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہم نے متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے معراج کا واقعہ سنایا اور اسی لئے ان کا بیان سب سے زیادہ جامع اور مفصل ہے۔ تابعین میں سے متعدد بزرگوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہم سے اس روایت کو صحیحین میں نقل کیا ہے، مثلاً: ثابت البنای، ابن شہاب زہری، قتادہ اور شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر، ان میں محفوظ تر بیان ثابت کا ہے، شریک کی روایت متعدد امور میں ثابت کی روایت کے مخالف ہے اور اسی لئے امام مسلم نے صحیح مسلم باب الاسراء میں اس کی طرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ ”ان کی روایت میں تقدم و تاخیر اور زیادت و لفظ ہے۔“

حضرت مالک بن صعصعہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم نے یہ تصریح کی ہے کہ انہوں نے معراج کے واقعہ کو لفظ بلطف اور حرف آنحضرت علیہ السلام کی زبان مبارک سے سنایا ہے گویدونوں بزرگوار حلیل القدر صحابی ہیں لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم میں ایک مزید خصوصیت یہ ہے کہ وہ سابقین اسلام میں ہیں اور وقوع معراج سے پہلے ہی مکہ میں آ کر اسلام لا چکے تھے، حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہم انصاری ہیں، اس بنا پر معراج کی تمام روایتوں میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم کی روایت کو ہم سب سے مقدم سمجھتے ہیں۔

معراج کا واقعہ

الغرض جب اسلام کی سخت اور پر خطر زندگی کا باب فتح ہونے کو تھا اور بھرت کے بعد طمینان و سکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شب مبارک آئی اور اس شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں سرور عالم علیہ السلام کی سیر ملکوت کے لئے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہ ربانی سے احکام خاص کا

اجرا اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا، رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آ راستہ کیا جائے کہ شاہد عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا، روح الامین کو فرمان پہنچا کر وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطہ لا ہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے، حرم ابراہیم (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو، کارکنان عناصر کو حکم ہوا کہ آب و خاک کے تمام مادی احکام و قوانین تھوڑی دیر کے لئے معطل کر دیے جائیں اور زمان و مکان، سفر و اقامت، رؤیت و ساعت، تجاطب و کلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھادی جائیں۔

صحیحین میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی اور جریل غایلہ اللہ علیہ السلام نازل ہوئے، انہوں نے پہلے آپ کا سینہ مبارک چاک کیا، پھر اس کو آب زمزم سے ڈھویا اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھر لائے اور ان کو سینہ مبارک میں ڈال کر بند کر دیا، پھر آپ کا ہاتھ کپڑا کر آسمان پر لے گئے جب آپ آسمان پر پہنچ گئے تو جریل غایلہ اللہ علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ ”کھلو“ اس نے کہا، کون؟ انہوں نے جواب دیا: جریل۔ اس نے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس نے سوال کیا: کیا وہ بلاۓ گئے ہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلے آسمان پر چڑھے تو آپ کو ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا، جس کے دائیں باائیں بہت سی پر چھائیاں تھیں، جب وہ دائیں دیکھتا تھا تو نہستا تھا اور جب باائیں جانب نگاہ پڑتی تھی تو وہ روتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس نے کہا: ”مرجباء بن صالح! اے فرزند صالح!“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جریل غایلہ اللہ علیہ السلام سے پوچھا: ”یہ کون ہیں؟“ انہوں نے کہا: یہ آدم ہیں اور ان کی دائیں باائیں پر چھائیاں ان کی اولاد کی روحسیں ہیں، دائیں جانب والے جنثی اور باائیں جانب والے دوزخی ہیں، اس لئے وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو نہستے ہیں اور جب باائیں جانب نگاہ کرتے ہیں تو روتے ہیں، اس کے بعد آپ دوسرے آسمان پر پہنچ گئے تو اسی قسم کا سوال و جواب ہوا اور ہر آسمان پر کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی، پہلے آسمان پر حضرت آدم غایلہ اللہ علیہ السلام اور چھٹے پر حضرت ابراہیم غایلہ اللہ علیہ السلام سے (حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پیغمبروں کی منازل کی تعینیں نہیں بیان کی)۔ بہر حال حضرت جریل غایلہ اللہ علیہ السلام آپ کو اور لیں غایلہ اللہ علیہ السلام کے پاس لے کر گزرے، انہوں نے آپ کو دیکھ کر کہا: ”مرجباء بن صالح! اے برادر صالح!“ آپ نے نام پوچھا: حضرت جریل غایلہ اللہ علیہ السلام نے نام بتایا، پھر بھی واقعہ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی صالح اور برادر صالح کہہ کر اور حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی صالح اور فرزند صالح کہہ کر آپ کا خیر مقدم کیا، اس کے بعد حضرت جریل غایلہ اللہ علیہ السلام آپ کو اور پر لے گئے اور آپ

اس مقام پر پنجے جہاں قلم (قدرت) کے چلنے کی آواز آتی تھی اس موقع پر خداوند تعالیٰ نے آپ کی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی آنحضرت ﷺ اس عطیہ ربانی کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ ”خدا نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پچاس وقت کی نماز“ انہوں نے کہا: ”خدا کے پاس دوبارہ جائے کہ آپ کی امت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔“ آنحضرت گئے اور خدا نے ایک حصہ کم کر دیا، آپ واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ”دوبارہ خدا کے پاس جائے، آپ کی امت اس کی بھی متحمل نہیں ہو گی“ آپ گئے تو خدا نے ایک حصہ کی پھر تخفیف کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا: ”آپ کی امت میں اس کی بھی قوت نہیں۔“ آپ پھر گئے تو خدا نے اس تعداد کو گھٹا کر پانچ وقت کر دیا اور ارشاد ہوا: ”گونمازیں پانچ وقت کی ہوں گی لیکن ثواب ان ہی پچاس و تنوں کا ملے گا۔ کیونکہ میرے حکم میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تخفیف مزید کی غرض سے آنحضرت ﷺ کو پھر خدا کے پاس مراجعت کا مشورہ دیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ”اب تو مجھے شرم آتی ہے۔“ اس کے بعد آپ کو سدرۃ النشیٰ کی سیر کرائی گئی جو ابے مختلف رنگوں سے ڈھکا ہوا تھا جن کو آپ جان نہ سکے، پھر آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام جنت میں لے گئے، وہاں آپ ﷺ کو موتی کی عمارت میں نظر آئیں اور آب نے دیکھا کہ اس کی مٹی مشکل کی ہے۔

كتب حدیث میں واقعہ معراج کے متعلق یہ مقدمہ ترین اور مععتبر ترین روایت ہے اس کے بعد حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا درجہ ہے۔ اس روایت میں بہت سی باتیں پہلی روایت سے زائد ہیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح نہیں کہ آپ ﷺ اس وقت بیدار تھے یا خواب میں تھے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھے، پہلی روایت میں ہے کہ آپ نے دیکھا کہ آپ کے گھر کی چھپت کھلی اور حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور اس میں ہے کہ آپ ﷺ حظیم یا حجر # میں لیئے ہوئے تھے کہ حضرت جبراہیل آئے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں برائق کا ذکر نہیں اور اس روایت میں ہے کہ آپ برائق پر سوار ہو کر گئے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں منازل انبیاء نہیں بیان کئے ہیں لیکن اس روایت میں نام بنا مقرر ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقاتِ نماز کی تعداد تین مرتبہ میں گھٹائی گئی۔ لیکن اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس غرض سے خدا کے پاس پانچ بار گئے، ان دونوں روایتوں میں وحقیقت اجمال و

* بخاری، کتاب الصلوة، باب کیف فرضت الصلوة فی الاسراء: ۳۴۹؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء بر رسول اللہ ﷺ: ۱۵۴۔ * حظیم اور حجر ایک ہی مقام کے دو نام ہیں یہ تفسیری جگہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصل تغیر کروہ کعبہ میں سے قریش کے بنائے ہوئے کعب کی چار دیواری سے باہر رہ گئی ہے اور اندر داخل نہیں ہو سکی ہے۔

* بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۳۸۸۷، ۳۲۴۲؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء: ۴۱۵۔

تفصیل کا فرق ہے، حضرت ابوذر ۃ النبیؓ کی روایت مجمل ہے اور حضرت مالک بن صعصعہ ۃ النبیؓ کی روایت میں واقعات کی کسی قدر تفصیل ہے، تاہم یہ دوسری روایت بھی معراج کے تمام واقعات و سوانح کو جیط نہیں ہے، اب ذیل میں ہم صحیحین کی تمام روایتوں کو ملائکہ معراج کے سوانح و مشاہدات کا ایک جامع بیان لکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اصل خانہ کعبہ کے جو عمارت بنائی تھی وہ سیلاپ سے کئی دفعہ گرچھی تھی اور پھر بنی تھی، اس طرح قریش کے زمانے میں جب آنحضرت علیہ السلام ہنوز پیغمبر نہیں ہوئے تھے، سیلاپ سے گرگئی، قریش نے اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی کمی کے باعث ایک طرف اندر کی تھوڑی سی زمین چھوڑ کر دیوار کے طول کو کم کر دیا، اس طرح کعبہ کی تھوڑی سی زمین چار دیواری سے باہر رہ گئی اور اب تک اسی طرح اس زمین کا نام جبراً حظیم ہے، قریش کے نوجوان اور ساکن یہاں رات کو سویا کرتے تھے۔ آنحضرت علیہ السلام بھی کبھی کبھی یہاں آرام فرمایا کرتے تھے، بوت سے پہلے بھی آپ علیہ السلام کو حالت رؤیا میں فرشتے نظر آتے تھے۔ *

بس شب کو معراج ہوئی آپ علیہ السلام اسی مقام پر استراحت فرمائے تھے، بیداری اور خواب کی درمیانی حالت تھی، آپ نے دیکھا کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے، ان کے ساتھ چند اور فرشتے بھی تھے، پہلے وہ آپ کو چاہ زم زم کے پاس لے گئے اور وہاں آپ علیہ السلام کے سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب الطہر کو نکال کر آب زمزم سے دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے معمور لایا گیا۔ جبریل نے اس طشت سے ایمان و حکمت کے خزانہ کو لے کر آپ علیہ السلام کے سینہ میں رکھ کر اس کو برابر کر دیا۔ اس کے بعد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سپید رنگ کا ایک

* بخاری، کتاب التوحید، باب قول الله: وكلم الله موسى تكليما: ۷۵۱۷، کتاب احاديث الانبياء، باب كان النبي عليهما السلام عينه ولا ينام قوله: ۳۵۷۰۔ * اس شب کو سامِ مقام پر آپ علیہ السلام استراحت فرمائے تھے اور جہاں معراج کا واقعہ پیش آیا، اس کی تینیں میں اختلاف بیان کیا جاتا ہے، صحیحین میں حضرت مالک اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو روایتیں ہیں ان میں، تصریح تمام یہ مذکور ہے کہ آپ علیہ السلام مسجد حرام (کعبہ) میں تھے اور اسی کے ایک بیرونی گوشہ میں جس کا نام جبراً حظیم ہے آپ سور ہے تھے، یہ تو صحیحین کا بیان ہے، بعض یحیی درج کی روایتوں میں ہے کہ امام ہانی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کو میرے ہی گھر میں معراج ہوئی، امام ہانی رضی اللہ عنہ کا گھر شعب ابی طالب میں تھا، یہ روایت مشہور دروغ گوکبی کی ہے، اس میں حدود یہ لغو غریب و مکروہات میں مذکور ہیں، منہدوں بھی میں امام ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت علیہ السلام عشاء کی نماز پڑھ کر ہم لوگوں کے ساتھ ہم برے ہی مکان میں سوئے، شب کو میرے آنکھ کھل کر آپ کو نہ پایا۔ رسمائے قریش کی ڈھنی کے باعث دل میں بیج بیج بدنگانیاں پیدا ہوئے لگیں، نیند شد آئی، صبح المھر آنحضرت علیہ السلام نے معراج کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا: ”میں رسمائے قریش سے کہنے جاتا ہوں۔“ میں نے آپ کا دامن پکر لیا کہ خدا کے لئے ان سے نہ کہنے وہ تکنیز ہے اور آپ کی جان پر حملہ کر لیں گے لیکن آپ نے دمانا اور دامن پھٹک کر چلے گئے، ان روایتوں میں علاوہ اور لغویات کے عشاء اور صبح کی نمازوں جیسا نہ تو عین شب معراج میں فرض ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایتوں کا صحیحین کے مقابلہ میں کیا وجہ اور کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج کی شب آپ علیہ السلام خانہ کعب میں تھے، البته بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر ۃ النبیؓ کی روایت میں ہے کہ میں کہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھلی اور جبریل آئے ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعمیر ہے کہ آپ علیہ السلام آرام تو خانہ کعبہ میں فرمائے تھے لیکن مشاہدہ آپ کو یہ کہا گیا کہ آپ اپنے گھر میں ہیں اور اس کی چھت کھلی اور حضرت جبریل نازل ہوئے۔

لما بجا نور بر اق نای لایا گیا جس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی۔ آپ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور بر اق کو اس قلاجے میں باندھ کر جس میں انہیاں اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے، آپ نے مسجدِ اقصیٰ کے اندر قدم رکھا اور وہاں دور کعت نماز ادا کی، یہاں سے نکلے تو جبرائیل نے شراب اور وودھ کے دو پیالے آپ کے سامنے پیش کئے، آپ ﷺ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ جبرائیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو پسند کیا۔ اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی، بعد ازاں جبرائیل آنحضرت ﷺ کو لے کر آسمان پر چڑھے، پہلا آسمان آیا تو جبرائیل نے دربان کو آواز دی، اس نے کہا: کون ہے؟ جبرائیل نے اپنا نام بتایا، پوچھا کہ تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا محمد ﷺ ہیں پھر دریافت کیا، کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ کہا: ہاں۔ یہ کفرشہ نے دروازہ کھول دیا اور مر جبا خوش آمدید کہا اور کہا کہ اس خبر کو سن کر آسمان والے خوش ہوں گے، خدا اہل زمین کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتا ہے جب تک وہ آسمان والوں کو اس کا علم نہ بخشد وہ جان نہیں سکتے، اب آپ ﷺ پہلے آسمان میں داخل ہوئے تو ایک شخص نظر آیا جس کی داہنی اور باکیں طرف بہت سی پر چھائیں تھیں، جب وہ داہنی طرف دیکھتا تو ہستا اور جب باکیں طرف دیکھتا تو رو دیتا تھا، وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر بولا: مرحباً نبی صالح! اے فرزند صالح!“ آپ ﷺ نے جبریل سے دریافت کیا کہ ”یہ کون ہے؟“ جبریل نے بتایا کہ یہ آپ کے باب آدم علیہ السلام ہیں ان کی داکیں اور باکیں طرف جو پر چھائیاں ہیں یہ ان کی اولادوں کی روحیں ہیں، داہنی طرف والے اہل جنت ہیں اور باکیں طرف والے دوزخی ہیں۔ اس لئے جب ادھر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ادھر دیکھ کر آزردہ ہوتے ہیں۔ اسی آسمان میں آپ ﷺ کو آمنے سامنے دنہریں نظر آئیں، پوچھنے پر جبریل نے بتایا کہ یہ نیل اور فرات کی سوتیں ہیں، چلتے پھرتے آپ کو ایک اور نہر نظر آئی جس پر لانوز بر جد کا ایک محل تعمیر تھا اور اس کی زمین مشک از فر کی تھی جبریل نے کہا: یہ نہر کوثر ہے جس کو پروردگار نے مخصوص آپ ﷺ کے لیے رکھا ہے۔

اسی طرح ہر آسمان پر گزرتے گئے اور ہر آسمان کے دربان اور جبریل علیہ السلام سے اسی قسم کی گفتگو ہوتی گئی اور ہر ایک میں کسی بیخبر سے ملاقات ہوئی، دوسرے میں حضرت میکی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ملے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے ملاقات ہوئی، تیسرا میں حضرت یوسف علیہ السلام ملے جن کو سن کا ایک حصہ عطا ہوا

﴿ مسند احمد، ج ۳، ص ۱۶۴ میں برایت انس اور ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة بنی اسرائیل: ۳۱۳۱، اور ابن حجریر طبری، ج ۱۵، ص ۵ میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے بر اق پر سوار ہوئے کا قدم کیا تو اس نے شوٹی کی، جبریل نے کہا کیوں شوٹی کرتے ہو، تیری پشت پر آج تک محمد ﷺ سے زیادہ خدا کے نزویک یہ رگزیدہ کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا، یہ سن کر بر اق پیش پیش ہو گیا، اب ابن حجریر کی روایت کی نسبت حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کے بعض الفاظ میں نکارت و غربات ہے (تغیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۵) ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ غریب ہے، غریب لا نعرفه الا من حدیث عبدالرازاق۔ (ترمذی، تفسیر سورہ بنی اسرائیل: ۳۱۳۱)۔

تھا، چوتھے میں حضرت اور لیکن علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جن کی نسبت خدا نے قرآن میں فرمایا ہے: ﴿وَرَفَعْنَهُ
مَكَانًا عَلَيْهِ﴾ (۱۹ / مریم: ۵۷) ”ہم نے اس کو ایک بلند مقام تک اٹھایا ہے۔“ اور پانچوں میں حضرت
ہارون علیہ السلام سے ملے اور ہر ایک نے اے شفیر صاحب اور اے برادر صاحب کہہ کر خیر مقدم کیا، چھٹے میں حضرت
مویٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا: مرحاۓ شفیر صاحب اور اے برادر صاحب!“ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم
آگے بڑھے تو حضرت مویٰ علیہ السلام روپ پرے آواز آئی کہ اے موی! اس گریہ کا کیا سبب ہے؟ مویٰ علیہ السلام نے
عرض کیا: ”خداؤند! میرے بعد تو نے اس نوجوان کو معبوث کیا ہے، اس کی امت کے لوگ میری امت سے
زیادہ بہشت میں جائیں گے۔“ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرحاۓ شفیر
صاحب اور اے فرزند صاحب کہہ کر خیر مقدم کیا۔ جبریل نے بتایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت
ابراہیم علیہ السلام بیت معمور (آبادگھر) سے پینچھے گائے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔
آپ علیہ السلام کو جنت کی سیر کرائی گئی جس کے نگد موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی۔ * اس مقام تک
پہنچ جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ آگے بڑھ کر آپ سدرۃ النجی (انہا کی بیرونی کا
درخت) تک پہنچے۔ اس درخت پر شان ربانی (امر اللہ) کا پرتو تھا جس نے آ کر جب اس کو چھالیا تو اس کی
بیت بدل گئی اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کو کوئی زبان بیان نہیں کر سکتی اور اس میں رنگ برق
کے ایسے انوار کی تجلی نظر آئی جن کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے، یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر
اترتی ہیں اور زمین سے چڑھ کر اپر وہاں جاتی ہیں۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبراہیل علیہ السلام اپنی اصلی کمالی
صورت میں آپ کے سامنے نمودار ہوئے، پھر شاہد مستور ازال نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں
ناز دنیا ز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی، ﴿فَأَوْحَى إِلَى
عَبْدِهِ مَا أَوْحَى﴾ (۵۳ / النجم: ۱۰) اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الہی سے میں عظیم مرحمت ہوئے۔
سورہ بقرہ کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد و ایمان کی تحریک اور اس کے دور مصائب کے خاتمه کی
بشارت ہے، رحمت خاص نے مژده سنایا کہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہر ایک جو شرک کا مرتبہ نہ ہوا ہو کرم
مغفرت سے سرفراز ہوگا اور ندا آئی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان عطاویں کو لے کر
وابس پھرے اور حضرت مویٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ تو انہوں نے دریافت کیا کہ بارگاہ خاص سے کیا احکام عطا

* کتب روایت کی غیر محتاط کتابوں میں مثلاً ابن ابی حاتم (تفسیر ابن حجر طبری) ایں جنت و
دوزخ کے بہت سے عجیب و غریب مناظر و مشاہدات اور شفیروں اور فرشتوں کی تجویب اگریکی ملاقاتوں اور گفتگوؤں کی تفصیل ہے، ان روایتوں
کے نقل ابو ہارون العبدی، ابو جعفر رازی اور خالد بن یزید ہیں۔ ابو ہارون عبدی اور خالد بن یزید تو مشہور دو رونگو ہیں ابو جعفر رازی کو گو
لھضوں نے لفڑ کیا ہے لیکن اکثر وہ ضعیف اور اوابی مکرات ہیں اور ان کی تہار روایت قول نہیں کی جاتی نیز ان روایتوں میں
بہت سی نفوذ نکر باتیں مذکور ہیں جن کو مدح شیعیں تسلیم نہیں کرتے ملا داڑیں ایسیں یہ مناظر و مشاہدات جیسا کہ صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب
تعییر الرؤیا میں ہے کہ معراج کے سوا ایک اور موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے گئے تھے سرے سے یہ معراج کے مشاہدات ہی نہیں۔

ہوئے؟ فرمایا: ”امت پر بچاں وقت کی نماز۔“ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے آپ کی امت سے یہ بارہہ اٹھ سکے گا۔“ آپ واپس جائیے اور عرض کیجئے۔ آپ نے مراجعت کی اور عرض پر داڑ ہوئے کہ ”بارالہا! میری امت نہایت کمزور اور اس کے قوی نہایت ضعیف ہیں۔“ حکم ہوا کہ وہ وقت کی نمازیں معاف ہوئیں لوٹے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر تو کا اور دوبارہ عرض کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر دس اور معاف ہوئیں، اسی طرح آپ ﷺ چند بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے بارگاہِ الہی میں عرض پر داڑ ہوتے رہے، یہاں تک کہ شب دروز میں صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر یہی مشورہ دیا کہ اب بھی مزید تخفیف کی درخواست کیجئے۔ فرمایا: ”اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے۔“ ندا آئی کہ ”اے محمد ﷺ! میرے حکم میں تبدیلی نہیں ہوگی۔ نمازیں پانچ ہوں گی لیکن ہر تینی کا بدله دس گناہکشوں گاہیں پانچ بھی بچاں ہوں گی، میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی اور اپنا فصلہ نافذ کر دیا۔“

اب آسان سے اُتر کر آنحضرت ﷺ میں پر تشریف لائے اور بیت المقدس میں داخل ہوئے دیکھا کہ یہاں انبیاء ﷺ کا مجمع ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مصروف ہیں۔ آپ نے ان میں سے چند پیغمبروں کی شکل و صورت بھی بیان کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرمایا: ”ان کا لماقائد اور گندی رنگ تھا اور الجھے ہوئے گھونگروالے بال تھے اور شنودہ کے قبیلہ کے آدمی معلوم ہوتے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قدر میان اور رنگ سرخ و پیسید تھا۔ سر کے بال سیدھے اور لبے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نہا کر لکھے ہیں، عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ثقیفی (صحابی) سے ان کی صورت ملتی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت تمہارے پیغمبر (خود آنحضرت ﷺ) کی سی تھی۔“ بہر حال اسی اثناء میں نماز (غائبِ صبح کی نماز) کا وقت آگیا، سرور انبیاء ﷺ منصب امامت سے سرفراز ہوئے۔ نماز سے فراغت ہوئی تو ندا آئی کہ ”اے محمد ﷺ! ادوزخ کا دار و غدھا خاضر ہے، سلام کرو۔“ آپ ﷺ نے مزکر دیکھا تو دار و غدھا دوزخ نے سلام کیا۔ بخاری میں اہن عباس بن جہنم سے روایت ہے کہ شب معراج میں دجال بھی آپ ﷺ کو دکھایا گیا۔

❶ مسنند احمد، سنن نسائي، كتاب الصلوة، باب فرض الصلوة، 451: او تبرير ابن اسحاق (طبقات ابن سعد، ج 1، رقم 1، ص 143) کی بعض روایتوں میں ہے کہ آسان پر جانے سے پہلے ہی بیت المقدس میں انبیاء نے آپ ﷺ کی اقتداء میں یہ نماز پڑھی تھی، صحیح بخاری میں اس کا ذکر نہیں۔ صحیح مسلم میں وقت کی تصریح نہیں مگر قریبہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ ابھی کا واقعہ ہے، (كتاب الایمان، باب ذکر المیسیح ابن مریم: 430) حافظ ابن کثیر نے اسی کو صحیح لکھا ہے (تفیر سورہ اسراء، ج 3، ص 23) اور ہم نے اسی کی تقدیمی ہے، ترمذی (تفیر سورہ اسراء) اور مسناد ابن حبان میں حضرت عذریہ ؓ سے مردی ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجدِ قبصی میں آتے جاتے سرے سے نمازی نہیں پڑھی، بلکہ صحیح مسلم کے مقابلہ میں اس کو کون تسلیم کرے گا؟

❷ صحیح بخاری، كتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ: 2229۔

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد آپ ﷺ مسجد حرام (کعبہ) میں صبح کو بیدار ہوئے۔ ۱۰
کفار کی تکنید یہ

خانہ کعبہ کے آس پاس رہ سائے قریش کی نشست رہتی تھی، آپ ﷺ بھی وہیں مقام جھر میں تشریف فرماتے، صبح کو آپ نے ان سے اس واقعہ کو بیان کیا تو ان کو خست اچنچا ہوا، جو زیادہ کو باطن تھے انہوں نے آپ کو (نحوذ باللہ) جھٹلا یا بعضوں نے مختلف سوالات کے ان میں اکثر شام کے تاجر تھے، اور انہوں نے بیت المقدس کو بارہا دیکھا تھا، اور انہیں معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ بیت المقدس نہیں گئے ہیں، اس لئے آخر میں خاتمه دلائل کے طور پر سب نے کہا کہ اے محمد اتم کہتے ہو کہ صرف ایک شب میں تم خانہ کعبہ سے بیت المقدس گئے اور واپس آئے، اگر یہ حق ہے تو بتاؤ بیت المقدس کی کیا ہیئت ہے؟ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ”میرے ذہن میں عمارت کا صحیح نقشہ نہ تھا بہت بے قراری ہوئی کہ ناگاہ نظر کے سامنے پوری عمارت جلوہ گر کر دی گئی وہ سوال کرتے تھے اور میں اس کو دیکھ کر جواب دیتا تھا۔“

انتاواقع تو صحیحین میں مذکور ہے لیکن واقعی، ابن اسحاق، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، یقینی اور حاکم میں جن کا مرتبہ کتب روایات میں بلند نہیں ہے اس واقعہ پر لوگوں نے عجیب و غریب حاشیے لگائے ہیں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ نے گھر والوں سے شب کا واقعہ بیان کر کے باہر جانا چاہا کہ اور لوگوں سے بیان کریں، تو میں نے دامن تھام لیا کہ اس کا قصد نہ تکمیل کفار صریح جھٹلا میں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ رات کو جب آپ کے اعزہ نے آپ کو مسترپرنہ پایا تو ان کو قریش کا خوف ہوا کہ انہوں نے آپ کو گزندتو نہیں پہنچایا، اور پہاڑوں اور غاروں میں آپ کو ڈھونڈنے لگے، ایک روایت میں ہے کہ معراج کی واپسی میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ کچھ واقعات پیش آئے جب لوگوں نے جھٹلا یا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اچھا تمہارا قافلہ پرسوں تک آجائے گا اس سے پوچھ لینا۔“ چنانچہ وہ آیا اور اس نے تصدیق کی انہی روایتوں کا ایک گلگرا یہ ہے کہ کچھ کفار دوڑے ہوئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہ آج محمد ﷺ کعبہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ رات کو وہ بیت المقدس گئے اور آئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”کیا واقعی یہ آپ فرمائے ہیں؟“ لوگوں نے کہا: ہاں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”تو میں آپ کو سچا جانتا ہوں اور اس پر ایمان لاتا ہوں۔“ کفار نے کہا: تم کھلم کھلا ایسی خلاف عقل بات کیوں کر صحیح سمجھتے ہو؟ جواب دیا: میں تو اس سے بھی زیادہ خلاف عقل بات پر یقین رکھتا ہوں میں تو یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہر روز آپ ﷺ کی خدمت میں آسمان سے فرشتے آتے ہیں۔“ اسی دن

۱۱ معراج کے یقین واقعات صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، کتاب التوحید، کتاب الانیاء، باب المعراج، کتاب بدء الخلق میں اور صحیح مسلم، کتاب الایمان باب المعراج اور اس کے بعد متفرق ابواب متعلق معراج میں حفاظ فائدہ کیا ہے، ہم نے ان واقعات کے لکھنے میں صرف ترتیب و ترجیح کا فرض ادا کیا ہے۔

سے حضرت ابو بکر علیہ السلام کا لقب صد ایق ہو گیا۔

لیکن یہ تمام قصے سرتاپ انعام اور باطل ہیں۔ ابن اسحاق اور ابن سعد نے توسرے سے ان واقعات کے اسناد ہی نہیں لکھے ہیں ابن جریر طبری، بنہیقی، ابن ابی حاتم، ابو یعلیٰ، ابن عساکر اور حاکم نے ان کی سندیں ذکر کی ہیں، ان کے روایۃ ابو جعفر رازی، ابو ہارون عبدی اور خالد ابن زید بن ابی مالک ہیں، جن میں پہلے صاحب گوجائے خود تھے ہیں، مگر بے سروپا حدیثوں کو بیان کرنے میں بے باک ہیں ایقہہ و مشہور دروغ گو، کاذب اور قصہ خواں ہیں ان ہی لغو قطعوں کا اختتامی جزو یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے معراج کا واقعہ بیان کیا تو بہت سے مسلمانوں کے ایمان بھی متزلزل ہو گئے اور مردم ہو گئے فارتد کثیر ممن اسلام۔ ۱

یہ قصہ غالباً قرآن مجید کی اس آیت کی غلط توضیح میں گھرا گیا ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءُوفِيَا لِتَقْرِيبَكَ إِلَيْنَا فَهُنَّ لِلنَّاسِ أَذْلَالٌ﴾ (۱۷ / الاسراء: ۶۰)

”هم نے یہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہے اس کو لوگوں کی آزمائش ہی کے لئے کیا ہے۔“

ابن سعد اور واقدی نے اس قصہ کو یوں ہی بے سند بیان کیا ہے۔ طبری، ابن ابی حاتم اور بنہیقی وغیرہ کے معتدار کان وہی اصحاب خلیفہ ہیں جن کے اوصاف گرامی بھی اور گزر بچے ہیں، ابن جریر نے اس آیت کے تحت میں جور و ایتیں درج کی ہیں ان میں سے حسن، قاتاہ اور ابن زید سے یہ واقعہ ارداد نہ کوہے، لیکن ان کا سلسہ ان سے آگے نہیں برہتا ۲ اس واقعہ کے انکار کی سب سے پر زور دیل ہمارے پاس یہ ہے کہ اس وقت تک مکہ میں جو اصحاب اسلام لائے تھے وہ گئے چنے لوگ تھے، جو ہم کو نام بدنام معلوم ہیں، ان میں سے کسی کی پیشانی پر ارمدا کا داع نہیں، واقعہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کافروں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے پہلے آپ کے تحت مخالف نہ ہوں اور اگر آپ کو ثابت نہ جانتے ہوں مگر آپ کو مفتری اور کاذب بھی نہ کہتے ہوں لیکن اس واقعہ معراج کے بعد سے انہوں نے بھی آپ کے ساتھ اس نیکی اور حسن ظن کا خیال اٹھادیا ہو، قرآن مجید نے اس کو فتنۃ للناس ”لوگوں کے لئے آزمائش کہا ہے“، فتنۃ للمؤمنین یعنی ”مومنوں اور مسلمانوں کے لئے آزمائش نہیں کہا ہے“ اور اگر ان کے لئے بھی آزمائش ہو تو اس آیت سے کہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورے نہیں اترے۔

کیا آپ ﷺ نے معراج میں خدا کو دیکھا

معراج کے مشاہدات میں شکون و صفات کی جلوہ انگیزی اور آیات اللہ کی نیزگی تو آپ نے دیکھی لیکن کیا ذات اللہ بھی جلمہ جاپ سے باہر آ کر منصہ حقیقت پر رونما ہوئی؟ یعنی دیدار الہی سے بھی آپ مشرف ہوئے؟ بعض روایتوں میں اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے، صحیح بخاری میں حضرت انس بن علیؑ سے شریک بن عبد اللہ

۱ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص: ۲۴۱ و محدث میں یہ تمام واقعات موجود ہیں۔

۲ تفسیر ابن حجریر، ج ۱۵، ص: ۷۱، ۷۲۔

نے جو مراج کی روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے:

((حتی جاء سدرة المنتھی و دنا الجبار رب العزة فدلی حتی کان منه قاب
قوسین او ادنی)) ﴿۱﴾

”آنحضرت ﷺ سدرۃ المنتھی تک پہنچ تو عزت والا جبار (خدا) یہاں تک قریب ہوا اور
جھک آیا کہ اس کے او را پ ﷺ کے درمیان دو کمانوں یا اس سے بھی کم کافا صدرہ گیا۔“

محمد بن نے شریک کی اس روایت کے اس حصہ پر ختم اعتراضات کئے اور سب سے پہلے امام مسلم
نے اس کی نسبت بے احتیاطی کا الزام قائم کیا ہے۔ صحیح مسلم باب المراج میں شریک کی اس سند کو اور کسی قدر
متمن کو لکھ کر ناتمام چھوڑ دیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے فقدم فيه واخر وزادونقص، ﴿۲﴾ شریک نے اس
روایت میں واقعات کو آگے پیچھے کر دیا ہے اور گھٹا بڑھا دیا ہے۔ امام خطابی نے لکھا ہے کہ ”صحیح بخاری میں کوئی
حدیث ایسی نہیں جو بظاہر اس تدریقابل اعتراض ہو جس قدر یہ حدیث۔“ اس کے بعد اس حدیث کی تاویل
بیان کر کے لکھا ہے:

فانه كثيْر التفرد بِـ مِنَـكِـيرِ الـالـفـاظـ الـتـى لاـ يـاتـى بـعـدهـ عـلـيـهـ سـائـرـ الرـوـاـةـ۔

”شریک ایسے منکر الفاظ خود تھا بکثرت روایت کرتے ہیں جن کی تائید ان کے دیگر ہم درس
راوی نہیں کرتے۔“

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے واقعہ مراج کو اور بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے مگر شریک کے سو اسکی اور
نے ان الفاظ کی روایت نہیں کی ہے۔ امام تیقّن نے بھی یہی کہا ہے اور یہی حافظ ابن کثیر کی بھی تحقیق ہے ﴿۳﴾
علام ابن حزم نے بھی اس کے متعلق قریب قریب یہی رائے ظاہر کی ہے ﴿۴﴾ بعض علمائے رجال نے بھی
شریک کی نسبت اچھی آرائی نہیں ظاہر کی ہیں۔ نسائی اور ابن جارود کا قول ہے کہ ”وہ قوی نہیں۔“ یحییٰ بن
سعید القطان کہتے ہیں کہ ”اس سے حدیث نہ بیان کی جائے۔“ البتہ ابن سعید اور ابو داؤد نے ان کے وثوق کی
شهادت دی ہے اسی لئے محمد بن فیصلہ ان کے حق میں یہ ہے کہ جب وہ تھا کسی بات کو بیان کریں کریں تو ان کی وہ
بات شاذ اور منکر قرار دی جائے گی۔“ ﴿۵﴾ چنانچہ اس روایت میں یہ فقرہ بھی اسی قسم کا ہے۔

اصل یہ ہے کہ شریک کی یہ روایت سورہ والجنم کی آیتوں کی تعبیر پر مبنی ہے:

﴿عَلَمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ دُوْمَرَةٌ فَأَسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأَفْقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ
قَابَ قَوْسِينَ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْتَىٰ إِلَى عَبْدِهِ مَا أُوتِيَ ۝ مَا كَذَّبَ الْفَوَادُ مَارَأَىٰ ۝ أَفَتَرَوْنَاهُ﴾

﴿۱﴾ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب کلم الله موسی تکلیما: ۷۵۱۷۔

﴿۲﴾ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء: ۴۱۴۔ ﴿۳﴾ تیقّن اور ابن کثیر کا قول تفسیر ابن کثیر، سورہ اسراء، ج: ۳، ص: ۳ میں ہے۔ ﴿۴﴾ امام خطابی اور ابن حزم کے قول ایمان جغرنے فتح الباری، ج: ۲، ص: ۴۰۳ اور ۴۰۴ میں نقل کئے ہیں۔

﴿۵﴾ تہذیب التہذیب، ج: ۴، ص: ۲۲۳ و مابعد۔

عَلَى مَا يَرِيَ وَلَقَدْ رَأَهُ تَزَلَّلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۝ إِذْ
يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝ لَقَدْ رَأَى مِنْ أَيْتَ رَيْهُ الْكَبِيرِ ۝

(١٨٣/النجم: ٥)

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پر زور اور طاقتوں نے تعلیم دی وہ آسمان کے بلند ترا فیض پر تھا پھر قریب ہوا اور
جھک آیا یہاں تک کہ دو تین ناپ کے برابر یا اس سے بھی قریب تر ہو گیا پھر اس کے بندے کی
طرف جو کچھ وی کرنا تھی کی، دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا وہ جو کچھ دیکھتا ہے کیا تم لوگ
اس سے اس کے متعلق آپس میں شک کرتے ہو، حالانکہ سدرۃ الشیعی کے زندگی جس کے
پاس جنت، المادی ہے، اس نے دوسری مرتبہ یقیناً اور بے شک اترتے ہوئے دیکھا جب کہ
سدرۃ کو چھالیا تھا، جس نے چھالیا تھا نگاہ نہ چھپکی، نہ بھکی اور اس نے اپنے پروردگار کی عظیم
الشان نشانیاں دیکھیں۔“

یہی آیتیں ہیں جن کی بنا پر صحابہ میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ آپ کو خود خدا نظر آیا
اور اکثر صحابہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا۔ ترمذی (تفہیم سورہ نجم) میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سدرۃ الشیعی کے پاس خود خدا کو دیکھا تھا۔ ترمذی میں ہے کہ ایک مقام پر کعب ابخار
(نوسلم یہودی عالم) سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور
اپنے دیدار کی موئی علیہ السلام اور محمد ﷺ میں تقسیم کر دی، چنانچہ حضرت موسی علیہ السلام کو دو دفعہ شرف کلام حاصل ہوا اور
آپ دو دفعہ خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے، مسرور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے یہ لفظوں سے
جا کر قل کی وہ نہایت برہم ہوئیں اور قرآن مجید کی آیتوں سے انہوں نے اس خیال کی تردید کی کہ خدا خود فرماتا
ہے «لَا تُنْدِرْ كُهُ الْأَبْصَارُ» ۝ میں کھیص اس کا دراک نہیں کر سکتیں۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد علیہ
نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے اس آیت کو پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ”ہاں حق ہے مگر اس وقت جب
خدا اپنے اصلی نور میں نہیں ہو، آنحضرت ﷺ نے خدا کو دو دفعہ دیکھا تھا۔“

صحیح مسلم و ترمذی میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے
دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے خدا کو بھی دیکھا ہے؟ فرمایا: ”وَلَوْ تُنْوِرْ هُنَّ مِنْ أَكْلَهُمْ وَلَيَكُنْ
ہُوَنَّ۔“ ۝ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے صرف ایک نور دیکھا۔“ ۝

اکابر صحابہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا ذہب
یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو نہیں بلکہ جریل علیہ السلام کو دیکھا تھا اور انہی نے آپ کی طرف وحی کی تھی،
یہ تمام روایتیں ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن من سورة والنجم: ٢٢٧٨ تا ٣٢٧٨ میں ہیں اور ترمذی نے اس کو
حسن کہا ہے۔ ۝ مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء: ٤٤٣؛ ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن من سورة
نجم: ٣٢٨٢۔ ۝ مسلم، کتاب الایمان: ٤٤٤۔

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرايل علیہ السلام کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھپو پر تھے۔ * صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ تمام صحابہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس مسئلہ پر سخت اصرار تھا، صحیح بخاری کتاب الفہیر میں ہے کہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک بار پوچھا کہ مادر من! کیا آنحضرت ﷺ نے اپنے خدا کو دیکھا تھا؟ یوں ہے: ”یہ کہ تو میرے روئے کھڑے ہو گئے، تین باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق اگر کوئی شخص روایت کرے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے، جس نے یہ روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو دیکھا تھا اس نے جھوٹ کہتا ہے خدا خود کہتا ہے:

﴿لَا تَدْرِيَكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يَدْرِيكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْعَزِيزُ﴾ (٦/الانعام: ١٠٤)

”خدا کون گاہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے۔“

پھر فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِكَثِيرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِيْ حَجَّاً﴾ (٤٢/الشوری: ٥١)

”اگر کسی آدمی میں یہ قوت نہیں کہ اللہ سے کلام کرے لیکن یہ کہ بذریعہ دحی کے یا پردے کی آڑ سے۔“

ان آئیوں کو پڑھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو نہیں دیکھا بلکہ حضرت جبرايل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دوبار دیکھا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح مسلم نے لکھا ہے * کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول جھٹ کیا ہے کہ مرفوع روایت نہیں بیان کی ہے کہ ”آپ ﷺ نے خدا کو نہیں دیکھا تھا۔“ لیکن خود صحیح مسلم میں جس کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے اسی مقام پر حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس نکلیے لگائے ہوئے بیٹھا تھا انہوں نے کہا: ”اے ابو عائش! تین باتیں ایسی ہیں جن میں سے اگر کسی نے ایک کو بھی کہا تو اس نے خدا پر برا بہتان باندھا۔“ میں نے پوچھا: وہ کیا باتیں ہیں؟ فرمایا: ”جس شخص نے یہ کہا کہ محمد ﷺ نے خدا کو دیکھا تھا اس نے خدا پر بڑی تہمت لگائی، میں نیک لگائے بیٹھا تھا یہ سن کر سیدھا اللہ بیٹھا اور کہا: اے ام المومنین! جلدی نہ کیجھے کیا خدا خود نہیں فرماتا:

﴿وَلَقَدْ رَأَهُ بِالْأُفْقِ الْمُبِينِ﴾ (٨١/التکویر: ٢٣)

”اور اس نے اس کو افقِ المبین پر دیکھا۔“

* صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائكة: ٣٢٢٢، صحیح مسلم، کتاب الایمان: ٤٣٤،

جامع ترمذی، ابواب التفسیر، تفسیر سورہ والنجم: ٣٢٧٧۔

* شرح صحیح مسلم نووی نولکشور، ص: ۹۷۔

﴿وَلَقَدْ رَأَهُ نَزَّلَةً أُخْرَى﴾ (۱۲/ النجم: ۵۳)

”اور اس نے اس کو دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا۔“

بولیں: سب سے پہلے خود میں نے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ جبراکل علیہ السلام تھے میں نے ان دو مرتبوں کے سوا ان کو اصلی صورت میں بھی نہیں دیکھا۔“ اس سے زیادہ مستند مرفوع روایت کیا ہو سکتی ہے بخلاف اس کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا نے (جن سے روایتیں ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خدا کو دیکھا) کہی اپنی روایت میں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ انہوں نے خود آنحضرت ﷺ سے اس کو سنا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ صحابہ میں سے کوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہوں کی تفسیر کا مخالف نہیں (تفسیر سورہ اسراء، ج ۳، ص: ۸) بلکہ اصل یہ ہے کہ بقول ابن حجر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا کے خیال کی تشریع میں بعض روایوں سے غلط فہمی ہوتی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا کا یہ منشاء نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان ظاہری آنکھوں سے خدا کو دیکھا، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دل کی آنکھوں سے جلوہ ربانی کا مشاہدہ کیا، صحیح مسلم (متعلقات اسراء، ص: ۸۳) اور جامع ترمذی (تفسیر واجم) میں ان کے یہ الفاظ ہیں (راہی بقبلہ راہی بفوادہ) دل کی آنکھوں سے دیکھا، چشم قلب سے مشاہدہ کیا۔ مردو یہ نے اس سے بھی زیادہ ان کے تصریحی الفاظ لفظ کئے ہیں:

لِم يرہ رسول الله ﷺ بعینیه انما را بقلبه۔ ۲

”آنحضرت ﷺ نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے قلب سے دیکھا۔“

اس تشریع کے بعد اس باب میں کوئی نزاع باقی نہیں رہ جاتی، رہی یہ بات کہ دل کا دیکھنا اور قلب کا مشاہدہ کیا ہے؟ تو اس رمز کو وہی سمجھے جس کے دل میں نور بصیرت اور جس کے دل میں مشاہدہ کی طاقت ہو۔

معراج جسمانی تھی یا روحانی خواب تھا یا بیداری

ہمارے متکلمین اور شراح حدیث نے اس باب میں بے سود مباحثت کا ایک انبار لگا دیا ہے، فیصلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ متکلمان اعترافات، فلسفیانہ خدشات اور عقلی حالات اور نیز عامیانہ ظواہر پرستی اور جمہور کے خیالات کی بے جا تہمیت کے دوسوں سے خالی الذهن ہو کر صحیح روایتوں کے اصل الفاظ پر غور کیا جائے۔ اس مسلمہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سورہ اسراء (معراج) کی اس آیت کی نسبت:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الشَّعْيَا الْكَثِيرَ أَرْبُكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّاتِيْنَ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۶۰)

”ہم نے جو روایا (دکھاوا) تجھ کو دکھایا اس کو ہم نے لوگوں کے لئے صرف آزمائش بنایا ہے۔“

بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ یہ معراج کے متعلق ہے، روایا عربی زبان میں

۱ صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۴۳۹۔ ۲ فتح الباری، ج ۸، ص: ۴۶۸۔

”وَكَهَا“ کو کہتے ہیں یعنی جود کیخنے میں آئے اور عام طور سے اس کے معنی ”خواب“ کے ہیں اس لئے جو فریق مراجع کو خواب بتاتا ہے وہ اس آیت کو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتا ہے، لیکن صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں یہ ان کی تصریح ہے کہ اس آیت میں رویا کے معنی مشاہدہ جسم کے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ واقعہ مراجع خواب نہ تھا بلکہ آنکھوں کا مشاہدہ تھا راویت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْءَ يَا الْقَنِیْ اَرْبَيْنَكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۶۰) قال هی رؤیا عین اریها رسول اللہ ﷺ لما

اسری بہ الی بیت المقدس۔

”ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں کہ“ ہم نے جو رویا تھجھ کو دکھایا اس کو نہیں بنایا لیکن لوگوں کے لئے آزمائش“ کہتے ہیں کہ یہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا جب آپ ﷺ کورات کے وقت بیت المقدس میں لے جایا گیا۔“

اس پر یہ لغوی بحث چھڑ گئی کہ رویا لغت میں ”آنکھ کے دیکھنے“ کو نہیں کہتے مگر ذرا غور کیجئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر لغت عرب کا اتفاق کارا در کون ہو سکتا ہے، جب وہ رویا یے عین کہتے ہیں تو کس کو انکار ہو سکتا ہے، علاوه ازیں راعی اور متین بعض عرب شعراء نے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو بھی ”رویا“ کے لفظ سے تisper کیا ہے۔

راعی کہتا ہے: فکر للرؤيا و هشن فواده۔

متینی کا صدر ہے: ورؤيا ك احلی فی العيون من الغمض۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسندا بن حبیل اور حدیث کی دیگر معتبر کتابوں میں جن میں مراجع کے مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ صحیحین کی عورواتوں کے سواباتی روایتوں میں خواب کا مطلق ذکر نہیں ہے، چنانچہ بخاری و مسلم اور مسندا حبیل بن حبیل میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی جو صحیح ترین روایت ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جو ثابت البنانی کے ذریعہ سے ہے خواب کے ذکر سے قطعاً خالی ہے، اس لئے حسب محاوارہ عام اس کو بیداری کے معنی میں سمجھنا قطعی ہے، لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں جو شریک کے واسطے سے ہے یہ مذکور ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا، بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب صفة النبی ﷺ و مقامات میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

((سمعت انس بن مالک يقول ليلة اسرى برسول الله ﷺ من مسجد الكعبة

انه جاءه ثلاثة نفر قبل ان يوحى اليه وهو نائم في المسجد الحرام فقال اولهم

*) صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب المراج، ۳۸۸۸۔

ایهم هو فقال اوسطهم هو خيرهم فقال اخرهم خذوا خيرهم فكانت تلك الليلة فلم يرهم حتى اتوه ليلة اخرى فيما يرى قلبه وتنام عينه ولا ينام قلبه وكذاك الانبياء تنام اعينهم ولا تنام قلوبهم) ﴿

”انس بن مالک رضي الله عنه كميس نے اس شب کا واقعہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی مسجد سے لے جایا گیا (معراج) بیان کرتے ہوئے سن کہ اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی بھیجی جائے آپ کے پاس تین شخص آئے اور آپ اس وقت مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے پہلے نے کہا: وہ کون ہے؟۔ بیچ والے نے کہا: ان (سوئے والوں) میں جو سب سے بہتر ہے۔ پچھلے نے کہا: ان میں جو سب سے بہتر ہے اس کو لے لو، یہ رات ہو گئی، پھر آپ نے ان کو نہیں دیکھا بیہاں تک کہ ایک اور رات کو وہ آئے۔ ﴿ اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوتی تھی لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا اسی طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے۔ ”

((سمعـتـ انسـ بـنـ مـالـكـ يـحـدـثـنـاـ عـنـ لـيـلـةـ اـسـرـىـ بـالـنـبـىـ مـطـلـقـتـهـ مـنـ مـسـجـدـ الـكـعـبـةـ جاءـ هـ ثـلـاثـةـ نـفـرـ قـبـلـ انـ يـوـحـىـ اـلـيـهـ وـهـ نـائـمـ فـيـ الـمـسـجـدـ الـحـرـامـ فـقـالـ اـولـهـ اـيـهـ هـ وـهـ فـقـالـ اـوـسـطـهـمـ هـوـ خـيـرـهـمـ فـقـالـ اـخـرـهـمـ خـذـوـاـ خـيـرـهـمـ فـكـانـتـ تـلـكـ لـيـلـةـ فـلـمـ يـرـهـمـ حـتـىـ اـتـوـهـ لـيـلـةـ اـخـرـىـ فـيـمـاـ يـرـىـ قـلـبـهـ وـتـنـامـ عـيـنـهـ وـلـاـ يـنـامـ قـلـبـهـ وـكـذـاـكـ اـلـانـبـيـاءـ تـنـامـ اـعـيـنـهـمـ وـلـاـ تـنـامـ قـلـوبـهـمـ فـتـوـلـاـهـ جـبـرـيـلـ ثـمـ عـرـجـ بـهـ اـلـىـ السـمـاءـ)) ﴿

”انس بن مالک رضي الله عنه کمیس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شب معراج کا قصہ بیان کرتے تھے کہ اس سے پہلے کہ آپ پر وحی آئے آپ مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے، آپ کے پاس تین آدمی آئے پہلے نے کہا: وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا: وہ ان میں سب سے بہتر ہے۔ پچھلے نے کہا: جو ان میں سب سے بہتر ہو اس کو لے لو یہ تو ہو گیا، پھر آپ نے ان کو نہیں دیکھا بیہاں تک کہ وہ ایک اور رات کو آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا انہیا کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے پھر جرأتیل علیہ السلام آپ کو اپنے اہتمام میں لیا پھر وہ آپ کو لے کر

صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب ماجاء في قوله: وكلم الله موسى تکلیما: ٧٥١٧۔ ﴿ (ان دونوں راتوں میں کم از کم ہارہ برس کا فصل ہوگا کیونکہ بہل رات آغاز وحی سے پہلے تھی اور دوسری رات جو شب معراج تھی بہت کے باوجود ہیں سال تھی) ﴿

صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب کان النبی مطّلق تناًم عيّنه..... ۳۵۷۰۔

آسمان پر چڑھے۔“

بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو یہاں تک لکھا ہے لیکن کتاب التوحید میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات بیان کر کے آخر میں حضرت انس رض کا یہ فقرہ روایت کیا ہے:

فاسْتِيقْظُ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

”پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔“

صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے، سند کے بعد صرف اس قدر لکھ کر کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سوتے تھے“ اس کو ختم کر دیا ہے اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ ”شریک نے اس روایت میں واقعات کو گھٹا بڑھا کر اور آگے پیچھے کر دیا ہے۔“ اس لئے انہوں نے جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء رض میں اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ شریک کی اس روایت میں بہت سے اوہاں ہیں اور اسی لئے اس کو انہوں نے روک دیا ہے، دوسری روایت رحمۃ اللہ علیہ میں وہ ہے جس میں حضرت مالک بن صعصعہ الصاری رحمۃ اللہ علیہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ ہراتے ہوئے فرمایا:

((بِينَما انا عَنْدَ الْبَيْتِ بَيْنَ النَّائِمِ وَالْقَطَانِ))

”میں کعبہ کے پاس خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔“

صحیح بخاری باب المعراج رض اور سند ابن حبیل میں مالک بن صعصعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بِينَما انا فِي الْحَطِيمِ مُضطَجِعاً))

”اس اثناء میں کہ میں (خانہ کعبہ کے مقام) حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔“

لیکن یہ شب معراج میں آغاز کی کیفیت کا بیان ہے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرم رہے تھے دلائل رحمۃ اللہ علیہ میں ایک روایت ہے جس میں حضرت ابوسعید خدری کے واسطہ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں عشاء کے وقت خانہ کعبہ میں سورا تھا ایک آنے والا (جرائیل غلیلہ) آیا اور اس نے آ کر مجھے جگایا اور میں جا گا۔“ اس کے بعد واقعہ معراج کی تفصیل ہے اس میں سونے کے بعد جگائے جانے کی گو تصریح ہے، لیکن اس کا دوسرا ہی راوی جھوٹا اور دروغ گواورنا قابل اعتبار ہے رض اور اس میں جو مکفرات اور غرائب امور بیان کئے گئے ہیں وہ سرتاپا الغوہیں۔ ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن جریر

❶ صحیح بخاری، کتاب التوحید: ۷۵۱۷۔ ❷ شرح شفاشہاب خفاجی ج ۲، ص: ۲۶۰۔

❸ صحیح بخاری، باب ذکر الملائکة: ۳۲۰۷۔ و صحیح مسلم، باب الاسراء: ۴۱۶۔

❹ بخاری، کتاب مناقب الانصار: ۳۸۸۷۔ ❺ حافظ ابن کثیر نے تفسیر سورہ اسراء، ج ۲، ص: ۱۹ میں اس روایت کو لفظ کیا ہے اس کے سلسلہ سند میں دوسرے راوی وہی ابو ہارون العبدی ہے جس کو علمائے رجال نے بالاتفاق ساقط الاعتبار قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ هو اکذب من فرعون ”و فرعون سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔“

طبری نے تفسیر میں (سورہ اسراء) حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی روایت کی ہے کہ ”میں سورا تھا کہ جبرائیل نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر مجھے اٹھایا، لیکن اس کا سلسلہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے آگئے نہیں بڑھتا، سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ بزرگوار مراجع کو روحاںی اور رویاے صادقہ کہتے تھے یہ روایتیں مع سند کے حسب ذیل ہیں:

عن محمد بن اسحاق قال حدثني يعقوب بن عبدة بن المغيرة ان معاوية
بن ابي سفيان كان اذا سئل عن مسرى رسول الله ﷺ قال: كانت رؤيا من
الله صادقة۔

”محمد بن اسحاق سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ یعقوب بن عبدة بن مغیرہ نے بیان کیا کہ
معاویہ بن سفیان سے جب مراجع کا واقعہ پوچھا جاتا تو وہ کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ایک سچا
خواب تھا۔“

لیکن یہ روایت منقطع ہے۔ یعقوب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خود نہیں سنائے کیونکہ انہوں نے ان
کا زمانہ نہیں پایا ہے، دوسری روایت ہے:

حدثنا ابن حميد قال حدثنا سلمة عن محمد قال حدثني بعض آل ابي بكر
ان عائشة كانت تقول ما فقد جسد رسول الله ﷺ ولكن اسرى بروحه۔
”ابن حميد نے ہم سے بیان کیا، ان سے سلمہ نے، سلمہ سے محمد بن اسحاق نے، انہوں نے کہا:
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہا
کرتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ کا جنم کامنہیں کھویا گیا بلکہ آپ کی روح شب کو لے جائی گئی۔“

اس روایت کے سلسلہ میں محمد بن اسحاق اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ایک راوی یعنی خاندان ابو بکر صدیق کے ایک شخص کا نام و نشان مذکور نہیں ہے، اس لئے یہ بھی پایہ صحت سے فروت ہے، تاہم ان روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ مراجع کو رویا یا روحاںی کہنا قرن اول میں بعض لوگوں کا قول تھا، ابن اسحاق میں ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے سامنے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ ”یہ رویا تھا تو وہ اس کی تردید نہیں کرتے تھے۔“ لیکن جہور کا نہ ہب یہی ہے کہ مراجع جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں تھی قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے شفاعة میں اور امام نووی رضی اللہ عنہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے:

اختلاف الناس في الأسراء برسول الله ﷺ فقيل إنما كان جميع ذلك في

۱۔ ابن حجریر، تفسیر سورہ اسراء، ج ۱۵، ص: ۱۳۰؛ سیرت ابن ہشام ذکر مراجع، ج ۱، ص: ۲۴۹۔

۲۔ حوالہ مذکور۔ ۳۔ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص: ۲۴۲۔

المنام والحق الذي عليه اکثر الناس ومعظم السلف وعامة المتأخرین من الفقهاء والمحدثین والمتکلمین انه اسری بجسده ﷺ والآثار تدل عليه لمن طالعها ویبحث عنها ولا یعدل عن ظاهرها الابد لیل والاستھالة فی

حملها علیه فیحتاج الی تاویل۔ ①

”رسول اللہ ﷺ کی مراجی میں لوگوں کا اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب میں پیش آیا اور حق یہ ہے کہ جس پر اکثر لوگ اور سلف صالحین کا بڑا حصہ اور عامہ متأخرین میں سے فقہاء اور محدثین اور متكلمین سب متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جسم کے ساتھ مراجی ہوئی اور جو شخص تمام آثار و احادیث کا غائر مطالعہ اور تحقیق کرے گا اس پر یہ حق واضح ہو جائے گا اور اس ظاہر سے بے دلیل انحراف نہیں کیا جائے گا اور نہ ظاہر پر ان کو محبوں کرنے میں کوئی محال لازم آتا ہے جو تاویل کی حاجت ہو۔“

مفسرین میں سے ابن حجر طبری سے لیکر امام رازی تک نے جمہور کے اس مسلک پر چار عقلی دلیلیں بھی قائم کی ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

① قرآن مجید میں ہے کہ «سُبْلُخَنَ الَّذِي أَسْلَى يَعْنِدَهُ» (۱۷/ بنی اسرائیل: ۱) ”پاک ہے وہ خدا جو (شب مراجی) میں لے گیا اپنے بندہ (عبد) کو،“ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے ”بندہ“ کو لے گیا بندہ یا عبد کا اطلاق جسم یا روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے تنہار وح کو عبد یا بندہ نہیں کہتے۔

② واقعات مراجی میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ براق پر سوار ہوئے اور آپ نے دودھ کا پیالہ نوش فرمایا، سوار ہونا پہنچا یہ سب جسم کے خواص ہیں، اس لئے یہ مراجی جسمانی تھی۔

③ اگر واقعہ مراجی روایا اور خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے؟ انسان تو خواب میں خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے، محال سے محال چیز بھی اس کو عالم خواب میں واقعہ نہ کر نظر آتی ہے۔

④ خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے: «وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا إِلَّا رِيَاناً لِأَفْتَأْنَةَ الْتَّائِسِ» (۱۷/ بنی اسرائیل: ۶۰) ”کہاں مشاہدہ مراجی کو ہم نے لوگوں کے لئے معیار آزمائش بنایا ہے۔“ اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائش کی کیا چیز تھی اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا۔ ②

مراجی کے بحالت بیداری ہونے پر صحیح استدلال

۔ میرے نزدیک مراجی کے بحالت بیداری کے شوتوت کا صاف صحیح طریقہ یہ ہے کہ کلام کا فطری قاعدہ

① شرح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء، ج ۱، ص: ۹۱ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنور۔

② تفسیر طبری، ج ۱۵، ص: ۱۳۔

یہ ہے کہ جب تک مسلم اپنے کلام میں یہ ظاہرنہ کر دے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائے گا کہ وہ واقعہ بحالت بیداری پیش آیا، قرآن پاک کے ان الفاظ میں «سُبْلَعْنَ الَّذِي أَشْرَى يَعْبُدِهِ لَيْلًا» ”پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات لے گیا۔“ میں کسی خواب کی تصریح نہیں، اسی طرح حضرت ابوذر ؓ کی صحیح ترین روایت میں بھی اس کی تصریح نہیں، اس لئے بے شبه بیداری ہی کا واقعہ سمجھا جائے گا اور یہی جہور امت کا عقیدہ ہے اور وہ بھی بحکم، اسی طرح صحیح احادیث میں بھی خواب کی تصریح نہیں، اس لئے زبان کے خاورہ عام کی بنا پر اس کو بیداری کا واقعہ سمجھا جائے گا۔

معدیان رویا کا مقصود بھی رویا سے عام خواب نہیں

جو لوگ اس کو ”رویا“ کہتے ہیں، اس سے ان کا مقصود بھی وہ عام خواب نہیں ہے جو ہر روز ہر شخص دیکھا سکتا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ لوگوں نے انہیا ﷺ کے رویا کی حقیقت پر غور نہیں کیا ہے، وہ غلطی سے انہیا ﷺ کے رویا کو بھی عام انسانی خواب سمجھتے ہیں، حالانکہ دراصل صرف لفظ کا اشتراک ہے اور نہ اس کی حقیقت بالکل جدا گانہ ہے، یہ وہ ”رویا“ ہے جس میں گوآ نہیں بند ہوتی ہیں، مگر دل بیدار ہوتا ہے، کیا یہی عام رویا کی حقیقت ہے؟ یہ وہ حالت ہے جو بظاہر خواب ہے مگر دراصل ہشیاری بلکہ ما فوق ہشیاری ہے، عام خواب اور اس رویا میں مشابہت صرف اس قدر ہے کہ اس عالم مادی اور کاروبار حواس ظاہری سے پہلے میں تقاضی ہے تو دوسرے میں تعطیل ہے لیکن پہلے میں عالم روح اور کائنات ملکوت کو دخل نہیں اور دوسرے میں سرپا ہشیاری، بیداری، حقیقت بینی، اہم سفری ناموس، سیر سادات، القائے ارواح، رویت حق سب کچھ ہے، اس لئے جن لوگوں نے اس کو ”منام“ یا ”رویا“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، انہوں نے درحقیقت مجاز و استعارہ سے کام لیا ہے، دراصل مقصود بھی کیفیت روحانی اور یہی حالت ملکوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ظاہری حواس کے مادی تو انہیں طبعی کی رو سے جو چیزیں محال معلوم ہوتی ہیں وہ اس عالم میں محال نہیں ہیں۔

رویائے صادقة کی تاویل

بہر حال جو لوگ اس کو رویائے صادقة کہتے ہیں۔ ان کو گویہ مغالطہ بعض روایات حدیث سے پیش آیا ہے، جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور جن میں سب سے مستند شریک کی روایت ہے، جس کے الفاظ میں کمی پیشی پر اکثر محدثین نے اعتراض کیا ہے، اسی لئے اس کو انہوں نے رد کر دیا ہے، تاہم محدثین میں سے امام خطابی صاحب معالم السنن شریک کی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واما من اعتبر اول الحدیث باخره فانه یزول عنه الاشکال فانه مصراخ
فیهمابانه کان رویا لقوله فی اوله وهو نائم وفی اخره استيقظ وبعض
الرؤیا مثل یضرب لیتاول علی الوجه الذي يجب ان یصرف الیه معنی

التعییر فی مثله و بعض الرؤیا لا يحتاج الی ذالک بل یاتی کال مشاهدة۔ ۱۰
”لیکن جو شخص اس حدیث کے ابتدائی الفاظ کو آخری الفاظ سے ملا کر دیکھے گا اس سے یہ اشکال اس لئے دور ہو جائے گا کہ ان میں یہ تصریح ہے کہ یہ روایات، کیوں کہ اس روایت کے شروع میں ہے کہ ”آپ ﷺ سور ہے تھے۔“ اور آخر میں ہے، کہ آپ ﷺ جاگ پڑے، بعض روایات میں رنگ میں ہوتے ہیں، جن کی تاویل ضروری ہے کہ اسی طرح کی جائے، جس طرح اس قسم کے خواب کی تعییر کی جاتی ہے اور بعض روایات کے محتان نہیں ہوتے، بلکہ وہ مشاهدة یعنی کی طرح پیش آتے ہیں۔“

روایات مقصود روحاں ہے

لیکن جو لوگ ان میں آشناۓ راز ہیں، وہ نہیں کہتے کہ وہ ایک عام قسم کا خواب تھا، جو ہر انسان تقریباً ہر شب کو دیکھتا ہے، بلکہ وہ اس کیفیت پر روایا کا اطلاق بخشن مجازی اور انسانی طریقہ ادا کے صور کے باعث کرتے ہیں، انسان روح اور جسم سے مرکب ہے، یہ روح جو جسم سے وابستہ ہے، اس کا تعلق بخشن عارضی ہے اور یہی عارضی تعلق عالم نور سے اس کے حباب کا باعث ہے، جس قدر اس تعلق کا رشتہ ڈھیلا ہو جائے گا۔ اسی نسبت سے وہ حباب اٹھتا جائے گا۔ انسان جب بیداری میں ہوتا ہے تو حواس ظاہری کی مصروفیت روح کو مشاهدہ باطن سے باز رکھتی ہے، نیند کی حالت میں کسی قدر راس کو ظاہری مشغولیت سے آزادی ملتی ہے تو اس کو رنگارنگ کی چیزیں نظر آتی ہیں یہ حالت انسان کی باطنی و روحاںی قوی کی ترقی و تenzil پر موقوف ہے ایک دن تو ہر انسان مر جاتا ہے یعنی اس کی روح کا تعلق اس کے جسم سے منقطع ہو جاتا ہے لیکن انسانوں کی ایک صفاتی بھی ہے جس کا طائر روح خدا کے فضل و موبہبہ بازوؤں سے پر زور ہو کر اپنے قفس عضری کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ کر عالم ملکوت کی سیر کرتا پھرتا ہے اور پھر اسی قفس عضری کی طرف رجعت کر جاتا ہے یہی حالت ہے جس کو وہ اپنی مدد و رزیان میں مجاز ا”روایائے صادقة“ یا روایائے نبوت کہتے ہیں اور اسی عالم کو عالم روایا کے لفظ سے تعییر کیا گیا ہے اور ممکن ہے کہ اسی کو قرآن مجید کی آیت (و ما جعلنا الرؤيا التي اريتناك) میں روایا کہا گیا ہے یہی وہ دنیا ہے جس میں آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار ہوتا ہے اور اسی کی طرف وحی کی حدیثوں میں اشارہ ہے اور ابن ہشام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف جو روایت منسوب ہے کہ

ما قدر جسد رسول اللہ ﷺ ولكن اسری بروحه۔ ۱۱

”یعنی حضور انور ﷺ کو مسراج روح کے ذریعہ ہوئی۔“

کا بھی یہی مطلب ہے۔

۱۰ فتح الباری، ج ۱۳، ص: ۴۰۲۔ ۱۱ سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص: ۲۴۲۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد ۃ میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

فصل: وقد نقل ابن اسحاق عن عائشة و معاویة انهما قالا انما كان الاسراء بروحه ولم يفقد جسده و نقل عن الحسن البصری نحو ذلك ولكن ينبغي ان يعلم الفرق بين ان يقال كان الاسراء مناما وبين ان يقال كان بروحه دون جسده وبينهما فرق عظيم و عائشة و معاویة لم يقولا كان مناما وانما قالا اسرى بروحه ولم يفقد جسده و فرق بين الامرين فان ما يراه النائم قد يكون امثالا مضرورة للمعلوم في الصور المحسوسة فيرى انه قد عرج به الى السماء او ذهب به الى مكة و اقطار الارض و روحه لم تتصعد ولم تذهب و انما ملك الرؤيا ضرب له المثال و الذين قالوا عرج برسول الله ﷺ طائفتان طائفۃ قالوا عرج بروحه و بدنہ و طائفۃ قالوا عرج بروحه ولم يفقد بدنہ و هؤلاء لم يريدوا ان المراجح كان مناما و انما ارادوا ان الروح ذاتها اسرى بها و عرج بها حقيقة و باشرت من جنس ما تباشر بعد المفارقة وكان حالها في ذلك كحالها بعد المفارقة في صعودها الى السموات سماء حتى يتھی بها الى السماء السابعة فتفق بين يدي الله عزوجل فيما مر فيها بما يشاء ثم تنزل الارض فالذی كان لرسول الله ﷺ ليلا الاسراء اکمل مما يحصل للروح عند المفارقة و معلوم ان هذا امر فوق ما يراه النائم لكن لما كان رسول الله ﷺ في مقام خرق العوائد حتى شق بطنه وهو حی لا يتالم بذلك عرج بذات روحه المقدسة في غير اماتة ومن سواه لain بالذات روحه الصعود الى السماء الا بعد الموت والمفارقة فالانبياء انما استقرت ارواحهم هناك بعد مفارقة الابدان و روح رسول الله ﷺ صعدت الى هناك في حال الحياة ثم عادت وبعد وفاته استقرت في الرفيق الاعلى مع ارواح الانبياء ومع هذا فلها اشرف على البدن واشراف وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه وبهذا التعلق رأى موسى قائما يصلی في قبره و راه في السماء السادسة و معلوم انه لم يعرج بموسى من قبره ثم رد اليه و انما ذلك مقام روحه واستقرارها و قبره مقام

بدنه واستقراره الی یوم معاد الا رواح الی اجسادها فراہ يصلی فی قبرہ و راه فی السماء السادسة كما انه صلی اللہ علیہ وسّع نعمتہ فی ارفع مکان فی الرفیق الاعلی مستقرا هنالک و بدنہ فی ضریحہ غیر مفقود واذا سلم علیہ المسلم رد اللہ علیہ روحه حتی یرد علیہ السلام ولم یفارق الملاع الاعلی ومن کثف ادراکہ و غلظت طباعہ عن ادراک هدا فلینظر الی الشمسم فی علو محلها و تعلقها و تاثیرها فی الارض و حیات النبات والحیوان بها هذا و شان الا رواح فوق هذا فلها شان وللبدن شان وهذه النار تكون فی محلها حرارتہا تؤثر فی الجسم بعيد عنہا مع ان الارتباط والتعلق الذی بين الروح والبدن اقوى واکمل من ذالک و اتم فشان الروح اعلی من ذالک والطف۔

”فصل: ابن اسحاق نے حضرت عائشہ رضی اللہ علیہ وسّع نعمتہ اور معاویہ رضی اللہ علیہ وسّع نعمتہ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ مراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسّع نعمتہ کی روح لے جائی گئی اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا (یعنی وہ اسی دنیا میں اپنی جگہ پر موجود تھا) اور حسن بصری رضی اللہ علیہ وسّع نعمتہ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے لیکن یہ جاننا چاہیے کہ یہ کہنا کہ مراج منام (خواب) تھا اور یہ کہنا کہ بذریعہ روح کے تھی جسم کے ساتھ نہ تھی، ان دونوں میں برا فرق ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ علیہ وسّع نعمتہ اور معاویہ رضی اللہ علیہ وسّع نعمتہ نے یہ نہیں کہا کہ وہ منام (خواب) تھا، انہوں نے یہی کہا ہے کہ مراج میں آپ کی روح کو لیجا یا گیا اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا ان دونوں میں برا فرق یہ ہے کہ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے کبھی محسوس صورتوں میں جو کچھ معلوم ہے اس کی تمثیلیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں، پس وہ دیکھتا ہے کہ گویا وہ آسمان پر چڑھایا گیا یا کہ اس کو لے جایا گیا اور زمین کے گوشوں میں اس کو پھرایا گیا، حالانکہ اس کی روح نہ چڑھی، نہ گئی، نہ پھری، صرف یہ ہوا کہ خواب کے فرشتے نے اس کے لئے ایک تمثیل اس کے سامنے کر دی اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسّع نعمتہ کو آسمان پر چڑھایا گیا ان میں دو فرقے ہیں ایک فرقہ کہتا ہے کہ آپ کو مراج روح و بدن دونوں کے ساتھ ہوئی اور دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن کھویا نہیں گیا (یعنی اس عالم سے) ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں کہ وہ خواب تھا بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بننا تھا روح کو مراج ہوئی اور وہی درحقیقت اوپر چڑھائی گئی اور اس نے اس طرح کیا جس طرح جسم سے مغارقت کے بعد کرتی ہے اور اس میں اس کی حالت وہی تھی جو مغارقت جسم کے بعد آسمانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنے میں ہوتی ہے، یہاں تک کہ ساتویں آسمان پر جا کر ٹھہر جاتی ہے اور

اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑی ہو جاتی ہے پھر وہ جو چاہتا ہے اس کی نسبت حکم دیتا ہے پھر زمین پر واپس آ جاتی ہے پس آنحضرت ﷺ کو شب مراجع میں جو حاصل ہوا وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ خرق عادات کے مقام میں تھے، یہاں تک کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور آپ زندہ تھے لیکن آپ کو تکلیف نہیں ہوئی اسی طرح خود روح مبارک بذلتہ اوپر چڑھائی گئی بغیر اس کے کہ آپ پر موت طاری کی جائے آپ کے علاوہ اور کسی کی روح کو موت اور مفارقت تن کے بغیر یہ وعدج نصیب نہ ہوا، انبیا ﷺ کی روحلیں جو یہاں شہری تھیں اور وہ مفارقت جسم کے بعد تھیں لیکن آنحضرت ﷺ کی روح پاک زندگی کی حالت میں وہاں گئی اور واپس آئی اور مفارقت کے بعد انبیا کی روحوں کے ساتھ ”رفیق اعلیٰ“ میں جا کر خہر گئی لیکن باوجود اس کے روح پاک کو اپنے جسم کے ساتھ ایک نوع کا تعلق اور رشتہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کو کوئی سلام بھیجتے تو آپ سلام کا جواب دیتے ہیں اسی تعلق سے آپ نے شب مراجع میں دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں پھر آپ نے ان کو چھٹے آسان میں دیکھا، حالانکہ معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر سے اٹھا کر نہیں لے جایا گیا تھا اور نہ پھر واپس کیا گیا تھا، اس کی گرہ یوں سکھلتی ہے کہ وہاں آسان پر جو موسیٰ علیہ السلام کو آپ نے دیکھا تو وہ ان کی روح کا مقام و مستقر تھا اور قبران کے جسم کا، جہاں وہ قیامت میں روحوں کے لوٹانے کے وقت تک رہے گا، اس طرح آپ نے ان کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا اور جو چھٹے آسان پر بھی دیکھا جس طرح کر (بعد وفات) آنحضرت ﷺ اس سے بلند تر مقام یعنی رفیق اعلیٰ میں بھی قرار گیریں اور جسم مبارک قبر شریف میں بھی موجود ہے، جب سلام کرنے والا آپ پر سلام کرتا ہے تو اللہ آپ کی روح کو واپس کرتا ہے، تا آنکہ آپ جواب دیتے ہیں، حالانکہ مقام رفیق اعلیٰ سے آپ علیحدہ نہیں ہوئے جو شب مراجع میں حاصل ہوا۔ وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ خرق عادات کے مقام میں تھے یہاں تک کہ آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور آپ زندہ تھے لیکن آپ کو تکلیف نہیں ہوئی، اسی طرح روح مبارک بذلتہ اوپر ہے۔ جو موٹی سمجھ اور بحدی طبیعت کا آدمی اس معاملہ کو سمجھنے سکے اس کو

چاہیے کہ آنات کی طرف دیکھے کہ اس دوری اور بندی کے باوجود اس کا تعلق اور رشتہ زمین سے قائم ہے اور اس کے اندر وہ اثرِ ذات ہے اور نباتات و حیوانات کی زندگی میں اس کو دخل ہے پھر روح کا مرتبہ تو اس سے بدرجہاز یاد ہے کیونکہ روح کا معاملہ اور ہے جسم کا معاملہ اور ہے اور دیکھو کہ آگ اپنی جگہ پر رہتی ہے اور اس کی گرمی دور کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ روح اور بدن کا باہمی تعلق تو اس سے بھی زیادہ قوی اور کامل ہے اس لئے کہ روح آگ سے زیادہ اعلیٰ اور لطیف ہے۔“

فقیل للعیون السرمدیا سک ان تری

سنا الشمس فاستغشی ظلام اللیالیا

”گردد آسود آنکھوں سے کہہ دو کہ وہ آنات کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکی کو اور ڈھینے۔“

صوفیہ اور رہب باب حال نے معراج کے واقعات کی تشریح اپنے مذاق اور رنگ میں کی ہے، علمائے اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے جو صوفی اور صاحب حال ہے اور محدث و متکلم بھی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ صاحب کے متعلق معلوم ہے کہ وہ دیگر اہل باطن کی طرح عالم برزخ اور عالم مثال زمام اور عالم جد اور عالم روح کے درمیان ایک تیرے عالم کے قائل ہیں جہاں جسم پر روح کے خواص طاری ہوتے ہیں اور روح اپنی خصوصیت اور مناسبت کے مطابق جسمانی مشکل و صورت میں نمایاں ہوتی ہے، شاہ صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ معراج بیداری میں اور جسم کے ساتھ ہوئی لیکن یہ عالم برزخ کی سیرتھی جہاں آپ ﷺ کے جسم پر روحانی خواص طاری کئے گئے اور معانی و واقعات مختلف اشکال و صورت میں مشاہدہ کرائے گئے چونکہ ایک بیگانہ کے لئے اس نادیدہ شہرستان کی ہو بہترشی اپنی زبان میں مشکل ہے، اس لئے ہم اس ملک کے ایک سیاح کا بیان نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

شاہ صاحب جمعۃ اللہ بالغہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

واسری به الى المسجد الاقضی ثم الى سدرة المنتهی والى ماشاء الله وكل ذلك لجسده ملتفیۃ فی البیقة و لكن ذلك فی موطن هو برزخ بين المثال والشهادة جامع لاحکامهما فظہر على الجسد احكام الروح و تمثل الروح والمعانی الروحیة اجساداً ولذلك بان لكل واقعة من تلك الواقع تعبیر وقد ظهر لحز قیل و موسنی وغيرهما عليهم السلام نحو من تلك الواقع وكذاك لا ولیاء الامة ليكون علو درجاتهم عند الله كحالهم فی

الرؤیا۔ واللہ اعلم۔

”آپ ﷺ کو مراجع میں مسجدِ اقصیٰ میں لے جایا گیا اور پھر سدرۃ المتنبیٰ اور جہاں خدا نے چاہا اور یہ تمام جسم مبارک کے لئے بیداری کی حالت میں ہوا لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اور جو دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے، اس لئے جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے اور اسی لئے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی اور اسی طرح کے واقعات میں حضرت حزقیل اور موسیٰ علیہما السلام وغیرہ کے لئے ظاہر ہوئے تھے، جیسے اولیائے امت کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں کہ خدا کے نزدیک ان کے درجے کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو رویا میں ان کو معلوم ہوتی ہے، واللہ علیم۔“

اس کے بعد شاہ صاحب نے مراجع کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعبیر کی ہے، خود احادیث صحیح اور معتبر روایات میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے دودھ اور شراب کے دوپیاں لے پیش کئے تو آپ نے دودھ کا پیالا اٹھایا، اس پر فرشتہ نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی تمام امت گمراہ ہو جاتی۔ ”اس عام تمثیل میں گویا فطرت کو دودھ اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کرایا گیا ہے۔

شاہ صاحب مراجع کو عالمِ برزخ کا واقعہ بتا کر اسی طرح مراجع کے تمام واقعات کی تعریج کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

اما شق الصدر وملؤه ايمانا فحقيقةه غلبة انوار الملكية وانطفاء لهيب الطبيعة وخضوعها لما يفيض عليها من حظيرة القدس واما رکوبه على البراق فحقيقة استواء نفسه النطقية على نسمته التي هي الكمال الحيواني فاستوى راكبا على البراق كما غلت احكام نفسه النطقية على البهيمية وتسلطت عليها واما اسراءه الى المسجد الاقصى فلانه محل ظهور شعائر الله ومتصل همم الملائكة الاعلى ومطعم انتظار الانبياء عليهم السلام فكانه كوة الى الملائكة واما ملاقاته مع الانبياء صلوات الله عليهم ومفخرته معهم فحقيقةها اجتماعهم من حيث ارتباطهم بحظيرة القدس وظهور ما اختص به من بينهم من وجوه الكمال واما رقيه الى السموات سماء بعد

سماء فحقيقة الانسلاخ الى مستوى الرحمن منزلة بعد منزلة ومعرفته حال الملائكة المؤكلة بها ومن لحق بهم من افضل البشر والتدبیر الذى اوحاه الله فيها والاختصاص الذى يحصل فى ملئها واما بکاء موسى فليس بجسد ولكنه مثال لفقده عموم الدعوة وبقاء کمال لم يحصله مما هو في وجهه واما سدرة المنتهى فشجرة الكون وترتب بعضها على بعض وانجما عها في تدبیر واحد كان جماع الشجرة في الغاذية والنامية وتحوهاها ولم تتمثل حيوانا لأن التدبیر الجملی الاجمالی الشیبه بسياسة الكلی بافراده وانما اشبه الاشياء به الشجرة دون الحیوان ، فان الحیوان فيها قوى تفصیلیة والارادة فيه اصرح من سنن الطبیعة واما الانهار في اصلها فرحمه فائضه في الملکوت حذ الشهادة وحياة وانماء فلذلك تعین هنالك بعض الامور النافعة في الشهادة كالنيل والفرات واما الانوار التي غشيتها فدلیلاتها الهیة وتدبیرات رحممانیة تلعلعت في الشهادة حيثما استعدت لها واما بیت المعمور فحقيقة التجلى الالھی الذي يتوجه اليه سجدات البشر وتضرعاتها يتمثل بیتاً على حدود ما عندهم من الكعبۃ وبيت المقدس ثم اتی ببناء من لبن واناء من خمر فاختار اللبن فقال جبرائیل هدیت للفطرة ولو اخذت الخمر لغوت امتك فكان هو صلی اللہ علیہ وسَلَّمَ جامع امة ومنشأ ظهورهم وكان اللبن اختيارهم الفطرة والخمر اختيارهم لذات الدنيا وامر بخمس صلوات بلسان التجوز لانها خمسون باعتبار الثواب ثم اوضح الله مراده تدريجياً ليعلم ان الحرج مدفوع وان النعمۃ کاملة وتمثل هذا المعنی مستندًا الى موسى فانه اکثر الانبیاء معالجة للامة ومعرفة بسیاستها۔

”لیکن سیدنا کا یہ ایمان سے بھرنا تو اس کی حقیقت ملکیت کے انوار کا غلبہ اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بھگنا اور طبیعت کی فرمانبرداری اس فیضان کو قبول کرنے کے لئے جو حظیرہ القدس سے خدا اس پر فاکض کرتا ہے لیکن آپ کا برآق پر سورا ہونا تو اس کی حقیقت آپ کے نفس ناطق (بشری) کا اپنے اس روح حیوانی پر استیلا حاصل کرنا ہے جو کمال حیوانی ہے تو

آپ ﷺ برائق پر اسی طرح سوار ہو گئے، جس طرح آپ کی روح بشری کے احکام آپ کی روح حیوانی پر غالب آگئے اور اس پر مسلط ہو گئے لیکن آپ کارات کو مسجدِ قصیٰ لے جانا تو وہ اس لئے کہ یہ مقام شعائرِ الہی کے ظہور کا مکان ہے اور ملائے اعلیٰ کے ارادوں کا تعلق گاہ ہے اور انہیاً علیہما السلام کی نگاہوں کا نظارہ گاہ ہے، گویا وہ ملائے اعلیٰ کی طرف ایک روشنداں ہے جہاں سے روشنی چھپنے کر اس روشنداں کے ذریعہ اس کرہ انسانی پر فائض ہوتی ہے لیکن آپ کی انہیاً علیہما السلام سے ملاقات اور مغایرت (اور امامت) تو اس کی حقیقت تو ان کا اجتماع ہے، بحیثیت اس کے کوہ سب ایک ہی رشتہ میں حظیرۃ القدس سے مربوط ہیں اور آپ ﷺ کی ان حیثیاتِ کمال کا ظہور ہے جو ان تمام پیغمبروں میں آپ کی ذات سے مخصوص تھیں لیکن آپ کا آسمان پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھتا (اور فرشتوں اور مختلف پیغمبروں سے ملاقات) تو اس کی حقیقت درجہ بدرجہ (تحت کی منزلوں سے) کھینچ کر عرشِ الہی تک پہنچا ہے اور ہر آسمان پر جو فرشتے معین ہیں اور کامل انسانوں میں سے جو جہاں جس درجہ تک کھینچ کر ان کے ساتھ مل کر گیا ہے، ان کے حالات سے اور اس تدبیر سے جو ہر آسمان میں خدا نے وہی کی اور اس مباحثہ سے جو اس آسمان کے فرشتوں کی جماعت میں ہوتا ہے آگاہی ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رونا تو از راه حسد نہ تھا بلکہ وہ اس بات کی تمثیل تھی کہ ان کو دعوتِ عامہ نہیں ملی تھی اور اس کمال کی بقا ان کو عنایت نہیں ہوئی تھی جو عموم دعوت سے حاصل ہوتی ہے لیکن سدرۃ النعمتیٰ تو وہ وجود کا درخت ہے اس کا ایک دوسرے پر مرتب ہونا اور پھر ایک ہی تدبیر میں مجتمع ہونا ہے جس طرح درخت (اپنی شاخوں کے بے شمار افراد کے اختلاف کے باوجود) اپنی قوت غاذیہ اور اپنی قوت نامیہ کی تدبیر میں تحد و مجمع ہوتا ہے، سدرۃ النعمتیٰ حیوان کی نخل میں نمایاں نہیں ہوا، اس لئے کہ اجمانی اور مجموعی تدبیر اس طرح ہے جس طرح کلی اپنے افراد کی سیاست (اجمانی) کرتی ہے اور اس تدبیر اجمانی کی بہترین شبیہ درخت ہے نہ کہ حیوان، کیونکہ حیوان میں تفصیلی قوتیں ہوتی ہیں اور خصوصاً اس میں ارادہ قوانین طبعی سے زیادہ مصروف صورت میں ہوتا ہے لیکن نہروں (کی جڑوں اور سوتوں کا وہاں نظر آتا) تو وہ رحمت و حیات و نشوونما کا منبع ہے جو عالمِ ملکوت میں اسی طرح جاری ہے جس طرح عالم ظاہر میں اسی لئے وہاں بھی بعض وہ پر فیض امور نظر آئے جو یہاں اس عالم میں ہیں، جیسے دریائے نیل اور نہر فرات لیکن وہ انوار جو اس درخت کو ڈھانکتے تھے وہ تجزیاتِ الہیہ اور تدبیراتِ رحمانیہ ہیں جو اس عالمِ ظاہر میں وہاں چمکتی ہیں جہاں جہاں ان کے قبول کی استعداد ہوتی ہے لیکن بیتِ معمور تو اس کی حقیقت وہ تجھی

ہے جس کی طرف انسانوں کے تمام بجدے اور بندگیاں متوجہ ہوتی ہیں، وہ گھر کی صورت میں اس لئے نمایاں ہوا کہ وہ ان قبلوں کی طرح ہو جو انسانوں کے درمیان کعبہ اور بیت المقدس کی صورت میں ہیں ہیں پھر آپ ﷺ کے سامنے ایک دودھ کا پیالہ اور ایک شراب کا پیالہ لایا گیا، آپ نے دودھ پسند فرمایا تو جرا میل علیہ السلام نے کہا کہ فطرت کی طرف آپ نے ہدایت پائی اگر شراب پسند فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی آپ کے پسند و قبول کو امت کا پسند و قبول کہنا اس لئے تھا کہ آپ اپنی امت کے جامع و مرکز اور اس کے ظہور کے منشا و مولد تھے اور دودھ کا پیالہ پسند کرنا فطرت کا پسند کرنا تھا اور شراب کا لینا دینا وی لذتوں کو پسند کرنا تھا اور آپ کو بربان مجاز پائچ وقتوں کی نمازوں کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ درحقیقت ثواب کے اعتبار سے پچاس وقت ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقصد کو کہ ”۵۰ وقت سے ۵ وقت مقصود ہیں“ بدفعت اور بذریع اس لئے ظاہر کیا، تاکہ یہ معلوم ہو کہ (۵۰) وقت کو ۵ کر دینے میں (تسلی) دور کر دی گئی ہے اور نعمت پوری ہوئی ہے اور یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مکالمہ کی طرف منسوب ہو کر اس لئے ظاہر ہوئی کہ تمام یتیم بروں میں امت کا تجربہ اور امت کی سیاست کی آگاہی اُنہی کو سب سے زیادہ تھی۔“

ہم نے ارباب حال اور مدد شین کے انکشافات و حقائق اور جسم و روح کے یہ گونا گوں احوال و مناظر خود انہی کی زبانوں سے بتائے اور کھائے ہیں، ورنہ ہم خود اس باب میں سلف صالحین کا عقیدہ رکھتے ہیں، جوانین اسحاق کی عبارت میں حسب ذیل ہے:

وَكَانَ فِي مَسْرَاهٍ وَمَا ذُكِرَ مِنْهُ بِلَاءٌ وَتَمْحِيصٌ وَأَمْرٌ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ فِي قَدْرِهِ
وَسُلْطَانِهِ، فِيهِ عِبْرَةٌ لَا ولِي الْأَلْبَابِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ وَثِباتٌ لِمَنِ امْنَ بِاللَّهِ
وَصَدْقَ وَكَانَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ عَلَى يَقِينٍ فَاسْرِيْ بِهِ كَيْفَ شَاءَ وَكَمَا شَاءَ لِيْرِيْهِ
مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ مَا أَرَادَ حَتَّى عَلِيْنَ مَا عَلِيْنَ مِنْ أَمْرِهِ وَسُلْطَانِهِ الْعَظِيمِ وَقَدْرِهِ
الَّتِي يَصْنَعُ بِهَا مَا يَرِيدُ۔

”آپ ﷺ کے اس سفر شبانہ اور جو کچھ اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس میں آزمائش اور کافر و مون کی تمیز ہے اور خدا کی قدرت اور سلطنت میں سے کوئی الہی شان ہے اور اس میں اہل عقل کے لئے عبرت ہے اور جو اللہ پر ایمان لایا اور تصدیق کی اور خدا کے کاموں پر یقین رکھا اس کے لئے اس میں ہدایت رحمت و ثابت قدمی ہے پس اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کورات کے

سیرت ابن حشام، باب الاسراء، ج ۱۔

وقت لے گیا جس طرح چاہا، اور جیسے چاہا، تاکہ وہ اس کو اس کے پور دگار کی نشانیوں میں سے جو چاہے دکھائے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے خدا کی شان اور اس کی عظیم الشان قوت کے مناظر دیکھے، جو کچھ دیکھے، اور اس قدر تک کہ دیکھا جس سے وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔“

قرآن مجید اور مراج

مراج کے اسرار، اعلانات، احکام، بشارتیں اور انعامات

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں مراج کا بیان سورہ اسراء (جس کو سورہ بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں) کی صرف ابتدائی تین چار آیتوں میں ہے، لیکن:

﴿سُلْطَنَ الَّذِي أَسْرَى يَعْبُدِهِ لَيْلًا فَنَسْجِدُ الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بِرَبِّكُنَا حَوْلَةً لِيُرَبِّيَهُ مِنْ أَيْتَنَا إِلَهُ الْوَالَّسِيْعُ الْبَصِيرُ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۱)

”پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو رات کے وقت مسجد حرام (کعبہ) سے اس مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا جس کے گرد اگر دم نے برکت نازل کی ہے، تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔“

لیکن ہم نے اس سورہ کو شروع سے اخیر تک بار بار پڑھا اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ یہ پوری سورہ مراج کے اسرار و حقائق، متانج و عبر اور احکام و اعلانات سے معمور ہے، سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس سورہ کے جملی عنوانات کیا ہیں۔

① یہ اعلان کہ آنحضرت ﷺ نبی القبلتین (یعنی کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے پیغمبر) ہیں۔

② یہود جواب تک بیت المقدس کے اصلی وارث اور اس کے نگہبان وکلید برادر بنائے گئے تھے، ان کی تولیت اور نگہبانی کی مدت حسب وعدہ الہی ختم کی جاتی ہے اور آں اکملیل کو ہمیشہ کے لئے اس کی خدمت گزاری پر کوئی جاتی ہے۔

③ کفار قریش کو اعلان کہ تمہارے پند و مومنیت کا عہد گزر گیا، فیصلہ حق کے ثبوت کے لئے جس عذاب کو تم مانگتے تھے، اب وہ آتا ہے کہ رسول اب بھرت کرتے ہیں۔

④ رسولوں کی سنت کے مطابق اب آنحضرت ﷺ کو بھرت کا اذن دیا جائے گا جس کے بعد نافرمان قوم پر عذاب آئے گا۔

⑤ مراج کے احکام و شرائع۔

⑥ نماز و نجگانہ کی فرضیت۔

⑦ نبوت، قرآن، قیامت اور محروم اور اعتراضات کے جوابات۔

⑧ حضرت موسی عليه السلام کے حالات اور واقعات سے استشهاد۔

آنحضرت ﷺ کا نبی القبلتین ہونا

حضرت ابراہیم عليه السلام کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا کلید برادر بنایا تھا اور

آن کو ارض مقدس کی تولیت کا منصب عطا کیا تھا جس کے حدود خدا نے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھائے تھے لیکن اسی کے ساتھ تورات میں بار بار اعلان کر کے یہ بھی ان کو منادیا گیا تھا کہ اگر انہوں نے خدا کے احکام کی اطاعت اور پیغمبروں کی تصدیق نہ کی تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل و الحسن علیہما السلام دو بیٹے عطا ہوئے تھے اور ارضی مقدس کو ان دونوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا یعنی شام کا ملک حضرت الحسن علیہ السلام کو اور عرب کا ملک حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ملتا تھا، شام میں بیت المقدس اور عرب میں کعبہ واقع تھا، حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزندوں کو جن کا مشہور نام بنی اسرائیل ہے (اسرا یل) حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب کا لقب تھا) بیت المقدس کی تولیت عطا ہوئی تھی اور بنو اسماعیل کو کعبہ کا متولی بنایا گیا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں جس قدر پیغمبر پیدا ہوئے ان میں سے بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور اسماعیل علیہ السلام کا کعبہ تھا گویا آنحضرت مصلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قد رانیما علیہ السلام عرب یا شام میں مبوث ہوئے وہ ان دونوں قبلوں میں سے صرف ایک کے متولی تھے آنحضرت مصلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام دوسرے پیغمبروں کے متفرق اوصاف و خصوصیات کا جامع اور برزخ بنایا تھا، اسی طرح حضرت اسحاق و اسماعیل علیہما السلام دونوں کی برکتوں اور سعادتوں کا گنجینہ بھی ذات محمدی مصلی اللہ علیہ وسلم تی کو فردانیا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وارثت جو صدیوں سے دونوں بیٹوں میں بنتی چلی آتی تھی وہ آنحضرت مصلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پھر ایک جگہ جمع ہو گئی اور گویا وہ ”حقیقتِ ابراہیمیہ“ جو خاندانوں اور نسلوں میں منقسم ہو گئی تھی ذات محمدی مصلی اللہ علیہ وسلم میں پھر کجا ہو گئی اور آپ مصلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں قبلوں کی تولیت توفیض ہوئی اور بنی اقبلتین کا منصب عطا ہوا، یہی نکتہ تھا جس کے سبب سے آنحضرت مصلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی لئے معراج میں آپ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد قصی (بیت المقدس) تک لے جایا گیا اور مسجد قصی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی صفائی میں آپ کو امامت پر مأمور کیا گیا، تاکہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلان عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکار محمدی مصلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوتی ہے اور وہ بنی قبیلین نامزد ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں سورہ اسراء کی ابتداء و اقصی معراج کا آغاز اسی حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے:

﴿سَبَّعُنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَذْيَه لَيْلًا فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي يَرْسَلُ إِلَيْهِ لِتُرْيَةً مِنْ أَيْقَاظِ اللَّهِ هُوَ السَّمِيمُ الْبَصِيرُ﴾

(۱۷/ بنی اسراء یہل: ۱)

”پاک ہے وہ ذات جو رات کے وقت اپنے بندہ کو مسجد حرام سے اس مسجد قصی تک لے گیا جس کے گرد اگر دہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم اپنے اس بندہ کو اپنی چند نشانیاں دکھائیں بے شک خدا سخنے والا اور دیکھنے والا ہے۔“

بنی اسرائیل کی مدتِ تولیت کا قیام

بنو اسرائیل کو ارضِ مقدس کی تولیت کا شرف بہت سی شرائط اور معابدوں کے ساتھ عطا ہوا تھا اور یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جب وہ غیر معبودوں کی طرف جھکیں گے اور احکامِ الٰہی کی عدم پیروی کے ملزم ہوں گے تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا اور نجومی و غلامی کی زنجیر ان کی گردنوں میں ڈال دی جائے گی حضرتِ داؤد و سلیمان ﷺ کے عہد میں ان کو جو نیابت اور وراشت عطا کی گئی تھی عدم ایفا ہے عہد کی پاداش میں باطل کے باوجود اپنے نصر (بنو خذلر) کے ہاتھوں ان سے چھین لی گئی، ارضِ مقدس سے وہ جلاوطن کر دیے گئے، شہر یروشلم کھنڈر کر دیا گیا، بیتِ المقدس کی ایک ایسی نیٹ چور چور دی گئی اور توراۃ کے پرزے پرزے اڑا دیے گئے۔ اس پر غم سانحہ پر انبیاء بنی اسرائیل نے ماتم کیا، خدا کے سامنے دستِ تصرع دراز کیا ہی بنی اسرائیل کو توبہ و انبات کی دعوت دی تو پھر ان کو معاف کیا گیا اور ایسا یہوں کے عہد میں ارضِ مقدس کی دوبارہ تولیت سے وہ سرفراز ہوئے لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہے، بتوں کو سجدے کئے، توراۃ کے احکام سے روگردانی کی تو ان پر یونانیوں اور رومیوں کو مسلط کیا گیا، جنہوں نے بیتِ المقدس کو جلا کر خاکستر کر دیا، یہودیوں کا قتل عام کیا، قربان گاہ کے مقدس طروف توڑ پھوڑ دیے۔ اب اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوتی ہے اور بنو اسرائیل کو توبہ و انبات کا آخری موقع دیا جاتا ہے اگر انہوں نے حق پسندی کو راہ دیا تو خدا ان پر رحم فرمائے گا ورنہ ہمیشہ کے لئے وہ اس منصب سے محروم کر دیے جائیں گے۔

چنانچہ آیات بالا کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّتَنْهَى إِنْسَانَ عَيْنِ الْأَنْتَفِدُوا مِنْ دُونِنَا وَكَيْلًا طُذْرَةً
مَنْ حَلَّنَا مَعَ نُوحٍ طِإِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۝ وَقَضَيْنَا إِلَيْنَاهُ إِنْسَانَ عَيْنِ الْأَنْتَفِدُ
لَتَفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْنَى عُلُوًا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَاءَهُ وَعْدُ أُولَئِمَّا بَعْثَنَا عَلَيْنَاهُ
عَبَادَتْنَا أَوْلَى بَأْسِنِ شَدِيدِنِ فَيَاسُوا خَلْلَ الْتَّيَابَطِ وَكَانَ وَعْدُ أَمْفَعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا الْمُدْ
الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاهُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَيْنَنِ وَجَعَلْنَاهُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ إِنْ أَحْسَنْنَاهُمْ أَحْسَنَنَاهُ
لَا نَفِيكُمْ ۝ وَإِنْ أَسَأْنَاهُمْ فَلَهُمْ ۝ فَإِذَا جَاءَهُ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسْوَعَأُ وُجُوهَهُمْ وَلَيَدَ خُلُوا
الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُواهُ أَوْلَ مَرَّةً وَلَيُتَبَرُّو مَا عَلَوْا تَبَرِّيًّا ۝ عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يَرِدَ حَمْمَةً ۝ وَإِنْ
عَدْنَوْ عَدْنَا ۝ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَفِرِينَ حَصِيرًا ۝﴾ (۱۷ / بنی اسراء یل: ۲ تا ۸)

”اور ہم نے موی ﷺ کو کتاب دی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت نامہ شہریا کہ ہمارے سواہ کسی کو کار ساز نہ بنائیں، اے ان لوگوں کی اولاد! جن کو ہم نے نوح ﷺ کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا کیھو کہ ان کا جنہوں نے اپنا کار ساز دوسروں کو بنا لیا تھا کیا حشر ہوا؟ تم

کو اس احسان کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا کیونکہ تمہارا باب پر نوح شکر گزار بندہ تھا اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کر دیا تھا کہ تم دودفعہ میں میں فساد کرو گے اور بڑی زیادتیاں کرو گے جب ان میں سے پہلے فساد کا وقت آیا تو ہم نے تم پر ایسے بندوں کو کھڑا کر دیا جو بڑے سخت گیر تھے وہ تمہارے شہروں کے اندر پھیل گئے اور خدا کا وعدہ پورا ہوا پھر ہم نے تمہارے دن پھیسرے اور تم کو مال واولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد بہت بڑھادی اور کہہ دیا کہ اگر تم نے ابھی کام کئے تو اپنے ہی لئے اور برے کام کئے تو اپنے لئے، پھر جب تمہارے دوسرے فساد کا وقت آیا تو پھر ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو کھڑا کر دیا کہ وہ تمہارے چہروں کو خراب کر دیں اور یہ بھی بیت المقدس میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح تمہارے پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر وہ قابو پائیں اس کو توڑ پھوڑ ڈالیں (اب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد) ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر ویسا ہی کیا تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے اور حق کے منکروں کے لئے ہم نے جہنم کا حاطب بنا رکھا ہے۔

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی تھی، وہاں بنی اسرائیل سے تعلقات نہ تھے، اس لئے کمی سورتوں میں بنا اسرائیل کو عموماً مخاطب نہیں کیا گیا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ بنا اسرائیل کو مخاطب کیا جا رہا ہے کیونکہ اب اسلام کے نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے اور آپ ﷺ کو مدینہ کی طرف بھرت کی اجازت ملنے والی ہے جہاں ان سے تعلقات کا آغاز ہو گا اور سنوف خدا کے سامنے اپنی شرمساری کے اظہار کا موقع ملنے کا اور خدا ان پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے گا لیکن اگر انہوں نے قبول حق سے انکار کیا تو ان کے لئے پھر وہی سزا ہے جو ان کو اس سے پہلے دو دفعہ مل جکی ہے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے عملًا اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا اور حق کو قبول نہیں کیا حالانکہ خدا نے ان سے کہا:

﴿لَا أُؤْفُنَا بِعَهْدِكُمْ﴾ (۲/ البقرة: ۴۰)

”تم میرا عہد پورا کر دیں تمہارا عہد پورا کروں گا۔“

اس لئے خدا نے ان پر رحمت کا دروازہ نہیں کھولا اور ان کو تیری دفعہ بھی وہی سزا ملی اور وہ مدینہ، اطراف مدینہ، باغات وغیرہ سے بے دخل کر دیے گئے اور بیت المقدس کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کر دی گئی۔

کفار مکہ کے نام آخري اعلان

آج کفار مکہ کے نام آخري اعلان ہے، ان کا مطالبہ تھا کہ اگر اسلام سچا اور ہمارا نہ ہب باطل ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب آئے ان کو یہ سنت الہی بتائی گئی کہ قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا جب اس میں مبلغ الہی مجموعت نہیں ہو لیتا اور اس کو بالکل اس کی طرف سے مایوی نہیں ہو جاتی،

اس وقت قوم کا دولت منداور مغرب و طبق اس حق کی بخش کنی کے لئے آگے بڑھتا ہے، بہت سے دوسرے لوگ جن کو ان کی قوت پر بھروسہ ہوتا ہے ان کا ساتھ دیتے ہیں، مومنوں کا طبق جو ظاہر کر دو اور ضعیف ہوتا ہے اس حق کو قبول کر لیتا ہے، ایک دنیا کے تفع عاجل کا طالب ہے اور دوسرا آخرت کے تفع جاوید کو ترجیح دیتا ہے، دنیا میں ظاہر دنوں کو بر ابر زندگی کی نعمتیں ملتی ہیں مگر ایک دن آتا ہے جب رات اور دن کی روشنی الگ ہو جاتی ہے دنیا میں کوئی ایک دوسرے کا ذمہ دار نہیں، مصلح اور ہادی اپنا فرض ادا کر دیتے ہیں ایمان و کفر کے وہ ذمہ دار نہیں، اس دنیا میں ہر شخص اپنا آپ صامن ہے، اسی انکار و کفر کی بدولت قریش مکہ بھی تولیت کعبہ کے شرف سے معزول کے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو فتح مکہ کی خوشخبری سنائی جاتی ہے:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلّٰتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيَبْهِئُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّلَاحَتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَيْرِيًّا وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَذِمُّ الْأُنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَةً بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْأَنْسَانُ عَبُولًا وَجَعَلْنَا الْيَوْمَ وَالثَّهَارَ لِيَتَّقَبَّلَ فَهُوَنَا أَيَّةُ الْكِلَّ وَجَعَلْنَا أَيَّةً الْتَّهَارَ مُبَوِّرَةً لِتَتَغَرَّبَ فَضْلًا مِنْ رَيْكُمْ وَلَعَظَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ وَكُلُّ شَيْءٍ عَفَصَلَهُ تَعْصِيًّا وَكُلُّ إِنْسَانٍ الْأَرْمَنَهُ طَيْرَةٌ فِي عُنْقِهِ وَخُجْرَجَ لَهُ يَوْمُ الْقِيَمَةِ كَيْبَأَيْلَقْهُ مَنْشُورًا إِقْرَأْ كِتَبَكَ مَكْفُلَ بِيَقْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبَأَهْ مَنْ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضْلُلُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةُ وَلَا تَرُدُّ وَازْرَةً فَرَأَ أَخْرَى وَمَا أَنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ تُهْلِكَ قَرْيَةً أَمْرَنَا مُتْرِفِهَا فَفَسَقُوا فِيهَا أَعْقَبَ عَلَيْهَا الْقُولُ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا وَكَمْ أَهْلَلْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوْجَطٍ وَكَفَ فِيْهَا أَعْقَبَ عَلَيْهَا الْقُولُ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا وَكَمْ أَهْلَلْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوْجَطٍ وَكَفَ يُرِيدُ لَهُمْ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَهَا مَذْمُومًا مَذْحُورًا وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأَوْلَئِكَ كَانَ سَعِيْهِمْ مَشْكُورًا كُلَّا يُرِيدُ هُوَلَّاعَ وَهُوَلَّاعَ مِنْ عَطَاءِ رَيْكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَيْكَ حَظْلُورًا أَنْظُرْ كِيفَ فَضَلَّنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ درجاتِ وَالْكِبْرُ تَعْضِيًّا﴾ (۲۱/ بنی اسرائیل: ۹ تا ۱۷)

”یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ان مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑی مزدوری ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جن کو آخرت پر ایمان نہیں، ہم نے ان کے لئے درستاک عذاب تیار کیا ہے، انسان (کبھی) برائی (عذاب) کو بھی اسی طرح چاہتا ہے جس طرح بھلاکی کو، انسان بڑا ہی عجلت پسند واقع ہوا ہے ہم نے دن اور رات کو دونشانیاں بنایا ہے نشان شب کو ہم منادیتے ہیں اور نشان روز کو روشن کر دیتے ہیں

کہ اس روشنی میں اپنے خدا کی مہربانی کو ڈھونڈ و اور ماہ و سال کا شمار اور حساب جانو ہم نے ہر چیز کھول کر بیان کر دی اور ہر انسان کے نیک و بد کو اسی کی گردن میں ڈال دیا ہے قیامت کے دن ہم اس کے اعمال نامہ کو نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا (اور اس وقت ہم اس سے کہیں گے کہ) لو! (اپنا اعمال نامہ پڑھو)، آج تم ہی اپنا حساب آپ لے لو تو جو ہدایت کو قبول کرتا ہے، وہ خود اپنے لئے کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنے لئے، کوئی ایک درسے کے بوجھ کو نہیں اٹھاتا اور ہم اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک پیغمبر نہ بھیج لیں اور جب کسی آبادی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو ہم وہاں کے دولت مندوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں فتن و فجور کرتے ہیں (تو اس پر قانون الہی کے مطابق) سزا واجب ہو جاتی ہے تو ہم اس آبادی کو بتاہ و بر باد کر دیتے ہیں اور یاد کرو نوح کے بعد سے ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، تیرا پر پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے جو (اس دنیا کا نفع) عاجل چاہتے ہیں تو ان میں سے جس کے لئے ہم چاہتے ہیں (اسی دنیا کا نفع) عاجل اس کو دے دیتے ہیں پھر دوزخ کو اس کا ٹھنکا نا بنتا تھے ہیں جس میں وہ ہر طرح بر اٹھہر کر راندہ درگاہ بن کر داخل ہو گا اور جو آخرت کو چاہے گا اور آخرت کے لئے کوشش کرے گا اور وہ مومن ہو گا تو اس کی کوشش خدا کے یہاں مشکور ہو گی ہم نیک و بد ہر ایک کو تیرے پر پروردگار کے عطیہ سے دیتے ہیں تیرے پر پروردگار کا عطیہ محدود نہیں ہے دیکھ! ہم نے کیوں کر دنیا میں ایک کو درسرے پر فضیلت دی ہے لیکن سب سے بڑا درجہ اور مرتبہ آخرت کا درجہ اور مرتبہ ہے۔“

معراج کے احکام و وصایا

یہود اور قریش دونوں کی معزولی کے بعد بیت المقدس اور خانہ کعبہ دونوں کی تولیت کا منصب عطا کرنے کے لئے شہنشاہِ عالم اپنے بندہ خاص کو اپنے حضور میں طلب کرتا ہے اور اس روحانی حکومت کے شرائط و احکام کا ایک سخت عطا کرتا ہے، جیسا کہ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور درسرے پیغمبروں کو عطا ہوا تھا:

﴿لَا تَجْعَلْ مَهَ اللَّهُ إِلَهًا أَخْرَفَ قَعْدَ مَذْمُومًا فَخُذْ لَوْلًا وَقَضَى رَبُّكَ الْأَعْيُدُ وَإِلَّا إِيمَانُ
وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِنَّمَا يَلْعَنَ عِنْدَكَ الْكَبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَّاهُمَا فَلَا تَقْنَلْ لَهُمَا أَفْ وَلَا
تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَيْنَاهَا وَاحْفُضْ لَهُمَا جَنَاحَ الدُّلُّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبَّ
أَرْحَمَهُمَا كَمَا كَرِيَنِي صَغِيرًا إِنَّمَا أَعْلَمُ بِهَا فِي قُوْسُكُمْ إِنْ تَكُونُوا صَلِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ
لِلْأَكَابِينَ غَفُورًا وَإِنَّهُ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمُسْكِنُينَ وَابْنَ السَّيِّدِيْلِ وَلَا تُبَدِّرْ تَبَذِّيْرًا إِنَّ
الْمُبَدِّرِيْنَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَنُ لِرَبِّهِ كَفُورًا وَإِنَّمَا تُغْرِيَنَ عَنْهُمْ

ابْيَقَاعَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قُوَّلًا مَيْسُورًا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى
عُنْقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدْ مَلُومًا حَسُورًا إِنْ رَبِّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ
وَيَقْدِرُ إِذَا هُنَّ كَانُ بِعِيَادَةٍ خَيْرًا بِصِيرَاتٍ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ طَعْنُ
نَرْقُفْهُمْ وَإِيَّاهُمْ إِنْ قَتَلْهُمْ كَانَ خَطَا كَبِيرًا وَلَا تَقْرِبُوا إِلَيْنَا إِذَا كَانَ فَاجْحَشَةً طَوَّأَهُ
سَيْلًا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفَسَ الَّتِي حَرَمَ اللَّهُ إِلَيْهَا الْحَقُّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلَاهِ
سُلْطَنًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ إِذَا كَانَ مَنْصُورًا وَلَا تَقْرِبُوا مَالَ الْيَتَمِّيْمِ إِلَيْهِ
أَخْسَنْ حَتَّى يَلْعَلْ أَشَدَّهُ سَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُلًا وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا
كَلَمْتُمْ وَرَبَّنُوا بِالْقُسْطَلَانِ الْمُسْتَقْبِلِينَ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَخْسَنَ تَأْوِيلًا وَلَا تَقْفُ مَا تَيَسَّرَ لَكَ يَهُ
عِلْمٌ إِنَّ السَّمَعَ وَالْأَبْصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُلًا وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ
مَرَحًا إِنَّكَ لَمْ تَخْرُقِ الْأَرْضَ وَلَمْ تَبْلُغِ الْجَهَنَّمَ طُولًا كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئَةً عِنْدَ رَبِّكَ
مَكْرُوهًا ذَلِكَ وَهَا أَوْحَى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْيَمِّيْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَيْهَا أَخْرَقَنْتَكِ فِي
جَهَنَّمَ مَلُومًا مَذْهَلًا حُسْرًا

(۱۷) بنتی اسر آنیل: ۲۲ تا ۳۹

”خدا کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بنا دوں تو بر اٹھیرے گا اور بے یار و دگار رہ جائے گا اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کوئے پوچھنا اور ماس باب کے ساتھ نیکی کرنا، اگر ان میں ایک یادوں توں تیرے سامنے بڑھا پے کوچھ جائیں تو ان کی بات میں اونھ تک نہ کرنا اور ان کو شہر کرنا ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور ان کے سامنے نرم دلی سے اطاعت کا بازو جھکا دینا اور ان کے حق میں یہ دعا مانگنا کہ پروردگار میرے والدین پر اسی طرح رحم فرماجس طرح انہوں نے جب میں چھوٹا تھا مجھ پر رحم کیا تھا، تمہارا پروردگار تمہارے دلوں کے راز سے خوب واقف ہے، اگر تم نیک ہو تو وہ تو توبہ کرنے والوں پر بخشش کرتا ہے اور قرابت دار کو اس کا حق ادا کر اور غریب و مسافر کا حق بھی دے اور فضول خرچی نہ کیا کر، فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے آقا کا بڑا ہی ناشکرگزار ہے، اگر اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تجوہ کو تو قلع ہے ان مستحقین میں سے کسی سے تجوہ کو منہ موڑنا پڑے تو ان کو نرمی سے سمجھادے اور اپنا ہاتھ نہ اتنا سکیڑ لے کہ گویا گردن میں بندھا ہے اور نہ اتنا پھیلا ہی دے کہ ہر طرف سے تجوہ کو لوگ ملامت کریں اور تو ہی دست ہو جائے، تیرا پروردگار جس کی روزی روزی چاہتا ہے کم کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا دینا ہے اور تم افلاس کے ڈر سے اپنے پھوپھوں کو

قتل نہ کرو، ہم ہیں جو ان کو اور تم دونوں کو روزی دیتے ہیں ان کا قتل کرنا درحقیقت بڑا گناہ ہے اور زنا کے پاس بھی نہ جا کر وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے ان کو نا حق قتل نہ کرنا اور جو شخص ظلم سے مارا جائے تو اس کے والی وارث کو تقصیص کا حق ہم نے دیا ہے تو چاہیے کہ وہ اس میں زیادتی نہ کرے کیونکہ اسی میں اس کی جیت ہے اور یہ تم جب تک اپنی عقل و شعور اور جوانی کو نہ پہنچ جائے اس کے مال و جائداد کے قریب بھی نہ جانا لیکن اس طریقہ سے جا سکتے ہو جو ان کے حق میں بہتر ہو، عہد کو پورا کیا کرو کہ اس کی باز پرس ہو گی اور جب ناپ کرو تو پورا ناپ کرو اور توں کرو تو سیدھی ترازو سے توں کر دو، یہ طریقہ اچھا ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہے اور جس بات کا تھکہ کو علم نہ ہوا س کے پیچھے نہ ہو لے، کیونکہ کان آنکھ دل سب سے موآخذہ ہو گا اور زمین میں اکڑا کر کرنہ چل کر تو (اس چال سے) نہ زمین کو چیرڑا لے گا اور نہ پہاڑوں کے برابر اونچا ہو جائے گا، ان تمام باتوں کی برائی تیرے پر وردگار کے نزدیک ناپسندہ ہے یہ تمام احکام دلش مندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تھج پر وحی کی ہیں اور خدا کے ساتھ کوئی اور دوسرا خدا نہ بنائے ورنہ تو ملامتی اور اندر دگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

ان احکام کی تفصیل کے بعد آخر میں خدا فرماتا ہے:

﴿ذلِكَ مَا أَوْتَيْتِ إِلَيْكَ رِبَّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ (۱۷ / بنی اسرائیل: ۳۹)

”یہ تمام باتیں دلش مندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے تم پر وحی کی ہیں۔“

معراج کے رو حانی احوال کی تشریح کے ضمن میں خدا نے جو یہ فرمایا ہے:

﴿فَأَوْتَيْتِ إِلَى عَبْدِهِ مَا أُوتَيْتِ﴾ (۱۰ / النجم: ۵۳)

”پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی جو کچھ کہ وحی کی۔“

اس اجمال اور ابہام کے اندر جس قدرا حکام و شرائع کا حصہ تھا، شاید وہ بھی ہیں کہ جن کی اس مقام پر تفصیل کی گئی ہے۔

ان آئیوں میں جو احکام مذکور ہوئے وہ تعداد میں بارہ ہیں اور یہی احکام دوازدہ گانہ درحقیقت دنیا کے تمام خیر و شر کی بنیاد و اساس ہیں، کوئی اخلاق کی تفصیل پر دفتر کے دفتر سیاہ کڑا لے، تاہم ان احکام دوازدہ گانہ کے حلقو سے باہر نہ نکل سکے گا بخصر اور سادہ عبارت میں یہ احکام حسب ذیل ہیں:

- ① شرک نہ کرنا۔
- ② ماں باب پ کی عزت و اطاعت کر۔
- ③ حق والوں کا حق ادا کر۔
- ④ اسراف نہ کر اور افراط و تفریط کے پیچے میں

اعتدال اور میانہ روی کی راہ چل۔

- | | |
|--|--|
| <p>۶ زنا کے فریب نہ جانا۔</p> <p>۸ یتیم سے بہتر سلوک کر۔</p> <p>۱۰ ناپ تول میں پیانہ اور ترازو کو بھر پور رکھ۔</p> <p>۱۲ زمین پر مغرب و رشہ بن۔</p> | <p>۵ اپنی اولاد کو قتل نہ کر۔</p> <p>۷ ناچ کسی کی جان نہ مارنا۔</p> <p>۹ اپنا عہد پورا کر کہ تجھ سے اس کی پوچھ ہوگی۔</p> <p>۱۱ نامعلوم بات کی پیر وی نہ کر۔</p> |
| <p>یہ انہی احکام عشرہ کا نقش ثانی اور مکملہ ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور کی معراج میں عطا ہوئے تھے (توراة سفر استثناء ۵-۶)۔</p> | |
| <p>۱ میرے آگے تیر کوئی دوسرا خدا نہ ہو۔</p> <p>۲ تو خداوند پہنچنے خدا کا نام بے سب نہ لے (یعنی جھوٹی قسم نہ کھا)۔</p> <p>۴ اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے۔</p> <p>۶ تو زنانہ کر۔</p> <p>۸ تو اپنے ہمسایہ پر جھوٹی گواہی نہ دے۔</p> <p>۱۰ تو اپنے ہمسایہ کے کسی مال کا لاچنہ کر۔</p> | <p>۳ سبت کے دن کی یاد کر۔</p> <p>۵ تو خون مت کر۔</p> <p>۷ تو چوری نہ کر۔</p> <p>۹ سورہ کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو یہ احکام عشرہ ملے تھے ان کی طرف اشارہ آئے گا۔</p> |

تجھرت اور عذاب

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم مادی میں کچھ طبعی و فطری قوانین مقرر کر دیے ہیں، جن میں عموماً تخلف نہیں ہوا کرتا، اسی طرح عالم روحانی میں بھی اس نے کچھ اصول و قوانین بنا دیے ہیں جن کے خلاف نہیں ہوا کرتا، مجملہ ان اصول و قوانین کے ایک یہ ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی پیغمبر محبوب ہوتا ہے تو ہر طرح اس کو سمجھایا جاتا ہے، تبلیغ کا ہر فرض اس کے سامنے ادا کیا جاتا ہے، شریقوں محبوات طلب کرتی ہے، بالآخر اس کے سامنے مجبزے پیش کئے جاتے ہیں اور جب اس پر بھی وہ ایمان نہیں لاتی تو پیغمبر کو تحریک کا حکم ہوتا ہے اور اس کے بعد اس بدجنبت قوم پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے، چنانچہ انبیاء کے کرام کی سیرت میں اس اصول کی بہترین تشریح ہیں آج اسی قاعدہ کی تعلیم کا آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے، آپ کو معراج کی سب سے بڑی ثانی عطا کی گئی، مگر اس کو بھی وہ جھلاتے ہیں:

﴿وَإِنْ قُنْ قَرِيقَةً إِلَّا تَخْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَقْعُ الْقِيمَةُ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا إِلَّا كَانَ ذُلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُبَيِّنَ بِالْأَيْتِ إِلَّا أَنْ گَذَبَ بِهَا الْكَوُنُونَ وَأَتَيْنَا كَمْوَدَ النَّاقَةَ مُبَحِّرَةً فَظَلَمُوا بِهَا وَمَا تُرِسِلُ بِالْأَيْتِ إِلَّا تَخْوِيفًا وَإِذْ قُنْ الَّكَ إِنَّ

رَبِّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَكُ فِي الْقُرْآنِ مَا تَحْوِيهِمْ لِمَا يَرِيدُهُمُ الْأَطْغِيَانُ كَيْفَيَّاتٌ^{۱۷}) (۱۷ / بنی اسرائیل: ۵۸ تا ۶۰)

”(دنیا میں نافرمانوں کی) کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جس کو ہم قیامت سے پہلے بلاک نہ کرڈیں یا اس پر سخت عذاب نہ نازل کریں یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے اور ہم کو (فرماش) مجزرات کے سچیتے سے سوا اس کے کوئی امر ناجائز نہیں ہے کہ الگوں نے بھی ان نشانیوں کی فرمائش کی اور جب ہم نے ان کو بھیجا تو انہوں نے جھٹلا دیا، ہم نے شمود کو ناقہ کی سوجھانے والی نشانی دی، تو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم ان نشانیوں کو توڑانے کے لئے سچیتے ہیں یاد کرو اے پیغمبر کہ یہ کفار تیری ایذا (بلکہ قتل کے درپے ہیں لیکن) ہم نے تم سے کہہ دیا ہے کہ تیرا رب لوگوں سے تیری حفاظت کے ہوئے ہے اور ہم نے (صراح کی جو) روایتی کو دکھائی تو وہ لوگوں کے لئے آزمائش ہے اور اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے وہ بھی لوگوں کے لئے آزمائش ہے اور ہم ان کو آئندہ عذاب سے ڈراستے ہیں لیکن اس سے ان کی سرکشی میں اور ترقی ہوتی جاتی ہے۔“

اس لئے حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کے قصہ سے اس واقعہ پر استدلال ہے، پھر ارشاد ہوتا ہے:

«إِنَّ كَادُوا لِيَقْتُلُوكُمْ عَنِ الظَّرِّيْفِ أَوْ حَيْنَانِ الْيَيْنِ لِيَنْقُتُلُوكُمْ عَلَيْهَا عَيْرَةً وَإِذَا لَتَّخَذُوكُمْ خَلِيلًا وَلَوْلَا أَنْ قَبَّتُكُمْ لَقَدْ كَدِّثَ تَرْكُنَ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا إِذَا لَأَذْفَنْتُكُمْ ضَعْفَ الْحَيَاةِ وَضَعْفَ الْمَيَاتِ ثُمَّ لَأَنْجِدُ لَكُمْ عَيْنَانِ تَصِيرًا وَإِنْ كَادُوا لِيَسْتَفِرُوكُمْ مِنَ الْأَرْضِ لِيُعِرِّجُوكُمْ مِنْهَا وَإِذَا لَأَيْلَبُتُوْنَ خَلْفَكُمْ إِلَّا قَلِيلًا سُكَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكُمْ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ إِسْنَيْنَا تَحْوِيلًا^{۱۸}) (۱۷ / بنی اسرائیل: ۷۳ تا ۷۷)

”ہم نے تم پر جو وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے قریب تھا کہ لوگ تم کو اس سے آزمائش میں ڈال دیں کہ اس وحی کے علاوہ تم کوئی اور وحی بنا کر ہماری طرف جھوٹ منسوب کر دو اور اس وقت وہ تم کو اپنا دوست بنایتے اور اگر ہم تم کو ثابت قدم نہ رکھتے تو کچھ ان کی طرف تم جھک چلے تھے، اگر تم ایسا کرتے تو ہم تم کو زندگی اور موت کے دو گونہ عذاب کا مزہ چکھا دیتے اور پھر تم کو میرے مقابلہ میں اپنے لئے کوئی مددگار بھی نہ ملتا اور وہ تم کو اس سر زمین مکہ سے قریب ہے کہ دل برداشتہ کر دیں، تاکہ تم کو یہاں سے نکال دیں اگر ایسا ہو تو پھر وہ تمہارے چلے جانے کے بعد اطمینان سے بہت کم رہ سکیں گے تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے سچیتے ہیں سب کے ساتھ یہی دستور رہا ہے اور تم ہمارے دستور میں ردو بدل نہ پاؤ گے۔“

اس بیان سے یہی واضح ہوگا کہ معراج ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا واقعہ ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ معراج آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے خدا کی وہ نشانی تھی جس کے نہ تسلیم کرنے پر عذاب الہی کا نزول ہوتا ہے۔

نماز بخگانہ کی فرضیت

اوپر گزر چکا ہے کہ نماز بخگانہ اسی معراج میں فرض ہوئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى ظَهِيرَةِ الظَّلَلِ وَقُرْآنَ الْعَجْمِ إِنْ قُرْآنَ الْفَعْلِ كَانَ مَشْهُودًا وَمِنَ الظَّلَلِ فَكَبِدْنَاهُ كَافِلَةً لَكَ ۚ عَسَى أَنْ يَعْنِكَ رَبُّكَ مَقَامًا فَغُورًا﴾

(۱۷/ بنی اسرائیل: ۷۸، ۷۹)

”آفتاب کے ڈھلنے کے وقت (ظہر، عصر، مغرب) سے لے کرات کے اندر ہرے (عشاء) تک نمازیں پڑھا کرو اور صبح کی نماز میں حضور قلب خوب ہوتا ہے اور رات کے ایک حصہ میں تہجد پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لئے نفل ہے جب نہیں کہ تمہارا پروردہ گارتم کو مقام محمود میں پہنچا دے۔“

لفظ لدلوك الشمس (آفتاب کے ڈھلنے کے وقت) میں ظہر، عصر، مغرب، نماز کے تین اوقات اور ان اوقات کے تعین کی طرف لطیف اشارہ ہے، یہ معلوم ہے کہ دین محمدی ملت ابراہیمی کا نقش ثانی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں آفتاب پرستی اور ستارہ پرستی عام تھی اور جس کی رسم کہن دنیا میں آج بھی قائم ہے، اس نہب میں آفتاب کی پرستش کے وہ اوقات تھے جن میں اس کی روشنی کا ظہور یا کمال ہوتا ہے اور اسی لئے طلوع سے لے کر نصف النہار تک اس کی پرستش کی جاتی ہے امت ابراہیمی نے اس کے برخلاف اپنے لئے وہ اوقات معین کئے جو آفتاب کے زوال کے ہیں یعنی سورج ڈھلنے سے لے کر آفتاب کے غروب تک کہ یہ تمام اوقات اس کے اختلطان نور اور زوال کے ہیں آفتاب کے اختلطان کی تین منزلیں ہیں، ایک وہ جب سمت راس (سر) سے وہ ڈھلتا ہے، یہ نہر کا وقت ہے اور دوسرا منزل وہ ہے، جب وہ برابر کی نگاہ سے نیچے اترتا ہے، یہ عصر کا وقت ہے اور تیسرا منزل وہ ہے، جب سمت افق سے نیچے گر جاتا ہے اور یہ مغرب کا وقت ہے، چوتھی نماز کا وقت رات کی تاریکی کا مقرر کیا ہے جب آفتاب کے بقیہ وجود کی سرخ نشانی جس کو عرف عام میں شفق کہتے ہیں، وہ بھی مٹ جاتی ہے اور صبح کی نماز ادب سار النجوم یعنی ستاروں کی روشنی کے ماند ہونے کے بعد ہے، غرض آیات بالا میں بخگانہ نماز کی فرضیت نہایت لطیف اور خوبی سے ادا کی گئی ہے۔

یہ یکتہ مخدومی مولا ناصحہ الدین صاحب مفسر تفسیر نظام القرآن کا افادہ ہے۔

بھرتوں کی دعا

اس کے بعد بھرت کے لئے دعا بتائی جاتی ہے اور اس کے بعد فتح مکہ کی فوراً بشارت بھی سنائی جاتی ہے کہ نماز کے ساتھ قبلہ کا فوراً خیال آتا ہے جہاں اس وقت تین سو سانچہ بت پوچھے جا رہے ہے تھے:

﴿وَقُلْ رَبِّ اذْخُلْنِي مُدْخَلَ صَدِيقٍ وَآخِرَجْنِي مُخْرَجَ صَدِيقٍ وَاجْعَلْنِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا لِتَصِيرَ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَرَهْقَ الْبَاطِلِ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ رَهْوًا﴾

(۱۷/ بنی اسرائیل: ۸۰، ۸۱)

”اے پیغمبر! یہ دعا مانگو کہ خداوند! مجھے اپھی جگہ پہنچا اور (مکہ) سے اپھی طرح نکال اور دشمنوں پر اپنی طرف سے فتح و نصرت دے اور اے پیغمبر! اعلان کر دے کہ حق آگیا اور باطل مت گیا، باطل کو مٹھی جانا تھا۔“

یہ آخری الفاظ اسلام کے ایک منے دور کی بشارت اور فتح مکہ کی نوید ہیں، اس لئے فتح مکہ کے دن جب خلیل بت شکن کا گھر، توں سے پاک کیا جا رہا تھا، آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر یہی آیت جاری تھی۔ ②

نبوت، قرآن، قیامت، معراج اور مججزات پر اعتراض

کفار مکہ کو ان مسائل پر جو معاندانہ اعتراضات تھے اس موقع پر جب پیغمبر کی بھرت اور ان کے لئے عذاب الہی کے نزول کا وقت تقریب آ رہا ہے، ان کے جوابات دیئے جا رہے ہیں کہاب بھی ان کی تشفی ہو جائے تو یہ بلاے آسمانی جو پیغمبر کے بھرت کرتے ہی ان پر نازل ہونا شروع ہو جائے گی وہ رُک جائے گی:

﴿وَإِذَا أَعْنَتَ عَلَى الْأَنْسَابِ أَعْرَضَ وَتَأْبَى جَانِيهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرْكَ كَانَ يُؤْسَأَ قُلْ حَلْقَ يَعْمَلُ عَلَى شَائِكَلَتِهِ فَرَبِّكُمْ أَعْلَمُ بِهِنَّ هُوَ أَهْدِي سَيِّلًا وَيَسْلُوكُنَّكَ عَنِ الرُّوْجَ قُلِ اللَّوْمُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوْتِيَمُ مِنَ الْعِلْمِ الْأَقْلِيلُ وَكَيْنَ شَيْنَا لَكَ ذَهَبَتْ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا لَكَ لَكَ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكَيْلًا لِلَّارْحَمَةِ مِنْ رَبِّكَ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَيْمَرًا قُلْ لَئِنْ اجْتَمَعَتِ الْأُنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوَنَّ بِيَقْلِ هَذَا الْقُرْآنَ لَا يَأْتُوَنَّ بِيَقْلِهِ وَكَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِيَقْعِضَ ظَاهِرِيَا وَلَقَدْ صَرَفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَأَلَيْكُمْ النَّاسِ إِلَّا كُفُورٌ وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَتَفَجَّرْنَا مِنَ الْأَرْضِ يَقْتُلُونَكَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ تَحْمِيلٍ وَعَنِيَ فَتَفَجَّرَ الْأَنْهَرُ خَلْلَهَا تَفْجِيرًا أَوْ سُقْطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا

❶ مستدرک حاکم، کتاب الهجرة، ج ۳، ص: ۲۳؛ جامع ترمذی، ابواب التفسیر: ۳۱۳۹۔

❷ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب وقل جاء الحق ورهق الباطل.....، ۴۷۲۰؛ احمد، ۱/ ۳۷۸۔

كَسْفًا أو تأثِّيْرًا بِاللَّهِ وَالْمَلِكَةِ فَيُبَلَّاًٌ أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِنْ رُخْرُفٍ أَوْ تَرْقِيْفٍ فِي السَّمَاءِ^٦
 وَكَمْ نَوْمَنَ لِرَقِيقِكَ حَتَّى تَزَرَّلَ عَلَيْنَا كِبَّا لَقْرَوَةً قُلْ سُجْنَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا
 رَسُولًا وَمَا مِنَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا
 رَسُولًا قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلِكَةً يَمْسُونَ مُطْبَعَيْنَ لَزَرَلَنَا عَلَيْهِمْ قِنَ السَّمَاءِ
 مَلِكًا رَسُولًا قُلْ كَفِيْ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ إِنَّهُ كَانَ يَعْبَادُهُ خَيْرًا بِصِيرَاتِهِ وَمَنْ
 يَهْدِ اللَّهُ قَهْوَ الْمُهْتَدِيْ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجْدِدَ لَهُمْ أُولَيَاءَ مِنْ دُونِهِ وَسَخْرَهُمْ يَوْمَ
 الْقِيْمَةِ عَلَى وَجْهِهِمْ عَنْهَا وَبَلَّمَا وَصَمَّا مَا وَاهَمْ جَهَنَّمْ كُلَّمَا خَبَثَ زَانَهُمْ سَعِيرًا وَمَنْ
 جَزَّأَهُمْ بِآثَمِهِمْ لَفَرُوا بِإِلَيْنَا وَقَالُوا إِذَا أَنْتَ عَظَامًا وَرَقَاتًا عَإِنَّ الْكَبُونُونَ خَلْقًا جَدِيدًا^٧
 أَوْ أَنْبَرَوَا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ
 لَهُمْ أَجَلًا لَأَرَبَّ فِيهِ قَائِمِ الظَّلَمِيْوَنَ إِلَّا لَكُورَاً قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَتَلَمَّلُونَ خَرَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ
 إِذَا لَمْسَكْتُمْ خَشِيَّةَ الْإِنْفَاقِ وَكَانَ إِلَيْنَا سَأَلَنَّ فَتَوْرَا^٨ (١٧ / بنی اسرائیل ٨٣ : ١٠٠)

”(یہ کفار قریش اپنے مال اور دولت پر بھولے ہوئے ہیں) انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس پر انعام کرتے ہیں تو والا ہم سے منہ بھیر لیتا ہے اور پہلو تھی کرتا ہے جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو آس توڑ میختا ہے، اے پیغمبر! ان سے کہہ دے کہ اپنے اپنے طور پر عمل کئے جاؤ، تمہارا پروردگار ان کو خوب جانتا ہے جو زیادہ سید ہے راستے پر ہیں وہ تم سے روح الامین ^۱ کی (جو قاصد و حی ہے) حقیقت دریافت کرتے ہیں کہہ دے کہ وہ میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور تم کو علم نہیں دیا گیا ہے لیکن بہت تھوڑا، اسی وحی کے مجرّہ صداقت کے لئے یہ بات کیا کم ہے کہ باوجود اتنی ہونے کے وہ لفظ بہ لفظ تم کو یاد ہے اگر ہم چاہیں تو جو کچھ ہم نے تم پر وہی کی وہ سب تمہارے سینے سے لے جائیں پھر تم کو اس کے لئے ہمارے مقابل کوئی حمایت بھی نہ ملے لیکن یہ تیرے پروردگار کی رحمت ہے (کہ اس کا لفظ بہ لفظ تم کو محفوظ ہے) بے شک اس کی قم پر بڑی مہربانی ہے (ان شک کرنے والوں سے) کہہ دو کہ اگر تمام انس و جن بھی اکٹھے ہو کر چاہیں کہ اس قرآن کی طرح کا کوئی اور کلام بنا لا سیں تو یہ ناممکن ہے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی پیشتوں پر کیوں نہ ہوں باوجود یہ کہ اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لئے بھی قسم کی مثالیں طرح طرح سے بدل کر بیان کی ہیں مگر اکثر لوگ انکار کئے بدلوں نہ رہے اور یہ کفار مکہ

^٦ یہاں مصنف نے روح سے روح امین یعنی جر ایکل علیہ السلام امر ادا یا ہے، ورنہ تمام ترقیات اور ولایات میں اس سے مراد روح حیوانی ہی ہے جس کے تعلق یہود نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تو ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، بخاری، کتاب التفسیر: ٤٧٢١۔

کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے کوئی چشمہ نہ بہا دو یا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ تمہارے لئے ہو جائے اور تم اس میں نہیں بہاد دیا یا کہ جیسا تم کہتے ہو کہ ہم ایمان نہ لائیں گے تو ہم پر آسان ٹوٹ پڑے گا تو ہم پر آسان کے نکلے لے لاگر ادا یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے کھڑا کر دیا یہ کہ تمہارے رہنے کے لئے ایک سونے کا گھر بن جائے یا آسان پر چڑھا دو اور ہاں تمہارے آسان پر چڑھنے کو بھی اس وقت تک با دربیں کریں گے جب تک وہاں سے ہم پر کوئی ایسی کتاب اتنا نہ لاؤ جس کو ہم پڑھیں، کہہ دو اسے پیغمبر بجان اللہ! میں خدا کا ایک قاصد بندہ ہوں ہدایت آجائے کے بعد لوگوں کو اس کے قول سے بجز اس کے کوئی امر مانع نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بشر کو اپنا قاصد بنایا ہے، کہہ دو کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو البتہ ہم آسان سے کسی فرشتہ ہی کو ان کے پاس قاصد بنا کر بھیجتے، کہہ دو کہ اب دلیلوں اور حجتوں کا وقت گز گیا اب میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کے لئے خدا اس ہے وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا اور بیٹا ہے جس کو وہ راست دھائے وہی راہ راست پر ہے اور جن کو وہ گمراہ کرے تو اس کے سوا ان کا کوئی یار و مرد و گار نہیں پھر ہم انہیں قیامت کے دن اونٹھے منہ اندھے اور بہرے کر کے اٹھائیں گے کہ وہ اس دنیا میں حق کے دیکھنے اور سنبھلنے سے اندھے اور بہرے تھے اور ان کا نہ کانا دوزخ ہو گا جب وہ بھجنے کو ہو گی تو ہم پھر اس کو ہمزر کا دیں گے؟ یہ ہماری نشانیوں کے انکار کا بدلہ ہو گا اور وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرکر ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر از سرن پیدا کر کے اٹھائیں جائیں گے کیا یہ ممکن ہے؟ کیا وہ نہیں سمجھتے کہ وہ خدا جس نے آسان وزیں کو پیدا کیا وہ بے شک اس پر قادر ہے کہ وہ ان جسے آدمی پھر پیدا کر دے اور اس نے ان کے لئے ایک معیاد مقرر کر رکھی ہے جس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ ظالم انکار کئے بدول نہ رہے اے پیغمبر ایہ لفڑا کہ اس حد سے تم پر ایمان نہیں لائے کہ تم کو اور تمہارے خاندان کو یہ شرف کیوں عطا ہوا ہے ان سے کہہ دو کہ اگر میرے اور میرے پروردگار کی رحمت کا خزانہ تمہارے قبضہ میں ہوتا، بے شک تم اس کے خرچ ہو جانے کے ذریعے اس کو روک کر رہتے رہی یہ ہے کہ انسان بڑا ہی تگ دل ہے۔“

ان آتوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے آسان پر تشریف لے جانے پر بھی یقین نہیں رکھتے، یعنی واقعہ معراج کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو ہم اس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ ہمارے سامنے آسان پر نہ چڑھ جائیں اور وہاں سے پورا قرآن مکمل لکھا ہوا لا کر ہمارے ہاتھ میں نہ دے دیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور حالات سے استشہاد
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ملئیکم کے واقعات زندگی میں متعدد حیثیتوں سے مثالیت ہے اور خود
قرآن نے اس مثالیت کو ظاہر کر دیا ہے:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَّسُولًا شَاهِدًا عَلَيْهِمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْ فَرْعَوْنَ رَسُولًا ﴾

(الزمول: ۱۵) / ۷۳

”(لوگو) اہم نے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا، اسی طرح تمہاری طرف بھی
ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے۔“

اسی سبب سے قرآن مجید میں بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو دہرا�ا گیا ہے جس طرح حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کے اندر رہ کر زندگی برسر کی، یہی حال آنحضرت ملئیکم کا تھا جس طرح موسیٰ علیہ السلام
نے فرعون اور اس کے اہل دربار کو ہر طرح سمجھایا مگر وہ ایمان نہ لائے اور بالآخر حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کو
لے کر مصر سے بھرت کرنا پڑی، اسی طرح صنادید قریش بھی آپ ملئیکم پر ایمان نہ لائے اور بالآخر
آنحضرت ملئیکم نے صحابہ علیہم السلام کو لے کر کہ سے بھرت فرمائی جس طرح بھرت سے کچھ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو
کوہ طور پر خدا کی ہم کلائی نصیب ہوئی اور احکام عشرہ عطا ہوئے، اسی طرح آنحضرت ملئیکم کو بھی بھرت
سے تقریباً ایک سال پہلے معراج ہوئی اور احکام دوازدہ گانہ عطا ہوئے، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
بھرت کے بعد فرعونیوں پر برا حمر کی سطح پر عذاب نازل ہوا، اسی طرح آنحضرت ملئیکم کی بھرت کے بعد
صنادید قریش پر بدر کے میدان میں عذاب آیا اور جس طرح اس کے بعد فرعون کی شامی مملکت پر بنی اسرائیل
قابض ہو گئے، اسی طرح مکہ معظمر کی حکومت بھی بھرت کے بعد آپ ملئیکم کو عطا کی گئی۔

ان امور کو پیش نظر رکھ کر کفار قریش کو معلوم ہوتا چاہیے کہ قانون الہی معراج کے بعد بھرت کا حکم دے گا

اور اس کے بعد ان پر عذاب ایم کا نزول ہو گا چنانچہ سورہ اسراء کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ أَيَّتِ بَيْتَنَتْ فَسَعَلَ بَنَّي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فَرْعَوْنُ إِنِّي
لَا أُظْنُكَ بِيُوْسَىٰ مَسْحُورًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلْتَ هُوَ لَأَعْلَمُ الْأَرْبَعَ السَّمُوَاتِ وَالْأَرْضِ
بَصَارِي ۝ وَإِنِّي لَا أُظْنُكَ بِفَرْعَوْنَ مَتْبُورًا ۝ فَأَرَادَ أَنْ يَسْتَفِرْهُمْ قَنْ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَهُ وَمَنْ
قَعَهُجَمِيعَهُ ۝ وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِيُوْسَىٰ اسْرَاعِيلَ اسْلَمُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ
جِئْنَا إِلَكُمْ لَفِيقَاتِهِ ۝﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۱۰۱ تا ۱۰۳)

”اور ہم نے (کوہ طور پر) موسیٰ علیہ السلام کو ڪھلا حکام دیے جس طرح محمد ملئیکم کو معراج

سبت کا حکم خاص یہود کے لئے تھا اس لئے ثمار میں اس کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوا۔

میں عطا کئے تو پوچھ لوبنی اسرائیل کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ! میں سمجھتا ہوں کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے، تمہاری عقل کھودی ہے موسیٰ نے کہا اے فرعون! تجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان حکموں کو آسمان اور زمین کے مالک کے سوا کسی اور نے ان کو دانا تی بنا کر نہیں اتارا ہے اور اے فرعون! میں سمجھتا ہوں کہ تم اب ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے، فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھیزدے تو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو سب کو عرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم ملک میں رہو جب قیامت کا وعدہ پورا ہو گا تو سب کو سمیت کر ہم اپنے حضور میں لا سیں گے۔“

ان آئیوں کے آغاز میں جن نو (۹) نشانیوں کے دیے جانے کا حکم ہے، بعض مفسرین نے اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو (۹) میجررات مراد لئے ہیں مگر بعض احادیث میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ تشریف فرماتے سامنے سے دو یہودی گزرے ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ سوال کریں۔ دوسرے نے کہا پیغمبر نہ کہوں لے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوش ہو گا) اس کے بعد وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور دریافت کیا کہ موسیٰ کو نو آیتیں کون سی دی گئیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ یہ ہیں، ① کسی کو خدا کا شریک نہ بناو۔ ② زنا نہ کرو، ③ کسی بے گناہ کو قتل نہ کرو، ④ چوری نہ کرو ⑤ جادو نہ کرو، ⑥ کسی حاکم کے پاس بے جرم کی چغلنی نہ کھاؤ ⑦ سود نہ کھاؤ، ⑧ کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ ⑨ اور میدان جہاد سے نہ بھاگو۔“ (اس نویں حکم میں راوی کو مشک ہے) اور خاص تمہارے لئے اے یہودا یہ سوال حکم ہے کہ ”سبت کے دن زیادتی نہ کرو۔“ یہ سن کر دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ کے دست و پا کو بوسہ دیا۔

یہ حدیث جامع ترمذی، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو دو چلنوں کیا ہے ایک تفسیر بنی اسرائیل: ۳۱۲۳ میں اور دوسرے باب ماجاء فی قبلة اليد والرجل: ۲۷۳۴۔ میں اور دونوں چلنوں کیا ہے کہ ”حدیث حسن صحيح“

اس حدیث میں جن دس احکام کی تفصیل ہے اور موجودہ ترجمہ تورات میں یہ احکام جن الفاظ میں مذکور ہے ان میں کسی قد رفرق ہے خصوصاً حدیث کا نواحی حکم جس کے متعلقہ شبہ راوی خود اقرار کرتے ہیں کہ اس کو یہ نویں بات اچھی طرح یاد نہیں یہ نواحی حکم دراصل مال باپ کی اطاعت اور عزت ہے، باقی احکام وہی ہیں جو تورات میں مذکور ہیں صرف طریقہ ادا اور تعبیر کا فرق ہے تورات کے موجودہ تراجم لفظی تو ہیں نہیں، علاوہ ازیں اس حدیث کے ایک راوی عبد اللہ بن سلمہ کا حافظہ اچھا نہ تھا، ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں اس کی تصریح کی ہے بہر حال اس تصریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان احکام عشرہ اور آنحضرت ﷺ

کے احکام دوازدہ گاندھی میں ایک وجہ مماثلت ہے، اس لئے ان دونوں کے منکروں کا ایک ہی حال ہوگا۔

مراجع کے اغامات

ان احکامات بشارت اور نماز پنجگانہ کے علاوہ آنحضرت ﷺ کو دو اور خاص عطیے عنایت ہوئے، ایک یہ بشارت کہ امت محمدیہ میں سے جو شرک کا مرتكب نہ ہوگا دامن مغفرت کے سایہ میں اس کو پناہ مل سکے گی، دوسرے سورہ بقرہ کا اختتامی رکوع اسی بارگاہ میں فرمان خاص کے طور پر مرحمت ہوا، ۴۱ اس رکوع میں سب سے پہلی مرتبہ ایمان کی تکمیل کے اصول اور عفو و مغفرت کے سبق انسانوں کو سکھائے گئے، اسی سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ پہلے عطیہ کی بشارت بھی درحقیقت انہی آیات میں مذکور ہے:

﴿أَمَّنَ الرَّسُولُ يَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلُّ أَمَّنِ يَاللهُ وَمَلِيلِكَهُ وَلَتُقْبِهِ وَرَسُولِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ قِنْ رَسُولِهِ وَقَالُوا إِسْمَاعِيلَ وَأَطْعَمَاهُ غُفرانُكَ رَبِّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُو لَا يَكْلُفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسْعَهَا لَهَا مَا كَسِبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبِّنَا لَا تَوَاجِدُنَا إِنْ تَبِينَنَا أَوْ أَخْطُلَنَا رَبِّنَا وَلَا تَجْعَلْ عَلَيْنَا أَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبِّنَا وَلَا تَجْعَلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا يَهُ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَأَنْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴾ ۲۸۵ / البقرة (۲۸۶)

”پیغمبر اس پر ایمان لا یا جو اس پر اتر اور تمام مسلمان بھی اس پر ایمان لائے، یہ سب کے سب خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور کہتے ہیں کہ ہم خدا کے پیغمبروں میں یہ تفہیم نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کے احکام کو سننا اور ان کی اطاعت کی، تو اے ہمارے پروردگار! مجھ پر بخشش فرماؤ تیری ہی طرف آخروٹ کر جانا ہے، خدا کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جس نے اچھے کام کئے اور اپنے ہی لئے کئے اور بڑے کام کئے تو اس کا نقصان بھی وہی اٹھائے گا، اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو اس کی باز پرس ہم سے نہ کر، اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈال جس طرح ہم سے پھلوں پر تو نے ڈالا، اے ہمارے پروردگار! اور اتنا بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہم سے نہ اٹھوا، اور ہمارے قصوروں سے درگزر فرماء، ہمارے قصوروں کو معاف کراور ہم پر رحم فرماتو ہی ہمارا مددگار ہے تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جوتیرے منکر ہیں ہماری مدد فرماء۔“

۴۱ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتہی: ۴۳۱ اس روایت میں یہ ہے کہ سورہ بقرہ کے خاتمه کی آیتیں مرحمت ہوئیں، تفصیل ہیں کہ وہ کس قدر آیتیں ہیں لیکن حدیث کی دوسری کتابوں میں جس میں خاتم سورہ بقرہ کی فضیلت آئی ہے، وہ بھی ہیں۔

معراج کا پر اسرار منظر

سورہ اسراء کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے معراج کے روحانی مناظر کا بیان صرف دلفظوں میں ختم کر دیا ہے۔

﴿لِتُرَيْكَ مِنْ أَلِيَّنَادِ﴾ (۱۷/الاسراء: ۱) ”ہم نے اپنے بندہ کو یہ سیراں لئے کہ ای کہ ہم اپنی کچھ نشانیاں اس کو دکھائیں۔“

”یہ نشانیاں کیا تھیں؟“ کیا ان کی تفصیل کے لئے عاجز و درماندہ انسان کی زبان میں کچھ الفاظ ہیں؟ ہاں ہیں، مگر ناتمام، ہماری فہم، ہمارا علم، ہمارا قیاس، غرض جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا دائرہ ہمارے محسوسات اور ہمارے تعلقات سے آگئے نہیں بڑھ سکتا اور ہمارے ذخیرہ لغت میں صرف انہی کے لئے کچھ الفاظ ہیں، اس بنابر وہ معانی جو نہ عام محسوسات انسانی کی حدود میں داخل ہیں اور نہ تعلق و تصور کے احاطہ کے اندر ہیں وہ الفاظ و کلمات میں کیونکر سا سکتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے کمال قدرت سے ان کو حروف و کلمات کا جامد پہنچ بھی دے تو دماغ انسانی ان کے فہم خلیل کی قدرت کہاں سے لائے گا؟

﴿وَمَا أَوْتَيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (۱۷/الاسراء: ۸۵)

”اے انسانو! تم کو علم کا بہت تھوڑا اساحص عطا کیا گیا ہے۔“

اسی لئے سورہ والجنم میں جہاں ان اسرار کے چہرہ سے کچھ پرده ہٹایا گیا ہے، ایسی تفصیل ہے جو تمام تر اجمال ہے اور ایسی توضیح ہے جو سرتاپا ابہام ہے، دو دلفظ کے فقرے ہیں، ضمیریں محذف ہیں، فاعل کا ذکر ہے تو مفعول کا نہیں، مفعول کا بیان ہوا ہے تو فاعل نہیں، متعلقات فعل کی شریعت نہیں، ہمارے کے مرجعون کی تعین نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ اس مقام کا مقتضای کی ہے۔

عبادت از سخنداں ہم نہ گنجد

﴿وَالْجَنُومُ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا أَضَلَّ صَاحِبَمْ وَمَا عَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْتَهِي عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ لَا وَنِيٰ
يُوْلِيٰ ۝ عَلَمَةٌ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ ۝ فَأَسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأَذْقَنِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَّ فَتَدَلَّىٰ ۝
فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْتَىٰ إِلَى عَنْدِهِ مَا أُولَئِيٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفَوَادُ مَا رَأَىٰ ۝
أَفَتَرُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ وَلَقَدْ رَأَهُ تَزْلَهُ أُخْرَىٰ ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُسْتَهْفَىٰ ۝ عِنْدَ هَا جَنَّةَ
الْمَأْوَىٰ ۝ إِذْ يَعْشَى السِّدْرَةَ مَا يَعْشَىٰ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ أَيْتِ رَبِّهِ
الْكَبَرِيٰ ۝﴾ (۱۸/ والنجم: ۱ تا ۵۳)

”قتسم ہے ستارہ کی جب وہ گرے کہ تمہارا رفیق (محمد ﷺ) نہ تو بھٹکا ہے اور نہ بہکا ہے اور نہ وہ یہ بتیں اپنے دل سے بناؤ کر کہتا ہے، بلکہ وہ تو وہی ہے جو اس کو بتایا جاتا ہے، اس کو تو بڑی طاقت وں

وala اور بڑی عقل والا تعلیم دیتا ہے وہ آسمان کے اوپنے کنارے میں سیدھا ہو کر نمودار ہوا پھر قریب آیا اور جھکا تو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا اس سے بھی کم پھر اس کے بندہ سے جو باتیں کیں دل نے جو دیکھا اس نے جھوٹ نہیں بیان کیا، اے لوگو! کیا وہ جود دیکھتا ہے اس پر تم اس سے زد اع اور مناظرہ کرتے ہو، اس نے یقیناً دوبارہ اس کو اترتے دیکھا ابھا کے درخت کے پاس جس کے قریب (نیک بندوں کے) رہنے کی بہشت ہے جب بیری کے درخت پر چھارہا تھا، جو چھارہا تھا نظر بھکی نہ اچھی، اس لیے یقیناً اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔“

حضور ﷺ نے جب معراج کے روحانی مشاہدات و مناظر اور ملکوتی آیات و مظاہر کا فریش سے تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا یہ راہ حق سے دیدہ و دانستہ (غوایت) یا نادانستہ (ضلالت) بھٹک گیا ہے یا اپنے دل سے بننا کر یہ جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے یا انہوں نے کیوں کہا؟ اس لئے کہا کہ روحانی جلوؤں کے دیکھنے کی ان کے پاس آنکھیں نہ تھیں، صوت سردمی کے سخنے کی اس کے کانوں میں طاقت نہ تھی، اسرار ملکوتی کے سمجھنے کے لئے ان کے سینوں میں دل نہ تھے، خدا نے کہا یہ جو کچھ تھا اور جو کچھ معلوم ہوا یہ ایک بڑی طاقت و قدرت اور علم و عمل و ایسی ہستی کی جلوہ انگیز یاں تھیں، وہ بھی اتنا دور تھا کہ آسمان کے کناروں کے فاصلے تک آ کر رک گیا دو کمانوں کے فاصلہ سے بھی قریب تر تھا کون جھکا؟ کون تریب آیا؟ کون دو کمانوں کے فاصلے تک آ کر رک گیا کیا خدا؟ نہیں کیا جلوہ خدا؟ شاید، کس نے باتیں کیں؟ معلوم نہیں، کیا باتیں کیں؟ بتاً میں نہیں۔ سدرۃ الانتہیٰ کیا ہے؟ انسانی فہم و ادارک کی اخیر سرحد پر ایک درخت! * کیا اس کو ہنون و صفاتِ الہی کی نیزگی نے ڈھانک لیا؟ * کیا انسانی فہم و ادارک کی اخیر سرحد کا درخت صرف ہنون و صفات کی نیزگی کا مظہر ہے؟ کیا یہاں پہنچ کر کون و مکان اور وجوب و امکان کا عقدہ مشکل حل ہو گیا؟ کیا دل بھی دیکھتا ہے؟ حضور ﷺ نے دل کی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ دیدہ چشم سے کیا نظر آیا؟ آپ ﷺ کو اس سفر میں آیاتِ ربیٰ دکھائی گئیں گریہ مشاہدہ قلب تھا یا معاہدہ چشم؟

راز ایں پرده نہان است و نہان خوابد بود

* اکابر تابعین سے یہی روایت طبری نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ہے۔ ج ۲۷، ص: ۲۹ و ما قبل و ما بعد۔

** بخاری شریف میں ہے فرشیہا من امر اللہ ما غشی یعنی جلوہ الہی اس پر چھا گیا۔ یہ الفاظ صحیح مسلم، باب الاسراء: ۱۱ میں ہیں، صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء: ۳۴۹ میں (فرشیہا الوان لا ادری ماهی) کے الفاظ ہیں۔

شرح صدر یا شقٰ صدر

﴿اللّٰهُ نَسْرٌ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (٩٤/الانشراح)

”کیا اے پیغمبر ﷺ! ہم نے تیرے سینے کو کھول نہیں دیا؟“

مholmud نبوت کے ان خصائص کے جو ایک پیغمبر کو عطا ہوتے ہیں شقٰ صدر یا شرح صدر بھی ہے۔ چنانچہ یہ رتبہ خاص پیش گاہ الٰہی سے آنحضرت ﷺ کو مرحمت ہوا۔ شقٰ صدر سے مراد یہ ہے کہ سینہ مبارک کو چاک کر کے اس کو بشری آلوگیوں سے پاک اور ایمان و حکمت کے نور سے منور کیا گیا۔ بعض روایتوں میں ایسی بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی یہ کیفیت آپ پر گزری تھی۔ ان روایتوں میں بعض جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعین میں اختلافات ہیں۔ چنانچہ تمام روایتوں کے جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں آپ پر اس کیفیت کا گزرنما ظاہر ہوتا ہے، ایک جب آپ چار پانچ سال کے تھے اور حضرت حلیمه ؓ کے ہاں پرورش پارے تھے، دوسرے جب عمر شریف دس برس کی تھی، تیسرا جب آپ میں برس کی عمر کو پہنچے، چوتھے جب حضرت جبریل ﷺ سے پہلی دفعہ وحی لے کر آئے، پانچوں معراج کے موقع پر۔

یہ مسئلہ کہ شقٰ صدر واقع ہوا، تمام صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ البتہ وقت کی تعین اور بعض جزئیات کی تفصیل میں روایتوں میں اختلاف ہیں۔ تیسرا دفعہ کی روایت جس میں بیس برس کی عمر میں اس کیفیت کا گزرنما بیان کیا گیا ہے۔ محمد بن علیؑ بلکہ خود ارباب سیرؑ کے نزدیک قطعاً غیر ثابت ہے۔ باقی چار موقوں کو حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو ہر اختلاف روایت کو ایک نیا واقعہ تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق اور تطبیق کی کوشش کرتے ہیں تسلیم کیا ہے۔ امام سہیل روض الانف میں صرف دو موقوں کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ ایک دفعہ صفرنی میں اور دوسرا دفعہ معراج میں اور اس کی مصلحت یہ تھی کہ صفرنی میں اس لئے یہ ہوا کہ بچپن ہی سے حضور ﷺ کے قلب مبارک سے ذامم کے حصہ کو کال دیا جائے اور معراج کے وقت تو ظاہر ہے، اس لئے تاکہ حضور رباني کے موقع پر حکم صلاۃ کا جو طہارت محفوظ ہے تحمل کیا جائے اور ملائکہ الٰہی کی امامت نماز میں فرماسکیں۔ (صحفوہ، امصر) لیکن یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینہ مبارک کا آلوگیوں سے پاک و صاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہو سکتا ہے۔ اور وہ ایک دفعہ پاک و منور ہو کر پھر دوبارہ پاکی و طہارت کاحتاج نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر بعض محمد بن علیؑ جیسے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کو ایک ہی دفعہ کا واقعہ سمجھتے ہیں۔ اور وہ صفرنی میں جب آپ ﷺ حضرت حلیمه کے یہاں پرورش پارے تھے

¹ فتح الباری، ج ۱، ص: ۳۸۹ مصر۔ ² زرقانی بر موهاب، ج ۱، ص: ۱۸۰۔

اور معراج کے موقع پر شق صدر کے واقع کوراویوں کا سہو جانتے ہیں۔ ۱۰ لیکن یہ پوشیدہ نہیں کہ واقعہ شق صدر کی روایت جن طریقوں کے ساتھ آئی ہے۔ ان میں سب سے صحیح، سب سے مستند اور معتبر طریقہ وہی ہے جس میں اس کا شب معراج میں ہونا بیان ہوا ہے۔ اس لئے اس موقع کوراویوں کا سہو قرار دینا اور بچپن میں اس کا ہونا تسلیم کرنا اصول روایت سے صحیح نہیں۔

شق صدر کی ضعیف روایتیں

اصل یہ ہے کہ شق صدر کے وقت یا اوقات کی تعیین اور اس کا تکر اور بار بار پیش آنا صرف مختلف روایات کے پیش کردینے سے نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کیا ہے اور قسطلانی اور زرقانی نے اس کی تقلید کی ہے، بلکہ ضرورت ہے کہ ان روایات کے سلسلہ سند پر بھی بحث اور راویوں کی قوت و ضعف پر بھی تدقیق کی جائے۔ دس برس کے سن میں شق صدر والی روایت جس میں یہ تصریح ہے کہ سب سے پہلی دفعہ آپ ﷺ پر نبوت کی یہ علامت طاری ہوئی حسب ذیل ہے:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے نبوت کا ابتدائی نشان پوچھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ”میں دس کا تھا کہ میدان میں دو آدمی میرے سر پر آئے۔ ایک نے کہا: یہ وہی ہیں؟ دوسرا نے کہا: ہاں، پھر دونوں نے پینجھ کے بل مجھے پچھاڑا اور میرے پیٹ کو پچھاڑا، ایک سونے کے طشت میں پانی لاتا رہا اور دوسرا پیٹ کو دھوتا رہا۔ پھر ایک نے کہا: سیدنا کوچاک کرو تو ناگاہ دیکھتا ہوں کہ سیدنا جاک ہے اور کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی۔ پھر ایک نے کہا، کہ دل کو چاک کرو تو اس نے دل کو چاک کیا۔ پھر اس نے کہا: اس میں سے کینہ اور حسد نکال لو۔ تو اس میں سے چھٹے ہوئے خون کی طرح کی کوئی چیز رکھ دی۔ پھر کہا: اس میں مہربانی اور رحمت رکھ دو۔ تو اس نے چاندی کی طرح کی کوئی چیز رکھ دی۔ پھر اس نے چند گھنٹیاں جو اس کے پاس تھیں نکالیں اور وہ گھنٹیاں میرے سیدنا پر لگادیں۔ پھر میرے انگوٹھے کو کھوٹ کر مجھے سے کھا جاؤ، جب میں لوٹا تو اپنے میں وہ لے کر لوٹا جو لے کر نہیں آیا تھا۔ یعنی چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ساتھ زمزی۔“

یہ روایت زوائد مند احمد، ابن حبان، حاکم، ابن عساکر اور ابو الفیض میں ہے۔ لیکن ان تمام کتابوں میں

۱۰ فتح الباری، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء، ج ۱، ص: ۳۸۹ و کتاب التوحید، ج ۱۲، ص: ۴۰۰ باب ما جاء فی قوله عزوجل (﴿وَكَلِمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾) روض الانف سہیلی، ص: ۱۱۰ مصر، زرقانی بر موهاب، ج ۱، ص: ۱۷۹، قاضی عیاش شفاء میں لکھتے ہیں:

وقد خلط فيه غيره لاسیما من روایة شریک بن ابی تم فقدم ذکر فی اوله مجيء الملك له وشق صدره وغسله بماء زمزم وهذا انما كان وهو صبی وقبل الوحی (نسیم الرياض شرح شفاء قاضی عیاض ۲، ص: ۲۶۵)۔

مرکزی سلسلہ سند ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ معاذ بن محمد اپنے باپ محمد بن معاذ اور وہ اپنے باپ معاذ بن محمد سے اور وہ اپنے دادا الی بن کعب سے روایت کرتے ہیں۔ محدث ابن المدینی نے اپنی کتاب العلل میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے:

حَدِيثُ مَدْنِيٍّ وَاسْنَادِهِ مُجْهُولٌ كَلَهُ وَلَا يُعْرَفُ مُحَمَّداً وَلَا أَبَاهُ وَلَا جَدَهُ۔
”یہ مدینی حدیث ہے اس کی سند تمام تر مجھوں ہے۔ ہم لوگ نبھ کو جانتے ہیں اور نہ اس کے باپ کو اور نہ اس کے دادا کو۔

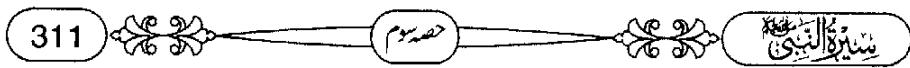
حافظ ابو القیم نے دلائل میں جہاں یہ حدیث نقل کی ہے صاف لکھ دیا ہے:

وَهَذَا الْحَدِيثُ تَفَرِّدُهُ بِمَعَاذَ بْنِ مُحَمَّدٍ وَتَفَرِّدُ بِذِكْرِ السَّيْنِ الَّذِي شَقَ فِيهِ عَنْ قَلْبِهِ۔
”یہ حدیث صرف معاذ بن محمد نے نقل کی ہے اور وہی اس عرب کی یقین کے بیان میں جس میں شق صدر ہوا منفرد ہیں۔ (یعنی اس روایت کی کسی اور نئے تائید نہیں کی ہے)۔“

میں برس کے سن کی روایت بھی یعنی ان ہی لوگوں سے تھوڑے تغیر کے ساتھ ان ہی الفاظ میں زوالہم، صحیح ابن حبان، حاکم، بتہقی اور مختارہ ضایاء میں ہے۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۹۶) لیکن اس سلسلہ روایت کا حال آپ سن چکے کروہ معتبر نہیں۔

آغاز وحی کے موقع پر شق صدر کی روایتیں دلائل ابو القیم، دلائل بتہقی، سند طیاری اور سند حارث میں ہیں۔ یہ روایتیں حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی آغاز وحی وابی حدیث، بخاری، مسلم اور ابن خبیل وغیرہ تمام مستند کتابوں میں مذکور ہے اور اس باب میں یہی روایت سب سے زیادہ منفصل، صحیح اور محفوظ ہے لیکن ان کتابوں میں اس موقع پر شق صدر کا مطلق ذکر نہیں۔ اس سے اس واقعہ کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے۔ علاوہ بریں ابو القیم، بتہقی، طیاری اور حارث وابی اس روایت کی مرکزی سند ابو عمران الجوینی، یزید بن بانیوس عن عائشہ ہے، یزید بن بانیوس مجھوں ہے اور اس سے صرف ابو عمران الجوینی ہی نے روایت کی ہے کسی اور نے اس کو نہیں لیا ہے، طیاری میں (صفحہ ۲۱۵ حیدر آباد) اس روایت کی سند یہ ہے کہ حماد بن سلمہ ابو عمران جوینی سے اور وہ ایک شخص سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے راوی ہے، معلوم نہیں یہ نامعلوم شخص کون ہے؟ اور ابو عمران نے اس کا نام کیوں نہیں لیا ہے، ابو القیم میں (صفحہ ۲۶ حیدر آباد) اس روایت کا جو سلسلہ سند ہے اس میں یہ خالی جگہ یزید بن بانیوس کے نام سے پر کی گئی ہے، جس کا حال ابھی اوپر گزر چکا علاوہ ازیں ابو القیم کی روایت میں اس کے نیچے داؤد بن الجر ایک شخص آتا ہے جس کو اکثر محمد شیعین ضعیف، بلکہ دروغ گو تک کہتے ہیں، اسی کے ساتھ اس روایت کے اندر بعض ایسی لغو باتیں بھی ہیں جو اس کو صحت کے پایہ سے

* تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص: ۱۹۴۔ ۲ دلائل البیوۃ جز اول، فصل ۱۷، ص: ۷۱ جیدر آباد طبع اول: ۱۳۲۰۔



ساقط کرتی ہیں۔

ایک اور روایت حضرت ابوذر رض سے ہے کہ ”انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اجب آپ کو نبی بنانا چاہا گیا تو آپ کو اپنی پیغمبری کا حال کیونکر معلوم ہوا اور آپ نے کیونکر یقین کیا کہ آپ پیغمبر ہیں؟ فرمایا：“اے ابوذر! میں مکہ کی تراوی میں تھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے، ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان پر تھا ایک نے دوسرے سے کہا: یہی وہ ہیں پھر کہا ان کو تو لو، پہلے ایک سے پھر دس سے پھر سو سے پھر ہزار سے مجھ کو تو لا لیکن میرا پلہ بھاری رہا تو کہا کہ یہ تمام امت سے بھاری ہیں، بعد ازاں میرا شکم چاک کیا (اس کے بعد شق صدر کے مختلف واقعات کا ذکر ہے، اس کے بعد ہے) کہ ان فرشتوں نے پھر میرے شانے پر مہر کی۔“ اس روایت میں گو وقت کی تھیں نہیں مگر یہ ذکر ہے کہ یہ واقعہ مکہ کی تراوی میں پیش آیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت حلیمہ رض کے پاس بلوہوازن میں قیام کے زمانہ سے بہت بعد کا واقعہ ہے، پھر اس میں یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو نبی بنانا چاہا گیا اور نبوت کی سب سے پہلی علامت کا سوال ہے اور امت کا ذکر ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آغاز وحی کا واقعہ ہے، یہ روایت مندداری (صفحہ ۶) اور دلائل ابوالنیعم (صفحہ ۱۷) میں ہے، ان کے مشترک راوی بہتر ترتیب ابو داؤد، جعفر بن عبد اللہ بن عثمان القریشی، عثمان بن عروہ بن زیر ہیں، جعفر بن عبد اللہ کی نسبت محدث عقیلی نے تقدیم کی ہے کہ اس میں ”وَهُمْ“ تھا یعنی الفاظ کی صحیح یادداشت نہ ہی اور اضطراب تھا۔ یعنی ایک ہی واقعہ اور سنہ کو کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح بیان کرتا تھا، پھر اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ”اس کی متابعت نہیں کی جاتی“، یعنی اس کے ہم شخچ اور ہم درس اس کی تائید نہیں کرتے ① پھر یعنی یہی واقعات شداد بن اوس کی روایت سے ابوالنیعم، ② ابو یعلی اور ابن عساکر ③ نے عقبہ بن عبد اللہ کی روایت سے داری ④ اور ابن اسحاق ⑤ نے (مرسل) بچپن کے شق صدر میں بیان کیا ہے جن سے ان کا باہمی تعارض واضح ہے۔

اب رہ گئی وہ روایت جس میں حلیمہ سعدیہ رض کے ہاں قیام کے زمانہ میں شق صدر کا ذکر ہے، یہ روایت سات مختلف سلسلوں سے اور مختلف صحابیوں سے لوگوں نے نقل کی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں دو سلسلوں کے علاوہ یقین سلسلے صحت اور قوت سے تما تخریلی ہیں اور ان میں بعض ایسی لغویاتیں شامل ہیں جو اس کو درجہ اعتبار سے گردانی ہیں۔

① اس روایت کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جہنم بن ابی جہنم، عبد اللہ بن جعفر سے اور عبد اللہ بن جعفر خود

② دیکھئے میزان الاعتدال ذہبی، ج ۱، ص: ۱۹۱ اور لسان المیزان ابن حجر، ج ۲، ص: ۱۱۶۔

③ دلائل النبوة، ص: ۱۷۶۔ ④ تاریخ ابن عساکر، ج ۱، ص: ۳۷۱، ۳۷۲۔

⑤ کیف کان اول شان النبی ﷺ ص: ۶۔

⑥ طبقات ابن سعد ذکر علامات النبوة.....الجزء الاول، القسم الاول، ص: ۹۶۔

حایمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں، اس طریقہ سے یہ روایت ابن اسحاق اور دلائل ابی نعیم میں ہے، جنم بن ابی جنم مجہول ہے اور عبد اللہ بن جعفر کی حایمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ثابت نہیں، اور ابن اسحاق جنم بن ابی جنم کا شک ظاہر کرتا ہے اس نے کہا کہ عبد اللہ ابن جعفر نے خود مجھ سے کہایا ان سے سن کر کسی اور نے مجھ سے کہا۔ ابو نعیم میں گویہ شک مذکور نہیں ہے بلکہ اس میں تصریح عبد اللہ بن جعفر کا نام لیا گیا ہے مگر اس میں اس کے نیچے کے راوی مجرد ہیں۔

② دوسرا طریقہ واقعی کا ہے، ابن سعد نے اس روایت کو اسی سلسلہ سے ذکر کیا ہے (جلد اصفہان) مگر علاوہ اس کے کہ واقعی کا اعتبار نہیں اس کی تفصیلی سند تک اس میں مذکور نہیں اور کہ راویوں کا نام مطلق نہیں بتایا گیا ہے۔

③ ابو نعیم نے ایک اور سلسلہ سے اس کو بیان کیا ہے، جو یہ ہے عبد الصمد بن محمد السعدی اپنے باپ سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ ایک شخص سے جو حضرت حایمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی بکریاں چرایا کرتا تھا بیان کرتے ہیں۔ ۴

یہ تمام تر مجہول لوگ ہیں۔

④ یہیں اور ابن عساکر ۵ نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہا سے یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن اس سند میں محمد بن زکریا الغلابی جھوٹا اور وضاع ہے، اس کا شمار قصہ گویوں میں ہے۔

⑤ ابن عساکر ۶ نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ صحابی کے واسطے سے ایک نہایت طویل داستان نقل کی ہے، جس میں مذکور ہے کہ قبیلہ بنی عامر کے ایک پیر مردنے خدمت نبوی علیہ السلام میں آ کر آپ سے آپ کے ابتدائی حالات دریافت کئے، آپ نے پورا پورا حال بیان کیا، مجملہ اس کے ایک واقعہ اپنے بیکن کے شش صدر کا بیان کیا لیکن خود ابن عساکر اس روایت کو غریب (یعنی ثقات کے بیان سے مختلف) کہتے ہیں اس کے سوا اس کے سلسلہ سند کے بیچ میں ایک بنے نام و نشان راوی ہے، اس سے اوپر ایک اور قابل اعتراض راوی اس میں ابو میچی ہے جو شداد بن اوس رضی اللہ عنہ صحابی سے اس قصہ کا سنتا بیان کرتا ہے۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے تاریخ صغیر (ص ۱۳، اللہ آباد) میں اس کی نسبت لکھا ہے: فی حدیثہ نظر اس کی حدیث بحث طلب ہے، ابو حکم کہتے ہیں:

لیس حدیثہ بالقائم یعنی اس کی حدیث ثہیک نہیں۔ ۷

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مکھول شامی کے واسطے ابوبعلی اور ابن عساکر ۸ نے یعنیہ اسی واقعہ کو ایک اور سلسلہ سے نقل کیا ہے جس میں گوکوئی مجہول راوی بیچ میں نہیں آیا ہے، مگر اس میں یہی ہے کہ مکھول اور شداد رضی اللہ عنہ صحابی کے بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے یا چھوڑ دیا گیا ہے، یعنی روایت منقطع ہے، کیونکہ مکھول

۱ دلائل النبوة، ص: ۱۱۵۔ ۲ تاریخ ابن عساکر، ج ۱، ص: ۳۷۶۔

۳ ایضاً، ص: ۳۷۶ تا ۳۷۱۔ ۴ میزان الاعتدال، ج ۳، ص: ۳۷۰؛ تہذیب التہذیب، ج ۱۲، ص: ۱۶۵۔

۵ تاریخ ابن عساکر، ج ۱، ص: ۳۷۴۔

نے حضرت شداد رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے، بکھول تد لیس میں بدنام تھے یعنی ان کی عادت تھی کہ بیچ میں اگر کوئی کمزور راوی آ جاتا تو وہ اس کا نام چھپا دیتے تھے یا بیچ سے اس کو حذف کر کے اگلے سے سلسلہ جوڑ دیتے تھے میرا خیال ہے کہ بکھول اور حضرت شداد رضی اللہ عنہ کے بیچ میں دراصل وہی ابو الحفاظ تھا، بکھول نے یہ دیکھ کر کہ وہ مجرد ہے اس کو بیچ سے نکال دیا ہے، اس لئے یہ سلسلہ بھی نامعتبر ہے۔

⑥ عتبہ بن عبد اللہ مسی ایک کمسن صحابی ہیں، ان سے ایک ہی سلسلہ سنڈ کے ذریعہ سے حاکم، دارمی، ابو یعلیٰ، ابن عساکر اور ابن حبیل نے اس واقعہ کی یوں روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک دن میں اپنے رضائی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے لگیا، کھانا ساتھ نہ تھا، میں نے اس کو ماں (دایہ) کے پاس کھانا لانے کے لئے بھیجا، وہ گیا تو دیکھا کہ گدھ کی طرح کے دو پرندے آئے ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہی ہے؟ دوسرے نے کہا نہا، پھر دونوں نے جھپٹ کر مجھے پکڑا اور زمین پر پچھاڑ کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے دو سیاہ جنے ہوئے خون کے قطرے نکالے اور برف اور مختنے پانی سے دھویا، یہ حاکم کے الفاظ ہیں، ۱۲ دارمی ۱۲ وغیرہ میں اس کے بعد اتنا زیادہ ہے کہ ”دھونے کے بعد ایک نے کہا کہ سکینت یعنی تیکین قلمی لاو، اس کو لا کر میرے سینہ پر چھڑک دیا، پھر دونوں چھوڑ کر مجھے چلے گئے، میں ذرا اور اپنی ماں کے پاس گیا اور حال کھاواہ ڈری کہ بچہ کی عقل ٹھیک نہیں رہی اس نے کہا: میں تم کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں اور پھر وہ مجھے اونٹ پر بٹھا کر میری والدہ کے پاس لائی، والدہ نے کہا: تم نے اماشت پوری طرح ادا کی، دایہ نے میرا حال اور اپنا خوف بیان کیا، لیکن والدہ نے یہ واقعہ سن کر کوئی خوف یا تجھب نہیں کیا فرمایا: ”جب یہ بچہ پیدا ہوا تو میں نے دیکھا تھا کہ ایک نور میرے بدن سے نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔“ حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ روایت کا پہلا مشترک راوی بقیہ بن ولید ہے، جس کو گوبذات خود بعضوں نے ثقہ کہا ہے تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سخت بے احتیاط تھا، ابن مبارک کہتے ہیں: وہ راست گو ہے، مگر وہ آگے بیچھے کے ہر شخص سے روایت لے لیا کرتا تھا۔ ابن عینیہ کہتے ہیں: ”بقیہ سے احکام کی روایتیں نہ لیا کرو، ثواب (فضل) کی روایتیں خیر لے لیا کرو۔“ امام ابن حبیل اور امام عینیہؑ کا قول ہے: ”اگر وہ مشہور لوگوں سے روایت کرے تو خیر درز نہ مت کرو۔“ ابو حاتم کہتے ہیں کہ ”اس کی حدیث لکھی جائے مگر وہ دلیل میں نہیں کی جائے۔“ امام نسائی فرماتے ہیں: ”جب وہ اخربنا اور حدثنا کہے تو خیر اور جب عن عن کر کے بیان کرے تو نہ لو۔“ (یہ یاد رہے کہ یہ روایت نذکورہ بطریق عن عن ہی ہے) این عذری کا قول ہے: ”اڑ کی بعض روایتیں ثقہ اور معتر راویوں کے خلاف ہیں۔“ امام احمد بن حبیلؓ ایک شخص سے فرماتے ہیں کہ ”میں بمحبتا تھا کہ بقیہ مجھوں الحال لوگوں سے سکر حدیثیں نقل کرتا ہے لیکن دیکھا تو وہ مشہور لوگوں سے بھی اس قسم کی حدیثیں بیان کرتا ہے تم نے جانا کہ وہ مستدرک حاکم، کتاب التاریخ، ذکر شق صدرہ۔ ج ۲، ص: ۶۱۶۔ برف اور پانی سے دھونے کا ذکر ”حاکم“ کے بجائے سمن دارمی میں ہے۔ ۱۲ سمن دارمی، باب کیف کان اول شان النبیؑ: ۱۳۔

کہاں سے یہ روایتیں لاتا ہے؟ مخاطب نے جواب دیا۔ ہاں تدبیس کے ذریعہ سے۔ (یعنی بیچ کے کمزور راوی کو حذف کر کے، آگے کے معتبر راوی سے سلسلہ جوڑ دیا کرتا تھا) ابو عبد اللہ حاکم کہتے ہیں کہ ”اوزاعی وغیرہ مشہور لوگوں سے وہ ایسی روایتیں کرتا ہے جو موضوعات کے مشابہ ہیں اور اس کی صورت یہ کرتا ہے کہ بیچ کے ضعیف راوی کو حذف کر دیتا ہے۔“ خطیب کہتے ہیں کہ ”اس کی اکثر روایتیں منکر ہیں، گوہہ بذات خود راست گوچا۔“ ابن القطان کا قول ہے کہ ”وَهُدْعِيْفُ رَوَايَيْوْنَ مِنْ تَدْبِيْسٍ كَمَّ كَمَّ يَقُولُونَ“ اور اس کو وہ جائز سمجھتا ہے، یہ الزام اگر اس پر بیچ ہے تو اس کے معتبر ہونے میں خلل انداز ہے۔*

حمد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم

بچپن میں شق صدر کا سب سے صحیح اور محفوظ سلسلہ سند وہ ہے جو حماد بن سلمہ ثابت بنانی سے اور ثابت، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں چنانچہ یہ روایت صحیح مسلم رحمۃ اللہ علیہ، منداہم رحمۃ اللہ علیہ، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور داللیل ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ میں ایک ہی سلسلہ سند سے مذکور ہے یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت البنانی اور ان سے حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ لاکوں کے ساتھ کھلیل رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر زمین پر لٹایا اور قلب مبارک کو چاک کیا اور اس کو نکال کر اس میں سے ذرا سما جما ہوا خون نکالا اور کہا کہ یہ اتنا شیطان کا حصہ تم میں تھا، پھر اس کو سونے کے طشت میں آب زرم سے دھویا، پھر شگاف کو جوڑ دیا پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا، لڑکے دوڑے ہوئے آپ کی ماں (دایی حییہ) کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مارڈا لے گے، لوگ آپ کے پاس پہنچے، دیکھا تو چہرہ کارنگ تغیر ہے، انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”کہ سینہ مبارک میں زخم کے نشان یعنی تانکے مجھ کو نظر آتے تھے۔“ منداہم حضبل میں یہی حدیث اسی سلسلہ سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مردی ہے اور اس میں آخرواحد تکلم کے بجائے جمع تکلم ہے، یعنی یہ کہ ”مجھ کو نظر آتے تھے۔“ کی جگہ پر یہ ہے کہ ”ہم کو زخم کے تانکے نظر آتے تھے۔“

اس سلسلہ سند کے صحیح اور محفوظ ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحابہ میں معراج اور شق صدر کی جس تدر روایتیں حضرت انس رض سے مردی ہیں، ان کے دوسرے راوی تابعین میں حضرت انس رض کے شاگردوں میں سے قادہ، زہری، شریک اور ثابت بنانی چار شخص ہیں، ثابت بنانی سے دو آدمی ان واقعات کو نقش کرتے ہیں، سلیمان بن خیرہ اور حماد بن سلمہ، حماد کے علاوہ اور جو طرق اور پرمذکور ہوئے، ان سب میں معراج کے واقعات کے آغاز میں شق صدر کا ذکر ہے لیکن حماد نے اپنی روایت میں یوں کیا ہے کہ معراج کے سلسلہ میں وہ شق صدر کے ذکر کو ترک کر دیتے ہیں اور شق صدر کے واقعہ کو الگ اور مستقل بچپن کے زمانہ کی تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں، حالانکہ نہ صرف حضرت انس رض کے شاگردوں میں سے کوئی بلکہ

^{٤١٣} تهذيب التهذيب، ج ١، ص: ٤٧٤ تا: ٤٧٨ - ^{٤١٤} كتاب الاعياد، باب الاسماء.....

* ج ٢، ص: ١٤٩ - ذكر علامات النبوة، ج ١، ص: ٩٧ - ٥ ص: ١٧٦، ١٧٧.

حمد کے دوسرے درس طلبہ میں سے بھی کوئی ان کی تائید نہیں کرتا، غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے معراج کی حدیث، حماد کے واسطے نقل نہیں کی ہے جو حماد کی نسبت اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ”آخر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔“ اسی سبب سے امام بخاری نے ان کی روایتیں نہیں لی ہیں۔ امام مسلم اپنی سمجھ کے مطابق کوشش کر کے خرابی حافظہ سے پہلے کی جوان کی روایتیں ہیں انہی کو جتن کراپنی کتاب میں لائے ہیں۔ میرا میلان تحقیق یہ ہے کہ حماد کی یہ روایت اسی خرابی حافظہ کے زمانہ کی ہے کہ انہوں نے تمام معتبر روایوں کے خلاف شق صدر اور معراج کے مشترک واقعہ کو دو کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ امام مسلم بھی اپنی ترتیب بیان کے اشارات سے ایسا ہی کچھ بتانا چاہتے ہیں کہ معراج اور شق صدر کو دو الگ الگ زمانوں کے واقعات قرار دینے میں حماد سے غلطی ہوئی ہے چنانچہ واقعات معراج کے ذکر میں امام مسلم یہ کرتے کہ پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت کے شاگرد حماد کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں جس میں معراج کے شق صدر کا ذکر نہیں پھر حماد کے ساتھی اور ثابت کے شاگرد سلیمان بن مغیرہ کی روایت ہے، جس میں شق صدر کے ساتھ معراج کا ذکر کر رہے، اس کے بعد حماد کی وہ روایت ہے جس میں تہبا پچپن کے شق صدر کا تذکرہ ہے، بعد ازاں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دوسرے شاگردوں کی روایتیں ہیں، جس میں شق صدر اور معراج کا ایک ساتھ واقع ہونا ذکر ہے۔

حماد کی اس روایت میں بعض ایسے معنوی وجوہ بھی ہیں جن کی تائید کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہوتی، مثلاً: یہ کہ شق صدر کی یہ کیفیت کی عمر میں بھی گزری ہو، مگر بہر حال اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا، گزشتہ تمام مستند اور مجرور روایتوں میں حسد، بغض، حصہ شیطانی، سکینت، تسلی، رحمت، شفقت ایمان اور حکمت وغیرہ جن امور کا سینہ مبارک سے نکالنا یا اس میں رکھنا بیان ہوا ہے ان میں سے کسی چیز کا تعلق جسمانیات سے نہیں، با اس ہمہ حماد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر زخم کے ٹانکے کے شان مجنح کو (جیسا کہ مسلم میں ہے) یا ہم کو (جیسا کہ مسند احمد میں ہے) نظر آتے تھے۔ اگر یہ جسمانی واقعہ بھی تھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دیگر مردی روایات میں سے جو حماد کے علاوہ دوسرے روایوں نے نقل کی ہیں یہ مذکور نہیں، علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل شامل کا ایک ایک حرفاً، جنم اطہر کے ایک ایک خط و خال کی کیفیت صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیان کی ہے، مگر کسی نے سینہ مبارک کے ان نہایاں ناگلوں کا نام تک نہیں لیا، ایسی حالت میں واقعہ کی یہ صورت کیوں کرتا ہے۔

دو دفعہ شق صدر ہو تو اس کی تاویل

اس تشریح اور تفصیل کے بعد بھی اگر کسی کو حماد کی اس روایت کے قبول کرنے پر اصرار ہو تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس روایت کے مطابق پچپن میں جب عقل وہوں کا آغاز ہوا تو سینہ مبارک سے حصہ شیطانی، جو ہر انسان کے اندر ہے، اس کو نکالا گیا کرتے مسلم کی اس روایت میں اسی قدر ہے، ابھی علم و حکمت کی کوئی چیز رکھی نہیں گئی، مگر معراج

۱) تہذیب التہذیب، ج ۳، ص: ۱۴۔

کی رات جب اس عقل و ہوش کی تکمیل ہوئی تو وہ دھوکہ علم و حکمت سے معمور کیا گیا، جیسا کہ تمام روایتوں میں ہے۔

شق صدر کی صحیح کیفیت

شق صدر کی صحیح کیفیت حالت معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، اور نسائی وغیرہ میں متعدد روایتوں اور طریقوں سے مذکور ہے کہ ایک شب کو آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں آرام فرمائے تھے، آنکھیں سوتی تھیں، مگر دل بیدار تھا کہ ناگاہ حضرت جبرائیل علیہ السلام چند فرشتوں کے ساتھ نظر آئے، آپ کو اٹھا کر وہ چاہ زمزم کے پاس لے گئے یا آب زمزم لے کر کوئی آپ کے پاس آیا، سینہ مبارک کو چاک کیا پھر آب زمزم سے دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا، پھر اس طشت کے سرماں یہ کو سینہ مبارک میں بھر کر شگاف کو برابر کر دیا گیا اس کے بعد فرشتے آپ کو آسمان کی طرف لے چلے۔ *

شق صدر کی حقیقت

علمائے ظاہر ہیں اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادھے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اقدس ﷺ کو اسی آب زمزم سے دھوکا ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا، اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے، لیکن صوفیائے حقیقت ہیں اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے پکھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر متحمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں، جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نہیاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں تمثیل ہوتے ہیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ججۃ اللہ الباغۃ میں لکھتے ہیں:

اما مشق الصدر و ملوء ایمانا فحقيقة غلبة انوار الملکية و انطفاء لهيب الطبيعة

و خضوعها لما يفيض عليها من حظيرة القدس۔ *

”لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار مملکیہ کا روح پر غالب ہو جانا اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بھج جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہو تو اس کے قبول کے لئے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے۔“

ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی، اس لئے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہو گا۔

ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے، جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسراء میں حضرت مالک بن

* صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء: ۳۴۹، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة: ۲۰۷؛ کتاب مناقب الانصار، باب المراجع: ۳۸۸۷؛ کتاب التوحید، باب (کلم اللہ موسیٰ تکلیماً: ۷۵۱۷؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء بر رسول اللہ إلى السنن: ۴۱۷، ۴۱۵؛ نسائی، کتاب الصلوٰۃ، باب فرض الصلوٰۃ: ۴۵۳، ۴۴۹۔ ** حجۃ اللہ البالغة، ج ۲، ص: ۲۰۶۔

صحصہ شیعیۃ النبی ﷺ کی روایت میں مذکور ہے ((فسر ح صدر الی کذا و کذا)) "میرا سینہ بیہاں سے بیہاں تک کھولا گیا۔" اور قرآن مجید کی اس سورہ میں جیسا کہ تمذی میں ہے اسی واقع کی طرف اشارہ ہے۔

﴿أَلَمْ نُشَرِّخْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وَزْرَكَ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهِيرَكَ﴾

(الانشراح: ۱ تا ۳۴)

"کیا ہم نے تیرے لئے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تھوڑے تیرے اس بوجھ کو ہٹا نہیں دیا جس نے تیر کی پیچھے کو توڑ دیا تھا۔"

"شرح" کے لغوی معنی عربی میں "چیر نے چھاڑنے" کے ہیں اسی سے طب کی اصطلاح "علنہ شریع" اور "شرتیج اجسام" نکلی ہے، چونکہ چیرنے اور چھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے، اس لئے اس سے "تشریح امر" اور "تشریح کلام" "شرح بیان" اور "شرح کتاب" وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ہیں، اسی سے ایک اور محاورہ "شرح صدر" کا پیدا ہوا ہے جس کے معنی "سینہ کھول دینے" کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود "بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا" ہوتا ہے، قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ ﷺ نے دعائی گلی **﴿رَبَّ اشْرَحْنِي صَدْرِي وَيَسِّرْنِي أَمْرِي وَأَحْلِلْ عُقْدَةَ مِنْ لِسَانِي يَفْعَهُوا قَوْلِي﴾** (طہ: ۲۵ تا ۲۸) "پروردگار میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے، اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔"

انہیا ﷺ کا علم و فہم انسانی تعلیم و تعلم اور مادی حکمت و دانائی سے پاک و مبرہ ہوتا ہے اور وہ اپنے اخذ متناجح اور اشبات دعویٰ کے لئے گزشتہ تجربات اور منطق کے استقر او تمیل اور ترتیب مقدمات کے ممنون نہیں ہوتے، بلکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا ماغذہ تعلیم الہی، القاء ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے، اس کا نام علم لدنی ہے "لَدَن" کے معنی عربی زبان میں "پاس اور نزدیک" کے ہیں، چونکہ یہ علم ان کو سب و تھیں کے بغیر خدا کے پاس سے اور اس کے نزدیک سے عطا ہوتا ہے اس لئے عرف عام میں علم لدنی کہلاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَعَلَمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا﴾ (الکھف: ۶۵)

"ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا۔"

آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

﴿كَذَلِكَ نَقْصُ عَلَيْكَ مِنْ أَلْبَاعَمَاقْدَ سَبَقَ وَقْدَ أَتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرَاهُ﴾

(طہ: ۹۹/۲۰)

”ای طرح ہم تجھ سے گزشتہ زمانہ کی باتیں بیان کرتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے تجوہ کو علم (ذکر) بخشا ہے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصد کے آغاز میں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہوتا ہے:

﴿تَكُنْ تَقْضِيْ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصْصَىٰ يَهَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنُ ۚ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ كَوْنَ الْغَفِيلِيْنَ ۝﴾ (۱۲/ یوسف: ۳)

”ہم تجھ کو قرآن کی وحی پیچ کر ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جس سے تو قطعاً اس سے پہلے بے خبر تھا۔

سورہ شوریٰ میں ہے:

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ حَعْلَنَةُ نُورٍ أَنْهَدَيْنِي إِلَيْهِ مِنْ نَعْلَمٍ مِّنْ عِبَادِنَا ۝﴾ (۴۲/ الشوریٰ: ۵۲)

”او اسی طرح ہم نے (اے محمد ﷺ) تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کو دی کیا۔ تو پہلے یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان سے واقف تھا۔ لیکن ہم نے اس کو روشنی بنایا ہے جس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، ہم راستہ دکھادیتے ہیں۔“
دوسرے پیغمبروں کی نسبت بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے کہتے ہیں:

﴿يَا بَتَّ إِلَيْيَ قَدْ جَاءْنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكُمْ يَأْتِيْكُ ۝﴾ (۱۹/ مریم: ۴۳)
”اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔“

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے متعلق ہے:

﴿وَلَقَدْ أَتَيْنَا دَاؤِدَ وَسُلَيْمَانَ عَلِيْمَيْنَ ۝﴾ (۲۷/ النمل: ۱۵)

”اور ہم نے داؤد و سلیمان کو علم بخشنا۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے:

﴿أَتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعَلِيْمًا ۝﴾ (۱۲/ یوسف: ۲۲) ”ہم نے یوسف کو حکم اور علم عطا کیا۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کہتے ہیں:

﴿ذَلِكُمَا مِنَّا عَلَيْنِي رَبِّنِي ۝﴾ (۱۲/ یوسف: ۳۷)

”یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں۔“

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ہے:

﴿وَلَوْطًا أَتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعَلِيْمًا ۝﴾ (۲۱/ الانبیاء: ۷۴)

”اور لوٹ کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام اور چند دیگر انہیا علیہم السلام کے ذکر کے بعد ہے:

﴿فَقَهْمَنَهَا سُلَيْمَانَ وَكَلَّا أَتَيْنَا حَلْمًا وَعِلْمًا﴾ (۲۱/الانبیاء: ۷۹)

”ہم نے یہ بات سلیمان کو سمجھا دی، اور ہم نے ان سب کو حکم اور علم عطا کیا۔“

الغرض انہیا علیہم السلام کا یہ علم محض تعلیم الہی اور القائے ربانی کا نتیجہ ہوتا ہے اور غور و فکر، تجربہ و امتحان، تحصیل و اکتساب اور جمع معلومات اور ترتیب مقدمات کے بغیر ان کے علم کی باتیں ان کے سامنے آئیں ہو کر آجائیں ہیں صرف فہم و تمثیل کے لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ کبھی کبھی شعراء، مصنفوں، موجدوں اور دیگر عقولاً کے ذہن میں بے غور و تامل ایک بات اس طرح خلود کر جاتی ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینہ یاد ماغ کا دروازہ یک بیک کھل گیا اور ایک چیز اندر داخل ہو گئی، لیکن یہ شرح صدر کی نہایت معمولی مثال ہے، اس منصب خاص کے سینکڑوں مدارج ہیں، جو انہیا علیہم السلام کو، اولیاً کو اور دیگر مومنین کو اپنے اپنے رتبہ کے مطابق عطا ہوتے ہیں:

﴿فَمَنْ يُرِدُ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَ كَيْفَرَنَّ صَدْرَةَ الْأُسْلَامِ﴾ (۶/الانعام: ۱۲۶)

”جس کی راہنمائی خدا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔“

یعنی بلا جست و برہان اسلام کی صداقت اس کے سامنے آئیں ہو جاتی ہے، بناری شریف میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کی خلافت کے زمانہ میں مشورہ دیا اور پہلا صرار کہا کہ قرآن مجید کو اوراق و مصاہف میں لکھوا دیجئے، لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی کہ جو کام آنحضرت علیہ السلام نے خود اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ ہم لوگ کیونکر کر سکتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر اصرار اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو انکار رہا، مگر چند ہی روز میں یک بیک ان کی سمجھیں بات آگئی اس موقع پر انہوں نے فرمایا:

(حتیٰ شرح اللہ صدری لذالک) ”یہاں تک کہ خدا نے اس کام کے لئے میرے سینہ کو کھول دیا۔“ مفسرات ان جریر طبری نے متعدد صاحبوں سے روایت کی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا: ”قلب میں ایک نور داخل ہوتا ہے جس سے سینہ کھل جاتا ہے۔“ پھر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی نشانی کیا ہے؟ ارشاد ہوا: ”حیات جاوید کے گھر کا اشتیاق، اور اس فریب کدھہ عالم سے دل برداشگی اور موت سے پہلے موت کی تیاری۔“ یہ تو حقیقت ہے اور اس حقیقت کی جسمانی تمثیل سینہ مبارک کا چاک کیا جانا اور اس میں نور و حکمت کا بھرا جانا ہے۔

شرح صدر کے لئے مناسب موقع و مصلحت

جن آئیوں میں دیگر انہیا علیہم السلام کو عظیمہ علم کے دیے جانے کا ذکر ہے، ان میں اکثر ”علم“ کے ساتھ

۱۔ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن: ۴۹۸۶۔ ۲۔ تفسیر ابن جریر طبری، ج ۸، ص: ۱۹، مطبوعہ مصروف حاکم فی المسترشد، ج ۴، ص: ۳۱۱ بستد فیه عدی بن الفضل۔

”حکم“ کا لفظ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ خالص شرعی ضرورتوں کے نظم و حکومت اور فیصلہ حکام کے لئے بے غور و فکر کے بدیہی، صحیح اور حاضر علم کی ضرورت ہے، پونکہ معراج بھرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان ملادہ جس کے بعد آنحضرت ﷺ کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی، اس لئے شرح صدر کے عطیہ کے لئے یہی مناسب موقع تھا، علاوہ ازیں معراج کے حقائق و مناظر جو نبیوں کے اور اکات کی آخری سرحد ہیں ان کے احاطے کے لئے بھی شرح صدر کی ضرورت تھی۔

آیات و دلائل نبوی ﷺ قرآن مجید میں

یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں انبیاء سابقین ﷺ کے مجرے جس تفصیل اور تکرار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، آنحضرت ﷺ کے مجرے اس تفصیل اور تکرار کے ساتھ اس میں مذکور نہیں، اس سے ایک طرف تو میلین اسلام نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ نعوذ بالله تسبیح بر اسلام ﷺ کی ذات پاک اس عطیہ الہی سے محروم تھی، دوسری طرف اسلام کے عقل پرست فرقہ کو اس سے یہ دھوکا ہوا ہے کہ اسلام نے خوارق عادات کے ظہور سے انکار کیا ہے، کیونکہ جب اس کے مزدیک خاتم الانبیاء ﷺ کی زندگی ان سے خالی تھی، تو گزشتہ انبیاء کے سوانح میں جو اعجاز نظر آتا ہے وہ بھی سمجھنے والوں کے لئے وہم کا قصور ہے۔

قرآن مجید میں آپ ﷺ کے تمام مجرمات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ دیگر انبیائے کرام اور آنحضرت ﷺ کے مجرمات اور آیات و دلائل میں جو یہ اختلاف منظر نہیں ہے اس کے متعدد وجوہات اور اسباب ہیں، جن پر ان کو تھا نہیں کی نظر نہیں پڑی، اس لئے وہ مختلف قسم کے شکوہ و شبہات میں گرفتار ہو گئے۔

① اس اختلاف منظر کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جس نے قرآن مجید کا پورے غور سے مطالعہ کیا ہے یا گزشتہ صفات میں قرآن مجید کے نقطہ نظر سے مجرمہ کی جو حقیقت واضح کی گئی ہے اس کو سمجھا ہے، وہ تلمیم کرے گا کہ اسلام نے نبوت کی تصدیق کے باب میں ظاہری اور مادی مجرمات کو وہ اہمیت نہیں دی ہے جو خصوصیت کے ساتھ عیسائی مذہب اور اس کے مقدس صحیفہ میں نظر آتی ہے، بلکہ وہ انسانوں کو زیادہ تر غور و فکر، فہم و تدبر، سوچ اور سمجھی کی دعوت دیتا ہے اور نبوت کی اندر ورنی خصوصیات اور روحانی دلائل کو ایمان و تصدیق کی بنیاد پر قرار دیتا ہے، اس بنا پر اس کے لئے اپنے پیش کرنے والے کی سچائی کے ثبوت میں اس کے خوارق اور مجرمات کو تفصیل اور تکرار کے ساتھ ہر جگہ پھیلانا اور دہرانا اس کے اصول کے خلاف تھا، چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام ان گمراہیوں سے پاک رہا، جن کی تاریکیوں کے پرده میں عیسوی مذہب کا نور چھپ کر رہ گیا۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء ﷺ کو جو نشانیاں ملی تھیں وہ چند مدد و دُنیٰ ہوئی اور متعین شکل میں تھیں اس لئے قرآن مجید کو جب کبھی ان پیغمبروں کی نشانیوں کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے تو خاتم نبیوں کے آنہی چند

حیرت انگیز واقعات کو بار بار دہرانا پڑتا ہے، اور اس کی تفصیل اور تکرار سے کوتاه بینوں کی نگاہوں میں ان پیغمبروں کی یہ رشانیاں اجاگر ہو کر نظر آتی ہیں، اس کے برخلاف آنحضرت ﷺ کو جو رشانیاں عطا ہوئیں، وہ اس قدر متنوع، مختلف اور غیر محدود تھیں کہ ان کے ذکر کے وقت ایک ہی رشانی کو بار بار پھیلانے اور دہرانے کی حاجت نہ تھی، اس لئے یہ دلائل محمدی ﷺ کے مبنی ترین صفات کے مختلف گوشوں میں اس طرح بکھرے ہوئے ہیں کہ دوسرے انبیاء ﷺ کے مجنزوں کی طرح وہ اجاگر اور نہایاں ہو کر کم سوادوں کو نظر نہیں آتے۔

③ تیسرا وجہ یہ ہے کہ گزشتہ مباحثت میں یہ پوری تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر قسم کے مجرمات، خوارق اور رشانیاں پیغمبر کی قوت اور اختیار سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ و مشیت سے ظہور پذیر ہوتی ہیں، اس بنابر آنحضرت ﷺ کی آیات و دلائل بھی ذات محمدی ﷺ کی طرف منسوب ہو کر نہیں بلکہ قدرت الٰہی کی طرف منسوب ہو کر بیان ہوئے ہیں، اس لئے عام لوگوں کا خیال ان کو دلائل محمدی ﷺ کے سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

④ چوتھی وجہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے پاس ایک ہی مستند چیز یعنی ان کا صحیفہ ہے، جس میں ان کے ربائی احکام، ان کے پیغمبروں کے احوال، حالات، سوانح، مجرمات سب کچھ ملے جلتے ہیں، لیکن اسلام کے قضدہ میں دو چیزیں ہیں، ایک صحیفہ الٰہی جس میں صرف خدائی احکام و مطالب ہیں، دوسرے حدیث و سنت جس میں پیغمبر کے حالات، احوال اور مجرمات وغیرہ الگ اور مستقل حیثیت سے مذکور ہیں اور وہ بجائے خود روایت استناد کے لحاظ سے دوسرے مذاہب کے صحیفوں سے کہیں بلکہ ترہ ہے، اس لئے خدا نے پیغمبر ﷺ کے ان دلائل و مجرمات کو عدم اہمیت کے باعث پر تفصیل اپنے صحیفہ میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں تھی، بلکہ اس کے لئے احادیث کے مستند خیرہ روایات کی موجودگی کو کافی قرار دیا۔

قرآن مجید سے آپ ﷺ کے صاحب مجرمه ہونے کی دلیل

غرض یہ اسباب ہیں جن کی بنا پر بعض کم سواد اس دعویٰ کی جرأت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیتیں آپ ﷺ کو مجرمات اور رشانیوں سے معاذ اہل کرتی ہیں، لیکن اس سلسلہ میں غور کے قابل سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے آپ ﷺ کے متعلق آپ کے زمانہ کے کافروں کے جو احوال تردید کی غرض سے نقل کئے ہیں، ان میں متعدد موقعوں پر آپ کو (نَعُوذُ بِاللّٰہِ) "کاہن" اور "ساحر" کہا گیا ہے اور قرآن مجید پر حرم کا الزام لگایا گیا ہے، عرب میں کاہنوں کا کام پیشین گوئی کرنا اور غب کا حال بتانا تھا اور ساحر کی نسبت تو عام طور پر معلوم ہے کہ وہ عوام کے نزد یک عجائب و خوارق کا پیکر ہوتا ہے اب اگر آپ ﷺ امور غب کی قبل از وقت اطلاع نہیں دیتے تھے اور مجرمات اور خوارق کا صدور آپ ﷺ سے نہیں ہوا کرتا تھا تو کفار آپ کو کاہن اور ساحر کے خطاب سے کیوں یاد کرتے تھے؟ اس حقیقت کو پیش نظر کہ کرسی حسب ذیل آیتوں پر غور کی ایک زکاہ ڈالئے:

﴿فَمَا أَنْتَ بِنُعْمَةِ رَبِّكَ يَكَاهِنُ﴾ (۵۲/ الطور: ۲۹)

”اے محمد! تو اپنے پروردگار کے فضل سے کامن نہیں ہے۔“

﴿وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ﴾ (۶۹/ الحاقة: ۴۲)

”یہ (قرآن) کسی کامن کا کلام نہیں۔“

آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے خدا کفار قریش کا حال بتاتا ہے:

﴿وَإِذَا رَأَوا يَهُودَ يَسْتَخِرُونَ ۝ وَقَالُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سُحْرٌ مُّبِينٌ ۝﴾

(۱۴/ الصافات: ۳۷)

”جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔“

اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ کفار کو جو نشانیاں نظر آتی تھیں وہ ان کا عٹھنا اڑاتے تھے اور ان کو جادو کہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی خارق عادت نشانیاں ان کے مشاہدہ میں آتی تھیں اور دوسرا آیتوں میں بھی سحر کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کفار کی زبان سے کی گئی ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سُحْرٌ وَّإِنَّا يَهُ كُفَّارُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا تُزِيلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ قَنِ الْقَرْبَيْنِ عَظِيمٌ ۝﴾ (۴۳/ الزخرف: ۳۱، ۳۰)

”اور جب ان کے پاس بھی بات آئی تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترتا۔“

﴿قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ لَهُذَا سُحْرٌ مُّبِينٌ ۝﴾ (۴۶/ الاحقاف: ۷)

”حق کے مکروں نے جب ان کے پاس حق آیا تو کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔“

﴿هُلْ هُذَا إِلَّا شَرُّ قِيلَّمٌ أَفَتُؤْنَ الْسُّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبَصِّرُونَ ۝﴾ (۲۱/ الانیاء: ۳)

”یہ محمد ﷺ تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہیں کیا تم جان بوجھ کر جادو کے پاس آتے ہو۔“

﴿قَالَ الْكُفَّارُونَ إِنَّ هَذَا سُحْرٌ مُّبِينٌ ۝﴾ (۱۰/ یونس: ۲)

”کافروں نے کہا یہ محمد ﷺ تو کھلا جادو گر ہے۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کی آمد کی جوبشارت دی تھی اس کے بعد ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبُيُوتِ قَالُوا هَذَا سُحْرٌ مُّبِينٌ ۝﴾ (۶۱/ الصاف: ۶)

”پس جب وہ آنے والا بغیر کھلی آیتیں لے کر آیا تو کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔“

کفار کے ان اقوال سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی ذات با برکات سے کچھ تو ما فوق العادات باقی ظاہر ہوتی تھیں جن کی تعبیر کہا نت اور جادو گری کے الفاظ سے کر کے وہ اپنے نادان دل کو تسلی دیتے تھے اور اسی

سے آپ ﷺ کے صاحبِ مجید ہونے کا ناقابل تردید ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔

قرآن مجید میں آپ ﷺ کے دلائل و مبجزات مذکور ہیں

اس اجمالی ثبوت کے بعد ضرورت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ان آیات و دلائل کے بکھرے ہوئے موتیوں کو جو قرآن مجید کے اور اق میں منتشر ہیں، ایک خاص ترتیب کے رشتہ میں مسلک کر دیں کہ وہ نمایاں ہو کر نگاہوں کے سامنے آ جائیں۔ تنوع کے لحاظ سے یہ آیات و دلائل تین قسم کے ہیں، ایک تو کفار کی ہدایت و دعوت اور مسلمانوں کی مزید ایمانی تسلی کے لئے مجزا نہ نشانیاں، دوسری مصیبتوں کی گھڑیوں میں تائیدات غیری کا ظہور، اور تیسرا وہ پیشمن گوئیاں جن کا لفظ لفظ صداقت کے معیار پر صحیح اتراء ہے، آئندہ اور اق میں اس اجمالی تفصیل آئے گی۔

مجزہ قرآن

﴿قُلْ لَّئِنْ أَجْمَعَتِ الْأُلْأَسْ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِيٰقِنٍ هَذَا الْقُرْآنُ لَا يَأْتُونَ بِيٰقِنٍ﴾

(بنی اسرائیل: ۸۸)

آنحضرت ﷺ کو پیش گاہ الہی سے جو مجرمات عطا ہوئے ان میں سب سے برا مجرہ خود قرآن مجید ہے۔ چنانچہ جب کفار نے مجزہ طلب کیا تو خدا نے فرمایا:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا آيَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِ فَلْعِلَّ إِلَيْكَ الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِلَيْكَ أَنَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ اور
﴿كُمْ يَنْفَعُهُمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُبَيِّنُ عَلَيْهِمْ﴾

(عنکبوت: ۵۰، ۵۱)

”اور انہوں نے کہا کہ پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے نشایاں کیوں نہ اتریں، کہہ دے کہ نشایاں خدا کی قدرت میں ہیں۔ میں تو صاف صاف خدا کے عذاب سے صرف ڈرانے والا ہوں، کیا ان کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے اس پر کتاب اتاری جوان کو پڑھ کر سائی جاتی ہے۔“ اور آنحضرت ﷺ نے بھی دیگر انہیاں ﷺ کے مجرمات کے مقابلہ میں اپنی اسی وجی آسمانی کو سب سے برا مجرہ قرار دیا۔ چنانچہ گویا اسی آیت پاک کی تفسیر میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ما من الانبياء نبی الا اعطی من الآيات ما مثله او من او من عليه البشر وانما كان الذي اوتیت وحیاً او حاه الله الی فارجو انی اکثرهم تابعاً يوم القيمة))

”پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر مجرمات عنایت کئے۔ جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے۔ لیکن جو مجرہ مجھے مرحمت ہوا وہ وحی (قرآن) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتارا اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیروؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔“

اس حدیث سے متعدد نکتے حل ہوتے ہیں:

① ہر پیغمبر کو کوئی نہ کوئی مجرہ عطا ہوا ہے۔

② دیگر انہیاں ﷺ کے مجرمات وقتی اور عارضی تھے۔ ہوئے اور ہو کر مٹ گئے، لیکن آنحضرت ﷺ کا مجرہ اعظم یعنی قرآن مجید قیامت تک دنیا میں قائم اور باقی رہے گا۔

③ چونکہ وہ مجرے وقتی اور عارضی تھے۔ اس لئے ان سے جو اثر پیدا ہوا وہ بھی وقتی اور عارضی تھا، برخلاف

* بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبي ﷺ بعثت بجواب الكلم: ۷۲۷۴۔

اس کے قرآن مجید چونکہ ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے۔ اس نے اس کا اثر بھی واگی اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور قیامت تک نئے نئے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

آنحضرت ﷺ کو جو ربانی نہیں کیا تھی اس کی طرف سے عنایت ہوئیں۔ ان میں صرف یہی ایک مجرہ ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے تحدی کی ہے اور اعلان عام کیا ہے کہ کوئی اس کی مثال پیش کرے اور پھر خود ہی اس کی پیشیں گوئی بھی کر دی ہے کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ رہے گی:

﴿فُلَّا إِنِّي أَجْعَمْتُ الْأَنْسُ وَالْجِنَّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِيُشَّلِ هَذَا الْقُرْآنُ لَا يَأْتُونَ بِيُشَّلِهِ وَلَا كَانَ

بَعْضُهُمْ لِعَضِ ظَهِيرَةً﴾ (۱۷/ بنی اسراء یل: ۸۸)

”کہہ دے اے پیغمبر! اگر تمام جن و انس مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنالائیں تو نہیں لاسکتے۔ اگر چہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر کیوں نہ ہوں۔“

سورہ ہود میں پورے قرآن کے بجائے صرف دس سورتوں کا جواب مانگا گیا ہے:

﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَهُ فُلَّا فَأَتُوا بِعَشْرِ سُوْرَةٍ مُّفْتَرَيْتِ وَأَدْعُوا مِنْ أَسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ﴾ (۱۱/ ہود: ۱۳)

”کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنے جی سے بنالیا ہے، تو کہہ دے کہ وہ اسی بنائی ہوئی دس ہی سورتیں لے آئیں اور اپنی مدد کے لئے خدا کے سوا جس کو چاہیں بلا لیں اگر وہ سچے ہیں۔“

اس کے بعد کی آیتوں میں دس سورتوں سے گھٹا کر ایک ہی سورہ کا جواب لانے کی تحدی کی گئی ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ زِكْرِنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأَتُوا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ وَأَدْعُوا شَهَدًا أَعْلَمُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ﴾ (۲/ البقرہ: ۲۲)

”اور اگر تم کو اس میں بھی کچھ مشک ہو تو جو ہم نے اپنے بندہ پر اتنا رہے تو اس جیسی ایک ہی سورہ لا اور خدا کے سوا اپنے تمام گواہوں کو بلا اور گرم سچے ہو۔“

﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَكُنْ تَفْعَلُوا فَأَتَقْرَأُ النَّارَ الَّتِي وَقُدُّهَا النَّاسُ وَالْجَارَةُ هُنَّ أَعَدُّ لِلْكُفَّارِ﴾ (۲/ البقرہ: ۲۴)

”تو اگر تم ایسی سورہ بنائ کر نہ لاسکو اور یقیناً نہ لاسکو گے تو اس آتش دوزخ سے بچو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر (جن کو تم پوچھتے ہو) سب ہوں گے جو کافروں کے لئے تیار کھی گئی ہے۔“

اس کے ہم معنی دوسرے آیت سورہ یوسف میں ہے:

﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَهُ فُلَّا فَأَتُوا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهِ وَأَدْعُوا مِنْ أَسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ

صلِّي اللّٰهُ عَلٰى صَدِّيقِيْنَ ﷺ (۱۰ / یونس: ۳۸)

”کیا یہ کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو اپنی طرف سے بنایا ہے، ان سے کہہ دے کہ اس جیسی ایک سورہ تم بھی لا دخدا کے سوا اور جس کو چاہو مدد کے لئے بالا لوگر تم پچھے ہو۔“

پھر سورہ طور میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس جیسی ایک ہی بات پیش کرو:

﴿أَمْ يَقُولُونَ تَقْوَلَهُ بَلْ لَا يَعْلَمُونَ فَلَيَأْتُوا بِحَدِيْثٍ مَّقْتُلَهٗ إِنْ كَانُوا صَدِّيقِيْنَ ﴾

(الطور: ۳۲ ، ۳۴)

”کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کو ایمان نہیں۔ اگر وہ پچھے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی وہ پیش کریں۔“

اس امر پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ وہ کس حیثیت سے مجید ہے اور وجہ اعجاز کیا ہے؟

① بعض متعزلہ کے نزدیک قرآن مجید کا نظم کلام (اشائیں) مجید ہے۔ یعنی اہل عرب کا کلام جس طرز اور اسلوب پر ہوا کرتا تھا۔ قرآن مجید نے ان کو چھوڑ کر ایک اور بدیع طرز اور بجیب اسلوب اختیار کیا جو عرب میں موجود نہ تھا۔ ان کے کلام کا تمام تر نمونہ شعر تھا۔ قرآن مجید نے نثر کا ایک اسلوب اختیار کیا، کاہنان عرب کا کلام بھی نثر ہوتا تھا۔ مگر اس میں تکلف اور آور دھما۔ قرآن مجید نے نظم و نثر کے درمیان ایک ایسا پسندیدہ اسلوب اختیار کیا جو بلغائے عرب کے تخلیل میں بھی نہ تھا۔ قرآن کے مطالعہ، مقاطعہ اور فوائل یعنی جس طرح قرآن کسی بیان کا آغاز اور اس کا خاتمه کرتا ہے، جس طرح ایک ایک آیت کو توڑتا جاتا ہے وہ حد اعجاز میں داخل ہے۔

② متعزلہ سے جاہظ اور تمام اشاعرہ قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت کی حیثیت سے مجیدہ قرار دیتے ہیں۔

③ نظام متعزلی اور ابن حزم ظاہری^۱ یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور امام رازی بھی اس کو اقرب الی الصواب کہتے ہیں^۲ کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام بلغائے عرب و عموم کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گنگ کر دیں اور اس لئے وہ اس کا جواب نہیں لاسکتے۔

④ بعض متکلمین کے نزدیک وجہ اعجاز قرآن مجید کا اظہار غیر معمولی ہے اور پیشیں گویاں ہیں جو انسان کے حیطہ امکان سے باہر ہیں۔

⑤ بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دل کے چھپے ہوئے اسرار کو فاش کرتا تھا جو انسانی دمترس سے باہر ہے۔

^۱ الفصل فی الملل والتحلیل ابن حزم ج سوم باب اعجاز القرآن، ص: ۵۱۔

^۲ تفسیر کبیر، ج ۱، ص: ۲۳۵ تفسیر آیۃ «وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَبِّكُمْ»۔

⑥ کسی نے وجہ اعجاز یہ بتائی ہے کہ اور انہوں کے کلام بلند و پست، کامل و ناقص، صحیح و غلط غرض مختلف المراتب ہوتے ہیں لیکن قرآن مجید شروع سے اخیر تک بلندی کمال اور صحت کے لحاظ سے ایک ہی نوعیت کا ہے۔

⑦ ایک دوآ دیوں کی یہ رائے ہے کہ مجرہ یہ ہے کہ ایک اُمیٰ کی زبان سے ایسا کلام بلا غلط نظام نکلا۔ ❷

⑧ قرآن مجید کے اعجاز کی ایک وجہ اس کی خارق عادت تاثیر اور قلوب انسانی کی تسبیح بھی قرار دی جا سکتی ہے۔

⑨ بعضوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا اصلی اعجاز اس کے احکامات، تعلیمات اور ارشادات ہیں۔ ❸
حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اخلاقیات باہم متفاہیں ہیں جو ایک جگہ نہ مجمع ہو سکیں اور نہ ضروری ہے کہ وجہ اعجاز صرف ایک میں محدود ہو۔ قرآن مجید کے وجود اعجاز اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا، جس شخص کو اپنے مذاق کے مطابق جو بات نمایاں نظر آئی ہے اسی کو اس نے وجہ اعجاز قرار دے لیا ہے، کوئی حسین اور خوبصورت چیز جب نقاد ان فن کی نگاہوں کے سامنے آتی ہے تو کوئی اس کے رنگ و رونگ کا مداح ہوتا ہے، کوئی اس کے اعتدال قامت کی تعریف کرتا ہے، کوئی اس کی وضع قطع کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے، کوئی اس کی زیبائش و آرائش کی مدح کرتا ہے، تو در حقیقت اس کی ذات ان تمام اوصاف کا مجموع ہوتی ہے اور ہر ناقہ اپنی چشم اعتبار سے جو کچھ دیکھتا ہے اسی کو اس کے حسن کا معیار قرار دیے لیتا ہے۔ حافظ و سعدی کے کلام کا معرف کون نہیں؟ لیکن لوگوں سے ان کے حسن و خوبی کی تفصیل پوچھو تو کوئی ایک بات نہیں کہہ گا۔ کسی کے نزدیک ان کے کلام کا حسن یہ ہے کہ وہ اپنی غزلوں کے لئے بھریں نہایت مطریانہ اور موسيقیانہ اختیارات کرتے ہیں۔ کوئی طریقہ ادا اور اسلوب تعبیر کی تعریف کرے گا، بعض ناقدین سخن الفاظ کی شیرینی اور ترکیب کی ندرت پیش کریں گے۔ کوئی تشبیہ و استعارہ کی جدت پر زور دے گا، دوسرے اصحاب ان کی تازک خیالی کے معرف ہوں گے۔ بعضوں کے نزدیک ان کی معنی آفرینی عین فلسفہ و حکمت اودل پذیر موعظت ان کے کلام کا تمغاۓ کمال ہے:

عبارة انشاتی و حسنک وحد
وکلی الى ذاك الجمال يشير
”هماری عبارتیں گو مختلف ہیں لیکن تیرا حسن ایک ہی ہے، ہر شخص اپنی عبارت میں اسی ایک حسن کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔“

قرآن مجید کی ان آیتوں کا اگر استقصا کیا جائے جن میں اس کے وجود اعجاز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے

❶ مکہمین کے یہاں بشرح موافق اعجاز قرآن بالتفصیل، الاتقان سیوطی، فصل فی المثل والنحل این حزم میں مذکور ہیں۔

❷ شاہ ولی اللہ صاحب نے فوزالکبیر مبحث اعجاز القرآن، ص: ۴۲ میں اور مولانا نابلی نے اپنے مضمون اعجاز القرآن مقالات شنبی، حصہ اول، ص: ۳۵ میں یہی مسئلہ اختیار کیا ہے۔

تو وہ تم کو خود مختلف نظر آتی ہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے وجوہ اعجاز اس قدر متعدد اور کثیر الاطراف ہیں کہ ان کو کسی ایک میں محدود نہیں کیا جا سکتا، اس نے کہیں تو اپنی تعلیم و ارشاد کی مرح کی ہے، کہیں اپنی تاثیر اور قوتِ جذب کی طرف اشارہ کیا ہے، کہیں اپنی یکسانی اور عدم اختلاف کو اپنے خدا کی طرف سے ہونے کی نشانی بتائی ہے، کہیں اس نے اپنی عربیت اور حسن کلام کو ظاہر کیا ہے، کہیں ایک ای کی زبان کا پیغام ہونا اپنا مجرہ بتایا ہے، ایک موقع پر اپنی ہدایت و راہنمائی کو مخصوص ترین وصف قرار دیا ہے، کہیں وہ خود کونور، ہدی، حکمة، بینة اور دیگر مختلف اوصاف معنوی کا بیکر کرتا ہے چنانچہ ذیل میں ہم ان آیتوں کو بترتیب لکھ دیتے ہیں:

فصاحت و بلاغت

﴿لِسَانُ الَّذِي يُلْجِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمُونَ وَهَذَا الْسَّانُ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴾ (۱۶/النحل: ۱۰۳)

”جس کی طرف یہ کفار نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ ایسی زبان ہے جو عربی ہے اور اپنے مدعاے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے۔“

﴿لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴾ (۲۶/الشعراء: ۱۹۵)

”قرآن ایک ایسی زبان میں ہے جو اپنے مدعاے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے۔“

﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عَوْجَةٍ ﴾ (۲۸/الزمر: ۳۹)

”قرآن عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجھی نہیں۔“

﴿وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴾ (۳۶/ینس: ۶۹)

”اپنے مدعا کو خوبی سے ظاہر کرنے والا قرآن۔“

﴿وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴾ (۱۵/الحجر: ۱)

یکسانی اور عدم اختلاف

﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ طَوْكَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوْجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴾

(۴/النساء: ۸۲)

”کیا یہ کافر قرآن میں غور نہیں کرتے، اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔“

قوتِ تاثیر

﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ عَمَّا فِيهِ مُزَّدَ حَرَرٌ حَكْمَةٌ بَالْغَفَّةِ كَمَا تُغْنِنَ التُّدْرُرُ ﴾

(۵/القمر: ۴)

”ان کو (قرآن کے ذریعے سے) اگلی امتوں کے اتنے حالات سنائے جا چکے ہیں جو ان کی تنبیہ کو

کافی تھے، یہ قرآن دل سکت پہنچ جانے والی دانائی ہے لیکن ان کوڑانا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔“
کفار قرآن مجید کو حرج اور جادو کہتے تھے؟ یہ کیوں؟ اس کی اسی تاثیر اور قوت تفسیر کی بناء پر:
﴿وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَيْهِنَّ لَهُمْ جَاءَهُمْ هُدًى هُنَّ أَسْعَرُ مُمْبِينَ ﴾

(۷/ الاحقاف: ۴۶)

”جب ان کافروں پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو سچائی آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔“

کفار کہتے تھے کہ جب محمد ﷺ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنانے لگیں تو شور کرو، تاکہ لوگ سن کر متاثر نہ ہوں:
﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا هَذَا الْقُرْآنَ وَالْغُوا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴾

(۲۶/ فصلت: ۴۱)

”کفار نے کہا کہ اس قرآن کو سنانے کرو اور اس کے پڑھتے وقت شور و غل کرو شاید تم جیت جاؤ۔“

تعلیم وہدایت

﴿ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَأَرْبَيْتُ بِهِ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴾ (۲/ البقرة: ۲۰)

”یہی ہے وہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے، یہ پرہیزگاروں کے لئے سرتاپاہدایت ہے۔“

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلّّٰقِي هٰئِي أَقْوَمُ﴾ . (۱۷/ بنی اسراء یہل: ۹)

”یہ قرآن اس تعلیم کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ صحیح اور سیدھی ہے۔“

﴿قُلْ فَاتُوا إِلَيْكُمْ مَنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ أَهْدٰى مِنْهُمَا أَتَيْعَهُ﴾ (۲۸/ القصص: ۴۹)

”کہہ دے قرآن اور تورات سے بڑھ کر کوئی ہدایت والی کتاب لا تو میں اس کی پیروی کروں۔“

﴿فَدُّجَاءَكُمْ مِّنَ الْأَنْوَارِ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ﴾ (۵/ المائدۃ: ۱۵)

”تمہارے پاس روشنی اور مدعا کو ظاہر کرنے والی کتاب آچکی۔“

﴿وَكَذَذَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ (۲/ البقرة: ۹۹)

”ہم نے تیری طرف کھلی ہوئی آیتیں اتاریں۔“

﴿وَهٰذَا إِلَيْكَ أَنْزَلْنَا مُبِيرٌ فَإِنَّهُ مُبِيْعٌ وَالشَّوَّالْعَلَمُ مُرَحْمٌ لَا أَنْ تَقُولُوا إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابُ عَلٰى طَالِبِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنِ دِرَاسِهِمْ لَغَفِيلِيْنَ أَوْ تَقُولُوا لَوْلَا أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةً﴾

(۶/ الانعام: ۱۵۶ تا ۱۵۸)

”یہ مبارک کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیرودی کرو اور پر ہیزگاری اختیار کرو، تا کہ تم پر حرم کیا جائے اور یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ دو قوموں پر کتاب اتاری گئی اور ہم ان کے پڑھنے سے بے خبر تھے یا یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان دونوں قوموں سے زیادہ راہ راست پر ہوتے تو لویٰ تمہارے رب کی طرف سے دلیل وہدایت و رحمت آئی ہے۔“

﴿وَنَذِلُّ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شَفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱۷/الاسراء: ۸۲)

”اور قرآن سے ہم وہ اتارتے ہیں جو مونوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔“

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَبٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُونَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِرَسُولٍ مِّنْ قَبْلِكَ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عَقَابٍ أَلَيْهِمْ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ إِنَّا أَعْجَجُّى وَعَرَبِيٌّ فَلَنْ هُوَ لِلَّذِينَ أَمْتَوْهُدُّى وَشَفَاءٌ﴾ (ختم السجدة: ۴۱ تا ۴۴)

”یہ عزت والی کتاب ہے جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آ سکتا یہ حکمت اور تعریف والے خدا کی اتاری ہوئی ہے اسے پیغمبر! تھے وہی کہا جاتا ہے جو تھے سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا تیرا پروردگار بخشش والا بھی ہے اور عذاب والا بھی ہے، اگر ہم اس قرآن کی زبانِ عجمی کرتے تو وہ لوگ یہ کہتے کہ اس کے احکام کیوں نہیں کھول کر بیان کئے گئے ہم عرب ہیں اور کتابِ عجمی، کہہ دو کہ یہ کتابِ مونوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَشَفَاءٌ لِمَنِ فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱۰/یونس: ۵۷)

”لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آچکی ہے اور وہ دلوں کے امراض کا علاج ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔“

﴿وَالْقُرْآنُ الْحَكِيمُ﴾ (۳۶/ینس: ۹) ”حکمت والا قرآن۔“

﴿وَالْقُرْآنُ ذِي الْيَسْكُنِ﴾ (۳۸/ص: ۱) ”نصیحت والا قرآن۔“

قرآن کا جواب لانے کی قدرت نہیں

﴿لَا يَأْتُونَ بِيُشْلِهِ﴾ (۱۷/الاسراء: ۸۸) ”جن و انس اس کا جواب نہیں لاسکتے۔“

﴿وَلَنْ تَقْعُلُوا﴾ (۲/البقرة: ۲۴) ”یہ کفار ہرگز اس کا جواب نہیں لاسکتے۔“

ایک ایسی کی زبان سے ادا ہو

﴿وَمَا كُنْتَ تَنْذِلُ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَبٍ وَلَا تَنْعَظُهُ بِمَمْنَعِكَ إِذَا لَأَرْتَكَ الْبُطَّلُونَ بَلْ هُوَ آيَتٌ﴾

بَيْتٌ فِي صُدُورِ الظَّالِمِينَ أَوْلَا الْعِلْمَ وَمَا يَجْعَلُ بِأَيْمَانَ الظَّالِمِينَ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ أَيْتٌ مِّنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ أَوْ لَمْ يَكُنْ فَهُمْ أَنَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُفْلِي عَلَيْهِمْ طَرَّانٌ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذَكْرًا لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٤٨﴾

(٤٨: تا ٥١ / العنكبوت)

”قرآن سے پہلے اے پیغمبر ﷺ! نتو، تو کچھ پڑھ کر ساتھا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا اگر ایسا ہوتا تو البتہ یہ باطل پرست شک کر سکتے بلکہ یہ کھلی آئیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم بخشا گیا ہے اور ہماری آئیوں سے صرف گنہگاری انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیوں اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں نہیں اتریں، کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضہ میں ہیں، میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں، کیا ان کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تمھے پر کتاب اس تاری جوان کو پڑھ کر سائی جاتی ہے، اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔“

حفظ و بقا کا وعدہ

﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ﴾ (١٥ / الحجر: ٩)

”اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمَعَةٌ وَقُرْآنٌ﴾ (٧٥ / القيامة: ١٧)

”ہم پر ہے اس قرآن کا جمع کرنا۔“

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ (٤١ / فصلت: ٤٢)

”اس قرآن کے پاس آگے اور نہ پیچھے سے باطل آسکتا ہے۔“

قوت دلائل

﴿فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيْتَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ﴾ (٦ / الانعام: ١٥٧)

”یقیناً تمہارے پاس تمہارے خدا کی دلیل آچکی۔“

﴿قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ (٦ / الانعام: ١٤٩)

”کہہ دے کہ خدا ہی کے لئے وہ دلیل ہے جو دلوں تک اتر جاتی ہے۔“

﴿هَذَا بَصَارُكُمْ مِّنْ رَبِّكُمْ وَهُدُّىٰ وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (٧ / اعراف: ٢٠٣)

”یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے مجھ بوجھ کی باتیں ہیں اور ہدایت و رحمت ہے مومنوں کے لئے۔“

قرآن مجید کی یہ آیتیں صرف چند حیثیتوں کو پیش نظر کر کر لکھی گئی ہیں اگر کوئی استقصا کرے تو متعدد

وجوہ اور بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

الغرض مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید صرف فصاحت و بلاغت ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی تمام حیثیات کے لحاظ سے مجرمہ کامل ہے، اس کے مجرمہ کامل ہونے پر مختصر ترین دلیل یہ ہے کہ سازھے تیرہ سو برس گزرے کوہ صفا کی چٹان پر کھڑے ہو کر ایک امی نے دنیا سے یہ غیر متزلزل تحدی کی کہ وہ اس کا جواب پیش کرے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ان تیرہ صد یوں کا ایک ایک سال گز رگیا مگر ایک آواز بھی اس تحدی کو قبول کرنے کے لئے بلند نہ ہوتی، اگر صرف فصاحت و بلاغت ہی کو معیار اعجاز قرار دیا جائے تو کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ عین اُس وقت جب ایک امی کی طرف سے جو ایک شعر تنک موزوں نہیں پڑھ سکتا تھا یہ مدعا نہ اعلان عرب میں شائع ہوا اس عرب کے قبیلہ، قبیلہ میں زبان آور شعرا، اور آتش بیان خطبا موجود تھے مگر اس "صوت سردی" کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں کفار عرب نے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تکذیب کی کیا کیا کوششیں نہ کیں، انہوں نے اس راہ میں جان و مال قربان کیا، دین و کیش کو برباد کیا، اپنے عزیزوں اور فرزندوں کو نثار کیا، خود اپنی جانیں ہتھیلوں پر رکھیں، ان کے سپاہیوں نے میدان جنگ میں پرے جائے، ان کے دولت مندوں نے اپنے خزانے کھول دیے، ان کے شاعروں اور خطبوں نے اپنی آتش بیانیوں سے تمام ریگستان عرب کو تور بنا دیا، یہ سب کچھ کیا مگر یہ نہ ہو سکا کہ قرآن مجید کی ایک سورہ کا جواب پیش کریں جو اسلام کے دعوائے حق و صداقت کے لئے کنگرہ کو جسم زدن میں پست کر دیتا، کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کی مثال لانے سے عاجز تھے اور جب وہ جو زبان کے اصل مالک اور محاورہ عرب کے طبعی ماہر تھے اس کے مقابلہ سے عاجز تھے تو اس زمانہ کے بعد کے لوگوں کے لئے تو یہ بخرا درمانیگی اور زیادہ نہایاں ہے۔

حسان بن ثابت، عامر بن اکوع، طفیل بن عمرو، زید الجلیل، زبرقان، شناس، اسود بن سرعج، کعب بن زہیر، عبد اللہ بن رواحة رضی اللہ عنہ وغیرہ عرب کے مشہور زبان آؤ اور شاعر تھے، مگر قرآن کے سامنے ان سب نے سرناہ ختم کیا، لبید رضی اللہ عنہ عرب کے شاعر تھے اور سیعہ معلقة کی بزم مشاعرہ کے ایک رکن تھے، اسلام کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے چند اشعار کی فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا: "جب خدا نے مجھ کو بقرہ اور آل عمران سکھائی تو مجھے شعر کہنا پا نہیں۔"

انہیں قبیلہ غفار کے شاعر تھے، انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کا چرچا سننا، تو چھپ کر ملک آئے اور آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے کلام ربانی کی کچھ آئیں سن کر واپس آگئے، انکے بھائی نے پوچھا کہ تم نے کیسا پایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ قریش کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہیں، ساحر ہیں اور کامیں ہیں، ہم نے کاموں کا کلام سنائے یا انکی بولی نہیں، ہم نے شعر کے ایک ایک وزن کو دیکھ لیا ہے وہ شعر بھی نہیں ہے، خدا کی قسم! محمد ﷺ پچھے اور قریش جھوٹے ہیں۔

* استیعاب ابن عبد البر ترجمۃ لبید، ج ۱، ص: ۲۳۶۔

* صحيح سسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی ذر: ۶۳۵۹۔

ضاد از دی ہمیشہ ایک صاحب تھے جو جہاڑ پھونک کیا کرتے تھے وہ یہ سن کر کہ محمد ﷺ (نوعہ بالله) دیوانے ہو گئے ہیں آپ کے علاج کے لئے آئے، آپ نے مختصری حمد کلہ شہادت پڑھا، وہ سن کر تحسیر رہ گئے، تین دفعہ پڑھوا کرنا، پھر کہا کہ خدا کی قسم! میں نے کاہنوں کی بوی اور جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سے ہیں لیکن تمہارا کلام کچھ اور ہی ہے یہ تو سمندر تک میں اٹر کر جائے گا۔ * جابر بن عبد اللہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابو جہل اور قریش کے دیگر اکابر جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ محمد ﷺ کی تحریک روز بروز زور پکڑتی جاتی ہے کسی ایسے آدمی کو ملاش کرنا چاہیے جو جادو، کہانت اور شعر کہنا جانتا ہو، تا کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کیا ہے؟ قریش کے مشہور سردار عقبہ بن ربعہ نے کہا میں یہ سب کچھ جانتا ہوں، کہ تو میں جا کر دیکھوں، چنانچہ آستانہ نبوی ﷺ میں آ کر اس نے صلح کے کچھ شراط اٹھا پیش کئے، آنحضرت نے اس کے جواب میں سورہ فصلت پڑھنی شروع کی، کچھ ہی آیتیں پڑھی تھیں کہ اس نے آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ قربت کا واسطہ کرو، واپس پھر اتو چند روز تک گھر سے باہر نہیں نکلا، ابو جہل نے جا کر کہا: کیوں عتبہ؟ محمد ﷺ کے یہاں کھانا کھا کر پھسل گئے؟ عتبہ نے کہا: تم جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ دولت مند ہوں، مجھ کو دولت کی طمع دامن گیر نہیں، ہو سکتی لیکن محمد ﷺ نے میرے جواب میں جو کلام اٹھا پیش کیا، وہ نہ شعر تھا، نہ کہانت تھی، نہ جادو، میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنایا، انہوں نے جو کلام پڑھا اس میں عذاب الہی کی دھمکی تھی، میں نے ان کو قربت کا واسطہ دیا کہ چپ ہو جائیں میں ذرا کہ تم پر عذاب نہ آ جائے، لوگوں نے کہا: محمد ﷺ نے اپنی زبان سے عتبہ پر جادو کر دیا۔ *

ولید بن مخیرہ قریش میں بڑا دولت مند اور صاحبِ اثر تھا، وہ ایک دفعہ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور فرمائش کی کہ کچھ پڑھ کر سنائیے، آپ نے چند آیتیں پڑھیں، اس نے مکر پڑھوا کر سیئیں، آخر بے خود ہو کر بولا: خدا کی قسم! اس میں کچھ اور ہی شیرینی اور تازگی ہے، اس نخل کی شاخوں میں پھل اور اس کا تاجہاری ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔ *

بنو زہل بن شیبان کے سردار مفروق کے سامنے آپ ﷺ نے چند آیتیں پڑھیں تو گودہ مسلمان نہ ہوا مگر کلام الہی سے متاثر ہوا۔ *

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جب سورہ مریم کی تلاوت کی تو اس پر رقت طاری ہو گئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پھر کہا: ”خدا کی قسم! یہ کلام اور نجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔“ *

* صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تحفیف الصلة والخطبة: ۲۰۰۸۔ ۲ کتاب التفسیر ابن مردویہ، مستند ابن سیرہ ابن اسحاق، اخیر فقرہ صرف سیرۃ ابن اسحاق میں ہے۔ بحوالہ سیرۃ ابن هشام، ج ۱، ص: ۱۸۰۔

* مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۵۰۶ میں یہ اور اپ کا احمد و فویل جل گئے ہیں۔ ۳ روض الانف شرح سیرۃ ابن هشام، ج ۱، ص: ۲۶۴۔ ۴ مستند احمد، ج ۱، ص: ۲۰۲ و مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۳۱۰۔

اس قسم کے اور بعض واقعات ابن اسحاق نے سیرت میں نقل کئے ہیں پہلی جلد میں پڑھ چکے ہیں کہ لوگ کیونکر قرآن مجید کی آیتیں سن کر متاثر ہو جاتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل ایک سورہ کی چند آیتیں پڑھ کر گز کر کر پھر سے موم ہو گیا۔ حضرت جیبر بن مطعم رضی اللہ عنہ اسیر ان بدر کو چھڑانے آئے تھے، انہوں نے آنحضرت مصلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ طور کی ایک دو آیتیں سن لیں تو حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ۴ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے چند آیتیں سن لیں تو فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ۵ حضرت طفیل بن عمر و دوست رضی اللہ عنہ کے کانوں میں اتفاقیہ قرآن مجید کی چند آیتیں پہنچ گئیں تو مسلمان ہو گئے۔ ۶ طائف کے سفر میں حضرت خالد العدوانی رضی اللہ عنہ نے آپ مصلی اللہ علیہ وسلم کو «وَالشَّمَاءُ وَالْأَطْرَافُ» (الطارق: ۱) پڑھتے سناؤ گوہ اس وقت مسلمان نہ ہوئے مگر پوری سورہ ان کے دل میں گھر کر گئی، یعنی یاد ہو گئی۔ ۷

جہش سے بیس آدمیوں کی ایک جماعت حاضر خدمت ہوئی، آپ مصلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن مجید پڑھ کر شایا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ۸ حضرت ابو عبیدہ، حضرت ابو سلمہ، حضرت ارم بن ارقہ رضی اللہ عنہم یہ تینوں اصحاب اسی کی کشش مقناطیسی سے کھنچ کر حلقہ اسلام میں آئے۔ ۹ اور تو اور خود مہبہت وحی اور حامل کلام ربانی کا کیا حال تھا؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ قراءت شروع کی تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ ۱۰ ایک اور موقع پر قرآن مجید کی چند آیتیں زبان مبارک سے ادا ہوئیں اور اس کے بعد آنسوؤں کا تاریخ بدھ گیا۔ ۱۱

کلام کی یہ شیرینی، نیکنی، یہ تائیری، یہ تاخیر، یہ تاخیر جو دوست و دشمن، موافق و مخالف، شاه و گدا، عالم و جاہل، پیغمبر و امت سب کو یکساں فریفہ کرتی ہے، ابجا زنبیں تو اور کیا ہے؟ حکماء، فلاسفہ، ادباء، اہل لغت، مفسرین، محمد شین، فقہاء، شعراء، متکلمین، غرض نوع انسانی کی وہ کون کی صنف ہے جس نے ایک ای کی زبان سے ادا ہونے والے پیغام کے عشق و محبت میں اپنا سرمایہ حیات قربان نہیں کر دیا اور جن کو اس کلام کی تشریع و تفصیل اور تحقیقت و توضیح کے خدمات کی لذت میں دنیا کی تمام نعمتیں یقیناً نظر آئیں، کیا یہ ابجا زنبیں؟ غور کیجئے کہ ایک اینی محض جو امیوں ہی کی گدوں میں پلا اور پل کر جوان ہوا، اس نے ہوش سنبھالا تو گرد و پیش تاریکیوں اور ظلمتوں کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آیا، علوم و فنون اور تمدن و تہذیب سے ایک عاری ملک، عاری شہر اور عاری خاندان

۱ ابن سعد، ج ۳، حصہ اول، ص: ۱۹۱۔ ۲ مسند احمد، ج ۱، ص: ۱۷۔

۳ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، طور: ۴۸۵۴۔ ۴ مسند احمد، ج ۱، ص: ۳۱۸۔

۵ استیعاب تذکرہ طفیل بن عمر و دسوی، ج ۱، ص: ۲۱۸۔ ۶ مسند احمد، ج ۴، ص: ۳۳۵۔

۷ سیرۃ ابن ہشام، ج ۱، ص: ۲۳۷۔ ۸ اسد الغابة تذکرہ ابو سلمہ بن عبدالاسد، ج ۵، ص: ۲۱۸ (اس میں

حضرت عثمان بن مظعون کا نام لگی ہے)۔ ”ض“ ۹ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب (فكيف اذا جنت من

كل امة بشهد) ۱۰ ۱۰ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب دعاء النبي ﷺ لامة: ۴۹۹۔

کے اندر نشوونما پائی، جہاں اہل فکر اور ارباب علم کا وجود نہ تھا وہ خود اس کا خاندان اور اس کا وطن نوشت و خواند کے نقوش و حروف سے آشنا تھا اور گز شستہ صحف انبیا اور افکار عالیہ کا ایک حرف اس کے کان میں کھینچیں پڑا، علماء اور دانشوروں کی صحبت اس نے نہیں اٹھائی، اصول قانون، مبادی اخلاق، محاسن علم و عمل کی کوئی ظاہری تعلیم اس کو نہیں ملی، بلکہ مدرسہ علم و حکمت کے سامیہ دیوار تک کھینچیں اس کا گز نہیں ہوا، اور اسی طرح وہ اپنی زندگی کے چالیس دورے پورے کرتا ہے کہ دفعۃ غارہ را کے ایک دہانے سے اجلاسا ہوتا ہے، علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ابالتا ہے، ظاہری نوشت و خواند کے نقوش و حروف کا طسم نوٹ جاتا ہے، صحف انبیا اور افکار عالیہ کے اوراق اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں، اس کے پرتو صحبت سے اُمی اور جاہل علمائے دہرا و دانشوران روزگار بن کر نکلنے لگتے ہیں، اصول قانون، مبادی اخلاق، اور محاسن علم و عمل کی تعلیم کا غلغله اس کی بزم فیض کے گوشہ گوشہ سے بلند ہوتا ہے، کلام ربانی کے پردہ میں علم و حکمت کے پوشیدہ اسرار فاش ہونے لگتے ہیں، اس سے زیادہ قرآن مجید کے مجرہ ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

توراة قانون و شریعت ہے لیکن اخلاق اور موعظت نہیں، انچیل اخلاق و موعظت ہے، لیکن قانون اور شریعت نہیں، زبور خاطبات قلمی اور دعاوں کا مجموعہ ہے لیکن دیگر صفات سے خالی، سچ علیٰ کے صحیفہ میں خطابات کی ہنگامہ آرائیاں ہیں، مگر استدلال اور فکر و نظر کی دعوت نہیں، صحف بنی اسرائیل پیشین گوئیوں سے لبریز ہیں مگر دقائق حکمت اور اسرار ایمان و عمل سے خالی ہیں، دنیا میں ایک ہی کتاب الہی ہے جو قانون و شریعت بھی ہے اور اخلاق و موعظت بھی، خاطبات قلبی اور دعاوں کا گنجینہ بھی ہے اور دیگر کتب الہی کی مجموعی صفتیں کی حال بھی، خطابت بھی ہے اور استدلال و فکر بھی، اظہار غیب اور پیشین گوئیوں سے لبریز بھی ہے اور دقائق حکمت اسرار ایمان و عمل سے معمور بھی اور ان سب کے ساتھ ہمیں اس وقت جب اور کتب الہی تحریف و تغیری اور ترجم و تعبیر سے اپنی اصلی زبان اور اصلی الفاظ کھو چکی ہیں، اس کی بقا اور حفاظت کی یہ ذمہ داری کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی اس کے ایک لفظ، ایک حرف، ایک نقطہ میں تغیر و تبدل نے را نہیں پائی، وہ اپنی زندگی جاوید کے لئے کاغذ کے نقوش و حروف کی مقام نہیں کہ لاکھوں انسانوں کے سینے اس خزانہ کے صندوق ہیں اور وہ اسی زبان اور انہی الفاظ اور انہی حروف کے قالب میں اب تک جلوہ گر ہے، جس میں دست قدرت نے اس کو ڈھالا تھا اور جبریل امین نے اس کو اتارا تھا اور محمد عربی ﷺ نے اس کو امت کے ہاتھوں میں سونپا تھا، کیا یہ اعجاز نہیں؟

یہیں سے یہ نکتہ بھی حل ہوتا ہے کہ قرآن مجید اپنی تعلیمات اور معانی کے ساتھ ساتھ اپنے الفاظ، کلمات اور عبارت میں بھی مجرہ ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت کے مجرزاںہ کمال کی دوسرا آسمانی کتابیں حریف نہیں بن سکتیں، کیونکہ دوسری آسمانی کتابیں اپنے الفاظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے وہی ہیں،

چنانچہ نتو خود ان کتابوں کو اور نہ ان کے ماننے والوں کو اس کا دعویٰ ہے اور نہ کبھی انہوں نے اپنی کتابوں کو کلام و عبارت کے لحاظ سے مجذہ کہا ہے، چنانچہ اسی لئے وہ اصل الفاظ اور زبان جس کے قالب میں وحی موسوی (تورات) اور عیسوی (انجیل) نے ظہور کیا، مدت ہوئی کہ دنیا ان سے محروم ہو گئی، تورات کی اصلی عبرانی زبان جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلی تھی، وہ بخت نصر کی آگ کی نذر ہو گئی اور اس نے آرائی اور سریانی زبان کا قالب اختیار کر لیا اور آخوندہ اسال کے بعد حضرت عزیز علیہ السلام نے پھر اس کو عبرانی زبان میں منتقل کیا، انجیل کے متعلق ابھی تک یہی طنہیں ہو اک اس کی اصل زبان کیا تھی؟ اور انجیل پہلے پہل کس زبان میں لکھی گئی تھی؟ انجیل کی سب سے قدیم زبان یونانی زبان ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ وہ زبان نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین کے ملک میں ملک میں بولتے تھے ایسی حالت میں ان کتابوں کی فصاحت و بلاعثت کا اعجاز اور اس کے الفاظ کے منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کیونکر کیا جاسکتا ہے، برخلاف اس کے دنیا میں "وحی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم" سب سے پہلی اور سب سے آخری کتاب ہے، جس نے اس حیثیت سے اپنے اعجاز کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ قرآن مجید کا حرف حرف اور لفظ لفظ وحی ہے اور وہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا اور وہ ہر قسم کی تحریف و تغیریں سے پاک ہے اس لئے اس کے الفاظ، کلمات، اور عبارات تک مجذہ ہیں اور اس وصف میں دنیا کی کوئی آسمانی کتاب اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ *

* یہاں مسئلہ اعجاز القرآن پر بحث مقصود نہیں یہ مباحثہ مفصل آئندہ کسی جلد میں آئیں گے، یہاں صرف سلسلہ مجذرات میں اس کا بعض تذکرہ مقصود تھا۔

امیت

یعنی

آنحضرت ﷺ کا ظاہری تعلیم اور نوشت و خواند کے داغ سے پاک ہونا

﴿الرَّسُولُ النَّبِيُّ الْأَعْلَمُ﴾ (۷/الاعراف: ۱۵۷)

یہ واقعہ محتاج بیان نہیں کہ آنحضرت ﷺ ظاہری تعلیم اور نوشت و خواند کے داغ سے پاک تھے۔

قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر اس واقعہ کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں ہے:

﴿الَّذِينَ يَكُونُونَ الرَّسُولُ النَّبِيُّ الْأَعْلَمُ﴾ (۷/الاعراف: ۱۵۷)

”یہ مسلمان وہ ہیں جو ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ الہی کی پیروی کرتے ہیں۔“

اسی سورہ میں پھر اس کے بعد ہے:

﴿فَإِنَّمَا يُبَدِّلُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ الْكَوِيْتَ الْأَعْلَمُ﴾ (۷/الاعراف: ۱۵۸)

”تو لوگو! خدا پر اس کے آن پڑھ پیغمبر اور فرستادہ پر ایمان لاو۔“

سورہ جمعہ میں نہ صرف آپ ﷺ کے ائمیں بلکہ اغلب آبادی کی حالت کے لحاظ سے تمام قریش اور عرب کے ائمیں کا اظہار ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأَمَمِينَ رَسُولًا فِتْهُمْ﴾ (۶۲/الجمعة: ۴۸)

”اسی خدا نے امیوں کے درمیان انہی میں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا۔“

دوسری جگہ سورہ عنكبوت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتَنَزَّلُ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتْبٍ وَلَا تَخْطُلُهُ بِعِيْنِكَ إِذَا لَأْرَاتَابَ الْمُبْطَلُونَ﴾ (۴۸/العنکبوت: ۲۹)

”اور قرآن کے نزول سے پہلے اے پیغمبر انہ تو تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے اگر اسیسا ہوتا تو یہ باطل پرست شک کر سکتے تھے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا انسانی تعلیم سے پاک ہونا بھی مصلحت الہی کا ایک خاص منشائنا۔ اسی لئے اس کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَقَالُوا أَنُلَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا إِلَيْتُ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْأَيْتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ اور

﴿لَمْ يَلْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَبَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ﴾ (۵۱/العنکبوت: ۵۰)

”او معتبر ضمین کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانیاں کیوں نہیں

اتریں، کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں اور میں تو صرف خدا سے ذرا نے والا ہوں کیا ان مفترضین کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر (جو ای ہے) کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔“

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں اس کا اظہار ہے کہ اے محمد ﷺ! تمہاری زبان سے آج گزشتہ پیغمبروں، اگلی امتوں اور عبیدِ ماضی کے واقعات ادا ہوتے ہیں۔ ان واقعات اور حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے تین ہی ذریعے انسان کے ہاتھ میں ہیں، ایک یہ کہ وہ اس واقعہ کے وقت موجود ہو، دوسرا یہ کہ ان حالات کو کتابوں میں پڑھے، تیسرا یہ کہ اوروں سے سنے۔ آنحضرت ﷺ اطلاع کے ان ذرائع سے نا آشنا تھے۔ اول ذریعہ تو ظاہر ہے کہ مفروضہ تھا قرآن مجید میں آدم ﷺ سے مولود محمدی ﷺ تک کے تمام واقعات بیان کئے گئے ہیں جو آپ کی پیدائش سے پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے اور آپ کے پاس ان کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا۔ اسی لئے قرآن مجید نے متعدد مواقع مثلاً: حضرت مریم اور زکریا ﷺ کے قصہ میں کہا ہے:

﴿ذَلِكَ هُنَّ أَنْبَاءُ الْغَيْبِ تُوحِيدُهُ اللَّهُكَ وَمَا كُنْتَ لَدَنِيهِمْ أَذْيَقُونَ أَقْلَامُهُمْ مَا يَعْمَدُونَ يَقْرُئُونَ﴾

﴿مَرِيمٌ وَمَا كُنْتَ لَدَنِيهِمْ أَذْيَقُهُمْ مَمْنُونَ﴾ (آل عمران: ۴۴)

”یہ گز شدہ زمانہ کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم تیری طرف دی کر رہے ہیں۔ تو ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھا جب وہ اپنا اپنا پانہ ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے گا اور نہ تو ان کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑر ہے تھے۔“

حضرت موسیٰ ﷺ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ رَجَابِ الْغُرْبَىٰ إِذْ قُضِيَّا إِلَى مُوسَى الْأَمْرُ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّهِدِينَ ۚ وَلَكِنَّا نَّاۤئِنَّا فِي وَرَنَّاۤ فَقَطَّاۤ لَنَّ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۖ وَمَا كُنْتَ تَأْوِيَّاۤ فِي أَهْلِ مَدْبِنٍ تَشْتُوَّا عَلَيْهِمُ أَبْيَانًاۖ وَلَكِنَّا نَّاۤئِنَّا مُرْسِلِيْنَ ۗ وَمَا كُنْتَ رَجَابِ الْطَّوْرِ إِذْ نَادَنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۚ﴾

(القصص: ۴۶: ۴۴)

”جب ہم نے موسیٰ ﷺ کو اپنا فیصلہ دیا تو تو اس وقت مغربی گوشہ میں موجود تھا۔ بلکہ ہم نے صدیاں اس پر گزار دیں، تو میں پیدا کیں جن کی بڑی بڑی عمریں ہوئیں اور نہ تو اہل مدین میں قیام پذیر ہو کر آیاتِ الہی ان کو پڑھ کر سناتا تھا۔ بلکہ ہم آئندہ تم کو سمجھنے والے تھے اور نہ تو اس وقت گوشہ طور میں تھا جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی ہے بلکہ (اس قصہ کا علم تجھ کو جو حاصل ہو رہا ہے محض تیرے پر در دگار کی رحمت ہے۔“

حضرت یوسف ﷺ کے قصہ میں فرمایا:

﴿ذلک من آباء الغیب نوجیهه إلیک وَمَا کنْتَ لَدُھُمْ إِذَا جَمِعْوًا امْرُهُمْ﴾

(۱۰۲/ یوسف)

”یہ اس گز شدید زمانہ کے قصہ کا علم ہم تم کو اپنی دھی سے عطا کر رہے ہیں تو اس وقت ان میں موجود تھا۔ جب وہ باہم مشورہ سے بات کر رہے تھے۔“

علم کا دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ کتابوں کو پڑھ کر اطلاع حاصل ہو۔ قرآن مجید نے اس کی بھی نفی کی:

﴿وَمَا کنْتَ تَنْلُو اِنْ قَبْلَهُ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَعْظِلُهُ بِمَيْنَكَ﴾ (۴۸/ العنكبوت)

”نہ تو، تو اس سے پہلے کوئی کتاب پڑھ کر سنا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے تو اس کو لکھ سکتا تھا۔“

﴿مَا کنْتَ تَدْرِی مَا الْكِتَابُ وَلَا الْأَلْيَّانُ﴾ (۴۲/ الشوری: ۵۲)

”تجھ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کس کو کہتے ہیں۔“

تیسرا صورت یہ تھی کہ دوسروں سے سن کر یہ علم حاصل کیا جائے، سب کو معلوم ہے کہ بنت سے پہلے آنحضرت ﷺ کی زندگی تمام تر مکہ معظمه میں گزری۔ بجز اس کہ چند مہینے بصری وغیرہ کے سفر تجارت میں گزرے ہوں اور خود مکہ معظمه میں نہ ان واقعات کا کوئی واقف کار تھا اور نہ قریش کو ان سے آگاہی تھی۔ اس لئے یہ ذریعہ علم بھی ثابت نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے علی الاعلان کہا:

﴿تِلْكَ مِنْ آباء الغیب نَوْجِيَهه إلیک وَمَا کنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا﴾

(۴۹: هود)

”یہ گز شدید زمانہ کی باتیں ہیں جن کی بذریعہ دھی ہم تجھ کو تعلیم کرتے ہیں تو خود اور تیری قوم اس سے پہلے ان سے آگاہ نہ تھی۔“

آنحضرت ﷺ کی جوزندگی کے معظمه میں گزری اور سفر تجارت میں قریش کے شامی قافلوں کے ساتھ جو زمانہ بسر ہوا۔ اس کا ایک ایک واقع قریش کے سامنے تھا، جب آپ کہ میں تھب بھی آپ قریش کے مجھ میں تھے۔ اور جب کبھی مکہ سے باہر گئے تو بھی قریش، ہی کے جھرمٹ میں رہے اس لئے آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ ان سے مخفی نہ تھا۔ اگر آپ نے کوئی ظاہری تعلیم پائی ہوتی تو شاعر و مجنون و ساحر کی طرح وہ اس الزام کا اظہار بھی کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ محمد ﷺ کا سینہ ظاہری تعلیم کے عیب سے داغدار نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے باؤز بلند کہا:

﴿قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوَنَّهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَذْرِكُمْ بِهِ فَقَدْ لَيْسَتُ فِيْكُمْ عُمَرًا مِنْ قَبْلِهِ طَافِلُوْنَ﴾ (۱۰/ یونس)

”اگر خدا کو مظور ہوتا تو میں تم کو نہ یہ قرآن پڑھ کر سنا تھا اور نہ خدام تم کو اس قرآن سے آگاہ کرتا

اک سے پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔“

قرآن مجید میں ان تمام شکوک اور الزامات کو دہرایا ہے، ان کو یہ شک تھا کہ محمد ﷺ کسی دوسرے سے سن کر یہ قرآن پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کے اس اعتراض کو نقل کیا اور اس کا جواب دیا:

وَلَكَذْنَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِلَمَا يَعْلَمُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِي يُلْجِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَزُ وَهُدًا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ۝ (۱۶ / النحل: ۱۰۳)

”اور ہم کو تحقیق معلوم ہے کہ یہ کفار کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کو کوئی آدمی سمجھاتا ہے، اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور فیض عربی زبان ہے۔“

سورہ ترقان میں چند آدمیوں کی شرکت کا شہر مذکور ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا إِفْلُكٌ إِفْتَرَلَهُ وَأَعْكَاهُ عَيْنَهُ قَوْمٌ أَخْرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءُوكُمْ طُلْمَانًا وَرُزُورًا ۝ (۲۵ / الفرقان: ۴)

”اور کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن میں گھرت پیز ہے۔ جس کو محمد ﷺ نے گھر لیا ہے اور اس افترا پر دازی میں چند آدمی بھی شریک ہیں۔ وہ یقیناً غلط اور جھوٹ کہتے ہیں۔“

یہ سب شبہات کے گئے گھر کفار نے کبھی یہ شبہیں ظاہر کیا کہ محمد ﷺ نے چکے سے پڑھنا سیکھ لیا ہے اور دوسری آسمانی کتابیں پڑھ کر یہ قرآن بنایتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کی امتیت پر ان کو یقین تھا۔ مدینہ آ کر یہودیوں سے معاملہ پڑا، روایات میں بکثرت اس قسم کے واقعات مذکور ہیں کہ یہود آپ ﷺ کے پاس آتے تھے اور آپ سے وہ سوالات کرتے تھے جو ان کی کتابوں میں مذکور تھے اور کہتے تھے کہ ان کے جواب پیغمبر ہی دے سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ ان کے صحیح جوابات دیتے تھے اور وہ تحریرہ جاتے تھے۔ اس واقعہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ یہود کو بھی یہ یقین تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ اسی محض ہیں اور ہماری کتابوں کو نہ انہوں نے پڑھا ہے اور نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ اس جرأت کے ساتھ وہ اپنی کتابوں کے سوالات اس شخص کے سامنے جس کی نسبت ان کو معلوم ہوتا، کہ وہ ان کو پڑھ چکا ہے یا پڑھ سکتا ہے نہ پیش کرتے اور نہ اس کو حق و باطل کا معیاد قرار دیتے۔

قریش کو جس شخص کی نسبت شبہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو سمجھاتا ہے۔ اس کے متعلق امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں مختلف روایتیں نقل کی ہیں جن سے اس کی خصیت اور نام کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم مجموعی حیثیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ مظہرم میں کوئی نصرانی غلام تھا۔ جو اپنی زبان میں کتب مقدسر کبھی کبھی پڑھا کرتا تھا اور آپ ﷺ راستہ چلتے اس کے پاس کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسی پر کفار نے کہا کہ محمد ﷺ کو یہی قرآن کی آیتیں سمجھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس غلام کی اور جو کتابیں وہ

پڑھا کرتا ہے ان کی زبان عربی نہیں اور نہ وہ عربی جانتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ عربی کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے اور خود قرآن کی زبان فصحی عربی ہے۔ یہ کیونکہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ غیر زبان کو سمجھ لیں اور وہ بھی غلام قرآن عجیبی فصحی زبان میں کلام کرے۔

آنحضرت ﷺ کے بچپن کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کے پیچا ابوطالب اپنے ساتھ شام لئے جا رہے تھے۔ راستہ میں بھیرنا مام ایک راہب نے آپ کو دیکھا اور آثار سے بیچان لیا کہ آپ ﷺ ہی پیغمبر آخرازمان ہیں۔ چنانچہ اس نے ابوطالب کو مشورہ دیا کہ ان کو مکہ وہ اپس سچیح دو۔ ورنہ یہودا گرد کیہے لیں گے تو قتل کر دالیں گے۔ اگر چہ یہ واقعہ جیسا کہ سیرۃ نبوی جلد اول (شام کا سفر) میں تفصیل لکھا جا چکا ہے۔ سچی نہیں ہے، تاہم ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے ٹکلوں و شہبات کی عظیم الشان عمارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اگر یہ سچ ہے تو دنیا کے لئے اس سے بڑا مججزہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اور کیا چاہیے کہ ایک ابجد ناشناس طفیل دو ازدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق و اسرار دین، اصول عقائد، نکات اخلاق، مہمات قانون اور ایک شریعت عظیٰ کی تجھیل و تائیں کے طریقے سب کچھ سیکھ لئے۔ کیا ہمارے عیسائی دوست اس مججزہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی پورے ۲۳ برس تک قائم رہی۔ اگر آنحضرت ﷺ کسی انسانی معلم سے فیض پاتے رہتے تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے زمانہ تک یا بڑی حد تک خلوت و جلوت میں آپ کے ساتھ رہتا کہ وقت ضرورت (نوع ذ باللہ) آپ اس سے قرآن بنواتے، احکام و مواضعہ سیکھتے، اسرار و نکات معلوم کرتے اور یہ شخص یقیناً مسلمان نہ ہوتا۔ کیونکہ جو شخص خود مدعی نبوت کو تعلیم دے رہا ہو وہ کیونکہ اس کی نبوت کو تسلیم کر سکتا تھا اور پھر اس شہرت عام، ذکر جیل، رفتہ مقام کو دیکھ کر جو مدعا نبوت ﷺ کو حاصل ہو رہی تھی، وہ خود پر وہ کے پیچھے گماں پسند کرتا اور صحابہ کرام ﷺ کی نگاہوں سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا۔ جس عجیبی کی نسبت ترقیش کو شہید تھا۔ اگر حقیقت میں آپ ﷺ اس سے تعلیم حاصل کیا کرتے تو قریش جو آپ کی ہمکنیب، تذلیل اور آپ کو خاموش کرنے کی ہر تدبیر پر عمل پیرا ہو رہے تھے ان کے لئے آسان تھا کہ اس غلام عجیبی کو الگ کر دیتے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی وہی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعۃ درہم برآسم ہو جاتا۔ علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ اس کا وجود مکہ میں تھا پھر مدینہ میں ۱۳ برس تک سینہ نبوت سے فیضانِ الہی کا سرچشمہ کیونکہ ابلتار ہا۔ قرآن مجید، شریعت اسلام اور احکام کا برا حصہ تھیں وہی ہوا ہے۔ مکہ میں تو نہیں بہت کم سورتیں نازل ہوئی ہیں۔

جب مدینہ نورہ میں اسلام کا چرچا پھیلا تو یہود و نصاریٰ نے اسلام کو بدنام اور بے اثر کرنے کی ایک

تدیر یہ سوچی کہ لوگ جھوٹ موت آ کر پہلے مسلمان اور پھر چندروز کے بعد مرد ہو جائیں، تاکہ محمد ﷺ کی بدنامی ہو اور لوگوں کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا:

﴿وَقَاتَ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أَمْنًا بِالَّذِي أُتْرِلَ عَلَى الَّذِينَ أَمْنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَالْفَوْرَةَ الْآخِرَةَ لَعَلَمَهُمْ بِرِجُونِهِ﴾ (آل عمران: ۷۲)

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اتراء ہے اس پر صحیح کوایمان لا دا اور شام کو اس سے پھر جاؤ۔ شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔

چنانچہ اسی سازش کے مطابق ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھی۔ آنحضرت ﷺ نے کتابت وحی کی خدمت اس کے سپرد کی۔ چندروز کے بعد وہ مرد ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے محمد ﷺ کو جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے، خدا نے اپنی نشانی ظاہر کی اور موت نے بہت جلد اس کی افترا پر داڑی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ محمد ﷺ کے فیضان نبوت کا چشمہ اب بھی اسی طرح جوش زن ہے۔

صلح حدیبیہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ مرتب ہو رہا تھا۔ حضرت علی ؓ عہد نامہ لکھ رہے تھے۔ عہد نامہ کی عبارت یہ تھی کہ ”یہ وہ شرائط ہیں جن کو خدا کے رسول محمد ﷺ نے منظور کیا۔“ قریش نے کہا: ”اگر ہم آپ کو خدا کا رسول مانتے تو اس لڑائی کی نوبت ہی کیوں آتی۔ اس لفاظ کو منا کر اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیے، آپ نے حضرت علی ؓ کو فرمایا: ”ان کی حسب خواہش ترمیم کر دو۔“ حضرت علی ؓ نے کہ کر بتایا تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ منادیا اور محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔ یہ واتعہ بخاری، مسلم، نسائی، مسند ابن حبیل اور تمام کتب سیر میں مذکور ہے۔ اسی کے ساتھ بخاری میں یہ تصریح ہے کہ (ولیس یحسن یكتب) اور مسند احمد میں برداشت اسرائیل یا الفاظ ہیں: (ولیس یحسن ان یكتب) یعنی آپ ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے تمام احادیث و سیر میں یہ ہے کہ ”آپ ﷺ نے محمد بن عبد اللہ کے الفاظ لکھ دیے۔“ روایت کے ظاہری معنی سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے یہ الفاظ لکھے اور آپ نے شاید اخیر زمانہ میں لکھا سیکھ لیا تھا۔ ابن ابی شیبہ نے مجادہ کے واسطہ سے یہ روایت کی ہے کہ ”آپ ﷺ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک آپ کو لکھا پڑھنا نہ آ گیا۔“ اور ایک اور روایت (بواسطہ یونس بن میسرہ عن ابن کبیث) السلوی عن کہل بن

* صحیح بخاری، کتاب المناقب، علامات النبوة في الإسلام: ۳۶۱۷۔

* صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء: ۴۲۵۱۔

الحظایہ) نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک فرمان لکھوا کر اقرع اور عینہ کو عنايت فرمایا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے آ کر کہا کہ معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہے؟ آپ نے اس پر ایک نظر ڈال کر فرمایا: ”وہی لکھا ہے جو میں نے حکم دیا ہے۔“ *

اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ آنحضرت ﷺ کا ایک اور مجزہ ہو گا کہ انسانی تعلیم کے بغیر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یعنی بھی اپنی بارگاہ سے عنايت کیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت م TAMAM تر موضوع یا نہایت ضعیف ہے۔ اس لئے آپ کی امیت کے متعلق جو متواتر روایتیں ہیں۔ ان سے ان کی تصحیح نہیں ہو سکتی۔ یہ ممکن ہے کہ اسی سے امی آدمی کے ہاں جب شب دروز لکھنے پڑھنے کا کام لگا رہے تو وہ کسی قدر حرف شناس ہو جائے، خصوصاً اپنے نام اور دلخیط کو پہچان لیں اور ان کو لکھنے کر لکھ دینا تو معمولی بات ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ فال مجازی و حقیقی کی تفصیل میں روایوں سے مساحت ہوئی ہے۔ عموماً سلاطین، امراء اور جو فرما میں اور مراسلات لکھاتے ہیں، محاورہ عام میں ان کو لکھنا ہی کہتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ ”علمگیر نے یہ فرمان لکھ کر دیا۔“ شاہجہان نے جامع مسجد بنائی۔ فلاں پارشاہ نے یہ قلعہ تعمیر کیا۔ حالانکہ لکھنے والے، بنانے والے اور تعمیر کرنے والے، کاتب اور عمارت تھے۔ مگر جو نکہ ان سلاطین کے حکم سے اور انہی کی طرف سے وہ لکھا یا بنایا گیا۔ اس لئے بولنے والے خود سلاطین اور امراء کی طرف فعل کی نسبت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی محاورہ کے مطابق اس موقع پر جب آنحضرت ﷺ نے سلاطین عالم کے نام دعوت نامے بھیجے ہیں۔ تو وہاں عام طور پر یہ الفاظ ہیں: وکتب الی فیصر وکتب الی کسری۔ آپ ﷺ نے قیصر کو یہ خط لکھا، کسری کو یہ لکھا مگر سب کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے دست خاص سے یہ خطوط لکھ کر نہیں بھیجے۔ مگر جو نکہ آپ ﷺ ہی نے لکھوائے تھے۔ اس لئے ان کی نسبت آپ ہی کی طرف کی گئی۔

روزمرہ کی بات ہے کہ ہندوستان کے ادنیٰ طبقے جنوش و خواند سے عاری ہیں وہ اپنے اعزہ اور احباب کو خط لکھاتے ہیں مگر کہنے والے اس کو یوں ہی کہتے ہیں کہ ”اس نے خط میں لکھا ہے کہ میں آنے والا ہوں۔“ حالانکہ وہ خود لکھنے والا نہیں۔ اس نے دوسروں سے لکھایا ہے۔ مگر جو نکہ لکھنے والے نے اپنا مدعا نہیں لکھا۔ بلکہ لکھانے والے کی زبان سے اس کا مدعاعظاً ہر کیا ہے۔ اس لئے اسی کی طرف فعل کی نسبت کر دی گئی۔ قرآن پاک نے آپ ﷺ کو بار بار اور برصغیر اُمی کہا ہے۔ اس سے زیادہ ثبوت اس کا اور کیا چاہئے؟ لیکن آپ امی ہو کر، امیوں میں پل کر، کتب سابقہ کی ظاہری تعلیم سے نا آشنا ہو کر بھی سب کچھ جانتے تھے اور یہ آپ کا مجزہ تھا۔ کفار کو خطاب کر کے قرآن کہتا ہے کہ محمد ﷺ کی صداقت کی یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ نا آشنا تعلیم ہو کر بھی وہ کچھ جانتا ہے جس کی علامتی اسی اسئلہ کے سوا اور کسی کو خرجنہیں:

344

حصہ سوم

سیاحتہ النبی

﴿وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأُوَلَيْنَ ۝ أَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ أَيَّةٌ أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاؤُ بَنَى إِسْرَائِيلَ ۝﴾

(الشعراء: ۱۹۶، ۱۹۷ / ۲۶)

”یہ باتیں گز شتر پیغمبروں کی کتابوں میں ہیں۔ کیا ان کافروں کے لئے یہ نشانی نہیں کہ ان باقوں کو (جو ایک امی کی زبان سے ادا ہو رہی ہیں) بنی اسرائیل کے عالم جانتے ہیں۔“

ذات نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖۤہٖۤسَلَّمَ کی حفاظت

﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (۵/ المائدۃ: ۶۷)

انہیاے کرام ﷺ جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو وہ دنیا کی جہالت و ظلت، جور و تم، گناہ و معصیت کے خلاف اپنا جہاد شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہزاروں انسان ان کے دشمن بلکہ ان کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اس تہائی و بیکسی کے عالم میں جس سے ہر مصلح کو آغاز دعوت میں دوچار ہونا پڑتا ہے۔ صرف اسی قادر و توانا کا ہاتھ ہوتا ہے جو ان کی تسکین و نصرت کا سہارا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نزد کے دربار میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی بارگاہ میں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام رومیوں اور یہودیوں کی عدالت میں ایک ہی گناہ کے مجرم تھے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغام کی بقا و قیام کا جس کے لئے وہ پیغمبر کو میتوث کرتا ہے خود مددار ہوتا ہے۔ اس لیے اس نیکی و بیچارگی کے عالم میں اس کی زندگی کا وہی حافظ اور نگہبان بن جاتا ہے کہ وہ بے خوف و خطر اپنے فرائض کو انجام دے سکیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو شروع ہی میں تسکین دے دی گئی تھی:

﴿وَاصْبِرْ لِيَوْمِ رِبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (۴۸/ الطور)

”اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کئے بیٹھا رہ کر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔“

سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب دعوت کا آغاز کیا تو مکہ کا بچہ بچہ آپ کا دشمن ہو گیا۔ آپ کو طرح طرح کے آزاد پہنچائے گئے۔ آپ کے خلاف سینکڑوں منصوبے باندھے گئے۔ آپ کے قتل کی سازشیں ہوئیں۔ تلواریں زہر میں بجھا کر کھی گئیں۔ سوتے میں آپ کے قتل کا ارادہ کیا گیا۔ میدان جنگ میں آپ پر زخم کیا گیا۔ کہیں گاہوں سے آپ پر حملے کئے گئے۔ غفلت میں آپ کے سر پر پھر گرانے کی تدبیر سوچی گئی۔ کھانے میں زہر دیا گیا مگر ہر موقع پر یہ ظاہر ہوا کہ

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تراست
اور قرآن مجید کا یہ اعلان صحیح ثابت ہوا:

﴿إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾ (۱۷/ الاسراء: ۶۰)

”ترے پر در دگار نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے کہ تھے پر دسترس پا سیں۔“

یہ خود ایک مستقل معجزہ ہے کہ ان ہنگاموں، فتنوں اور سازشوں کے عالم میں خصوصاً عرب کے ملک میں جہاں اقتدار حکومت یا نظام امن کا نام و نشان تک نہ تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے بحفاظت تمام اپنے فرض کو انجام تک پہنچایا۔

قریش کی مجلسیں اکثر خانہ کعبہ میں منعقد ہوا کرتی تھیں اور اکثر وہیں ان کی نشست و برخاست رہا کرتی

تھی، تاہم آنحضرت ﷺ نماز اور طواف کے لئے بے خوف و خطر و ہیں تشریف لے جایا کرتے اور بر ملا ان کے دیوتاؤں اور توں کی برا بیان بیان کیا کرتے تھے۔ آخر قریش نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ نعوذ بالله آپ ﷺ کا خاتمہ کر دیں۔ یہ خدا آپ تک پہنچتی ہے۔ مگر اس سے آپ کے ارادہ میں کسی قسم کا، ہن یا ضعف نہیں پیدا ہوتا۔ ایک دن قریش نے یہ طے کیا کہ آج محمد ﷺ کی بوئی بوئی اڑادی جائے۔ اتفاق سے کفار کی یہ تقریر حضرت فاطمہ زینب (رض) نے لیتی ہیں۔ وہ روتی ہوئی باپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں۔ آپ تسلی دیتے ہیں اور وضو کر کے حرم کی سمت روانہ ہو جاتے ہیں۔ دشمنوں کی نگاہیں آپ پر پڑتی ہیں تو وہی نگاہیں جواب تک خون آشامی کے لئے تیار تھیں۔ دفعہ سرگوں ہو جاتی ہیں حاکم میں ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے چند سنکریاں اٹھا کر ماریں جن کو یہ لکڑیاں جا کر لگیں وہ بدر میں مارے گئے۔

ایک دفعہ ابو جہل نے ارادہ کیا کہ اگر اب وہ آپ ﷺ کو بوجدہ میں دیکھے گا تو آپ ﷺ کی پیشانی کو رکڑ دے گا۔ جب وہ اس ارادہ سے آگے بڑھا تو جھجک کر پیچھے لوٹ گیا۔ لوگوں نے دریافت کیا تو اس نے کہا: مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی خندق حائل ہے اور چند پہرہ دارہستیاں کھڑی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے اڑادیتے۔“

معلوم ہے کہ جس شب کو آپ ﷺ نے بھرجت کا ارادہ کیا ہے۔ قریش کے تمام خاندانوں نے مل کر آپ کے قتل کا فیصلہ کر لیا تھا۔ قریش کے بہادر رات بھر خانہ اقدس کا پہرہ دے رہے تھے، تاہم آپ ﷺ ان کے سامنے سے نکلے، زبان مبارک پر یہ آیت پاک تھی:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْمَانِهِمْ سَدَّاً وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدَّاً فَأَغْنَيْنَاهُمْ قَهْمٌ لَا يُبْرُؤُنَ﴾ (۵)

(پیش: ۹/۳۶)

”اور ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دیواریں کھڑی کر دیں (ان کی آنکھوں پر) پر وہ ڈال دیا کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں۔“

پہرہ داروں کی آنکھوں پر قدرت نے مہر لگادی اور آنحضرت ﷺ ان کے درمیان سے نکل کر چلے گئے۔ صبح ہوئی تو دشمن آپ ﷺ کے تعاقب میں اس غار تک پہنچ گئے۔ جہاں آپ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جا کر پہنچ گئے۔ وہ اس غار کے دہانہ تک پہنچ گئے اور اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو ان مقدس پناہ گزینوں پر ان کی نظر پڑ جاتی مگر خدا نے ان کی عقل اور دورانی شی کے نور کو بھا دیا کہ نیچ جھک کر دیکھنے کا خیال تک ان کے دل میں نہیں آیا۔

کفار نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو محمد ﷺ کو گرفتار کر لائے گا یا ان کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ

* مستدرک حاکم، ج ۱، ص: ۱۶۳، حیدر آباد، مسترد احمد، ج ۱، ص: ۳۶۸۔

** صحیح مسلم، کتاب صفات المناقین، باب قوله: (إن الإنسان ليطغى)، ۷۰۶۵۔

انعام میں ملیں گے۔ یہ سن کر سراقد بن حشم اپنے اسپ را ہوار پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہوا اور دمبدم اس مختصر قافلہ کے قریب ہو رہا تھا۔ حضرت ابو بکر ؓ پر تھا صائے بشری اضطراب طاری تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ کی سکینیت خاطر میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ نے دعا کی تین دفعہ اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں حصہ حصہ گئے۔ اس نے فال کے تیر نکال کر دیکھے تو ہر دفعہ میں جواب آیا۔ بالآخر اس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی اور بھی راز ہے اور ذات محمدی (ﷺ) ہماری گرفت سے باہر ہے۔ اس نے اپنے ارادہ فاسد سے تو بے کی اور آنحضرت ﷺ سے ایک خط امان لے کر واپس پھر گیا اور بعد کو مسلمان ہو گیا۔ ❶

شروع شروع میں جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو صحابہؓ جان شاری کی بنا پر راتوں کو آپ کے گرد پھرہ دیا کرتے تھے۔ ایک رات صحابہؓ آپ کے خیمہ کے گرد پھرہ دے رہے تھے کہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَاللَّهُ يَعِصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (۵ / المائدۃ: ۶۷)

”اور اللہ ان لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔“

آپ ﷺ نے اسی وقت خیمہ سے باہر سرنکلا اور پھرہ والوں کو خطاب کر کے فرمایا: ”لوگو! واپس جاؤ خدا نے میری حفاظت کا فرض خود اپنے ذمہ لے لیا ہے۔“ ❷ یہ وعدہ حفاظت ہزار ہامشکلات اور خطرات کے باوجود بھی پورا ہوتا رہا۔ غزوہ احمد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ چلے تھے اور ذات مبارک ﷺ اس پر دشمنوں کے زخم میں تھی۔ آپ پر تنخ و تمروں سک کی بارش ہو رہی تھی۔ لیکن دوسپید پوش فرشتے آپ کے پاس کھڑے ہوئے آپ کی حفاظت کا فرض انجام دے رہے تھے۔ ❸

ایک دفعہ ایک شخص کو لوگ گرفقار کر لائے اور عرض کی کہ یہ حضور ﷺ کے قتل کی گھات میں تھا۔ فرمایا: ”اس کو چھوڑ دو کہ اگر یہ مجھ کو قتل کرنا چاہتا بھی تو نہیں کر سکتا تھا۔“ ❹ اسی طرح سے نیبر میں جب ایک یہودی نے گوشت میں زہر لٹا کر پیش کیا تو آپ ﷺ نے پہلا ہی لفہم اٹھایا تھا کہ فرمایا: ”یہ گوشت نہ کھاؤ کیونکہ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ اس میں زہر ملا ہے۔“ یہ یہودی کو بلا کر جب واقعہ کی تحقیق کی اور اس نے اپنی نیت فاسد کا اقرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدا تجھ کو اس پر قابو نہ دیتا۔“ ❻

❶ صحيح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي ﷺ: ۳۹۰۶۔ ❷ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، ومن تفسیر سورة المائدۃ: ۳۰۴۶۔ ❸ صحيح بخاری، کتاب المغازی، باب اذہمت طائفتان: ۴۰۵۴ و صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی قتال جبریل و میکائیل عن النبي ﷺ یوم أحد: ۶۰۰۵۔ ❹ مسند احمد، ج ۲، ص: ۴۷۱۔ ❺ صحيح مسلم، کتاب السلام، باب السُّم: ۵۷۰۵، مگر اس روایت سے واقعہ کی نویسی سائنسیں آتی۔ عن انس ان امراء یہودیة ات رسول الله ﷺ بشارة مسمومة فاکل منها فرجی بها الى رسول الله ﷺ فسالها عن ذلك فقالت اردت لا قتلك قال ما كان الله يسلط على ذلك۔

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے پیش نظر اس مسئلے کی دوسری روایات بھی رہی ہیں چنانچہ اخیر طبری میں ہے کہ آپ نے ایک لفہم کھا کر باہم کھینچ لیا کیونکہ خود گوشت نے آپ سے کہا کہ اس میں زہر ملا ہے۔ (ن ۲۳ ج ۱۵۸۳)

لیلۃ الجن

جنوں کی انقلاب آسمانی کی تلاش اور ان کا مشرف باسلام ہونا

﴿فُلُّ أُوْحَىٰ إِنَّهُ أَنَّهُ أَنَّهُ نَفَرَ قِنَ الْجِنِ﴾ (العن: ۷۲)

”مخلوقاتِ الہی کی تعداد اور اصناف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔“

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودُ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾ (المدثر: ۳۱)

”اور تیرے رب کی فوجوں کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔“

مخلوقاتِ الہی کی ایک صفت کا نام جن ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ عربی میں جن کا الفاظ جن سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ”چھپنے اور چھپانے“ کے ہیں۔ چونکہ یہ مخلوق انسانوں کی آنکھوں سے عموماً مستور ہوتی ہے اس لئے اس کو جن کہتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لفظ اسی معنی میں یا اسی کے قریب قریب مختلف قوموں کی زبانوں میں پایا جاتا ہے۔ فرنچ میں جنی (GENEE) اور انگریزی میں (GENE) اسی مفہوم میں ہے جس میں عربی میں جنی (دیو، بھوت، پلیت) ہے، لاطینی میں جنیوس (GENIUS) اور جنی (GENII) وہ مفہوم رکھتا ہے جو ہمارے ہاں ہزاروں کا ہے اور روح نوعی کے معنی میں بھی یہ لفظ روای اساطیر (میقہ الوجی) میں مستعمل ہوا ہے۔ فارسی میں ”جان“ کے معنی مطلق ”روح“ کے ہیں بہر حال دنیا کی قوموں میں یہ اعتقاد کسی نہ کسی حیثیت سے موجود رہا ہے کہ انسانوں کے سوا اس سطح ارضی پر ایک اور غیر مریٰ مخلوق بھی موجود ہے، یورپ کے موجودہ دو ریالخاد میں ارواح سے نامہ و پیام اور ان کے عمل و تغیر کے کارناٹے بڑے بڑے فلسفیوں اور مادہ پرستوں کو آئینہ حیرت بنائے ہوئے ہیں اور روز بروز ان کے انکار اور شک کی جرأت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسلام کے علاوہ دوسری مسلم مذہبی کتابوں میں بھی جن اور شیطان کے تذکرے موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجازات جو موجودہ انجلی میں مذکور ہیں، ان کی بڑی تعداد انسانوں اور حیوانوں کو ان کے بخوبی ظلم سے رہائی ہے۔

قرآن نے بتایا ہے کہ ان کی پیدائش انسانوں سے پہلے ہوئی ہے اور آگ سے بنائے گئے ہیں:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ قِنْ حَيَا مَسْنُونٌ وَالْجَانَ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلٍ مِنْ

تَلَارِ السَّمُومِ﴾ (الحجر: ۱۵)

”اور ہم نے آدمی کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا اور جنوں کو اس سے پہلے تو کی آگ سے پیدا کیا۔“

﴿وَخَلَقَ الْجَانَ مِنْ مَارِجٍ مِنْ تَلَارٍ﴾ (الرحمن: ۱۵)

”اور اس نے جنوں کو آگ کی لو سے پیدا کیا ہے۔“

اسلام سے پہلے عرب میں جنات کا بڑا اسلط تھا۔ ان کی پوجا کی جاتی تھی، ان کی دہائی مانگی جاتی تھی۔ بت خانوں میں جو عامل اور کام ہن ہوتے تھے ان سے ان کی دوستی ہوتی تھی اور وہ ان کو غیر کی خبریں بتایا کرتے تھے۔ بچوں کے سرہانے استرے رکھے جاتے تھے کہ ان سے جنات بھاگ جاتے ہیں۔ یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک جن ہوتا ہے، یہ بھی خیال تھا کہ وہ صورتیں بدل کر لوگوں میں پھرتے ہیں اور ان کو ستاتے ہیں، خدا کے کارخانہ قدرت میں بھی ان کے استیلا اور تصرف کو دخل تھا۔ وہ جنگلوں میں انسانوں کو مار دلتے تھے۔ راستوں سے اٹھا لے جاتے تھے۔ لوگوں کو بیماراً دل دیتے تھے۔ ان کے ہوش و حواس کے خزانہ پر قبضہ کر لیتے تھے۔ غرض جس طرح خدائی الہیت میں عرب کے بہت سے دیوتا اور دیویاں شریک تھیں اسی طرح یہ جنات بھی شریک تھے:

﴿وَجَعَلُوا لِلّهِ شَرَكَاءَ الْجِنِينَ﴾ (۶/الانعام: ۱۰۰)

”اور ان مشرکوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا ہے۔“

﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسْبَاطَ﴾ (۳۷/الصافات: ۱۵۸)

”اور ان مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتے قائم کر کر کے ہیں۔“

﴿بَلْ كَانُوا يَعبدُونَ الْجِنِينَ أَكْثَرُهُمْ يَهُمْ مُؤْمِنُونَ﴾ (۴۱/سما: ۲۴)

”خدا قیامت میں ان سے کہے گا) بلکہ یہ لوگ جنوں کی پرسش کرتے تھے اور ان میں اکثر لوگ انہی کے معتقد تھے۔“

اسلام آیا تو اس نے ان اعتقاویات باطلہ کے تاریخ پوکو نکارے نکڑے کر دیا، اس نے دنیا میں صرف ایک ہی قوت کی تعلیم دی اور وہ خدا کی تھی۔ اس نے بتایا کہ جنات بھی اس کے حضور میں دی یہی عاجز اور درماندہ ہیں جیسے انسان۔ وہ بھی اسی طرح اس کی مخلوق ہیں جیسی اس کی دوسرا مخلوقات۔ ان میں لوگ اسی طرح اچھے اور بے، کافر اور مومن، سعید اور شریق ہوتے ہیں۔ جس طرح انسانوں میں، وہ بھی تو حیدر سالت اور احکام الہی کے ماننے کے دی یہی مکلف ہیں جیسے عام انسان:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّتَ وَالْإِنْسَانَ لِلْأَيْمَنَدُونَ﴾ (۵۱/الذاریات: ۵۶)

”میں نے جن اور انس کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔“

قیامت میں دونوں سے سوال ہوگا:

﴿يَعْشَرَ الْجِنَّتَ وَالْإِنْسَانُ الْمَيَاتُكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمُ الْيَقِيْنُ وَيُنَذِّرُونَكُمْ لِفَآءَهُمْ كُمْ هَذَا﴾ (۶/الانعام: ۱۲۰)

”اے جن اور انس (کی جماعت)! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے بغیر تمہارے پاس نہیں آئے

اور وہ تم کو ہماری آئیں پڑھ کر نہیں سنتے تھے اور اس دن کے آنے سے نہیں ڈراتے تھے۔“
قرآن کے تحدی کے جواب سے دونوں عاجز ہیں:

﴿فَلَمَّا نَأْتَهُمُ الْأُنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِيُقْلِيلٍ هَذَا الْقُرْآنُ لَا يَأْتُونَ بِيُغْلِيلٍ﴾

(۸۸: / الاسراء ۱۷)

”کہہ دو کہ اگر انہیں جن دنوں مل کر چاہیں کہ ایسا قرآن بنالائیں تو ان کے لئے یہ ممکن ہے۔“

خدا کی قدرت اور طاقت کے سامنے دونوں لا چار اور درماندہ ہیں:

﴿لِيَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسُ إِنْ أُسْتَطَعْتُمُ أَنْ تَنْفَدُوا مِنْ أَقْطَابِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفَدُوا

لَا تَنْفَدُونَ إِلَّا سُلْطَنِي﴾ (۵۵: / الرحمن ۳۳)

”اے جن و انہیں! اگر آسمان و زمین کے حدود سے نکل کر باہر جا سکتے ہو۔ تو نکل جاؤ لیکن خدا کی قدرت قاہرہ کے بغیر تم نکل نہیں سکتے۔“

کافیوں اور عاملوں کو جو غیب کی بعض بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اپنے ملائے اعلیٰ میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ ملائے اعلیٰ والے اپنے نیچے کے فرشتوں سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس طرح درجہ درجہ ہر آسمان کے فرشتوں کو علم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخری آسمان تک بات پہنچ جاتی ہے۔ جہاں سے نیچے دنیا کی حد شروع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جنات و شیاطین سن گن لینے کے لئے اوہرا درھرچھر رہتے ہیں ایک دلفاظ انہوں نے سن لئے اور ان میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر کاہنوں اور عاملوں سے کہہ دیتے ہیں، وہ اس کو انسانوں میں مشہر کرتے ہیں۔ * اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان میں بے شمار ستاروں کے شعلے بھکر کر کے ہیں کہ ایک تو ان سے آسمان کی زیبائش و آرائش ہے اور دوسرا وجہ یہ ہے کہ جب یہ جنات اور شیاطین اپنی سرحد سے آگے بڑھ کر فرشتوں کی باتیں سننا چاہتے ہیں تو فوراً ایک چمکتا ہوا تارا (شہاب ثاقب) ثوٹ کر کر پر گرتا ہے۔ مختلف سورتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ رُوْجًا وَرَبِيعًا لِلتَّظِيرِينَ وَحَفَظْنَا مِنْ كُلِّ شَيْطَنٍ رَّجِيمٍ

إِلَّا مِنْ أَسْتَرَقَ السَّمَاءَ فَأَنْتَعَاهُ شَهَابٌ مُّبِينٌ﴾ (۱۵: / الحجر ۱۶ تا ۱۸)

”اور ہم نے اس کو آسمان میں برج بنایا ہے اور ان ستاروں کو دیکھنے والوں کے لئے زینت و آرائش بنایا ہے اور ہر آنندہ درگاہ شیطان سے اس کو محفوظ رکھا ہے۔ لیکن اتنا ہے کہ وہ چوری چھپے کچھوں لے تو ایک چمکتا ستارہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔“

﴿إِلَّا زَيَّنَ السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ وَحَفَظْنَا مِنْ كُلِّ شَيْطَنٍ مَّارِدٍ لَا يَسْتَهْعِنُ إِلَى

* صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ الحجر: ۴۷۰ و تفسیر سورہ سباء: ۴۸۰

الْهَلَّا أَغْلِيْ وَيُقْدَرْ فُؤُنْ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحْوَرًا وَهُمْ عَذَابٌ وَاصْبَرْ إِلَّا مَنْ خَطَفَ
الْحَفْظَةَ قَاتِعَةً شَهَابَ تَأْقِبَ ۝ ۝ (٣٧/ الصَّافَاتٍ: ٦ تا ١٠)

”هم نے آسمان زیریں کو ستاروں کی آرائش سے مزین کیا ہے اور ان کو ہر سرکش شیطان کا
گنجہ بنا بنا یا ہے، وہ ملائے اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے وہ ہر طرف سے پھینک کر مارے جاتے
ہیں اور یہ ان کے لئے لازمی سزا ہے اس طرح وہ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے لیکن یہ کہ کوئی
اچک کرنے لے تو ایک دہکتا ہوا ستارا اس کے پیچھے لگا رہتا ہے۔“

﴿وَلَقَدْ زَيَّنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَا رِجُومًا لِلشَّيْطَانِ﴾

(الملک: ٦٧)

”هم نے آسمان زیریں کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا ہے اور ان کو شیطانوں کے لئے
پھینک کر مارنے کی ایک چیز بنا یا ہے۔“

﴿وَزَيَّنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحَفَظَاهُمْ ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيِّ﴾

(فصلت: ٤١)

”اور ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا ہے اور ان کو گنجہ بنا یا ہے۔
یہ غالب و دانا خدا کی تقدیر ہے۔“

دنیا میں اس سلسلہ نبوت کا جو آغاز آفرینش سے چاری تھا اور دینِ الہی کا ہزاروں منزلوں کے طے
ہونے کے بعد تکمیل کی منزل میں پہنچ جانا اور نوع انسان کو خدا کی وہ آخری شریعت پرداز ہونا۔ جس کے بعد
خاکداران عالم کو دھوی و نبوت کے کسی اور حامل کی ضرورت نہ ہوگی۔ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے آب و خاک کے
عالم میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اس نے سطح زمین کے ہزاروں پتختیروں کے دین و ملت کو منسوخ کر دیا۔
ان کی آسمانی کتابوں کے احکام و رسوم کو بدل دیا۔ ملکوں کی شہنشاہیاں ہل گئیں۔ قیصر و کسری کے تحنت اٹ
گئے۔ صومعہ و کلیسا ویران ہو گئے۔ اسی طرح مملکتِ فلکی اور آسمانی بادشاہی میں بھی انقلاب کا ظاہر ہونا ضروری
تھا۔ آسمانی مخلوقات میں بھی ایک انقلاب پیدا ہوا۔ مگر اس کو وہی دیکھ سکتے تھے۔ انجلی میں حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے موقع پر بھی ایک نئے نورانی ستاروں کے ظہور کی خبر ہے، جس کو دیکھ کر دوسرا ملک
کے لوگ ان کی ٹلاش میں بیٹھ چکے اور ان کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ مگر بنی اسرائیل کو آخر تک
اس بینائی سے محروم رہی۔

صحیحین میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے تو ستاروں کی دنیا میں ایک
انقلاب پیدا ہوا۔ جن اور شیاطین اب اوپر چڑھنے سے روک دیے گئے۔ تو نئے والے ستاروں کی بھرمار ہو

گئی۔ کاہنوں اور عالموں کی خبر رسانی کے ذریع مسدود ہو گئے اور ان باطل پرستیوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا، اس آسمانی انقلاب نے جنوں اور شیطانوں کی مغلقوں میں حیرت پیدا کر دی۔ سب نے کہا: یقیناً روئے زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے۔ دنیا کی ہر سوت کو انہوں نے چھان ڈالا اس پر چند سال گزر گئے۔ آنحضرت ﷺ اسلام کی تبلیغ کے لئے قابل میں دورے کر رہے تھے اور اسی تقریب سے عکاظ کے میلے میں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں رات کے وقت مقام نخلہ میں قیام ہوا۔ صبح کے وقت آنحضرت ﷺ اپنے رفقا کے ساتھ نماز میں مصروف تھے اور قرآن مجید کی آیتیں جھر کے ساتھ تلاوت فرمائے تھے کہ اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت کا جو تفتیش حال کے لئے تہامہ کی طرف آئی تھی۔ اس مقام پر گزر ہوا۔ اس نے جب قرآن مجید کی آیتیں نہیں تو یکبار پکارا تھی کہ یہی وہ نور حق ہے جو درخشان ستاروں میں ہمیں نظر آتا ہے۔ وہ اوث کرائی قوم میں گئی اور ان کو جا کر خاتم نبوت کے ظہور کی بشارت سنائی: *

﴿ قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ أَسْتَمَعُ لِنَفْرٍ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَأَمْنَأْنَا إِلَيْهِ وَلَكُمْ شُرِيكٌ بِرِبِّنَا أَحَدٌ وَإِنَّهُ تَعْلَى جَدَ رِبِّنَا مَا تَخْدَنْ صَاحِحَةٌ وَلَا وَلَدٌ وَإِنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهِنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطْنَا وَإِنَّا طَنَّنَا أَنَّ لَنْ تَقُولَ إِلَيْنُ وَإِنْجِنُ عَلَى اللَّهِ كَذِبَّا وَإِنَّهُ كَانَ يَرْجَأُ مِنَ الْأَنْسُ يَعْدُونَ يُرْجَأُ مِنَ الْجِنِّ فَنَازَوْهُمْ رَهْقَاءٌ وَإِنَّهُمْ طَنَّوْا كَمَا طَنَّتُمْ أَنَّ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا وَإِنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلْيَّةً حَرَسًا شَدِيدًا وَشَهِيدًا وَإِنَّا لَنَا نَعْقُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَتَسَمَّعُ إِلَيْنَ يَجِدُ لَهُ شَهَادًا رَّصَدًا وَإِنَّا لَا نَنْذِرِي أَشْرَارًا يُرِيدُونَ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ يَهُمْ رَبِّهِمْ رَشَدًا وَإِنَّا مِنَ الصَّالِحُونَ وَمِنَّا دُونَ ذِلْكَ طَعْنَاتٌ طَرَائِقَ قَدَدَ وَإِنَّا طَنَّنَا أَنَّ لَنْ تُعْجِزَ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ تُعْجِزَهُ هَرَبًا وَإِنَّا لَمَسْمَعْنَا الْهُدَى أَمْنَأْنَا إِلَيْهِ فَمَنْ يُؤْمِنْ بِرِبِّهِ فَلَا يَعْلَمُ بِمَحَاجَةٍ وَلَا رَهْقَاءً وَإِنَّا وَمِنَ الْمُسْلِمُونَ وَمِنَ الْقُسْطُونَ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَئِكَ تَحْكُمُوا رَشَدًا وَأَمَّا الْقُسْطُونَ فَكَانُوا لِلْجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ (الجن: ۱۵-۷۲)

”اے پیغمبر ﷺ! لوگوں سے کہہ دے کہ مجھ کو بذریعہ وحی خردی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کو سناتا انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب و غریب کتاب الہی سنی جو ہدایت کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ تو ہم اس پر ایمان لائے اور اب ہم ہرگز خدا کا کسی کوششیک نہ بنائیں گے۔

* یہ پوری تفصیل صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب الجھر بالقراءۃ فی الصبح: ۱۰۰۶، ۱۰۰۷ میں ہے اور امام بخاری رضی اللہ عنہ نے مختلف ابواب میں اس واقعہ کو درج کیا ہے۔ مثلاً تفسیر سورہ جن: ۴۹۲۱، و باب الجھر بقراءۃ صلوٰۃ الفجر: ۷۷۳، و مسند احمد، ج ۱، ص: ۲۵۲ و جامع ترمذی ابواب التفسیر، باب ومن سورة الجن: ۳۳۲۳۔

خداوند تعالیٰ کی نتوں کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی اڑکا ہے، ہم میں سے کچھ یہ قوف خدا پر بہت دور از عقل الزم قائم کرتے تھے، ہم سمجھتے تھے کہ کوئی انسان یا جن خدا پر جھوٹا الزم نہیں قائم کر سکتا۔ انسانوں میں کچھ ایسے لوگ تھے جو بعض جنوں کی پناہ مانگا کرتے تھے تو انہی نے ان کو اور زیادہ سگراہ کر دیا۔ انسان بھی ہماری ہی طرح یہ سمجھتے تھے کہ اب خدا کوئی پیغمبر نہ بھیجے گا۔ ہم نے آسمان کو خوب شو لا تو ہم نے پایا کہ وہ نگہبانوں سے اور نوئے والوں تاروں سے بھرا ہوا ہے۔ ہم پہلے اس آسمان کی بعض نشت کا ہوں میں سننے کو بیٹھ جاتے تھے۔ اب جو کوئی سننے جاتا ہے تو اپنی تاک میں نوئے والے ستارہ کو پاتا ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ اس انقلاب سے زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا جا رہا ہے یا ان کا پروردگار ان کے ساتھ بھلانی کرنا چاہتا ہے، ہم میں اچھے بھی ہیں اور ان کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں، ہم جدا جدار استوں پر تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ ہم خدا کو اس زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اس کے قبضے سے نکل سکتے ہیں اور اب جب ہم نے اس ہدایت کی بات کوں لیا تو اب ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لے آتا ہے تو پھر گھائی نوئے کا اس کوڈ نہیں رہتا، ہم میں کچھ اطاعت گزار ہیں، کچھ گناہگار ہیں، تو جو اطاعت گزار ہیں انہی نے حقیقت میں ہدایت کا راستہ ڈھونڈ نکالا ہے اور جو گناہگار ہیں وہ جہنم کے ایندھن ہیں۔“

پھر سورہ احقاف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْعَوْنَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصُتُوا فَلَمَّا

فُتَحَىَ وَلَوْا إِلَى قَوْمِهِمْ مُنْذَرِينَ قَالُوا يَقُولُونَا إِنَّا سَعَانَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْلَى

مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيْنِ يَقُولُونَا أَجِبْوَادَاعِنَّ اللَّهِ

وَأَمْنِيَّةٍ بَعْدِ الْحَمْرَى مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَمُجْرَمٌ مِنْ عَذَابِ الْآيْمَنِ﴾ (۴۶) / الحقات: ۲۹ تا ۳۱

”ہم نے جب جنوں کی ایک جماعت کے رخ کو اپنے پیغمبر اتیری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن کو سنیں تو جب وہ آئے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: چپ رہو۔ جب قرآن ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے کہ انہیں خردار کریں۔ انہوں نے جا کر کہا: بھائیو! ہم نے ایک شریعت کی کتاب کو سنایا جو موی غایی کے بعد اتاری گئی ہے اور اس کے پہلے جو کتاب الہی آئی ہے اس کی قدر ایق کرتی ہے اور سچائی اور سیدھی راہ دکھاتی ہے۔ اے بھائیو! خدا کے پکارنے والے کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ، تاکہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے اور دردناک عذاب سے تم کو پناہ دے۔“

صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں نے دو ففع آنحضرت ﷺ کو کلام مجید پڑھتے سن، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی یہ دونوں سورتیں الگ الگ واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہوں۔ پہلے واقعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شریک نہ تھے ۱۰۰۷ اور آنحضرت ﷺ نے اور نہ کسی صحابی نے ان جنوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ۲۰۲ بدلک آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ایک درخت نے کی ۳۲۵۸ اور تفصیلی کیفیت وقیع آسمانی سے معلوم ہوئی۔ اسی واقعہ کو واقعہ لیلۃ الجن (جن کی رات) کہتے ہیں لیکن یہ دونوں واقعے کمہ معظمه ہی میں گزرے ہیں۔ صحیح مسلم ۱۰۰۷ ترمذی ۱۰۱۱ اور مسند طیاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگرد خاص علقہ نے پوچھا کہ آپ صاحبوں میں سے کوئی لیلۃ الجن میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں لیکن ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ شب کو ہم لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو نہیں پایا۔ میدانوں اور گھائیوں میں ہر جگہ ڈھونڈا۔ مگر آپ نہیں ملے۔ ہم لوگوں کو طرح طرح کے خیال آنے لگے کہ آپ کو کوئی اٹھا لے گیا، یاد ہو کے سے کسی نے قتل کر دیا۔ سخت اضطراب اور قلق میں ہم نے پر اس بسرکی، صحیح ہوئی تو دیکھا کہ آپ غارہ کی طرف سے چلے آ رہے ہیں۔ ہم سب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم نے شب کو ہر جگہ آپ کو ڈھونڈا اگر آپ کہیں نہیں ملے۔ ہم نے سخت اضطراب اور قلق میں رات بسرکی۔ فرمایا: ”رات کو جنوں کا قاصد آیا تھا میں اس کے ساتھ گیا تھا۔ میں نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔“ اس کے بعد آپ ہم سب کو لے کر اس مقام پر تشریف لے گئے اور وہاں ان کے قیام اور آگ جلانے کے نشانات دکھائے اور فرمایا: ”انہوں نے مجھ سے زادراہ کی خواہش کی میں نے ان کے لئے دعا کی کہ وہ جس ہڈی اور گوبر پر گزیریں ان کے لئے وہ کھانا ہو جائے۔“ ۳۲۵۸

مسند ابن حبیل کے زیادات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زبانی جنوں کی آمد کا ایک اور واقعہ مذکور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کمہ میں رات کے وقت ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ یاکی آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی میرے ساتھ چلے۔ لیکن وہ نہ چلے جس کے دل میں ذرا سما بھی کھوٹ ہو۔“ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پانی کا لونا لے کر آپ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ مجھے ساتھ لئے ہوئے مکہ کے آگے پہنچے۔ وہاں مجھ کو کچھ پر چھایاں ایک جگہ اکھٹی نظر آئیں۔ آپ نے ایک خط کھٹیج دیا۔ اور فرمایا: ”جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہیں کھڑے رہو۔“ یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ آگے بڑھ گئے۔ میں

۱ صحیح مسلم، باب الجھر بقراءة الصبح: ۱۰۱۰۔

۲ مسلم: ۱۰۰۷ و مسند احمد، ج ۱، ص: ۲۵۲۔ ۳ صحیح مسلم: ۱۰۱۱۔

۴ صحیح مسلم: ۱۰۰۷۔ ۵ ترمذی، تفسیر سورۃ الحقداف: ۳۲۵۸۔

۶ صحیح مسلم، بباب الجھر بالقراءة في اتصح: ۱۰۰۷۔ ۷ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ذکر الجن: ۳۸۵۹، ۳۸۶۰ و ترمذی انوار الطهارة، باب ما جاء في كراهة ما يستخرج به: ۱۸۔

نے دیکھا کہ وہ پر چھائیاں آپ کی طرف چلیں۔ آپ ان کے ساتھ دریتک بیٹھے باطنی کرتے رہے۔ جب فجر کا اجلا ہوا تو آپ میرے پاس آئے اور وضو کا پانی مانگا۔ میں نے دیکھا تو وہ پانی کے بجائے کھجور کا شربت (نبیذ) تھا آپ سنیتھے نے فرمایا: "اس میں کیا حرج ہے۔ کھجور بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک ہے۔" یہ کہہ کر آپ نے اسی سے وضو کیا اس کے بعد نماز کو کھڑے ہوئے تو ان میں سے دو آدمی پاس آ کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ کون لوگ تھے؟ فرمایا: "یہ شہر نصیبین کے جن تھے۔ اپنے کچھ معاملات میرے پاس فیصلہ کے لئے لائے تھے۔ انہوں نے مجھ سے تو شہ مانگا۔ تو میں نے دے دیا۔" عرض کی، یا رسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ کوئی تو شہ کا سامان تھا؟ فرمایا: "میں نے انہیں گوبر اور بڈی کا تو شہ دے دیا ہے۔ گوبر ان کے لئے کبو، اور بڈی پر گوشت ہو جائے گی۔" اسی موقع پر آپ سنیتھے نے گوبر اور بڈی سے استخراج فرمایا۔ ﴿ زیادات مند اور سچ مسلم کی یہ دونوں روایتیں کیا ایک ہی واقعہ کی دو تفصیلیں ہیں؟ مگر ان دونوں روایتوں کے جزئیات میں اسی قدر فرق ہے کہ وہ یقیناً ایک نہیں ہو سکتیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیادات مند کی روایت بالکل ان غواہر بے سر و پا ہے۔ اس روایت کا سلسلہ مند یہ ہے: عن ابی فزارہ عن ابی زید مولیٰ عمر و بن الحریث المخزوی عن عبد اللہ بن مسعود۔ اس میں ابو زید مولیٰ عمر و بن الحریث ایک مجہول راوی ہے، جس سے محدثین میں کوئی واقف نہیں۔ حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

ابوزید مولیٰ عمر و بن حریث لا یعرف عن ابن مسعود و عنه ابو فزارہ لا
یصح حدیثه ذکرہ البخاری فی الضعفاء و متن حدیثه ان نبی اللہ تو پضا
بالنبیذ وقال ابو محمد الحاکم رجل مجہول قلت: ماله سیوی حدیث
واحد۔ (میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۳۵۹)

"ابوزید غلام عمر و بن حریث اس کو کوئی جانتا نہیں۔ اس نے ابن مسعود رض سے روایت کی ہے اور اس سے ابو فزارہ نے اس کی حدیث صحیح نہیں۔ بخاری نے ضعفاء میں اس کو درج کیا ہے۔ اس کی حدیث کا متن یہ ہے کہ آنحضرت سنیتھے نے نبیذ سے وضو کیا، ابو احمد حاکم کہتے ہیں کہ یہ مجہول الحال آدمی ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کی یہی ایک حدیث ہے۔"

البنت جامع ترمذی میں اسی قسم کا ایک واقعہ عبد اللہ بن مسعود رض سے فرشتوں کی آمد اور دیدار کے متعلق برداشت صحیح مردی ہے۔

شَقْ قَمْرٍ

﴿إِقْرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَ الْقَمَرُ﴾ (القمر: ١)

پیغمبر کی صداقت کی گواہی کا نکات کا ذرہ دیتا ہے۔ آسمان اور زمین، چاند اور سورج ہر چیز اس کی صداقت کا ثبوت بن جاتی ہے۔ انجل (متی ۲-۲) میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ایک نیا ستارہ طلوع ہوا اور جب انہوں نے وفات پائی تو عین گھنٹے کے لئے تمام دنیا میں اندر ہرا چاہا گیا۔ (متی ۲-۲۵) قرب قیامت کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ چاند کے دنگلے ہو جائیں گے۔ یہ نشانی آنحضرت علیہ السلام کے دست مبارک پر پوری اتری اور قرآن نے کہا:

﴿إِقْرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَ الْقَمَرُ وَإِنْ يَرَوْا إِلَيْهِ يُعْرِضُوا وَيَقُولُونَ سُحْرٌ مُّسْتَخْرِجٌ﴾

(القمر: ٢، ١)

”قیامت نزدیک آگئی اور چاند شق ہو گیا، اگر کافر کوئی سابھی نشان دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو سدا سے ہوتا آیا ہے۔“

بعض عقل پرست مسلمانوں نے قرب قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت ﷺ کے عہد میں شق قمر کا ثبوت نہیں ہوتا۔ بلکہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے۔ لیکن اس حالت میں اول تو بے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنی میں لینا پڑے گا، دوسرا یہ کہ اگر یہ قیامت کا واقعہ ہوتا۔ تو اس کے بعد یہ کیوں ہوتا کہ یہ ”کافر اگر کوئی سی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے، جو ہوتا آیا ہے۔“ قیامت سامنے آجائے کے بعد اس کے انکار کے کیا معنی اور اس کو مستقر جادو کہنا کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مستند اور صحیح روایات کی کیونکر تردید کی جاسکتی ہے۔

اس شق قمر کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند ابن حبیل، مسند طیالی، مسند رک حاکم، دلائل یعنی دلائل ابو نعیم میں تصریح تمام مذکور ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جبیر بن طعم، علی بن ابی طالب اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے ۱۔ ان میں سب سے صحیح اور مستند تر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایت ہے جو صحیح بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مروی ہے۔ وہ اس واقعہ کے وقت موقع پر موجود تھے اور اس مجرم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

انشق القمر ونحن مع النبي ﷺ بمنى فقال: ((أشهدوا)) وذهبت فرقة

نحو الجبل۔ ۲

۱ زرقانی بمواہب، ج ۵، ص: ۱۲۴۔

۲ بخاری، کتاب التفسیر، سورہ اقربت الساعۃ: ۴۸۶۵؛ مسلم، کتاب صفات المناقین، باب انشقاق القمر: ۷۰۷۲ تا ۷۰۷۳؛ ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة القمر: ۲۲۸۵۔

”هم آنحضرت ﷺ کے ساتھ منی میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک نکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”گواہ رہو۔“

صحیفین میں ان کی دوسری روایت یہ ہے:

انشق القمر علی عهد رسول اللہ ﷺ فرقین فرقۃ فوق الجبل وفرقۃ دونہ
فقال رسول اللہ ﷺ: ((اشهدوا))۔

”آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں چاند کے دو نکڑے ہو گئے اور ایک نکڑا تو پہاڑ کے اوپر رہا اور دوسرا اس کے نیچے آپ ﷺ نے فرمایا: ”گواہ رہو۔“
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے:

ان اهل مکہ سألو رسول اللہ ﷺ نَ يَرِيهِمْ آیَةً فَارَاهُمُ الْقَمَرُ شَقَّتِينَ حَتَّىٰ

رَأُوا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا۔

”اہل مکہ نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان کو کوئی مجھہ دکھائیں۔ آپ نے ان کو چاند کے نکڑے دکھائے ایک نکڑا اس کے طرف تھا دوسرا اس طرف۔“

صحیح مسلم میر ہے:

ان اهل مکہ سألو النبی ﷺ ان يرِيهِمْ آیَةً فَارَاهُمُ الْقَمَرُ شَقَّتِينَ
”اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو آپ نے چاند کو دو نکڑے ہونے کو دکھایا۔“

جامع ترمذی میں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

سأَلَ أَهْلَ مَكَّةَ النَّبِيَّ ﷺ أَيَّةً فَانْشَقَ الْقَمَرُ بِمَكَّةَ فَرَقَّتِينَ فَنَزَّلَتْ: ((إِقْرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَ الْقَمَرُ))۔

”اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو چاند مکہ میں دو نکڑے ہو گیا۔ اس پر یہ آیت اتری قیامت آگئی اور چاند پھٹ گیا۔“

جامع ترمذی (تفسیر سورہ قمر) اور منداہن خبل میں جیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی جو روایت ہے اس میں ہے کہ اس مجھہ کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام آدمیوں پر تو وہ جادو نہیں کر سکتے۔ مندابودا و دطیاسی اور تیہنی میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ

صحیح بخاری: ۴۸۶۴ و مسلم: ۴۸۶۷، ۲۶۳۷۔ صحیح بخاری ایضاً: ۷۰۷۳۔ مسلم، ایضاً: ۷۰۷۶۔

راو احرار بینہما کے الفاظ میں لے۔ مسلم، ایضاً: ۷۰۷۶۔ اس میں ”فرقین“ کی بجائے ”مرتین“ کا لفظ ہے۔

ترمذی، تفسیر سورہ قمر: ۳۲۸۶۔ مسند عبدالله بن مسعود، ص: ۳۸، حیدر آباد دکن۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام دنیا پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ مسافروں کو اور مقامات سے آنے دو۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ جب ادھر ادھر سے مسافر آئے اور ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا۔ بہر حال یہ مجرزہ رات کے وقت مکہ میں بمقامِ متنیٰ واقع ہوا۔ عقلیٰ حیثیت سے یہ مجرزہ زمانہ قدیم سے معرکہ الاراء رہا ہے۔ علمائے مشکلہ میں نے فلسفہ قدیم کے اصول پر اس میں خوب خوب موٹا گفیاں کی ہیں۔ مثلاً: فلاسفہ قدیم کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرامِ فلکی میں خرق و التیام اور شکست و ریخت محال ہے۔ اس لئے شق قرب بھی ناممکن ہے۔ مشکلہ میں نے ثابت کیا کہ اجرامِ فلکی میں خرق و التیام اور شکست و ریخت ممکن ہے۔ مگر اب کہ جدید طبیعت و ہیئت نے ہماری معلومات کے آسان وزمین کو بدل دیا ہے۔ یہ مباحثہ بے سود اور بے کار ہیں۔ اب تو ہر روز نئے نئے ستاروں کے شکست و ریخت اور تصادم کے حداثے نے جا رہے ہیں اور ہیئت جدید اور علم تکمیل میں تو زمین سورج اور ستاروں کے آغاز آفرینش کی داستان ہی اس باب سے شروع ہوتی ہے۔

اس سے دوسرے درجہ پر ایک اور قدیم اعتراض و جواب کتابوں میں لکھا چلا آتا ہے اور ہمارے میکی مناظرین نے اس کو نئے آب و رنگ سے شہرت دی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ مجرزہ درحقیقت واقع ہوتا تو یہ صرف اہل مکہ ہی کو نظر نہ آتا۔ بلکہ اس کو تمام دنیا دیکھتی اور اس کی روایتیں مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتیں۔ لیکن بھر آنکہ کے دنیا کے اور ملکوں میں اس واقعہ کا چرچا نہیں ہوا اور تمام قدیم اہل نجوم وہیت و تاریخ اس کی روایت سے خاموش ہیں۔

لوگوں نے اس شبہ کے یہ جوابات دیے ہیں کہ اولاً ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ واقعہ دوسرے ملک کے لوگوں کو نظر نہیں آیا۔ تم اس کے ثبوت میں کہو گے کہ اگر نظر آتا تو اس ملک کے اہل تاریخ اس کا ذکر کرتے۔ حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ملک کا مشہور واقعہ جو دوسرے ملک کی معاصر تاریخوں میں مذکور نہ ہو۔ صرف اس کا یہ عدم ذکر کیا اس کے انکار کی سند ہو سکتا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو ہندوؤں کی مہا بھارت کا تم انکار کر سکتے ہو۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے تمام مجرزات بلکہ واقعات زندگی تک کا انکار کر سکتے ہو کہ شام و مصر کے معاصر دوی مورخوں نے ایسے عجیب و غریب واقعات کا ایک حرف بھی قلمبند نہیں کیا۔ اس کے برخلاف ابھی اوپر کی روایتوں میں بیان کیا جا پکا ہے کہ عرب و شام سے آنے والے مسافروں نے یہ بیان کیا کہ انہوں نے چاند کو دو بلکہ یہ ہوتے دیکھا تھا۔

فلکی حیثیت سے جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اہل ہیئت جو اجرامِ فلکی کے ایک ایک واقعہ کو قلمبند کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مجرزہ رات کے وقت ظاہر ہوا تھا اور اس وقت دنیا کا بڑا حصہ خواب راحت میں مصروف تھا جو لوگ بیدار بھی ہوں گے وہ اپنے دوسرے مشاغل میں مصروف ہوں گے اور جنہوں نے دیکھا بھی ہو گا ان میں کتنا بڑا حصہ ان کا ہو گا جو اپنے مشاہدات کو تحریری

صورت میں لانے پر قادر نہ تھے۔ یعنی ناخواندہ تھے اور اگر ان میں چند لکھے پڑھے ارباب ہیئت اور اصحاب تاریخ تھے تو ضروری نہیں کہ انہوں نے اپنے اس مشاہدہ کا تذکرہ بھی کیا ہو۔ یا تذکرہ کیا ہو تو ان کی یادداشت مثل دوسری سینکڑوں علمی یادداشتوں کے ضائع ہو گئی ہو۔ آغاز آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آئے ہوں گے۔ لیکن کیا وہ سب کے سب دنیا کے اور اقیانوس میں درج ہیں؟ اور ان کا درج نہ ہونا ان کے عدم وقوع کی دلیل ہے؟ مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس قسم کے حوادث فلکی کا ذکر ہے۔ لیکن علم ہیئت و فلک اس کے ذکر سے خاموش ہے لیکن یہ خاموشی اس کے عدم وقوع پر شہادت ہے؟ جو تمہاری انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ایک ستارہ نبوت طلوں ہوا جس کو یورپ کے لوگوں نے دیکھا، پھر انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تو تمام دنیا دفعۂ تاریک ہو گئی۔ لیکن کیا ہیئت و افلاک کی کتابوں میں ان انقلاب سماوی کا تذکرہ موجود ہے؟

حوادث فلکی کے حدوث اور وقوع میں بڑی چیز یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب پر موقوف ہے اور ہر جگہ کے مطالع مغارب دوسری جگہ سے نہایت مختلف ہیں۔ بلکہ بالخصوص قمر کے مطالع میں تو اور بھی سخت اختلاف ہے اور ایک جگہ چاند ڈوبتا ہے دوسری جگہ نکلتا ہے، ایک جگہ چاندی ہے دوسری جگہ اندھیری ہوتی ہے، ایک جگہ چاند کو گہن لگتا ہے اور دوسرے مقامات کے لوگوں کو وہ نظر نہیں آتا۔ اس لئے اگر تمام دنیا نے اس مجرہ کو نہیں دیکھا تو یہ شق قمر کی نفحی کی دلیل نہیں۔ چنانچہ دنیا کی مختلف باخبر قوموں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف حوادث فلکی کا ذکر کیا ہے لیکن جس واقعہ کو ایک نے بڑے شدود مدد سے بیان کیا ہے۔ اس کی معاصروں میں کتابیں اس کی شہادت سے قطعاً خالی ہیں۔ لیکن کیا یہ خاموشی اس کے عدم وقوع کی سند ہو سکتی ہے؟ علاوہ اور وجہ کے اس خاموشی اور اختلاف کی ایک وجہ بھی ہوتی ہے کہ تمام دنیا کا ایک مطلع نہیں ہے۔ اس لئے ایک چیز ایک جگہ نظر آتی ہے دوسری جگہ نہیں آتی۔ بعض متكلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحب علیہ السلام بھی ہیں لکھا ہے اور امام غزالی علیہ السلام کا بھی ادھر ہی رحمان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:

ان اهل مکہ سأَلُوا النَّبِيَّ مَنْ يُرِيهِمُ أَيَّةً فَارْأَهِمُ انشِقَاقَ الْقَمَرِ فَرَقْتَينِ۔

”اہل مکہ نے آپ ﷺ سے نشانی طلب کی تو آپ نے چاند دو گلزارے دکھایا۔“

ہم ان تمام پریچ راستوں سے گزر کر صرف ایک سیدھی کی بات کہہ دینا چاہتے ہیں کہ شق القمر اہل مکہ کی طلب پر ایک آیت الہی تھی۔ یعنی ان مکڑوں کو ان کی خواہش کے مطابق نبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی

* صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب انشقاق القمر: ۷۰۷۶۔ اس میں ”فرقین“ کی بجائے ”مرقین“ کا لفظ ہے۔

تھی۔ احادیث میں یہ ہے کہ ان کو چاند و مکڑے ہو کر نظر آیا۔ خواہ دراصل چاند کے دلکشیے ہو گئے ہوں یا خدا نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند و مکڑے ہو کر نظر آیا۔ جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے۔ پھر چونکہ اللہ نے یہ نشانی اہل کمک کے لئے ظاہر کی تھی اور انہی کے لئے یہ آئینہ ثبوت تھی اس لئے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی اس بنا پر بالفرض اگر دنیا کے دوسرے حصوں میں شتم قمر مشاہدہ نہ ہوا تو یہ حیرت اور تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ اہل کمک کے علاوہ اور لوگوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر نہ آنا ہی مصلحت الہی تھی کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاع عالم کے لوگوں کو بھی نظر آتا تو یہ سمجھا جاسکتا کہ یہ آسمان کی طبعی انقلاب میں سے کوئی انقلاب تھا جیسا کہ اور سینکڑوں قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ فلکیات اور علم بدء خلق (کسوموگریف اور نیچرل ہسٹری) میں مذکور ہیں۔ لیکن جب اہل کمک کے علاوہ جو شہر میں تھے یا باہر رقافلہ میں تھے صرف انہی کا نظر آیا، تو اس بات کی صاف اور صريح دلیل ہے کہ یہ صرف آنحضرت ﷺ کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا۔ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ۔

غلبہ روم کی پیشین گوئی

﴿الْمَّلِكُ عَلِيَّتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ﴾ (روم: ۱ تا ۳۰)

آنحضرت ﷺ نے اپنی الہامی زبان سے جن واقعات کی پیشین گوئی کی ہے، ان سب میں سب سے زیادہ شاندار، سب سے زیادہ صاف و صریح سب سے زیادہ معربکہ الاراء غلبہ روم کی پیشین گوئی ہے۔ عرب کے چپ دراست دونوں پہلوؤں میں روم و فارس کی پرزو حکومتیں قائم تھیں۔ اس وقت ایران کا تاجدار خسر اور روم کا فرماس رواہرقل تھا۔ ان دونوں سلطنتوں میں ایک مدت سے معربکہ آرائیوں کا سلسہ قائم تھا۔ بعثت نبوی کے پانچویں سال یعنی ۲۱۳ء میں ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ایک خوزیر جنگ شروع ہو گئی۔ اگرچہ ان دونوں قوموں میں کسی قوم نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا تھا، تاہم روی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو دوارا مل کتاب تھے اور ایرانیوں کے عقائد مشرکین مکہ کے عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے، اس لئے لازمی طور سے مسلمانوں کو روی عیسیٰ میں کمکہ کو ایرانیوں کے ساتھ اور مشرکین مکہ کے ساتھ ہمدردی تھی۔ اس لئے مسلمانوں اور کفار قریش دونوں کو جنگ کے نتیجہ کا شدت کے ساتھ انتظار تھا۔ جنگ کا نتیجہ جب ایسا خلاف مسلمانوں اور کفار قریش دونوں کو یقیناً رنج اور کفار کو سرت حاصل ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح ہمارے بھائی غالب ہوئے یہی اسی طرح اگر تم ہم سے لڑتے تو ہم غالب ہوتے۔ اس وقت رومیوں کی جو افسوس ناک حالت تھی وہ آپ ﷺ سن چکے کہ وہ اپنے مشرقی مقبولیات کا ایک ایک چپ کھو چکے تھے۔ غزانہ خالی تھا فوج منتشر تھی۔ ملک میں بغاوتیں پیدا تھیں۔ شہنشاہ روم ہرقل جہنم عیاش، بے پرواست اور بیتلائے اور ہام تھا۔ ایرانیوں کا فاتح پس سالار قسطنطینیہ کے دروازہ پر پہنچ کر رومیوں کے سامنے حصہ ذیل شرائط پیش کرتا ہے۔ روی بایج ادا کریں۔ ایک ہزار ثالث سونا، ایک ہزار ثالث چاندی، ایک ہزار حریر کے ٹھان، ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار باکرہ لڑکیاں ایرانیوں کے حوالہ کریں۔

رومیوں کی لکھری کی یہ حالت ہے کہ وہ ان شرمناک شرائط کو قبول کرتے ہیں۔ اس پر بھی جب روی قاصد شہنشاہ ایران کے دربار میں مصالحت کا پیام لے کر جاتا ہے تو مغفرہ خسر و جواب دیتا ہے۔ ”محجوں یہیں، بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تحت کے نیچے چاہیے اور اس وقت تک صلح نہیں کروں گا جب تک شہنشاہ روم اپنے مصلوب خدا کو پھوڑ کر سورج دیوتا کے آگے سرنہ جھکائے گا۔“

کارزار عالم کا نقشہ یہ تھا کہ معربکہ جنگ سے بہت دور ایک خشک اور بخرازی میں ایک شہزادہ امن نمودار ہوا اور واقعات عالم کے بالکل خلاف سروش غیب سے نغمہ قدس میں گویا ہوا:

﴿الْمَّلِكُ عَلِيَّتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ قَنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي يَوْمٍ سِينِينَ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلٍ وَمِنْ بَعْدٍ وَيَوْمَئِذٍ يَقْرَأُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ طَيْبُونَ يَئِشُّ آمِطَّ﴾

وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ وَعَدْ ﴿٣٠﴾ (الروم: ٦)

”رویٰ قریب تر زمین میں مغلوب ہو گئے لیکن وہ چند سال میں مغلوب ہو جانے کے بعد پھر غالب ہوں گے۔ خدا ہی کے ہاتھ میں پہلے اور پیچھے سب اختیار ہے اور اس دن مسلمان خدا کی مدد سے خوش ہوں گے۔ وہ جس کی چاہے مدد کرے وہ غالب رحم والا ہے۔ خدا کا وعدہ ہے خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔“

یہ پیشین گوئی واقعات کے لحاظ سے اس قدر مستبعد اور ناقابل یقین تھی کہ کفار نے اس کے صحیح ہونے کی صورت میں کئی اونٹوں کے ہارنے کی مسلمانوں سے شرط لگائی۔ اب مسلمانوں اور کافروں کو بڑی شدت سے واقعات کے پہلو کا انتظار تھا۔ آخر چند سال کے بعد دنیا نے خلاف امید پلٹا کھایا۔ موئیخ گھنیں کے الفاظ میں ”شہنشاہ جو اپنی ابتدائی اور آخری زندگی میں مستی، عیاشی اور اوہام کا غلام اور رعایا کے مصائب کا نامرد تماشا تھا، جس طرح صحیح و شام کا کہرا آفتاب نصف النہار کی روشنی سے پھٹ جاتا ہے۔“ (فوجہ ۲۱ء میں) مغلوں کا ارکارڈ یوس میدان جنگ کا سیزر بن گیا اور روم و ہرقل کی عزت نہایت شاندار طریق سے بچا گئی۔

جس وقت ہرقل اپنی بقیہ فوج لے کر قسطنطینیہ سے چلا ہے لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ رومہ لعظمی کے آخری لشکر کا منظر دنیا کے سامنے ہے۔ لیکن عرب کے نبی امی علیؑ کی پیشین گوئی حرف پوری ہوئی اور عین اس وقت جب مسلمانوں نے بدر کے میدان میں قریش کو شکست دی۔ رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا۔ مشرقی متبوعات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا اور ایرانیوں کو باسفورس اور تیل کے کناروں سے ہٹا کر پھر دجلہ و فرات کے سواحل کی طرف دھکیل دیا۔

اس عظیم الشان پیشین گوئی کی صداقت کے اثر نے دنیا کو تجویز کر دیا۔ قریش کے بہت سے لوگ اس صداقت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ واقعہ کے ساتھ ہے بارہ سو برس کے بعد تاریخ زوال روم کا مشہور مصنف گھنیں اس حیرت انکا پیشین گوئی کی سچائی سے تھیر ہو کر کہتا ہے۔

”مشرق کی ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے ڈانڈے پر بیٹھ کر ان دونوں کی ایک دوسرے کو تباہ کر دینے والی روز انزوں کو ششوں کی ترقی کو دلی مسرت کے ساتھ بغور مطالعہ کر رہا تھا اور عین اس وقت جب کہ ایرانیوں کو پیغم کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں۔ اس نے اس پیشین گوئی کی جرأت کی کہ چند سال میں فتح و ظفر رومی علم پر سایہ لگان ہوگی۔“ جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کوئی پیشین گوئی اس سے زیادہ دور از قیاس نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ہرقل کی بارہ سال کی (۲۱۰ء سے ۲۲۰ء تک) کی حکومت نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ رویٰ شہنشاہی کا شیرازہ

* تاریخ زوال روم مصنفوں گین، ج ۳، ص: ۳۰۴ مطبوعہ ۱۸۹۰ء۔

** ایضاً * ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة الروم: ۳۱۹۴۔

جلد بکھر جائے گا۔^۱

ہر قل کی طبیعت میں اس فوری انقلاب اور واقعات کی رو سے اس جیرتا ک تغیر اور اس کے اسباب کی تفصیل میں تاریخ روم کے مصنفین نے عجیب عجیب باتیں پیدا کی ہیں لیکن انہیں کیا معلوم کہ اس خونی معرکہ سے دور آیک پیغمبرانہ ہاتھ رومیوں کی مدد کے لئے دراز تھا اور ہی اس انقلاب اور تغیر کا سب سے بوار وحشی سبب تھا۔ متدرك^۲ (علی شرط الصحیحین) اور جامع ترمذی^۳ میں ہے کہ ”روم و فارس کی جب جنگ شروع ہوئی تو مشرکین ایرانیوں کے طرف دار تھے۔ کیونکہ وہ بھی بت پرست تھے اور مسلمان رومیوں کے طرفدار تھے کہ وہ اہل کتاب تھے۔ اس وقت ایرانی روم کو دباتے جا رہے تھے۔ اس پر سورہ روم کی پیشینگوئی نازل ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چلا چلا کرتا نام مشرکین کو یہ پیشین گوئی سنائی۔ مشرکین نے کہا کہ اس پیشین گوئی کے لئے کوئی سال مقرر کرو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پانچ سال کی شرط کی، آنحضرت علیہ السلام کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ بعض کالفاظ سے ۹ تک بولا جاتا ہے، اس لئے دس سال سے کم کی مدت مقرر کرنی چاہیے تھی۔ چنانچہ اس تشریح کے مطابق نویں سال غزوہ بدر کے موقع پر پیشین گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب آئے۔ ”غزوہ بدر بحیرت کے پہلے سال اور بعثت کے چودھویں برس پیش آیا۔ اس سے ۹ برس پہلے بعثت کا پانچواں سال ہو گا۔ اس بنا پر پیشین گوئی کا زمانہ ۵ء بعثت اور اس کے پورے ہونے کا زمانہ ۱۴ء بعثت یا ۱۴ھ ہے۔ بعض لوگوں نے اس پیشینگوئی کے پورے ہونے کا زمانہ صلح حدیبیہ کا سال یعنی ۶ھ ہی بیان کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں شاید لوگوں کو اس سے دھوکا ہوا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ قاصد نبوی ﷺ جب اسلام کا دعوت نامہ لے کر قیصر کے پاس گیا تو وہ اس وقت فتح کا شکریہ ادا کرنے کے لئے شام آیا ہوا تھا اور معلوم ہے کہ قاصد صلح حدیبیہ کے زمانہ میں روانہ ہوئے تھے۔ اس لئے لوگوں نے یہ سمجھا کہ حصول فتح کی بھی یہی تاریخ ہے۔ مگر یہ مغالطہ ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ یہ فتح مکہ کی تاریخ نہیں۔ بلکہ فتح کے جشن کی تاریخ ہے۔ رومی تاریخ کی مطابقت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۲۰۲ء میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی ۲۱۰ء سے روم و فارس کی چھٹیر چھاڑ شروع ہوئی۔ ۲۱۳ء میں اعلان جنگ ہوا۔ ۲۱۴ء سے رومیوں کی شکست کا آغاز ہوا۔ (۲۱۴ء میں رومی شکست تکمیل کوئی نہیں۔) ۲۱۵ء سے پھر رومیوں نے حملہ شروع کیا۔ ۲۱۶ء سے ان کی کامیابی کا آغاز ہوا اور ۲۱۵ء میں فتح تکمیل کوئی نہیں۔ اس ترتیب سے دیکھئے تو ظاہر ہو گا کہ اس پیشین گوئی کی خوبی یہ ہے کہ اگر آغاز شکست سے آغاز فتح تک جوڑ یے تو بھی وہی نو برس ہوں گے۔ اس فتح کی تکمیل کے بعد ہر قل پھر وہی سست و عیاش قیصر بن گیا۔ جو پہلے تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دست قدرت نے صرف اس پیشین گوئی کے پورا کرنے کے لئے چند سال کے واسطے اس

^۱ تاریخ زوال روم، ج ۲، ص: ۳۰۲ و ۳۰۳ طبع مذکور۔ ^۲ کتاب التفسیر، تفسیر سورہ الروم،ج ۲، ص: ۴۱۰۔ ^۳ ابواب التفسیر، ومن سورة الروم: ۳۱۹۳، ۳۱۹۴

کے دل و دماغ کو بیدار اور دست و بازو کو ہشیار کر دیا تھا۔ پیشین گوئی کی تجھیں کے بعد پھر پہلے کی طرح تعیش اور کاہلی نے اس کو عیش و غفلت کے بستر پر تھپک تھپک کر سلاادیا۔

دیگر آیات و دلائل نبوی ﷺ قرآن مجید میں

طیر ابا ایل کی نشانی

آنحضرت ﷺ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی، جس میں ابرہہ الاشرم نے ہاتھیوں کی قطار کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ لیکن فضائے آسمانی کے ایک حقیر پرندہ نے کنکریوں کے ذریعہ سے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ ایک عظیم الشان تھا جس کا ظہور مسلمان اور عیسائی دونوں تسلیم کریں گے کہ مشرکین عرب کی تائید کے لئے نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ابرہہ الاشرم ایک عیسائی بادشاہ تھا جس کا نام ہب ہبھار مشرکین سے بہتر تھا بلکہ یہ خود آنحضرت ﷺ کے ظہور کا شان تھا جن کی ذات پاک حقیقی طور پر خانہ کعبہ کی حفاظت کی کفیل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس مججزہ کے ذکر میں خاص طور پر آپ ﷺ کی طرف روئے خطاب کیا ہے:

﴿أَكَرَّرَ لِيْفَ فَعَلَ رَبِّكَ يَا صَاحِبَ الْفِيلِ ۖ أَكَرَّرَ يَجْعَلُ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۚ وَأَرْسَلَ عَنْهُمْ طَيرًا أَبَا إِيلَ ۗ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِيلٍ ۗ بَعْلَهُمْ كَعْصِفَ مَالْكِيلُ ۗ﴾

(الفیل: ۱۵/۱۰۵)

”کیا تو نہیں دیکھا کہ تیرے پر در دگارنے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا ان کی چھپی گھاتوں کو بے را نہیں کر دیا؟ اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بیسیجے جوان کو پھریلی کنکریوں سے مارتے تھے۔ تو خدا نے ان کو کھائی ہوئی بھس کے مانند کر دیا۔“

یہ سورہ واقعہ کے تقریباً ۲۵ برس بعد اتری تھی اور غالباً اس وقت متعدد اشخاص اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہوں گے اور ایسے تو ہزاروں ہوں گے، جنہوں نے دیکھنے والوں سے دیکھنے والوں سے دراہ راست اور بلا واسطہ اس واقعہ کو سنا ہو گا۔ کفار جو ہمیشہ آنحضرت ﷺ کی تکذیب کے درپر رہتے تھے، اگر اس صورت واقعہ کے بیان میں کچھ بھی غلطی یا جھوٹ شامل ہوتا تو وہ اس کی علایمی تردید کر دیتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس لئے اس کی سچائی میں ایسی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

شہاب ثاقب کی کثرت

آنحضرت ﷺ کو جب نبوت عطا ہوئی تو نظم آسمانی میں ایک خاص انقلاب پیدا ہوا۔ جنات جو پہلے آسمان کے قریب تک جا سکتے تھے، ان کی آمد و رفت سد و کردی گئی اور ان پر نوئے والے تاروں کی بارش ہونے لگی۔ چنانچہ قرآن مجید اور خود جنات کی زبانی بیان ہے:

﴿وَإِنَّا لَسْتَمَا السَّمَاءَ كَوَاجَدُهَا مُلْيَّةً حَرَسًا شَدِيدًا وَشَهِيدًا ۗ وَإِنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا ۗ﴾

مَقَاعِدَ لِلْسَّمْعِ فَمَنْ يَسْمَعُ الْأَنْ يَجِدُ لَهُ شَهَادَةً (٩٨) (الجن: ٧٢)

”هم نے آسمان کو ٹوٹا تو پایا کہ وہ خخت پھرہ داروں اور ٹوٹنے والے تاروں سے بھر دیا گیا ہے اور ہم پہلے سننے کو، ہاں ٹھکانوں پر بیٹھتے تھے لیکن اب جو کوئی سنے تو تارے کو اپنی تاک میں پائے۔“

شرح صدر

شرح صدر یعنی سینہ کا کھول دینا یا اس غرض سے چاک کر دینا کہ وہ نور الہی سے معمور کیا جائے، ایک دولت ربانی تھی، جو آنحضرت ﷺ کو عطا ہوئی، ارشاد ہوا:

﴿أَلَمْ نَشْرُخْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ (الانشراح: ٩٤)

”امیر محمد ﷺ کیا ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا (یا چاک نہیں کر دیا؟)“ احادیث میں گو شرح صدر کی پوری تفصیل مذکور ہے، مگر بہر حال قرآن پاک سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خواہ یہ ظاہری طور سے یا باطنی رنگ میں علم و حکمت اور نور معرفت کی غیر معمولی اور مافق بشری بخشش ہو۔ ہر صورت میں وہ ایک فہم سے بالاتر کیفیت تھی۔

لکھ سے بیت المقدس تک ایک شب میں سفر

آنحضرت ﷺ نے مجرمانہ طریق پر ایک شب میں مکہ معظمه سے بیت المقدس تک جو پراسرار سفر کیا۔ قرآن نے ان الفاظ میں ان کی تصدیق کی ہے:

﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَيْنِهِ لَيْلًا قِنَّ الْمُسْجِدَ الْحَرَامَ إِلَى السِّجْدَ الْأَقْصَى﴾

(الاسراء: ١٧)

”پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک رات کے وقت ایک شب میں لے گیا۔“

حالانکہ ان دونوں مقامات کے بیچ میں اس زمانہ میں مہینوں کا سفر تھا۔

قریش پر قحط سالی کا عذاب

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے پہلے بھی یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب قریش نے آپ ﷺ کی مخالفت کی تو آپ نے ان کو بدعا کی کہ ”خداوند! ان کو سات سال تک قحط میں بہتار کر جس طرح تو نے حضرت یوسف عليه السلام کے زمانہ میں سات سال تک مستقل قحط کو قائم رکھا تھا، چنانچہ ان پر ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگوں نے بھوک کے مارے مردار اور چڑے کھائے۔ یہاں تک کہ جب لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو وہ ان کو دھوکیں کی طرح نظر آتا تھا، یہ حالت دیکھ کر ابوسفیان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ

”اے محمد ﷺ! تم خدا کی اطاعت اور صدر حرم کا حکم دیتے ہو حالانکہ خود تمہاری قوم تباہ ہو رہی ہے۔ اس کے لئے خدا سے دعا کرو۔“ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور بارش ہوئی جس نے قحط کی مصیبت کو دور کر دیا۔ اس کے بعد پھر قریش نے حسب دستور آپ ﷺ کی مخالفت شروع کی، تو قیام مکہ ہی کے زمانہ میں خدا نے آپ کی زبان سے یہ پیشیں گوئی قریش کو سنائی کہ آئندہ اس کا انتقام ایک اور سخت گرفت سے لیا جائے گا، وہ گرفت بدر کی لڑائی تھی۔ چنانچہ سورہ الدخان کی ان آیتوں میں اسی واقعہ کا ذکر ہے:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدْخَانٍ مُّبِينٍ ۝ يَعْنِي النَّاسُ هُنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ رَبَّ الْكِفْرَفَ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝ أَلَّا لَهُمُ الْيُكْرِي وَقَدْ جَاءُهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَكَّلُوا عَلَيْهِ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ كَجُنُونٍ ۝ إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابَ قَلِيلًا إِنَّمَا عَادِدُونَ ۝ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطَشَةَ الْكَبِيرَى إِلَّا مُنْتَقِبُونَ ۝﴾ (۴۴ / الدخان: ۱۰-۱۶)

”اس دن کا انتظار کرو، جب آسمان دھواں نمایاں کرے گا۔ جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ نہایت تکلیف وہ عذاب ہے، خداوند! یہ عذاب ہمارے اوپر سے ہٹا لے، ہم مسلمان ہیں اور کہاں ان کے لئے ہے، نصیحت پکڑنا۔ حالانکہ ان کے پاس ایک رسول کھلمن کھلا آیا۔ پھر ان لوگوں نے اس سے اعراض کیا اور کہا یا سکھایا ہوا پاگل ہے۔ ہم تھوڑی دریے کے لئے اس عذاب کو ہٹا لیئے والے ہیں، تم لوگ اسی قدیم حالت کی طرف عودہ کر جاؤ گے ہم اس روز انتقام لیں گے جو سب سے بڑی پکڑ کا دن ہو گا۔“

متوقع ہجرت کی مجرمانہ نشانیاں

کفار نے دارالنورہ میں چھپ کر آپ ﷺ کے قتل وغیرہ کے مشورے کئے۔ کوئی مسلمان نہ ان میں شریک تھا اور نہ کسی طرح ہو سکتا تھا۔ مگر آنحضرت کو ہر چیز کی خبر اللہ تعالیٰ نے دے دی۔ تاریخ، وقت، سب سے آگاہی ہو گئی اور پھر یہ کہ جس شب کو آپ نے ہجرت کی سب کو معلوم ہے کہ اس رات کو آپ کے گھر کے چاروں طرف دشمنوں کا پھر اتھا، تاہم آپ ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر انہی کے درمیان سے گزر کر حضرت صدیق ؓ کے ساتھ شہر سے نکل گئے۔ آپ کہ کے قریب ہی غار ثور میں جا کر چھپے۔ عرب آثار قدم سے اشخاص کے مقام و گزر گاہ کا پتہ لگانے میں نہایت مشائق تھے، صح کو دہ آپ کا پتہ لگاتے ہوئے غار مذکور کے دہانہ تک پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو آپ ان کے سامنے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اقتضاۓ بشری سے گھبرا اٹھے۔ مگر آپ نے تسلی دی کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ ساتھ والے خدا نے یہ تدبیر کی کہ کافروں سے ان کی یہ سوچ چھین لی کہ وہ جھک کر دیکھیں اور ان کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ وہ

بے دیکھے واپس چلے گئے۔ سیر کی اکثر ضعیف رواتیوں میں اور مسند ابن حبیل **ؑ** کی ایک روایت میں جو زیادہ کمزور نہیں ہے۔ مذکور ہے کہ مکہ میں غار کے منہ پر جائے تو نہیں تھے۔ کفار نے کہا: اگر کوئی اس غار میں جا کر چھپتا تو ظاہر ہے کہ یہ جائے توٹ جاتے اور یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے۔ اس غار سے نکل کر جب آپ ﷺ مدینہ کی راہ چلے تو قریش کے سوار آپ کے تعاقب میں نظر آئے۔ چنانچہ سراقدہ اپنا گھوڑا دوڑاتا آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ دفعتہ گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ تین بار یہی واقعہ پیش آیا۔ سراقدہ اس اعیاز کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور خط امان لے کر واپس چلا گیا۔

واعظہ بھرت کے ان مجرمانہ واقعات کا تفصیلی بیان احادیث میں ہے مگر قرآن مجید کا یہ اجمالی اعتراف ان کی تائیدی شہادت ہے:

﴿وَإِذْ يَنْدُبُ إِلَيْكَ الَّذِينَ لَفَرُوا إِلَيْنَاكُمْ أُو يَقْتُلُوكُمْ أَوْ يُجْرِي جُوكُمْ طَوْيَّلًا كَمَا فِي الْأَنْفَالِ وَإِنَّهُ خَيْرُ الْمُكْرِمِينَ﴾ (۸/ الانفال: ۳۰)

”اور یاد کرو (اے پیغمبر ﷺ!) جب کفار تمہارے ساتھ داؤ کر رہے تھے، تاکہ تم کو قید کریں یا قتل کریں یا گھر سے نکال دیں وہ بھی داؤ کر رہے تھے اور خدا بھی داؤ کر رہا تھا اور خدا سب داؤ کرنے والوں میں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے۔“

﴿إِلَّا تَتَصْرُّوْهُ فَقَدْ نَصَرَ اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَ الَّذِينَ لَفَرُوا إِلَيْنَا إِنَّهُمْ إِذْ هُمْ فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُونَ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنَّلَّ اللَّهُ سَكِينَةً عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ لَفَرُوا السُّفْلَى طَوْيَّلًا كَمَا هِيَ الْعُلْيَا طَوْيَّلًا وَلَمْ يَرِدْ حَكِيمٌ﴾

(۹/ التوبۃ: ۴۰)

”اے لڑائی سے پیچھے رہنے والے لوگو! اگر تم اس پیغمبر کی مدد کرو تو وہ تمہاری مدد سے بے نیاز ہے کہ خدا نے اس وقت اس کی مدد کی جب اس کو کافروں نے نکال دیا تھا، دور فیقوں میں سے ایک نے جب وہ دونوں غار میں تھے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ بھروسے خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پھر خدا نے اس پر اپنی تسلیم نازل کی اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو نیچا کیا اور خدا ہی کی بات اپنی رہتی ہے اور خدا غالب اور تدبیر والا ہے۔“

خواب میں کفار کا کم دیکھنا

بھرت کے بعد سب سے بڑا معرکہ غزوہ بدر پیش آیا۔ جس میں ایک طرف تین سو تیرہ مسلمان تھے جو ہتھیاروں سے بھی پورے آرستہ نہ تھے، دوسری طرف ایک ہزار قریش کی لوہے میں غرق فوج تھی۔ دنیا قیاس

• مسند احمد، ج ۱، ص: ۲۴۸۔ • بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي ﷺ: ۳۹۰۶۔

کر سکتی ہے کہ اس جگہ کا خاتمہ کس کے حق میں ہوتا، لیکن چونکہ یہ اسلام کی ہمیشہ کے لئے موت و حیات کی ساعت تھی۔ اس لئے کار ساز قدرت نے اپنی عجیب و غریب نشانیوں سے حق کو فتح اور ہائل کو شکست دی۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بدر سے پہلے آنحضرت ﷺ کو اس معمر کہ کا نقشہ عالم روایا میں دکھایا گیا تھا اور اس میں کفار کی تعداد بہت کم دکھائی گئی تھی۔ جوان کی ذلت اور شکست کی طرف اشارہ تھا۔ مسلمانوں نے جب یہ خواب سناتوان کی ہمت ہوئی اگر عالم روایا میں کفار کی کثرت دکھائی جاتی تو مسلمانوں کے حوصلے پہلے ہی پست ہو جاتے۔ چنانچہ خود قرآن نے اس کی تصریح کروی:

﴿إِذْ يُرِيهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكُمْ قَلِيلًا وَكُوَّلًا لَكُمْ كُثِيرًا لِفَيُلْتُمْ وَلَتَنَازَعُنُّمْ فِي الْأَمْرِ وَلِكَنَّ اللَّهَ سَلَّمَ طِلَّةً عَلَيْمَ بِذَلِيلِ الصُّدُورِ﴾ (۸/الانفال: ۴۳)

”خدا کے احسان کو یاد کرو جب وہ تجوہ کو تیری خواب میں ان کافروں کو تھوڑا دکھارتا تھا۔ اگر تم کو زیادہ کر کے دکھاتا تو تم ہستہ ہار دیتے اور لڑائی کے باہر میں آپس میں اختلاف کرتے یعنی خدا نے چالیا۔ بے شک خدا سینوں کے راز جانتا ہے۔“

مسلمانوں کا کافروں کی نظر میں اور کافروں کا مسلمانوں کی نظر میں کم کر کے دکھانا اس معمر کہ میں سن چکے ہو، کافروں کی تعداد مسلمانوں سے تنگی تھی۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کا ببدل ہونا لازمی تھا۔ خدا نے اپنی قدرت کاملہ کا یہ تماشا دکھایا کہ مسلمانوں کی نگاہوں میں کچھ ایسا تغیر کر دیا کہ وہ مسلمانوں کو بہت تھوڑے معلوم ہونے لگے۔ اور ہر کفار کو مسلمان تھوڑے نظر آتے تھے۔ مقصود یہ تھا کہ رو سائے کفار میدان سے بھاگ کر جائیں پچا کرنے لے جانے پائیں۔ اس نے یہ تدبر کی کہ مسلمان اپنی تعداد سے بھی ان کو کم نظر آنے لگے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی فتح کو یقین کیجھ کر حصول نیجہ کے لئے نہ تو سرفروشنانہ کوشش کی اور نہ بھاگنے کی کوئی ضرورت کیجھی اور یہی بات مسلمانوں کے حق میں مفید ہو گئی:

﴿وَإِذْ يُرِيهُمُ إِذْ الْتَّقِيَّةِ فِي آعُيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقِيلُوكُمْ فِي آعُيُنِهِمْ لِيَقْضِي اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا﴾ (۸/الانفال: ۴۴)

”خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب تم دشمنوں سے صفائح آ را ہوئے تو وہ تمہاری نگاہوں میں ان کو تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھارتا تھا تاکہ اس کام کو جس کا ہونا مقرر ہے طے کر دے۔“

پھر کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کا دونا نظر آنا

پہلے تو خدا نے کافروں کی نگاہ میں مسلمانوں کو کم کر کے دکھایا، تاکہ کفار بے پرواہ کر لڑپڑیں۔ پھر جب دونوں صفیں گھے گئیں تو خدا کے حکم سے مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کی آنکھوں میں ان کی اپنی تعداد سے بھی دو گز

نظر آنے لگی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ قریش نے ذکر ہمت ہار دی:

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ أَيَّةٌ فِي فِتَنَيْنِ التَّقَاتَطِ وَفِتَنَةُ تِقَاتِلٍ فِي سَيِّلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَأَوْرَةٍ يَوْمَنَهُمْ فَإِذَا نَعْمَلُ رَأْيَ الْعَيْنِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ بِيُنْصِرِهِ مَنْ يَشَاءُ إِنَّ فِي ذَلِكَ عِبْرَةً لِأُولَئِكَ الْأَبْصَارِ ۚ﴾

(آل عمران: ۱۳)

”اے یہود یو! تمہارے لئے ان دونوں فوجوں میں جو صفات آ رہو ہیں جن میں ایک خدا کی راہ میں بڑھی تھی اور دوسرا خدا کی منکر تھی۔ یقیناً ایک نشانی تھی، کافروں کا شکر آنکھوں دیکھتے اپنی مقابل فوج کو اپنے سے دونا دیکھ رہا تھا اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو چشم بینار کھتے ہیں بڑی عبرت ہے۔“

فرشتوں کی آمد

یہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ کیوں نکر گئی؟ کیا آسمان سے فرشتے آتے آئے؟ خدا فرماتا ہے:

﴿إِذْ تَسْتَغْيِثُونَ بِرَبِّكُمْ فَإِسْتَجَابَ لَكُمْ إِنِّي مُهَدِّدٌ كُمْ بِالْفِيْقَ وَنَّ الْمُلِكَةَ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلْتُهُمْ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا وَلَتَظْمَمُنَّ إِلَيْهِ قُلُوبِكُمْ ۝ وَمَا التَّصْرُّ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۝ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝﴾

(الانفال: ۹، ۱۰)

”یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں لگاتار ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا اور خدا نے نہیں کیا، لیکن خوش کرنے کے لئے اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں ورنہ فتح تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ غالب حکمت والا ہے۔“

﴿إِذْ يُوقَنُ رَبِّكَ إِلَيْهِ الْمُلِكَةَ أَتَّى مَعْلَمَ فَقَتَّلُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۝ سَالِقُونَ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ لَفَرُوا الرُّّغْبَ ۝﴾

(الانفال: ۸)

”یاد کرو جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مسلمانوں کے دل مضبوط کئے رہو۔ کافروں کے دلوں میں میں عنقریب رب رعب ڈال دوں گا۔“

میدان جنگ میں پانی بر سانا

بدر کے میدان جہاں مسلمانوں نے اپنی صفائی قائم کی تھیں وہ جگہ بلند تھی اور جہاں سے قریش کی فوج اڑ رہی تھی وہ جگہ شیب تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی شکست کا ایک ظاہری سبب یہ پیدا کر دیا کہ عین اس وقت میدان جنگ میں موسلا دھار پانی بر سایا جس نے ادھر تو مسلمانوں کی طرف گرد و غبار بٹھا کر ان کے پاؤں جمادیے اور ادھر کافروں کی طرف پانی کا ریلا ہوا کہ ان کو زمین پر قدم رکھنا مشکل ہو گیا۔ خدا خود فرماتا ہے:

﴿وَيَنْزِلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّيْطَهُرُ كُمْ بِهِ وَيُدْهِبَ عَنْكُمْ رُجُزُ الشَّيْطَنِ وَلَيَنْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبُكُمْ وَيُثِيرَ بِهِ الْأَقْدَامَ﴾ (۱۱: الانفال) (۸/ الانفال)

”اور خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب وہ آسمان سے پانی بر سار ہاتھا، تاکہ تم کو اس پانی سے پاک کر دے اور ناپاک تم سے دور کرے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور اس سے تمہوں کو جمادے۔“

لڑائیوں میں نیند کا طاری ہونا

معرکہ جنگ وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑے بہادروں کی آنکھ سے نیند اڑ جاتی ہے۔ مگر ماہی تسلیمِ عالم ﷺ کا اعجاز یہ تھا کہ بدرواحد کے کارزاروں میں مسلمان سپاہیوں کی بے خطری اور بے خوفی کے لئے ان کی آنکھوں پر نیند کا غلبہ کر دیا گیا، تاکہ کسی خوف و خطر کا خیال کئے بغیر وہ اپنے فرض کو انجام دیں۔ چنانچہ خدا احسان جاتا تھا:

﴿إِذْ يُعَصِّيْكُمُ التَّعَاصَمُ أَمْنَةَ قِنْتُهُ﴾ (۱۱: الانفال) (۸/ الانفال)

”یاد کرو جب خدا اپنی طرف سے تمہاری بے خوفی کے لئے تم پر اونکھ طاری کر رہا تھا۔“

﴿لَمَّا أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّنْ بَعْدِ الْفَغْمِ أَمْنَةَ تَعَاصَمَ يَقْتَلُهُ طَآفِهَةُ مِنْهُمْ وَطَآفِهَةُ قُدْ أَهْمَّهُمْ أَنْفُسُهُمْ﴾ (۳: آل عمران) (۱۵۴)

”پھر خدا نے غم کے بعد بے خوفی کے لئے تم پر نیند اتاری جو ایک گروہ پر چہار ہی تھی اور دوسرا گروہ تھا جس کو اپنی جان کی فکر غم میں ڈالے تھی۔“

آپ ﷺ کا انکری پھینکنا

یہ سب کچھ تھا لیکن عین اس دارو گیر کے معرکہ میں ایک مقدس وجود پر سکون دل اور سر بخود پیشانی کے ساتھ ظاہری انکھیاروں سے منزہ ہو کر دعاوں میں مصروف تھا۔ اس نے سراہیا اس جیرتاک منظر پر نگاہ ڈالی اور زمین سے ایک مٹھی انکری اور خاک اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکی دفعہ باطل کا حلسم چور چور تھا۔ قرآن گواہ دیتا ہے:

﴿فَلَمْ يَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَ اللَّهُ فَتَّلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَ اللَّهُ رَمَى وَلَيُبَلِّيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَّاً إِنَّ اللَّهَ سَوِيعُ عَلَيْهِ﴾ (۸: الانفال) (۸/ الانفال)

”تو تم نے (مسلمانوں!) ان کو قتل نہیں کیا بلکہ خود خدا نے ان کو قتل کیا اور اے پیغمبر! تو نے نہیں پھینکا۔ جب تو نے پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا، تاکہ مسلمانوں کو اس سے فتح کی اچھی نعمت عطا کرے، خدا دعاوں کا سننے والا اور بھیدوں کا جاننے والا ہے۔“

کوئی رمی کے معنی تیر چھکنے کے نہ لے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر کیا، تمام عمر میں خحت سے بخت خطرہ میں کبھی تیغ و قبر اور تیر و خجراً سے دست مبارک کو آلوہ نہیں کیا۔

غزوہ بدر میں دو میں سے ایک کا وعدہ

پڑھ کچے ہیں کہ بدر کے مہر کے سے پہلے قریش کا ایک تجارتی قافلہ مال و اسباب سے لداہوا شام سے مکہ جا رہا تھا اور ادھر سے قریش کی فوج بڑے سر و سامان کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کو تکلیقی مدد یعنی سے نکلنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس صورت واقعہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک چیز تم کو ملے گی یا تو یہ تافلہ اور یادیہ قریش کی فوج نکلت کھائے گی اور تم کو غنیمت کا مال ملے گا، چنانچہ یہ صورت واقعہ بھی درست تکلیفی اور وعدہ بھی پورا ہوا:

«وَلَا يَعْدِدُهُمُ اللَّهُ أَحْدَى الطَّاقَاتِنِ إِنَّهَا لِلَّهِ الْكُمُّ» (۸/الانفال: ۷)

”اور یاد کرو جب تم سے اللہ وعدہ کر رہا تھا کہ ان دو گروہوں میں ایک تمہارا ہے۔“

غزوہ احزاب کی خبر

غزوہ احزاب جس میں دفعۃ متعددہ عرب قبائل کا سیلا ب مدینہ کے چاروں طرف اٹھا یا تھا۔ واقعہ سے بہت پہلے آنحضرت ﷺ کو عالم رویا میں اس کی اطلاع دی جا چکی تھی اور آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو اس مصیبۃ کے آنے سے پیشتر باخبر کر دیا تھا۔ چنانچہ جب یہ صورت حال نظروں کے سامنے آگئی تو اس نشان کے ظاہر ہونے سے مسلمانوں کے ایمان میں اور زیادہ پختگی آگئی اور ان کے دلوں میں آپ کی صداقت کا مزید یقین پیدا ہو گیا:

«وَكَتَارَ الْمُؤْمِنُونَ الْأَخْرَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ

وَمَا زَادُهُمْ لَا إِيمَانًا وَلَا سُلْطَانًا» (۳۳/الاحزاب: ۲۲)

”اور جب مسلمانوں نے ان متعددہ حملہ آور قبائل کو دیکھا تو کہا یہی وہ ہے جس کا وعدہ ہم سے خدا اور اس کے رسول نے کیا تھا اور خدا اور اس کے رسول نے سچ کیا تھا اور اس واقعہ نے ان کو ایمان اور اقرار میں اور زیادہ پختگی کر دیا۔“

غزوہ احزاب میں آندھی

اس غزوہ میں عرب کے مختلف قبائل نے مل کر مسلمانوں پر متعدد حملہ کیا تھا اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور ڈیرے نیچے ڈال کر اس بات پر جم گئے تھے کہ ہم اسی محاصرہ کی حالت میں مسلمانوں کو مدینہ میں گھیر کر ان کا خاتمہ کر دیں گے۔ چنانچہ ۲۰ دن تک وہ محاصرہ کئے پڑے رہے آس پاس کے یہودی جو پہلے مسلمانوں سے عہد کر چکے تھے۔ ڈشمنوں سے جا کر مل گئے اور اس قدر زور کا حملہ کیا کہ مسلمان فریضہ نماز بھی

وقت پر ادنیں کر سکتے تھے۔ مدینہ میں فاقہ ہونے لگا۔ منافقین اور کچے دل کے لوگ گھبرا کر ساتھ چھوڑنے لگے کہ عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے باہر اس زور کی آندھی چلائی کہ دشمنوں کے خیمے اکھڑے گئے۔ طنائیں نوٹ گئیں، ہائیاں الٹ گئیں اور ایسی سخت سردی پڑی کہ دشمن شکھر کر رہے گئے اور ہمت ہار کر خود محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے خدا نے مسلمانوں کو اپنا یہ احسان جتایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا بِعْدَهُ اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتُكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِبْعًا﴾

﴿وَجُنُودًا مِّنْ تَرْوَهَا وَسَكَانَ اللَّهُ بِهَا أَعْلَمُونَ بَصِيرَةً﴾ (۹/الاحزاب: ۳۲)

”مسلمانو! اپنے اوپر خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب فوجوں نے تم پر حملہ کیا تو ہم نے ان پر ہوا اور ایسی فوجیں بھیجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جو تم کر رہے ہیں تھے خدا اس کو دیکھ رہا تھا۔“

غزوہ حنین میں نصرت

فتح کمکے بعد غزوہ حنین پیش آیا گواں میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی بھیڑ شامل تھی۔ لیکن اس میں کچھ نوجوان تھے جو لا ای کا تجربہ نہیں رکھتے تھے، کچھ مکہ کے نو مسلم تھے جو ابھی صبر و ضبط کے خونگزیں ہوئے تھے۔ فوج میں زرہ پوش بھی کم تھے اور مقابلہ قبیلہ ہوازن سے پڑا جو قدر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ مسلمان جو بھی آگے بڑھے حریف نے ان کو تیروں پر کھلایا پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے قدم اکھڑے گئے، لیکن مرکز نبوت اپنی جگہ پر تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عباس بن عبد الرحمن کو حکم دیا انہوں نے مہاجرین و انصار کو آوازیں دیں، وہ پائی تو آپ سوری سے نیچے اترے اور زمین سے ایک مشت خاک اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھیکی۔ دفعہ جنگ کا نقشہ بدلت گیا۔ ہوازن شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ یہ واقعہ صحیح مسلم اور دیگر معتبر روایتوں سے مذکور ہے اور قرآن اس کی صداقت کی گواہی دیتا ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ إِذَا عَجَّلْتُمْ كَثُرَكُمْ فَلَمْ تُقْنِ عَنَّكُمْ
شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحِبَتْ ثُمَّ وَلَيْمَدُ مُذْبِرِينَ ۚ ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَةً عَلَى
رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا مِّنْ تَرْوَهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَطْ

(التوبہ: ۲۵، ۲۶)

”خدا نے تمہاری نصرت بہت سے مقامات میں کی اور نیز حنین کے دن جب تمہاری کثرت تعداد نے تم کو مغربہ بنا دیا تھا۔ تو یہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی، پھر پیچھے پھیر کر پیچھے ہے پھر اللہ نے اپنی تسلیم اپنے رسول پر اور مونوں پر نازل کی اور وہ فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کفر کرنے والوں کو پوری سزا دی۔“

”نظرتہ آنے والی فوجوں“ کے الفاظ سے قرآن مجید نے ہمیشہ فوق القیم اور غیر مادی ذرائع وسائل

کی تعبیر کی ہے۔

غیب پر اطلاع

غیب کا ذاتی علم تو خدا کے سوا کسی اور کوئی مگر وہ جس کو چاہے اپنی اس بخشش سے سرفراز بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی راگا ہوں کے سامنے کبھی دور دراز مقامات کی خبریں، کبھی لوگوں کے دلوں کے حالات، کبھی مخفی واقعات آئینہ کر دیے جاتے تھے۔ مسلمان تو مسلمان، وہ بھی جو سچے دل سے آپ ﷺ کی صداقت کے قائل نہ تھے۔ اس سے ڈرتے تھے کہ وہی الہی جس کے متعلق انہیں تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ واقعات غیبی کی پر وہ درہ ہے، کہیں ان کے مخفی جرائم اور دل کی کھونٹوں کو بر ملا ظاہر نہ کروے:

﴿يَعْلَمُ الرَّبُّ الْمُنِفِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّهُمْ يَا فِي قُلُوبِهِمْ﴾

(السویہ: ۶۴)

”منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورہ اترے جو ان کو ان باتوں سے آگاہ کر دے جو منافقوں کے دلوں میں ہیں۔“

بنو نصیر کی اطلاع

ایک دفعہ ایک ضروری کام کے لئے آنحضرت ﷺ چند رفتائے خاص کے ساتھ بنو نصیر کے قلعہ میں تشریف لے گئے۔ یہودی نصیر نے آنحضرت ﷺ اور دیگر اکابر اسلام کے خفیہ قتل کا اس کو بہترین موقع سمجھا۔ چنانچہ جس دیوار کے نیچے آپ کھڑے تھے۔ اس کی چھپت پر ایک شخص چڑھ لیا کہ اور پر سے ایک بھاری پھر آپ پر گردے کے دب کر مر جائیں۔ اللہ تعالیٰ جو اپنے پیغمبر کی حفاظت کا کفیل تھا۔ اس نے بروقت اطلاع دی اور آپ فوراً ان کے دام سے باہر نکل آئے اور ان کو اس ارادہ فاسد کی اطلاع بھیج دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْكَنُوا أَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمْ كَوْمٌ أَنْ يَكْسِطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيهِمْ فَلَكُمْ أَيْدِيهِمْ عَنْكُمْ وَأَنْتُمُ الظَّاهِرُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَلَيَسْتَكِلُ الْمُؤْمِنُونَ﴾

(المائدۃ: ۱۱)

”اے مسلمانو! خدا کے اس احسان کو جو اس نے تم پر کیا یاد کرو کہ جب ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا قصد کیا تو خدا نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔“

مہاجرین جہش کو بشارت

قریش کے گوناگون مظالم سے بچنے کا مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنے ملک وطن کو خیر باد کہہ کر جہش

چلی گئی۔ اول تو غیر ملک اور بد لیں میں ان مسلمانوں کا جانا ہی فکر و تردکار باعث تھا اور معلوم نہ تھا کہ جس کے عیسائی بادشاہ اور امراء نے مذہب کے ان پیر و دوں کے ساتھ کیونکر پیش آئیں گے، اس سے زیادہ فکر کی یہ چیز تھی کہ رؤسائے قریش کے تجارتی تعلقات کے باعث جس کے امر اُن سے شناستھے اور باہم ان کے درمیان دیرینہ روابط تھے۔ اس کے بعد اس سے بھی زیادہ تر دو انگلیز یہ واقعہ ہوا کہ رؤسائے قریش نے اپنے گزشتہ تعلقات کی بنا پر نجاشی کے دربار میں تخفہ تھائیں دے کر اپنے سفراء اس غرض سے بھیجے، تاکہ ان بے طن مسلمانوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت نہ دے، یہ تمام اسباب ایسے تھے جن کی بنا پر مسلمانوں کو عموماً اور مہاجرین کو خصوصاً اپنے مستقبل کی نسبت سخت تشویش پیدا ہو ناضر و روی تھا، اس بنا پر سکینت الہی نے ان کو امن و امان کا پیام سنانا ضروری سمجھا۔ چنانچہ اسی تشویش ناک اور تردد انگلیز عہد میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا أَنْبُوَتَهُمُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَا كُجزًا لِآخِرَةٍ﴾

أَكْبَرُ» (٤١ / النحل)

”اور جن لوگوں نے اللہ کی خاطر، مظلومی کی حالت میں بھرت کی ہم ان کو بالیقین دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب سب سے بڑا ہے۔“

اگرچہ بھرت کا لفظ عام ہے مگر اس دلیل سے کہ یہ سورہ قیام مکہ کے زمانہ کی ہے اور جن لوگوں نے اس عہد میں بھرت کی تھی ان کا ذکر ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص مہاجرین جس کے لئے بشارت ہے، سب کو معلوم ہے کہ خدا کا یہ وعدہ کتنا سچا ہوا۔ نجاشی نے نہ صرف یہ کہ قریش کے سفراء کو خلاف توقع ناکام واپس کر دیا بلکہ مسلمانوں کو اس نے بڑی عزت سے جگہ دی اور خود اسلام کی طرف میلان ظاہر کیا۔ بعض مسلمان چودہ چودہ برس وہاں رہے اور اس اثنائیں کئی نجاشی سریر آ را ہوئے مگر کسی نے ان سے تعزیز نہیں کیا۔

بھرت کے بعد قریش کو مہلت نہ ملے گی

آنحضرت ﷺ نے جس بے سروسامانی کے ساتھ بھرت فرمائی تھی اس کی تفصیل اوپر گزر رکھی ہے، اس حالت کو دیکھ کر کسی شخص کے دل میں یہ خیال بھی نہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ بے خانماں قافلہ ایک دن مدینہ سے اس قدر طاقتور ہو کر نکلا گا کہ جن لوگوں نے ابتدائی نبوت سے آغاز بھرت تک اس کی جان لینے میں کوئی کسر اٹھانیں رکھی، وہ ان کے ہاتھوں خود ہلاک و بر باد ہو جائیں گے لیکن قرآن مجید دوسری پیشین گوئی کر رہا تھا چنانچہ بھرت سے ایک سال پہلے کہ معظمه میں یہ آیت اتری:

﴿وَإِنْ كَادُوا إِلَيْسَ تَفِرُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُغْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا يَلْبُسُونَ خَلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا﴾

(۷۶: بنی اسراء یل: ۷۶)

”اگر وہ تم کو سرزی میں مکہ سے گھبراچے، تاکہ تم کو اس سے نکال دیں تو وہ تمہارے بعد بہت کم

مدت تک باقی رہیں گے۔“

چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف پوری اتری اور ایک ہی سال کے بعد غزوہ بدر نے صنادید قریش کا خاتمه کر دیا اور اہل عرب کی مخالفت کی جڑکت گئی۔

مدینہ میں بڑے بڑے مصائب کا سامنا ہوا

عجب نہیں کہ مدینہ آ کر مسلمانوں کو یہ اطمینان ہو گیا ہو کہ ان کی تمام تکلیفوں کا خاتمه ہو گیا اور اس وقت کوئی ایسا قریبہ بھی نہ تھا جس سے یہ معلوم ہوتا، کہ قریش انتقام کے جوش میں نیام سے تکاریں کھینچ لیں گے اور تمام عرب اس ہم میں ان کا ہم آہنگ ہو جائے گا اور متصل آٹھ برس تک لا ایکوں کا سلسلہ قائم رہے گا۔ جس میں مسلمانوں کو شندستی، فاقہ، قتل و خونریزی ہر نوع کی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ مگر عالم غیب کا پیغام محمد رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی کھینچ چکا تھا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ شَيْءٌٰ مِّنَ الْخُوفِ وَالْجُوعِ وَنَعْصِ قَنَ الْأُمُوَالِ وَالآنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط﴾

(الفقرہ: ۱۵۰)

”اور ہم یقیناً تم کو کسی قدر خوف، فاقہ اور جانوں کی اور مال اور پہلوں کی کی کی مصیبتوں سے آزمائیں گے۔“

دینی و دنیاوی شہنشاہی کا وعدہ

لیکن اس بے سروسامانی کے عالم میں اس بے خانماں گروہ کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے ایک وعدہ اور بھی کیا اور ان کو خلافت ارض یعنی دینی و دنیاوی شہنشاہی کی بشارت دی۔ یہ بشارت و اتعات موجودہ کے کس قدر خلاف تھی؟ مگر چند ہی سال میں محل نے موقع کی صورت اختیار کر لی:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ أَمْتُوا مِنْهُمْ وَعَيَّلُوا الصَّلَاحِ لِيَسْتَغْلِفُوهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفُوا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ دِيْنُهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيَسَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ حُكْمِهِمْ أَمْنَاطٍ﴾ (النور: ۲۴ / ۵۵)

”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا۔ خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے تم سے پہلے کے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور جو دین ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو محکم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔“

مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے یہ بشارت کس قدر عجیب و غریب تھی۔ مسلمانوں کا گروہ ایک مظلوم بے کس اور ضعیف گروہ تھا۔ جس کو کفار نے طرح طرح کی اوپنیز دے کر خانماں برپا کر دیا تھا اور اس نے مدینہ میں آ کر خدا کے چند نیک بندوں کے سایہ میں پناہ لی تھی۔ یہاں آ کر بھی اس کو اطمینان و راحت کی نہیں

نصیب نہ ہوئی، کفار مکہ پہلے ہی سے جان کے دشمن تھے یہاں آ کر دشمنوں کی تعداد میں منافقین اور یہود کا اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ ﷺ کو ہمیشہ کفار کے حملہ کا خوف لگا رہتا تھا اور ذرا سے شور و غل پر مدینہ میں بدحواسی پھیل جاتی تھی۔ یہاں تک کہ صحابہ ﷺ ہمیشہ سوتے جاتے مسلک رہتے تھے۔ چنانچہ اس مظلوم گروہ نے اس حالت سے ٹنگ آ کر ایک دن کہا کہ کیا بھی وہ دن بھی آئے گا، جب ہم کو اطمینان حاصل ہو گا اور خدا کے سوا کسی اور کاڈرن ہو گا، اس پر ان کو قرآن مجید نے خلافت ارض کی بشارت دی ॥ اور وہ پوری ہوئی۔ اس گروہ نے دنیا پر اس طرح کامیاب حکومت کی کہ اس کے سامنے تمام ممتدن حکومتوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس سے بڑھ کر اس پیشین گوئی کی صداقت کیا ہو سکتی ہے۔

قبائل عرب کی شکست ہو گی

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو غزوات پیش آئے اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا کفار کو جو شکستیں ہوئیں۔ قرآن مجید نے ان کے متعلق پیشین گویاں کیں اور اس حالت میں کیں جب ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی کو وہم و مگان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جب ہر طرف سے کفار کا ہجوم تھا اور اس ہجوم کو دیکھ کر ان کو یقین تھا کہ تمام عرب مل کر مسلمانوں کا خاتمه کر دے گا۔ خدا نے یہ اعلان عام کر دیا کہ عنقریب خود مسلمان تمام عرب قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمه کر دیں گے:

﴿أَمْ يَقُولُونَ تَحْنُنُ جَمِيعَ مُنْتَهِرٍ ۝ سَيَهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلَُّونَ الدَّبَّرِ ۝﴾

(٤٤، ٤٥) / القمر

”کیا وہ کفار کہتے ہیں کہ تم سب ایک اور ایک دوسرے کے مدگار ہیں۔ یہ جتنا عنقریب توڑ دیا جائے گا اور وہ پشت پھیریں گے۔“

﴿وَلَوْ فَتَلَمُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَلَوْ أَلَّا دَبَّارٌ هُمْ لَا يَجِدُونَ وَلَيَأْ وَلَأَ نَصِيرُهُمْ ۝﴾

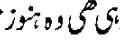
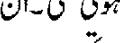
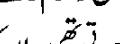
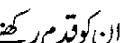
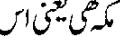
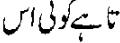
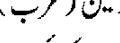
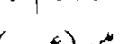
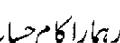
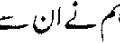
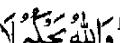
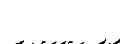
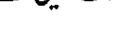
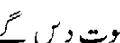
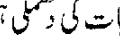
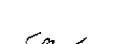
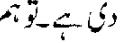
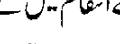
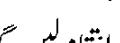
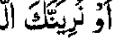
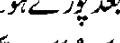
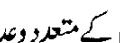
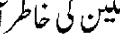
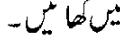
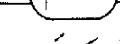
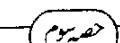
(٤٨) / الفتح

”او اگر کفار تم سے لڑیں گے تو ان کو بھاگنا پڑے گا پھر وہ کوئی حامی اور مدگار نہ پائیں گے۔“

﴿قَاتُلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيهِمْ وَبَخْرِهِمْ وَيَصْرُلُهُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفُ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ وَيَدْهِبُ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۝﴾ (١٤، ١٥) / التوبہ

”تم ان سے لڑو، خدا ان کو تمہارے ہاتھ سے عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور تم کو ان پر فتح دے گا اور مسلمانوں کے دل بھٹکے کرے گا اور ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا۔“

اور یہ تمام پیشین گویاں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پوری ہوئیں اسلام نے عرب کے تمام قبائل کی



قدم پر ان کے لئے تسلیم کا نیا پیام لا رہی تھی اور مژده فتح سے ان کو دشاد کرتی جاتی تھی۔ سورہ قصص میں یہ آیت اتری:

﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْقُرْآنَ لِرَأْدَكُ إِلَى مَعَادٍ﴾ (۲۸/القصص: ۸۵)

”جس نے تھجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ تھجھ کو ٹھکانے کی طرف پھر لوٹا کر لے جانے والا ہے۔“

یعنی کہ ॥ پھر سورہ حف میں خدا نے مسلمانوں کو آخرت میں جنت کی بشارت دینے کے ساتھ اس دنیا میں بھی ایک بشارت دی:

﴿وَآخَرِيٌّ تُجْبِونَهَا طَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَقُنْمٌ قَرِيبٌ طَوَّبَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۶۱/الصف: ۱۳)

”اور دوسری نعمت جس کو تم دل سے چاہتے ہو وہ خدا کی طرف سے نصرت اور عنقریب فتح ہے اور مسلمانوں کو بشارت سنادے۔“

صلح حدیبیہ سے پہلے خواب میں آپ ﷺ کو خانہ کعبہ کا داخلہ دکھایا گیا:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولُهُ الرُّؤْمِيًّا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ السَّجْدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ أَمْبَيْنَ﴾

﴿مُعْلَقِيْنَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُونَ﴾ (۴۸/الفتح: ۲۷)

”خدانے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دیا، تم لوگ یقیناً مسجد حرام میں اگر خدا نے چاہا تو بے خوف و خطر داخل ہو گے۔ بال منڈا کریا ترشا کر، کسی سے نہ رو گے۔“

حدیبیہ سے آپ ﷺ اپنے آرہے تھے کہ سورہ فتح نازل ہوئی:

﴿إِنَّا فَعَلَنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ (۴۸/الفتح: ۱) ”ہم نے کھلی فتح تم کو دی۔“

آپ ﷺ نے اسی وقت حضرت عمر بن الخطاب کو بوا کریہ خوش خبری سنائی، ॥ اس کے دو برس کے بعد مکہ کی دولت مسلمانوں کو مل گئی۔

خبر اور خین کی فتح کی پیشین گوئی

۱۔ کی صلح حدیبیہ میں فتح کی پیشین گوئی کی جا چکی تھی۔ جو ۸۰ھ میں پوری ہوئی۔ لیکن حدیبیہ کی صلح میں مسلمانوں نے رسول کی اطاعت اور متابعت کا جو بہترین نمونہ پیش کیا تھا اور جس صبر اور تحمل سے صلح حدیبیہ کے شرائط کو مسلمانوں نے تعلیم کر لیا تھا اس کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ نے دوسری فتوحات عظیمہ کا وعدہ مسلمانوں سے کیا۔ جن میں بے شمار مغلیمت ان کو با تھا نے والا تھا:

﴿فَعَلَمَ مَا كُمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ إِلَيْهِمْ﴾

صحیح بخاری، تفسیر آیت مذکور: ۴۷۷۳۔ ۲ بخاری: ۴۸۳۳۔

وَدِینُ الْحَقِّ لِيُظْهَرَةٌ عَنِ الَّذِينَ كُلَّهُ طَوْكَفِي بِاللَّهِ شَهِيدًا طَاطَ

(الفتح: ٤٨، ٢٧)

”تو خدا نے وہ جانا جو تم نے نہیں جانا اور اس (فتح مکہ) سے پہلے ایک عنقریب فتح تمہارے لئے بنائی اور اسی نے اپنے خبرگار کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور خدا گواہ کافی ہے۔“

یہ خبرگار فتح تھی جو صلح حدیبیہ کے ایک سال کے بعد اور فتح مکہ سے ایک سال پہلے حاصل ہوئی اور جس پر عرب میں یہودیوں کی قوت کا خاتمه ہو گیا اور اسلام کو عرب کے تمام مذاہب پر غلبہ عام حاصل ہو گیا:
 »لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يَأْتِيُونَكُمْ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلَمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ
 السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَآتَاهُمْ فَتَحًا قَرِيبًا وَمَعَانِيهِ كَثِيرَةٌ يَأْخُذُونَهَا طَاطَ

(الفتح: ٤٨، ١٨)

”خدا مسلمانوں سے خوش ہو گیا۔ جب وہ درخت کے نیچے تھے سے بیعت کر رہے تھے تو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا (یعنی فتح مکہ کے لئے بے چینی) اس کو جان لیا تو اس نے ان پر تسلیم نازل کی اور مکہ کے بدلے میں سردست ایک فتح ان کو دی اور بہت سامال غنیمت جس پر وہ قبضہ کریں گے۔“

»وَعَدَ اللَّهُ مَعَانِيهِ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ
 وَلَتَكُونَ أَيَّةً لِلْمُؤْمِنِينَ

(الفتح: ٤٨، ٢٠)

”خدا نے تم سے بہت سی غنیموں کا وعدہ کیا ہے جس کو تم لو گے۔ تو یہ ایک غنیمت تم کو جلد عطا کر دی اور لوگوں کی دست درازی کو تم سے روک دیا اور تاکہ مسلمانوں کے لئے ایک نشانی ہو۔“
 چنانچہ خبرگار فتح میں مسلمانوں کو خبرگار کی تمام سربراہی و شادابی زمینیں اور ہرے بھرے نخلستان میں لے گئے اور اس کے ایک سال بعد حسین کی فتح میں مال غنیمت کا بے شمار ذخیرہ (چھ ہزار اسیر ان جنگ، چوپیں ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چار اوپریہ چاندی) مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔
 یہود کو اعلان

عرب کے یہود اگرچہ آنحضرت ﷺ کی خلافت میں جان و مال سے دریغ نہیں کرتے تھے، تاہم یہ آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا مجزہ ہے کہ قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق بعض پیشین گویاں ایسی کیں کہ اگر وہ ہمت سے کام لیتے تو اس کا ابطال خوداں کے امکان میں تھا۔ مثلاً: یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ”وہ خدا کے چہیتے ہیں اور جنت ان کیلئے مخصوص ہے۔“ لیکن چونکہ جنت صرف مرنے کے بعد نصیب ہو سکتی ہے اور جن

لوگوں کو اس کے ملنے کا یقین کامل ہوا وہ اس کے لئے جان دینے سے درج نہیں کر سکتے۔ اس لئے قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق کہا کہ

﴿فَلَنْ يَأْتِكُنْ أَنْتُ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ إِنَّ اللَّهَ خَالِصَةُ مَنْ دُونَ النَّاسِ فَتَمَّوَ الْمُوتَ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ وَلَكُنْ يَتَمَّوْنَهُ أَبْدًا يَا قَدَّمْتُ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِ بِالظَّلَمِينَ﴾

(۹۰:۹۴) / البقرہ

”کہہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے لئے مخصوص ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو۔ لیکن وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز یہ آرزو نہ کریں گے۔ خدا خالموں کو خوب جانتا ہے۔“

﴿فَلَنْ يَأْتِهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ رَعَمْتُمْ أَنَّمَا أَنْهَا أُولَئِكُمُ الَّذِي مِنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَّوَ الْمُوتَ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ وَلَا يَتَمَّوْنَهُ أَبْدًا يَا قَدَّمْتُ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِ بِالظَّلَمِينَ﴾

(۶۰:۶۷) / الجمعة

”کہہ اے یہود! اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ صرف تمہیں خدا کے دوست ہو تو اگر تم اس میں سچے ہو تو موت کی آرزو کرو وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز اس کی آرزو نہ کریں گے خدا خالموں کو خوب جانتا ہے۔“

لیکن باوجود اس کے کہہ آنحضرت ﷺ کی تکذیب کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے اور آرزوئے موت ان کے لئے ممکن نہ تھی، تاہم قرآن مجید کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور آج تک کسی یہودی نے لقاءِ الہی کی آرزو میں جان نہیں دی۔

یہودی داعیٰ ناکامی

یہود سے دم پدم مقابله درپیش تھا اور پورے سات برس تک یہ مقابله درپیش رہا۔ یہود عرب میں بڑی طاقت رکھتے تھے۔ تمام مالی کاروبار ان کے قبضہ میں تھا۔ ان کے پاس بکثرت دولت تھی۔ عربوں سے تہذیب و تہذیب اور علوم و فنون میں علاویہ فائیق تھے۔ ہر طرح کے سامان جنگ رکھتے تھے اور فن جنگ سے بھی کماہنة واقف تھے مدینہ سے لے کر حدود شام تک ان کے تجارتی تلعوں کی مسلسل قطاریں تھیں اور ادھر مسلمانوں کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہ تھی با ایں ہمہ قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی زبانی یہ اعلان عام کر دیا:

﴿وَلَوْ أَمِنَ أَهْلُ الْكِتَابَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَنَهْمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَسِيْقُونَ وَلَنْ يَخْرُجُنَّ إِلَّا أَذْعَى وَلَنْ يَقْاتِلُوكُمْ يُوْمَئِمُ الْأَدْبَارَ لَمَّا لَا يُنَصَّرُونَ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْرَّلَةُ أَيْنَمَا تُقْفَوُ إِلَّا يَحْمِلُ مَنْ اللَّهُ وَحْدَهُ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضْبٍ مِنْ اللَّهِ وَضُرِبَتْ

عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ﴿٢﴾ (آل عمران: ١١٠ تا ١١١)

”اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے یہ بہتر ہوتا۔ ان میں بعض ایماندار اور اکثر فاسق ہیں۔ وہ تم کو سوا تھوڑی تکلیف دینے کے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے لڑیں تو پشت پھیر دیں۔ پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی ان پر ذلت جہاں کہیں وہ ہوں پھینک ماری گئی ہے۔ لیکن خدا کے کسی وسیلہ سے یا لوگوں کی سفارش سے کبھی کبھی اس ذلت سے نجی جائیں۔ خدا کا غضب لے کر وہ لوٹیں گے اور بے چارگی ان پر چھا جائے گی۔“

اس وقت سے آج تک ان کی ایشیا، افریقہ اور یورپ ہر جگہ کی تاریخ اس صداقت سے معمور پیشیں گوئی کی حرف بحر قدر تصدیق ہے۔
روم کی قوت ٹوٹ جائے گی

۸ ھے کے بعد مسلمانوں کا مقابلہ عرب کے مشرکین اور یہود سے زیادہ سخت اور طاقت ورثمن روی عیسائیوں سے آپڑا، رومان ایسا پڑی وسعت، قوت سامان، نظام، فوج، خزانہ کو پیش نظر کر کر مسلمانوں کی حالت پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ایک پر کاہ کا کوہ سے مقابلہ ہے، تاہم اسلام کے پیغمبر کی زبان سے اسی وقت یقین و تسلی کے کلمات دنیا نے سن لئے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الَّذِينَ كُفَّرُوا﴾

(الصف: ۶۱)

”وہی خدا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سجادین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اس دین کو تمام دنیوں پر غلبہ عطا کرے۔“

دنیا کو اس پیشیں گوئی کی تصدیق کے لئے صرف سال کا انتظار کرنا پڑا۔

خلافے راشدین کے زمانہ کی لڑائیاں

لیکن قرآن مجید کی پیشیں گویاں صرف انہی غزوات کی ساتھ مخصوص نہ تھیں جو عہد نبوت میں پیش آئے۔ بلکہ اس کے بعد بھی خلافے کے زمانہ میں جو عظیم الشان لڑائیاں واقع ہوئیں۔ ان کے متعلق قرآن مجید نے پہلے سے پیشیں گوئی کر دی تھی اور وہ آئندہ زمانہ میں پوری ہوئیں۔ مسلمانوں کو ایرانیوں اور رومیوں سے جو جنگ کرنا پڑی وہ تاریخ اسلام کا ایک نمایاں واقعہ ہے۔ لیکن قرآن مجید نے اس کے نتائج کا پہلے ہی سے اعلان کر دیا تھا:

﴿فُلُّ الْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولَئِيْ بَأْسٍ شَدِيدٍ تَّقَاتِلُونَهُمْ أَوْ

﴿سُلَمُونَ﴾ (الفتح: ۴۸)

”جہاد میں جان چرانے والے بدوؤں سے کہہ دو کہ تم کو ایک سخت طاقتور قوم سے جنگ کرنے کے لئے بلا یا جائے گا تم لوگ ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوں گے۔“
چنانچہ یہ جنگ ہوئی اور وہی نتیجہ ہوا، جس کو قرآن مجید نے دو صورتوں یعنی قتل اور اسلام میں محدود کر دیا تھا۔

وفات نبوی ﷺ کی پیشین گوئی

مکہ کی فتح کے بعد آپ ﷺ کی زندگی کا مقصد پورا ہو گیا اور اس عام اصول کی بنیار کا نیا اپنی زندگی کا مقصد پورا کرنے کے بعد نہیں رہتے وہ وقت آیا کہ آپ ﷺ اپنے اصلی مرکز یعنی ملائے اعلیٰ سے جا ملیں۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے اس راز کو ایک مستقل پیشین گوئی کی صورت میں ظاہر کر دیا:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفَوَاجَأَهُنَّ فَسَخَّرُوا مِنْهُمْ﴾

رسِلَكَ وَأَسْتَغْفِرَةً إِنَّهُ كَانَ يَوْمًا بَلِهً﴾ (النصر: ۱۱۰)

”جب خدا کی مدد اور فتح آگئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں جہنم کے جہنم داخل ہو رہے ہیں تو خدا کی تشیع اور استغفار کرو۔ وہ بڑا توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔“

اس سورہ میں آپ ﷺ کے وصال کی پیشین گوئی اگرچہ نہایت بہم الفاظ میں کی گئی ہے۔ لیکن اشارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مژده فتح نہیں بلکہ مژده وصال ہے۔ کیونکہ مژده فتح کے ساتھ تشیع و استغفار کو کوئی مناسبت نہیں۔ بلکہ اس کے لئے شکر موزوں ہے۔ تشیع و استغفار کا اصلی وقت وہ ہے۔ جب انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو لوگ مکتہ داں شریعت تھے وہ اس راز کو کہہ گئے تھے۔ ﴿

آیات و دلائل نبویہ ﷺ

بروایات صحیحہ

گزشتہ صفحات میں صرف وہی آیات و دلائل بیان کئے گئے ہیں، جو صراحتہ قرآن مجید میں مذکور ہیں یا کم از کم ان کے اشارات قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں لیکن ذیل میں ان آیات و دلائل کا استقصاص مقصود ہے، جو صحیح اور مستند روایتوں سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، اس قسم کے آیات و دلائل کا بڑا حصہ گو فرد افراد اخبار احادیث سے ثابت ہے، مگر مجموعی حیثیت سے ان کا درجہ خبر مشہور تک پہنچ جاتا ہے، مثلاً: تھوڑی سی مقدار کا بڑھ کر زیادہ ہو جانا، ہاتھ سے پانی کے چشمہ کا ابلنا، امراض سے غیر معمولی طور پر شفایابی حاصل کرنا، دعاؤں کا غیر معمولی طریق سے قبول ہو جانا، ان میں سے ہر قسم کے مجرمات کے جزئی جزئی واتغے گو صرف ایک ایک دو دور ادیوں کی زبانی بیان ہوئے ہیں، مگر ان میں سے ہر قسم کے مجرمہ کے متعلق تو برتو شہادتیں موجود ہیں، جن کی بنابر ان میں سے ہر قسم کے مجرمات خبر متواتر نہیں تو خبر مشہور تک ضرور پہنچ جاتے ہیں۔ البتہ بعثت سے پہلے جو عجائب آپ ﷺ سے صادر ہوئے یا جو غیر معمولی سوانح آپ ﷺ کو پہنچ آئے، ان کی صحت محدثانہ اصول سے بہت کم ثابت ہے، لیکن اس کی وجہ اس عہد میں اس قسم کے واقعات کا کم ہونا یا غالط ہونا نہیں ہے، بلکہ اس عہد کے واقعات کے راوی چونکہ عموماً اس باپ اور خاندان کے بڑے بزرگ ہوا کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے عہد بعثت کے بعد بلکہ تمدینہ کی پر امن زندگی کے شروع ہونے کے بعد جب اسلام کے سلسلہ روایات کا صحیح طریقہ سے آغاز ہوا، تو آپ ﷺ کے خاندان کے بزرگوں میں سے جنہوں نے آپ ﷺ کے بھی انتقال ہو چکا تھا، چنانوں میں ابوالہب آپ ﷺ کا دشمن ہی تھا، ابوطالب آغاز اسلام ہی میں مر چکے تھے، حضرت حمزہ حسن تھے اور رضا ہی میں شہادت پا چکے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ صرف دو برس بڑے تھے، اس بنابر محمدانہ اصول تقيید کے معیار پر اس زمانہ کے واقعات کا سلسلہ روایت بہت کم صحیح ارتقا ہے اور اس لئے وہ غیر مستند تھے ہر تھے ہیں۔

بہر حال تمام صحیح مجرمات کے استقصاص سے کچھ واقعات بعثت سے پہلے کے معلوم ہوتے ہیں کچھ مکہ کی زندگی کے اور زیادہ تمدینہ کے عہد کے، جب اسلامی روایتوں کا سلسلہ روایوں کی کثرت کے باعث مختکم ہو چکا تھا، ملتے ہیں بعثت کے بعد جو مجرمات ظاہر ہوئے ہیں، وہ نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہیں، مثلاً: بعض واقعات اجسام کا نبات میں تصرف اور تاثیر کے ہیں، بعض تکثیر اشیاء کے ہیں، بعض استجابت دعا اور شفایے امراض دیگرہ کے ہیں، اس لئے ذیل میں ہر نوع کے مجرمات کو ہم علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔

علاماتِ نبوت قبل بعثت

هر شخص اس کو تسلیم کرے گا کہ ممتاز افراد کے سوانح زندگی میں شروع ہی سے ایسے آثار پائے جاتے ہیں، جو ان کے روشن مستقبل کی پیشیں گوئی کرتے ہیں، جب یہاں عام ممتاز افراد انسانی کا یہ حال ہے، جو خاندانوں، قوموں اور ملکوں کے صرف ظاہری راہنماء اور رہبر ہوتے ہیں، تو اس حیثیت سے ان برتر ہستیوں کی نسبت کیا شہبہ ہو سکتا ہے، جو قوموں کے روحانی پیشو اور انسانیت کے حقیقی رہبر اور راہنماء ہوتے ہیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے ابتدائی سوانح زندگی میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں کتب سیر و دلائل کے مصنفوں نے آنحضرت ﷺ کی ولادت سے لے کر بعثت تک کے ان تمام واقعات کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے، مگر جیسا کہ پہلے گزر چکا محمد ثانیہ اصول کی سخت گیری نے ہمارے لئے ان کا دائرہ بہت تنگ کر دیا ہے، صحیح روایتوں سے اس عہد کے جو واقعات علامات نبوت کے تحت میں آئکتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

حضرت آمنہ کا خواب

متعدد صحابیوں سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اپنا حال بیان فرمائیے، فرمایا: ”میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں، میری ماں نے جب میں پیٹ میں تھا، خواب دیکھا کہ ان کے بدن سے ایک نور نکلا ہے، جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔“ ^۱ یہ خالد بن معدان تابعی کی روایت ہے، جو گواہن سعد میں مرسل ہے، مگر مستدرک میں ہے کہ انہوں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ سے سنا، حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ صحابی کی روایت میں کچھ الفاظ زیادہ ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا کہ ”میں خدا کا بندہ اور خاتم الانبیاء اس وقت سے ہوں کہ میرا باپ (آدم) آب و گل میں تھا، میں اس کی تفصیل بتاتا ہوں، میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں آمنہ کا خواب ہوں اور اسی طرح پیغمبروں کی مائیں خواب دیکھا کرتی ہیں۔“ آنحضرت ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کی ولادت کے وقت خواب دیکھا کہ ایک نور ہے، جس سے شام کے محل روشن ہو گئے ^۲ پھر یہ آیت پڑھی: ^۳

﴿يَا أَيُّهُمَا الظَّبَابُ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًّا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسَرَاجًا مُّنِيرًا﴾ (الاحزاب: ۴۵، ۴۶)

”اے پیغمبر! میں نے تجوہ کو واہ اور خوب خبری سنانے والا اور ذرانتے والا اور خدا کے حکم سے خدا کی

¹ ابن سعد، ج ۱، ص: ۹۶؛ مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۶۰۰۔

² مسنند احمد، ج ۴، ص: ۱۲۷؛ مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۱۰۰ و ابن سعد، ج ۱، ص: ۹۶۔

³ مستدرک حاکم (صحیح)، ج ۲، ص: ۴۱۸۔

طرف پکارنے والا اور وشن چراغ بنانا کر بھیجا۔“

ولادتِ نبوی ﷺ کی پیشین گوئیاں یہود و نصاریٰ میں

احادیث، سیر اور دلائل کی کتابوں میں تو برتوائی کی روایتیں ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہورِ نبوی ﷺ کے عہد میں یہود و نصاریٰ خاص طور سے اس آنے والے پیغمبر کے منتظر تھے اور اس کے جلد ظہور اور بعثت کی مختلف پیشین گوئیاں کر رہے تھے، ان روایتوں میں سے گوہ روایت بجاے خود ضعیف ہے، مگر ان کی مجموعی حیثیت سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتا ہے کہ یہ عہد ان لوگوں کے نزدیک آنے والے پیغمبر کے خاص انتظار کا تھا اور مدینہ کے لوگوں میں اور مکہ کے جویاں حق اشخاص میں اس پیغمبر کے ظہور کا خاص ذکر اور چرچا تھا۔

بت خانوں سے غیبی آوازیں

اسی طرح ان کتابوں میں بکثرت روایتیں ایسی ہیں جن میں بیان ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد لوگوں نے بت خانوں کے اندر سے غیبی آوازیں سنیں کہ ”اب صنم خانوں کی بر بادی کا زمانہ آ گیا، پیغمبر صادق کی ولادت ظہور میں آ چکی ہے۔“ ان روایتوں کا اکثر حصہ سخت کمزور اور ناقابل اعتبار ہے، تاہم مجموعی شہادت سے اس قدر اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں اس قسم کا کوئی واقعہ ضرور ہوا تھا، چنانچہ صحیح بخاری کے حوالہ سے اس قسم کی ایک روایت آگئی آتی ہے۔

شق صدر

تمام ارباب سیر اور بعض محدثین کی روایت کی بنا پر بچپن کے زمانہ میں جب آپ ﷺ حضرت حلیمه ؓ کے ہاں پرورش پار ہے تھے، شق صدر کا واقعہ پیش آیا، ایک روایت میں ہے کہ بعض صحابہ ؓ نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو سب سے پہلا غیبی واقعہ کیا پیش آیا؟ اس کے جواب میں آپ نے دو فرشتوں کی آمد اور شق صدر کا واقعہ بیان کیا۔ *

اس واقعہ کی سب سے مستند روایت وہ ہے جو حماد بن سلمہ اور ثابت البناوی کے واسطے صحیح مسلم، مند احمد اور ابن سعد ﴿ وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ ایک روز بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے آپ کو پکڑ کر سیدہ مبارک کو چاک کیا اور قلب القدس سے خون کا ایک لٹھڑا ہنکال کر پھیک دیا اور کہا کہ یہی حصہ تجھ میں شیطان کا تھا، پھر سونے کے طشت میں ززم کے پانی سے دھوکر برابر کر دیا، لڑکے بھاگے ہوئے حلیمه سعدیہ ؓ کے پاس آئے کہ محمد ﷺ کو کسی نے مارڈا، حلیمه ؓ آئیں تو دیکھا کہ

* مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۶۱۶؛ ابن سعد، ج ۱، ص: ۹۶؛ سنن دارمی، باب کیف کان اول شأن النبی ﷺ؛ ۱۳ وابن عساکر، ج ۱، ص: ۳۷۱۔ * صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء: ۴؛ ۱۳؛ ابن سعد، ج ۱، ص: ۹۷؛ مستند احمد، ج ۳، ص: ۱۲۱۔

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ کے پھرہ کارنگ متغیر ہے، حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ آپ کے سینہ میں اس زخم کے ناتکے کے شان ہم کو نظر آتے تھے، مستدرک میں بھی اسی قسم کی ایک اور روایت خالد بن معدان سے عقبہ بن عبد اللہ بن عاصی کے واسطہ سے مذکور ہے۔

ارباب سیر اور بعض محدثین کی روایت کے مطابق میں نے اس واقعہ کو یہاں لکھ دیا ہے، مگر اس باب میں میری جزوی تحقیق ہے، وہ اس سے پہلے (شرح صدر) حوالہ قلم کرچکا ہوں۔

مبارک قدم ہونا

روایتوں میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ کے مبارک قدم ہونے کے بہت سے واقعات مذکور ہیں، مگر ان میں سے کوئی بطریق صحیح مردوں نہیں، صرف ایک روایت صحیح طریقہ سے مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک صحابی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اسلام سے پہلے جاہلیت میں حج کرنے گئے تھے، تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص طواف میں مصروف ہے اور اس کی زبان پر شعر میں دعا ہے:

رَدَالِي رَاكِبِي مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَارَبِّ رَدِّ وَاصْطَنْعِ عَنِّي يَدًا

”اے میرے پروردگار! میرے سوارِ محمد صَلَّی اللَّهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ کو واپس بھیجن اور مجھ پر یہ ایک احسان کر۔“

وہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عبدالمطلب ہیں، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، انہوں نے اپنے پوتے کو اس کے ڈھونڈنے کے لئے بھیجا ہے اور وہ اب تک لوٹ کر نہیں آیا ہے، ان کا یہ پوتا ایسا ہے کہ انہوں نے جس کسی کام کے لئے اس کو بھیجا ہے، ان کو کامیابی تی ہوئی ہے، کچھ دیر کے بعد آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ اونٹ لے کر واپس آتے نظر آئے، عبدالمطلب نے سینہ سے لگالیا۔ ❶

بے ستری میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ کا غش کھا کر گرنا

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ پھر تھے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر درپیش ہوئی، تمام شرافے مکہ اس مقدس گھر کے معمار اور مزدور بنے، پچھے امینیں اٹھا اٹھا کر لارہے تھے، انہی پچھوں کی صفائی میں آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ بھی تھے، حضرت عباس بن عبد اللہ نے آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ سے کہا کہ تہبند کھول کر گردن پر رکھلو، کہ پھر کی رگڑ سے گردن پر خراش نہ آئے، آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ نے پچا کے حکم کی تعمیل کی، دفعۂ آپ غش کھا کر گر پڑے اور آنکھیں پھٹ کر آسان سے لگ گئیں، جب ہوش آیا، تو آپ کی زبان پر یہ لفظ تھا ”میرا تہبند میرا تہبند“، لوگوں نے تہبند کمر سے باندھ دی، ❷ یہ صحیحین کی روایت ہے حاکم اور ابوالنجم میں ہے کہ ابوطالب نے اس کے بعد

❶ مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۶۰۳، ذہنی نے حاکم کی اس روایت کیلئے شرط مسلم تسلیم کیا ہے، علاوه از یہ تاریخ بخاری، ابن سعد، ابویعلی، طبرانی، بیہقی، ابوالنجم اور ابن منده میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب بنیان الكعبۃ: ۳۸۲۹؛ صحيح مسلم، کتاب الحیض: ۷۷۱، ۷۷۲۔

واقع دریافت کیا تو فرمایا کہ ”مجھے ایک سپید پوش مرد نظر آیا، جس نے کہا کہ ستر پوشی کر“، ۱ بیهقی و ابن سعد میں اور حاکم کی دوسری روایت میں ہے کہ ندا آئی کہ ”امے محمد علیؑ اپنے ستر کو چھپا۔“ ان روایتوں میں ہے کہ غیب کی یہ پہلی آواز تھی، جو آپ کو سنائی دی۔ ۲ نیند طاری ہونا

حضرت علیؑ آنحضرت علیؑ سے سن کر بیان کرتے ہیں کہ آپ علیؑ نے فرمایا: ”بعثت سے پہلے صرف دو دفعہ میرے دل میں برخیال آیا اور دونوں دفعہ میرے خدا نے مجھے بچالیا، ایک دفعہ رات کو میں نو جوان چڑا ہوں کے ساتھ مکہ کے باہر تھا، میرے دل میں آیا کہ شہر کے اندر جا کر لطف احباب اٹھاؤں، چلا تو سرراہ شادی کا ایک جلسہ نظر آیا، میں دیکھنے کھڑا ہو گیا، تو خدا نے مجھ پر نیند طاری کروی، تو اس وقت تک میں نہ جا گا، جب تک سورج کی کرنوں نے آ کر میرے شانے نہ ہلاۓ، دوسری دفعہ جب خیال آیا تو پھر یہی واقعہ گزرا، اس کے بعد میں نے جاہلیت کا کوئی ارادہ نہ کیا، یہاں تک کہ خدا نے مجھ کو نبوت سے مشرف کیا۔ ۳

حدائے غیب

آنحضرت علیؑ کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ ایک دفعہ بیٹھے تھے، سامنے سے ایک خوبصورت سا آدمی گزرا، حضرت عمر بن الخطابؓ نے بلوا کر حال پوچھا، اس نے کہا میں جاہلیت میں کاہن تھا، دریافت کیا کہ اس زمانہ میں عجیب ترین واقعہ تم نے کیا دیکھا، اس نے کہا میں بازار میں تھا کہ میرا موکل جن میرے پاس گھبرا یا ہوا آیا، اور یہ شہر پڑھا:

ویا سها من بعد انکاسها
الْمَ تِ الرَّجْنِ وَابْلَاسْهَا

ولحوقدہ بالقلاص واحلاسہا

حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا اس نے سچ کہا، خود مجھ پر اسی قسم کا ایک واقعہ گزرا، ایک دفعہ میں جاہلیت کے ہتوں کے پاس سویا تھا کہ ایک آدمی پچھڑا لے کر آیا، اور اس کی قربانی کی، ناگاہ اس کے اندر سے بڑے زور سے چینٹے والے کی آواز آئی، جس سے زیادہ چیخ کی آواز میں نے کبھی نہیں سنی، آواز یہ تھی:

یا جلیع ، امر نجیع رجل فصیح ، یقول لا اله الا الله۔

”اے سچ! کامیاب بات ایک فصیح آدمی کہتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔“

حضرت عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں کہ یہ آوازن کرس ب لوگ کو دوکر بھاگ نلکے، لیکن میں اپنی جگہ سے نٹلا، اور دل میں کہا کہ اصل حقیقت دریافت کر کے ٹلوں گا، ناگاہ دوسری دفعہ اور پھر تیسرا دفعہ وہی آواز آئی، اس

۱ دلائل النبوة، ج ۱، ص ۶۰۔ ۲ طبقات ابن سعد، جزء اول، ص ۹۳۔

۳ اسحاق بن راهویہ، بزار، بیهقی، ابو نعیم، ابن عساکر، قال ابن حجر استادہ حسن متصل ورجالہ ثقات، خصائص کبریٰ سیوطی، ج ۱، ص ۸۸، حیدر آباد: مستندرا لک حاکم، ج ۴، ص ۲۴۵ علی شرط مسلم۔

واقع کو کچھ ہی دن گزرے تھے کہ مکہ میں یہ شہرہ ہوا کہ آپ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ * پھر وہ سلام کی آواز

آنحضرت ﷺ نبوت کے بعد فرمایا کرتے تھے: ”میں مکہ کے اس پھر کو پہچانتا ہوں، جو مجھ کو بعثت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا، میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں۔“ * صحیح مسلم، مسند احمد اور مسندداری کی روایت ہے دوسری روایتوں میں ہے کہ ”میں مکہ کے اس پھر کو پہچانتا ہوں، جو میری بعثت کے زمانہ میں مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔“ *

خواب میں فرشتوں کی آمد

نبوت سے پہلے آنحضرت ﷺ کو حالت خواب میں فرشتے نظر آیا کرتے تھے، صحیح بخاری میں ہے آغاز وحی سے پہلے رویا میں تین فرشتے آپ ﷺ کے پاس آئے، آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ کعبہ کے احاطہ میں آرام فرمائے تھے، ایک فرشتے نے پوچھا: ”ان میں وہ کون ہے؟“ پنج والے نے جواب دیا: ”ان میں جو سب سے بہتر ہے۔“ پچھلے نے کہا: ”تو ان میں سے بہتر کو لے لو۔“ اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ *

1: صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اسلام عمر: ۳۸۶۶

2: صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ: ۵۹۳۹؛ مسند احمد، ج ۵، ص: ۸۹ و سنن دار می، باب ما اکرم اللہ به نبیه من ایمان الشجر: ۲۰۔

3: جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی آیات نبوة النبی ﷺ: ۳۶۲۴۔

4: صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب کان النبی ﷺ تنام عینه ولا ينام قلبہ: ۳۵۷۰۔

اشیاء میں اثر

اشیاء میں اثر سے مقصود یہ ہے کہ عکم الہی کبھی کبھی آپ ﷺ کے فیض و برکت کی قوت اثر سے بحادث، بنا تات، حیوانات اور انسانوں میں ایک ایسا انقلاب پیدا ہو گیا جس کی بنا پر اشیاء سے ان کی فطرت کے مافق، یا ان کے معمول کے برخلاف افعال، حرکات اور اثرات رونما ہوئے، اس قسم کے مجنزرات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں زیادہ نمایاں ہیں، مثلاً پانی کا خون ہو جانا، عصا کا سانپ ہن جانا، ہیصلی کا چکنے لگنا، عصا کی ضرب سے دریا کا خشک ہو جانا، چٹان سے پانی بنتنے لگنا، اوس کے اٹھانے سے دشمن کا شکست کھانا، ہن حضرت ﷺ کو بھی یہ نشانیاں ملی تھیں جن میں سب سے مستند مجرہ حق تقریب ہے جس کی تفصیل دلائل قرآنی کے ضمن میں پہلے گزر چکی، اس کے بعد ستون حنانہ، یعنی مسجد بنوی ﷺ کے ستون خرماء گریہ و بکاری آواز پیدا ہونے کا واقعہ ہے۔

ستون کارونا

مسجد بنوی میں پہلے منبر تھا، مسجد میں خرے کے تنے کا ایک ستون تھا، آپ ﷺ اس سے یہ کہ خطبہ دیا کرتے تھے، منبر تیار ہوا تو آپ نے اس پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا تو دفعۃ اس ستون سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی، بعض روایتوں میں ہے، کہ اونٹیوں کی طرح بلبلانے کی آواز آئی، یہ حاضرین کے اختلاف مذاق کی بنا پر رونے کی مختلف شبہیں ہیں، راویوں کا مشترک مقصود یہ ہے کہ درد فراق سے اس سے جزع و فرع کی آواز سنائی دینے لگی، یہ دیکھ کر ہن حضرت ﷺ نے منبر سے اتر کر آئے اور ستون پر تسلیم کے لئے ہاتھ پھیرا اور اس کو سینہ سے لگایا، تو آواز بند ہو گئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کا رونا اس بنا پر تھا کہ یہ پہلے خدا کا ذکر کرنا کرتا تھا۔“ ۲ یہ واقعہ حدیث و سیر کی کتابوں میں گلیارہ مختلف صحابیوں سے منقول ہے۔ ۳

- ۱) صحيح بخاری، كتاب المناقب باب علامات النبي: ۳۵۸۴، ۳۵۸۵ و مسند احمد، ج ۳، ص: ۲۹۳؛ و ترمذی ابواب المناقب: ۳۶۲۷ و ابن ماجہ، كتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فيها، باب ماجاء بدء شان المنبر: ۱۴۱۵ و دارمی، ما اکرم الله النبی ﷺ بحینین المنبر: ۳۱؛ تا ۴۰ و نسائی، كتاب الجمعة، باب مقام الامام في الخطبة: ۱۳۹۷۔ ۲) (۱) جابر بن عبد الله (بخاری: ۹۱۸؛ نسائی: امام احمد، بزار، ابو نعیم) (۲) سہیل بن سعد (ابن ابی شیبہ، ابن سعد علی شرط الصحیحین) (۳) عبد الله بن عمر (بخاری، امام احمد: ۱۰۹/۲؛ ترمذی: ۵۰۵) (۴) انس بن مالک (ترمذی: ۳۶۲۷؛ امام احمد، ابو یعلی، ابن ماجہ، بزار، ابو نعیم) (۵) ابی بن کعب (امام احمد: ۵/۱۳۷) امام شافعی، ابن ماجہ: ۱۴۱۴؛ دارمی: ۳۶؛ ابو یعلی (ابن سعد) (۶) عبدالله بن عباس (امام احمد، ابن ماجہ، ابن سعد، یہقی، دارمی: ۳۹) (۷) ابو سعید خدری (ابن ابی شیبہ، ابو یعلی: ۱۰۶۲) (۸) عبد بن حمید: ۱۰۷۳؛ ابو نعیم علی شرط مسلم (۹) مطلب بن دواۃ (زیر بن بکار فی اخبار المدینة) (۱۰) امام سلمة (مجمع الزوائد، ۲/۲۳۶) (۱۱) عائشة (طرانی اوسط: ۲۲۵۰)۔

منبر کا ملنے لگنا

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ منبر پر خطبہ دے رہے تھے جلال و کبریٰ کی اللہ کا بیان تھا، آپ ﷺ خود بہت متاثر تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ داہنے باسیں بل رہے تھے، اور نیچے سے منبر اس زور سے بل رہا ہے کہ مجھے ذرہوا کہ آپ کو لے کر گرنہ پڑے۔ ❶

چٹان کا پارہ پارہ ہو جانا

غزوہ خندق میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مل کر مدینہ کے چاروں طرف دشمنوں سے بچنے کے لئے خندق کھود رہے تھے، القاف سے ایک جگہ ایک بہت سخت چٹان نکل آئی، لوگوں نے ہر چند اس کو تو زنا چاہا، مگر وہ نہ ٹوٹی، کدالیاں اس پر پڑ پڑ کر اچٹ جاتی تھیں، آخر لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر صورت حال عرض کی، آپ ﷺ اٹھ کر خود تشریف لائے اور کدائی ہاتھ میں لے کر ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ریگ ہو کر چور چور ہو گئی۔ ❷

درختوں اور پیاراؤں سے سلام کی آواز

حضرت ﷺ کہتے ہیں ایک دفعہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو پہاڑ اور درخت کمی سامنے آتا ہے، اُس سے السلام یا رسول اللہ! کی آواز آتی ہے اور میں ان کو سن رہا تھا۔ ❸

پہاڑ کا ملنا

صحیح بخاری میں ہے ایک دن آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ❹ اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زیبر رضی اللہ عنہم بھی تھے، ❺ ایک پہاڑ پر چڑھے، پہاڑ جبکہ کرنے لگا، آپ ﷺ نے پہاڑ کو پائے مبارک سے ٹھوکر مار کر فرمایا ”ٹھہر جا، کہ تیری پشت پر اس وقت پیغمبر ہے، یا صدیق ہے، یا شہید ہے۔“ ❻

صحیح بخاری میں راوی کوشک ہے، یہ پہاڑ کوہ احمد تھا، یا کوہ حرا، مگر صحیح مسلم اور مسند احمد میں صرف کوہ حرا کا اور مسند ابو الحسنی اور ہبھی میں صرف کوہ احمد کا نام ہے، بہر حال اگر کوہ احمد تھا تو مدینہ کا والقہ ہے اور اگر کوہ حرا

❶ صحیح مسلم، کتاب صفات المناقین، باب صفة القيامة: ۵۰۷، ابن ماجہ، باب ذکربعث: ۴۲۷۵۔

❷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ الخندق: ۱۰۴، ونسائی، کتاب الجہاد، باب غزوہ الترك والجیشة: ۳۱۷۸۔ ❸ جامع ترمذی، کتاب المناقب: ۳۶۲۶۔

❹ صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابة: ۳۶۷۵۔ ❺ صحیح مسلم من فضائل طلحہ والزیبر: ۶۲۴۷، مسلم کی حدیث رقم: ۲۲۲۸ میں سعد بن ابی و قاسم کا نام بھی ہے۔

❻ صحیحین کے علاوہ یہ واقعہ مسند ابن حبیل برداشت بریدہ اور ترمذی، نسائی اور رارقطنی برداشت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ابو بعلی، اور ہبھی میں برداشت کبل بن سعد مذکور ہے۔

تحاتو مکہ کا ہے۔

آپ ﷺ کے اشارہ سے بتوں کا گرجانا

فتح سے پہلے خانہ کعبہ تین سو ساٹھ بتوں کا معبد تھا، جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ کعبہ میں تشریف لے گئے، دست مبارک میں ایک چھتری تھی اور زبان اقدس پر یہ آیت کریمہ جاری تھی:

﴿جَاءَ الْحُقْقُ وَرَهْقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۸۱)

”حق آیا اور باطل مٹ گیا، باطل مٹنے ہی کے لئے آیا تھا۔“

آپ ﷺ چھتری سے جس بات کی طرف اشارہ کرتے تھے، وہ بے چھوئے دھم سے گرد رہتا تھا۔

یہ واقعہ کہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بہت تھے اور آپ ﷺ دست مبارک میں چھتری لے کر ان بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے، آیت مذکور تلاوت کرتے جاتے تھے، بخاری ^{رض} و مسلم ^{رض} باب فتح مکہ میں موجود ہے، مگر اس اشارے سے بے چھوئے بتوں کا خود بخود گرتے جانا، صحیحین میں مذکور نہیں، البته فاکہنی میں برداشت عمر اور طبرانی، ابن اسحاق اور ابو نعیم میں برداشت ابن عباس رض موجود ہے، فاکہنی کی روایت کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے، صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة الفتح میں جو روایت ہے، اس سے ضمناً اس کے خلاف یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں سے اکھڑا کر پھینکوادیا، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس لما قدم رسول الله ﷺ ابی ان يدخل البيت فيه الآلهة

فامر بها فاخر جت۔

”ابن عباس رض سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ (مکہ) آئے تو اس حالت میں کہ خانہ کعبہ کے اندر بہت تھے، آپ نے اس کے اندر جانے سے انکار کیا تو آپ نے ان کے باہر نکال دینے کا حکم دیا تو وہ باہر نکال دیے گئے۔“

اگر فاکہنی، طبرانی، ابن اسحاق اور ابو نعیم کی روایت بالصحیح ہو تو اس میں اور بخاری کی اس روایت میں یہ تطبیق ممکن ہے کہ پہلے جن بتوں کا ذکر ہے، وہ حول البيت یعنی خانہ کعبہ کے باہر چاروں طرف تھے، آپ ﷺ ان کی طرف اشارہ کر کے آیت مذکور کو پڑھتے اور وہ گرجاتے تھے اور خانہ کعبہ کے اندر جو بت تھے اپنے جانے سے پہلے آپ نے ان کو نکلا کر پھینکوادینے کا حکم دیا تھا، اسی طرح بخاری و مسلم کی فتح مکہ والی روایت میں جن بتوں کو چھتری سے کوچھ دینے کا ذکر ہے، وہ وہ ہیں جو باہر تھے یعنی حول البيت اور جن کے نکلوانے کا ذکر بخاری کی دوسری روایت میں ہے وہ خانہ کعبہ کے اندر تھے۔

۱۔ ابو نعیم، ذکر ما کان فی فتح مکہ، ص: ۴۵۳، ۴۵۲۔

۲۔ بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی ﷺ: ۴۲۸۷۔

۳۔ مسلم، کتاب الجهاد، باب فتح مکہ: ۴۶۲۵۔ ۴۔ بخاری، ایضاً: ۴۲۸۸۔

کھانوں سے تسبیح کی آواز

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تم لوگ مجرموں کو خوف کی چیز سمجھتے ہو اور ہم لوگ ان کو برکت سمجھتے تھے، ہم کھانوں سے جب وہ کھائے جاتے تو تسبیح کی آواز سناتے تھے۔ زمین کا ایک مرتد کو قبول نہ کرنا

ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور سورہ بقرہ وآل عمران پڑھی، آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق کتابت و حجت کی خدمت کی، چند دنوں کے بعد وہ مرتد ہو کر بھاگ گیا اور عیسائی ہو گیا اور مشہور کیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی دکھائی یعنی اس کو موت دے دی، اس کے دوستوں نے اُسے کو دفن کیا، تو صبح کے وقت لاش قبر سے باہر تھی، اس کے دوستوں کو معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ یہ محمد ﷺ اور اصحاب محمد کا کام ہے، چونکہ وہ ان سے علیحدہ ہو گیا، اس نے قبر کھود کر اس کو باہر پھینک دیا، اس خیال سے ان لوگوں نے اب کے خوب گھری قبر کھود کر اس میں اس کو دفن کیا، صبح کے وقت پھر مردہ قبر سے باہر تھا، اب ان کا یہ خیال پختہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ یہ مسلمانوں ہی کی حرکت ہے، پھر جس قدر وہ گھری قبر کو سکتے تھے کھو کر اس میں اس کو دفن کیا، صبح کو دیکھا تو پھر وہی منظر سامنے تھے اور اب ان کو یقین ہوا کہ یہ آدمی کا کام نہیں، چنانچہ اس کو اسی طرح زمین پر چھوڑ دیا۔

درختوں کا چلننا

ایک بار آپ ﷺ سفر میں قضاۓ حاجت کے لئے نکلے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ پانی لئے ہوئے ساتھ تھے، آپ نے میدان میں ادھر ادھر دیکھا تو کوئی چیز آڑ کرنے کے لئے نہ تھی، میدان کے کنارے صرف دو درخت تھے، آپ ایک درخت کے پاس گئے اور اس کی ڈالی کو پکڑ کر کہا کہ ”خدا کے حکم سے میری اطاعت کرے“، وہ فرمانبردار اونٹ کی طرح آپ کے ساتھ ہو لیا، پھر دوسرے درخت کے نزدیک تشریف لے گئے اور وہ بھی اسی طرح آپ کے ساتھ چل پڑا، پھر آپ نے دنوں کو ایک جگہ جمع کیا اور فرمایا کہ ”خدا کے حکم سے جزاً“ دنوں باہم مل گئے جب ان کی آڑ میں فراغت کر چکے تو پھر دنوں درخت الگ الگ اپنی جگہ پر آگئے۔

اسی قسم کا واقعہ دوسرے سفروں میں بھی پیش آیا ہے، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی عینی شہادت کی بنا پر اس کو بیان کیا ہے، حضرت اسماعیل بن زید رضی اللہ عنہ جیتہ الوداع میں اور حضرت یعنی بن مرہ رضی اللہ عنہ نے کسی سفر میں

۱ صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام: ۳۵۷۹۔

۲ أيضاً: ۳۶۱۷۔ ۳ مسلم، كتاب الزهد حديث جابر الطويل: ۷۵۱۸ و دارمي، باب ما اكرم الله به نبيه من ايمان الشجر به والبهائم والجن: ۱۷۔ ۴ مسند ابي يعلى وبيهقي وابو نعيم، الفصل الثالث والعشرون، ذكر ماروى فى تسلیم الاشجار واطاعتهن۔۔۔ ص: ۲۳۳ حافظ ابن حجر نے مطالب عالیہ میں اس روایت کی تائیں لی ہے۔

۵ امام احمد برداشت یعنی بن مرہ و ابن شیبہ برجال ثقات و حاکم برداشت صاحب، كتاب التاریخ، باب اجتماع الشجرتين بامر رسول الله ﷺ، ج ۲، ص: ۶۱۸، ۶۱۷۔

اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔

ایک اور واقعہ ہے کہ آپ ﷺ ایک روز اہل مکہ کی ایڈارسانی سے نہایت غمگین بیٹھے ہوئے تھے، اسی حالت میں حضرت جبراہیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے دریافت کیا، تو حضرت جبراہیل علیہ السلام نے کہا یا خود آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی (روایتیں مختلف ہیں) کہ ”مجھے ایک ایسی شانی دلھاجوں غم کو محمد سے دور کر دے۔“ حکم ہوا کہ میدان کے کنارے جو ایک درخت ہے، آپ اس کو بلا یئے، آپ نے بلا یا تو وہ سامنے آ کر کھڑا ہو گیا، پھر اس سے واپس جانے کو کہا تو وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا، آپ نے فرمایا: ”اب مجھے کوئی غم نہیں۔“ *

خوشی خرما کا چلنا

آپ ﷺ کی خدمت میں ایک بد و آیا اور کہا کہ مجھے یہ کیونکر یقین ہو کہ آپ پیغمبر ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں اس خوشی خرما کو بلا لوں تو تم میری نبوت کی شہادت دو گے؟“ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے خوش خرما کو بلا یا اور درخت سے اتر کر آپ کے پاس آیا اور پھر آپ کے حکم سے واپس گیا، بد و فر اس مجزہ کو دیکھ کر ایمان لا یا۔ *

درخت کا چلنا اور اس سے آواز آنا

آپ ﷺ ایک سفر میں تھے کہ بد و آتا ہوا نظر آیا، جب وہ آپ کے قریب آگیا تو آپ نے پوچھا: ”کہاں جاتے ہو؟“ اس نے جواب دیا، مکان کا ارادہ ہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہیں نیکی کی حاجت ہے؟“ اس نے کہا، وہ نیکی کیا ہے؟ آپ نے کلمہ توحید کی تلقین کی، اس نے کہا، اس کی شہادت کون دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سامنے کا یہ درخت۔“ چنانچہ یہ کہہ کر آپ نے وادی کے کنارے سے اس درخت کو بلا یا، وہ دوڑتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ نے اس سے تین بار کلمہ توحید پڑھایا اور اس نے پڑھا، پھر وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا اور بد و یہ کہہ کر اپنے مکان کو روانہ ہوا کہ اگر میرے اہل و عیال نے بھی اسلام قبول کر لیا، تو ان سب کو لے آؤں گا، ورنہ تھا آپ کے ساتھ قیام کروں گا۔ *

بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نو خیز چھوکرا تھا، عقبہ بن معیط ایک قریشی

* سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الصبر على البلاء: ۴۰۲۸ و مسند احمد، ۳/۱۱۳، ابو یعلی، ۶/۳۵۸۔

* ترمذی، ابواب المناقب: ۳۶۲۸ نے اس کو صحیح کہا ہے اور امام بخاری نے تاریخ میں اس واقعہ کو قل کیا ہے، اور ابو یعلی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کی ہے۔ * مسند دار مسی، باب ما اکرم اللہ به نبی: ۱۶، بسند صحیح ویزار:

- ۲۴۱۱ وابونعیم ص: ۳۳۲ باختلاف یسیر و ابن سعد، ج ۱، ص: ۱۲۱۔

کافر نیس کی بکریاں لکھ میں چ رایا کرتا تھا، آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر ؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ”لڑ کے تمہارے پاس دودھ ہے، تم کو پلاو کے؟“ میں نے کہا، میں امین ہوں میں تم کو نہیں پلا سکتا، آپ ﷺ نے پوچھا: ”اچھا کوئی بکری کاچھ ہے؟“ میں نے کہا، ہاں۔ فرمایا: ”لے آؤ۔“ میں لے آیا، حضرت ابو بکر ؓ نے پچھہ پکڑا اور آنحضرت ﷺ نے تھن میں ہاتھ لگایا اور دعا کی، ابو بکر ؓ ایک گہرا پتھر لے آئے اس میں دودھ دوہا گیا، پہلے آپ ﷺ نے خود پیا، پھر حضرت ابو بکر ؓ نے پیا، اس کے بعد حضرت ابن مسعود ؓ کہتے ہیں، پھر مجھے پایا، دودھ پی کر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے تھن! اسمت جا۔“ وہ سمت کر خٹک ہو گیا، اس کے بعد میں آپ کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کی کہ اس عمدہ کلام یعنی قرآن مجید میں سے مجھے کچھ سکھائیے، فرمایا: ”تم سیکھنے والے لڑکے ہو۔“ تو میں نے خود

یہ روایت سنداہم، ابو داؤد طیاری، ابن حجر اوزان ابی یعیش میں ہے، طیاری اور ابو یعیش کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر جب شرکریں سے بھاگے تھے، تب یہ واقعہ پیش آیا یعنی بھرت کے ایام میں طیاری کی اس روایت کا سلسلہ سنہ ہر طرح سے محفوظ ہے، ابو داؤد، حماد بن سلمہ سے اور وہ عاصم زرین جیش سے اور وہ خود عبد اللہ بن مسعود ؓ نے اس کی روایت کرتے ہیں، یہ تمام اصحاب اُنقدر معترض ہیں، با ایں ہماس واقعہ کو زمانہ بھرت میں تصدیق رایاں نظر آئی ہیں، جن سے ثابت ہوا ہے کہ اس روایت میں کسی صاحب سے بھول ہوئی ہے، اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ نے بھرت کے وقت نو خیڑڑ کے تھے اور ابھی تک قرآن مجید سے ناواقف تھے بلکہ مسلمان بھی نہ تھے، حالانکہ وہ بھرت سے بہت پہلے اسلام لاچکے تھے، وہ چھٹے مسلمان تھے اور بھرت کے وقت وہ جس میں تھے، اور وہاں سے اس وقت لوئے جب آنحضرت ﷺ مدینہ جا پکے تھے، جیسا کہ نماز میں سلام کرنے والی روایت سے جو حدیث کی تمام کتابوں میں ہے ثابت ہوتا ہے، اس لئے وہ اس وقت کہ میں سرے سے موجود ہی نہ تھے، اس روایت کے ان الفاظ کے متعلق میں اپنے شکوک لکھ کا تھا کہ رجال اور سرکی متفق کتابوں میں حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کا حال اٹ پلت کر پڑھا، سب نے ان کے حال میں اس روایت کو نقی کیا ہے، مگر ان شہہرات پر کسی کی نظر نہیں پڑی، اسی اثناء میں فتح الباری جلد بھرت اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یعنیہ بھی اعتراضات حافظ ابن حجر کے ہن میں بھی گزرے ہیں، لیکن انہوں نے حسب دستور مختلف روایات کی تظییق کے متعلق جوان کا عام اصول ہے، اس سے کام لے کر آگے بڑھ گئے ہیں یعنی یہ کہہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ بھرت کے علاوہ کسی اور زمانہ کا واقعہ ہو گریشکل ہے کہ بھرت کے علاوہ کوئی اور زمانہ ایسا نہیں۔ جس میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر ؓ کے ساتھ شرکریں سے بھاگے ہوں، لیکن الحمد للہ کہ راثائے تھیں میں مجھے منہدم حسن حصل (جلد اس ۳۲۷) میں سی روایت اسی قسم کی سند سے مل گئی ہے، جس میں ان قابل اعتراض الفاظ کے بجائے مطلق یہ الفاظ ہیں کہ میں بکریاں چارا تھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر ؓ کا گزرے کا گزرے ہو اس میں فرار اور بھرت کا مطلق ذکر نہیں ہے، اس سے ثابت ہوا ہے کہ بھرت سے بہت پہلے کا کوئی واقعہ ہے، پہلے الفاظ کے راوی عامہ سے ان کے شاگرد حماد بن سلمہ ہیں، اور دوسرے الفاظ کے راوی ان ہی کے شاگرد ابو بکر عیاش ہیں جو حافظی خرابی اور اغلاط کی کثرت میں یہ دونوں برادر ہیں، تاہم ناقدانہ وجہ ابو بکر بن عیاش کی تائید میں میں بھلی روایت میں ”فر“ (بھاگے) کا لفظ ہے اور دوسری میں ”مر“ یعنی گزرے کا لفظ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ راویوں میں فرار مر کے الفاظ میں باہم تباہ ہو گیا ہے، اور بعد کو پھر فری کی مناسبت سے عن المشرکین بڑھ گیا ہے، اہن سعد نے سند حسن (جلد اول، ص: ۱۲۲)، اس واقعہ کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے جس سے تمام مسئلہ صاف ہو جاتا ہے، حضرت ابن مسعود ؓ کہتے ہیں میں اپنے سے پہلے کسی کا مسلمان ہونا نہیں جانتا، میں گھر کی بکریاں چارا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ تمہاری کسی بکری میں دودھ ہے، میں نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ نے ایک بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا بخوبی دوہا ترا آیا تو میں اپنے سے پہلے کسی مسلمان کا ہونا نہیں مانتا۔

آنحضرت ﷺ کے منہ سے ستر سورتیں سیکھیں، جن میں کوئی دوسرا میرا مقابلہ نہیں کر سکتا، ابن سعد میں ہے کہ حضرت عبد الدہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میرے اسلام لانے میں اسی مجرہ کا داخل ہے۔ ۱

ست گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا

ابوظہب صحابی رضی اللہ عنہ کا گھوڑا نہایت سر رفتار اور سماحتا، ایک دفعہ مدینہ میں شور و غل ہوا، آپ ﷺ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا چکر لگایا، وہ آپ کی سواری کی برکت سے اس قدر تیز ہو گیا کہ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ ”یہ تو دریا ہے۔“ اس کے بعد کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ۲

اندھیرے میں روشنی ہونا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دو صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رات کو دیرینک حاضر ہے، جب واپس ہوئے تو رات بہت اندھیری تھی، مگر خدا کی قدرت کہ ان کے سامنے دو چراغوں کی طرح آگے آگے کوئی چیز روشن ہو گئی، جب دونوں الگ ہو کر اپنے اپنے گھر چلے تو ایک چراغ ایک کے ساتھ اور دوسرا دوسرے کے ساتھ ہو گیا، یہاں تک کہ دونوں گھر چلے گئے، ۳ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ اس میں ان دونوں صحابیوں کے ناموں کی تصریح نہیں، لیکن حاکم، ۴ ابن سعد، بیہقی اور ابو نعیم ۵ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کے نام عباد بن بشر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما تھے ہیں اور ان میں یہ اضافہ ہے کہ یہ روشنی ان کی لکڑیوں کے سروں میں پیدا ہو گئی تھی، ابو نعیم کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت انس رضی اللہ عنہی سے مردی ہے، عباد بن بشیر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کے بجائے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے نام ہیں، روایت کی صحت کی صورت میں ممکن ہے کہ دوسراؤ اقہہ ہو، نیز حاکم بیہقی اور ابو نعیم ۶ میں اسی قسم کا واقعہ ابو عبس ابن جبر رضی اللہ عنہ صحابی جو ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نمازوں پر ہا کرتے تھے، ان کو بھی ایک دفعہ پیش آنا بیان کیا گیا ہے، تاریخ بخاری اور بیہقی میں ایک سفر میں اندھیری رات کو حضرت حمزہ الاسلامی رضی اللہ عنہ کی الگلیوں کا روشن ہو جانا بھی مشہور ہے۔

جانور کا سجدہ کرنا

حدیث کی اکثر کتابوں میں چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے کہ ایک دفعہ ایک انصاری کا اونٹ باولہ ہو گیا تھا، یا بگڑ گیا تھا، لوگوں نے جا کر آپ ﷺ کو خبر کی، آپ نے اس کے پاس جانا چاہا، تو سب نے روکا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یا آدمی کو کتنے کی طرح کاٹ کھاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

۱ ابن سعد، ج ۱، ص: ۱۲۲۔ ۲ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الرکوب على الدابة الصعبة: ۲۸۶۲۔

۳ صحیح بخاری، کتاب المناقب: ۳۶۳۹، باب منقبة اسید بن حضیر، و عباد بن بشیر: ۲۸۰۵۔

۴ مستدرک حاکم، کتاب معرفة الصحابة، ج ۲، ص: ۲۸۸۔ ۵ دلائل النبوة لابی نعیم، ص: ۴۹۳۔

۶ مزید تفصیل کے لیے دیکھ فتح الباری، باب منقبة اسید بن حضیر و عباد بن بشیر، ج ۷، ص: ۹۴، ۹۵۔

۷ دلائل النبوة لابی نعیم، ص: ۴۹۳۔

”مجھے اس کا خوف نہیں۔“ یہ کہہ آپ آگے بڑھے تو اونٹ نے آپ کے سامنے آ کر اپنی گروں ڈال دی، آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا، اور اس کو پکڑ کر اس کے مالک کے حوالہ کر دیا پھر فرمایا: ”ہر تلوّق جانتی ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں، لیکن گناہ گار انسان اور نافرمان جن۔“ ﴿ صحابہ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر کہا، یا رسول اللہ ﷺ! جب جانور آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو انسان کو سب سے پہلے کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کسی انسان کا دوسرا انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔“ ﴿

جانور کا آپ ﷺ کے مرتبہ کو پہچانا

ایک دفعہ آپ ﷺ ایک انصاری کے باغ میں گئے ایک اونٹ کھڑا چلا رہا تھا، آپ کو دیکھ کر وہ بلیلانے لگا، اور اس کی دونوں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، آپ نے قریب جا کر اس کے سر اور ہنپی پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہو گیا، آپ نے دریافت فرمایا: ”یہ کس کا اونٹ ہے؟“ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا، وہ بلوائے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم ان جانوروں پر جن کو خدا نے تمہارا محاکوم بنایا ہے، رحم کیا کرو، اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکار کھتھے ہو، اور اس کو تکلیف دیتے ہو۔“ ﴿

حافظہ بڑھ جانا

تمام صحابہ ﷺ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں حالانکہ وہ آخر پختہ ﷺ کی خدمت میں صرف تین چار برس رہے تھے، لوگوں کو آج بھی اس پر ترجیب ہے، وہ خود ان کے زمانہ میں بھی تھا لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائی تو یوپار میں لگے رہتے تھے، اور انصاری بھائی اپنے کھیتوں میں، اور میرا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے سوا اور کوئی کام نہ تھا، ایک دن خدمت میں حاضر تھا کہ زبان مبارک سے نکلا کہ ”جودا من پھیلایا کراس وقت میری با تمیں سینہ میں سمیت لے گا وہ پھر کبھی نہ بھولے گا۔“ میں نے دامن پھیلایا جب کلام مبارک ختم ہوا، سینہ میں سمیت لیا، اس وقت سے میں کوئی بات نہ بھولا۔ ﴿ صحیح بخاری میں یہی واقعہ ایک اور طرح سے بھی مذکور ہے، چنانچہ وہ آگے آئے گا۔

۱) دار می: ۱۸۔ ۲) امام احمد بن حنبل نے مسند میں متعدد صحابیوں کی سند سے یہ واقعہ نقل کیا ہے چنانچہ کتاب مذکور میں حضرت جابر، حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسند، ص: ۶، ۲) ریکھو نیز سنن نسائی و ابن القیم طبرانی اور یہ محقیقی الہ دلائل نے اس ایک واقعہ کو ذرا راستے نظری اختلاف کے باعث متعدد احادیث بنادیا ہے (البداية والنهاية، ج ۶، ص: ۱۳۹) ۳) ابو داود، کتاب الجهاد: ۲۰۴۹ و مسند احمد بسن عبد اللہ بن جعفر و مسلم بسن مهدی بن میمون البداية ج ۶ ص: ۱۲۷ ابو نعیم وغیرہ میں اسی واقعہ میں نامستند باتیں شامل ہیں۔

۴) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم: ۱۱۹ و صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل ابی هریرۃ: ۶۳۹۷۔

شفاء امراض

﴿وَلَاذَا امْرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾ (۲۶/الشعراء:۸۰)

پیغمبر دنیا میں درحقیقت یہار دلوں کے روحانی طبیب بن کرتے ہیں، مگر کبھی کبھی ارواح و قلوب کے معالجہ میں ان کو جسمانی امراض اور عوارض کا علاج بھی کرنا پڑتا ہے، تمام انبیاء ﷺ میں حضرت علیؑ کی زندگی اس وصف میں سب سے ممتاز ہے، آنحضرت ﷺ کو کبھی اس قسم کے مجزرات کا وارث حصہ ملا تھا۔

حضرت علیؑ کی آنکھوں کا اچھا ہونا

حضرت سعد بن ابی واقع، حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہم تین چشم دیدگاروں سے روایت ہے کہ غزوہ خیبر میں جب آپ ﷺ نے علم عطا فرمانے کے لئے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا، تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے، اور یہ آشوب جیسا مندا ابن حنبل میں ہے، ایسا سخت تھا کہ ایک صاحب (سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ) ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے، آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا العاب دہن ل دیا اور دم کر دیا، وہ اسی وقت اچھی ہو گئیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں۔ *

ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہو جانا

حضرت عبد اللہ بن عتیق رضی اللہ عنہ قلعہ میں داخل ہو کر جب ابو رافع یہودی کو قتل کر کے واپس آنے لگے تو کوٹھے کے زینہ سے گر پڑے، جس سے ان کی ایک ٹانگ میں سخت چوت آئی، پہلے پہل تو یہ چوت معلوم نہیں ہوئی، لیکن بعد کو یہ حالت ہوئی جیسا کہ ابن اسحاق میں ہے کہ ان کے ہمراہ ای اٹھا کر ان کو لائے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر کراچے بیان کیا، آپ نے اس ٹانگ پر درست مبارک سے سُج کر دیا، اور وہ فوراً بالکل اچھی ہو گئی اور یہ معلوم ہونے لگا کہ کبھی چوت لگی ہی نہ تھی۔ *

تموار کے زخم کا اچھا ہونا

غزوہ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں تموار کا زخم لگ گیا، وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، آپ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا، پھر انہیں کوئی شکایت محسوس نہ ہوئی، صرف نشان رہ گیا تھا۔ *

غزوہ حنین میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں زخم لگا، جب لڑائی ختم ہو چکی تو آنحضرت ﷺ کو معلوم

* بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر: ۴۱۰ و ممناقب علی: ۳۷۰ کتاب الجہاد: ۲۹۴۲ و صحیح مسلم، باب من فضائل علی: ۶۲۲۳ و مسنون ابن حبیب: ج ۴ ص ۵۲ سہیل بن سعد اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت صرف مسلم میں ہے۔

* بخاری، باب قتل ابی رافع: ۴۰۳۹ میں واقعہ طرح بیان ہوا ہے، یہاں ان دونوں میں تطبیق کر دی گئی ہے۔

* صحیح بخاری، باب غزوہ خیبر: ۶۲۰۶؛ مسنون احمد: ۴/۴۸۔

ہوا آپ ﷺ کی خدمت خالد بن عائشہ کی فرودگاہ پوچھتے ہوئے ان کے پاس آئے، دیکھا کہ کجا وہ سے نیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں، آپ ﷺ نے ان کے زخم پر ایک نگاہ ڈالی، اور اس پر لعاب دہن ڈال دیا، زخم اچھا ہو گیا۔ * اندر ہے کا اچھا ہونا

آپ ﷺ کی خدمت میں ایک انداھا حاضر ہوا اور اپنی تکلیفیں بیان کیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر چاہو تو دعا کر دو!؟ اور اگر چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے لئے اچھا ہے۔“ عرض کی دعا کیجئے فرمایا: ”اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ خدا وند! اپنی رحمت والے پیغمبر کے وسیلے سے میری حاجت پوری کر دے۔“ ترمذی ۲۶ اور حاکم کی ایک روایت ۴۳ میں اسی قدر ہے مگر ابن حبیل ۲۶ اور حاکم ۴۳ کی دوسری روایت میں اس کے بعد ہے کہ اس نے ایسا کیا تو فوراً اچھا ہو گیا، حاکم کی ایک اور روایت میں جو علی شرط المخاری ہے، یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے، حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں کہ ایک نایمنا صحابی آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میری خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں، مجھے سخت تکلیف ہے، فرمایا: ”وضوخانہ میں جا کر وضو کرو، پھر درکعت نماز پڑھو، اس کے بعد یہ دعا مانگو۔“ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی ہم محل سے الگ بھی نہیں ہوئے تھے اور نہ کچھ زیادہ بات کرنے پائے تھے کہ وہ نایمنا اپنی آیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس کو نایمنا کی بیماری کبھی تھی ہی نہیں۔ *

حیبہ بن فدیک رضی اللہ عنہ ایک اور نایمنا صحابی کے ابھی ہوئے کا واقعہ ابن ابی شیبہ، طبرانی، یعنی اور ابو نعیم میں مذکور ہے، * مگر چونکہ اس کے سلسلہ سند میں محبول الاسم اشخاص ہیں، اس لئے اس کو قلم انداز کر دیا ہے۔ بلا دوار ہونا

آپ ﷺ ایک سفر میں جا رہے تھے، راستے میں ایک عورت بچ کو لئے ہوئے سامنے آئی، اور کہا کہ یا رسول اللہ! اس کو دن میں کئی دفعہ کسی بلا کا دورہ ہوتا ہے، آپ نے بچ کو اٹھا کر کجا وہ کے سامنے رکھا، اور تین بار کہا کہ ”اے خدا کے دشمن نکل، میں خدا کا رسول ہوں۔“ پھر بڑ کے کو اس عورت کے حوالے کر دیا، سفر سے پلٹے تو وہ عورت دو دنبے لے کر حاضر ہوئی، اور عرض کی یا رسول اللہ! میرا ہدیہ قبول فرمائیے، خدا کی قسم! پھر بچ کے پاس وہ بلا شاش آئی، آپ ﷺ نے ایک دنب قبول فرمایا، اور دوسرے کو داہیں کر دیا۔ *

۱ مسند احمد، ج ۴، ص ۸۸ و عبد الرزاق و عبد بن حمید و ابن عساکر۔ ۲ ترمذی، کتاب الدعوات: ۳۵۷۸۔

۳ مسند درک، ج ۱، ص ۵۱۹۔ ۴ مسند، ج ۴، ص ۱۳۸۔ ۵ مسند درک، ج ۱، ص ۵۲۶۔

۶ مسند درک، ج ۱، ص ۵۲۶۔ ۷ دلائل ابن نعیم، ص ۱۶۰ و اصحابہ ترقیۃ حیبہ بن فدیک، ج ۱، ص ۳۰۸۔ ۸ مسند ابن حبیل، جلد ۲، صفحہ ۱۷۰، ۱۷۱ میں دو حسن روایتوں سے حضرت علی بن مروہ سے یہ واقعہ مذکور ہے، علاوہ ازیز ابن ابی شیبہ اور حاکم میں بھی یہ منقول ہے، داری صحیحے میں یہ واقعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جس سلسلہ سند سے مذکور ہے وہ مسند نہیں، نیز داری اور ابو نعیم میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ (یعنی ایک جن کا ایک بچ پر مسلط ہونا اور آپ ﷺ کے اثر سے ایک کتے کے پلکی شکل میں نکل کر بھاگنا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مردی ہے، وہ بھی صحیح نہیں) ۹

گونگے کا بولنا

حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچہ کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یہ بولتا نہیں، آپ نے پانی منگایا، ہاتھ دھوایا اور لگلی کی اور فرمایا کہ یہ پانی اس کو پلا دو اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو بیان کیا کہ لڑکا بالکل اچھا ہو گیا اور بولنے لگا۔ ❸

مرض نیسان کا دور ہونا

ایک دفعہ حضرت علی ؓ نے آکر شکایت کی کہ یا رسول اللہ! قرآن یاد کرتا ہوں تو بھول جاتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس طرح نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو“، حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کیا اور فائدہ ہوا اور جا کر آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ پہلے چار چار آیتیں یاد کرتا تھا اور اب چالیس چالیس آیتیں یاد کر لیتا ہوں، پہلے بات بھول جاتا تھا اور اب حرف حرف یاد رہتا ہے۔ ❸

حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ کو آپ ﷺ نے طائف کا عامل مقرر فرمایا، انہوں نے وہاں سے آکر بیان کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ مرض پیدا ہو گیا ہے کہ نماز میں نہیں معلوم ہوتا کہ کیا پڑھتا ہوں، آپ نے پاس بلا کران کے سینہ پر ہاتھ مارا اور منہ میں دم کیا، پھر یہ حالت بالکل زائل ہو گئی۔ ❸

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بھی ایک دفعہ حافظہ کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”دامن پھیلاؤ“، انہوں نے پھیلایا، آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈالا، پھر فرمایا: ”اب اس کو سمیٹ لو“، حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، تب سے پھر میں کوئی بات نہ بھولا۔ ❸

بیمار کا تند رست ہونا

حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے، آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے، تو فرمایا: ”یہ دعاسات دفعہ پڑھو اور ہاتھ بدن پر پھیرو“، حضرت عثمان ؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو خدا نے میری بیماری دور کر دی اور اب میں اپنے عزیزوں اور دستوں کو بھی یہ دعائیا کرتا ہوں۔ ❸

ایک بار حضرت علی ؓ اس قدر بیمار ہوئے کہ موت کی دعا کرنے لگے، آپ ﷺ کا گزر ہوا تو ان کو اس پر تنبیہ کی اور دعا فرمائی، پھر ان کو اس مرض کی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ ❸

❸ سنن ابن ماجہ، ابواب الطب، باب النشرة: ٣٥٣٢ وابو نعیم، ص: ١٦٧ ابن ابی شیبہ۔

❹ جامع ترمذی، ابواب الدعوات: ٣٥٧٠ ومستدرک حاکم، ج ١، ص: ٣٦١ ذہبی نے جودت سند کے باوجود اس روایت میں کلام کیا ہے۔ ❺ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب الفرع والارق: ٣٥٤٨۔ ❻ صحیح بخاری،

کتاب المناقب: ٣٦٤٨۔ ❻ جامع ترمذی، کتاب الطب، باب کیف یدفع الوجع عن نفسه: ٢٠٨٠۔

❾ جامع ترمذی، ابواب الدعوات: ٣٥٦٤، بروایت حسن وصحیح حاکم فی المستدرک۔

ایک جلے ہوئے بچے کا اچھا ہونا

محمد بن حاطب رض ایک صحابی ہیں، وہ جب بچے تھے، تو اپنی ماں کی گود سے گر کر آگ میں گر پڑے، اور کچھ جل گئے، ان کی ماں ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں آنحضرت ﷺ نے اپنا لعاب دہن ان پر ملا، اور دعا پڑھ کر دم کیا، طیاری کیا اور ابن حبل میں اسی قدر ہے، مگر امام بخاری نے تاریخ میں بہ سند بیان کیا ہے کہ محمد بن حاطب رض کی ماں کہتی تھیں کہ بچے کو لے کر میں وہاں سے اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچے کا زخم چنگا ہو گیا۔ ①

جنون دور ہونا

ایک شخص نے آ کر درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا بھائی یہاں ہے، دعا کیجئے، پوچھا: ”کیا یہاں ہے؟“ عرض کی، اس پر جنون کا اثر ہے، فرمایا: ”اس کو لے آز۔“ وہ آیا تو آپ نے قرآن مجید کی متعدد سورتیں پڑھ کر جھاڑ دیا، وہ کھڑا ہوا تو اس پر جنون کا کوئی اثر نہ تھا۔ ②

① مسند ابو داود طیالسی، ص: ۱۶۵؛ مسند احمد، ج ۴، ص: ۲۵۹، تاریخ بخاری کی روایت ابن عبد البر نے بہ سنداستیغاب (ترجمہ محمد بن حاطب رض میں) اور سیوطی نے خصائص کبری، ج ۲، ص: ۶۹ میں نقش کی ہے۔

② سنن ابن ماجہ، کتاب الطب باب الفزع والارق: ۳۵۴۹، اس روایت کے سلسلہ سند میں ابوحنیف ایک راوی ہیں جن پر تدليس کا الزام ہے، مگر اس روایت میں تو تدليس کا کوئی اثربنیں معلوم ہوتا، واللہ عالم۔

استجابت دعا

مخملہ دیگر علمتوں کے اللہ کی بارگاہ میں دعاؤں کا قبول ہونا بھی ایک بڑی علامت ہے، جس سے نیک اور مقبول بندوں کی پیچان اور شاخت ہوتی ہے، انہیاے الہی سے بڑھ کر خدا کے نیک اور مقبول بندے اور کون ہو سکتے ہیں؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو شرف اجابت بخشتا ہے اور ان کی نداؤں کو جو دل کے اندر سے نکلتی ہیں، سمع قبول سے ملتا ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے ندامت کے ساتھ خدا کو پکارا تو اس نے ان کو معاف کر دیا، حضرت نوح علیہ السلام نے طوفانی عذاب کی درخواست کی تو پوری ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے نبوت اور برکت کی دعا کی تو قبول ہوئی، حضرت یوسف علیہ السلام نے سمندر کی تد میں سے خدا کو پکارا تو اس نے نہ، حضرت زکریا علیہ السلام نے خانوادہ نبوت کے لئے ایک وارث مانگا تو دیا گیا۔ آنحضرت علیہ السلام نے بھی بارگاہ الہی میں دعا کیں مانگیں، حاجتمندوں میں اس کے آگے ہاتھ پھیلائے، تھائیوں میں اس کی رفاقت چاہی، بے کسیوں میں اس کی نصرت مانگی، فقر و فاقہ میں اس کے خزانہ غیر سے مد طلب کی، حق کی اشاعت میں اس کی اعانت کی درخواست کی، نیک بندوں کے حق میں اپنے آپ کو اس کے سامنے شفعت بنایا، شریروں کے دفع شر کے لئے اس کی غنیمی امداد کا سہارا ڈھونڈا، اور ان میں سے ہر موقع پر آپ علیہ السلام کے لئے قبول اور اجابت کا دروازہ کھول دیا گیا۔

مسند احمد میں حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ آپ علیہ السلام جب کبھی کسی کے حق میں دعا فرماتے تھے تو وہ نہ صرف اسی کے بلکہ اس کی اولاد اور اولاد کے حق میں مستجاب ہوتی تھی ۱) صحیح مسلم میں ہے کہ جب کسی کے متعلق آپ علیہ السلام ”یرحمه الله“ یعنی ”خدا اس پر رحمت کرے“ فرماتے تھے تو صحابہ علیہم السلام سمجھ جاتے تھے کہ اس کو شہادت نصیب ہوگی۔ ۲) چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا، یہاں تک کہ وہ بھی جو آپ علیہ السلام کی دعوت حق کے سخت مکفر تھے اور اس امر کا دل سے یقین رکھتے تھے کہ محمد علیہ السلام کی دعاؤں میں جیرتاک تاثیر ہے، مکہ میں جب قحط پر اتوابوسیناں نے بھی بحالت کفر ای آستانہ پر حاضر ہو کر دعاۓ رحمت کی درخواست کی ۳) ابو جہل وغیرہ رؤسائے قریش کے حق میں جو آپ علیہ السلام کی نماز میں خلل انداز ہوئے تھے، جب آپ نے بد دعا کی تو وہ خوف سے کانپ اٹھے ۴) یہ واقعات بتفصیل پہلے گزر چکے ہیں، اس لئے یہاں موضوع سخن کی تقریب سے اختصار پر اکتفا کی جاتی ہے۔

۱) مسند احمد بروایت حضرت حذیفة، ج ۵، ص: ۳۸۵۔ ۲) صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوۃ خیبر: ۴۶۶۸، ۴۶۶۹۔

۳) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الدحان: ۴۸۲۴۔

۴) صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب اذا القى على ظهر المصلى: ۲۴۰ و مسلم باب مالقى النبي علیہ السلام من اذى المشركين: ۴۶۴۹۔

قریش پر عذاب آنا اور اس کا دور ہونا

قریش نے جب اسلام کی سخت مخالفت کی تو خدا نے ان پر قحط کا عذاب بھیجا، اہل مکہ سخت مصیبت میں بتلا ہوئے، بالآخر سوا اس کے کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ اسی رحمتِ عالم ﷺ کی بارگاہ کی طرف رجوع کریں، قریش کے بعض رئیسوں نے خدمتِ نبوی ﷺ میں جا کر عرض کی کہ اے محمد ﷺ! تمہاری قوم بر باد ہو گئی، اللہ سے دعا کرو کہ وہ اس مصیبت سے اس کو نجات دے، رحمتِ عالم ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، دعا قبول ہوئی، خوب پانی برسا اور اہل مکہ کو قحط کے عذاب سے نجات ملی۔ *

روسانے قریش کے حق میں بد دعا

آپ ﷺ ایک دفعہ صحنِ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بعض روسانے قریش نے یعنی حالت نماز میں آپ کی گردان مبارک پر نجاستِ ڈال وی، حضرت فاطمہ ؓ نے آکر جب یہ نجاست ہٹائی اور آپ نے سجدہ سے سرا اٹھایا تو نامِ دعا مانگی کہ ”خداوند! ان کو تو پکڑ“ سب کے سب بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔ *

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

ایک طرف قریش کے سربرا آور وہ اصحاب اور دائی اسلام کی عدوں اور دشمنی کی کوششوں میں مصروف تھے اور دوسری طرف دائی اسلام ﷺ ان کی ہدایت و راہنمائی کے پر محبت والوں سے معمور تھا، ابو جہل و عمر کہ دونوں آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت اور مستقل تھے، ان ہی کی ہدایت کا پرشوق ارمان آپ کے قلب مبارک میں سب سے زیادہ تھا، جب تبلیغ و دعوت کے دوسرے حریبے ان پر کامیاب نہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سب سے کارگر حریب کوان کے مقابلہ میں استعمال کیا، جس کے دارکی کوئی روک نہیں ہو سکتی تھی، آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ ”خداوند! ابو جہل و عمر میں جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو، اس سے اسلام کو معزز کر۔“ * ابن ماجہ اور حاکم میں حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا تھا، * اس دعا کو بھی چند روز بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کے حلقة بگوش ہو گئے،

* صحیح بخاری، تفسیر سورہ دخان، ۴۸۲۴ و صلوة الاستقامة: ۱۰۰۷ * صحیح بخاری، کتاب المغازی: ۳۹۶۰ * جامع ترمذی، ابواب المناقب: ۳۶۸۳ حدیث سنن غریب ترمذی کے اسی باب میں اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت ابن عباس ؓ سے کہی ہرودی ہے، اس میں اس قدر اضافہ ہے کہ اس دعا کے دوسرے ہی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے، مگر اس روایت میں ایک راوی قابل اعتراض ہے، ترمذی کے علاوہ یہ روایت ابن سعد میں تین مختلف سلسلوں سے پسند حسن مذکور ہے، (جلد ۳، حصہ اول، صفحہ ۱۲۱) حافظ ابن حجر نے اسابہ (ترجمہ عمر) میں لکھا ہے کہ یہ روایت مند ابو عطیل اور عبد بن حمید وغیرہ میں بھی ہے، خاصاً سنی مسیو میں ہے کہ یہ روایت حاکم بطریقی، ابن ماجہ، احمد اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے۔

* ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب، فضل عمر: ۱۰۵؛ مستدرک حاکم، کتاب معرفة الصحابة، مناقب امیر المؤمنین عمر، ج ۳، ص: ۸۳۔

کار ساز قدرت نے اس دعا کے قبول و تاثیر کا سامان کیونکر پیدا کیا؟ روایتوں میں اس کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے، استاذ مرحوم نے سیرت کی بہی جلد میں حضرت عمر بن عثمانؓ کے اسلام کا واقعہ جس طرح لکھا ہے وہ حرف حرف الفاروق کی نقل ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر بن عثمانؓ نے اپنی بہن سے لے کر جو سورہ پڑھی اور جس سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہوئے، وہ **«سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ»** (عن سورہ حمد) تھی، اس میں شک نہیں کہ بزار، طبرانی، تیہنی اور ابو فیض میں یہ روایت بھی ہے لیکن حد درجہ کمزور ہے، علاوہ ازیں حضرت عمر بن عثمانؓ کا اسلام مکمل کا واقعہ ہے، اور سورہ حمد مدنی ہے، اس کو حضرت عمر بن عثمانؓ کیونکر اس وقت پڑھ سکتے تھے، استاذ مرحوم نے الفاروق میں یہ واقعہ کتب رجال و تاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، لیکن حدیث و سیرت کی صحیح روایتوں میں یہ واقعہ دو صورتوں سے مذکور ہوا ہے، ایک تو وہی مشہور صورت ہے کہ حضرت عمر بن عثمانؓ تواریخ سے لگا کر آنحضرت ﷺ کے نقش کے ارادہ سے نکلے تھے کہ راہ میں ایک مسلمان سے ملاقات ہو گئی، اس نے حضرت عمر بن عثمانؓ کے ارادہ کا حال سن کر کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوی اس نئے دین میں داخل ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر بن عثمانؓ غصہ میں اپنی بہن کے گھر گئے اور مار پیٹ کی، بالآخر انہوں نے قرآن کی ایک سورہ بہن سے لے کر پڑھی، اور وہ سورہ کاظمہ پڑھی، اور جب اس آیت پر پہنچے:

﴿إِنَّمَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُنِي﴾ وَأَقِمُ الصَّلَاةَ لِذِكْرِنِي ۝ (۲۰ / طہ: ۱۴)

”میں ہوں خدا، کوئی خدا نہیں لیکن میں تو مجھ کو پوجو، اور میری یاد کے لئے نماز کھڑی کرو۔“

تو یہ اثر ہوا کہ دل سے لا الہ الا اللہ پکارا ٹھے اور درالقدس پر حاضری کی درخواست کی یہ روایت بہ سند ۳۶ اہن سعد، ابو بعلی، دارقطنی، حاکم ۳۶ اور بہنچی میں حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے، لیکن حد درجہ کمزور ہے، یہ دو طریقوں سے مروی ہے، اور ان دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قول کے لائق نہیں، اور محمد شیخ

طیع اول میں ہم نے اس واقعہ کو لکھا تھا، کہ وہ ”بے سند صحیح“ مذکور ہے، بگر تحقیق سے یہ واقعہ اس مرتب صحیح کا نہیں ثابت ہوا۔ دارقطنی نے اس روایت کو محض راکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری تو یہ نہیں کتاب الطہارۃ، باب فی نہیی المحدث عن مس القرآن (ڈیکی نے مستدرک حاکم (جلد ۲، صفحہ ۵۹) کے استدراک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واتی اور مقطعہ ہے اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان بصری کے حال میں جو اس روایت کا ایک راوی ہے لکھا ہے، کہ اس نے حضرت عمر بن عثمانؓ کے اسلام کا پورا فرض بیان کیا ہے، وہی منکر کہ جذاب اور وہ نہیاتی ہی مکر ہے کنز عرب بن الخطاب، میں بھی اس روایت کی کمزوری غایہ کر گئی ہے۔ ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان اور اسحاق بن ابراہیم اسنینی اور اسامة بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں لیکن با ایسی ہمہ کہ یہ روایت اپنی سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے، تاہم اس میں جو اعقاالت بیان ہوئے ہیں، ان میں سے متعدد نکزوں کی صحیح روایتوں سے تائید ملتی ہے، مثلاً: حضرت عمر بن عثمانؓ کا اپنی بہن اور بہنوی کو ان کے مسلمان ہو جانے پر آزاد ریا (بخاری)، باب اسلام سعید بن زید (۳۸۶۲) اور آنحضرت ﷺ کا حضرت عمر بن عثمانؓ کے اسلام کے لئے دعا ہے خیر کرنا (ابن مذی: ۳۶۸۲) اور متعدد طریقوں سے ایک واقعہ کا ذکر ہونا گوہہ سب ضعیف ہی کیوں نہ ہوں کچھ نہ کچھ اصلیت کا پڑھتا ہے، اس لئے ہم نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے۔

۳۶ مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابة، ج ۴، ص: ۵۹۔

نے اس کی تصریح کی ہے۔

دوسری روایت مسند ابن حبیل میں ***** خود حضرت عمر بن الخطاب سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کے چھپر نے کوئا کلا، آپ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے، اور نماز شروع کر دی اس وقت آپ نے سورۃ الحلقہ تلاوت فرمائی، میں کھڑا استھرا اور قرآن کے نظم اور اسلوب سے حیرت میں تھا، دل میں کہا خدا کی قسم! یہ شاعر ہے، جیسا قریش کہا کرتے ہیں، انھی یہ خیال تھا ہی کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا هُوَ بِقُوَّلٍ شَاعِرٍ طَقْلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ﴾

(۶۹/ الحاقة: ۴۱، ۴۰)

”یہ ایک بزرگ قادر کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم ایمان رکھتے ہو۔“

میں نے کہا یہ تو کام ہے، میرے دل کی بات جان گیا کہ اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

﴿وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ طَقْلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ طَتْنِيلٌ مَنْ زَيَّ الْعَلَمِينَ﴾

(۶۹/ الحاقة: ۴۲)

”یہ کام بھی نہیں، تم بہت کم بصیرت پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے پرواروگار کی طرف سے اترتا ہے۔“

آپ ﷺ نے یہ سورہ آخر تک پڑھی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔ ابن اسحاق نے ان دونوں روایتوں کو بہت کچھ گھٹا بڑھا کر بغیر کسی سند کے اپنی سیرت میں لکھا ہے، اس لئے، وہ اس باب میں سند کے قابل نہیں، حافظ ابن حجر نے اصابة میں یہ دونوں روایتیں لکھ کر چھوڑ دی ہیں ***** اور یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ ان دونوں واقعوں میں سے مرنج کون ہے؟ اور اگر دونوں قبل قبول ہیں تو ان کی ترتیب کیا ہے؟ میرا خیال یہ ہے کہ اگر یہ دونوں واقعے صحیح ہیں تو ان کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے حضرت عمر بن الخطاب نے آپ ﷺ کو نماز میں سورۃ الحلقہ پڑھتے سناؤ اور اس سے ان کو اسلام کی طرف میلان ہوا، جیسا کہ ان کے اس نظر نے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوقع اسلام فی قلبی کل موقع یعنی ”اسلام میرے دل میں پوری طرح میٹھ گیا“ تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل اور پختہ کارتے ہیں، اس لئے اپنے اسلام کا انہوں نے اعلان نہیں کیا، بلکہ اس اثر کو وہ شاید روکتے رہے، لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورۃ طہ پر نظر پڑی تو پھر دل پر قابو نہ رہا اور جوش حق کا چشمہ ان کی زبان و دل سے بے اختیار اُبل پڑا اور فوراً دراقدس پر حاضری کی

1 مسند ابن حبیل، ج ۱، ص: ۱۷، اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، لیکن ابتدائی راوی کی ملاقات حضرت عمر بن الخطاب سے ثابت نہیں اس لئے اس میں اقطاع ہے، لیکن حضرت عمر بن الخطاب کے اسلام کے بارہ میں سب سے محفوظ روایت ہی ہے۔

2 الاصابة، تذكرة عمر، ج ۲، ص: ۵۱۹؛ تذكرة فاطمة بنت خطاب، ج ۸، ص: ۱۶۱۔

درخواست پیش کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا یہ شوق ظاہر کیا، حضرت خباب رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن اور بہنوئی کو سورہ مذکور کی تعلیم دے رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر گھر میں چھپ گئے تھے، * بے تال نکل کر سامنے آگئے اور بشارت دی کہ ”اے عمر! نوید مردہ کہ جمعرات کی رات کو تمہارے حق میں آنحضرت ﷺ نے جو دعا کی تھی شاید اس کے پورے ہونے کا دن آگیا، حضور ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ ”خداوند ا عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابو جہل) سے اسلام کو عزت دے۔“

غور کرو کہ یہ دعائے نبوی ﷺ کس طرح حرف بحروف پوری ہوئی، نہ صرف یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا، بلکہ ان کی ذات سے اسلام کو وہ عزت نصیب ہوئی جس کا سائز ہے تیرہ سو برس کے بعد بھی دنیا کو اعتراض ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گواہی دیتے ہیں کہ مَا زَلَّتْنَا أَعْزَّةً مُنْذَ أَسْلَمَ عُمَرَ۔ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے، ہم مسلمانوں کو عزت اور قوت حاصل ہو گئی۔“ * اسلام کی اس عزت کو اگر سوچ فاروقی کے کارناموں میں تلاش کرو، تو دعائے نبوی ﷺ کے قبول و اجابت کا پرجیت سماں نگاہوں کے سامنے گزر جائے گا۔

سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں کا حصہ جانا

جب آپ ﷺ بھرت کی غرض سے مدینہ کو روانہ ہوئے، تو کفار کے جاسوسوں میں سراقہ نے آپ ﷺ کا پیچھا کیا اور آپ سے اس قدر قریب آ گیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گھبرا کے بول اٹھے کہ ”ہم آلنے گئے، آپ نے ان کی دل وہی کی اور دعا فرمائی جس کے اثر سے اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں ڈھنس گئے، سراقہ نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ تم دونوں نے مجھے بد دعا دی، اب دعا کرو تو میں تمام لوگوں کو تمہارے تعاقب سے واپس لے جاؤں۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور اس نے مصیبت سے نجات پائی، وہاں سے واپس آیا تو تمام تعاقب کرنے والوں کو واپس لے گیا۔*

مدینہ کی آب و ہوا کے لئے دعا

مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی، وہا کا بھی اثر تھا، اکثر مہاجرین یہاں آ کر بیمار پڑ گئے، اس حالت میں لوگوں کو بار بار اپنا وطن مکہ یاد آنے لگا، * یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی کہ ”اللہ! مدینہ کو بھی ہمارے لئے ویسا ہی محبوب کر دے، جیسا کہ ہم کو مکہ محبوب ہے، بلکہ اس سے زیادہ محبوب بنا دے، اللہ!

* خباب کا ذکر حاکم اور دارقطنی کی روایتوں میں بھی ہے۔ لیکن بشارت کا ذکر ابن سعد کی روایت میں ہے۔ (طبقات جز ثالث فی البدرین، ص: ۱۹۲)۔ * صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اسلام عمر: ۳۸۶۳۔

* بخاری باب هجرة النبی ﷺ: ۳۹۰۶۔ * صحیح بخاری، باب مقدم النبی ﷺ: ۳۹۲۶۔ و صحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینۃ: ۳۳۳۶۔

ہمارے صارع اور مد میں برکت دے اور اس کو ہمارے لئے صحت بخش بنادے اور یہاں کا بخار بھجھ میں منتقل کر دے۔^۱ یہ دعا حرف بہ حرف قول ہوئی، مہاجرین کو اس شہر سے جو محبت ہو گئی وہ ان کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہے، وہی ابو بکر و بلاں رضی اللہ عنہما جو چند روز میں یہاں سے گھبرا لئے تھے اس کے ایسے والہ و شیدا ہوئے کہ پھر کہ کاتا نام بھی نہیں لیا، اور آنحضرت ﷺ کو یہاں سے واکا دور ہونا خواب میں دھکایا گیا۔^۲

قط کا دور ہونا اور پانی کا برسنا

بحیرت سے پہلے مکہ میں جب قحط پڑا تھا، تو مسلمانوں نے نہیں کافروں نے جا کر آپ ﷺ سے درخواست کی کہ دعا کیجئے، آپ نے دعا فرمائی تو پانی برسا،^۳ حضرت ابو طالب عم رسول نے شاید اسی منظرو کو دیکھ کر آپ کی مدح میں یہ شعر کہا تھا:

وأيضـ يستنقى الغمام بوجهـه شمال اليتامي عصمة للارامل^۴
 ”محمد ﷺ“ گورے رنگ والا ہے، اس کے چہرے کے وسیلہ سے اب باراں کی سیرابی مانگی
 جاتی ہے، تیسموں کی جائے پناہ اور یہاں کا بچاؤ ہے۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جب پانی برسنے کی دعا مانگتے تو میں آپ کے چہرہ مبارک کو تکتارہتا، اور ابو طالب کا یہ شعر یاد آتا، آپ دعا مانگ کر منبر سے اتنے بھی نہیں پانتے تھے کہ مدینہ کا ہر پرنالہ زور و شور سے بہنے لگتا،^۵ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے گزرے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی کہ ”خداوند اہم اپنے پیغمبر ﷺ کی زندگی میں اس کو وسیلہ بنانا کرتی ہے سامنے پیش کرتے تھے تو تو ہم کو سیراب کرتا تھا۔“^۶

ایک دفعہ مدینہ میں خشک سالی ہوئی، آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو لے کر نکلے، اور کھڑے ہو کر بارگاہ الہی میں دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دعا مانگی، پھر قبلہ رخ ہو کر چادرِ الٹی اور درکعت نماز پڑھی، ابرا آیا، پانی برسا اور لوگ سیراب ہوئے۔^۷

دعائے نبوی ﷺ سے پانی برسنے کا سب سے حیرت انگیز لیکن مستند تر واقعہ حسب ذیل ہے، جو متعدد طریقوں اور سلسلوں سے احادیث میں مذکور ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک بار مدینہ اور اطراف مدینہ میں قحط پڑا،

۱ ایضـ ^۱ صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب اذار ای انه اخرج شيئاً من کوہ: ۷۰۳۸۔

۲ صحیح بخاری، ابواب الاستسقاء، باب دعا النبی ﷺ: ۱۰۰۷۔ ^۲ ایضاً: ۱۰۰۹، ۱۰۰۸۔

۳ صحیح بخاری، ابواب الاستسقاء، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا: ۱۰۱۰ و ابن ماجہ

ابواب الاستسقاء: ۱۲۷۲۔ ^۳ صحیح بخاری، ابواب الاستسقاء: ۱۰۱۰۔

۴ ایضاً: ۱۰۱۲؛ مسلم: ۲۰۷۳؛ ترمذی، ابواب الاستسقاء: ۵۵۶۔

آنحضرت ﷺ جمہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! موسیٰ ہلاک ہو گئے، لوگ بھوکوں مر گئے، خدا سے دعا فرمائیے کہ ہم کو سیراب کرے، آپ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، یہ اثر ہوا کہ پہلے تو آسمان آئینہ کی طرح صاف تھا، اور اب ایک آندھی چلی، بادل امنڈ آئے اور آسمان کا دہانہ کھل گیا، لوگ مسجد سے نکلے تو پانی میں جسکتے ہوئے مکان تک پہنچے، ایک ہفتہ تک مسلسل پانی برستا رہا، یہاں تک کہ لوگ گھبرا لٹھے اور دوسرے جحمد کو اسی آدمی نے یا کسی اور نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! مکانات گر گئے، دعا کیجئے کہ خدا پانی کو روک لے، آنحضرت ﷺ مسکرائے اور دعا فرمائی، بادل پھٹ گئے اور مدینہ ناج کی طرح چمک اٹھا۔

ابن ماجہ باب الاستقاء میں اس قسم کے دو واقعے اور لکھے ہیں، اگر وہ اس واقعے سے الگ ہیں تو اس قسم کے دو واقعوں کا اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے برکت

آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ان کو چادر میں لپیٹ کر لائیں، اور آپ کی خدمت میں بطور خادم کے پیش کیا اور ان کے لئے دعا کی درخواست کی، آپ نے ترقی مال واولاد کی دعا دی، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ”آن اس دعا کی برکت سے میرے پاس بہ کثرت دولت ہے اور میرے لڑکوں اور پتوں کی تعداد سو کے قریب پہنچ گئی ہے۔“ اُ اور اس دعا کا یہ اثر تھا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ایک باغ تھا جو سال میں دو بار پھل لاتا تھا اور اس میں ایک بھول کا درخت تھا جس سے مشک کی بوآتی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے علم

ایک بار آپ ﷺ قضاۓ حاجت کے لئے گئے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے ہی سے وضو کا پانی بھر کر رکھ دیا، آپ نے ان کو تفقہ فی الدین کی دعا دی، چنانچہ ان کو یہ درجہ حاصل ہوا کہ انہوں نے ”حبر الامّۃ“ کا خطاب پایا۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے شہادت

ایک روز آپ ﷺ ام حرام رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے انہوں نے آپ کو کھانا کھایا، اور سر سے جو سیس نکالنے لگیں اور اسی حالت میں آپ کو نیندا آگئی، پھر ہنسنے ہوئے بیدار ہوئے، تو ام حرام رضی اللہ عنہ نے

۱ صحیح بخاری، باب علامات النبوة، ۳۵۸۲ و صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ الاستقاء: ۲۰۷۸۔

۲ مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل انس بن مالک: ۶۳۷۶۔ ۳ ترمذی، ابواب المناقب: ۳۸۳۳۔

۴ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عبد اللہ بن عباس: ۶۳۶۸۔

ہنسی کی وجہ پر بھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں سے مجاہدین کا ایک گروہ میرے سامنے پیش کیا گیا جو بغرض چہاد دیا میں اس طرح سوار ہو کر چلے گا جس طرح تخت پر بادشاہ“، ام حرام ﷺ نے درخواست کی کہ خدا سے دعا فرمائیے کہ میں بھی انہی میں سے ہوں، چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کو بحری جنگ کا شرف حاصل ہوا اور دیا سے نکل کر خلک میں آئیں تو سواری سے گر کر درجہ شہادت حاصل کیا۔ *

ایک نوجوان کی ہدایت کے لئے دعا

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ صحابی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک دن اصحاب کے حلقو میں تشریف فرماتھے، ایک نوجوان نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ یہ سن کر چاروں طرف سے اس پر لوگوں نے ملامت شروع کی۔ آپ نے روکا پھر اس نوجوان کو اپنے پاس بلاؤ کر بٹھایا اور دل دھی سے پوچھا کہ ”تم اس فعل کو اپنی ماں کے لئے پسند کرو گے۔“ عرض کی، آپ پر قربان نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: ”تو اور لوگ بھی اپنی ماں کے لئے نہیں پسند کریں گے۔ تو کیا تم اپنی بیٹی کے لئے یہ پسند کرو گے؟“ عرض کی، نہیں یا رسول اللہ! تو فرمایا: ”تو اور لوگ بھی اپنی بیٹی کے لئے یہ پسند کرو گے؟“ عرض کی، نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: ”تو اور لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے یہ پسند نہ کریں گے۔“ گزارش کی نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: ”تو اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے یہ پسند نہیں کریں گے۔“ پھر اس طرح خالہ اور پھوپھی کے متعلق آپ ﷺ نے پوچھا، اس نے وہی جواب دیا اور آپ بھی اسی طرح فرماتے گئے۔ اس کے بعد اس پر ہاتھ رکھ کر دعا کی کہ ”خداوند! اس کے گناہوں کو بخش اور اس کے دل کو پاک اور اس کو عصمت عطا کر۔“ ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کا یہ حال تھا کہ وہ کسی کی طرف مُرکب ہی نہیں دیکھتا تھا۔ *

حضرت سعد بن ابی و قاص رضی اللہ عنہ کی شفایا بی کے لئے دعا

حضرت سعد بن ابی و قاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی ہم رکابی میں مکہ گیا اور وہاں جا کر ایسا سخت پیارہوا کہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ یہاں تک کہ وصیت کی تیاری کی۔ آپ عیادت کو تشریف لائے تو عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! میں اس سرز میں میں مرتا ہوں جس سے بھرت کی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں ان شا اللہ“، * پھر تین و فعد دعا کی کہ ”ابی سعد کو شفا دے۔ سعد کو شفا دے۔ سعد کو شفا دے۔“ * چنانچہ

* بخاری، کتاب الجهاد، باب فضل من يصرع في سبيل الله: ۲۷۹۹، ۲۸۰۰۔ لیکن کھانا کھلانے اور سرے جو میں نکالنے کا ذکر حدیث نمبر ۲۸۸، ۲۸۹ میں ہے۔ * مسند احمد، ج ۵، ص: ۲۵۶ بہ سند صحیح و شعب الایمان بیہقی۔

* نسائی، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث: ۳۶۰۔

* صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب الوصیۃ بالثلث: ۴۲۱۵۔

ان کو شفای ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے بعد چودہ پندرہ برس تک زندہ رہے اور شتر عراق کے امیر مقرر ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی و قاص رضی اللہ عنہ کے مسحاب الدعوات ہونے کی دعا

ان ہی حضرت سعد بن ابی و قاص رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ ”خداوند! ان کو مسحاب الدعوات بنا۔“ ۱ چنانچہ اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جس کو دعا دیتے تھے وہ یقیناً قبول ہو جاتی تھی۔ کوفہ کی امارت کے زمانہ میں بعض شریروں نے بارگاہ فاروقی میں ان کی غلط شکایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیق حال کے لئے آدمی بھیجا وہ ایک مسجد میں جا جا کر لوگوں سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق حالات دریافت کرتا پھر تھا۔ ایک محلہ کی مسجد میں ایک شخص نے جھوٹی گواہی دی کہ وہ نماز بھی ٹھیک نہیں پڑھاتے۔ یہ سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بے اختیار ہو گئے۔ فرمایا: ”خداوند! اگر یہ جھوٹا ہو تو اس کو آزمائش میں ڈال۔“ اس شخص کا یہ حال ہو گیا تھا کہ بوڑھے ہو کر اس کی پلکیں لٹک آئی تھیں۔ تاہم بازاروں میں چھوکریوں کو چھیڑتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ سعد کی بد دعا مجھے لگ گئی۔ ۲ احادیث و سیر میں ان کی قبولیتِ دعا کے اور بھی واقعات مذکور ہیں۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے برکت

ایک بار آپ ﷺ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کو ایک دینار دیا کہ اس کی ایک بکری خرید لائیں۔ انہوں نے اس سے دو بکریاں خرید لیں۔ ایک کو ایک دینار پر فروخت کر دلا اور آپ کی خدمت میں دوسرا بکری اور دینار کو پیش کیا، آپ ﷺ نے ان کو خرید و فروخت کے معاملات میں برکت کی دعا کی اور اس کا یہ اثر ہوا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تھے اس میں نفع ہوتا تھا۔ ۳

ابو امامہ بالی رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے سلامتی

حضرت ابو امامہ بالی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کیمیں کہیں فوج بھیج رہے تھے۔ میں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے لئے دعا کیجئے کہ شہادت نصیب ہو۔ فرمایا: ”خداوند! ان کو سالم و غافم و اپس لال۔“ چنانچہ ہم صحیح و سلامت مال غنیمت لے کر والبیں آئے۔ پھر کہیں فوج جانے لگی۔ میں نے پھر وہی درخواست کی۔ آپ نے پھر وہی دعا دی اور پھر وہی ہوا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی موقع پیش آیا۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ امیں نے دو دفعہ دعائے شہادت کے لئے درخواست پیش کی قبول نہ ہوئی۔ اب یہ تیسرا موقع ہے۔ آپ نے پھر وہی دعا دی اور وہی تیج تھا۔ ۴

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے حق میں برکت اولاد کی دعا

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نہایت ہوشمند اور پیغمبر اسلام ﷺ پر دل سے فدا تھیں۔ ایک

۱ ترمذی، مناقب سعد بن ابی و قاص: ۲۷۵۱۔ ۲ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءة الامام والحااموم فی الصلوات كلها: ۷۵۰۔ ۳ بخاری، کتاب المناقب: ۳۶۴۲۔ ۴ مسند احمد، ج ۵، ص: ۲۴۸، ابو یعلی ویہقی۔

دفعہ ان کا پچھہ بیمار ہوا۔ حضرت طلحہ گھر سے باہر ہی تھے کہ پچھے نے دم توڑ دیا۔ بیوی نے پچھے کو ایک گوشہ میں لٹا دیا۔ ابو طلحہ ڈین عائذ جب گھر واپس آئے تو بیوی سے دریافت کیا کہ پچھے کیسا ہے؟ نیک بخت نے جواب دیا کہ ”وہ آرام پا گیا۔“ ابو طلحہ ڈین عائذ سمجھے کہ وہ اچھا ہے، دونوں میاں بیوی ایک ہی بستر پر سوئے۔ ابو طلحہ ڈین عائذ صبح کو اٹھے غسل کر کے مسجد بنبوی میں نماز پڑھنے کو جانے لگئے تو بیوی نے اصل حقیقت ظاہر کی۔ ابو طلحہ ڈین عائذ نے آکر آنحضرت ڈین عائذ کو شب کا ماجرسنا یا تو فرمایا: ”شاید کہ خدا نے آج شب کو برکت عطا کی ہو۔“ چنانچہ اس شب کی برکت مقررہ مہینوں کے بعد پوری ہوئی۔ * ایک انصاری کہتے ہیں کہ برکت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ابو طلحہ ڈین عائذ کی نو (۹) اولادیں دیکھیں اور سب کی سب قرآن خواں تھیں۔ *

حضرت ابو ہریرہ ڈین عائذ کی والدہ کے قتل میں دعا کے ہدایت

حضرت ابو ہریرہ ڈین عائذ کی والدہ کافر تھیں اور ابو ہریرہ ڈین عائذ ان کو دعوتِ اسلام دیتے تھے۔ لیکن وہ نہیں مانتی تھیں، ایک دن انہوں نے حسب دستورِ دعوتِ اسلام دی تو انہوں نے آنحضرت ڈین عائذ کو برا بھلا کھا۔ حضرت ابو ہریرہ ڈین عائذ کو سخت تکلیف ہوئی۔ وہ روتے ہوئے آنحضرت ڈین عائذ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس ناگوار واقعہ کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ میری والدہ کے لئے ہدایت کی دعا فرمائیے۔ آپ ڈین عائذ نے دعا کی ”کہ خداوند! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت نصیب کر۔“ حضرت ابو ہریرہ ڈین عائذ کو اس دعا کے قبول ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ وہ خوش خوش گھر واپس آئے۔ دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ ماں نے پاؤں کی آہٹ سنی تو کہا کہ دروازے پر پھرے رہو۔ حضرت ابو ہریرہ ڈین عائذ کو پانی گرنے کی آواز بھی محسوس ہوئی۔ جب وہ غسل کر کے کپڑے بدل چکیں تو دروازہ کھولا اور کلمہ شہادت پڑھا۔ حضرت ابو ہریرہ ڈین عائذ خوشی کے مارے ائے پاؤں آنحضرت ڈین عائذ کی خدمت میں واپس آئے اور آپ کو مژده سنایا۔ آپ نے خدا کا مشکرا دا کیا اور دونوں کو دعا دی۔ *

اوٹ کا تیز ہو جانا

ایک غزوہ میں حضرت جابر ڈین عائذ کی سواری کا اوٹ اس قدر تھک گیا یا بیمار ہو گیا تھا کہ تقریباً چل نہیں سکتا تھا۔ آپ ڈین عائذ نے دیکھا تو دعا دی اور اب وہ اس قدر تیز ہو گیا کہ تمام اوٹوں کے آگے آگے رہتا تھا۔ آنحضرت ڈین عائذ نے آکر پھر دریافت فرمایا کہ ”اے جابر! اب کیا حال ہے۔“ عرض کی، آپ کی دعا کی برکت قبول ہوئی۔ *

.....

* صحیح مسلم، باب من فضائل ابی طلحة: ۶۳۲۲:-

** صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من لم يظهر حزنه عند المصيبة: ۱۳۰۱:-

*** صحیح مسلم، باب من فضائل ابی هریرة: ۶۳۹۶:-

**** بخاری، کتاب الجهاد، باب استدان الرجل الامام: ۲۹۶۷:-

بیکار کا اچھا ہونا

آپ ﷺ ایک صحابی کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ جو صرف سے چور ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تم صحبت کی حالت میں خدا سے کوئی دعا کرتے تھے؟“ انہوں نے کہا، ہاں میں خدا سے دعا کرتا تھا کہ مجھے آخرت میں جو عذاب دینا ہے وہ دنیا ہی میں دے دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سبحان اللہ! تم دنیا کے عذاب کے متحمل نہیں ہو سکتے تو تم نے یہ دعا کیوں نہیں کی؟“

﴿رَبَّنَا أَنْتَأَنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقَاتَ عَذَابَ النَّارِ﴾

(۲۰۱: البقرة)

”خداوند! ہم کو دنیا و آخرت دونوں میں بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے درگاہ خداوندی میں دعا کی اور خدا نے ان کو شفاعة طاف فرمائی۔

سواری میں قوت آ جانا

حضرت جریر بن عوفؓ ایک صحابی تھے۔ جو گھوڑے کی پشت پر جم کرنے میں بیٹھ سکتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ان کو ذی الخلصہ کے بت خانے کے ڈھانے کے لئے بھیجنा چاہا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے گھوڑے پر جم کرنے بیٹھنے کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اسکے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا دی کہ ”خداوند! اس کو گھوڑے پر بیٹھنے کی قوت دے اور اس کو ہادی و مہدی بنا۔ چنانچہ وہ گئے اور اس میں آگ لگا کر آئے۔“

ایک مغروہ کا ہاتھ شل ہو جانا

آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص نے باسیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا: ”واسیں ہاتھ سے کھاؤ۔“ اس نے غرور سے کہا، میں اس سے کھا نہیں سکتا۔ چونکہ اس نے غرور سے ایسا کہا تھا آپ نے فرمایا: ”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“ چنانچہ اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ واسیں ہاتھ کو اٹھا کر واقعی اپنے منہ نہ کن نہیں لے جا سکتا تھا۔

قبيلہ دوس کا مسلمان ہونا

ایک بار حضرت طفیل دوی ڏال اللہؓ اپنے رفقا کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا، یا رسول اللہ ﷺ ادوس کے قبیلہ نے دعوت اسلام کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ آپ ﷺ اس پر بدؤ دعا فرمائی۔ لیکن رحمت عالم ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

❶ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء باب کراهة الدعاء بتعجیل العقوبة في الدنيا: ٦٨٣٥۔

❷ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل جریر بن عبد اللہ: ٦٣٦٦۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب آداب الطعام والشراب واحکامهما: ٥٢٦٨۔

((اللهم اهد دوساوات بهم)) * "خداوند اوس کو ہدایت دے اور ان کو لا"

بالآخر یہ دعا قبول ہوئی اور پورا قبلہ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوا۔

رفع بے پردگی کے لئے دعا

ایک جھیلیہ عورت نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے صرع کا دورہ ہوتا ہے۔ جس سے میں بے پردہ ہو جاتی ہوں۔ میرے لئے دعا فرمائیے۔ ارشاد ہوا: "اگر صبر کرنا چاہو تو تمہیں جنت نصیب ہوگی اور اگر کہو تو میں دعا کروں کہ خدام کو صحبت دے۔" اس نے کہا، میں صبر کرتی ہوں لیکن ستر عورت کے لئے دعا فرمائیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے لئے دعا کی۔ *

سلطنت کسری کی تباہی

پڑھ پچھے ہو کر آنحضرت ﷺ نے دعوت اسلام کے لئے جب کسری کے پاس خط بھیجا تو اس نے خط کو چاک کر کے پھیلک دیا۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے اس کو بد دعا دی کہ اس کے بھی پر زے پر زے ہو جائیں * چنانچہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں اس کی سلطنت کے پر خی اڑ گئے۔

دعائے برکت کا اثر

آنحضرت ﷺ ہمیشہ فوج کو صلح تو کے روانہ فرماتے تھے اور تمام امت کے لئے دعا کی تھی کہ "خداوند ا! میری امت کو صلح کے سوریے میں برکت دے۔" ایک تجارت پیشہ صاحبی نے اس پر عمل کیا اور اپنا سامان تجارت عموماً صلح سوریے روانہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اس دعا کی برکت ظاہر ہوئی اور وہ اتنے دولت مند ہو گئے کہ ان کو اپنی دولت کے رکھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ *

طول عمر کی دعا

ام قیس رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھیں ان کا لڑکا مر گیا تو وہ اس قدر بد حواس ہو گئیں کہ غسل جنائزہ دینے والے سے کہا کہ میرے بیچے کوٹھڈے پانی سے غسل نہ دو ورنہ مر جائے گا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو مسکرائے اور ان کو طول عمر کی دعا دی۔ چنانچہ انہوں نے تمام عورتوں سے زیادہ عمر پائی۔ *

* صحيح بخاری، کتاب المغاری، باب قصة دوس: ٤٣٩٢ و مسلم، باب من فضائل غفار و اسلم و ...

- ٦٤٥ - * صحيح مسلم، کتاب البر والصلة، باب ثواب المؤمن فيما يصييه ... ٦٥٧١ -

* صحيح بخاری، کتاب الجهاد، باب دعوة اليهود والنصارى: ٢٩٣٩ -

* ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی الابتکار فی السفر: ٢٦٠٦؛ ترمذی، ابواب البيوع، باب ماجاء فی البکیر بالتجارة: ١٢١٢؛ ابن ماجہ، باب ما یرجی من البرکة فی البکر: ٢٢٣٦ و مسند احمد، ج ٣، ص: ٤٣ عن صخر الغامدی۔ * نسائی، کتاب الجنائز، باب غسل المیت بالحتمیم: ١٨٨٣ -

ایک بچہ کی ہدایت کے لئے دعا

رافع بن سنان نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن بی بی نے جس کی گود میں ایک لڑکی تھی۔ اس سعادت ابدی سے انکار کیا۔ اب اختلاف مذہب کی بنابرائی کے بارے میں نزاع پیدا ہوئی۔ بارگاہ نبوت میں مقدمہ پیش ہوا۔ آپ ﷺ نے دونوں کو الگ الگ بٹھایا اور کہا: ”لڑکی کو بلاستے جاؤ۔“ دونوں نے بلایا تو لڑکی ماں کی طرف بڑھی۔ آپ ﷺ نے اس حالت کو دیکھ کر عافر فرمائی کہ ”خداوند! اس کو ہدایت دے۔“ اس کا یہ اثر ہوا کہ لڑکی کا رخ فوراً اپ کی طرف پھر گیا۔ ❶ یہ ابو داؤد کی روایت ہے۔

ابن سعد نے اسی قسم کا ایک واقعہ ابوسلمہ صحابی ؓ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بچہ تھے۔ ان کے دادا اور نانا میں سے ایک کافر اور ایک مسلمان تھا۔ دونوں نے بچہ کی تولیت کا دعویٰ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا فیصلہ خود بچہ کے اختیار پر رکھ دیا۔ پہلے تو بچہ اپنے کافر رشتہ دار کی طرف چلا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدا! اس کو ہدایت دے۔“ فوراً بچہ مسلمان عزیز کی طرف چلا گیا اور فیصلہ اسی کے حق میں رہا۔ ❷

❶ ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب اذا اسلم احد الآبوين لمن يكون الولد: ۲۲۴۴۔

❷ ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب تخیر الصبی بین ابویہ: ۲۳۵۲ میں بھی یہ روایت ہے۔

اشیاء میں اضافہ

مسلمانوں کی ابتدا کی زندگی جس فقر و فاقہ میں گزری تھی، اس کا حال کتاب کے مختلف حصوں میں پڑھ چکے ہو۔ کئی کئی دن گزر جاتے تھے کہ ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر برکت اللہ ان کو اپنا خاص مہمان نہ بنا لیتی تو ان کا کیا حشر ہوتا؟ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ نے تھوڑی سی روٹی اور مچھلی سے کئی سوا آدمیوں کو شکم سیر کر دیا اور یہ ان کا بڑا مجزہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے دست مبارک اور فیض روحانی سے ایک دفعہ نہیں متعدد دفعے اس قسم کے برکات ظاہر ہوئے۔

تھوڑے سے کھانے میں ستر آدمیوں کا سیر ہونا

ایک دن حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی آواز سے محسوس کیا کہ آپ بھوک کی شدت سے ضعیف ہو رہے ہیں۔ گھر میں آئے اور بی بی (ام سلیم رضی اللہ عنہا) سے کہا کہ مجھ کو آنحضرت ﷺ کی ضعیف آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھوکے ہیں۔ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے جو کی چند روٹیاں دو پہنچیں میں پیش کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں۔ وہ روٹیاں لے کر آئے تو آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد میں تشریف فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سامنے کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: ”ابو طلحہ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟“ انہوں نے کہا، باں آنحضرت ﷺ تمام صحابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اٹھے اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر کی تو انہوں نے بی بی سے کہا کہ آنحضرت ﷺ ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور ہمارے پاس کھلانے کا کوئی سامان نہیں آنحضرت ﷺ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے اور امام سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہوا تو انہوں نے وہی روٹیاں پیش کیں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے ان کو چورا کیا گیا اور امام سلیم رضی اللہ عنہ نے گھی کا برتن انڈیل دیا۔ جس نے سامن کا کام دیا۔ لیکن ان ہی روٹیوں میں یہ برکت ہوئی کہ آپ ﷺ دس آدمیوں کو بلا بala کر کھلاتے تھے اور وہ شکم سیر ہو ہو کر جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ستر، اسی آدمی آسودہ ہو گئے۔ *

چھوپا رے کے ڈھیر کا بڑھ جانا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد نے اپنے اوپر یہودیوں کا قرض چھوڑ کر وفات کی قرضداروں نے تقاضا کیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑ کر انتقال کیا ہے اور بجز کھبوروں کے میرے پاس ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں۔ صرف کھبوروں کی پیداوار سے کئی برس تک یہ قرض ادا نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ میرے ساتھ نگرانی میں تشریف لے چلے، تاکہ آپ کے

* صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة۔ ۳۵۷۸۔

ادب سے قرض دار مجھ پر سختی نہ کریں۔ آپ ان کے ساتھ تشریف لائے اور بھجوروں کا جوڑ ہیر لگا ہوا تھا۔ اس کے گرد پچڑکا کرو عما کی اور اسی پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنے قرض میں لیتے جاؤ۔ آپ کی دعا کی تاثیر سے ان ہی بھجوروں میں یہ برکت ہوئی کہ تمام قرض ادا ہو گیا اور جس قدر بھجوڑیں قرض داروں کو دی گئی تھیں۔ انی ہی پنج رہیں۔ ۲۱

کھانے میں حیرت انگیز برکت

چونکہ اصحاب صفة بالکل محتاج تھے ان کی معاش کا کوئی سامان نہ تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے ایک بار حکم دیا کہ جس کے پاس دوآ دمیوں کے کھانے کا سامان ہو وہ اصحاب صفت میں سے ایک کو اور جن کے پاس چار آدمیوں کی غذا ہو وہ دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھائے۔ چنانچہ اس اصول کے موافق آنحضرت ﷺ کے حصہ میں دس اور حضرت ابو بکر ؓ کے حصے میں تین آدمی آئے۔ یہ لوگ حضرت ابو بکر ؓ کے گھر میں آئے لیکن حضرت ابو بکر ؓ نے آنحضرت ﷺ کے یہاں کھانا کھایا اور آپ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ اس لئے کسی قدر رات گزر گئی۔ وہ گھر میں دیر سے آئے تو ان کی یوں ام رومان جی ہٹھا نے کہا کہ مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں رہ گئے؟ انہوں نے کہا، کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ وہ بولیں، بغیر تھمارے ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا۔ حضرت ابو بکر ؓ نہیں براہم ہوئے اور ان لوگوں کو کھانا کھانا شروع کیا۔ وہ لوگ جو لقہ اٹھاتے تھے اس میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ لوگ شکم سیر ہو کر کھا چکے تو بچا ہوا کھانا پہلے سے بھی زیادہ لٹکا۔ حضرت ابو بکر ؓ نے اس برکت کو دیکھ کر ام رومان جی ہٹھا کی طرف سرت سے دیکھا اور غصہ میں اگر چہ کھانے کی قسم کھا چکے تھے۔ لیکن قسم توڑنے کے لئے ایک لقمہ اس میں سے کھایا اور تمام کھانا آنحضرت ﷺ کے گھر بھیج دیا۔ وہ کھانا آپ ﷺ کے گھر میں صحیح تک رہا۔ دوسرے روز آپ کی خدمت میں ۱۲ آدمی آئے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ کئی کئی آدمی خدا جانے کتنے تھے۔ آپ ﷺ نے وہ کھانا ان کے پاس بھیج دیا اور وہ لوگ بھی سیر ہو گئے۔ ۲۲

گھی کی مقدار میں برکت

ام مالک رضی ہٹھا کا دستور تھا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ ایک برلن میں گھی ہدیۃ بھیجا کرتی تھیں۔ جب ان کے بچے سالن مانگتے اور گھر میں نہ ہوتا تو وہ اس برلن کو جس میں آنحضرت ﷺ کو گھی بھیجنی تھیں اخراجات میں اور اس میں سے بقدر ضرورت گھی نکل آتا۔ ایک دن انہوں نے اس برلن کو نچوڑ لیا۔ پھر آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم نے اس کو نچوڑ نہ لیا ہوتا تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلا کرتا۔“ ۲۳

۲۱ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة، ۳۵۸۰۔ ۲۲ ایضاً: ۳۵۸۱۔ ۲۳ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی معجزات النبی ﷺ: ۵۹۴۵ و مسند احمد عن جابر، ج ۳، ص ۳۴۰۔

جو کی مقدار میں برکت

ایک بار ایک شخص نے آپ ﷺ سے غلہ مانگا۔ آپ نے تھوڑے سے جو دے دیئے۔ اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ وہ روز اپنے لئے، اپنی بیوی کے لئے، اپنے مہمان کے لئے اس میں سے صرف کرتا تھا اور اس میں کمی نہ ہوتی تھی۔ ایک دن اس نے اس کو تولا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم اس کو نہ تو لتے تو ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہتا۔“ *

کھانے میں حیرت انگیز اضافہ

غزوہ احزاب میں تمام مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سخت بھوکے ہیں وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے ایک صاع جو نکالا اور گھر میں ایک کبری تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس کو ذبح کیا اور بی بی نے آٹا گوندھا گوشت دیکھی میں چڑھایا گیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کو لینے کے لئے چلے۔ بی بی نے کہا کہ دیکھوآپ کے ساتھ لوگوں کو لا کر مجھے رسوانہ کرنا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ آئے اور پچکے سے آپ کے کام میں کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہے۔ آپ چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلے۔ لیکن آپ ﷺ نے تمام اہل خندق کو بیکارا کہ ”آؤ جابر نے دعوت عالم کی ہے۔“ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب تک میں نہ آلوں چولے سے دیکھی نہ اتاری جائے اور روٹی نہ پکے۔ آنحضرت ﷺ تمام لوگوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ گھر میں آئے تو بی بی نے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا، میں کیا کروں تم نے جو کہا تھا میں نے اس کی تعمیل کر دی۔ آپ آئے تو بی بی نے آپ کے سامنے آٹا پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا عاب و ہن ملا دیا اور برکت کی دعا دی۔ پھر اسی طرح دیکھی میں بھی العاب و ہن ڈالا اور دعاۓ برکت کی۔ اس کے بعد آپ نے روٹی پکانے اور سالن نکالنے کا حکم دیا۔ کم و بیش ایک ہزار آدمی تھے۔ سب کھا کردا پس گئے لیکن گوشت اور آٹے میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ *

تحوڑی سی زادراہ میں غیر معمولی برکت

غزوہ توبک میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھوک کی اتنی تکلیف ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے سواریوں تک کے ذبح کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی آپ بچا ہوا زادراہ سب سے طلب فرمائیں اور اس پر ذماعے برکت کریں۔ ممکن ہے کہ خدا اس میں ان کا بھلا کر دے۔ آپ نے ایک چادر پکھوائی اور تمام فوج کا زادراہ جمع

* صحیح مسلم، باب فی معجزات النبی ﷺ ۵۹۴۶ و مسند احمد عن جابر، ج ۳، ص: ۳۳۷۔

* بخاری، کتاب المغازی، باب ذکر غزوۃ الخندق: ۴۱۰۲۔

کرا دیا اور اس پر برکت کی دعا کی۔ پھر تمام لوگوں سے فرمایا: ”اپنے اپنے برتن بھر لیں۔“ لوگوں نے تمام برتن بھر لئے اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ یہاں تک کہ کھانے سے فج گیا۔ ❶

تحوڑی سی زادراہ میں عظیم برکت

آنحضرت ﷺ ایک سفر میں تھے صاحبہ رحیم بھوک سے اس قدر بیتاب نہ کہ اونٹیاں ذبح کرنی چاہیں۔ لیکن آپ نے تمام لوگوں کے زادراہ کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ایک چادر بچائی گئی اور اس پر تمام زادراہ ڈھیر کیا گیا۔ اس تمام سامان کی مجموعی مقدار نے صرف اس قدر رز میں کا احاطہ کیا۔ جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد ۱۳۰ سو تھی۔ لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا اور اپنے اپنے تو شہزادان بھر لئے۔ کھانے کے بعد آپ نے پانی طلب فرمایا۔ ایک صاحب ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے۔ آپ نے اس کو پیا لے میں انڈیل دیا اور ۱۲ آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔ ❷

آدھی سیر آئے اور ایک بکری میں برکت

آنحضرت ﷺ ایک سفر میں تھے۔ ۱۳۰ آدمیوں کی جماعت ساتھ تھی۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کچھ کھانے کا سامان ہے؟ ایک شخص ایک صاع آٹالایا اور وہ گوندھا گیا۔ پھر ایک کافر بکریاں چراتا ہوا آیا۔ آپ نے اس سے ایک بکری خرید فرمائی اور ذبح کرنے کے بعد لیکھ کے بھونے کا حکم دیا اور ہر شخص کو قسم کی گوشت تیار ہوا تو دیوالوں میں بھرا گیا اور سب کے سب کھا کر آسودہ ہو گئے اور بیچ بھی گیا۔ ❸

تحوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت

حضرت انس ﷺ کی والدہ ام سلمیم زینب بنت جحش نے ایک بار ایک قسم کا کھانا تیار کیا اور حضرت انس ﷺ کو بھیجا کہ آنحضرت ﷺ کو بلا لائیں وہ گئے تو آپ نے پوچھا کیا میرے ساتھیوں کو بھی بلایا ہے۔ حضرت انس ﷺ نے گھر میں آ کر پوچھا تو حضرت انس ﷺ نے آپ سے آ کر کہا کہ وہ تو زرای چیز ہے۔ جس کو ام سلمیم زینب بنت جحش نے تیار کیا ہے۔ آپ تشریف لائے اور وہ کھانا سامنے رکھا گیا تو فرمایا کہ وہ دس دس آدمیوں کو لاؤ، اس طرح چالیس آدمی دس دس کر کے آئے اور شکم سیر ہو کر کھایا لیکن کھانے میں کسی قسم کی کم نہیں ہوئی۔ ❹

قلیل تعداد میں کثیر برکت

آنحضرت ﷺ نے جب حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ نکاح کیا تو حضرت انس ﷺ کی والدہ ام

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات: ۱۳۹۔

❷ مسلم، کتاب اللقطة، باب استحباب خلط الازواد اذا قلت: ۴۵۱۸۔ ❸ بخاری، کتاب الاطعمة، باب من اكل حتى شبع: ۵۳۸۲۔ ❹ بخاری، کتاب الاطعمة، باب من ادخل الصیفان: ۵۴۵۰۔

سلیم بن عثمان نے تھوڑا سا حصہ (ایک قسم کا کھانا ہوتا ہے) تیار کیا اور ایک طشت میں کر کے حضرت انس بن عثیمین کے باقی آپ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت انس بن عثیمین کھانا لے کر آئے تو آپ نے بہت سے اصحاب کو مدد عکیا۔ تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ دس دس آدمی حلقہ باندھ کر بیٹھ جائیں اور اپنے سامنے سے کھانا شروع کریں تمام لوگ کھا کر آسودہ ہو گئے۔ لیکن اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ حضرت انس بن عثیمین کہتے ہیں کہ مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ جس وقت میں نے طشت کو اٹھا کر کھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب لوگوں کے سامنے رکھا گیا تھا۔ ﴿

ایک پیالہ میں حیرت انگیز برکت

سرہ بن جندب بن عثیمین کا بیان ہے کہ ہم لوگ دس آدمی صبح سے شام تک آنحضرت ﷺ کے پاس ایک پیالہ سے متصل کھاتے رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس میں اس قدر بڑھتی کیونکر ہوتی جاتی تھی؟ انہوں نے آسان کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ”دہان“ سے۔ ﴿

دودھ کے پیالہ میں برکت

ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ بن عثیمین بھوک کی شدت سے بے تاب ہو کر راستہ میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابو مکبر بن عثیمینؓ کا گزر ہوا تو ان سے قرآن مجید کی ایک پوچھی لیکن اس کا مقصد اپنی حالت زار کی طرف توجہ دلاتا تھا وہ گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی۔ پھر حضرت عمر بن عثیمینؓ گزرے۔ انہوں نے اسی غرض سے ان سے بھی ایک آیت پوچھی لیکن انہوں نے بھی بےاتفاقی کی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا، اور آپ نے ان کے چہرہ کو دیکھ کر اصل حقیقت معلوم کر لی اور ان کو پکارا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بن عثیمینؓ نے لدیک کہا اور ساتھ ہولئے۔ آپ گھر میں داخل ہوئے تو دودھ کا ایک پیالہ بھرا ہوا نظر آیا۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ ہدیۃ آیا ہے۔ آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ بن عثیمینؓ کو حکم دیا کہ اصحاب صفة کو بلا لا لیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ بن عثیمینؓ کو یہ ناگوار گزارا کہ اس دودھ کا سب سے زیادہ مستحب تو میں تھا۔ لیکن آپ کی تعلیل ارشاد سے چارہ نہ تھا۔ مجبوراً اصحاب صفة بالے کے اور سب کے سب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ آپ کے حکم سے حضرت ابو ہریرہؓ بن عثیمینؓ نے سب کو پلانا شروع کیا۔ جب سب کے سب سیراب ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے پیالہ کو با تھہ پر کھا اور ابو ہریرہؓ بن عثیمینؓ کی طرف دیکھ کر مسکراتے اور کہا کہ اب صرف ہم اور تم باقی ہیں۔ آؤ بیٹھو اور پینا شروع کرو۔ آپ ان کو متصل پلاتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ خود بول اٹھے کہ اب گنجائش نہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے خود پیالہ لیا اور جو کچھ بچ گیا تھا۔ لسم اللہ کر کے پی گئے۔ ﴿

* صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب زواج زینب: ۳۵۰۷۔ * ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء فی آیات نبوة النبی ﷺ: ۳۶۲۵۔ * بخاری، کتاب الرفاق، باب کیف کان عیش النبی ﷺ: ۶۴۵۲۔

بکری کے دست میں برکت

ایک صحابی نے آپ ﷺ کے لئے گوشت پکایا۔ چونکہ آپ ﷺ کو بکری کا دست نہایت مرغوب تھا۔ انہوں نے آپ کو دونوں دست دیے۔ جب آپ ان کو تناول فرمائے۔ تو پھر دست مانگا۔ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدا کی قسم! اگر تم خاموش رہتے تو میں جس قدر دست مانگتا تم مجھے دیتے رہتے۔“ *

بکری کے تھنوں میں برکت

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے دور فیقوں کے ساتھ سخت عسرت اور فاقہ زدگی کی حالت میں آیا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا۔ لیکن کسی نے ہماری کفالت منظور نہیں کی۔ بالآخر ہم سب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ہم کو گھر لے گئے۔ وہاں تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کا دودھ دوہ کر پیا کرو۔“ چنانچہ ہم سب دودھ دوہ کر اپنا حصہ پی لیتے اور آنحضرت ﷺ کا حصہ رکھ دیتے تھے۔ آپ ﷺ رات کو آتے تو پہلے زم آواز میں سلام کرتے۔ پھر مسجد میں آر کر نماز پڑھتے اس کے بعد اپنا حصہ دوہ پیتے۔ ایک دن جب کہ میں اپنے حصہ کا دوہ پی چکا تھا۔ شیطان نے مجھ کو دھوکا دیا کہ آنحضرت ﷺ انصار کے یہاں سے آتے ہیں وہ آپ کی خدمت میں تھاکف پیش کرتے ہیں اور آپ ان کو تناول فرماتے ہیں۔ آپ کو اس دوہ کی ضرورت نہیں۔ میں اس کے دھوکے میں آ گیا۔ اور تمام دوہ اٹھا کر پی گیا۔ جب میرے پیٹ میں گنجائش نہ رہی تو شیطان یہ کہہ کر چلتا ہوا کہ کجھت تو آنحضرت ﷺ کا حصہ پی گیا۔ جب آپ تشریف لا میں گے اور اپنے حصہ کو نہ پائیں گے تو تجوہ کو بد دعا دیں گے اور تیرادیں دنیا سب بر باد ہو جائے گا۔ چنانچہ اس ذر سے میری آنکھوں کی نیند اڑ گئی آپ تشریف لائے۔ حسب معمول سلام کیا اور نماز پڑھی اس کے بعد دوہ کو کھولا تو آپ کا حصہ غائب تھا۔ آپ نے آسمان کی طرف سراخھیا اور میں سمجھا کہ اب آپ مجھ پر بد دعا فرمائیں گے اور میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ لیکن آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی ”خداوند! جس شخص نے مجھ کو کھلا ایسا کو کھلا اور جس نے مجھے پلایا اسے پلا۔“ اب میں چادر لپیٹ کے اٹھا ہاتھ میں چھری لی کہ ان بکریوں میں جو سب سے زیادہ فربہ ہو اس کو کذب کروں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ان سب کے تھنوں میں دوہ بھرا ہوا ہے۔ اب میں نے ایک برتن کی طرف ہاتھ بڑھایا جس کے متعلق آنحضرت ﷺ کے اہل دعیا کو یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ کبھی اس قدر دوہ ہو گا کہ اس میں دوہا جائے گا۔ لیکن میں نے اس میں دوہ بھرا تو وہ بھر گیا اور اپر بھیں نظر آنے لگا۔ میں نے دوہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

* شمائل ترمذی، باب ما جاء فی ادام رسول اللہ ﷺ: ۱۶۸

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم اپنا حصہ پیچھے۔“ میں نے کہا، آپ پی لیجئے۔ آپ ﷺ نے پی کر مجھے دودھ عنایت فرمایا۔ میں نے عرض کی کہ آپ نوش جائے فرمائیے۔ آپ نے پی لیا اور مجھے عنایت فرمایا۔ چنانچہ جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ سیر ہو گئے اور آپ کی دعا کی برکت میں میں شامل ہو گیا تو میں ہستے ہستے رہیں پر گر پڑا اور آپ کی خدمت میں اول سے آخر تک تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ہے۔ تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں نہیں جگایا کہ وہ بھی پیتے۔“ میں نے کہا کہ جب میں نے آپ ﷺ کے ساتھ پی لیا تو مجھے اس کی پروانیں کہ کسی اور نے پیا نہیں؟ *

ایک وسق جو کی برکت

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی تو کچھ وسق (ایک پیانہ) جو کسوا کچھ گھر میں نہ تھا تو میں نے اسی کو کھانا شروع کیا تو وہ ختم ہی ہونے پر نہیں آتا تھا تو ہم نے اس کو تولا تو پھر وہ ختم ہو گیا۔ یعنی اس کی وہ برکت جاتی رہی۔ *

تو شہزادِ ہمیشہ بھرا رہتا

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر اسلام میں تین مصیبیں سب سے سخت پڑیں۔ پہلی آنحضرت ﷺ کی وفات، دوسرا حضرت عثمانؓ کی شہادت، تیسرا میرے تو شہزاد کا جاتے رہنا، لوگوں نے پوچھا کیوں کیسا تو شہزاد؟ انھوں نے کہا، آپ ایک غزوہ میں تھے۔ رسختم ہو گئی تھی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: ”ابو ہریرہ! کچھ تمہارے پاس ہے؟“ میں نے عرض کی کہ کچھ بھوریں ہیں۔ آپ ارشاد ہوا: ”وہ لے آؤ۔“ میں لایا تو آپ نے ان کو دستِ خوان پر پھیلا دیا۔ اکیس بھوریں تھیں۔ آپ ایک بھور لے کر اور اس پر خدا کا نام پڑھ کر رکھتے جاتے تھے۔ پھر آپ نے سب کو ملادیا اور حکم دیا کہ دس دس آدمی آ کر شریک ہوں۔ چنانچہ اس طرح لوگ آتے گئے اور پوری فوج سیر ہو گئی اور کچھ بھوریں نئے گئیں۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ان پر میرے لئے برکت کی دعا فرمائی، آپ نے دعا کی، میں نے ان کو اپنے تو شہزاد میں ڈال لیا ان کی برکت یہ تھی کہ جب میں ہاتھ دالتا تھا اس میں سے بھوریں نکل آتی تھیں اور وہ وسق تو میں نے اس میں سے راہ خدا میں خیرات کی۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے زمانہ تک میں اس میں سے کھاتا رہا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ہنگامہ میں جہاں اور چیزیں گئیں۔ تو شہزاد بھی جاتا رہا۔ *

* صحیح مسلم، کتاب الاشریۃ، باب اکرام الصیف، ۵۳۶۲۔ * صحیح بخاری، کتاب الرفق، باب فضل الفقر: ۶۴۵۱؛ مسلم، کتاب الزهد: ۷۴۵۱۔ * مسند احمد، ج ۲، ص: ۳۵۲؛ جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب ابی هریرۃ: ۳۸۳۹؛ ابن سعد، ابن حبان، بیهقی۔

تحوڑی کھجروں میں برکت

حضرت دکین اور نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہما صحابی کہتے ہیں کہ ہم لوگ چار سو چودہ آدمی خدمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک ساتھ حاضر ہوئے اور ہم سب نے کھانے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان کو کھانا کھلاوائے اپنے نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیرے پاس تو اسی قدر ہے جو بال بچوں کو کافی ہو۔ ارشاد ہوا: ”جاو اور ان کو کھلا دو۔“ عرض کی جیسا حکم ہویں میں مذکور نہیں۔ یہ کہہ کر حضرت عمر صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر چلے اور ایک جگہ لا کر بٹھایا اور جو کچھ کھجروں میں تھیں وہ سامنے لا کر رکھدیں اور ان میں یہ برکت نظر آئی کہ ہم سب سیر ہو گئے۔ لیکن کھجروں میں کی نہیں آئی۔ ■

۱ مسند احمد عن دکین، ج ۴، ص: ۱۷۴ وابوداود، کتاب الادب: ۵۲۳۸؛ ابن حبان و ابن سعد عن نعمان بن مقرن۔

یاںی جاری ہونا

عرب کے خلک و ریگتاناں ملک میں سب سے کم یا جنس پانی کا ایک چشمہ ہے۔ دنیا کے فاتحوں اور کشور کشاویں کے حملوں سے یہ ملک جن اسباب کی بنا پر ہمیشہ محفوظ رہا ہے۔ ان میں سے ایک قوی سبب اس میں پانی کے وجود کی کم یا بھی بھی ہے۔ چنانچہ یونانیوں، رومیوں اور ایرانیوں کی ہستیں اسی لئے اس صحرائے لق و درق میں آباد قبائل کے فتح سے قاصر ہیں، غور کرو کہ اسلام کا فاتحانہ لشکر بھی اگر بتوت کے برکات الہی کے یہ چشمے اس کے ساتھ ساتھ نہ ہوتے تو اس مشکل کو وہ کبھی حل کر سکتا تھا؟ انبیاء عالم میں صرف ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات ہے جن کے لئے ایک دفعہ چنان کی رگیں پانی کی سوتیں بنیں۔ لیکن رسول عرب کے لئے مشکلزدہ کا چڑا، گوشت و پوست کی انگلیاں، خلک چشمیں کے دہانے، سو کھے ہوئے کنوؤں کی سوتیں، دہانے مسارک کی کلماں متعدد دفعہ مانی کا خزانہ ثابت ہوئیں۔

مشکیزہ سے یانی اُبلنا

ایک دفعہ آپ ﷺ سفر میں تھے۔ صبح کو آنکھ کھلی اور آپ نے نماز پڑھانی شروع کی تو ایک صحابی جماعت سے الگ ہو گئے۔ آپ نے شریک جماعت نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جنابت کا عذر کیا۔ چونکہ پانی نہ تھا، اس لئے ان کو آپ نے قیمت کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا۔ وہ لوگ چلے تو ایک عورت ملی جو اونٹ پر دمکیزروں میں پانی لا دکر لئے جا رہی تھی۔ ان لوگوں نے اس چشمہ کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا اس جگہ پانی نہیں ہے۔ پھر ان لوگوں نے دریافت کیا کہ تمہارے قبیلہ اور چشمہ کے درمیان کس تدریفاصدہ ہے۔ اس نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت بتائی۔ وہ لوگ اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے اور آنحضرت ﷺ نے ہاتھ سے مشکیزوں کو چھو دیا۔ آپ کے دست مبارک کی برکت سے اس پانی کی مقدار میں اس تدریفاصدہ ہو گیا کہ چالیس آدمیوں نے اس سے خوب سیراب ہو کر پانی پیا اور ان پنے اپنے تمام مشکیزوں کے اور برتن بھر لئے۔ اس کے بعد آپ نے بھور اور روٹی کے تکڑے جمع کر کے اس عورت کو دیے، وہ اپنے گھر لے آئی توجیہ و استغفار سے برباد تھی اس نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا کہ میں نے سب سے بڑے سارے کو یا اس کے معتقدین کے خیال میں ایک پیغمبر کو دیکھا۔ آخر اس خاتون کے اثر سے یہ پورا قبیلہ مع اس عورت کے مسلمان ہو گیا۔ *

ایک دن آپ ﷺ مقام زوراء میں تھے۔ عصر کا وقت آ گیا۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پانی کی جبوش رو دع کی۔ لیکن صرف آنحضرت ﷺ کے لئے پانی ملا۔ جب آپ ﷺ کی خدمت میں پانی کا برتن پیش کیا گیا

^١ صحيح بخاري، كتاب المناق ياب علامات النبوة: ٣٥٧١.

تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ ڈال دیا اور انگلیوں سے پانی کا فوارہ چھوٹے لگا۔ یہاں تک کہ تقریباً تین سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔

پانی کا بڑھ جانا

آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ کسی سفر میں تھے۔ نماز کا وقت آیا تو صحابہؓ نے پانی ملاش کیا لیکن کہیں نہ ملا۔ ایک صحابی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لائے۔ پہلے آنحضرت ﷺ نے اس سے وضو کیا۔ پھر پیالے پر آپ نے انگلیاں پھیلایاں۔ پانی کی مقدار میں اس قدر برکت ہوئی کہ تقریباً ستر (۷۰) آدمی کے وضو کے لئے کافی ہوا۔

انگلیوں کی برکت

ایک بار نماز کا وقت آیا۔ تو جن لوگوں کا گھر مسجد کے قریب تھا۔ وہ گھر کے اندر وضو کرنے کے لئے چلے گئے لیکن بقیہ لوگ بے وضو رہ گئے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک برتن میں وضو کا پانی پیش کیا گیا۔ آپ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالنا چاہا تو اس کا دہاۓ اس قدر تنگ نکلا کہ آپ کی ہتھیلیاں اس کے اندر نہ پھیل سکیں۔ اس لئے آپ نے اپنی انگلیاں اس کے اندر ڈالیں اور وہ پانی تقریباً اسی (۸۰) آدمیوں کے وضو کے لئے کافی ہوا۔

انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا

صلح حدیبیہ کے دن صحابہؓ پیاس سے بے تاب ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کے سامنے صرف چڑے کے ایک برتن میں پانی تھا۔ آپ نے اس سے وضو کرنا شروع کیا تو تمام صحابہؓ آپ کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھے۔ آپ نے اس بے تابی کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے کہا کہ ہماری ضروریات کے لئے صرف بیسی پانی تھا۔ آپ نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا اور آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا۔ چودہ پندرہ سو آدمی ساتھ تھے۔ سب نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہو کر پانی پیا۔

کلی سے پانی بڑھ جانا

دوسری روایت ہے کہ صحابہؓ اس دن اس کنوئیں پر شہرے جس کا نام حدیبیہ تھا اور اس کا تمام پانی اوچ لیا۔ یہاں تک کہ کنوئیں کے اندر ایک قطرہ پانی نہ رہا۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو کنوئیں کے کنارے

صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة: ۳۵۷۲؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی

معجزات النبی ﷺ: ۵۹۴۳۔ صحیح بخاری، ایضاً: ۳۵۷۴ و مسلم ایضاً: ۱۵۹۴۔

صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة: ۳۵۷۵۔ ایضاً: ۳۵۷۶۔

بیٹھ گئے اور تھوڑا سا پانی مند میں لے کر اس میں کلی کر دی۔ تھوڑی دیر میں اس قدر ابلاکہ تمام صحابہ ہی انہم اور صحابہ کے تمام اونٹ سیراب ہو گئے۔ ۲۰
ہاتھ مند ہونے کی برکت

غزوہ تبوک کے سفر میں وہ وقت کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے جا رہے تھے۔ ایک دن عشاء اور مغرب کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ پھر فرمایا: ”کلم لوگ وہ پھر کے وقت تبوک کے پاس پہنچو گے لیکن جب تک میں نہ آلوں کوئی شخص اس کے پانی میں ہاتھ نہ لگائے۔“ لوگ پہنچ تو نہر تسری کی طرح تنگ اور باریک نظر آئی۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے لوگوں نے پانی کو اولپھنا شروع کیا۔ پانی ایک گز ہے میں جمع ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس میں منہ ہاتھ ہوئے پھر وہ پانی نہر میں ڈال دیا گیا تو وہ پانی سے ابل گئی۔ ۲۱

الگیوں کی برکت

آپ ﷺ نے ایک سفر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے وضو کا پانی طلب فرمایا۔ انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈھا پانی نہیں ملا، انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے لئے پانی ٹھنڈا کر کر کھتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا۔ لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی نہ تھا کہ اگر انہیں لایا جاتا تو بترن کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے اس بترن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو طشت کے اندر رکھ کے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کر کے آپ کے ہاتھ پر پانی کرائیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا تو پہلے آپ کی الگیوں کے درمیان سے پانی امنڈا۔ پھر تمام طشت بھر گیا یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرارہ گیا۔ ۲۲

الگیوں سے پانی کا جوش مارنا

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار عصر کا وقت آگیا۔ صرف تھوڑا سا بچا ہوا پانی رہ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی الگیوں اس میں ڈال دیں اور ان کے اندر سے پانی جوش مارنے لگا۔ یہاں تک کہ ۳۰۰۰ دمیوں نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہوئے۔ ۲۳

تھوڑے پانی میں کثیر برکت

ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھج کے وقت قافلہ سے الگ ہو کر سو گئے اور چند اشخاص سے جو ساتھ

صحیح بخاری، کتاب المناقث، باب علامات النبیة: ۳۵۷۷۔ ۲۴ مسلم، کتاب الفضائل، باب

فی معجزات النبی ﷺ: ۵۹۴۷۔ ۲۵ مسلم، کتاب الزهد، باب حدیث جابر الطویل: ۷۵۱۹۔

بخاری، کتاب الاشربة، باب شرب البركة والماء المبارک: ۵۶۳۹۔

تھے کہہ دیا کہ نماز کا خیال رکھنا لیکن سب کے سب سو گئے اور سب سے پہلے آنحضرت ﷺ بیدار ہوئے تو دن تکل چکا تھا اب سب کے سب گھبرا کے اٹھے تو آپ ﷺ نے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ دن چڑھاتو آپ ﷺ نے سواری سے اتر کر وضو کیا۔ تھوڑا سا پانی جوچ رہا تھا اس کی نسبت ابو قادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اس کو حفظ رکھنا اس سے ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہو گا۔“ جب آفتاب خوب بلند ہو چکا تو آپ قافلہ سے جامے لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! پیاس نے ہم کو مار ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ تباہ نہیں ہو سکتے۔“ یہ کہہ کر آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی ابو قادہ رضی اللہ عنہ سے طلب کر کے لوگوں کو پلانا شروع کیا اور تمام لوگ سیراب ہو گئے۔

انگلیوں سے پانی ابلنا

حبان بن نعیم الصدائی ﷺ کا بیان ہے کہ میری قوم حالت کفر میں تھی۔ مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ان کے لئے فوجی تیاریاں فرمائے ہیں۔ میں آیا اور آپ کو اطلاع دی کہ میری قوم مسلمان ہے پھر میں نے رات بھر آپ کے ساتھ سفر کیا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے اذان دی۔ آپ نے پانی کا ایک برتن مجھے عطا فرمایا۔ میں نے اس سے وضو کیا۔ پھر آپ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں اور ان کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی ابلنے لگا۔ آپ نے حکم دیا کہ جو شخص چاہے اس سے وضو کرے۔

ایک اور واقعہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ مجزات کو برکت سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ پانی کی کمی کی شکایت ہوئی تو آپ نے بچے ہوئے پانی کو طلب فرمایا۔ وہ ایک برتن میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا اور آپ نے اس میں ہاتھ ڈال کر فرمایا کہ ”وضو کر کے مبارک پانی کی طرف دوز و خدا کی طرف سے برکت ہو گی۔“ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان پانی اہل رہا تھا۔

یہ واقعات جو مختلف عنوانوں میں بیان کئے گئے ہیں ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ایک ہی واقعہ کی متعدد حکایتیں ہوں۔ لیکن چونکہ ہر ایک کے ساتھ خصوصیات میں کچھ فرق و امتیاز محسوس ہوا، اس لئے ان کو مستقل واقعات کی صورت دے دی گئی ہے۔

۱ مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الصلوة الفاتحة: ۱۵۶۲۔ ۲ مسنـد امام احمد بن حنبل، ج ۴، ص: ۱۶۹۔

۳ صحیح بخاری، کتاب المناقب باب علامات النبوة فی الاسلام: ۳۵۷۹۔

اطلاق غیب

﴿فَلَا يُظہر عَلیٰ غَیبَةً أَحَدٌ إِلَّا مَنْ ارْتَکَ بِهِ مِنْ زَوْلٍ﴾ (الجن: ۲۶، ۲۷) (۷۲)

قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار بے نقاب کیا ہے کہ ”غیب کا علم خدا کے سوا کسی اور کوئی نہیں۔“ چنانچہ قرآن مجید میں اس معنی کی بکثرت آیتیں ہیں اور ان کا منشائی معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کی صفت سے خدا کے سوا کسی اور کو متصف نہیں کیا جاسکتا:

﴿فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ﴾ (یونس: ۲۰) (۱۰)

”کہہ دے (اے پیغمبر ﷺ) کہ غیب تو خدا ہی کے لئے ہے۔“

﴿فَلَمَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾ (النمل: ۶۵) (۲۷)

”کہہ دے (اے پیغمبر ﷺ) کہ خدا کے سوا آسمان و زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا۔“

یعنی خدا کے سوا کسی مخلوق کو غیب کا ذاتی علم نہیں اور نہ غیب کی باتیں خدا نے آسمان و زمین میں کسی مخلوق کو بتائی ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن تمام انبیا کو یہ اعتراف کرنے پڑے گا:

﴿يَوْمَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرّسُولَ فِي قُوُلٍ مَّا ذَادَ أَجْبَانُهُ قَالَ الْوَالٰءِ عَلِمْ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغَيْبِ﴾

(۱۰۹: ۵) (المائدۃ)

”جس دن خدا تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا اور کہے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا وہ کہیں گے کہ ہم کو کچھ علم نہیں غیب کی باتوں کا، پورا جانے والا تو ہی ہے۔“

آنحضرت ﷺ جو علم الانبیاء تھے ان کو یہ اقرار کرنے کا حکم ہوتا ہے:

﴿فَلَمَّا كَوَلَ لَكُمْ عِنْدِي خَزَآءُنُ اللّٰهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ (الانعام: ۵۰) (۶)

”کہہ دے (اے پیغمبر ﷺ) کہ میں نہیں کہتا کہ خدا کے تمام خزانے میرے قبضہ میں ہیں اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں نہیں جانتا۔“

﴿فَلَمَّا آتَيْلُكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَكُوئُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سُتْنَثُرُتُ

﴿مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنَّ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَيْبَرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

(۱۸۸: ۷) (الاعراف)

”کہہ دے اے پیغمبر ﷺ! کہ میں اپنے آپ کے لئے کسی نفع و ضرر پر قادر نہیں ہوں۔ لیکن یہ کہ خدا جو چاہے، اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سے فائدے اٹھایتا اور مجھ کو کبھی مصیبت نہ پہنچ آتی لیکن میں تو یمان دار قوم کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔“

ان آیتوں نے صاف کھول دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نہ غیب کا ذاتی علم تھا اور نہ تمام غیب کی باتیں

آپ ﷺ کو بتائی گئی تھیں۔ الٰہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو کچھ چاہا اور پسند کیا، آنحضرت ﷺ کو وقار و فیض سے مطلع فرماتا رہا۔ چنانچہ صاف ارشاد ہوا:

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَيْهَا شَاءَ﴾ (۲/ البقرة: ۲۵۵)

”وہ (یعنی مخلوقات الٰہ) خدا کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، لیکن اتنے کا جتنے کا خدا چاہے۔“

سورہ جن میں فرمایا:

﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهِ أَحَدٌ إِلَّا مَنْ أَرَى ظَاهِرًا مِّنْ رَسُولٍ﴾ (۷۲/ الجن: ۲۶، ۲۷)

”الٰہ تعالیٰ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے۔“

دوسرا جگہ سورہ آل عمران میں فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطَعِّمَ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَنْ رُسِّلَهُ مِنْ يَشَاءُ﴾

(۳/ آل عمران: ۱۷۹)

”اور خدا غیب کی باتیں تم کو نہیں بتا سکتا لیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے (اس کے لئے) جن لیتا ہے۔“

امور غیب میں سے قیامت کے متعلق تصریح کردی گئی ہے کہ اس کا علم کسی کو عطا نہیں ہوا ہے:

﴿يَسْأَلُونَكُمْ عَنِ السَّاعَةِ أَتَيْنَا مُرْسَلًا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْ دُرُّنِي لَا يُكَلِّمُهَا بِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ أَنْشَأَهَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيْكُمْ لَا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكُمْ كَاتِكَ حَقِيقَةً عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْ دُرُّ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (۷/ الاعراف: ۱۸۷)

”(اے پیغمبر ﷺ) لوگ تجھ سے قیامت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کب لنگر انداز ہو گی۔ کہہ دے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی، کو ہے وہی اپنے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا وہ وقت آسمان وزمین پر بڑا بھاری ہو گا وہ دفعۃ آ جائیگا۔ تجھ سے وہ قیامت کا حال اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا وہ تجھے معلوم ہے اور تو چھپا تا ہے کہہ دے کہ اس کا علم صرف خدا ہی کے پاس ہے لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے۔“

صاحب میں حضرت جبریل علیہ السلام کے ایک مسافر کی صورت میں آنے کی بوروایت ہے اور جس میں انہوں نے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوالات پوچھتے ہیں اور آپ نے ان کے جوابات دیے ہیں۔ اس کے آخر میں وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہو گی؟ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

((ما المسئول عن هبابة علم من السائل وساحد ثك عن اشراطها)) ﴿
 ”جس سے پوچھتے ہو وہ پوچھنے والے سے اس باب میں زیادہ علم نہیں رکھتا۔ ہاں اس کی علاشیں بتاؤں گا۔“

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ جو تم سے یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے وہ جھوٹا ہے، ﴿قرآن نے صاف کہہ دیا ہے:
 «وَمَا تَذَرِّيْ نَفْسٌ مَّا ذَرَّكُلْبُ غَدَّاً»﴾ (۳۱/لقمان: ۲۴)
 ”کسی نفس کو یہ علم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا۔“

ایک دفعہ چند لڑکیاں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھی کچھ گوارتی تھیں، گاتے گاتے ایک نے ان میں سے کہا:
 وفینا نبی یعلم ما فی غدِ ”ہم میں سے ایک نبی ہے جو کل کی ہونے والی بات جانتا ہے۔“
 آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ﴿حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”غیب کی کنجی پانچ باتیں ہیں۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْنَدُكُلْمَاعْلَمُ الْأَسْعَةَ وَيَعْلَمُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَافِ وَمَا تَذَرِّيْ نَفْسٌ
 مَّا ذَرَّكُلْبُ غَدَّاً وَمَا تَذَرِّيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ»﴾ (۳۱/لقمان: ۲۴)
 ”خدا ہی کے پاس اس آنے والی گھڑی کا علم ہے۔ وہی پانی بر ساتا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ ماوں کے پینوں میں کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، اور نہ یہ کوئی جانتا ہے کہ کس سر زمین میں وہ کہاں مرے گا۔“

یہی روایت بخاری کے دوسرے باب میں اس طرح ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ حالمہ عورت کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی اور نہ خدا کے سوایہ جانتا ہے کہ کل کیسا ہو گا اور خدا کے علاوہ کسی کو اس کا علم ہے کہ پانی کب بر سے گا اور نہ بجز خدا کے کسی کو اس کی خبر ہے۔ کہ وہ کہاں مرے گا۔

بہر حال ان مخصوص باتوں کے علاوہ جن کا علم صرف عالم الغیب کو ہے، اپنے غیب کی باتوں میں جن باتوں کو وہ مناسب سمجھتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو وقتاً فو قرآن کی اطلاع دیتا تھا۔ سورہ ہود میں بعض انبیاء ﷺ کے حالات کے تذکرہ کے بعد خدا فرماتا ہے:

﴿تِلْكَ مِنْ أَثْيَاءِ الْغَيْبِ نُوَجِّهُ إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ﴾ (۱۱/ہود: ۴۹)

صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی ﷺ: ۵۰؛ مسلم، کتاب الایمان: ۹۳۔

بخاری، کتاب التوحید: ۷۳۸۰۔

صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والوليمة: ۵۱۴۷۔

صحیح بخاری، کتاب التوحید: ۷۳۷۹۔

صحیح التفسیر، تفسیر سورہ لقمان: ۴۷۷۸۔

”یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وہی کر رہے ہیں، نہ تو ان کو جانتا تھا اور نہ تیری قوم جانتی تھی۔“

خود آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد ہوا:

﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْعِيْدِ بِضَيْقَنِينَ﴾ (التكوير: ٨١)

”یعنی آپ ﷺ کو امور غیب میں سے جس کی تعلیم دی جاتی ہے، آپ اپنی امت کو اس کے بتانے میں بکل نہیں فرماتے۔“

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں سورج کو گرہن لگا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ نماز کسوف ادا فرمائی تھی اور نماز کے بعد ایک نہایت بلigh و موثر خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں ایک نفرہ یہ بھی تھا:

((یا امة محمد والله لو تعلمون ما علمت لضحكتم قليلا ولبكتم كثيرا)) ﴿

”اے گروہ محمد! خدا کی قسم! اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو ہنسنے کم اور روتے زیادہ۔“

ایک دفعہ نماز کے بعد آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

((هل ترون قبلتی ههنا فوالله ما يخفى على خشو عكم ولا ركوعكم انى لاراكم من وراء ظهرى)) ﴿

”تم دیکھتے ہو کہ میرا رخ ادھر ہے لیکن خدا کی قسم! مجھ سے (نماز میں) نہ تمہارا خشوع اور نہ رکوع پوشیدہ رہتا ہے میں تم کو اپنی پیچھے کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔“

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((انى لا راكم من ورائي كما اراكم)) ﴿

”میں جس طرح تم کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔“

احادیث میں متعدد صحابہؓ کی تھیں سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے۔ بعض صاحبوں نے کچھ سوالات کئے جن کو آپ نے پسند نہیں کیا۔ آپ کو جوش آگیا۔ آپ نے فرمایا: ((سلوني عمما شتم)) ”جو چاہو مجھ سے دریافت کرلو۔“ ایک شخص نے اٹھ کر کہا: یا رسول اللہ! میرا بابا کون ہے؟ فرمایا: ”حذا ف۔“ دوسرے نے اٹھ کر کہا اور میرے باپ کا نام کیا ہے فرمایا: ”سالم، غلام شیبہ۔“ اور بار بار آپ ﷺ فرماتے جاتے تھے: ”پوچھو مجھ سے، پوچھو مجھ سے۔“ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور عرض کی، یا رسول اللہ! ہم کو اللہ اپنے پروردگار، محمد ﷺ اپنے رسول اور اسلام اپنادین پسند ہے۔ ﴿

● صحيح بخاري، كتاب الكسوف، باب الصدقة في الكسوف: ٤٤ - ● صحيح بخاري، كتاب

الصلوة، باب عزة الامان الناس: ٤١٨ - ● صحيح بخاري، كتاب الصلوة، باب عزة الامان الناس: ٤١٩ -

● صحيح بخاري، كتاب العلم، باب الغضب في الموعظة والتعليم: ٩٢ -

صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھ کر تقریر شروع کی یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر عصر تک پھر تقریر کی، اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی، اس سے فارغ ہو کر غروب آفتاب تک پھر تقریر کا سلسلہ جاری رہا۔ اس طویل خطبے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوا گا۔ یعنی آغاز آفرینش سے لے کر قیامت تک کے واقعات، پیدائش عالم، علامات قیامت فتن حشر و نشر سب کچھ سمجھایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ بہت کچھ بھول گئے۔ بعضوں کو بہت کچھ یاد ہے، ان واقعات میں سے جب کوئی واقعہ پیش آ جاتا ہے تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی شخص کی صورت ذہن سے اتر جاتی ہے پھر اس کو دیکھ کر یاد آ جاتی ہے۔ *

نجاشی شاہ جوش جس کے سامنے حکومت میں جا کر مسلمانوں نے پناہ لی تھی اور جس نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا تھا، جس دون اس نے جوش میں وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحہ کی اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آج تمہارے بھائی نجاشی نے وفات پائی۔“ اور اس کے بعد اس کے جنازہ کی نماز عاشر بانہ ادا فرمائی۔ *

۸۸ میں غزوہ موتیہ پیش آیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا علم زید بن حارثہ رضی اللہ علیہ وسلم کو عنایت کیا اور فرمایا: ”جب زید شہید ہوں تو یہ امانت جعفر رضی اللہ علیہ وسلم کے پردازی کی جائے۔ جب وہ بھی جان بحق ہوں تو عبد اللہ بن رواحد اس خدمت کو ان جام دیں اور جب وہ بھی کام آ جائیں تو مسلمان اپنے مشورہ سے جس کو چاہیں اپنا سردار بنائیں۔“ یہ افسری اور سرداری کے متعلق ترتیبی بیان درحقیقت واقعہ کا اظہار تھا۔ میدان جنگ میں پہلے زید رضی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی، ان کی جائشی جعفر رضی اللہ علیہ وسلم نے کی، وہ بھی جب علم نبوت پر قربان ہو چکے، تو عبد اللہ بن رواحد رضی اللہ علیہ وسلم نے پیش قدمی کی۔ جب وہ بھی شمار ہو گئے تو مسلمانوں نے خالد بن ولید رضی اللہ علیہ وسلم کو اپنا افسر بنایا۔ چونکہ اس جنگ میں روییوں کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا، اس لئے مسلمانوں کو بڑا اضطراب تھا۔ عین اس وقت جب مدینہ سے کوسوں دور شام کی سرحد پر یخونی مناظر درپیش تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنوی میں منبر پر تشریف فرماتھے۔ دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور فرمار ہے تھے علم کو زید رضی اللہ علیہ وسلم نے لیا وہ بھی شہید ہوئے۔ پھر جعفر رضی اللہ علیہ وسلم نے لیا وہ بھی جان بحق ہوئے۔ تو عبد اللہ بن رواحد رضی اللہ علیہ وسلم نے لیا انہوں نے بھی شہادت پائی تو خالد بن ولید رضی اللہ علیہ وسلم نے لیا اور ان کو فتحی گئی۔ *

ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت جانبازانہ حملے کر رہا تھا۔ صحابہ رضی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اس کی بڑی تعریف کی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا: ”یہ جہنمی ہے۔“ صحابہ رضی اللہ علیہ وسلم کو اس پر تجہب ہوا اور ایک

* صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فيما یکون الی قیام الساعۃ: ۷۲۶۷ تا ۷۲۶۳۔

* صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الرجل یعنی الی اهل المیت بنفسه: ۱۲۴۵ و صحیح مسلم، باب فی التکبیر علی الجنائز: ۲۲۰۴۔ * صحیح بخاری، کتاب الجنائز: ۱۲۴۶، باب علامات النبوة فی الاسلام: ۳۶۲۰ و غزوہ موتة: ۴۲۶۲۔

صحابی اس کے پیچھے ہو لئے۔ ایک موقع پر اس کو سخت زخم لگا اور اس نے بے صبری کی حالت میں خود کشی کر لی۔ وہ صحابی خدمت مبارک میں دوڑے ہوئے آئے اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا واقعہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ابھی حضور نے ایک شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جنہی ہے لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا، میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک زخم کے صدمہ سے اس نے خود کشی کر لی۔

ایک غزوہ میں ایک شخص شریک تھا، وہ قتل ہوا، کسی نے آ کر خبر دی کہ یا رسول اللہ ﷺ ا فلاں شخص شہید ہو گیا۔ فرمایا کہ ”یہاں ممکن ہے، شہادت اس کے لئے کہاں؟“ میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے، کیونکہ مال غیمت میں سے اس نے ایک عبارج آئی تھی۔

مسلمانوں نے ۸ھ میں طائف کا محاصرہ کیا آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو چکا تھا کہ طائف کی فتح اس محاصرہ سے مقدر نہیں۔ اس لئے ایک روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”کل ان شاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر کوچ کریں گے۔“ لوگوں کو اتنی مختت و زحمت کے بعد حصول فتح کے بغیر واپسی شاہی اور انہوں نے کہا، ہم فتح حاصل کئے بغیر چلے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اچھا کل پھر قسمت آزمائی کرو۔“ چنانچہ دوسرے دن مسلمان لڑتے تو ان کو زیادہ نقصانات ہوئے شام ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کل ان شاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔“ مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا اور آپ ﷺ مسکرا دیے یہ (گویا) اس بات کا اظہار تھا کہ تمہیں میری طرح حقیقت حال کا علم نہ تھا۔

عیسیر بن وہب اسلام کا سخت دشمن تھا، وہ اور صفویان بن امیہ دونوں خانہ کعبہ میں بیٹھ کر بدر کے مقتولین پر ماتم کر رہے تھے اور بالآخر ان دونوں میں پوشیدہ طور سے یہ سازش قرار پائی کہ عیسیر مدینہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو دھوکے سے قتل کر آئے اور اگر وہ مارا گیا تو صفویان اس کے تمام قرض اور گھر کے مصارف اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لے گا۔ عیسیر یہاں سے اٹھ کر گھر آیا اور تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینہ کو چل کھڑا ہوا۔ مدینہ پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ لیا وہ اس کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”عیسیر! یہاں کس ارادہ سے آئے ہو؟“ اس نے کہا، اپنے بیٹی کو پھر انے آیا ہوں فرمایا: ”کیوں نہیں؟ کیا تم نے اور صفویان نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے؟“ عیسیر یہ راز کی بات سن کر سنائی میں آگیا اور اس کو سخت تعجب ہوا، اور بے اختیار بول اٹھا کہ محمد ﷺ بے شک تم خدا کے پیغمبر ہو! خدا کی قسم! میرے اور صفویان کے سوا کسی تیسرے کو اس معاملہ کی خبر نہ تھی۔

❶ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب لا يقول فلان شهید: ۲۸۹۸ و کتاب الرفاقت، باب العمل بالخواتیم: ۶۴۹۳۔

❷ جامع ترمذی، باب ماجاء فی الغلول: ۱۵۷۴۔ ❸ صحیح بخاری: ۴۳۲۵ و مسلم غزوة الطائف: ۴۶۲۰۔

❹ مغاریخ طبری بروایت عروة بن زیبر، ج ۳، ص: ۳۰۴، طبع بورب۔

حضرت وابصہ اسدی رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کروں۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں آپ ﷺ نے فرمایا: ”وابصہ! میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟“ عرض کی، ارشاد ہو۔ فرمایا: ”تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو۔“ عرض کی، قسم اس ذات کی جس نے آپ کو بھیجا آپ نے مج فرمایا۔ ارشاد ہوا: ”نیکی وہ ہے جس کے کرنے کے خیال سے تمہارے دل میں اشراخ اور خوشی پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے۔ اگرچہ لوگوں نے اس کے کرنے کا فتویٰ ہی کیوں نہ دے دیا ہو۔“ ❶

ایک دفعہ ایک صحابیہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی۔ بکری ذبح کی اور آپ کو اور دیگر رفقاً کو کھانا کھانے کے لئے بلا یا۔ آپ تشریف لے گئے اور گوشت کا ایک لقمه اٹھا کر ابھی چکھا ہی تھا کہ فرمایا: ”یہ بکری اپنے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے۔“ صحابیہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! آل معاذ اور ہمارے خاندان میں پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ ہماری چیز بے کلف لیتے ہیں اور ہم ان کی چیز ❷ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے جواب دیا کہ ہاں یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اپنی پڑوں سے یہ بکری مانگی اس نے اپنے شوہر سے پوچھے بغیر دے دی۔

غزوہ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی۔ کھانے میں بکری کا گوشت تھا۔ آپ نے چند رفقاً کے ساتھ اس کو کھانا چاہا، ابھی پہلا ہی لقمه اٹھایا تھا کہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”ہاتھ روک لو اس گوشت میں زہر ملا یا گیا ہے۔“ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ خیبر کے تمام یہود کو جمع کیا جائے جب وہ جمع ہو چکے تو آپ نے دریافت کیا کہ جو کچھ میں پوچھوں گا تم مج بچتا ہو گے؟ انہوں نے ہاں کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟“ انہوں نے کچھ بتایا آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم جھوٹے ہو تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔“ اس امتحان کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ”کیا تم نے بکری کے گوشت میں زہر ملا یا تھا؟“ انہوں نے کہا، ہاں۔ آپ ﷺ کو کیوں نہ معلوم ہوا؟ فرمایا: ”بکری کے اس دست نے مجھ سے کہا۔“ ❸

حضرت صہیب بن ستان رضی اللہ عنہ جو صہیب رومی کر کے مشہور ہیں جس شب کو آنحضرت ﷺ نے بھرت فرمائی۔ انہوں نے بھی بھرت کرنی چاہی، لیکن کفار نے ان کو روک دیا۔ وہ رات بھر کھڑے رہے اور بیٹھنے کا نام بھی نہیں لیا۔ کفار نے ان کی اس حالت کو دیکھ کر کہا کہ چلو اس کو تو پیش کے عارضے نے خود ہی مجبور کر دیا ہے یہ

❶ مسنند احمد، حدیث وابصہ الاسدی، ج ۴، ص: ۲۲۷۔ وابو یعلیٰ ویہقی وابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء، ذکر وابصہ بن معبد الجہنی، ج ۲، ص: ۲۴۔ ❷ حاکم فی المستدرک عن جابر ۲۳۵، ۲۳۴/۴۔ مسنند احمد، ج ۳، ص: ۳۵۱۔ ❸ سنن ابی داود، کتاب الدیيات، باب فیمن سقی رجلا سما او اطعنه فمات: ۴۵۱۲ ودار می باب ما اکرم النبی: ۶۹ ویہقی۔

کہہ کروہ چلے گئے۔ انہوں نے نگہبانوں سے اپنے کو آزاد پا کر مدینہ کا راستہ لیا۔ کافروں نے ان کو پکڑ لیا۔ آخر سچھہ زر و نقد دے کر ان سے رہائی حاصل کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھنے کے ساتھ فرمایا: ”اے ابو عیج! تمہاری خرید و فروخت بڑے نفع کی رہی۔“ حضرت صحیب رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے پہلے کوئی یہاں آیا نہیں جو اس راز کی آپ ﷺ کو خبر کرتا یہ یقیناً آپ کو بذریعہ و معلوم ہوا۔ *

حضرت خذیلہ رضی اللہ عنہ کی والدہ مکرمہ نے ایک دن اپنے بیٹے پر عتاب کیا کہ تم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں استئنے دن ہو گئے کیوں نہ گئے۔ انہوں نے معدترت کی اور کہا کہ آج جا کر اپنی اور آپ کی مغفرت کی دعا کراؤں گا۔ چنانچہ وہ مغرب کی نماز میں جا کر حاضر ہوئے۔ عشاء کی نماز کے بعد جب آپ ﷺ واپس ہوئے تو یہ بھی چیخھے چلے۔ آپ نے آواز پہچان کر فرمایا: ”کون؟ خذیلہ! خدا تمہاری اور تھماری ماں کی مغفرت کرے۔“ * گویدار خواست سے پہلے ہی خذیلہ کی درخواست سمیع اقدس تک پہنچ چکی تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ کی اس قوت اطلاع کا اس قدر یقین تھا کہ جب تک آنحضرت ﷺ زندہ رہے۔ صاحبہ رضی اللہ عنہم کو اپنے ایک ایک عمل کا خوف لگا رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ خدا آپ کو اس سے باخبر کر دے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہم لوگ اپنی بیویوں سے بھی کھل کر ملتے ہوئے ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری نسبت قرآن میں کچھ نازل ہو جائے، تو رسولی ہو۔ * علاوہ ازیں منافقین کے تمام اندر و فی حالات اور ناموں سے بھی آپ ﷺ کو ایک ایک کر کے واقفیت تھی۔ *

1 مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۴۰۰ برداشت مسیح بن حیی نے بھی اس کی تصریح کی ہے ذکر مناقب صحیب۔

2 جامع ترمذی، کتاب المناقب: ۳۷۸۱۔ 3 صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الوصاة بالنساء: ۵۱۸۷؛ مستند احمد، ج ۲، ص: ۶۲۔ 4 صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک: ۴۴۱۸۔

اہل کتاب کے سوالات کا جواب دینا

یہ دوست دشمن اور موافق و مخالف سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ لکھے پڑھے نہ تھے۔ یہود و نصاریٰ کی مذهبی کتابوں سے آپ ﷺ کو تعلیمی واقفیت نہ تھی۔ تورات و انجیل اور علمائے یہود و نصاریٰ نے ان کی شرحوں میں یا اپنی دوسری مذهبی تصنیفات میں جو کچھ لکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا ایک صفحہ بھی ملاحظہ نہیں فرمایا تھا اور یہی آخری چیزیں اس وقت یہود و نصاریٰ کے ایمان و عقائد کا جزو ہو گئی تھیں اور عوام میں ان ہی کتابوں کو مقبولیت حاصل تھی با ایں ہمہ آپ ﷺ کا ان کے سوالات کا صحیح جواب دینا، آپ کی روحانی تعلیم کی کھلی شہادت ہے۔ مکہ میں جب آنحضرت ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو کفار عرب کو عموماً آپ کے اس دعویٰ پر یقین نہیں آیا۔ اس لئے انہوں نے مجرمات طلب کئے اور جب وہ دکھائے گئے تو ان کو سحر اور جادو کہنے لگے۔ پھر ان کو خیال آیا کہ شریب خیر اور شام میں جا کر یہودیوں سے ملیں اور ان سے پوچھ کر چند ایسے سوالات دریافت کریں۔ جن کے جوابات محمد ﷺ سے مانگے جائیں اور چونکہ وہ لکھے پڑھنے نہیں ہیں اور مکہ میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کو ان کے جوابات بتائے گا اس لئے وہ ان کے جوابات نہ دے سکیں گے اور اس طرح اس مدعی نبوت کی قسمی کھل جائے گی اور اس کا کذب سب پر واضح ہو جائے گا اس خیال کی بنا پر وہ یہودیوں سے جا کر ملے۔ ان سے آپ کے حالات بیان کئے اور آپ سے پوچھنے کے لئے ان سے چند سوالات مانگے۔ چنانچہ انہوں نے چند سوالات دیے کہ یہ جا کر اس سے پوچھوا اگر وہ پیغمبر نہ ہو گا تو ہرگز اس کا جواب نہ دے سکے گا۔

یہ تین تاریخی سوالات تھے۔ اصحاب کہف کا حال، حضرت موسیٰ اور حضرت علیہ السلام کی ملاقاتات کا واقعہ اور ذوالقرنین کا قصہ، اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں قصے وحی کے ذریعے سے آنحضرت ﷺ کو بتادیے اور آپ نے ان کو پڑھ کر کفار کو سنایا۔ چنانچہ سورہ کہف میں یہ تینوں قصے مذکور ہیں اور آخری قصہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ کفار کے سوال کے جواب میں ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا﴾

(۱۸/الکہف)

”اور کفار تجھ سے (اے پیغمبر ﷺ!) ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں کہ دے کہ میں اس کا تھوڑا ذکر تم کو سناتا ہوں۔“

آنحضرت ﷺ جب بھرت کر کے مدینہ منورہ آئے۔ جو گویا یہودیوں ہی کا شہر تھا تو انہوں نے بھی مناسب سمجھا کہ اس مدعی نبوت ﷺ کے دعوائے نبوت کا امتحان انہی کتابی سوالات سے لیا جائے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ ہماری کتابوں سے واقف نہیں۔ اس لئے وہ ان کے صحیح جوابات نہ دے سکے گا اور اگر اس

نے یہ کہہ دیا کہ یہ سوالات یا جن کتابوں میں وہ سوالات مذکور ہیں وہ غیر معتبر ہیں تو ان سوالوں اور کتابوں کا اثر یہود میں اس قدر ہے کہ ان کی تکذیب سے خود محمد ﷺ کی جہالت اور کذب دعویٰ کا (نحوذ باللہ) پرده فاش ہو جائے گا۔ لیکن اتنے بڑے مجمع میں سب لوگ بدنیت ہی نہ تھے۔ بلکہ ان میں بعض لوگ نیک نیت بھی تھے اور وہ نیک نیت سے یہ سمجھتے تھے کہ ہماری کتابوں میں جو غنی اسرار لکھے ہوئے ہیں، ان کو پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں بتا سکتا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ آئے، تو عبد اللہ بن سلام مدینہ کے ایک مشہور یہودی عالم آپ سے ملتے آئے اور کہا کہ میں آپ سے تین سوال کروں گا، جن کا جواب پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ (نمبر۱) یہ بتائیے کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ (نمبر۲) اور اہل جنت کی پہلی غذا کیا ہوگی؟ (نمبر۳) اور پچھلی ماں سے اور کبھی باپ سے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے لے کر مغرب تک لے جائے گی اور اہل جنت کی پہلی غذا مچھلی کا جگر ہے اور ماں یا باپ سے پچھلی مشابہت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب باپ کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو پچھے باپ سے مشابہ ہوتا ہے اور جب ماں کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو ماں سے مشابہ ہوتا ہے۔“ عبد اللہ بن سلام نے یہ جوابات سن کر کہا کہ میں آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ *

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک یہودی عالم خدمت والا میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد ﷺ! میں تم سے چند سوالات کروں گا تم جواب دو۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے جواب سے تم کو فائدہ ہو گا۔“ اس نے کہا، سنا! یہ بتاؤ کہ قیامت کے دن جس وقت آسمان اور زمین بدلے جائیں گے لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا: ”پل کے پیچھے تار کی میں۔“ دوسرا سوال اس نے کیا کہ سب سے پہلے جنت میں جانے کی کس کو اجازت ملے گی؟ جواب دیا: ”ان غربیوں کو جو راہ حق میں گھر سے بے گھر ہوئے ہیں۔“ اس نے کہا، اب میں تم سے وہ بات پوچھتا ہوں جس کا جواب رونے زمین پر صرف پیغمبر یا پیغمبر کے علاوہ ایک ہی دوآدمی دے سکتے ہیں۔ بتاؤ کہ پچھلی لڑکی اور کبھی لڑکا کیوں ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مرد کا نطفہ سپید اور عورت کا زرد ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں ملتے ہیں تو اگر مرد کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ خدا کے حکم سے لڑکا ہوتا ہے اور جب عورت کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ لڑکی ہوتی ہے۔“ یہودی نے یہ جواب سن کر کہا کہ بے شک تم نبی ہو اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ جوابات مجھ کو خدا نے القا کئے۔ مجھے پہلے سے معلوم نہ تھے۔“ *

مسند ابو داؤد طیاری میں ہے کہ ایک دفعہ چند یہودی خدمت القدس میں آئے اور کہا کہ ہم آپ ﷺ

1۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانیاء، باب خلق آدم و ذریته: ۳۳۲۹۔

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب بیان صفة منی ان الرجال والمرأة: ۷۱۶۔

سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ جن کا جواب پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو تم چاہو پوچھ سکتے ہو میں یہ وعده کرو کہ اگر میں نے ایسے جوابات دیے، جن کو تم نے صحیح سمجھا تو کیا اسلام قبول کرلو گے؟“ انہوں نے کہا، باہم کو یہ شرط منظور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اچھا پوچھو کیا پوچھتے ہو۔“ انہوں نے کہا کہ چار سوالوں کے جواب دیجئے۔ پہلا یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے تورات کے اتنے سے پہلے جو کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس کا کیا واقعہ ہے؟ دوسرا یہ کہ ایک ہی نطفہ کبھی زراد، کبھی مادہ کیونکر ہو جاتا ہے؟ تیسرا یہ کہ تورات میں نبی ای کی کیا پیچان بتائی گئی ہے؟ اور چوتھا یہ کہ فرشتوں میں سے تمہارا درست یا نگہبان کون ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ”تم کو اس خدا کی قسم جس نے مویٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تم یہ جانتے ہو کہ ایک دفعہ یعقوب علیہ السلام سخت یہاں پرے تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو کھانے اور پینے کی جو چیز مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ چھوڑ دوں گا۔ ان کو کھانے میں سب سے زیادہ اونٹ کا گوشت اور پینے میں اونٹ کا دودھ پسند تھا۔ چنانچہ سخت کے بعد انہوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔“ یہودیوں نے کہا، خدا یا یعنی فرمایا: ”خدا یا گواہ ہو۔“ پھر فرمایا: ”میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے مویٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تم کو یہ معلوم ہے کہ مرد کا نطفہ کاڑھا اور سپید ہوتا ہے اور عورت کا پتلا اور زردان میں جو جنس غالب ہوتی ہے وہ نطفہ بھی خدا کے حکم سے وہی ہو جاتا ہے اور اسی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔“ انہوں نے کہا، خدا یا درست ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدا یا گواہ ہو۔“ پھر فرمایا: ”میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے مویٰ پر تورات نازل کی تم کو یہ معلوم ہے کہ اس نبی کی آنکھیں سوئیں گی اور دل نہیں سوئے گا۔“ انہوں نے کہا، خدا یا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدا یا گواہ ہو۔“ یہودیوں نے کہا، اچھا یہ بتائیے کہ فرشتوں میں آپ کا رفیق کون ہے؟ اسی جواب کے معلوم کرنے کے بعد ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے یا آپ سے الگ ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرا رفیق جبرايل ہے اور دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہوا جس کا وہ رفیق نہ ہو۔“ یہودیوں نے کہا، تو ہم پھر آپ ﷺ کے ساتھ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ ہمارا دشمن ہے۔

صحیح بخاری باب النفسیر (نبی اسرائیل) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک کھیت میں جا رہا تھا کہ راہ میں چند یہودی ملے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمد ﷺ سے کچھ پوچھنا چاہیے بعضوں نے کہا، اس کی ضرورت نہیں۔ شاید وہ کوئی ایسا جواب دیں جو تم کو ناگوار ہو۔ بالآخر انہوں نے طے کیا کہ بہر حال کچھ پوچھنا چاہیے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ محمد ابتو روح کیا چیز ہے؟ آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سمجھو

روایت کے الفاظ یہ ہیں کیف هذا النبی فی النوم یعنی حالت خواب میں نبی ای کی کیا پیچان ہے۔

مسند ابی داود الطیالسی: ۲۸۵۴ بر روایت شهر بن حوشب عن ابن عباس۔

گیا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے جب وحی نازل ہو چکی تو آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی:
 《وَيَسْكُنُوكُمْ عَنِ الرُّوْحِ طَقْلُ اللَّوْحِ مِنْ أَمْرِ رَبِّيٍّ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا》

(بنی اسرائیل: ۸۵)

”وہ پوچھتے ہیں کہ روح کیا ہے؟ اے پیغمبر ﷺ! کہہ دے کہ روح میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور تم کو علم کا بہت کم حصہ دیا گیا ہے۔“

جامع ترمذی (تفسیر بنی اسرائیل) مستدرک حاکم (جلد اص ۹) اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ دو یہودی راستے میں جا رہے تھے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ پوچھیں، دوسرے نے کہا کہ اس کو پیغمبر نہ کہو تم کو وہ اپنی نسبت پیغمبر کہتے نے گا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ اس کے بعد وہ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور آ کر پوچھا کہ موسیٰ کو جو نو احکام ملے تھے وہ کیا تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ یہ تھے کہ (۱) شرک نہ کرو (۲) زنا نہ کرو (۳) ناحن قتل نہ کرو (۴) چوری نہ کرو (۵) جادو نہ کرو (۶) بے گناہ کی چغلی نہ کھاؤ (۷) سود نہ کھاؤ (۸) پاک دامن عورت پر بہتان نہ باندھو اور (۹) میدان جنگ سے فرار نہ کرو۔“ راوی کو اس نویں حکم میں شک ہے۔ پھر فرمایا: ”اور تمہارے لئے اے یہود! خاص حکم یہ ہے کہ (۱۰) بیت مناؤ۔“ ان دونوں نے یہ جواب سن کر آپ ﷺ کے دست و پائے مبارک کے بوئے دیے اور یہ کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ پیغمبر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟“ انہوں نے کہا کہ داؤ د غالیؑ نے دعا کی تھی کہ اس کی نسل میں ہمیشہ پیغمبر ہوا کرے گا اور اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو ہم ذرتے ہیں کہ یہود ہم کو مار نہ ڈالیں۔

✿ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب قول الله تعالى ﴿رَمَا أُوتِيمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾: ۱۲۵ و کتاب التفسیر: ۴۷۲۱۔ ✿ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، ومن سورة بنی اسرائیل: ۱۴۴؛ مستدرک حاکم، ج ۱، ص: ۹؛ مسند ابی داود الطیالسی: ۱۲۶۰ میں بھی روایت موجود ہے۔

اخبارِ غیب یا پیشین گوئی

فطرت بشری کے عجز اور بیچارگی کا سب سے بڑا دردناک نظارہ مستقبل سے ناواقفیت اور چہالت ہے انسان کی مضربر اور بے چین فطرت مستقبل کے بحرظلات میں ہاتھ پاؤں مارتی ہے اور تھک کر اپنی نادانی اور چہالت کا اعتراض کر لیتی ہے اور اسی لئے وہ اس بات پر مجبور ہے کہ جو انسانیت سے مافق کسی دعویٰ کامدی ہو اس کی آزمائش اور امتحان کے لئے اسی بحر بیکار اس کی شناوری کو معیار اور سند قرار دیدے، چنانچہ یہی اخبارِ غیب اور پیشین گوئی کی قدرت نبوت اور رسالت بلکہ عام بزرگی اور ولایت کے ثبوت پر نوع انسانی کے عام افراد کے نزدیک ایک ولیل اور جدت قائم ہے، بنی اسرائیل کے نزدیک یہ وصف نبوت کا اس درجہ لازم تھا کہ ان کی زبان میں پیغمبر کا نام ہی ”پیشین گو“ ہے، عربی، عبرانی اور دوسری ساری زبانوں میں ”نبی“ یا ”نابی“ جو پیغمبر کے معنی میں مستعمل ہے، اس کے لغوی معنی مجری اور پیشین گو کے ہیں اور نبوت کے معنی مجری اور پیشین گوئی کے ہیں اور اسی لئے بنی اسرائیل کے نزدیک نبی اور پیغمبر کی صرف اسی قدر حقیقت ہے کہ وہ غیب کا قادر اور جہان نادیدہ کا مخبر ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب کی یہ یقینت تھی کہ تمام عرب کا ہنوں کے جاں میں گرفتار تھا، عرب کے تمام مشرکانہ معابد کا ہنوں کے دارالسلطنت تھے، جن میں بیٹھ کر وہ عرب کے دل و دماغ پر حکومت کر رہے تھے، مشہور کا ہنوں کے پاس لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے تھے اور ان سے مستقبل اور غیب کی باتیں دریافت کرتے تھے وہ ایک خاص قسم کی متفہی اور مسح عبارتوں میں ان کو غیب اور مستقبل کی باتیں بتاتے تھے، آنحضرت ﷺ جب پیغمبر پہا کر عربوں کے درمیان بھیج گئے، تو ان کے لئے ثبوت نبوت کی بڑی ولیل یہی اخبارِ غیب اور پیشین گوئی ہو سکتی تھی، آنحضرت ﷺ نے میسیوں پیشین گویاں کیں اور مستقبل کے واقعات اور باتوں کو رای اعین کی طرح پیش فرمایا اور سب کی سب بے کم و کاست پوری اتریں۔ آنحضرت ﷺ سے ان پیشین گویوں کا صدور مختلف حالتوں میں ہوا اور آپ کو ان کی اطلاع مختلف صورتوں میں دی گئی، مثلاً: کبھی قرآن مجید کی صورت میں، کبھی عالم خواب میں اور کبھی زبان صداقت نشان کے عام الفاظ میں جس میں طریقہ اطلاع کا اظہار نہیں ہے، قرآن مجید کی پیشین گویوں کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے، خواب کی پیشین گویوں کا تذکرہ کچھ عالم رویا کے بیان میں آچکا ہے، باقی پیشین گویاں سطور ذیل میں تحریر ہیں۔

فتواتِ عظیمه کی اطلاع

اسلام کا آغاز جس بے اطمینانی اور بے سروسامانی کے ساتھ ہوا، اس سے کس کو اس وقت خیال ہو سکتا تھا کہ چند نہیں، فاقہ کش، غریب الدیار مسلمانوں کے بازوؤں میں یہ قوت پیدا ہو جائے گی کہ وہ قیصر و کسری کے تحت الٹ دیں گے، لیکن پیغمبر صادق ﷺ نے اسی وقت بشارت سنائی کہ مسلمانوں اتم عنقریب قسطنطینیہ فتح

کرو گے، مداں تمہارے ہاتھوں میں آئے گا قیصر و کسری کے خزانے تمہارے دست تصرف میں ہوں گے، مصر تمہاری حکومت میں داخل ہو گا، تم سے اور ترکوں سے جن کی چھوٹی آنکھیں اور چوڑے چہرے ہو گے (ترکستانی و متغیری ترک) جنگ ہو گی۔^۱ * دنیا ان میں سے کس واقعہ کی تردید کر سکتی ہے؟

یہ پیشین گویاں الگ الگ بھی کی گئی ہیں۔ مگر مجموعی حیثیت سے اس وقت کی گئیں جب مسلمان مدینہ میں حصور ہو رہے تھے اور تمام عرب مدینہ کو گھیرنے کے لئے امنڈا اچلا آرہا تھا اور مسلمان ہر آن اپنی موت کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے۔ غزوہ خندق کے موقع پر جب خندق کھودتے ہوئے ایک سخت پھر حائل ہو گیا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو توڑنے سے عاجز ہو چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے مجرما ضرب خارا شگاف سے پھر کے ٹکڑے کر دیے تھے، تو آپ ﷺ نے تین ضربیں ماری تھیں اور ہر ضرب کے بعد ایک چنگاری سی اڑتی تھی اور آپ ﷺ نے ہر بار فتح رکھا تھا۔

﴿وَكَمْنَتْ كَلْمَةُ رِيلَكَ صَدْقاً وَعَذْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلْمَتَهُ وَهُوَ السَّمِيمُ الْعَلِيِّ﴾

(الانعام: ۱۱۵)

”اور تیرے پرور دگار کی باتیں سچائی اور انصاف سے پوری ہوئیں، اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا اور وہی سننے والے جانے والا ہے۔“

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حقیقت دریافت کی، فرمایا: ”جب میں نے پہلی ضرب ماری تو کسری کے شہر اور ان کے اردو گردی سامنے کر دیے گئے۔ یہاں تک کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے ان کو دیکھا۔“ حاضرین نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ نے دعا کیجئے کہ وہ فتح ہوں آپ نے دعا فرمائی۔ پھر فرمایا: ”دوسرا ضرب میں قیصر کے شہر اور اس کے آس پاس کے مقامات دیکھے۔“ حاضرین نے پھر عرض کی، یا رسول اللہ ! ان کی فتح کی بھی دعا فرمائی۔ آپ ﷺ نے دعا کی پھر ارشاد ہوا: ”تمیری ضرب میں جہش کے شہر اور گاؤں نگاہوں کے سامنے آئے۔“ پھر فرمایا: ”جہشے والے جب تک تم سے تعرض نہ کریں، تم بھی تعرض نہ کرو اور ترکوں کو اس وقت تک چھوڑو جب تک وہ تمہیں چھوڑ دیں۔“^۲ *

یہ پیشین گوئی تو تمثیلی شکل میں تھی، آنحضرت ﷺ نے کھلے اور صریح الفاظ میں بھی بشارت سنادی تھی۔ فرمایا: ”تم لوگ جزیرہ عرب میں لڑو گے اور خدا فتح دے گا۔ پھر فارس سے لڑو گے اور فتح ہو گی، پھر روم سے لڑو گے اور فتح ہو گی۔“^۳

قیصر و کسری کی بربادی کی خبر

عین اس وقت جب کسری اور قیصر کی حکومتیں پورے جاہ و جلال سے دنیا پر ہکمران تھیں اور بظاہر ان کی

۱۔ صحیح بخاری، باب علامات النبوة فی الاسلام: ۳۵۸۷ تا ۳۵۹۵ میں یہ حدیثیں ہیں۔

۲۔ سنن نسائی، کتاب الجهاد، باب غزوۃ الترک و حبشه: ۳۱۷۸۔

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الفتنه، باب ما یکون من فتوحات المسلمين: ۷۲۸۴۔

بر بادی کا کوئی سامان نہ تھا کہ مکہ کے مناوی حق نے یہ پیشیں گوئی کی ((اذا هلک کسری فلا کسری ا بعدہ اذا هلک قیصر فلا قیصر بعدہ))۔ ”جب کسری ہلاک ہو گا تو اس کے بعد کوئی کسری نہ ہو گا اور جب قیصر ہلاک ہو گا تو پھر دوسرا قیصر نہ ہو گا۔“ *

نہ صرف تاریخ بلکہ آج بھی دنیا کا مشاہدہ اس آواز کی صداقت سے معور ہے۔ ایرانی مجوہیوں کی شہنشاہی کی شکست کے بعد کیا پھر کسی ایرانی مجوہ شہنشاہ کا تاج خسروی کسی نے دیکھا؟ اور روی شہنشاہی کی بر بادی کے بعد روی قوم کا وجود بھی اس سطح زمین پر کہیں ظفر آیا؟

ساز و سامان کی بشارت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا قالین ہے؟ عرض کی، ہمارے پاس قالین کہاں؟ ارشاد فرمایا کہ ”ہاں عنقریب تم قالینوں اور عمده فرشوں پر بیٹھو گے۔“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ دن آیا جب ہم قالینوں پر بیٹھے اب اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ قالین ہٹالے جاؤ تو وہ کہتی ہے، یہ تو آنحضرت ﷺ کی پیشیں گوئی ہے۔*

امن و امان کی بشارت

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ دو شخص آئے، ایک نے بھوک کی، دوسرے نے رہنمی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے عذر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ”کیوں عذر! تم نے حیرہ کو دیکھا ہے؟“ انہوں نے کہا، دیکھا تو نہیں ہے۔ لیکن اس کو جانتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسری کا خزانہ فتح کر لیا گیا۔ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا چاندی لے کر نکلے گا کہ کسی کو خیرات کر دے لیکن دولت کی کثرت کا یہ عالم ہو گا کہ کوئی بول کرنے والا نہ ملے گا۔“ عذر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات ہٹکتی تھی کہ آخربیلہ طے کے وہ ڈاکو کیا ہو جائیں گے۔ جنہوں نے تمام ملک میں آگ لگا رکھی ہے۔ لیکن خود عذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھ لیا کہ حیرہ سے ایک پر وہ نشین عورت تھا چل کر آتی ہے اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی ہے اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ذریثہ نہیں ہوتا۔ ان کا بیان ہے کہ جن لوگوں نے کسری کا خزانہ فتح کیا۔ ان میں میں بھی تھا۔ صرف تیسرا پیشیں گوئی میرے سامنے پوری ہونے سے رہ گئی ہے۔ جو لوگ زندہ رہیں گے وہ اس کو بھی پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیں گے۔ چنانچہ ادیوں کا بیان ہے کہ بنی امیہ کی سلطنت کے زمانہ

* صحیح بخاری، باب علامات النبوة: ۳۶۱۸، ۳۶۱۹ و صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب لاقوم الساعة حتى..... ۷۳۲۷۔ ② صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة: ۳۶۳۱۔ ۳۵۹۵: ایضاً۔

میں یہ واقعہ بھی بعینہ گزار۔
ابو صفووان کے قتل کی خبر

ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو مدینہ منورہ کا دارالامان مل گیا اور اسلام روز بروز ترقی کرنے لگا تو یہ دیکھ کر قریش کے سردار مدینہ پر حملہ کرنے کی تدبیر سوچنے لگے۔ اسی اثنامیں انصار کے ایک رئیس سعد بن عبادہ عمرہ ادا کرنے کے لئے کہ معمظمہ گئے اور ابو صفووان (امیر) کے گھر جا کر مہمان ہوئے۔ ابو صفووان ایک دفعہ موقع پا کر ان کو طواف کرانے لایا۔ وہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابو جہل نکل آیا۔ اس نے کہا، تم مکہ آ کر بے خوف و خطر کعبہ کا طواف کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے بے دینوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے اور سمجھتے ہو کہ خدا اور رسول کی تم نصرت کر رہے ہو۔ خدا کی قسم! اگر ابو صفووان کے ساتھ تم نہ ہوتے تو یہاں سے سلامت گھر نہ جاسکتے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے ڈانٹ کر جواب دیا کہ اگر تم ہم کو طواف نہ کرنے دو گے تو ہم تمہارا تفافہ تجارت مدینہ کے راستے سے گزرنے نہ دیں گے۔ ابو صفووان نے کہا کہ اے سعد! ان سے سخت لہجہ میں لفڑوں کرو یہاں وادی کے سردار ہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ نے کہا، اے صفووان! اپنی طرف داری رہنے دو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنائے کہ تم عنقریب مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔ ابو صفووان نے کہا، کیا وہ یہاں آ کر مجھے ماریں گے؟ انہوں نے جواب دیا، یہ مجھے نہیں معلوم۔ یہ سن کر ابو صفووان کے بدن پر رعشہ پڑ گیا وہ گوا فرخا لیکن اس کو معلوم تھا کہ وہن رسالت ﷺ سے آج تک کوئی غلط بات نہیں نکلی۔ چنانچہ اس کے بعد بدرا کی لڑائی کا موقع پیش آیا۔ تو اس کی بیوی نے جانے سے روکا اور سعد بن عبادہ کی پیشین گوئی یاد دلائی۔ ابو صفووان نے بھی ذر کر اس فوج میں شرکت سے انکار کر دیا، لیکن ابو جہل اس کو سمجھا بجا کر لے گیا۔ بالآخر اس کا رزار بدر میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ *

نام بنا مقتولین بدر کی خبر

بدر کا معزکہ جب پیش آئے والا تھا۔ آنحضرت ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر میدان میں گئے اور بتایا کہ یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے۔ یہ ابو جہل کا مقفلہ ہے۔ یہاں قریش کا وہ بڑا سردار مارا جائے گا۔ یہ عجیب و غریب پیشین گوئی تھی۔ تین سو، ساڑھے تین سو نیم مسلح بے سرو سامان پا ہیوں کا افسر ایک ہزار سے زیادہ سپاہیوں کی غرق آہن باساز و سامان فوج کی شکست اور افسروں کے قتل و موت کا اعلان کر رہا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہر سردار قریش کے لئے آپ نے جو بھگہ مقرر فرمادی تھی، وہیں اس کی لاش خاک و دخون میں لھڑی پائی گئی۔ *

* صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ذکر النبی ﷺ من يقتل بدر: ۳۹۵۰۔

* صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوہ بدر: ۴۶۲۱۔

فاتح خیر کی تعمیم

خیر میں یہودیوں کے متعدد مشکم اور مضبوط قلته تھے۔ ہر روز مسلمان افسر علم و فوج لے کر جاتے تھے اور زور آزمائی کرتے تھے اور شام کونا کام واپس آتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا: ”کل علم یہیں اس کے ہاتھوں میں دوں گا، جس کو خدا اور اس کا رسول پیار کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ پر کل فتح ہوگی۔“ اسلام کی صاف میں ہر حوصلہ مند شمشیر زن نے کل کی توقع پر بے قراری میں رات بسر کی، کوکہ صحیح جب طلوع ہوا تو حضرت علیؑ پر دہ غبار سے نمودار ہوئے۔ حضرت مددوح کو آشوب چشم تھا۔ اس لئے وہ ساتھ نہ آسکے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؑ کے ہاتھ میں علم دیا اور خیر کا میدان اسی دن ان کے ہاتھوں سے سر ہوا۔ *

حضرت فاطمہ زہراؓ کی وفات کی اطلاع

آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں ایک دفعہ حضرت فاطمہ زہراؓ کو اپنے پاس بلا یا اور ان کے کان میں کوئی بات کہی کروہ رونے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ان سے ایک اور بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور ان سے اس کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا راز ظاہر نہیں کر سکتی۔ جب آپ کی وفات ہو گئی تو حضرت عائشہؓ نے دوبارہ ان سے دریافت کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا، ہاں اب میں بتا سکتی ہوں۔ حضور ﷺ نے پہلے مجھ سے یہ فرمایا: ”میں اسی بیماری میں انتقال کروں گا۔“ اور پھر فرمایا: ”اے فاطمہ! میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم آ کر مجھ سے ملوگی۔“ * یہ دونوں باتیں صحیح ہوئیں۔ آپ ﷺ نے اسی مرض میں وفات پائی اور آپ کی وفات کے تقریباً چھوٹی ہمینوں کے بعد حضرت فاطمہ زہراؓ بھی اس دنیا سے چل بیسیں۔

خود اپنی وفات کی اطلاع

آنحضرت ﷺ نے جس سال وفات پائی ہے۔ آپ نے اسی سال اس دنیا سے اپنی تشریف بری کا عام اعلان کر دیا تھا۔ جب تے الوداع سے پہلے معاذ ظاہرؑ کو داعی اسلام بنا کر یہ بھیجا تھا۔ ان کو رخصت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے معاذ! اب اس کے بعد تم مجھ سے نہل سکو گے۔ واپس آؤ گے تو میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔“ یہ سن کروہ رونے لگ۔ * جب تے الوداع کے خطبے میں ہزاروں مسلمانوں کے رو برو آپ ﷺ نے فرمایا: ”شاید کہ آئندہ سال تم مجھ نہ پاسکو گے۔“ مرض الموت سے کچھ دن پیشتر فرمایا: ”خدانے اپنے بندہ کو دنیا اور آخرت کی زندگی کا اختیار دیا تو اس نے آخرت کی زندگی پسند کی۔“ *

* صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیر: ۴۲۰۹۔ ② صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة: ۶۳۱۲۔

۶۲۱۴ و صحیح بخاری، باب علامات النبی فی الاسلام: ۳۶۲۵، ۳۶۲۳۔ ③ مسند احمد، ج ۵، ص: ۲۲۵۔

* صحیح بخاری، فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ سدوا الابواب الاباب ابی بکر: ۳۶۵۴، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر: ۶۱۷۰۔

فتح میں کی خبر

یمن ۸: بھری میں فتح ہوا، مگر آنحضرت ﷺ نے اس کی فتح اور وہاں کے مسلمانوں کی دور راز ملکوں میں بھرت کی خبر پہلے ہی دی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ”یمن فتح کیا جائے گا، تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اہل و عیال اور جوان کا کہا میں گے ان کو لے کر آئیں گے۔ حالانکہ مدینہ ہی کا قیام ان کے لئے بہتر ہوتا، اگر وہ جانتے۔“ * آخیر میں خود آپ کی زندگی میں فتح ہوا اور آپ کے بعد جب وہاں بغاوت ہوئی تو عہد صدیقی میں دوبارہ فتح ہوا اور وہاں سے لوگ نکل کر ایک طرف مشرق میں خراسان اور ترکستان تک اور دوسری طرف مغرب میں افریقہ اور اپنی تک پھیل گئے اور پھر ان تمام ملکوں میں یمنی اور حجازی قبائل کی باہمی خانہ جنگی کے باعث تباہی تاریخ کے مشہور و معروف واقعات ہیں۔

فتح شام کی خبر

پھر فرمایا: ”اور شام مفتوح ہو گا تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اپنے اہل و عیال اور بھرا ہیوں کو لے کر آئیں گے اور مدینہ ان کے لئے بہتر ہوتا، اگر وہ جانتے۔“ * امام احمد نے مند میں روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عنقریب تم لوگ شام کی طرف بھرت کرو گے تو وہ تمہارے لئے فتح کر دیا جائے گا۔“ * معلوم ہے کہ شام فتح ہونے کے ساتھ وہ عربیوں کا مسکن بن گیا اور آج بھی ان کی آبادی وہاں سب سے زیادہ ہے۔

فتح عراق کی خبر

پھر ارشاد ہوا: ”عراق مفتوح ہو گا اور لوگ وہاں بھی اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اہل و عیال کو لے کر آئیں گے۔ حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر تھا، اگر وہ بخخت۔“ * فتح عراق کی بشارت کی بعض اور روایتیں بھی ہیں۔

خوزستان اور کرمان کی فتوحات اور ترکوں سے جنگ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قیامت سے پہلے تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے۔“ * دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، جب تک تم خوز و کرمان کے عجیبوں سے نہ لڑو گے، جن کے چہرے سرخ، ناکیں چپٹی، آنکھیں چھوٹی ہوں گی۔ ان کے چہرے ہتھوڑوں سے بیٹھی ہوئی ڈھالوں کے مانند ہوں گے (یعنی چوڑے چیطے) اور ان کے جوتے بال کے ہوں گے۔“ * اور روایتوں میں یہ الفاظ ہیں: ”اس وقت تک قیامت نہ آئے گی، جب تک مسلمان ترکوں سے نہ لڑیں، جن کے چہرے چپٹے ہوں گے، جن کے لباس

* صحيح مسلم، کتاب الحج، باب ترغیب الناس فی المدینة عند فتح الامصار: ۳۳۶۴، ۳۳۶۵ و مؤطا مالک: ۱۶۴۲ و عبد الرزاق و ابن خزیمة و ابن حبان۔ ② مسلم، ایضاً: ۳۳۶۵، ۳۳۶۴۔

* مسند احمد، ج ۵، ص: ۲۴۱ روایت معاذ ④ صحيح مسلم، کتاب الحج: ۳۳۶۴، ۳۳۶۵ و مؤطا امام مالک: ۱۶۴۲۔ ⑤ صحيح بخاری، باب علامات النبوة فی الاسلام: ۳۰۹۱۔ ⑥ ایضاً: ۳۵۹۰۔

بال کے ہوں گے اور بال ہی کے (موزے یا جوتے) پہن کروہ چلتے ہوں گے۔” * یہ تمام پیشین گویاں پہلی ہی صدی کے آخریک پوری ہو گئیں۔

فتح مصر کی بشارت اور ایک واقعہ کا حوالہ

حضرت ابوذر ؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فتح کرو گے جہاں کا قیراط مشہور ہے۔ جب اس کو فتح کرو تو ہاں کے پاشندوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا۔ کیونکہ تمہارے اور ان کے درمیان تعلق اور رشتہ ہے۔ (حضرت ابراہیم ﷺ) کی بیوی اور حضرت اسماعیل ﷺ کی ماں ہاجرہ مصر کی تھیں اور جب تم دیکھنا کہ ہاں ایک ایمنٹ بھر جگہ کے لئے دو آدمی لڑتے ہوں تو ہاں سے نکل جانا۔ خود ابوذر ؓ نے بیعنیہ ایسا ہی دیکھا اور وہ ہاں سے واپس چلے آئے۔ *

غزوہ ہند کی خبر

ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان یہ سن کر خوش ہوں گے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان قدسی بیان سے ہندوستان میں اسلام کے داخل اور غالب ہونے کی خوشخبری سنائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت کے دو گروہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ آتشِ دوزخ سے بچائے گا۔ ایک وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے (مسلمانوں سے) ہندوستان کے غزوہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ تو اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو اس کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کر دوں گا، تو اگر میں اس میں شہید ہوا تو بہترین شہید ٹھہروں کا اور اگر زندہ لوٹا تو میں آتشِ دوزخ سے آزاد ابو ہریرہ ہوں گا۔” * یہ پیشین گویاں امام نسائی المتوفی ۳۰۲ھجری کی سنن میں ہیں۔ جو سلطان محمود کے حملہ ہندوستان ۱۱۹۳ھ سے تقریباً سو برس پہلے لکھی گئی ہے۔
بحروم کی لڑائیاں

بحروم جس کو بحر اخضر اور بحر متوسط (میڈیترینی سی) بھی کہتے ہیں۔ یورپ اور ایشیا کی اور اب گویا اسلام اور عیسائیت کی حد فاصل ہے اور اس زمانہ میں یہ رومیوں کی بحری قوت کا جولان گاہ تھا۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ خواب راحت سے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا: ”اس وقت خواب میں میری امت کے کچھ لوگ تخت شاہی پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے دکھائے گے۔ یہ بحر اخضر میں (جہاد کے لئے) اپنے جہازِ الہم گے۔” * یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی اور

* ایضاً: ۳۵۸۷۔ * صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب الوصیة النبی ﷺ باهل مصر: ۶۴۹۳، ۶۴۹۴، ۱۷۴/۵ احمد۔ * یہ دوں روایتیں سنن نسائی، کتاب الجناد، باب غزوہ الہند: ۳۱۷۶، ۳۱۷۶ میں ہیں۔ * صحیح بخاری، باب الرفیع فی النہار: ۷۰۰؛ مسلم، کتاب الامارة، باب غزوۃ البحر: ۴۹۳۴، ۴۹۳۵ وابو داود، کتاب الجناد، باب فضل الغزو فی البحر: ۲۴۹۰۔

دیکھا گیا کہ دمشق کی سر زمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا شکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا کو عبور کر کے قسطنطینیہ کی چهار دیواری پر توار مارتا ہے۔

بیت المقدس کی فتح

بیت المقدس اسلام کا دوسرا قبلہ ہے اور اس کی تولیت امت محمدیہ کا حق تھا۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو اس تولیت کی بشارت دے دی تھی اور فرمادیا تھا کہ میری موت کے بعد یہ واقعہ پیش آئے گا۔ عوف بن مالک اشجعؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "قیامت سے پہلے چند واقعے گن رکھو۔ (اول) میری موت، پھر بیت المقدس کی فتح۔" * اس کے بعد آپ ﷺ نے چار اور باتیں بیان فرمائیں۔ یہ بشارت حضرت عمرؓ کے عہد میں ۲۱۴ھ میں پوری ہوئی۔

فتح قسطنطینیہ کی بشارت

فتح قسطنطینیہ کی متعدد بشارتیں ہیں، ایک دفعہ فرمایا: "تم لوگ یقیناً آئندہ قیصر کے خزانوں پر متصرف ہو گے۔" * اور فرمایا: "میری امت کی ایک جماعت بحر اخضر (بحر روم جس کے ساحل پر قسطنطینیہ) میں سوار ہو گی۔" * مسلمانوں کی پہلی جماعت اسی قسطنطینیہ کی فتح کے لئے اس دریا میں سوار ہوئی۔ آثار قیامت کے سلسلہ میں فرمایا: "یہ ہو گا یہ ہو گا پھر تم قسطنطینیہ فتح کرو گے۔" * ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم لوگ بے شے قسطنطینیہ فتح کرو گے تو اس کا حاکم (مسلمان) کتنا اچھا حاکم ہو گا اور وہ (فتح کرنے والی) فوج کیسی اچھی فوج ہوگی۔" * مسلمان خلافاً اور سلطانین میں سے ہر باہم نے اس کو پورا کرنے کے لئے قسمت آزمائی کی۔ مگر ازال سے یہ سعادت سلطان محمد فاتح کی قسمت میں آچکی تھی۔

فتح روم کا اشارہ

جس طرح قسطنطینیہ مشرقی روی سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ رومیہ (روم) مغربی روی سلطنت کا دارالحکومت تھا اور جواب اٹلی کا پایہ تخت ہے۔ یہ مغربی عیسائیوں کا مقدس شہر ہے۔ گو صاف اور صریح الفاظ میں نہیں، لیکن اشارہ پایا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس کی فتح کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ اپین اور مغرب کے مسلمانوں نے اس کے مناروں کے اوپر بھی اسلام کا علم ایک دفعہ بلند کر دیا

* صحيح بخاری، کتاب الجزية، باب ما يحذر من الغدر: ۳۱۷۔ ** صحيح بخاری، باب علامات النبوة: ۳۶۱۸، ۳۶۱۹ و صحيح مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة: ۷۳۲۷۔

*** صحيح بخاری، باب رکوب البحر: ۲۸۹۴ و باب الرؤيا في النهار: ۷۰۰۲۔

**** صحيح مسلم، کتاب الفتن، باب في فتح القدسية: ۷۲۷۸۔

***** مسند احمد، ج ۴، ص: ۳۳۵، و حاکم و ابن ابی شيبة۔

تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ پہلے قسطنطینیہ فتح ہو گایا رومیہ؟ انہوں نے اپنی یادداشت کے کاغذوں کو دیکھ کر جواب دیا کہ ہم لوگ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ارد گرد حاضر تھے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یار رسول اللہ! پہلے قسطنطینیہ فتح ہو گایا رومیہ؟ فرمایا: ”نبیس پہلے ہر قل کا شہر فتح ہو گا۔“ * آنحضرت ﷺ نے رومیہ کے متعلق جوزیا وہ وضاحت نہیں فرمائی اس کی وجہ غالباً یہ ہو کہ مسلمانوں کی حکومت کا وہاں فتح کے بعد قسمت الہی میں باقی رہنا منظور تھا۔

فاتح عجم کا اشارہ

حضرت سعد بن ابی و قاص رضی اللہ عنہم جبود الوداع میں آنحضرت ﷺ کی ہمراکابی میں مکملہ گئے تھے۔ وہاں جا کر وہ اس قدر رخت بیمار پڑے کہ ان کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی۔ آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ تو ان کا اضطراب دیکھ کر ان کو تسلی دی اور ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا: ”تم اگر خدا نے چاہا تو ابھی نہیں مر دے گے۔ تم اگر خلوص سے کام کرو گے تو درجہ عظیم ملے گا۔“ بہترے لوگوں کو تم سے فائدہ اور بہتوں کو تم سے نقصان پہنچ گا۔ * یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے عجمی فتوحات کی بشارت تھی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سپہ سالار اسلام بن کربرا و رجبہ پایا اور چند سال میں کسری کا تاج و تخت چھین لیا۔ اور اس طرح مسلمانوں کو ان کی ذات سے فائدہ عظیم اور محسیوں کو نقصان عظیم پہنچا۔

مردم دین کی اطلاع

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عرب کے متعدد اطراف میں دعویداران کا ذب پیدا ہو گئے اور بہت سے لوگ جو اسلام کا لکھ پڑھ چکے تھے ان کے ساتھ ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس واقعہ کی پہلے ہی اطلاع دے دی تھی۔ فرمایا: ”حوض کوثر پر بہت سے لوگ آئیں گے میں کہوں گا کہ یہ میرے ساتھی ہیں لیکن فرشتے ان کو دھکے دے کر نکال دیں گے اور کہیں گے کہ یار رسول اللہ! آپ کو معلوم نہیں کہ یہ آپ کے بعد بدلتے ہیں۔“ *

حضرت زینب بنت جحش کی وفات کی اطلاع

آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کو اطلاع دی تھی: ”تم میں سب سے پہلے مجھ سے آ کر وہ ملے گی، جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہو گا۔“ ازواج مطہرات کو آنحضرت ﷺ سے جو محبت تھی، اس کا ایک نتیجہ

* مسند احمد، ج ۲، ص: ۱۷۶۔ ۲ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار: ۳۹۳۶ و مسلم، کتاب الوصیة، باب الوصیة بالثلث: ۴۲۰۹ و ابو داود، کتاب الوضایا: ۲۸۶۴۔

* صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب ماجاء فی قول اللہ: (وَاتَّقُوا فِتْنَةً.....) ۷۰۵۱، ۷۰۵۰؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا: ۵۹۷۴۔

یقہا کہ اس پیشین گوئی کے مطابق وہ اپنے اپنے ہاتھنا پا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے بھی کہتی ہیں کہ ہم میں سے سب سے پہلے حضرت زینبؓ نے وفات پائی تو ہم سمجھے کہ ہاتھ کی لمبائی سے حضور ﷺ کیا مقصد تھا۔ (ہاتھ کا لمبा ہونا عربی میں کشادہ دستی اور فیاضی سے لکنایہ ہے) زینبؓ ہم سب سے زیادہ کشادہ دست تھیں۔ *

ام ورقہؓ کو شہادت کی خوشخبری

ام ورقہؓ ایک صحابی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے جب بدر کا ارادہ کیا تو انہوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! مجھ کو بھی اس میں شرکت کی اجازت دیجئے۔ شاید کہ خدا مجھے شہادت نصیب کرے۔ فرمایا: ”تم اپنے گھر ہی میں رہو۔ تمہیں شہادت نصیب ہوگی۔“ چنانچہ وہ زندگی ہی میں اس پیشین گوئی کے مطابق شہیدہ کہلاتی تھیں۔ ان کے پاس ایک غلام اور ایک لوڈی تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان دونوں نے مل کر ایک رات ان کا گاگھونٹ کر مارڈا اور اس طرح اطلاع نبویؓ کے مطابق انہوں نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی۔ *

خلفا کی بشارت

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپؓ نے فرمایا: ”نی اسرائیل کی سرداری اور نگہبانی انہیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی مرتا تھا تو وہ راجی اس کا قائم مقام ہوتا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ البتہ خلفا ہوں گے اور بہت ہوں گے۔“ *

بارة خلفا

آپؓ کے بعد بارہ خلفا کے ہونے کی بشارتیں حدیث کی مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ میں آئی ہیں۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں: ”اس وقت تک یہ اسلامی حکومت اچھی رہے گی جب تک اس پر بارہ آدمی حکومت کریں گے۔“ * یہ حکومت اس وقت تک ختم نہ ہوگی۔ جب تک اس پر بارہ حکمران نہ ہو لیں۔ بارہ خلیفوں تک اسلام معزز اور محفوظ رہے گا۔ میرے بعد قریش میں سے بارہ خلیفہ ہوں گے۔ پھر چھوٹے لوگ ہو گلے۔ ”ابوداؤد (کتاب المهدی) میں یہ الفاظ ہیں: ”یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ اس میں بارہ خلیفہ گزر جائیں۔ ان سب پر تمام امت مجمع ہوگی۔“ علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفا میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ مقنی تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابو داؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنو امیہ میں سے ان بارہ خلفا کو گناہ تھے۔

* صحیح مسلم، باب من فضائل زینب: ۱۲۱۶۔ سنن ابی داود، کتاب الصلوٰة، باب امامۃ النساء: ۵۹۱ و ابن راهویہ۔

* صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب الوفاء بیعة الخليفة: ۴۷۷۳۔

* صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب الناس تبع لقریش: ۴۷۱۰، ۴۷۰۸۔

ہیں جن کی خلافت میں تمام امت کا اجتماع رہا۔ یعنی حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید، عبد الملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ثانی، ہشام۔ ۴ شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی شریع میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کر دے گا۔

خلافت راشدہ کی مدت

فرمایا: ”خلافت (یعنی خلافت راشدہ) میرے بعد تینیں برس ہوں گی ۵ پھر بادشاہی ہو جائے گی۔“ یہ تیس سال کی مدت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام ہوتی ہے۔

خلافت کی مدت	خلافت کا نام	خلافت کی مدت	خلافت کا نام
۲۳ھ-۳۵ھ	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	۱۱ھ-۱۲ھ	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ
۳۵ھ-۳۷ھ	حضرت علی رضی اللہ عنہ	۱۲ھ-۱۳ھ	حضرت عمر رضی اللہ عنہ

شیخین کی خلافت کی پیشین گوئی

آنحضرت ﷺ نے گوصریح اور صاف الفاظ میں اپنے جانشینوں کی تعمین نہیں فرمادی تھی۔ مگر آپ کو یہ علم بخشنا جا چکا تھا کہ حالات اس طرح رونما ہوں گے۔ ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ ”میں سویا تھا کہ“ میں نے اپنے آپ کو ایک کنوئیں کی گفت پر دیکھا۔ جس پر ڈول پڑا ہوا تھا۔ میں نے اس میں سے اتنے ڈول پانی نکالے جتنے خدا نے چاہے۔ پھر اس ڈول کو ابو قافر کے بیٹے ابو بکر نے لیا۔ انہوں نے بھی اس سے ایک دو ڈول پانی کھینچا۔ مگر ان کے کھینچنے میں کسی قد رضعف تھا۔ خدا ان کو معاف کرے۔ پھر یہ ڈول ایک بڑا سا ڈول بن گیا۔ تو خطاب کے بیٹے عمر نے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس طرح کھینچا کہ کسی طاقتور آدمی کو میں نے ان کے برابر کھینچنے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ حوض باللب بھر گیا اور پینے والوں کا چاروں طرف سے ہجوم ہو گیا۔“ ۶

یہ خلافت صدقی و فاروقی کی تمثیلی پیشین گوئی ہے۔ جس کی آئندہ واقعات نے حرف حرف تصدیق کی۔

مسلمانوں کو دولت کی کثرت اور فتنوں کے ظہور سے آگاہ کرنا

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جن فتنوں کا آغاز ہوا، اور مسلمانوں میں جو خانہ جنگیاں پیش

۱ مقدمہ تاریخ الخلفاء سیوطی، ص: ۹۔ ۲ جامع ترمذی، کتاب الفتنه، باب ما جاء في الخلافة: ۲۲۲۶ سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب فی الخلفاء: ۴۶۴۷، ۴۶۴۶؛ مسنند احمد، /۵/ ۲۲۰۔

۳ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عمر: ۳۶۸۲ کتاب التعبیر، باب نزع الذنوب: ۷۰۲۰؛ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر: ۶۱۹۲۔ آخری تقریبے حتی ضرب الناس بعطن کا مرادی ترجمہ ہے لفظی نہیں دیکھو فتح الباری، ج ۱۲، ص: ۳۶۴۔

آئیں۔ ان کا پورا پورا علم آپ ﷺ کو عطا ہوا تھا اور اسی لئے آپ نے بار بار مسلمانوں کو اس سے تنبہ کر دیا تھا۔ ایک دفعہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شہر کے باہر تھے۔ آپ نے ہمراہ یوں سے پوچھا: ”مجھ کو جو نظر آ رہا ہے وہ تم دیکھ رہے ہو؟“ سب نے عرض کی، نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں پر بارش کی طرح فتنے برس رہے ہیں۔“ ❷ دوسری دفعہ فرمایا: ”خدا کی قسم! مجھ کو تم پر فقر و فاقہ کا خوف نہیں۔ بلکہ دولت کا خوف ہے کہ جس طرح تم سے پہلوں پر دنیا پھیلا دی گئی تھی۔ تم پر بھی نہ پھیلا دی جائے۔ تو تم اس میں آپس میں رٹک و حسد کرنے لگو گے۔ اور جس طرح اس نے تم سے پہلوں کو غافل کر دیا، تم کو بھی غافل کر دے۔“ ❸ ایک اور موقع پر ارشاد ہوا: ”دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگنا۔“ ایک دفعہ ارشاد ہوا: ”ایک زمانہ آئے گا کہ تمہارے سامنے دن کو ایک کھانے کا پیالہ اور رات کو دوسرے کھانے کا پیالہ آئے گا اور کعبہ کے پردوں کی طرح (بیش قیمت اور عمردہ) تمہارے لے لباس ہوں گے۔“ حاضرین نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس حالت میں اچھے ہیں یا اس حالت میں اچھے رہیں گے۔ فرمایا: ”نہیں تم اس حالت میں اچھے ہو کہ تم سب باہم ایک دوسرے سے محبت اور پیار کرتے ہو اور اس وقت تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹو گے۔“ ❹ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ مجلس میں رونق افروز تھے، فرمایا: ”میرے بعد اختلاف اور فتنہ ہو گا۔“ لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! تو اس وقت ہم کو کیا حکم ہے؟ فرمایا: ”امیر اور اس کے رفقا کا ساتھ دینا۔“ ❺ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”عقریب میرے بعد کچھ فتنے پیدا ہوں گے۔ جن میں بیشنس والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا۔“ ❻

حضرت عمر بن الخطابؓ کی وفات کے بعد فتنوں کا ظہور ہو گا

خلافت راشدہ کے عہد میں جو فتنے برپا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی دے دی تھی اور آپ نے ان کو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتا دیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے فتنہ کی نسبت جو فرمایا تھا وہ کس کو زیادہ یاد ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، مجھے یاد ہے۔ انسان کو اہل و عیال اور دولت و مال میں جو فتنہ پیش آتا ہے وہ نماز، صدقہ، اچھی باتوں کے کہنے اور بری باتوں کے روکنے سے دور ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کہا، میں اس کی نسبت نہیں پوچھتا میں اس فتنہ کو پوچھتا ہوں جو سمندر کی موجودوں کی طرح لہریں لے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اے

- ❻ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب ویل للعرب من شر قد اقرب: ۷۰۶ و کتاب فضائل المدينة، باب اطام المدينة: ۱۸۷۸۔ ❼ صحیح بخاری، کتاب الجزية والموادعة: ۳۱۵۸ و مسلم، کتاب الزهد: ۷۴۲۵۔
- ❽ مسند احمد حدیث طلحہ (النصری) و مسند رک حاکم۔ ❾ مسند رک حاکم، ج ۳، ص ۹۹؛ ہی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ❿ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب تكون فتنة القائد فيها خير من القائم: ۷۰۸।

امیر المؤمنین! اس فتنے سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ گا کہ اس کے اور آپ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ دریافت فرمایا کہ کیا یہ دروازہ کھول دیا جائے گا یا توڑ دیا جائے گا؟ حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا توڑ دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، تو یہ دروازہ بھی بند ہو سکے گا۔ حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ہاں ایسا ہی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ وہ دروازہ کون تھا؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں بے شک ان کو اس کا اسی طرح علم تھا جس طرح اس بات کا علم ہے کہ آج کے بعد کل آئے گا۔ راوی کہتا ہے، میں لحاظ سے نہ پوچھ سکا کہ وہ دروازہ کون تھا۔ اس لئے مسروق (تابعی) سے کہا کہ وہ حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ سے اس کو دریافت کریں۔ مسروق نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وجود تھا یہ دروازہ جب سے ٹوٹا کس کو معلوم نہیں کہ اسلام پر فتنوں کا سیلا بامنڈا آیا۔

فتنه مشرق کی جانب سے اٹھیں گے

مستند اور معترض دیشوں میں پوری تصریح کے ساتھ بروایت کثیرہ مذکور ہے کہ اسلام میں فتنوں کا آغاز مشرق کی طرف سے ہوگا۔ آپ ﷺ نے انگلی سے اشارہ کر کے بار بار فرمایا: ”ادھر سے جدھر شیطان کی سیفیں یعنی سورج کی کرنیں لکھتی ہیں۔“ ۲ یہ اشارہ عرب سے مشرق کی جانب تھا۔ یعنی عراق کی طرف، دیکھو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاتل عجمی تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کا فتنہ عراق ہی سے اٹھ کر مصر تک پھیلا۔ جنگ جمل اسی سرزی میں پر ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ صفين میں پیش آئی۔ خوارج اسلام کا پہلا گراہن فرقہ بھیں سے نکلا۔ جریہ اور قدریہ وغیرہ اسلام کے دیگر فرقوں کی یہ بدعین جنہوں نے اسلامی عقائد کی سادگی کو پارہ پارہ کر دیا، بھیں پیدا ہوئے۔ جگہ گو شرسوں اور خانوادہ نبوت کا قافلہ بھیں فرات کے کنارہ لٹا۔ مختار نے ادعائے کاذب کا فتنہ بھیں پیدا کیا۔ شیعیت جس نے اسلام کو دھوپوں میں منقسم کیا، بھیں کی پیداوار ہے۔ حاجج کی سفا کیاں اسی سرزی میں پر ہوئیں۔ ترک و تاتار کی غار گریوں کے نتائج جنہوں نے اسلام کی رہی آہی طاقت اور عرب وخلافت عربی کا تاریخ الگ کر دیا، بھیں رونما ہوئے۔ حتیٰ کہ اس جنگ عظیم میں بھی واحد اسلامی طاقت کے ساتھ غداری کے نتائج بھی اولاد بھیں ظاہر ہوئے اور اس کے اثرات بعد کو اور اطراف میں بھی رونما ہوئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فتنہ کی اطلاع

آنحضرت ﷺ مدینہ کے ایک باغ میں بیک لگائے بیٹھے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دروازہ کھلوا

۱ صاحیح بخاری، کتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۷۰۹۶۔ ۲ صاحیح بخاری، کتاب الفتنه، باب قول النبي ﷺ: الفتنة من قبل المشرقي: ۷۰۹۳، ۷۰۹۲؛ مسلم، کتاب الفتن: ۷۲۹۳ وغیرہ۔

کر آئے تو آپ علیہ السلام نے ان کو جنت کی بشارت دی، اس طرح حضرت عمر بن الخطابؓ آئے اور آپ نے ان کو جنت کا مرشدہ سنایا۔ اس کے بعد حضرت عثمان بن عفیؓ آئے تو آپ علیہ السلام نے ان کو جنت کی بشارت کے ساتھ فتنہ و امتحان سے دوچار ہونے کی بھی اطلاع دی۔ ۱ چنانچہ ان کو اپنے زمانہ خلافت میں یہ فتنہ و امتحان پیش آیا اور شہادت نصیب ہوئی۔ حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی اور بھی روایتیں ہیں۔

حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما شہید ہوں گے

ایک دفعہ مکہ معظمه میں کوہ شیر یا کوہ واحد پر آنحضرت علیہ السلام تشریف فرماتھے۔ آپ علیہ السلام کی رفاقت میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان بن عفیؓ بھی تھے کہ دفعت پہاڑ کو جبیش ہوئی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”اے شیر! تھہر جا کہ تیری پشت پر ایک پیغمبر ایک صد لیق اور دشہید ہیں۔“ ۲ پیغمبر اور صد لیق کو تو سب جانتے تھے لیکن حضرت عمر اور حضرت عثمان بن عفیؓ کی شہادت کے بعد یہی معلوم ہو گیا کہ وہ دشہید کوں تھے۔

حضرت علی مرضی رضی اللہ عنہ کی مشکلات اور شہادت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ”تم سے میری امت میرے بعد بے وقاری کرے گی۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”اے علی! خبردار کہ تم کو میرے بعد مصیبت پیش آئے گی۔“ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا، کیا یہ مصیبت میری سلامتی دین کے ساتھ پیش آئے گی؟ فرمایا: ”ہاں تمہاری سلامتی دین کے ساتھ۔“ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہما ایک سفر میں ایک موقع پر آنحضرت علیہ السلام کے ہمراکاب تھے۔ آپ نے فرمایا: ”میں بتاؤں کہ دوسرا سے بدجنت انسان کون ہیں؟“ لوگوں نے عرض کی کہ ہاں یا رسول اللہ علیہ السلام! بتائیے فرمایا: ”ایک شمود کا سرخ رنگ بدجنت جس نے ناقہ شمود کو قتل کیا دوسرا وہ جو اے علی! تمہارے یہاں پر (گردن کی طرف اشارہ کیا) تکوہار مارے گا۔“ ۳

جنگ جمل کی خبر

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما غیرہ کے درمیان جو اتفاقی لڑائی بصرہ میں پیش آگئی تھی۔ اس کو جنگ جمل کہتے ہیں۔ ایک دفعہ آنحضرت علیہ السلام ازواج مطہرات کے درمیان تشریف فرماتھے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”تم میں سے کسی پر حواب کے کتے ہو گئیں گے۔“ (حوالہ عراق میں ایک تالاب کا نام ہے)

۱ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل عثمان: ۶۲۱۴؛ بخاری: ۳۶۷۴۔

۲ صحیح بخاری مناقب ابی بکر: ۳۶۷۵ و سنن ترمذی: ۳۷۰۳؛ نسائی: ۳۶۳۸؛ ابو داود: ۴۶۴۸۔

۳ یہ تینوں روایتیں متردک حاکم میں ہیں، المام ذہبی نے ہمیں روایات کو مطلق صحیح دوسری کو بشرط بخاری و مسلم صحیح اور تیری کو بشرط مسلم صحیح کہا ہے، ج ۳، ص: ۱۴۰ و ۱۴۱۔

حضرت عائشہؓ خلیفۃ جب اصحاب جمل کے ساتھ روانہ ہوئیں اور حواب کے تالاب پر پہنچیں اور کتوں نے بھونکنا شروع کیا تو ان کو آنحضرت ﷺ کی یہ پیشیں گوئی یاد آئی۔ * حضرت علیؓ علیؓ کی جنگ

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس وقت تک قیامت نہ آئے گی جب تک دو ایسے گروہ باہم جنگ آزمانہ ہوں گے جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ایک ہی ہو گا۔“ * علاما کا بیان ہے کہ یہ پیشیں گوئی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ علیؓ کی لڑائیوں پر صادق آتی ہے۔ *

حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوں گے

آپ ﷺ نے غزوہ خندق میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا: ”فسوس تھک کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔“ * یہ پیشیں گوئی متعدد صحابہؓ علیؓ سے منقول ہے حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت علیؓ کی معیت میں امیر معاویہؓ علیؓ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے جنگ صفين میں شہید ہوئے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت

ایک دفعہ آپ ﷺ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو لے کر گھر سے باہر نکلے اور ان کو گود میں لے کر منبر پر چڑھے پھر فرمایا کہ ”میرے اس فرزند کے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کر دے گا۔“ * چنانچہ یہ پیشینگوئی حضرت علیؓ علیؓ کی شہادت کے پھر میں بعد پوری ہوئی اور طرف دار ان علیؓ اور حامیان معاویہؓ علیؓ میں بعض شرائط پر صلح ہو گئی۔

نوخیز حکمراناں قریش کے ہاتھوں اسلام کی تباہی

آنحضرت ﷺ نے جن مخصوص اصحاب کو اسلام کے مستقبل سے باخبر کر دیا تھا۔ ان میں ایک حضرت ابو ہریرہؓ بھی تھے۔ وہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میری امت کی بر بادی قریش کے چند نو خیزوں کے ہاتھ سے ہو گی۔“ حضرت ابو ہریرہؓ علیؓ کہا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو سب کو نام بنا مگا دوں * یہ پیشیں گوئی حرف صحیح نکلی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کا سیاسی طوفان، ان کی شہادت، پھر جمل کی لڑائی۔ یہ سب چند نو خیز قریشی رجیس زادوں کی بے جا امگوں کے نتائج تھے۔ جیسا کہ عام تاریخوں میں مسطور ہے اور صحیح سخاری میں ہے کہ راوی کہتا ہے کہ ہم نے شام جا کر بنی مردان کو دیکھا تو ان کو اسی طرح نو خیز نوجوان پایا۔ *

* مسند احمد، ج ۶، ص: ۹۷۔ * صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب اذا تواجه المسلمين بسيفيهمما:

۷۲۵۶۔ * دیکھو شرح صحیح مسلم للنووی، ج ۲، ص: ۳۹۰۔ * صحیح مسلم، کتاب الفتن،

باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بغير الرجل ...: ۷۳۲۰۔ * صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب

علمات النبوة في الإسلام: ۳۶۲۹ و ترمذی، ابواب المناقب: ۳۷۷۳ و حاکم، ج ۲، ص: ۱۷۵۔

* صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبي ﷺ هلاک امتي على يدي اغيلمه سنهاء: ۷۰۵۸۔ * ایضاً

بیزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں وفات پائی اور ان کی بجائے بیزید تخت نشین ہوا اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی ادبار و نکبات کی اولین شب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد روایتیں ہیں۔ منذر احمد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا: ”۲۰ھ کے شروع ہونے سے اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرو اور دنیا ختم نہ ہو گی یہاں تک کہ اس پر ایسے دیے لوگ حکمران نہ ہو لیں۔“ * حاکم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عربوں پر افسوس اس مصیبت سے جو ۲۰ھ کے آغاز پر قریب آئے گی۔ امانت لوٹ کا مال اور صدقہ و خیرات جرمانہ اور تاوان سمجھا جائے گا اور گواہی پیچان سے دی جائے گی اور فیصلہ ہوا وہوں سے ہوا کریں گے۔“ ** بیہقی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے بازار میں یہ کہتے جاتے تھے: ”کہ خداوند! میں ۲۰ھ اور لڑکوں کی حکومت کا زمانہ نہ پاؤں۔“ *** خدا نے ان کی یہ دعا قبول کی اور ۵۹ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ *

امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی متعدد پیشین گوئیاں حاکم، یتیم، ابن راہو یہ اور ابوالعیم وغیرہ میں مذکور ہیں۔ مگر اصولاً ان روایات کا درجہ بلند نہیں، تاہم اتنی بات مجملًا ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کو اس واقعہ کا علم ضرور عطا کیا گیا تھا اور آپ نے اہل بیت کو اس کے متعلق کوئی خاص اطلاع دی تھی، اس باب میں بہترین حدیث حاکم کی یہ روایت ہے جس کو اس نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی تھی کہ ”میں نے یہی (پیغمبر) کا بدله ستر ہزار سے لیا تھا اور میں نیز نے نواسے کا بدله ستر ہزار سے لوں گا۔“ **** حافظہ ہمی نے اس روایت کو علی شرط مسلم تسلیم کیا ہے * لیکن یہ روایت خود اس کا اشارہ کرتی ہے کہ اس سے پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع دی جا پکی تھی، یہ اطلاع الہی حرفاً صحیح ہوئی۔ امام موصوف کی شہادت کے بعد مختار کے ہاتھوں قاتلین حسین سے اسی قدر انقاوم لیا گیا۔

خوارج کی اطلاع

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ مال غنیمت تقسیم فرمائے تھے۔ قبلہ بنو تمیم کا ایک آدمی آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! انصاف سے مال تقسیم فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نہ انصاف کروں گا تو کون کرے گا؟“ اس کی گستاخی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت برہم ہوئے اور

* منذر احمد، ج ۲، ص: ۳۶۶۔

** یہ روایتیں خصانص کبری سیوطی، ج ۲، ص: ۱۲۹ کے حوالے نقل کی گئی ہیں۔

*** مستدرک حاکم، ج ۳، ص: ۱۷۸۔

آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اجازت دیجئے تو اس کی گردن اڑا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جانے دو۔ اس کے ایسے رفقہ ہوں گے جن کے نماز، روزے کے مقابل تم کو اپنے نماز روزے حقیر معلوم ہوں گے۔ وہ لوگ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن گلے کے نیچے نہ اترے گا۔ نہ ہب کے دائرہ سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیرنماں کے پار نکل جاتا ہے۔ اس گروہ کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک سیاہ فام شخص پیدا ہو گا۔ جس کے دنوں بازوؤں میں عورت کے سینہ کی طرح گوشت لکھتا ہو گا۔“ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس گروہ سے جنگ کی اور میں ان کے ساتھ موجود تھا۔ اس سیاہ فام کی تلاش کی گئی تو آنحضرت ﷺ نے جو علامات بتائی تھیں وہ ان کے ساتھ متصف تکلما۔ ﴿

مختار اور جاج کی اطلاع

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: ”کہ قبلہ ثقیف میں دو شخص پیدا ہوں گے۔ جن میں ایک کذاب، دوسرا میری یعنی ہلاک کرنے والا ہو گا۔“ چنانچہ جب جاج ثقیف نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو چھانی دی اور ان کی ولادہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کو بدلایا تو انہوں نے جانے سے انکار کیا۔ پاربار کے انکار کے بعد جاج خود ان کے پاس آیا بہت سے سوال و جواب کے بعد انہوں نے کہا، قبلہ ثقیف کے دو شخصوں کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی۔ ان میں کذاب (مختار ثقیف) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور میری کے متعلق میرا خیال ہے کہ وہ تم ہی ہو۔ یہ سن کر جاج چپ چاپ الٹے پاؤں والپس چلا گیا۔ ﴿

چجاز میں ایک آگ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: ”قیامت اس وقت تک ہیں آئے گی، جب تک چجاز میں ایک ایسی آگ نہ لکھے جس کی روشنی بصری کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن نہ کر دے۔“ ﴿ یہ روایت صحیح مسلم اور حاکم میں ہے امام نووی رضی اللہ عنہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ آگ ہمارے زمانہ میں ۱۸۲ھ میں مدینہ میں ظاہر ہوئی اور آگ اس قدر بڑی تھی کہ مدینہ کے مشرقی پہلو سے لے کر پہاڑی تک پھیلی تھی۔ اس کا حال شام اور تمام شہروں میں بتواتر معلوم ہوا اور ہم سے اس شخص نے بیان کیا جو اس وقت مدینہ میں موجود تھا۔ ﴿ اب شامہ ایک اور معاصر مصنف کا بیان ہے کہ ہمارے پاس مدینہ سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ چہار شنبہ کی رات تو جہادی اثنائی کی تیسری تاریخ کو مدینہ میں ایک سخت دھما کا ہوا۔ پھر بڑا لزلہ آیا جو ساعت بساعت بڑھتا ہا۔ یہاں تک کہ پانچوں کو بہت بڑی آگ پہاڑی میں قریظ کے محلے کے قریب نمودار ہوئی۔ جس کو

﴿ بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام: ۳۶۱۰۔ ﴿ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر کذاب ثقیف و میریہا: ۶۴۹۔ ﴿ مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى تخرج نار: ۷۲۸۹۔ ﴿ سرح مسلم نووی، ج ۲، ص: ۳۹۳۔

ہم مدینہ کے اندر اپنے گھروں سے اس طرح دیکھتے تھے کہ گویا وہ ہمارے قریب ہی ہے اور تراہیاں بہہ نکلیں اور ہم اس کو دیکھنے کو چڑھے تو دیکھا کہ پہاڑ آگ بن کر بہہ رہے ہیں اور ادھر ادھر شعلہ بن کر جا رہے ہیں۔ آگ کے شعلے پہاڑ معلوم ہوتے تھے۔ مغلوں کے برابر برابر چنگاریاں اڑ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ یہ آگ مکہ معظم اور صحراء بھی نظر آتی تھی۔ لوگ گھبرا کر روشنیوں میں دعا و استغفار کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ یہ حالت ایک مہینہ سے زیادہ رہی۔ علامہ ذہبی اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسی سال ۶۵۳ھ میں مدینہ میں آگ نکلی۔ جوان بڑی نشانیوں میں سے تھی۔ جن کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی۔ اس آگ میں اس شدت اور روشنی کے باوجود گرمی نہ تھی اور چند روز رہی، اہل مدینہ کا خیال تھا کہ قیامت آگئی تو انہوں نے خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کیا۔ اس آگ کا حال بتواتر معلوم ہے۔ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ متعدد لوگوں سے جو بصری میں اس وقت موجود تھے، یہ شہادت منقول ہے کہ انہوں نے رات کو اس کی روشنی میں بصری کے اونٹوں کی گردی میں دیکھیں۔

ایک صدی یا ایک دور کے بعد انقلاب

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اخیر زندگی میں آنحضرت ﷺ نے نماز عشاء کے بعد حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا: ”آج اس شب میں تم کو بتاؤں کہ اس سے سو برس بعد آج کے لوگوں میں سے کوئی بھی روئے زمین پر باقی نہ رہے گا۔“ راوی کہتا ہے کہ اس سے آپ کا مقصود ایک دور (قرن) کا ختم ہو جانا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اسی واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہو، اس کا علم تو خدا کو ہے، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ آج روئے زمین پر کوئی سانس لینے والی جان نہیں جو سو برس بعد زندہ رہے گی۔“ اس سے مقصود صحابہ رضی اللہ عنہ کے خیر و برکت کے دور کا اختتام تھا۔ ابو لطفیل رضی اللہ عنہ صحابی سب کے اخیر میں مرے ہیں۔ ان کا بیان تھا کہ اب میرے سوا کوئی باقی نہیں جس نے جمال محمدی ﷺ سے آنکھیں روشن کیں۔ یہ ابو لطفیل رضی اللہ عنہ پوری صدی کے اختتام پر رحلت گزین ہوئے۔

چار دوروں کے بعد پورا انقلاب

متعدد راویوں نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے علی الاعلان فرمایا: ”بہترین دور (قرن) وہ ہے جس میں میں ہوں۔“ پھر اس دور کے لوگ جو میرے بعد ہیں، پھر اس دور کے لوگ جوان

* تاریخ الخلفاء بحوالہ ابو شامة واقعات ۶۵۴، ص: ۴۷۷۔ مختصر تاریخ الاسلام ذہبی، ج ۲، ص: ۱۲۱ حیدر آباد۔ * تاریخ الخلفاء سیوطی واقعات: ۶۵۴، ص: ۸۰۔ * یقہم حدیثیں صحيح مسلم، کتاب فضائل الصحابة باب بیان معنی قوله علی رأس مائة سنۃ لا یقی نفس: ۶۴۸۶۴۷۹ میں ہیں، اور یہی روایت ابو داود، کتاب الملاحم، باب قیام الساعة: ۴۳۴۸ میں بھی ذکور ہے۔ * صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم: ۱۴۷۰ و مسنون احمد حدیث بریدہ، ج ۵، ص: ۳۵۷۔

کے بعد ہیں، پھر اس دور کے لوگ جو ان کے بعد ہیں، پھر ایسے لوگ ہوں گے جو کوہی کے لئے بلائے نہیں جائیں گے، خود جا کر کوہی دیں گے۔ خیانت کار ہوں گے۔ امین نہ ہوں گے۔ نذر مانیں گے، لیکن ایفانہ کریں گے۔ ”پہلا دور عہد نبوی ﷺ ہے، دوسرا دور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، تیسراتابعین کا، چوتھا تابعین کا۔ یہ چار عہد اسلام کے روحاںی، دینی اور اخلاقی مناقب و مکارم کا اور صلحائے امت، ائمہ دین اور علمائے خیر کے پرے در پرے ظہور اور وجود کا اور خالص ذہبی علوم کی نشوونما، ترتیب و مدد وین اور تشریفاً و شاعت کا ہے۔ اس کے بعد ہی بدعتات کا سیلاب امتدتا ہے۔ علمائے سوء اور امراءٰے جور بیدار ہوتے ہیں۔ فرق باطلہ کا ظہور ہوتا ہے۔ فقہائیں جمود آتا ہے۔ علمائیں ہوا و ہوس رہا پاتی ہے۔ ہند، فارس اور یونان کے فلسفیانہ خیالات مسلمانوں میں رائج ہوتے ہیں۔ اسلام کے اعتقادی و عملی قویٰ ست ہو جاتے ہیں اور تنام نظام اپنر ہو جاتا ہے۔

مدعاں کاذب

صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت سے پہلے تمیں کاذب دجال پیدا ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔“ * ایسے مدعاں کا ذب کی تعداد اگر مسلمہ کے وقت سے لے کر آج تک کی تاریخوں سے جن کرالگ کی جائے تو قریب قریب تمیں کے پہنچ جائے گی۔ جن میں سے دوجو ہندوستان اور ایران میں ابھی ابھی گزرے ہیں وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

منکرین حدیث

ابوداؤد میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنی مند پر نکلیے گائے (یعنی غور کی شان سے) بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرے کاموں میں سے کوئی کام جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا، یا جس سے منع کیا، وہ اس سے بیان کیا جائے تو کہے ہم نہیں جانتے، جو ہم نے قرآن میں پایا اسی کو مانتے ہیں۔“ ** تیہی میں اس سے زیادہ صاف الفاظ ہیں دور اول میں اگر یہ پیشیں کوئی معتزلہ پر صادق آئکتی تھی تو اب آج کل مصر و ہند کے ان اشخاص پر پوری طرح صادق آتی ہے جو خود کو اہل القرآن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

تجارت کی کثرت اور اس میں عورتوں کی شرکت

قیامت کے آثار اور نشانیوں میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”قیامت سے پہلے خصوصیت کا سلام ہو گا اور تجارت کی کثرت ہو گی۔*** یہاں تک کہ عورت بھی اپنے مرد کا ہاتھ بٹایا کرے گی۔“ کیا اس موجودہ دور تہذیب سے بڑھ کر اس پیشیں کوئی

* صحیح مسلم، کتاب الفتن: ۷۳۴۲ وابوداؤد (کتاب الملاحم: ۴۳۳۳) کے علاوہ مسند احمد، ج ۲، ص: ۲۲۷، ۲۲۳، ۲۲۱ میں حضرت عزیزہ رضی اللہ عنہ او ریاضی علی، برادر اور طرائفی میں حضرت عبداللہ بن زیر رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی روایت ہے۔

** سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ: ۴۶۰۴۔ *** مسند احمد، ج ۱، ص: ۴۱۹، ۴۲۰ و ادب المفرد، امام بخاری باب من کرہ تسليم الخاصۃ: ۱۰۴۹ و مستدرک حاکم و بیزار و طبرانی۔

کی صداقت کا کوئی اور زمانہ ہو گا؟ آج سے زیادہ بھی تجارت کی گرم بازاری تھی اور عورتیں بھی اس سے پہلے اس بیبا کی سے مردوں کے دوش بد و شہ کروں پیشہ میں درآئی تھیں؟
اہل یورپ کی کثرت

آپ ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ”قیامت جب آئے گی تو روم سب سے زیادہ ہوں گے۔“ * عربوں کے محاورہ میں روم سے مقصود اہل فرنگ یعنی اہل یورپ ہیں۔ آج اہل یورپ کی یہ کثرت ہے کہ اس وقت ان کے وجود سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں اور ان کی قوت و طاقت کا دنیا کی کوئی قوم مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ پیشینگوئی آج سے سائز ہے تیرہ سو برس پہلے کی گئی تھی اور آج اس کی صداقت آفتاب کی طرح روشن ہے۔

سود کی کثرت

پہلے وہی لوگ سود کھاتے تھے اور کھا سکتے تھے جو براہ راست اس کا کاروبار کرتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے پیشین گوئی کی تھی کہ ”ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو سود نہ کھائے گا اگر وہ براہ راست نہیں کھائے گا تو اس کا غبار یاد ہواں بھی اڑ کر اس تک ضرور پہنچ گا۔“ * کیا آج وہی زمانہ بعض نہیں ہے آج کی تجارت اور سوداگری تمام تر سود پر ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے ملک کی ہر چیز جو بازار سے خریدی جاتی ہے وہ بیسوں سو دوی معاملوں سے گزر کر ہم تک پہنچتی ہے تمام وہ لوگ جن کی معیشت سرکاری نوکری ہے اور اکثر غیر سرکاری نوکر بھی یہاں کے جمع شدہ روپوں سے معاوضہ حاصل کرتے ہیں اور امراء اور اہل دولت بھی اپنا سرمایہ امناتی منافع سے وصول کرتے ہیں۔ غرض آج دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں کہی جاسکتی ہے جو تمام تر سود سے پاک اور مبرہ ہوا اور یہ یورپ کے تمدن کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ عالمگیر اثر ہے۔ یہ عظیم الشان پیشین گوئی کتنی بڑی صداقت پر ہے اور جس کو کبھی کوئی انسان صرف قیاس سے اس بلند آنکھی کے ساتھ دنیا کو نہیں سنا سکتا ہے۔

یہودیوں سے جنگ

صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی کہ ”مسلمانوں اور یہودیوں میں ایک عظیم الشان جنگ ہوگی۔ یہودی شکست کھا کر پیٹاں اور دختوں کے پیچھے چھپیں گے تو وہاں بھی ان کو پناہ نہ ملے گی اور ان میں سے آواز آئے گی کہ اے مسلمان دیکھا یہ یہودی چھاپا ہے۔“ * اس حدیث کو پڑھتے ہوئے پہلے دل میں خطرہ گز رتا تھا کہ الہی یہودیوں میں نہ توقوت ہے، نہ کوئی ان کی سلطنت ہے، نہ مسلمانوں

* صحیح مسلم، کتاب الفتن: ۷۲۷۹۔ * ابو داود، کتاب البيوع، باب اجتناب الشبهات: ۳۳۳۱؛

نسانی، کتاب البيوع: ۴۴۶۰ وابن ماجہ: ۲۲۷۸ و مسند احمد، ج ۲، ص: ۴۹۴۔

* صحیح مسلم، کتاب الفتن: ۷۳۳۷۔

کے درمیان کہیں ان کی بڑی آبادی ہے۔ یہ لڑائی کیونکر پیش آئے گی۔ مگر پچھلی جنگ نے اپنے نتیجہ کے طور پر فلسطین میں جو صورت نمایاں کر دی ہے اور عہد نامہ بالفور نے فلسطین کو یہودی کا قومی وطن بنانے اور صیہونی تحریک نے فلسطین کو خالص یہودی ملک بنانے اور بالآخر خواہ یہودی سلطنت قائم کرنے کا جو تھیہ کیا ہے، اس نے مخبر صادق علیہ السلام کی پیشین گوئی کی صداقت کے منظروں کو نکھلوں کے سامنے کر دیا۔

جاز کا انتظام مصر، شام اور عراق سے

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”عراق نے اپنا نقریٰ سکہ (درہم) اور غلہ کا پیانہ (قفسیز) روک دیا۔ شام نے اپنے غلہ کا پیانہ (مد) اور اپنا طلاقی سکہ (دینار) روک دیا اور مصر نے اپنے غلہ کا پیانہ (اروب) اور اپنی اشرفتی روک دی اور تم وہیں لوٹ گے۔ جہاں سے چلے جائے۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اس حدیث کے ارشاد بُوی علیہ السلام ہونے پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا گوشت اور خون گواہی دیتا ہے۔

اس حدیث میں درحقیقت دو پیشین گوئیاں ہیں: ایک یہ کہ مسلمان ان ممالک کو فتح کریں گے اور جاز کے تعلقات وہاں سے قائم ہوں گے اور اس خشک اور بخیر خطہ کی پرورش انہی ہمسایہ علاقوں سے ہوگی اور پھر وہ زمانہ آئے گا، جب یہ ملائے الگ ہو جائیں گے اور جاز پھر وہی ہو جائے گا جیسا اسلام سے پہلے یا اسلام کے آغاز میں تھا۔ پہلی پیشین گوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی اور اس وقت سے لے کر تیرہ سو برس تک برابر یہ حالت قائم رہی، جاز کے لئے ہر قسم کا سامان انہی ممالک کی پیداوار سے آتا تھا۔ مصر و شام سے برابر غلہ قانوناً بھیجا جاتا تھا۔ سالانہ نذرانے تقسیم ہوتے تھے۔ بڑی بڑی جائدادیں وقف تھیں۔ لیکن ہمارے خیال میں اس دوسری پیشین گوئی کا محل اس زمانہ سے بہتر نہیں ہو سکتا، تیرہ سو برس کے اندر کبھی ایسا زمانہ پیش نہیں آیا۔ جب جاز عراق و شام اور مصر سے دفعہ منقطع ہو گیا ہو۔ آج جاز کی وہی حالت نہیں جو اسلام سے پہلے یا آغاز اسلام میں تھی؟ جب عراق پر ایرانی اور شام و مصر پر روی حکمران تھے اور خود عرب کے صوبے پر اگنڈہ اور بے نظام تھے اور ہر قطعہ پر ایک حاکم فرمانروا تھا۔ آج عراق و مصر و فلسطین و بحرین وغیرہ پر انگریز اور شام پر فرانسیسی حکمران ہیں۔ عرب کے تمام صوبے پر اگنڈہ اور بے نظام ہیں اور ہر خطہ پر ایک مستقل فرمانروا ہے اور باہمی آتش جنگ و جدل برپا ہے، ایک کو دوسرے کی ماحصلت سے عار ہے، عراق کا غلہ اور نذرانہ بند ہے۔ شام کی موقوفہ جائدادیں فرانسیسیوں نے ضبط کر لیں اور آپ نے گزشتہ سال سن لیا کہ مصر نے جاز کے غلہ اور اشرفتیوں کا وہ نذرانہ بند کر دیا جو عہد فاروق رضی اللہ عنہ سے اب تک کبھی بند نہیں ہوا تھا۔

* صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعۃ حتی یحسر الفرات: ۷۲۷۷

اہل پورپ سے شام میں جنگ

صحیح مسلم وغیرہ میں فتن اور آثار قیامت کے سلسلہ میں متعدد حدیثیں ایسی ہیں، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صاف و صریح الفاظ میں اپنی امت کو یہ اطلاع دی ہے کہ آخر زمان میں دجال کے ظہور اور نزول مُسْح سے پہلے ملک شام میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان عظیم الشان خونی معرکے پیش آئیں گے، گواں ملک میں ان دونوں کے درمیان صلیبی جنگوں نے اس قسم کے سینکڑوں خونی معرکے پیش کئے ہیں، مگر جنگ عظیم نے شام کی جو صورت حال پر اکر دی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات آنے والے خونی معرکوں کی تقریب و تہید ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف تمام دنیا کی قویں اٹھ کھڑی ہوں گی

ابوداؤد **رض** اور تیہقی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قریب ہے کہ قویں تم پر حملہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی (یعنی تم پر متحدہ حملہ کریں گی) جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالہ پر گرتے ہیں۔“ حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ اس لئے کہ اس زمانے میں ہم مسلمانوں کی تعداد کم ہو جائے گی؟ فرمایا: ”نہیں، تمہاری تعداد ان دونوں بہت بڑی ہو گی، لیکن تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے سیلاپ کی سطح پر کف اور خس و خاشک ہوتا ہے کہ (سیلاپ ان کو بہائے لئے جاتا ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب دور کر دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔“ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ کمزوری کیا ہو گی؟ فرمایا: ”دنیا (فوند دنیا) کی محبت اور موت سے کراہت۔“ موجودہ دنیا نے اسلام کے پیش نظر تاریخ میں کیا حرف حرف اس کی قدم دیتی نہیں؟

* ابو داؤد، کتاب الملاحِم، باب فی تداعی الاسم علی الاسلام - ۴۲۹۷۔

مجازاتِ نبوی ﷺ کے متعلق غیر مستند روایات

آنحضرت ﷺ کے مجازات کے متعلق جو جھوٹی اور بے سرو پار وایتیں مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں ضرورت نہ تھی کہ اس کتاب میں ان کو کسی حدیث سے جگہ دی جائے، مگر چونکہ عام ظریفین کے دلوں میں ان کو اس کتاب میں نہ پا کر مختلف قسم کے شہبے پیدا ہوں گے۔ اس لئے صرف ان کی تکمیل اور کشف حقیقت کی خاطر ان روایتوں سے بھی اس کتاب میں تعریض کرنا ضروری پڑا۔ یہ روایتیں زیادہ تر کتب دلائل میں ہیں۔ یعنی ان کتابوں میں ہیں، جن کو لوگوں نے عام حدیث کی کتابوں سے الگ کر کے صرف آنحضرت ﷺ کے مجازات کے ذکر و تفصیل میں لکھا ہے۔ یہی کتابیں ہیں جنہوں نے مجازات کی جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگادیا ہے اور انہی سے میلا دوفضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے۔ خوش اعتقادی اور عجائب پرستی نے ان غلط مجازات کو اس قدر شرف قبول بخشا کہ ان کے پردہ میں آپ ﷺ کے تمام صحیح مجازات چھپ کر رہ گئے اور حق و باطل کی تیزی مشکل ہو گئی۔ حالانکہ اس تمام ذخیرہ سے کتب صحاح اور خصوصاً بخاری و مسلم یکسر خالی ہیں۔ لیکن تیسرا اور چوتھی حصہ میں اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں، وہ اس درجہ بے احتیاطی کے ساتھ لکھی گئیں کہ محمد بنین شفاث نے ان کو بیشتر ناقابل اعتبار قرار دیا۔ کتب دلائل کے ان مصنفوں کا مقصد مجازات کی صحیح روایات کو یکجا کرنا نہیں، بلکہ کثرت سے عجیب و حیرت انگیز و اتفاقات کا مواد فراہم کرنا تھا، تا کہ خاتم المرسلین کے فضائل و مناقب کے ابواب میں معتقد بہ اضافہ ہو سکے۔ بعد کو جواحتیاط پسند محمد بنین آئے۔ مثلاً: زرقانی وغیرہ وہ ان روایات کے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تردید اور تضعیف بھی کرتے گئے۔ لیکن جو چیز اس وسعت کے ساتھ پھیل گئی ہو، جو اسلامی لٹریچر کا ایک جزو بن گئی ہو۔ جو اس کے رگ و پے میں سراہیت کر گئی ہو، اس کے لئے صرف اس قدر کافی نہیں بلکہ وہ مزید تقدیم کی ہتھا ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ ہمارے ملک میں میلاد کی مجلسوں میں جو بیانات پڑھے جاتے ہیں وہ تمام تر ان ہی بے بنیاد روایتوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ اس تقدیم کے تین حصے ہو سکتے ہیں۔ اصول روایت کی بنیاران کتابوں کا اور محمد بنین میں ان کے مصنفوں کا درجہ کیا ہے؟ ان کتابوں میں جو غلط موضوع اور ضعیف مجازات مذکور ہیں، ان کے پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ ان کتابوں کے خاص خاص مشہور اور زبان زد مجازات کی روایتی حدیث کیا ہے؟

کتب دلائل اور ان کے مصنفوں کا درجہ

علمائے اسلام نے روایات کی تقدیم اور ان کے اصول کے منضبط کرنے میں جو کوششیں کی ہیں اور جو خدمات انجام دی ہیں، ان کی پوری تفصیل کتاب کے مقدمہ میں گز رچکی ہے، اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ضمناً آگئی ہے کہ ان روایات کی جانچ اور تقدیم میں جن کا تعلق احکام فقہی سے ہے۔ محمد بنین نے جو ختنی اور شدت اختیار کی ہے، وہ مناقب اور فضائل کے باب میں نہیں کی ہے۔ چنانچہ علم حدیث کے بڑے بڑے اماموں نے

اعلانیہ اس کا اعتراض کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ آیات قرآنی کے الگ الگ فضائل، نام بنا م تمام خلفا کے مناقب، مقامات اور شہروں کے محاذ، اعمال انسانی کے مبالغہ آمیز ثواب و عقاب کے بیانات، آنحضرت ﷺ کے متعلق کا ہنین عرب کی پیشین گویاں اور اشعار اور عجیب و غریب غیر صحیح فضائل، محرمات اور برکات وغیرہ کا یہ بے پایاں دفتر روایات میں موجود اور کتابوں میں مدون ہے۔

یہ روایات زیادہ تر تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ تیسرے درج میں بقول

شاہ ولی اللہ صاحب یہ کتابیں ہیں۔

مسند ابو یعلی، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شيبة، مسند عبد بن حمید، مسند طیلیسی، یعنی طحاوی اور طبرانی کی تصنیفات، ان میں سچی جھوٹی اچھی برقی قوی ضعیف ہر قسم کی حدیثیں پہلو بہ پہلو درج ہیں اور چوتھے درجہ میں وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفوں صدیوں کے بعد پیدا ہوئے۔ انہوں نے چاہا کہ اول اور دوم درجوں میں جو روایتیں داخل نہیں کی گئی تھیں، ان کو ایک جگہ جمع کر دیں۔ یہ روایتیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کی روایتوں کو حدیث کے اماموں نے قلمبند کرنا پسند نہیں کیا تھا اور قصہ گو واعظین محض ان سے رونق محفل کا کام لیتے تھے۔ اسرائیلیات، احوال حکما، اشارات حدیث، فضیل و حکایات اور روایات نامعتر کو انہوں نے حدیث کا درجہ دے کر کتابوں کے اور اس میں مدون کر دیا۔ کتاب الفتناء لا بن جبان، کامل لا بن عدی اور خطیب، ابو نعیم، جوز قافی، ابن عساکر، ابن نجاش اور دیلمی کی تصنیفات کا اسی طبقہ میں شمار ہے۔ اس تفصیل کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں: صرف اول اور دوم درجہ کی کتابوں پر یعنی صحیح ستہ پر حدیثیں کا اعتماد ہے اور انہی پر ان کا مدار ہے، تیسرے طبقہ کی کتابوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھاسکتے ہیں، جو فون کے ناقد اور جو ہری ہیں اور جن کو اماماء الرجال پر عبور اور عمل حدیث سے واقفیت ہے۔ غرض جو صحیح اور غلط اور خطأ و صواب میں امتیاز کامل رکھتے ہیں۔ چوتھے طبقہ کی کتابوں کو جمع اور تدوین کرنا اور ان کو کام میں لانا متاخرین کی ایک قسم کی بے فائدہ کی کاوش فکر ہے۔ آنحضرت ﷺ کے آیات و دلائل پر جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے کچھ تیسرے طبقہ میں اور بقیہ تمام تر چوتھے طبقہ کی کتابوں میں داخل ہیں۔ متاخرین نے عام طور سے سرمایہ جن کتابوں سے حاصل کیا ہے وہ طبری، طبرانی، یعنی دیلمی، بزار اور ابو نعیم اصفہانی کی تصنیفات ہیں۔ حافظ قسطلانی نے انہی روایات کو تمیز اور نقد کے بغیر مواہب لدنیہ میں داخل کیا اور متعین فراہی نے ان کو معارج النبوة میں فارسی زبان میں اس آب درنگ سے بیان کیا کہ یہ روایتیں گھر گھر پھیل گئیں اور عوام نے اس شیفتگی اور وارثی کے ساتھ ان کو قبول کیا کہ اصلی اور صحیح محرمات اور آیات بھی اس پر دہ میں چھپ کر رہ گئے۔

مواہب لدنیہ اور معارض النبوة وغیرہ کا سرمایہ جن کتابوں سے ماخوذ ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں، کتاب

الطبقات لابن سعد، سیرۃ ابن الحکیم، دلائل النبوۃ ابن قتيبة المتوفی ۲۷۵ھ، دلائل النبوۃ ابو الحسن حربی المتوفی ۲۵۵ھ، شرف المصطفیٰ ابو سعید عبدالرحمن بن حسن اصفہانی المتوفی ۳۰۷ھ، تاریخ تفسیر ابو جعفر بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ مولیٰ بیکیٰ بن عائذ، دلائل النبوۃ جعفر بن محمد مستقری المتوفی ۳۲۷ھ، دلائل النبوۃ ابو القاسم اعلمیل اصفہانی المتوفی ۳۵۵ھ، تاریخ دمشق ابن عساکر المتوفی ۴۵۷ھ لیکن متاخرین میں ان روایات کا سب سے بڑا خزانہ یہ دو کتابیں ہیں: کتاب الدلائل ابو نعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ اور کتاب الدلائل امام نبیقی المتوفی ۴۳۰ھ۔

ان بزرگوں کے بذات خود معتبر اور مستند ہونے میں کسی کو کم کلام ہے۔ جو کچھ کلام ہے، وہ اس میں ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے راویوں سے ہر قسم کی روایتیں نقد اور تمیز کے بغیر اخذ کیں اور ان کو کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا اور عام لوگوں نے ان مصنفوں کی عظمت اور جلالت کو دیکھ کر ان روایتوں کو قبول کر لیا۔ حالانکہ ان میں نہ صرف ضعیف اور کمزور بلکہ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور ان کے سلسلہ روایت میں ایسے راوی آتے ہیں۔ جن کو محدثین کے دربار میں صفائح میں بھی جگہ نہیں مل سکتی۔ ان مصنفوں نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ ہر قسم کا سلسلہ روایت لکھ دیا گیا ہے اور لوگ اس سلسلہ روایت کو دیکھ کر صحیح اور غلط، صحیح اور جھوٹی روایت کا خود فیصلہ کر لیں گے۔ ان روایتوں کی تدوین میں ضروری احتیاطیں مدنظر رکھیں یا یوں کہو کہ عشق نبوی ﷺ نے فضائل و مناقب کی کثرت کے شوق میں ہر قسم کی روایتوں کے قبول کرنے پر ان کو آمادہ کر دیا۔ حالانکہ خود اسی جذبہ عشق اور اسی ولہ شوق نے ثقات محدثین اور علم حدیث کے اکابر کو روایتوں اور راویوں کے نقد اور بحث میں اس قدر رخت گیر بنا دیا تھا کہ وہ ایک لفظ میں بھی تحقیق اور کاوش کے بغیر آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے اور ((من کذب علی متعتمدا)) کی دار و گیر سے ہمیشہ ڈرتے اور کاپتے رہتے تھے۔ محدث ابن منده نے کتاب الدلائل کے مصنف حافظ ابو نعیم اصفہانی کی نسبت نہایت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ علامہ ذہبی میرزاں الاعتدال میں ان دونوں معاصرین کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لا اعلم لهما ذنبًا اکثر من روایتهما الموضوعات ساكتين عنها۔

”مجھے ان دونوں کا اس سے زیادہ کوئی گناہ معلوم نہیں کہ وہ موضوع روایتوں کو خاموشی کے

ساتھ روایت کر جاتے ہیں۔“

لیکن ثقات محدثین کی بارگاہ میں یہ کوئی معمولی گناہ ہے؟ یہی ان کی خاموشی خدا انہیں معاف کرے، آج ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی مگر اسی کی بیاد بن گئی ہے۔ اس سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ ہمارے علمائے رجال نے زیادہ تر ان راویوں کی بحث و تدقیق کی ہے، جو پہلی تین صدیوں میں تھے، اس لئے چوتھی اور پانچویں صدی کے رواۃ اور رجال کے نام و نشان ہماری موجودہ اسماء الرجال کی کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں،

اگر تراجم اور انساب میں ان کے کچھ حالات مل جاتے ہیں تو محدثانہ حیثیت سے ان پر نقد و تبصرہ نہیں ملتا، اس لئے ان بزرگوں کے شیوخ اور راویوں میں مجہول الحال اشخاص کی بھی کمی نہیں، اس بنا پر ان کتابوں کی روایتوں کی تقدیر کرنا نہایت مشکل ہے۔

اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چھٹی صدی سے ہوا ہے ॥^۱ تینی سے یہ ثابت ہوا کہ ان روایتوں کا بڑا حصہ انہی کتابوں کے ذریعہ سے پھیلا ہے، جوان مجلس کی غرض سے وقایوں قابلِ تکھی گئیں اور جن کے بکثرت حوالے مواحبِ لدنیہ میں جا بجا آتے ہیں۔

علامہ سیوطی کی خصائص کبریٰ جو حیدر آباد میں چھپ گئی ہے، مجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط ہے اور جامع تالیف ہے، علامہ مదوہ نے صحاح ستہ کے علاوہ احمد سعید، ابن منسور، طیاری، ابن الہی شیبہ، حاکم، ابو یعلیٰ، بلکہ ان سے بھی فروتنزیہن، ابو نعیم، بزار، ابن سعد، طبرانی، داری، بلکہ غیر متوطاط مصنفوں مثلاً: ابن الہی الدنیا، ابن شاذین، ابن الہی التجار، ابن منده، ابن مردویہ، ابن عساکر، دیلمی، خراطی، خطیب وغیرہ کی کتابوں کو اپنا مأخذ بنایا، توی اور ضعیف اور صحیح و غلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگادیا اور مختلف ففتروں میں جو کچھ پھیلایا، ان کو خصائص کی دو جلدیوں میں سمجھا کر دیا، تاہم مصنف کو یہ فخر ہے جیسا کہ دیباچہ میں تصریح کی ہے، اس تالیف میں موضوع اور بے سند روایتوں سے اگرچہ احتراز کیا گیا ہے، لیکن ضعیف روایتیں جن کی سندیں ہیں وہ داخل کر لی گئی ہیں۔

غور کے قابل امر یہ ہے کہ بلا امتیاز بھلی بری کسی سند کا موجود ہونا، روایت کی معتری کی جست کو نکر ہو سکتی ہے؟ اس سے زیادہ یہ ہے کہ کتاب میں صحیح و غلط، توی اور ضعیف مشہور و منکر ہر قسم کی روایتوں کو ان کے درجہ اور مرتبہ کے ذکر کے بغیر پہلو بہ پہلو وہ لکھتے چلے گئے ہیں، اس لئے عام ناظرین کو یہ پڑھنیس لگتا کہ اس انبار خانہ میں جہاں جواہرات کا خزانہ ہے وہیں خزف ریزوں کا بھی ذہیر لگا ہے، پوری کتاب میں شاید وہ میں مقام سے زیادہ نہیں، جہاں مصنف نے اپنی روایتوں کے درج استاد کا پتہ دیا ہو، اس سے زیادہ یہ کہ بعض واقعات کے متعلق باوجود ان کی شدید روایت پرستی کے، ان کو تحقیق معلوم تھا کہ یہ صحیح نہیں، تاہم چونکہ وہ پہلی کتابوں میں مندرج تھے، ان کی نقل سے احتراز نہیں کیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے موقع پر عام کتب میلاد میں جو عجیب و غریب واقعات مذکور ہیں، ان کو تماہداد لاکل ابو نعیم نے نقل کر کے آخر میں لکھتے ہیں:

هذا الاشر والاشر ان قيله فيها نكارة شديدة ولم اورد في كتابي هذا الشد

نكارة منها ولم تكن نفسى تطيب بما يرادها لكن تبع الحافظ ابن نعيم فى

^۱ الملك المظفر شاه اربيل مولود ۵۴۹ھ متوفى ۶۳۳ھ نے جیسا کہ ابن خلکان (ج ۹، ص: ۱۹۵) نے اس کے حال میں لکھا ہے، مولد شریف بڑی وہوم و حرام اور ترک و احتمام سے مزاکی کرتا تھا، یہ جنگ صلیبی کا زمان تھا، اس کے لئے این دید الم توفی ۶۳۳ھ نے ۱۲۰ھ میں کتاب التوبیر فی مولد السراج المنیر تصنیف کی۔

ذالک۔

”اس روایت اور اس سے پہلے دور راویوں میں سخت نامعتبر (مکر) باتیں ہیں اور میں نے اپنی کتاب میں اس سے زیادہ ناقابل اعتبار روایتیں نہیں لکھیں۔ میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا لیکن حافظ ابوالنعمیم کی پیر وی کر کے لکھ دیں۔“

ایک اور جگہ خطیب کی ایک کتاب سے وند بحران کے متعلق ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، حالانکہ وہ خود اس روایت کو بے اعتبار لکھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

واخرج الخطيب في المتفق والمفترق بسند فيه مجاهيل۔

”خطیب نے المتفق والمفترق میں ایسی سند سے جس میں بھول الحال راوی ہیں بیان کیا ہے۔“

ایک اور مقام پر ایک گدھے کا واقعہ نقل کرتے ہیں جو گدھے کی صورت میں ایک جن تھا اور آپ ﷺ کی سواری میں آنے کا مشتق تھا یہ لوگوں کے گھروں میں جا کر اشارہ سے ان کو بلا تھا یہ عجیب جانور آپ ﷺ کو خبر میں ملا تھا اس نے آنحضرت ﷺ کو یہودیوں کے مظالم کی داستان سنائی اور جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو فرط غم سے اپنے آپ کو کوئی میں گرا کر جان دیدی۔ حافظ سیوطی نے ابن عساکر سے یہ واقعہ خصائص میں نقل کیا ہے اور اس پر بے تعرض کے گزر گئے ہیں حالانکہ بعضہ اسی واقعہ کے متعلق ابن حبان کے حوالہ سے اپنی دوسری تصنیف الالآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة میں لکھتے ہیں کہ ”یہ سرتاپا موضوع ہے۔“

محمد صابوی نے تمجید کی ایک روایت لکھ کر پھر خود ہی اس پر یہ جرح کی ہے کہ اس کی سند اور متن دونوں غریب ہیں۔ با ایس ہمدردہ اس کے متعلق آخری رائے ظاہر کرتے ہیں کہ

هو في المعجزات حسن۔ ”مجازات میں وہ حسن (اجھی) ہے۔“

اس پر علامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں:

لان عادة المحدثين التساهل في غير الأحكام والعقائد۔

”یہ اس لئے کہ محدثین کی عادت ہے کہ عقائد اور احکام کے علاوہ دیگر روایتوں میں وہ نرم بر تھے ہیں۔“

لیکن کیا یہ اصول صحیح ہے؟ اور ((من کذب علی متعتمدا)) کی تہذید سے خالی ہے؟ مجازات ہوں یا فضائل، ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی طرف جس چیز کی نسبت بھی کی جائے وہ شک و شبہ سے پاک ہو۔ جیسا کہ امام نووی، حافظ عسقلانی، ابن جماعتہ، طہی، بلقیں اور علامہ عراقی نے اپنی تصنیفات میں اس کی

❶ خصائص، ج ۱، ص: ۴۹۔ ❷ ج ۲، ص: ۲۵۔ ❸ کتاب المناقب، ص: ۱۶۴۔

❹ زرقانی، ج ۱، ص: ۱۷۲ و خصائص سیوطی، ج ۱، ص: ۵۳۔ ❺ ج ۱، ص: ۱۷۲۔

تقریح کی ہے۔ *

مجزات کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں کے پیدا ہونے کے اسباب

① ان روایتوں کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ مقبولیت عام کی بنیاد پر یہ کام واعظوں اور میلاد خانوں کے حصہ میں آیا۔ چونکہ یہ فرقہ علم سے عموماً محروم ہوتا ہے اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہیں ہوتی اور ادھر گرنی مغل اور شورا حسنت کے لئے اس کو دلچسپ اور عوام فریب باتوں کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے لامحالہ ان کو اپنی قوت اختراع پر زور دینا پڑا۔ ان میں جو کسی قدر رختاط تھے۔ انہوں نے ان کو طائف صوفیانہ اور مضاہین شاعرانہ میں ادا کیا، سننے والوں نے ان کو روایت کی حیثیت دے دی، یا بعد کو انہی بیانات نے روایت کی حیثیت اختیار کر لی اور جو نثر اور بے احتیاط تھے۔ انہوں نے یہ پرده بھی نہیں رکھا بلکہ ایک سند جوڑ کر انہوں نے براہ راست اس کو حدیث و خبر کا مرتبہ دے دیا۔ حافظ سیوطی، علامہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

احدهما القصاص و معظم البلاء منهم يجري لا نهم يريدون احاديث تتفق
وترقق والصحاح يقل فيه هذا ثم ان الحفظ يشق عليهم ويتفق عدم الدين

وهم يحضر هم جهال۔ *

”جھوٹی حدیثیں بنانے والوں میں ایک واعظوں کا گروہ ہے اور سب سے بڑی مصیبت انہی سے پیش آتی ہے کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں جو مقبول عام اور موثر ہو سکیں اور صحیح حدیثوں میں یہ بات نہیں۔ اس کے علاوہ صحیح حدیثوں کا یاد رکھنا ان کو مشکل ہے۔ اس کے ساتھ ان میں دین واری نہیں ہوتی اور ان کی مخلوقوں میں جاہلوں ہی کا مجمع ہوتا ہے۔“

چنانچہ فضائل ومناقب، عذاب وثواب، بهشت و دوزخ، وقائع میلاد اور مجزات و دلائل کا جو جعلی دفتر پیدا ہو گیا ہے وہ زیادہ تر انہی جاہلوں کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

علامہ ابن قشیہ المتوفی ۲۷۲ھ تاویل مختلف الحدیث میں جواب مصر میں چھپ گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ احادیث و روایات میں فساد تین راستوں سے آیا۔ مجملہ ان کے ایک راستہ واعظین ہیں۔

والقصاص فانهم كانوا يميلون وجوه العوام اليهم ويستترون ما عندهم بالمناكير
والغرائب والا كاذيب من الاحاديث ومن شان العوام القعود عند القاصص
ما كان حدیثه عجیباً خارجاً عن فطر العقول او كان رقیقاً يحزن القلوب

ويستفز العيون۔ *

* دیکھو موضوعات ملاعیلی قاری، ص: ۹ مطبوعہ مجتبائی دہلی۔

* آخر کتاب الالئی المصنوعة، ص: ۲۴۹۔ ص: ۳۵۶۔

”اور واعظین کیونکہ وہ عوام کا رخ اپنی طرف پھیرنا چاہتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو لوگو، منکر اور عجیب و غریب باتیں بیان کر کے وہ وصول کرتے ہیں اور عوام کی حالت یہ ہے کہ وہ اسی وقت تک ان واعظین کے پاس بیٹھتے ہیں۔ جب تک وہ خارج از عقل از عقل باتیں یا ایسی مورثہ باتیں بیان کیا کرتے ہیں، جو ان کے دلوں میں اثر پیدا کریں اور ان کو رلامیں۔“

آپ ﷺ کی برتری اور جامعیت کا تخلیل

② ان روایات کے پیدا ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ مسلمانوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ افضل الانبیاء ہیں۔ آپ کامل ترین شریعت لے کر مجموع ہوئے ہیں۔ آپ تمام محسن کے جامع ہیں۔ یہ اعتقاد بالکل صحیح ہے، لیکن اس کو لوگوں نے غلط طور پر دست دے دی ہے اور انہیے سائیں کے تمام محبوبات کو آنحضرت ﷺ کی ذات میں جمع کر دیا اور وہ اس اعتقاد کی بدلت تمام مسلمانوں میں پھیل گئے۔ یہ حقیقت اور ابوالعین میں اور سیوطی نے خصائص میں اعلانیہ دوسرے انہیاً ﷺ کے محبوبات کے مقابل میں انہی کے مثل آپ ﷺ کے محبوبات بھی ڈھونڈ کر نکالے ہیں اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس طرح آپ کی تعلیم تمام انہیا کی تعلیمات کا اثر، خلاصہ اور مجموع ہے۔ اسی طرح آپ کے محبوبات بھی تمام دیگر انہیا کے محبوبات کا مجموع ہیں اور جو کچھ عام انہیا سے متفرق طور پر صادر ہوا، وہ تمام کا تمام مجموعاً آپ ﷺ سے صادر ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس مماثلت اور مقابلہ کے لئے تمام ترجیح روایتیں دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے لوگوں نے ان ہی ضعیف اور موضوع روایتوں کے دامن میں پناہی، کہیں شاعر انہیا کی بلند پروازی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا، مثلاً: حضرت آدم ﷺ کو اللہ نے تمام اسماء کی تعلیم کی، دیلیٰ نے مند الفردوس میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بھی تمام اسماء کی تعلیم دی۔ حضرت اور لیٰ ﷺ کے متعلق قرآن میں ہے کہ خدا نے ان کو بلند جگہ میں اٹھایا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی بلندی اس سے بھی آگے قابو سین تک ہوئی۔ حضرت نوح ﷺ کی طوفان کی دعا اگر قبول ہوئی، تو آپ ﷺ کی قحطی دعا قبول ہوئی، حضرت صالح ﷺ کے لئے اونٹی محبوب تھی تو آنحضرت ﷺ سے اونٹ نے باتیں کیں۔ حضرت ابراہیم ﷺ آگ میں نہ جبلے، آپ سے بھی آتشیں محبوبے صادر ہوئے۔ حضرت اسماعیل ﷺ کے لئے پھر سے نہریں جاری ہوئیں، تو آپ کا سینہ بھی چاک کیا گیا۔ حضرت یعقوب ﷺ سے بھیڑیے نے گفتگو کی، روایت کی گئی ہے کہ آپ سے بھی بھیڑیا ہم کلام ہوا۔ ابوالعین میں حکایت ہے کہ حضرت یوسف ﷺ کو حسن کا آدھا حصہ عطا کیا گیا، لیکن آنحضرت ﷺ کو پورا حصہ دیا گیا۔ حضرت موسیٰ ﷺ کے لئے پھر سے نہریں جاری ہوئیں، تو آپ کی انگلیوں سے بھی پانی بہا۔ حضرت موسیٰ ﷺ کی لکڑی محبوبہ دکھانی تھی، تو آپ ﷺ کے فراق میں بھی جھوہارے کا درخت رویا اور جھوہارے کی خشک ہنی تکوار بن گئی۔ حضرت موسیٰ ﷺ کے لئے برا حشرت ہوا تو آپ ﷺ کے لئے معراج میں آسمان و

زمیں کے درمیان کا دریا یعنے فضائیج سے پھٹ گیا۔ یوشع علیہ السلام کے لئے آفتاب بخہر دیا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے آفتاب ڈوب کر نکلا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گھوارہ میں کلام کیا تھا۔ یہ روایت واضح کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گھوارے میں کلام کیا اور آپ کی زبان سے پہلے تکمیر و تسبیح کی صدابند ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا مجرمہ مردوں کا زندہ کرنا ہے اور صرف انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی یہ مجرمہ منسوب کیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ جب تک آپ میری لڑکی کو زندہ نہ کر دیں گے میں ایمان نہ لاوں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قبر پر جا کر آواز دی اور وہ زندہ نکل کر باہر آئی اور پھر چل گئی۔ اسی طرح پڑ روایت بھی گھڑی گئی ہے کہ آپ کی والدہ بھی آپ کی دعا سے زندہ ہوئیں اور آپ پر ایمان لا میں۔

عیسیٰ آوازوں اور پیشین گوئیوں سے نبوت کی تصدیق کا شوق

③ قرآن مجید اور احادیث صحیح سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے گزشتہ صحیفوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشین گوئیاں ہیں اور ان کے مطابق یہود و نصاریٰ کو ایک آنے والے پیغمبر کا انتظار تھا، اس واقعہ کو دروغ گرواؤں نے یہاں تک وسعت دی کہ یہود یوں کو دون، تاریخ، سال، وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا۔ چنانچہ ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل علمائے یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی را ہبوب کو تو ایک ایک خط و خال معلوم تھا۔ بلکہ پرانے گھر انوں اور ویرانوں اور کنیوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام حلیہ لکھا تھا اور اگلے لوگ ان کو بہت چھپا چھپا کر رکھتے تھے۔ بلکہ بعض دیریوں میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویری تک موجود تھی۔ توراة و نجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض پیشین گوئیاں حقیقت میں موجود تھیں۔ اور وہ آج بھی ہیں، وہ استخارات و کنایات اور محمل عبارتوں میں ہیں، ان کو ضعیف و موضوع روایتوں میں صاف صاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام و مقام کی تخصیص تعیین کے ساتھ پھیلایا گیا۔

عرب میں بت خانوں کے جما اور کاہن تھے۔ جو فال کھولتے تھے اور پیشین گوئیاں کرتے تھے، ان کا ذریعہ علم جنات اور شیاطین تھے۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب ولادت کا زمانہ آیا تو عموماً بت خانوں سے اور بتوں کے پیٹ سے آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ کاہن مخفی اور معج فقروں میں اور جنات شعروں میں یہ خبریں سنایا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا زمانہ قریب آ گیا۔ یمن کے ایک بادشاہ کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت میں پورا ایک قصیدہ منسوب کیا گیا۔ ملوک یمن میں شہابن فارس اور قریش کے اکابر نے آپ کو خواب میں دیکھا، پھر وہن پر اسم مبارک لوگوں کو منقوش نظر آتا تھا۔ قریش کا مورث اعلیٰ کعب بن لوئی ہر جمکہ کو اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کیجا کر کے ان کے سامنے خطبہ دیتا تھا۔ جس میں مسح فقروں اور شعروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خوشخبری ہوتی تھی۔ مکہ کے لوگ اخبار اور رہبیوں کی زبان سے محمد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

نام سن کر اپنے بچوں کا میہنی نام رکھتے تھے کہ شاید یہی پیغمبر ہو جائے۔ مدینہ کے لوگوں کو انہی یہودیوں کی زبانی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ شہر یثرب آپ ﷺ کا دارالحجرت ہو گا۔ اس لئے وہ آپ کے ورود کے منتظر تھے۔ سطح کا ہن کا آپ ﷺ کی پیشیں گوئی میں ایک طویل افسانہ ہے، لیکن اس دفتر کا بڑا حصہ موضوع اور جعلی ہے اور باقی نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور ان میں جو ایک آدھ تھج ہے۔ وہ پہلے گزر چکا ہے۔

شاعرانہ تخلیل کو واقعہ سمجھ لینا

④ آنحضرت ﷺ کی پیدائش عالم کی رحمت کا باعث تھی، اس لئے کائنات کا فخر و ناز اس پر بجا ہو سکتا ہے۔ اگلے واعظوں اور میلاد خانوں نے اس واقعہ کو شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کیا کہ آمنہ کا اشانہ نور سے معمر ہو گیا۔ جانور خوشی سے بولنے لگے، پرندے تہیت کے گیت گانے لگے۔ مغرب کے چرندوں اور پرندوں نے مشرق کے چرندوں اور پرندوں کو مبارک باد دی۔ مکہ کے سو گھنے درختوں میں بہار آگئی۔ ستارے زمین پر جھک گئے۔ آسمانوں کے دروازے کھل گئے۔ فرشتوں نے ترانہ سرت بلند کیا۔ انبیاء نے روئے روشن کی زیارت کی۔ فرشتوں نے بچ کوز میں و آسمان کی سیر کرائی۔ شیطانوں کی فوج پابند نہیں کی گئی۔ پہاڑ غور سے اوپنے ہو گئے۔ دریا کی موچیں خوشی سے اچھلنے لگیں۔ درختوں نے سرہبزی کے سخے جوڑے پہنے، بہشت و جنت کے ایوان نئے سرو سامان سے سجائے گئے، وغیرہ بعد کے واعظوں اور میلاد خانوں نے اس شاعرانہ انداز بیان کو واقعہ سمجھ لیا اور روایت تیار ہو گئی۔

آئندہ کے واقعات کو اشارات میں ولادت کے موقع پر بیان کرنا

⑤ آنحضرت ﷺ کے عہد رسالت میں یا بعد کو جو واقعات ظہور پذیر ہوئے، ان کا وقوع آنحضرت ﷺ کی ولادت کے زمانہ میں تسلیم کر لیا گیا ہے اور ان کو بحیثیت مجزہ کے آئندہ واقعات کا پیش خیہہ بنالیا گیا ہے۔ مثلاً: آپ ﷺ کے زمانہ میں بت پرستی کا استیصال ہو گیا۔ کسری و قیصری سلطنتیں فنا ہو گئیں۔ ایران کی آتش پرستی کا خاتمه ہو گیا۔ شام کا ملک فتح ہوا۔ ان واقعات کو مجزہ اس طرح بنالیا گیا کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرگوں ہو گئے، قصر کسری کے کنگرے ہل گئے۔ آتش کندہ فارس بمحکمہ گیا۔ نہر ساہہ خشک ہو گئی۔ ایک نور چپا کجس سے شام کے محل نظر آنے لگے۔

مجزات کی تعداد بڑھانے کا شوق

⑥ بعض واقعات ایسے ہیں جن کو کسی حیثیت سے مجزہ نہیں کہا جا سکتا، لیکن نکشیر مجزات کے شوق میں ذرا سا بھی کسی بات میں عجبہ پن ان کو نظر آیا تو اس کو مستقل مجزہ بنالیا۔ مثلاً: حضرت عائشہ ؓ سے

روایت ہے ۱ اور وہ مسند امام احمد بن حنبل ۲ میں بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے گھر میں کوئی پانو جانور تھا جب آپ اندر تشریف لاتے تو وہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا رہتا تھا اور جب آپ باہر چلے جاتے تو وہ ادھر ادھر دوڑنے لگتا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات کو بھی آپ ﷺ کی جلالت قدر اور حفظ مراتب کا پاس تھا اور وہ آپ کی عظمت و شان سے والق تھے۔ لیکن درحقیقت یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ عام لوگوں سے بھی بعض چانور اسی طرح ہل مل جاتے ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم ۳ میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سخت یمار تھے۔ آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو گئے تو وہ بے ہوش تھے۔ آنحضرت ﷺ نے وضو کر کے ان کے منہ پر پانی چھڑ کا تو ان کو ہوش آگیا۔ یہ ایک معمولی واقعہ ہے۔ مگر کتب دلائل کے مصنفوں نے اس کو بھی مجرمہ قرار دیا ہے۔ ۴

اسی طرح یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے۔ یہ روایت متعدد طریقوں سے مردی ہے، مگر ان میں سے کوئی طریقہ بھی ضعف سے خالی نہیں ہے۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کامختون پیدا ہونا متواتر روایتوں سے ثابت ہے۔ ۵ اس پر علامہ ذہبی نے تقدیم کی ہے کہ تو اتر تو کجا صحیح طریقہ سے ثابت بھی نہیں۔ ۶ اور بقول علامہ ابن قیم ۷ اگر یہ ثابت بھی ہو تو آنحضرت ﷺ کی کوئی فضیلت نہیں ہے، کیونکہ ایسے بچے اکثر پیدا ہوئے ہیں۔

روایات صحیح میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے یا سجدہ میں جاتے تھے تو آپ ﷺ کی بغل کی سپیدی نظر آتی تھی۔ ۸ یہ ایک معمولی بات ہے مگر جب طبری، قرطبی اور سیوطی ۹ وغیرہ نے اس کو بھی مجرمہ اور آپ ﷺ کا خاص قرار دے دیا ہے۔ مجرمات کی تعداد بڑھانے کے شوق میں کتب دلائل کے مصنفوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی روایت میں اگر مختلف سلسلہ سند کے راویوں میں باہم موقع یا مقام یا کسی اور بات میں ذرا سا بھی اختلاف نظر آیا تو اس کو چند واقعہ قرار دے دیا۔ مثلاً: ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک اونٹ جو دیوانہ ہو گیا تھا یا بگڑ گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ جب اس کے پاس گئے تو اس نے مطیعانہ سرڈاں دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا، یا رسول اللہ! جب جانور آپ کے سامنے سر جھکاتے ہیں تو ہم کو انسان ہو کر تو ضرور آپ کے سامنے سر بخود ہونا چاہیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر میں کسی انسان کو سجدہ کرنا روا رکھتا تو

۱) الخصائص الکبریٰ، ذکر معجزاته فی ضرب الحیوانات، باب قصہ الوحش، ج ۲، ص: ۶۳۔

۲) مسند احمد، ج ۶، ص: ۱۱۲، ۱۱۳۔ ۳) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله (یوسیکم الله فی اولادکم.....)، ۴۵۷۷؛ صحیح مسلم، کتاب الفراتض، باب میراث الكلالة: ۴۱۴۶۔

۴) خصائص کبریٰ سیوطی، ج ۲، ص: ۷۱؛ حیدر آباد کن۔ ۵) مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۶۰۲؛ خصائص کبریٰ، ج ۱، ص: ۵۳؛ باب الایة فی ولادة مختونا مقطوع السر و دلائل النبوة، ص: ۱۱۱، ۱۱۰۔

۶) مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۶۰۲۔ ۷) زاد المعاد، ج ۱، ص: ۱۹۔ ۸) صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ الاستسقاء، باب رفع الیدين: ۲۰۷۶، ۲۰۷۴؛ مسند احمد، ج ۴، ص: ۱۹۳۔

۹) الخصائص الکبریٰ، ذکر المعجزات والخصائص فی خلقہ الشریف، ج ۱، ص: ۶۳۔

بیوی کو کہتا کہ وہ شوہر کو بحمدہ کرے۔^۱ یہ ایک ہی واقعہ ہے جو ذرا ذرا سے اختلاف بیان کی بنابر چودہ پندرہ واقعات بن گئے ہیں۔

الفاظ کی نقل میں بے اختیا طی

⑦ ان کتابوں میں بعض مجررات ایسے مذکور ہیں جن کی اصل صحاح میں مذکور ہے اور اس طرح مذکور ہے کہ وہ کوئی مجرہ نہیں، بلکہ معمولی واقعہ ہے۔ لیکن نیچے درج کی روایتوں میں بے اختیاط راویوں نے الفاظ کے ذرا الٹ پھیر سے اس کو مجرہ قرار دے دیا۔ صحاح^۲ کی متعدد روایتوں میں ہے کہ شانہ مبارک پر ابھرنا ہوا گوشت تھا۔ جس کو ”خاتم نبوت“ کہتے تھے اور آپ کی اُنگشت مبارک میں جونقرنی خاتم (چاندی کی انگوٹھی) تھی۔ اس پر ”محمد رسول اللہ علیہ السلام“ منقوش تھا۔^۳ بے اختیاط راویوں نے ان دونوں واقعوں کو ملا دیا اور اس طرح واقعہ کی صورت حاکم کی تاریخ نیشاپور، ابن عساکر کی تاریخ دمشق اور ابوالنعیم کی ولائل میں جا کر یوں ہو جاتی ہے کہ پشت مبارک کے گوشت کی خاتم نبوت پر کلمہ وغیرہ کی عبارتیں لکھی تھیں۔^۴

مشہور عام ولائل مجررات کی روایتی حیثیت

ولائل مجررات کے باب میں موضوع، منکر، ضعیف غرض ہر قسم کی قابل اعتراض روایات کا اتنا بڑا انبار ہے کہ اگر ایک ایک کر کے اس کی جانچ پر تال کی جائے تو ایک مستقل مختینم جلد تیار ہو جائے، لیکن یہاں اس کا موقع نہیں۔ اس لئے ہم صرف ان روایتوں کی تفہید پر قیامت کرتے ہیں۔ جو عام طور سے ہمارے ملک میں مشہور ہیں اور میلاد کی مخلوقوں میں ان کو بصد شوق و ذوق پڑھا اور سناجاتا ہے۔

① اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ روایت آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح قلم، عرش و کرسی، جن و انس غرض سب سے پہلے نو محمد ﷺ کو پیدا کیا۔ پھر لوح قلم، عرش و کرسی، آسمان و زمین ارواح و ملائکہ سب چیزیں اسی نور سے پیدا ہوئیں۔ اس کے متعلق ((اول ما خلق الله نوری))^۵ یعنی ”سب سے پہلے خدا نے میرا نور پیدا کیا۔“ کی روایت عام طور سے زبانوں پر جاری ہے۔ مگر اس روایت کا پتہ احادیث کے ففرز میں مجھے نہیں

② الخصائص، ذکر معجزاته فی ضروب الحیوانات، باب قصة الجمل والناقة، ج ۲، ص: ۵۷؛ دلائل النبوة، ص: ۳۲۷۔^۶ صحیح بخاری، کتاب المرتضی، باب من ذهب بالصیح المريض ليدعى له: ۵۶۷؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة: ۶۰۸۵، ۶۰۸۴؛ جامع ترمذی، کتاب ابواب المناقب، باب ما جاء فی خاتم النبوة: ۳۶۴۳، ۳۶۴۴؛ مستند احمد، ج ۳، ص: ۶۹، ج ۵، ص: ۸۲، ۹۸، ۸۳۔

③ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب خاتم الفضة: ۵۸۶۶؛ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزينة، باب لبس النبی ﷺ خاتاماً من ورق نقشہ محمد: ۵۴۷۶۔^۷ الخاچص الکبری، باب ماجاء فی خاتم النبوة، ج ۱، ص: ۶۰۔^۸ بعض ارباب سیر نے اس بنابر کھنڈائیں میں ہر قسم کی روایات قول کری جاتی ہیں، اور خصوصاً وہ جن کی تائید ان کے خیال میں دوسرے طریقوں سے ہوتی ہے، اس روایت کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، زرقانی علی المواہب، ج ۱، ص: ۵۲۳؛ جو جعلہ ہر قسم کی روایت میں محنت کے پہلو کا خیال ضروری سمجھتے ہیں، ان کو اس میں کلام ہے، البیضی حضور انور ﷺ کا تمام انبیاء میں اول حلقہ ہوتا تھا۔

ملا۔ البتہ ایک روایت مصنف عبدالرازاق میں ہے ((یا جابر! اول ما خلق اللہ نور نیک من نوره)) "اے جابر! اس سے پہلے خدا نے تیرے پیغمبر ﷺ کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔" اس کے بعد ذکر ہے کہ اس نور کے چار حصے ہوئے اور انہی سے لور، قلم، عرش و کرسی، آسمان و وزمین اور جن و انس کی پیدائش ہوئی۔ زرقانی ④ غیرہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے مگر افسوس ہے کہ اس کی سند نہیں لکھی۔ ہندوستان میں مصنف عبدالرازاق کی گو دوسری جلد ملتی ہے، مگر پہلی نہیں ملتی۔ ⑤ دوسری جلد دیکھ لی گئی، اس میں یہ حدیث مذکور نہیں۔ اس لئے اس روایت کی تدقید نہ ہو سکی اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ ساتھ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں اور فضائل و مناقب میں اس کی روایتوں کا اعتبار کم کیا جاتا ہے۔ اس لئے اصولی حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں مجھے پس و پیش ہے۔ اس تردود کو قوت اس سے اور یہی زیادہ ہوتی ہے کہ صحیح احادیث میں مخلوقات الہی میں سب سے پہلے "قلم تقدیر" کی پیدائش کا تصریح ہیاں ہے کہ ((اول ما خلق اللہ القلم)) ⑥

② روایتوں ⑦ میں ہے کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا، پھر حضرت آدم علیہ السلام کے تیرہ دن تاریخ سما کی تاریخ بنا، پھر آدم علیہ السلام نے مرتب وقت شیعۃ علیہ السلام کو اپنا کوئی بنانا کر یہ نور ان کے پرد کیا۔ اسی طرح یہ درجہ بد رجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو پسرو ہوتا رہا اور حضرت عبد اللہ کو پسرو ہوا اور حضرت عبد اللہ سے حضرت آمنہ کو منتقل ہوا۔ نور کا سجدہ میں پڑے رہنا اور اس کا موجود ہونا بالکل موضوع ہے اور نور کا ایک دوسرے وصی کو درجہ بد رجہ منتقل ہوتے رہنا بے سر و پا ہے۔ طبقات ابن سعد اور طبرانی، ابو نعیم ⑧ اور بزرار میں اس آیت پاک:

((الَّذِي يَرْبِكُ جِينَ تَقْوَةً وَتَقْلِبَتِي فِي الشَّمَدِينَ ۝) (۲۶۰، ۲۱۸: الشَّعْرَاءَ)

"وَهَذَا جُو تَجْهَهُ كُوْدِيْكَتَهُ ہے جب تو (تجہد کی نماز) میں کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں تیرے الٹ پیغمبر کو بھی دیکھتا ہے۔"

کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ⑨ نقل کی گئی ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا پیغمبروں کی پشت پشت منتقل ہونا خدا کیکھ رہا تھا۔ لیکن اول تو پوری آیت الفاظ اور سیاق و سبق اس مطلب کا ساتھ نہیں دیتے اور دوسرے یہ روایت اعتبار کے قابل نہیں۔

③ روایت ہے کہ یہ نور جب (بلوغ کے وقت) عبدالمطلب کو پسرو ہوا تو وہ ایک دن خانہ کعبہ میں سوئے

⑩ ج ہم: ۳۳۔ ⑪ ۱۹۷۲ء میں پیروت سے مولانا حبیب الرحمن العظی کے تختیہ تعلیق کے ساتھ یہ کامل کتاب ۱۱ جلدیں میں شائع ہو چکی ہے مگر اس میں یہ روایت نہیں ملی۔ ڈاکٹر رضا علی ندوی کا ایک مفصل مقالہ "حدیث جابر اور نور محمدی ﷺ" پر شائع ہوا ہے جس میں صراحتا لکھا ہے "یہ حدیث مصنف عبدالرازاق میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ (معارف جرجیا، ۱۷، ۱۹۹۹)" ⑫

⑬ جامع ترمذی، ابواب القدر، باب اعظم امر الایمان بالقدر: ۲۱۵۴: ان علمائے جنہوں نے ((اول ما خلق اللہ نوری)) کو قول کر لیا ہے نور محمدی اور قلم کی ایک ایت پیدائش میں تعلیق کی کوشش کی ہے۔ ⑭ بحولہ خصائص، باب اختصاصہ بطہارہ نسبیہ، ج ۱، ص: ۳۹۔ ⑮ دلائل النبوة، ذکر فضیلۃ بطیب مولودہ، ص: ۲۵۔

⑯ خصائص، ج ۱، ص: ۳۸؛ ابن عساکر، ج ۱، ص: ۳۴۶۔

ہوئے تھے۔ سو کہ اٹھنے تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سرمه اور بالوں میں تیل لگا ہے اور بدن پر جمال و رونق کا خلعت ہے۔ یہ دیکھ کر وہ ششدروہ گئے۔ آخر کار ان کے باپ ان کو قریش کے ایک کاہن کے پاس لے گئے، اس نے کہا کہ آسمانوں کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نجاح کر دیا جائے۔ اس نور کے اثر سے عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوبصورتی تھی اور وہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ قریش پر تحفظ وغیرہ کی جب کوئی مصیبت آتی تھی تو اس نور کے وسیلہ سے وہ دعامتگت تھے، تو قبول ہوتی تھی۔ یہ روایت ابوسعید نیشاپوری المتوفی ۷۳۰ھ نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں ابوکبر ابن ابی مریم کے واسطہ سے کعب احرار (نومسلم یہودی) تابعی سے نقل کی ہے۔ اول تو یہ سلسلہ ایک تابعی تک متوقف ہے، آگے کی سند نہیں، علاوه ازیں کعب احرار گنو مسلم اسرائیلیوں میں سب سے بہتر سمجھے جاتے ہیں، تاہم امام بخاری ان کے کذب کا تجویز بیان کرتے ہیں ॥ اسلام میں اسرائیلیات اور عجیب و غریب حادث کی روایات کے سرچشمہ یہی ہیں۔ حق کا راوی ابوکبر بن ابی مریم بہاتفاق محدثین ضعیف ہے۔ ॥ اس کا داماغ ایک حادث کے باعث ٹھیک نہیں رہا تھا۔

④ ابوغیم، حاکم، یہودی اور طرانی میں ایک روایت ہے ॥ کہ عبدالمطلب یمن گئے تھے۔ وہاں ایک کاہن ان کے پاس آیا اور ان کی اجازت سے ان کے دونوں تنھوں کو دیکھ کر بتایا کہ ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرا سے میں بادشاہی کی علامت ہے، تم بنو زہرہ کی کسی لڑکی سے جا کر شادی کرو۔ ان مصنفوں کا مشترک راوی عبد العزیز بن عمران الزہری ہے۔ اس کی نسبت میزان ॥ میں ہے کہ امام بخاری نے کہا: ”اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔“ نسائی نے کہا: ”متروک ہے،“ یعنی کہا: ”یہ شعرو شاعری کا آدمی ہے۔ ثقہ نہ تھا۔“ عبد العزیز کے بعد کا راوی اس میں یعقوب بن زہری ہے۔ جس کی نسبت اتنی معین کہتے ہیں کہ ”اگر ثقات سے روایت کرے تو خیر لکھو،“ ابوزرع نے کہا: ”وہ کچھ نہیں، وہ واقعی کے برابر ہے۔“ امام احمد نے کہا: ”وہ کچھ نہیں اس کی حدیث لاشے کے برابر ہے۔“ ساجی نے کہا: ”وہ منکر الحدیث ہے۔“ ॥ علاوه ازیں اس روایت میں بعض اور مجبول بھی ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے ॥ لیکن امام ذہبی نے نقد مستدرک میں یعقوب اور عبد العزیز کو دونوں کو ضعیف کہا ہے۔

⑤ روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ کی پیشانی میں جب یہ نور چکا تو ایک عورت جو کاہن تھی، اس نے نور کو پیچانا اور چاہا کہ وہ خود عبد اللہ سے ہم بستر ہو کر اس نور کی امین بن جائے۔ مگر یہ سعادت اس کی قسم میں نہ تھی۔ اس وقت عبد اللہ نے عذر کیا اور گھر چلے گئے۔ وہاں یہ دولت آمن کو نصیب ہوئی۔ عبد اللہ نے واپس آ کر اس کاہن سے اب خود درخواست کی تو اس نے رد کر دی کہ ”اب وہ نور تھا ری پیشانی سے نقل ہو چکا۔“ ॥

تہذیب التہذیب، ج ۸، ص: ۴۳۹۔ ॥ ایضاً، ج ۱۲، ص: ۲۹۔ ۳۰۔

دلائل النبوة، ص: ۸۹؛ خصائص، ج ۱، ص: ۴؛ باب ما وقع فی حمله من الآيات۔

میزان الاعتدال، ج ۲، ص: ۱۳۸۔ ॥ ایضاً، ج ۳، ص: ۲۲۵۔ ॥ مستدرک، کتاب التاریخ، اخبار

سید المرسلین، ج ۲، ص: ۶۰۱۔ ॥ طبقات ابن سعد، جزاول، ص: ۵۹، ۵۸؛ دلائل النبوة، ص: ۸۹؛

خصائص، ج ۱، ص: ۴۰؛ باب ما وقع فی حمله۔

یہ روایت الفاظ اور جزئیات کے اختلاف کے ساتھ ابن سعد، خراطی، ابن عساکر * یہیقی اور ابو نعیم میں مذکور ہے۔ ابن سعد میں تین طریقوں سے اس کی روایت ہے، ایک طریقہ میں پہلا راوی واقعی ہے، دوسرے میں کلبی ہے، یہ دونوں مشہور دروغ گو ہیں۔ تیسرا طریقہ ابو زید مدنی تابعی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ ابو زید مدنی کی اگرچہ بعض ائمہ نے تو شیعیت کی ہے، مگر مدنی کے شیخ الکل امام مالک بن حنفیہ فرماتے ہیں: ”میں اس کو نہیں جانتا۔“ ابو زرعہ نے کہا: ”مجھے نہیں معلوم۔“ * ابو نعیم نے چار طریقوں سے اس کی روایت کی ہے، لیکن کوئی ان میں قابلِ وثوق نہیں۔ ایک طریقہ میں نظر بن سلمہ اور احمد بن محمد بن عبد العزیز بن عرواء الزہری ہیں اور یہ تینوں نامعتبر ہیں۔ تیسرا سلسلہ میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں۔ جو ضعیف سمجھے جاتے ہیں * اور معتمد دجالہ میں ہیں۔ چوتھا طریقہ یزید بن شہاب الزہری پر ختم ہے اور وہ اپنے آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے اور ان کا حال بھی نہیں معلوم یہیقی کا سلسلہ وہی تیرا ہے۔ خراطی اور ابن عساکر کا یوں بھی اعتبار نہیں۔

⑥ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی دوسو عورتیں گئی گئیں۔ جنہوں نے اس غم میں کہ عبد اللہ سے ان کو یہ دولت حاصل نہ ہوئی وہ مر گئیں۔ لیکن انہوں نے شادی نہ کی۔ (یعنی عمر بھر کنواری رہیں) اور قریش کی کوئی عورت نہ تھی جو اس غم میں یہاں نہ پڑ گئی ہو۔ یہی حکایت ہے جس کا غلط ترجمہ اردو مولفین میاں دنے یہ کیا ہے کہ ”اس رات دوسو عورتیں رشک و حسد سے مر گئیں۔“ یہ روایت سند کے بغیر زرقانی شرح مواہب الدنیہ میں بصیرہ رُویٰ یعنی بیان کیا گیا ہے مذکور ہے * جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود مصنف کو بھی اس کی صحت میں کلام ہے یہ درحقیقت بالکل بے سنداور بے اصل روایت ہے اور کسی معتبر کتاب میں اس کا پتا نہیں۔

⑦ روایت ہے کہ اس رات کو کسری کے محل میں زلزلہ پڑ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور سماہ کی نہر (وائع فارس) اور بعض روایتوں میں طبریہ کی نہر (وائع شام) خشک ہو گئی اور فارس کا آتش کدھ جو ہزاروں برس سے روشن تھا بجھ گیا اور کسری نے ایک ہولناک خواب دیکھا جس کی تعبیر یہیں کے ایک کاہن سطیح سے دریافت کی گئی۔ یہ قصہ یہیقی، خراطی، ابن عساکر اور ابو نعیم میں سنداور سلسلہ روایت کے ساتھ مذکور ہے۔ * ان سب کا مرکزی راوی مخزوم ہیں ہانی۔ ہانی بے باپ ہانی مخدومی (قریش) سے جس کی ذیر ہے سوبرس کی عمر تھی بیان کرتا ہے۔ ہانی کے نام کا کوئی صحابی جو مخدومی قریشی ہوا اور جو ذیر ہے سوبرس کی عمر رکھتا ہو معلوم نہیں۔ اصحابہ وغیرہ میں اسی روایت کے سلسلہ میں ان کا نام مشکوک طریقہ سے آیا ہے، ان کے صاحبزادہ مخدوم ہیں ہانی سے حدیثین میں بھی کوئی شناسانہیں۔ نیچے کے راویوں کا بھی یہی حال ہے۔ یہاں تک کہ ابن عساکر جیسے ضعیف روایتوں کے

* ابن عساکر، ج ۱، ص: ۳۴۶۔ * تہذیب التہذیب، ج ۱۲، ص: ۲۸۰۔

* تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص: ۱۳۰، ۱۲۹۔ * زرقانی، ج ۱، ص: ۱۲۲؛ ذکر تزوج عبدالله آمنہ۔

* دلائل النبوة، ص: ۹۶۔

سر پرست بھی اس روایت کو غریب کہنے کی جرأت کرتے ہیں اور ان حجر جعلیہ جیسے کمزور روایتوں کے سہارا اور پشت پناہ بھی اس کو مرسلاً مانے کو تیار ہیں۔ ابو نعیم کی روایت میں محمد بن جعفر بن اعین مشہور وضاءع ہے۔

⑧ روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ماں شفاء بنت اوس ولادت کے وقت زچ خانہ میں موجود تھیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو پہلے غیب سے ایک آواز آئی، پھر مشرق و مغرب کی ساری زمین میرے سامنے روشن ہو گئی۔ یہاں تک کہ شام کے محل مجھ کو نظر آنے لگے۔ میں نے آپ ﷺ کو پکڑا اپہنا کر لایا ہی تھا کہ انہیں اچھا گیا اور میں ڈر کر کا پنپنے لگی۔ پھر وہ طرف سے پکھروشنی نکلی تو آواز نی کہ کہاں لے گئے تھے؟ جواب ملا، کہ ”مغرب کی سمت“، بھی پکھو ہی دیر ہوئی تھی کہ پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی، میں ڈر کر کا پنپنے اور آواز آئی کہاں لے گئے تھے؟ جواب ملا کہ ”شرق کی سمت“۔ یہ حکایت ابو نعیم میں ہے۔ ۲۸۱ اس کے بیچ کاراوی احمد بن محمد بن عبد العزیز زہری نامعتر ہے اور اس کے دوسرے روایت مجہول الحال ہیں۔

⑨ روایت ہے کہ حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے اے آمنہ! تیرا بچہ تمام جہان کا سردار ہو گا۔ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام احمد اور محمد رکھنا اور یہ قصہ ابو نعیم میں ہے ۲۸۲ جب وہ بیدار ہو گئیں تو سونے کے پتھر پر یہ اشعار لکھے ملے۔ (اس کے بعد اشعار ہیں) یہ قصہ ابو نعیم میں ہے ۲۸۳ جس کا راوی ابو غزیہ محمد بن موسیٰ انصاری ہے، جس کی روایتوں کو امام بخاری منکر کرتے ہیں۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ دوسروں کی حدیثیں چرا کیتا تھا اور ثقات سے موضوع روایتیں بناؤ کر بیان کیا کرتا تھا۔ ۲۸۴ متاخرین میں حافظ عراقی نے اس روایت کو بے اصل اور شامی نے بہت ہی ضعیف کہا ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اس کو بے سند روایت کہا ہے۔ ابن سعد میں یہ روایت والدی کے حوالہ سے ہے جس کی دروغ گولی محتاج بیان نہیں۔

⑩ روایت: عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ صحابی کی ماں ولادت کے وقت موجود تھیں ۲۸۵ وہ کہتی ہیں کہ جب آمنہ کو دروزہ ہوا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام ستارے زمین پر جھکتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں ڈری کر کہیں زمین پر نہ گر پڑیں اور جب پیدا ہوئے تو جدھر نظر جاتی تھی تمام گھر و شنی سے معمور تھا۔ یہ قصہ ابو نعیم طبرانی اور بنیہنی میں مذکور ہے۔ اس کے رواۃ میں یعقوب بن محمد زہری پایہ اعتبار سے ساقط ہے ۲۸۶ اور عبد العزیز بن عمر بن عبد الرحمن بن عوف ایک شخص داستان گوار جھوٹا تھا۔

۱۱ روایت: حضرت آمنہ کہتی ہیں کہ ”مجھے ایامِ حمل میں حمل کی کوئی علامت معلوم نہ ہوئی اور عورتوں کو ان ایام میں جو گرانی اور تکلیف محسوس ہوتی ہے، وہ بھی نہ ہوئی بجز اس کے کہ معمول میں فرق آ گیا تھا۔“ ۲۸۷

۱ خصائص، ج ۱، ص: ۹۴، ۴۶۔ ۲ دلائل النبوة، ص: ۹۴، ۹۳۔ ۳ دلائل النبوة، ص: ۹۴؛ موهاب شرح الزرقانی، ج ۱۱، ص: ۱۲۶۔ ۴ میزان الاعتدال، ج ۳، ص: ۱۴۰۔

۵ الخصائص، ج ۱، ص: ۴۵؛ دلائل النبوة، ص: ۹۳۔ ۶ تهذیب، ج ۱۱، ص: ۳۹۶، ۳۹۷۔ ۷ الخصائص، ج ۱، ص: ۴۲؛ طبقات، ابن سعد، جزء اول قسم اول۔

قططانی نے مواہبِ لدنیہ میں اس قصہ کو ابن اسحاق اور ابوالنعیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے لیکن ابن اسحاق کا جونخابن ہشام کے نام سے مشہور اور چھپا ہوا ہے اور نیز دلائل ابوالنعیم کے مطبوع نسخہ میں تو اس قسم کا کوئی واقعہ مذکور نہیں۔ قسطلانی کی پیر وی میں دوسرے بے اختیاط متاخرین مثلاً: صاحب سیرت حلیہ اور مصنف غمیں نے بھی ابن اسحاق اور ابوالنعیم ہی کی طرف اس روایت کی نسبت کی ہے لیکن ابن سید الناس نے عيون الاثر میں بجا طور سے اس روایت کے لئے واقعی کا حوالہ دیا ہے۔ دراصل یہ تصدیق ابن سعد نے نقل کیا ہے اور اس کی روایت کے دو سلسلے لکھے ہیں، مگر ان میں سے ہر ایک کا سلسلہ واقعی ہے اور اس کی نسبت محدثین کی رائے پوشیدہ نہیں۔ علاوہ ازیں ان میں سے کوئی سلسلہ بھی مرفوع نہیں۔ پہلا سلسلہ عبداللہ بن وہب پر ختم ہوتا ہے۔ جو اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ ہم یہ سنا کرتے تھے۔ دوسرے سلسلہ کو واقعی زہری پر جا کر ختم کر دیتا ہے۔

(۱۲) ایک روایت اس کے بالکل برخلاف ابن سعد میں یہ ہے کہ غالباً آنحضرت ﷺ کی جلالت و عظمت کے باعث حضرت آمنہ کو خست گرانی اور بار محسوس ہوتا تھا وہ کہا کرتی تھیں کہ میرے پیٹ میں کئی بچہ رہے۔ مگر اس بچے سے زیادہ بھاری اور گراں مجھے کوئی نہیں معلوم ہوا، اول تو یہ روایت معروف اور مسلم واقعہ کے خلاف ہے، حضرت آمنہ کے ایک کے سواند کوئی اور بچہ ہوا اور نہ حمل رہا دوسرے یہ کہ اس روایت کا سلسلہ ناتمام ہے۔ اسی معنی کی ایک اور روایت شداد بن اوس صحابی رضی اللہ عنہ کی زبانی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں اپنے والدین کا پہلوانا ہوں۔ جب میں شکم میں تھا تو میری ماں عام عورتوں سے بہت زیادہ گرانی محسوس کرتی تھیں۔“ معانی بن زکریا القاضی نے اس روایت پر اتنی ہی جرح کی ہے کہ ”یہ منقطع ہے۔“ یعنی شداد بن اوس اور ان کے بعد کے راوی کمکوں میں ملاقات نہیں۔ اس لئے نجی میں ایک راوی کم ہے حالانکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کا پہلا راوی عمر بن حبیب کذاب، و ضائع اور متروک تھا۔

(۱۳) روایت: جب ولادت کا وقت آیا خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آسمانوں اور ہشتوں کے دروازے کھول دو، فرشتے باہم بشارت دیتے پھرتے تھے۔ سورج نے نور کا نیا جا جزو اپہننا۔ اس سال دنیا کی تمام عورتوں کو یہ روایت ملی کہ سب فرزند زیرین جنمیں، درختوں میں پھل آ گئے۔ آسمان میں زبرجد و یاقوت کے ستون کھڑے کئے گئے۔ نہر کوثر کے کنارے مثک خالص کے درخت اگائے گئے۔ مکد کے بت اوندھے ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ حکایت مواہبِ لدنیہ اور خاصِ کبریٰ میں ابوالنعیم کے حوالے نقل کی گئی ہے، لیکن ابوالنعیم کی دلائل النبوة کے مطبوع نسخہ میں جہاں اس کا موقع ہو سکتا تھا۔ وہاں یہ روایت مجھ کو نہیں ملی۔ ممکن ہے کہ ابوالنعیم

* مواہبِ لدنیہ، ج ۱، ص: ۱۲۵۔ * سیرۃ حلیہ، ج ۱، ص: ۵۱ باب ذکر حمل امہ، تاریخ الخمیس، ج ۱، ص: ۱۸۶۔ * ج ۱، ص: ۲۵ مکتبہ القدسی۔ * طبقات، ج ۱، ص: ۶۱۔ * کنز العمال، کتاب الفضائل من قسم الافعال جامع الدلائل واعلام النبوة، ج ۶، ص: ۳۰۵۔ * تہذیب، ج ۷، ص: ۴۶۳۔ * ج ۱، ص: ۱۳۴۔ * ج ۱، ص: ۴۷۔

نے اپنی کسی اور کتاب میں یہ روایت لکھی ہو یا یہ مطبوع نسخہ نامکمل ہو، بہر حال اس روایت کی بنا صرف اس قدر ہے کہ ابوغیم چوہنی صدی کے ایک راوی عمرو بن تھبیہ راوی سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد قتیبہ جوبزے فاضل تھے، یہ بیان کرتے تھے۔ قسطلانی نے موہب میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ وہ مطعون ہے۔ ۱

حافظ سیوطی نے خصائص میں اس کو منکر کہا ہے ۲ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام ترے سند اور موضوع ہے۔

۱۴ روایت: آنحضرت ﷺ کے حمل میں ہونے کی جو شانیاں تھیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس رات کو قریش کے سب جانور بولے لگے اور کہنے لگے کہ کعبہ کے خدا کی قسم! آنحضرت ﷺ شکم مادر میں آگئے وہ دنیا جہاں کی امان اور اہل دنیا کے چراغ ہیں۔ قریش اور دیگر قبائل کی کاہنہ عورتوں میں کوئی عورت ایسی نہ تھی کہ اس کا جن اس کی آنکھوں سے او حمل نہ ہو گیا ہوا اور ان سے کہانت کا علم چھین لیا گیا اور دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت اوندھے ہو گئے اور سلاطین اس دن گونگے ہو گئے۔ مشرق کے وحشی جانوروں نے مغرب کے وحشی جانوروں کو جاگا کر بشارت دی۔ اسی طرح ایک دریا نے دوسرے دریا کو خوشخبری سنائی، پورے ایام حمل میں ہر ماہ آسمان وزمیں سے یہ ناسی جانے لگی کہ ”بشارت ہو کہ حضرت ابوالقاسم ﷺ کے زمین پر ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آیا۔“ ۳ حضرت ﷺ کی والدہ فرماتی تھیں: ”جب میرے حمل کے چھ مہینے گزرے تو خواب میں کسی نے مجھ کو پاؤں سے ٹھوکر دے کر کہا کہ اے آمنہ اتمام جہاں کا سردار تیرے پیٹ میں ہے۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد ﷺ رکھنا اور اپنی حالت کو چھپائے رکھنا۔“ کہتی ہیں کہ جب ولادت کا زمانہ آیا تو عورتوں کو جو پیش آتا ہے وہ مجھ کو بھی پیش آیا اور کسی کو میری اس حالت کی خبر نہ تھی، میں گھر میں تباہی۔ عبدالمطلب خان کعبہ کے طواف کو گئے تھے تو میں نے ایک زور کی آواز سی جس سے میں ذرگی، میں نے دیکھا کہ ایک سید مرغ ہے جو اپنے بازو کو میرے دل پر مل رہا ہے، اس سے میری تمام دہشت دور ہو گئی اور درد کی تکلیف بھی جاتی رہی۔ پھر ایک طرف دیکھا کہ سید شربت ہے۔ پیاس تھی، دودھ سمجھ کر اس کو پی لگی، اس کے پینے سے ایک نور مجھ سے نکل کر بلند ہوا۔ پھر میں نے دیکھا کہ چند عورتیں جن کے قد لمبے لمبے ہیں۔ گویا عبدالمطلب کی بیٹیاں ہیں۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہی ہیں، میں تجھ کر رہی ہوں کہ ان کو کیسے میرا حال معلوم ہوا (ایک اور روایت میں ہے کہ ان عورتوں نے کہا کہ ہم فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم اور یہ حوریں ہیں) میرا درد بڑھ گیا اور ہر گھری آواز اور زیادہ بلند تھی اور خوفناک ہوتی جاتی تھی، اتنے میں ایک سید دیبا کی چادر آسمان وزمیں کے درمیان پھیلی نظر آئی اور آواز آئی کہ اس کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا لو۔ میں نے دیکھا کہ چند مرد ہو ایں معلق ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں چاندی کے آنفابے ہیں اور میرے بدن سے موتی کی طرح پسند کے قطرے پلک رہے تھے۔ جس میں مشک خالص سے بہتر خوبصورتی اور میں دل میں کہہ رہی تھی کہ کاش! عبدالمطلب اس وقت

۱ ج ۱، ص: ۱۳۴۔ ۲ ج ۱، ص: ۴۹۔ ۳ خصائص الکبری، ج ۱، ص: ۴۷۔

پاس ہوتے۔ پھر میں نے پرندوں کا ایک غول دیکھا جو نہیں معلوم کہ ہر سے آئے وہ میرے کمرے میں گھس آئے۔ ان کی منقاریں زمرد کی اور بازوں والی قوت کے تھے۔ میری آنکھوں سے اس وقت پر دے اٹھادیے گئے تو اس وقت مشرق و مغرب سب میری لگا ہوں کے سامنے تھے۔ تین جھنڈے نظر آئے۔ ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک خانہ کعبہ کی چھت پر۔ اب دروز یادہ بڑھ گیا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مجھے کچھ عورتیں یہیں لگائے بیٹھی ہیں اور اتنی عورتیں بھر گئیں کہ مجھے گھر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ اسی اشنا میں بچہ پیدا ہوا میں نے پھر کردیکھا تو وہ جبde میں پڑا تھا اور دو انگلیوں کو آسمان کی طرف دعا کی طرح اٹھائے تھا۔ پھر ایک سیاہ بادل نظر آیا۔ جو آسمان سے اتر کر نیچے آیا اور بچہ پر چھا گیا اور بچہ میری لگاہ سے چھپ گیا۔ اتنے میں ایک منادی سنی کہ محمد ﷺ کو زمین کے پورب اور پیغمبر گھادا اور سمندروں کے اندر لے جاؤ کہ سب ان کے نام نامی اور شکل و صورت کو پیچان لیں اور جان لیں کہ یہ مٹانے والے ہیں۔ یہ اپنے زمانہ میں شرک کا نام و نشان منادیں گے۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں بادل ہٹ گیا اور آپ ﷺ دو دھنے سے زیادہ سفید کپڑے میں لپٹنے نظر آئے۔ جس کے نیچے بزرگیم تھا۔ ہاتھوں میں سفید موتویوں کی تین سنجیاں تھیں اور ایک آواز آئی کہ محمد کو فتح، نصرت اور نبوت کی سنجیاں دی گئی ہیں۔

میں نے دل پر جبرا کر کے یہ پوری حکایت نقل کی ہے یہ اس لئے کہ میلاد کے عام جلوسوں کی رونق انہی روایتوں سے ہے۔ یہ روایت ابو یعیم میں حضرت ابن عباس رض سے نقل کی ہے ① اور سند کا سلسلہ بھی ہر طرح درست ہے۔ مگر اگر کسی کو اسماء الرجال سے آگاہی نہ بھی ہو اور وہ صرف ادب عربی کا صحیح ذوق رکھتا ہو تو وہ فقط روایت کے الفاظ اور عبارت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر دے گا کہ یہ تیری چوتھی صدی کی بنائی ہوئی ہے۔ اس روایت میں تیجی بن عبد اللہ البانی اور ابو بکر بن الجیرمیم ہیں۔ پہلا شخص بالکل ضعیف ہے ② اور دوسرا ناقابل جحت ہے ③ ان کے آگے کے راوی سعید بن عمر والانصاری اور ان کے باپ عمر والانصاری کا کوئی پتہ نہیں۔

۱۵ اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت عباس رض سے نقل کی جاتی ہے، وہ کہتے ہیں: میرے چھوٹے بھائی عبد اللہ جب پیدا ہوئے تو ان کے چہرہ پر سورج کی سی روشنی تھی اور والد نے ایک دفعہ خواب دیکھا۔ بونخود می کی ایک کاہن نے یہ خواب سن کر پیشیں گوئی کی کہ اس لڑکے کی پشت سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوا گا جو تمام دنیا پر حکومت کرے گا۔ جب آمنہ کے شکم سے بچہ پیدا ہوا تو میں نے ان سے پوچھا کہ ولادت کے اشنا میں تم کو کیا کیا نظر آیا۔ انہوں نے کہا کہ جب مجھے درد ہونے لگا تو میں نے بڑے زور کی آواز سنی، جو انسانوں کی آواز کی طرح نہ تھی اور بزرگیم کا پھریرایا قوت کے جھنڈے میں لگا ہوا آسمان و زمین کے بیچ میں گڑا نظر آیا اور میں نے دیکھا

① مواہب للدنیة، ج ۱، ص: ۱۳۴ تا ۱۲۶ والخاص، ج ۱، ص: ۴۷، ۴۸۔

② الخاچص، ج ۱، ص: ۴۸، ۴۷ میں بھی یہ روایت ہے مگر کسی قد رفرق کے ساتھ۔

③ تہذیب التہذیب، ج ۱۱، ص: ۲۴۱، ۱۴۰۔ ۲۹، ج ۱۲، ص: ۲۹۔ ایضاً،

کے پچھے کے سر سے روشنی کی کرنیں نکل کر آسمان تک جاتی ہیں۔ شام کے تمام محل آگ کا شعلہ معلوم ہوتے تھے اور اپنے پاس مرغایوں کا ایک حصہ دکھائی دیا۔ جس نے پچھے کو جدہ کیا پھر اپنے پروں کو کھول دیا اور سیرہ اسدیہ کو دیکھا کہ وہ کہتی ہوئی گزری کہ تیرے اس پچھے نے ہتوں اور کاٹوں کو بڑا صدمہ پہنچایا۔ ہائے سیرہ ہلاک ہو گئی۔ پھر ایک بلند والہ سپید رنگ جوان نظر آیا۔ جس نے پچھے کو میرے ہاتھ سے لے لیا اور اس کے مدد میں اپنا العاب دہن لگایا۔ اس کے ہاتھ میں سونے کا ایک طشت تھا۔ پچھے کے پیٹ کو چھاڑا۔ پھر اس کے دل کو نکالا اس میں سے ایک سیاہ داغ نکال کر پھینک دیا۔ پھر سبز حریر کی ایک تھیلی کھوئی، اس میں سے ایک انگوٹھی نکال کر موٹھے کے برابر ہر کی اور اس کو ایک کرتہ پہنادیا۔ اے عباس! یہ میں نے دیکھا۔

اس روایت کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے کہ ناقلين نے اس کے ضعف کو خود تسلیم کیا ہے اور حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ اس روایت اور اس کے پہلے کی دو روایتوں (۱۲۔ ۱۳) میں سخت نکارت ہے اور میں نے اپنی اس کتاب (خصائص) میں ان تینوں سے زیادہ منکر کوئی روایت نقل نہیں کی اور میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا۔ لیکن میں نے بعض ابو نعیم کی تقلید میں لکھ دیا ہے۔ جن روایتوں کو حافظ سیوطی لکھنے کے قابل نہ بھیں آپ ان کے ضعف کے درجہ کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ سیوطی اس روایت کا مأخذ ابو نعیم کو بتاتے ہیں، مگر یہ روایت دلائل ابی نعیم کے مطبوع نسخہ میں نہیں ملی۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عباس رض خضرت علی رض سے ایک ہی دو سال بڑے تھے۔ جب آمنہ نے وفات پائی تو وہ سات آٹھ برس کے پچھوں گے۔

۶۵ حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ آمنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا قصہ بیان کر رہی تھیں کہ ”میں حیرت میں تھی کہ تین آدمی دکھائی دیے۔ جن کے چہرے سورج کی طرح چمک رہے تھے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتاب تھا، جس سے مشک کی سی خوبصورتی رہی تھی۔ دوسرا کے ہاتھ میں سبز زمرہ کا طشت تھا۔ جس کے چار گوشے تھے اور ہر گوشہ میں سپید موتی رکھا تھا اور ایک آواز آئی۔ اے جبیب اللہ! یہ پوری دنیا، پورب، پچھم، خشکی و تری سب مجسم ہو کر آئی ہے۔ اس کے جس گوشہ کو چاہے مٹھی میں لے لجھے۔ آمنہ کہتی ہیں کہ میں نے گھوم کر دیکھا کہ پچھے کہاں ہاتھ رکھتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس نے پیچ میں ہاتھ رکھا تو کہنے والے کی آواز سنی کہ ”محمد نے کعبہ کے خدا کی قسم! کعبہ پر قبضہ کیا ہے۔ ہاں یہ کعبہ اس کا قبلہ اور اس کا مسکن بنے گا۔“ تیرے کے ہاتھ میں سپید حریر لپٹا تھا۔ اس نے اس کو کھولا تو اس میں ایک انگوٹھی نکلی۔ جس کو دیکھ کر دیکھنے والوں کی آنکھیں حیرت کرتی تھیں۔ پھر وہ میرے پاس آیا تو طشت والے نے اس انگوٹھی کو لے کر اس آفتاب سے سات بار اس کو دھویا اور پچھے کے موٹھے پر مہر کر دی اور حریر میں اس کو پلیٹ کر مشک خالص کے تاگے سے اس کو باندھ دیا اور تھوڑی دیر تک اپنے بازوؤں میں پٹٹائے رکھا۔ ابن عباس رض کہتے ہیں کہ یہ

رضوان جنت تھا۔ پھر بچ کے کان میں کچھ کہا جس کو آمنہ کہتی ہیں کہ میں سمجھنے لگی اور پھر اس نے کہا: اے محمد ﷺ ایسا علم عطا نہیں کیا گیا جو تم کو نہیں بتایا گیا۔ تم سب پیغمبروں سے زیادہ شجاع بنائے گئے تم کو فتح و نصرت کی کنجی دی گئی اور رعب و داب بخشا گیا جو تمہارا نام نے گا اس نے تم کو کبھی دیکھا بھی نہ ہوتا وہ کانپ جائے گا۔ اے خدا کے خلیفہ!

اس روایت کا مأخذ یہ ہے کہ میخان بن عاذ الم توفی ۲۷۴ھ نے اپنی کتاب میلاد میں اس کا ذکر کیا ہے ابن دحیہ محدث نے بڑی جرأت کر کے اس خبر کو غریب کہا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کو غریب کہنا بھی اس کی تو پیش ہے یہ تمام تربے اصل اور بے بنیاد ہے۔ *

(۱۷) روایت: آمنہ کہتی ہیں کہ جب ولادت ہوئی تو ایک بہت بڑا برکاٹ انظر آیا جس میں سے گھوڑے کے ہنہنے اور پروں کے پھیپھٹانے اور لوگوں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں، وہ ابر کا بلکڑا بچ کے اوپر آ کر چھا گیا اور بچہ میری نگاہوں سے اوچھل ہو گیا۔ البتہ مناوی کی آواز سنائی دی کہ محمد ﷺ کو بلکوں بلکوں پھراو اور سمندروں کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دنیا ان کے نام و نشان کو پہچان لے اور جن و انس، چند و پرند ملائکہ بلکہ ہر ذی روح کے سامنے ان کو لے جاؤ ان کو آدم ﷺ کا علق، شیث کی معرفت، نوح ﷺ کی شجاعت ابر ایم غلیظ ﷺ کی دوستی، اسماعیل غلیظ ﷺ کی زبان، اسحاق غلیظ ﷺ کی رضا، صالح غلیظ ﷺ کی فصاحت، لوط غلیظ ﷺ کی حکمت، موی غلیظ ﷺ کی حنفیت، ایوب غلیظ ﷺ کا صبر، یونس غلیظ ﷺ کی اطاعت، یوسف غلیظ ﷺ کا چہاد، داؤد غلیظ ﷺ کی، آواز، دانیال غلیظ ﷺ کی محبت، الیاس غلیظ ﷺ کا وقار، میخ غلیظ ﷺ کی پاکداری اور عیسیٰ غلیظ ﷺ کا زہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطدو۔ آمنہ کہتی ہیں، پھر یہ منظر ہٹ گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ سبز حریر میں لپٹے ہیں اور اس کے اندر سے پانی پکر رہا ہے۔ آواز آئی، ہاں محمد ﷺ نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا اور کوئی خلوق ایسی نہ رہی جو ان کے حلقہ اطاعت میں نہ آگئی ہو۔ کہتی ہیں کہ پھر میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ آپ ﷺ کا پھرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور مشک خالص کی خوبیوں آپ سے نکل رہی ہے۔ دفعہ تین آدمی نظر آئے، ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفاتا ہے، دوسرا کے ہاتھ میں سبز مرد کا طشت ہے اور تیسرا کے ہاتھ میں سپید ریشم ہے، اس نے سپید ریشم کو کھول کر اس میں سے انگوٹھی جس کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں، نکالی پہلے اس نے انگوٹھی کو سات دفعہ اس آفاتا ہے کے پانی سے دھویا۔ پھر موئذھے پر مہر کر کے بچ کو تھوڑی دیر کے لئے اپنے بازوؤں میں لپیٹ دیا اور پھر مجھے واپس کر دیا۔ *

اس حکایت کی بنیاد یہ ہے کہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں "السعادة و البشري" نامی ایک میلاد کی کتاب سے اس کو لٹ کیا ہے اور السعادۃ و البشري کا مصنف کہتا ہے کہ اس نے خطیب سے اس کو لیا ہے۔ * روایات

* حصانص، ج ۱، ص: ۴۹۔ * مواہب، ج ۱، ص: ۱۳۶۔ * مواہب، ج ۱، ص: ۱۳۶۔

کے لحاظ سے خطیب کی تاریخ کا جو درج ہے وہ کس کو معلوم نہیں۔ قسطلاني نے اس روایت کو ابو عیم کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ مگر لاکل ابو عیم کے مطبوعہ نہیں میں تو اس کا پتہ نہیں۔ غیرہت ہے کہ حافظ قسطلاني نے خود تصریح کر دی ہے کہ اس میں سخت نکارت ہے۔

⑯ روایت: آمنہ کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو ایک روشی چکلی جس سے تمام مشرق و مغرب روشی ہو گیا اور آپ ﷺ دونوں ہاتھوں ہاتھ نیک کر زمین پر گرد پڑے (شاید مقصود یہ کہنا ہے کہ آپ سجدہ میں گئے) پھر مٹھی سے مٹی اٹھائی (اہل میلاد اس سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ آپ نے روزے زمین پر قبضہ کر لیا) اور آسمان کی طرف سراہایا۔

یہ حکایت ابن سعد میں متعدد طریقوں سے مذکور ہے ॥ مگر ان میں سے کوئی قوی نہیں اسی کے قریب قریب ابو عیم اور طبرانی میں روایتیں ہیں۔ ان کا بھی مبین حال ہے۔

⑰ روایت: جس شب کو آپ ﷺ پیدا ہوئے قریش کے بڑے بڑے سردار جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔ ایک یہودی نے جو مکہ میں سوداگری کرتا تھا۔ ان سے آ کر دریافت کیا کہ ”آج تمہارے یہاں کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے؟“ سب نے اپنی علمی طاہر کی اس نے کہا، اللہ اکبر! اتم کوئی معلوم تو خیر میں جو کہتا ہوں اس کو سن رکھو۔ آج شب کو اس پچھلی امت کا نبی پیدا ہو گیا۔ اس کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ایک نشانی ہے۔ اس میں گھوڑے کی ایال کی طرح کچھا و پر تلے بال ہیں وہ دونوں تک دودھنہ پے گا۔ کیونکہ ایک جن نے اس کے منہ میں انگلی ڈال دی ہے۔ جس سے وہ دودھ نہیں پی سکتا۔ جب جلسہ چھٹ گیا اور لوگ گھروں کو لوٹے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مطلب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے لوگ اس یہودی کو آمنہ کے گھر لائے۔ اس نے بچہ کی پیٹھ پر تل دیکھا تو غش کھا کر گرد پڑا۔ جب ہوش آیا، لوگوں نے سبب پوچھا، اس نے کہا، خدا کی قسم! اسرائیل کے گھرانے سے نبوت رخصت ہو گئی۔ اے قریش! اتم اس کی پیدائش سے خوش ہو۔ ہشیار! خدا کی قسم ایتم پر ایک دن ایسا حملہ کرے گا جس کی خبر چہاروائیں عالم میں پھیلے گی۔“ یہ روایت متدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے مگر اہل علم جانتے ہیں کہ حاکم کا کسی روایت کو صحیح کہنا ہمیشہ تقید کا محتاج رہتا ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے تخلیص متدرک ⑲ میں حاکم کی تردید کی ہے۔ اس کا سلسلہ روایت یہ ہے کہ یعقوب بن سفیان فسوی ابو غسان محمد بن یحییٰ کنانی سے اور یہ اپنے باپ (یحییٰ بن علی کنانی) سے اور وہ محمد بن اسحاق (مصنف سیرت) سے روایت کرتے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن اسحاق نے خود اپنی سیرت سے یہ روایت نہیں لی ہے۔ ابو غسان محمد بن یحییٰ کو لوغرض محمد بن عین نے اچھا کہا ہے۔ مگر محدث سلیمانی نے ان کو منکر الہدیث کہا ہے۔ ابن حزم نے ان کو مجہول کہا ہے۔ ہر حال ان تک غیرہت ہے مگر ان کے باپ یحییٰ بن علی کا کہیں کوئی ذکر نہیں کریں گے کیون تھے؟ اور کب تھے؟ اسی قسم

طبقات ابن سعد، ذکر مولد رسول اللہ ﷺ ج ۱، ص: ۶۳؛ مawahib، ج ۱، ص: ۱۳۹۔ ۲ ج ۲، ص: ۶۰۲۔

تہذیب التہذیب، ج ۹، ص: ۵۱۸۔

کی ایک اور روایت عیض راہب کے متعلق ابو جعفر بن ابی شیبہ سے ہے اور ابو نعیم نے دلائل میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ لیکن زرقانی نے لکھ دیا ہے کہ ابو جعفر بن ابی شیبہ نامعتبر ہے۔

② روایت: حضرت عباس ؓ آنحضرت ﷺ سے ذکر کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! مجھ کو جس نشانی نے آپ کے مذہب میں داخل ہونے کا خیال دلایا، وہ یہ ہے کہ جب آپ گھوارہ میں تھے تو میں نے دیکھا کہ آپ چاند سے اور چاند آپ سے باتیں کرتا تھا اور انگلی سے آپ اس کو جھڑا شارہ کرتے تھے، اور ہر جھک جاتا تھا۔ فرمایا، ہاں میں اس سے اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور ورنے سے بہلا تھا اور عرش کے نیچے جا کر جب وہ تسبیح کرتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔ یہ دکایت دلائل یہیقی کتاب المائتین صابونی، تاریخ خطیب اور تاریخ ابن عساکر میں ہے۔ مگر خود یہیقی نے تصریح کر دی ہے کہ ”یہ صرف احمد بن ابراہیم جبلی کی روایت ہے اور وہ مجهول ہے۔“ صابونی نے روایت لکھ کر کہا ہے کہ ”یہ سندا اور متمن دونوں لفاظ سے غریب ہے۔“ علاوه ازیں حضرت عباس ؓ آنحضرت ﷺ سے شاید ایک یا دو سال بڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی شیر خوارگی کے عالم میں وہ خود شیر خوار ہوں گے۔

③ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں واقعی کی سیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے گھوارہ میں کلام کیا۔ ابن سعیں المتنوی کی خصائص میں ہے کہ فرشتے آپ ﷺ کا گھوارہ ہلاتے تھے اور (پیدائش کے بعد) اس سے پہلا فقرہ زبان مبارک سے یہ نکلا۔ الحمد لله کبیراً والحمد لله كثیراً ابن عائذ وغيره۔ میلاد کی بعض اور کتابوں میں اور فقرے بھی منسوب ہیں مثلاً: کہ آپ ﷺ نے لا اله الا الله یا جلال ربی الرفیع پڑھا۔

واقعی کی سیر سے مراد اگر واقعی کی مجازی ہے تو اس کا مطبوعہ مکلتہ کا نسخہ جو میرے پیش نظر ہے۔ اس میں یہ واقعہ مذکور نہیں اور اگر ہوتا بھی تو واقعی کا اعتبار کیا ہے؟ ابن سعیں اور ابن عائذ وغيرہ زمانہ متاخر کے لوگ ہیں اور قدماء سے روایت کی نقل میں بے احتیاط ہیں۔ کسی قدیم مأخذ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی معلوم نہیں یہ روایتیں انہوں نے کہاں سے لیں۔

④ آنحضرت ﷺ کی رضا عنعت اور شیر خوارگی کے زمانہ کے فضائل اور مجرمات جب آپ ﷺ کو حلیمه سعدیہ ؓ اپنی بھائی اپنے گھر لے جاتی ہیں۔ ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابو یعلی، طبرانی، یہیقی، ابو نعیم، ابن عساکر اور ابن سعد میں یہ تفصیل مذکور ہیں۔ حلیمه سعدیہ ؓ کا آنا اور آپ کا ان کو دیکھ کر مسکرانا۔ حلیمه ؓ کے خشک سینوں میں دودھ بھرا آتا۔ آپ کا صرف ایک طرف کے سینے سے سیر ہو جاتا اور دوسرے طرف کا اپنے رضامی بھائی کے لئے بظہر انصاف چھوڑ دینا۔ آپ کے سوار ہوتے ہی

* تاریخ ابن عساکر، ج ۱، ص: ۳۵۴۔ * جلد ۶، ص: ۳۴۴۔

حییہ ؓ کی کمزور اور دبی پتی گھی کا تیز روتا قور اور فربہ ہو جانا اور حییہ ؓ کے قبلہ کی قحط زدہ زمین کا سربرز و شاداب اور ہرا بھرا ہو جانا۔ حییہ ؓ کی بکریوں کا موٹا ہونا۔ اور سب سے زیادہ دودھ دینا۔ آپ ﷺ کا غیر معمولی نشوونما پاتا۔ دو برس کے سن میں آپ کے سینہ کا چاک ہونا۔ حییہ ؓ کا اس واقعہ سے ڈر کر آپ کو آمنہ کے پاس واپس لانا۔ آمنہ کا حییہ ؓ کو تسلی دینا۔ یہ تمام واقعات ان کتابوں میں پتھر تفصیل مذکور ہیں۔

یہ واقعات دو طریقوں سے مردی ہیں ایک طریقہ کامشتک راوی جہنم بن ابی جہنم ایک مجھول شخص ہے اور دوسرا کامشتک راوی واقعہ ہے۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

پہلے طریقہ سے اس کو ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابو یعنی، طبرانی اور البغیم نے روایت کیا ہے اس کا سلسلہ یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہنم بن ابی جہنم مولیٰ حارث بن حاطب مجھی نے کہا اور وہ کہتا ہے کہ ”مجھ سے عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب ؓ نے خود بیان کیا یا کسی ایسے شخص نے بیان کیا، جس نے عبد اللہ بن جعفر سے سن اور عبد اللہ بن جعفر نے حییہ سعدیہ ؓ سے سن۔“ اس روایت میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جہنم کا اس روایت کا خود عبد اللہ بن جعفر سے سننا یقینی نہیں آتا۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ ”عبد اللہ بن جعفر یا کسی نے ان سے سن کر مجھ سے کہا۔“ معلوم نہیں وہ کون تھا؟ اور کیسا تھا؟ ابوغیم وغیرہ متاخرین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ شک سرے سے نظر انداز ہو گیا ہے۔ اگر بالفرض جہنم نے عبد اللہ بن جعفر سے سن تو عبد اللہ بن جعفر کا جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آٹھ نو برس کے تھے اور یہ کے بعد جہش کے ملک سے مدینہ آئے تھے۔ حییہ ؓ سے ملتا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے۔ بلکہ علمائے سیر و رجال میں خود حییہ ؓ سے ملتا اور ان کے بعد آپ سے ملاقات میں اختلاف ہے۔ صرف ایک دفعہ غزوہ ہوازن کے موقع پر ان کا آنا کسی کسی نے بیان کیا ہے۔ مگر اس موقع پر عبد اللہ بن جعفر ؓ کا جو کسی تھے موجود ہونا اور ان سے ملتا مطلق ثابت نہیں۔ جہنم بن ابی جہنم جو اس روایت کا سرنیاد ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال ۲۱ میں اس روایت کی تقریب سے اس کا نام لکھ کر لکھا ہے: ”لَا يَعْرِفُ لِيْكُنْ حِلْمُهُمْ يَوْمَ تَحْكَمُ الْأَيْمَانُ“

دوسرے طریقہ وہ ہے جس کا مرکزی راوی واقعہ ہے، اس سلسلہ سے ابن سعد، ابوغیم اور ابن عساکر نے اس واقعہ کو لکھا ہے۔ یہ سلسلہ علاوہ ازیں کہ واقعہ کے واسطہ سے ہے۔ موقوف بھی ہے۔ یعنی کسی صحابی تک وہ نہیں پہنچتا۔ اس کو واقعہ زکریا بن یحییٰ بن زید سعدی سے اور وہ اپنے باپ یحییٰ بن زید سعدی سے نقل کرتا ہے۔ ۲۲ ابن سعد نے دوسری جگہ (جلد اول صفحہ ۷۹) ایک اور سلسلہ سے اس کو واقعہ سے روایت کیا ہے اور واقعہ عبد اللہ بن زید بن اسلم سے اور عبد اللہ اپنے باپ زید بن اسلم تابعی سے نقل کرتے ہیں، یہ سلسلہ بھی علاوہ ازیں کہ اس کا پہلا راوی وہی واقعہ ہے اور روایت بھی موقوف ہے زید مذکور کی نسبت اہل

۲۱ ج ۱، ص: ۱۹۷۔ ۲۲ ابن سعد، ج ۱، ص: ۶۹۔

مدینہ کلام کرتے تھے اور ان کے بیٹے عبد اللہ کو اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ اس لئے یہ سلسلہ بھی استناد کے قابل نہیں ہے۔ ابو عیم نے تیری روایت میں واقعہ کے واسطے سے ان واقعات کو بے سند لکھا ہے۔

۲۳) شق صدر یعنی سیدنا مبارک کے چاک ہونے کا واقعہ معراج میں پیش آن مسلم ہے۔ مگر بعض لوگوں نے بچپن کے زمانہ میں بھی اس واقعہ کا پیش آن بیان کیا ہے۔ بچپن کے وقت کی تعین میں ان روایتوں میں اختلاف ہے۔ اکثر روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت حلیمه ثنتہ کے پاس قیام کے زمانہ میں یہ پیش آیا۔ جب عمر شریف غالباً صرف چار برس کی تھی۔ ایک دو روایتوں میں ہے کہ اس وقت آپ ﷺ دس برس کے تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عہد طفویل میں شق صدر کی جس قدر روایتیں ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت کے علاوہ وہ تمام تر ضعیف ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت میں حماد بن سلمہ کی غلطی سے معراج کا واقعہ عہد طفویل میں بیان ہو گیا ہے۔ اس بارہ میں میں نے اپنی تحقیق شرح صدر کی بحث میں مفصل بیان کی ہے۔ *

۲۴) حضرت حلیمه ثنتہ کے پاس قیام کے زمانہ میں ایک اور واقعہ بھی راویوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر بعض یہودیوں نے یا عرب قیافہ شناسوں نے (روایت میں اختلاف ہے) یہ معلوم کر لیا کہ نبی آخراً زمان میں اور یہی ہمارے آبائی کیش اور مذہب کو دنیا سے منا کیں گے۔ یہ سمجھ کر انہوں نے آپ ﷺ کو خود قتل کرنا چاہا، یا رسولوں کو آپ کے قتل پر آمادہ کرنا چاہا (روایت میں اختلاف ہے) ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا۔ جب حلیمه ثنتہ آپ کو پہلے پہل مکہ معظمنہ سے لے کر عکاظ کے میلے میں آئیں۔ وہاں قبلہ نہیں کا ایک قیافہ شناس بدھا تھا۔ عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لے کر اس کے پاس آتی تھیں اور فال نکلواتی تھیں۔ اس کی نظر جب آنحضرت ﷺ پر پڑی تو وہ چلا اٹھا کہ اس کو قتل کر ڈالو گر آپ لوگوں کی نظر سے غائب ہو چکے تھے۔ حلیمه ثنتہ آپ کو لے کر چل دی تھیں۔ لوگوں نے بدھے سے واقعہ پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے ابھی وہ بچہ دیکھا جو تمہارے اہل مذہب کو قتل کرے گا اور تمہارے بتوں کو توڑے گا اور وہ کامیاب ہو گا، اس کے بعد لوگوں نے آپ ﷺ کو بہت ڈھونڈا، مگر آپ نہ ملے حضرت حلیمه نے اس کے بعد آپ کو پھر کسی قیافہ شناس اور فال دیکھنے والے کے سامنے پیش نہ کیا، ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد اس بدھے کی عقل جاتی رہی اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گیا۔ دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت آمنہ نے حلیمه کو کہہ دیا تھا کہ میرے بچے کو یہودیوں سے بچائے رکھنا، اتفاق سے جب وہ آپ کو لے کر چلیں تو کچھ یہودی راستے میں مل گئے انہوں نے آپ کا حال سن کر ایک دوسرے سے کہا کہ اس کو مار ڈالو پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بچہ تیتم ہے؟ حلیمه نے کہا، نہیں میں اس کی ماں ہوں اور اپنے شوہر کو بتایا کہ وہ اس کا باپ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ تیتم ہوتا تو ہم اس کو قتل کر ڈالتے (یعنی آخری پیغمبر کی ایک علامت تیتمی بھی تھی اور چونکہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ علامت بچہ میں پائی نہیں جاتی اس سے ان کا اس کے لیے اسی کتاب کے صفات شرح صدر ملاحظہ ہوں۔ *

(یقین جاتا رہا۔)

یہ روایتیں ابن سعد جلد اول ص ۱۷ و ۹۸ میں ہیں، مگر حالات یہ ہے کہ پہلی روایتوں کا ماغذہ و اقدی کی داستانیں ہیں اور اس پر بھی ان کے سلسلے ناتمام ہیں۔ آخری روایت کا سلسلہ یہ ہے کہ عمر و بن عاصم کلامی، ہمام بن یحییٰ، اسحاق بن عبد اللہ گوئی تینوں عموماً ثقہ اصحاب ہیں۔ مگر ان کی یہ روایت موقوف ہے، یعنی آخری روایت اسحاق بن عبد اللہ کوتا بعی ہیں۔ مگر وہ کسی صحابی سے اس کا سنسناظاً ہرنہیں کرتے۔ معلوم نہیں یہ روایت ان کو کہاں سے پہنچی؟ تقریباً اسی واقعہ کو ابو نعیم نے دلائل ۲ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ حلیمه جب آپ ﷺ کو مکہ سے لے کر روانہ ہوئیں تو ایک وادی میں پہنچ کر ان کو جوش کے کچھ لوگ ملے۔ جو غالباً عیسائی ہوں گے۔ حلیمه ان کے ساتھ ہو گئی۔ انہوں نے جب آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو آپ کی نسبت کچھ دریافت کیا۔ اس کے بعد بہت غور سے انہوں نے آپ کو دیکھنا شروع کیا۔ دونوں موٹھوں کے پیچے میں جو مہربنوت تھی وہ دیکھی۔ آپ کی آنکھوں میں تھوڑی سرفت تھی اس کو دیکھتے رہے۔ پھر پوچھا کہ کیا پچ کی آنکھوں میں یہ سرفت کسی بیماری سے ہے؟ حلیمه ؓ نے کہا نہیں یہ بیشہ سے اسی طرح ہے۔ انہوں نے کہا ”خدا کی قسم ایہ پیغمبر ہے۔“ یہ کہہ کر انہوں نے چاہا کہ بچہ کو حضرت حلیمه ؓ سے چھین لیں۔ لیکن خدا نے آپ ﷺ کی حفاظت کی۔ ابو نعیم کی اس روایت کا سلسلہ نہایت ضعیف اور کمزور ہے اور اس کے رواۃ مجہول المحال لوگ ہیں۔

۲۵ کہتے ہیں کہ پیار اور محبت سے حضرت حلیمه ؓ آپ کو دھوپ میں نکلنے نہیں دیتی تھیں ایک دن آپ اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دھوپ میں نکل پڑے۔ حلیمه ؓ نے دیکھا تو لڑکی پر رخا ہوئیں کہ تم دھوپ میں کیوں لے گئیں۔ لڑکی نے کہا، اماں جان میرے بھائی کو دھوپ نہیں لگتی۔ میں نے دیکھا کہ اس پر بادل سایہ کئے تھے۔ جدھروہ جاتا تھا وہ بھی چلتے جاتے تھے اور جہاں وہ رک جاتا تھا وہ بھی رک جاتے تھے۔ اس کیفیت سے وہ یہاں تک پہنچا ہے۔ ابن سعد نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ ایک میں تو صرف و اقدی کا حوالہ ہے اور اس کے آگے کوئی نام نہیں دیا۔ (ص ۱۷، جلد اول) اور دوسرا میں ہے کہ و اقدی نے معاذ بن محمد سے اور اس نے عطا سے اور عطا نے حضرت ابن عباس ؓ سے نہیں (صفیٰ ۹۸ جلد اول)۔ ابن سعد کے علاوہ ابو نعیم، ابن عساکر اور ابن طرماج نے بھی اسی سلسلہ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے، مگر اس سلسلہ میں و اقدی کے علاوہ معاذ بن محمد مجہول اور نامعتر ہے۔

یہاں تک تھا کہ فضائل و مجرمات کی غلط اور ضعیف روایتوں کی مسلسل تقید کی ہے۔ اگر اسی طرح ہم آخر تک بھانا چاہیں تو یہ دفتر ان اور اسقی میں نہیں سما سکتا۔ اس لئے ہم صرف مشہور ترین روایتوں کی تقید پر قناعت کرتے ہیں۔

۲۶ سب سے مشہور بھیرا اہب کا قصہ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ ﷺ دس بارہ برس کے

تھے، تو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ راہ میں ایک عیسائی غانقاہ میں جس میں بھیرا نام ایک راہب رہا کرتا تھا۔ اس نے آپ ﷺ کو دیکھ کر اور علماء سے پہچان کر یہ جان لیا کہ پیغمبر آخرا زمان اور سردار عالم یہی ہیں۔ اس نے دیکھا کہ اب آپ پرسایہ فقیہ ہے جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے ہیں۔ اس کی شاخیں آپ پر بھی آتی ہیں۔ اس نے آپ کی خاطر قافلہ کی دعوت کی اور ابوطالب سے باصرار کہا کہ اس بچہ کو مکہ واپس لے جاؤ ورنہ رومی اگر اس کو پہچان گئے تو اس کو قتل کر دالیں گے۔ (شاید اس لئے کہ آپ کے ہاتھوں ان کی سلطنت کا خاتمہ ہو گا) ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ رومیوں کا ایک گروہ پہنچ گیا۔ دریافت سے ظاہر ہوا کہ رومیوں کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ پیغمبر آخرا زمان کے ظہور کا وقت آ گیا ہے۔ اس لئے رومیوں نے تحقیق حال کے لئے ہر طرف اپنے دستے روائے کئے ہیں۔ بھیرا نے ان سے کہا کہ ”خداء کی تقدیر میں نہیں سکتی۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم واپس جاؤ۔“ وہ رک گئے اور ادھر ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو مکہ واپس پہنچ دیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلاں رضی اللہ عنہ کو آپ کے ساتھ کر دیا اور بھیرا نے کیک اور ناشتا آپ کے ساتھ کیا۔

یہ روایت اختصار اور تفصیل کے ساتھ سیرت کی اکثر کتابوں میں اور بعض حدیثوں میں بھی مذکور ہے۔ مگر ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کتب سیر میں اس کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں، ان سب کے سلسلے کمزور اور ثوڑے ہوئے ہیں۔ اس قصہ کا سب سے محفوظ طریقہ سند وہ ہے جس میں عبد الرحمن بن غزوہ اور ابو نوح قراد کے نام سے مشہور ہے۔ یونس بن اسحاق سے اور وہ ابو بکر بن ابی موسیٰ سے اور وہ اپنے باپ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کرتے ہیں۔

یہ قصہ اس سلسلہ سند کے ساتھ جامع ترمذی، مسند رک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ، دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے۔ ترمذی نے اس کو ”حسن وغیرہ“ اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ استاذ مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد (طبع اول ص ۱۳۰) (طبع دوم ص ۱۲۸) میں اس روایت پر پوری تفہید کی ہے اور عبد الرحمن بن غزوہ اور کواس سلسلہ میں مجروح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اس روایت کو موضوع سمجھتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ سند میں نہ صرف عبد الرحمن بن غزوہ بلکہ دوسرے روایہ بھی جروح کے قابل ہیں۔

(۱) سب سے اول یہ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر یہ میں میں سے مدینہ آئے تھے اور یہ واقعہ اس سے ۵۰ برس پہلے کا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ تو خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے اور نگی اور شریک واقعہ کی زبان سے اپنا سنتا بیان کرتے ہیں۔ اس لئے یہ روایت مرسل ہے۔

(۲) اس واقعہ کو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کے صاحبزادے ابو بکر روایت کرتے ہیں۔ مگر ان کی نسبت کلام ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کوئی روایت سنی بھی ہے یا نہیں، چنانچہ ناتدین فن کو اس باب میں بہت

پکھا شک ہے۔ امام ابن حنبل رض نے تو اس سے قطعی انکار کیا ہے۔ ✿ بنابریں یہ روایت منقطع ہے۔ اس کے سوا ابن سعد نے لکھا ہے کہ ”وہ ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔“

(۳) ابو بکر سے یونس بن اسحاق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔ گو متعدد محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔ ✿ سمجھی کہتے ہیں کہ ”ان میں سخت بے پرواہ تھی۔“ شعبہ نے ان پر تدليس کا الزام قائم کیا ہے۔ امام احمد ان کی اپنے باپ سے روایت کو ضعیف اور ان کی عام روایتوں کو مضطرب اور ”ایسی ویسی“ کہتے ہیں، ابو حاتم کی رائے ہے کہ وہ راست گو ہیں۔ لیکن ان کی اپنے باپ سے حدیث صحیت نہیں۔ ساجی کا قول ہے کہ ”وہ سچے ہیں اور بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے،“ ابو حاتم کا بیان ہے کہ اکثر ان کو اپنی روایتوں میں وہم ہو جاتا تھا۔

(۴) چوتھا روای عبد الرحمن بن غزوہ ان ہے، جس کا نام مسند رک اور ابو نعیم میں ابو نوح قراد ہے۔ اس کو اگرچہ بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔ تاہم وہ متعدد منکر روایتوں کا روای ہے۔ ممالیک والی جھوٹی حدیث اسی نے روایت کی ہے۔ ابو حامد حاکم کا بیان ہے کہ اس نے امام لیث سے ایک منکر روایت نقل کی ہے۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ ”وہ غلطیاں کرتا تھا اور امام لیث اور مالک سے ممالیک والی حدیث نقل کرنے کی وجہ سے اس کی طرف سے دل میں خلجان ہے۔“ ✿

(۵) حافظ ذہبی میران میں لکھتے ہیں کہ عبد الرحمن بن غزوہ ان کی منکر روایتوں میں سب سے زیادہ منکر بکھر اراہب کا قصہ ہے۔ اس قصہ کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس میں یہ ہے کہ ابو بکر رض نے بال رض کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ حالانکہ حضرت ابو بکر رض اس وقت بچتھے حضرت بال رض پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

(۶) حاکم نے مسند رک میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ حافظ ذہبی مسند رک کی تلخیص میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں اس روایت کو بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔ کیونکہ اس میں بعض واقعات غلط ہیں۔ ✿

(۷) امام بیہقی اس کی صحت کو صرف اسی قدر تسلیم کرتے ہیں کہ ”یہ قصہ اہل سیر میں مشہور ہے،“ حافظ سیوطی نے خصائص میں امام موصوف کے اس فقرہ سے یہ سمجھا ہے کہ وہ بھی اس کے ضعف کے قائل ہیں۔ اس نے اصل روایت میں ابن سعد وغیرہ سے چند اور سلسے نقل کئے ہیں، ✿ مگر ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔

㉗ اسی قسم کا ایک اور واقعہ دوسری دفعہ کے سفر شام میں جب آپ حضرت خدیجہ رض کا مال تجارت لے کر بصری تک تشریف لے گئے تھے، بیان کیا جاتا ہے آپ کے ساتھ اس سفر میں حضرت خدیجہ رض کا غلام میسرہ بھی تھا۔ اس کی زبانی روایت ہے کہ ہر جگہ ابر آپ پر سایہ آگن رہتا، کبھی فرشتے اپنے پروں کا سایہ کرتے

✿ تہذیب التہذیب، ج ۱۲، ص: ۴۱۔ ✿ ایضاً، ج ۱۱، ص: ۴۳۴۔ ✿ ایضاً، ج ۶، ص: ۲۲۸۔

✿ مسند رک، ج ۲، ص: ۶۱۵۔ ✿ خصائص، ج ۱، ص: ۸۴۔

تھے۔ ایک عیسائی خانقاہ کے قریب جہاں نسطور راہب رہتا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے آرام کیا۔ راہب نے یہ دیکھا تو میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ اس نے نام و نشان بتایا۔ راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہرا ہے۔ پھر دریافت کیا کہ ان کی آنکھوں میں ہمیشہ یہ سرخی رہتی ہے۔، غلام نے اثبات میں جواب دیا۔ راہب نے کہا ”تو یقیناً آخزمانہ کا پیغمبر ہے۔ تم بھی اس کی رفاقت نہ چھوڑنا۔“ اسی درمیان میں ایک شخص سے خرید و فروخت میں کوئی جگڑا اپیش آیا۔ خریدار نے آپ ﷺ سے کہا کہ تم لات و عزی کی قسم کھاؤ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میں بھی ان کی قسم نہیں کھاتا۔“ راہب نے میسرہ سے کہا، خدا کی قسم یہ پیغمبر ہے۔ اس کی صفتیں ہماری کتابوں میں لکھی ہیں۔ میسرہ کا بیان ہے کہ جب دو پھر کی سخت دھوپ پڑتی تو دو فرشتے آپ پر سایہ کر لیتے، جب آپ تجارت سے فارغ ہو کر مکار ہے تو۔ اتفاق سے اس وقت حضرت خدیجہؓ چند سہیلیوں کے ساتھ چھٹ پڑھیں۔ حضرت خدیجہؓ کی نظر آپ ﷺ پر پڑی کہ آپ اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ پر سایہ افگن ہیں۔ انہوں نے یہ منظر اپنے سہیلیوں کو دکھایا اور میسرہ سے اس کا تذکرہ کیا۔ میسرہ نے کہا، پورے سفر میں یہی تماشہ کیھتا آیا ہوں اور اس کے بعد اس نے نسطور راہب کی گفتگو بھی ان سے دھرائی۔

یہ واقعہ ابن اسحاق، ابن سعد، ابوالیعیم اور ابن عساکر^۱ میں ہے۔ ابن اسحاق میں اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے۔ بقیہ کتابوں میں اس کی سند یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفوں و اقدی سے اور واقدی مویں بن شیبہ سے اور وہ عسیرہ بنت عبد اللہ بن کعب سے اور عسیرہ ام سعد بنت کعب سے اور وہ یعلیٰ بن مدیہ^۲ صحابی کی بہن نفیہ بنت مدیہ سے جو صحابی تھیں، روایت کرتے ہیں۔ واقدی کی بے اعتباری تو متاخر بیان نہیں۔ اس کے علاوہ مویں بن شیبہ کی نسبت امام ابن حنبل کہتے ہیں: احادیثہ مناکیر۔^۳ اس کی حدیثیں مکر ہیں۔ عسیرہ بنت ابن کعب اور ام سعد کا حال معلوم نہیں۔

^۱ ابن سعد^۴ ابن اسحاق، تہمیق اور ابوالیعیم^۵ میں ہے کہ ”قریش نے جب بنو ہاشم کا مقاطعہ کر کے شعب ابی طالب میں محصور کیا اور باہم ایک معاهدہ مرتب کر کے خانہ کعبہ میں رکھ دیا، تو چند سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے دیک کو بھیجا، جس نے کاغذ کو کھالیا۔ ایک روایت میں ہے کہ خدا کا نام چھوڑ کر باقی عبارت کو جس میں بنو ہاشم کے مقاطعہ کا عہد تھا۔ اس نے کھالیا تھا اور دوسرا روایت میں ہے کہ خدا کا نام کھالیا تھا اور بقیہ عبارت چھوڑ دی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ سے مطلع فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے ابوطالب سے اس کا ذکر کیا۔ ابوطالب نے قریش کو اس کی خبر کی اور بالآخر اس واقعہ کو جھوٹ اور سچ ہونے پر معاهدہ باقی رہنے یا ثوث جانے کا فیصلہ قرار پایا۔ لقارنے جب کاغذ کو اتنا کر دیکھا تو آنحضرت ﷺ کے

^۱ طبقات جزء اول، ص: ۸۳؛ دلائل النبوة، ص: ۱۳۳؛ خصائص الکبریٰ، ج ۱، ص: ۹۱۔

^۲ تہذیب التہذیب، ج ۱، ص: ۳۴۹۔^۳ طبقات جزء اول، ص: ۱۴۰۔

^۴ دلائل النبوة، ص: ۲۲۸، ۲۲۹۔

قول کی تصدیق ہو گئی۔

ابن اسحاق کی روایت بے سند ہے بقیہ تمام روایتوں یا واقعی اور ابن الہیم سے ہیں، جن کا اعتبار نہیں اور یا ثافت سے ہیں، تو وہ تمام تر مرسل ہیں۔ ان مرسل روایتوں میں اگر کوئی بہتر روایت ہے۔ تو وہ سیفی میں موئی بن عقبہ کی ہے۔ جو امام زہری سے اس کو روایت کرتے ہیں، مگر وہ زہری تک پہنچ کر رہ جاتی ہے، کسی صحابی تک نہیں پہنچتی۔

۲۹ مشہور ہے کہ ہجرت میں جب آپ ﷺ نے غار ثور میں پناہ لی۔ تو خدا کے حکم سے فوراً غار کے منہ پر بنو لے یا بھول کا درخت اگ آیا۔ جس کی ڈالیاں پھیل کر چھا گئیں۔ کبوتر کے ایک جوڑے نے آ کر وہاں اٹھے دے دیئے اور مکڑی نے جائے تھی دیئے، تاکہ مشرکین کو آنحضرت ﷺ کے اس کے اندر ہونے کا گمان نہ ہو۔ درخت کے اونچے، کبوتر کے اٹھے دینے، مکڑی کے جالتہ ان تینوں کا ذکر صرف ابو مصعب کی کی روایت میں ہے۔ بقیہ روایتوں میں صرف کبوتروں کے اٹھے دے دیئے اور مکڑی کے جالتہ کا بیان ہے۔ بہر حال یہ واقعہ کتب سیر میں ابن اسحاق، ابن سعد، دلائل بہتی اور ابو الفتح میں اور کتب حدیث میں سے ابن مردویہ اور بزار میں ہے۔ ابن مردویہ بزار اور سیفی میں جو روایت ہے۔ نیز ابن سعد اور ابو الفتح کی ایک روایت ابو مصعب کی سے ہے۔ جو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس واقعہ کا سشننا ظاہر کرتا ہے۔ ابو مصعب سے عون بن عمر والقیسی اس کی روایت کرتا ہے۔ لیکن یہ دونوں صاحب پایہ اعتبار سے گردے ہوئے ہیں۔ ابو مصعب کی مجہول ہے اور عون بن عمر کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ ”د کچھ نہیں۔“ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”وہ مکفر الحدیث اور مجہول ہے۔“ ابو الفتح میں عون بن عمر کے بجائے عوین ابن عمر والقیسی لکھا ہے۔ یہ عوین بن عمر بھی بے اعتبار ہے۔ عقیلی نے اس کا ضعفاء میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی روایتوں کی تصدیق نہیں ہوتی اور اس روایت کو نظر کر کے لکھا ہے کہ ابو مصعب مجہول ہے۔

استاذ مرحوم نے سیرت نبوی جلد اول واقعہ ہجرت میں صرف ابو مصعب کی روایت پر تنقید کی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ابو مصعب کے علاوہ اور دوسرے سلسلوں سے بھی یہ مردی ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے ایک اور طریقہ سے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔ مگر اس روایت کا ہر سلسلہ واقعی ہے۔ جس نے متعدد روایتوں کو یکجا کر کے ان کی ایک مشترک روایت تیار کی ہے۔ اس واقعہ کی بہترین روایت وہ ہے جو مندا ابن حبیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مردی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

فَمَرَوا بِالْغَارِ فَرَأُوا عَلَى بَابِهِ نَسْجَ الْعَنْكَبُوتِ فَقَالُوا لَوْدَخْلَ هَهْنَا لَمْ يَكُنْ

طبقات، جز اول، ص: ۱۵۴۔ دلائل النبوة، ص: ۲۷۰۔

دیکھو لسان المیزان ترجمہ ابی مصعب مکی، ج: ۶، ص: ۴۳۷ و عون بن عمر، ج: ۴، ص: ۳۸۸ اور میزان الاعتدال ترجمہ عون بن عمر، ج: ۲، ص: ۳۰۹ اور عوین بن عمر۔

نسج العنكبوت على بابه۔

”کفار آپ ﷺ کی تلاش میں غار کے منہ تک پہنچ گئے۔ دیکھا کہ منہ پر کٹوی کے جال ہیں، تو انہوں نے کہا کہ اگر محمد ﷺ اس کے اندر جاتے تو یہ جال نہ ہوتے۔“

لیکن ان الفاظ سے اس واقعہ کا غیر معمولی ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ البتہ اس روایت کی بنا پر اس کو تاسیلات میں جگہ دی جاسکتی ہے، تاہم یہ روایت بھی قوی نہیں، اس کے راوی مقسم ہیں۔ جوابنے کو مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اور ان سے عثمان الجریری نام ایک شخص روایت کرتا ہے۔ مقدم کی اگرچہ متعدد محدثین نے تو شیق کی ہے اور امام بخاری رضی اللہ عنہما نے صحیح میں ان سے جامست کی روایت نقل کی ہے۔ مگر وہ خود کتاب الفضعاء میں ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ ابن سعد نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے۔ ساجی نے لکھا ہے کہ ”لوگوں نے ان کی روایات میں کلام کیا ہے۔“ ابن حزم نے لکھا ہے کہ ”وہ قوی نہیں“^۱ اور عثمان الجریری جو عثمان بن عمرو سانج الجریری ہے اور کہیں عثمان بن سانج کے نام سے مشہور ہے۔ گواہن جبان نے اپنے مشہور تسانیل کی بنا پر اس کو ثقات میں داخل کیا ہے۔ مگر محدث ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے۔ جمیل میں پیش نہ کی جائے۔ علامہ ذہبی نے میزان^۲ میں اور حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہما نے لسان^۳ میں صرف ابو حاتم کا قول نقل کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نسبت محدثین کا آخری فیصلہ بھی ہے۔

^۴ روایتوں میں ہے کہ اسی سفر میں راہ میں ایک جگہ بکریوں کے ایک چڑواہے سے آپ ﷺ نے دودھ طلب کیا۔ اس نے مخدوت کی کہ کوئی دودھ والی بکری نہیں۔ لیکن آپ نے اس کی اجازت سے ایک دودھ والی بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا فوراً دودھ نکل آیا۔ چنانچہ سب نے دودھ پیا۔ چراہا یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔^۵

ایک روایت میں ہے کہ یہ چڑواہا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما تھے۔ لیکن عام مجرزات کے تحت میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا واقعہ زمانہ بھرت کا نہیں بلکہ وہ کسی اور زمانہ کا ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا واقعہ مند طیاسی^۶ اور مسند احمد^۷ میں خود حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی زبانی صحیح روایات کے ساتھ مذکور ہے۔ مسند ابو یعلیٰ، مسند رحک حاکم اور طبرانی میں بجائے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے صرف ”عبد“ یعنی ایک غلام کا ذکر ہے۔ جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ صحابہ میں سے اس کے راوی قیس بن نعمان رضی اللہ عنہما سکونی ہیں۔ یہ صرف ایک دفعہ ایک وفد کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور ان سے صرف یہی ایک روایت مردی ہے۔ بعضوں نے ان سے ایک اور روایت ہدیہ کی بھی نقل کی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ شریک واقعہ نہ تھے۔ انہوں نے یہ واقعہ کس سے سن؟ معلوم نہیں، اس لئے یہ

^۱ مسند احمد، ج ۱، ص: ۳۴۸۔ ^۲ تہذیب، ج ۱۰، ص: ۲۸۹۔ ^۳ ج ۲، ص: ۱۸۷۔

^۴ ج ۴، ص: ۱۴۹۔ ^۵ مسند رحک حاکم، ج ۳، ص: ۸، ۹؛ خصائص، ج ۱، ص: ۱۸۹۔

^۶ دلائل التبریۃ ابی نعیم، ص: ۲۲۷۔ ^۷ جزء ثانی، ص: ۴۷۔ ^۸ احمد، ج ۱، ص: ۳۷۹۔

روایت مرسل ہے۔ اس کے بعد ایک راوی عبید اللہ بن ایاد بن نقطی کی گواروں نے توثیق کی ہے۔ مگر بزرارنے لکھا ہے کہ وہ قوی نہیں، تاہم ذہبی نے تلخیش مسند رک ۲ میں اور حافظ ابن حجر نے اصحاب (ترجمہ قیس بن نعماں سکونی رضی اللہ عنہ) ۳ میں اس کو صحیح کہا ہے۔ مگر یہ کس قدرت تجوب کی بات ہے کہ خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو واقعہ بحیرت کی منصل روایت صحیحین میں ہے، اس میں ایک غلام کے بکری کے دودھ پلانے کا واقعہ مذکور ہے مگر اس مجزہ کا وہاں نام و نشان بھی نہیں۔

بحیرت کے موقع پر بے دودھ والی بکری کے تھنوں میں دودھ پیدا ہو جانے کا مشہور ترین مجزہ ام معبد کے خیمه کا ہے کہتے ہیں مکہ اور مدینہ کی راہ میں قبیلہ خزاعہ کے ایک خاندان کامیدان میں خیمه تھا۔ ام معبد اور ابو معبد دونوں میاں بیوی اس خیمہ میں رہتے تھے اور مسافروں کو آرام پہنچایا کرتے تھے۔ بکریوں کی پرورش پر ان کا گزارہ تھا۔ صبح کو ابو معبد تمام اچھی اور دودھ والی بکریاں لے کر چڑاگاہ کو نکل گیا تھا۔ صرف بے دودھ والی دلبی بکریاں خیر میں رہ گئی تھیں۔ اتنے میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا کھانے پینے کی کچھ چیزوں آپ نے بقیمت طلب کیں جو نہیں ملیں۔ خیمہ کے ایک گوش میں ایک بکری نظر آئی۔ آپ نے پوچھا کہ ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے کہا یہ لا غری سے بکریوں کے ساتھ نہ جائی۔ پھر فرمایا کہ اس کے کچھ دودھ ہے؟ جواب دیا یہ دودھ سے معدور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ امسال خشک سالی تھی اور لوگ قحط میں بنتا تھے۔ فرمایا کہ مجھے اس کے دو بیٹے کی اجازت ہے؟ عرض کی میرے ماں باپ قربان اگر اس کے دودھ ہو تو دودھ لیجئے۔ آپ نے دعا فرمائی اور پھر بسم اللہ کہہ کر تھن میں ہاتھ لگایا۔ فوراً اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا۔ دودھ سب نے پی لیا اور کچھ نجع گیا اور قافلہ نبوی ﷺ آگے روانہ ہوا کچھ دری کے بعد ابو معبد آیادیکھا کہ گھر میں دودھ رکھا ہے تجوب سے پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا؟ بکریاں تو سب میرے ساتھ تھیں۔ ام معبد نے سارا تصورہ بیان کیا۔ ابو معبد نے کہا کہ ذرا اس شخص کی صورت و شکل تو بیان کرو۔ ام معبد نے نہایت تفصیل سے آپ کے حسن و جمال اور شکل و شتمل کی تصویر کھینچی، جس کو سن کر ابو معبد نے کہا یہ تو خدا کی قسم قریش والا آدمی معلوم ہوتا ہے، جس کا کچھ حال میں سن چکا ہوں۔ میری آرزو ہے کہ مجھے اس کی صحبت میسر ہوتی اور جب انشاء اللہ موقع قلع گیا میں یہ کروں گا۔ اسی وقت مکہ میں کچھ اشعار غائب سے نئے گئے یہ اشعار بھی روایت میں ہیں۔ ان اشعار میں ام معبد کے اس واقعہ کا بیان ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جب ہاتھ کی یہ آواز سنی تو ان اشعار کے جواب میں یہ اشعار کہے (یہ جو ای اشعار بھی روایت میں مذکور ہیں)

یہ روایت بغوی، ابن شاہین، ابن سکن، ابن منده، طبرانی، یہیقی، ابو نعیم ۴ اور حاکم ۵ میں ام معبد کے

۱ مسند رک حاکم، ج ۳، ص ۸، ۹۔ ۲ ج ۳، ص ۲۶۱۔ ۳ دلائل النبوة، ص ۲۸۲؛ ابن سعد، ۲۸۴ تا ۲۸۷۔ ۴ مسند رک، ج ۳، ص ۱۸۸۔ ۵ مسند رک، ج ۱، ص ۹، ۱۰۔

بھائی حبیش بن خالد کی زبانی مذکور ہے اور حاکم نے نہ صرف یہ کہ اس کو صحیح کہا ہے، بلکہ اور دیگر طریقوں سے بھی اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر معلوم ہے کہ حاکم کے صحیح کہنے کی علاوہ میں کوئی قدرو قیمت نہیں۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے اس روایت پر تقدیم کرتے ہوئے تصریح کر دی ہے کہ ”ان میں سے کوئی طریقہ سند صحیح کے شرائط کے مطابق نہیں۔“ حافظ ذہبی نے مجملًا اسی قدر لکھا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت حاکم کے علاوہ اور کتابوں میں بھی اسی سلسلہ سے مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ حرام اپنے باپ ہشام سے اور ہشام اپنے باپ حبیش بن خالد خرازی سے ناقل ہیں۔ حرام مجہول ہیں۔ حبیش بن خالد سے صرف یہی ایک روایت تمام کتب حدیث میں مذکور ہے۔ حبیش اصل واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ معلوم نہیں انہوں نے کس سے سن۔ اس لئے یہ روایت اگر ثابت بھی ہو تو مرسل ہے۔ حاکم نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ ایک انہی حرام اور ہشام بن حبیش کے ذریعہ سے اور دوسرا جربن صباح سے اور وہ امام معبد کے شوہر ابو معبد سے راوی ہیں۔ پہلے طریقہ میں حاکم نے یہ کمال کیا ہے کہ حبیش کے بجائے خود ہشام بن حبیش بن خویلد (بجائے خالد) کو اصل راوی اور صحابی قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طریقہ سے روایت کا ارسال اور بڑھ گیا ہے۔ ہشام کا صحابی ہونا بھی مشکوک ہے۔ دوسرے طریقہ میں جربن صباح گوئثہ ہیں۔ مگر ابو معبد سے ان کی ساعت ثابت نہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب ۃ میں لکھا ہے کہ حرب ابو معبد سے مرسل روایتیں کرتے ہیں۔ یہ تو ان تمام روایتوں کے اوپر کے راویوں کا حال ہے۔ یونچے کے راویوں میں اکثر مجہول لوگ ہیں۔ حروالی روایت میں یونچے ایک شخص بشر بن محمد سکری ہے۔ جس کو ازادی نے منکر الحدیث اور ابن عذری نے واہی کہا ہے ۃ ابو غیم نے ولائل میں ایک اور صحابی سلیط ابو سلیمان ۃ انصاری بدری سے اس کی روایت کی ہے۔ سلیط سے ان کے بیٹے سلیمان اور ان سے ان کے بیٹے محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری روایت کرتے ہیں۔ لیکن ان سلیط کا نام صرف اسی روایت کے راوی کی حیثیت سے بعض مؤلفین سیر صحابہ نے کیا ہے۔ ورنہ ان کا کوئی حال ہم کو معلوم نہیں۔ سلیط انصاری بدری ۃ انصاری جو مشہور ہیں۔ وہ سلیط بن قیس انصاری خزری بدری ہیں۔ ان کے بیٹے کا نام عبد اللہ تھا جن سے گونل چل نہیں۔ لیکن ان سے روایت نہیں میں موجود ہے۔ مگر سلیط ابو سلیمان انصاری ۃ انصاری بدری سے کوئی روایت اس کے سوا موجود نہیں۔ اسی لئے اسماء و رجال صحابہ کے مؤلفین میں سے بعض نے ان کو اور سلیط بن قیس ۃ انصاری انصاری بدری کو ایک سمجھا ہے اگر ایسا ہے تو سلیمان ان کے بیٹے اور محمد ان کے پوتے کا نام نہ تھا اور اگر وہ ہیں تو اصحاب بدر کے نام سب گئے ہوئے ہیں۔ ان میں سلیط بن قیس ۃ انصاری خزری کے سوا کوئی دوسرا سلیط نام نہیں۔ پھر یہ مدینہ کے باشندہ تھے اور امام معبد قبیلہ خزاں کی تھی جو مکہ اور مدینہ کے بیچ میں آباد تھا، معلوم نہیں کہ سلیط انصاری نے کس سے سن؟ پھر ان کے بیٹے سلیمان اور پوتے محمد سے ہم کو کوئی واقفیت نہیں۔ حافظ ابن حجر ۃ انصاری جس ۲۲۱: ص ۲۲۱۔ ۃ لسان المیزان، ترجمہ شری بن محمد السکری، ج ۲، ص: ۳۲، سابقہ ایڈیشنوں میں ”بشر بن محمد کے بجائے محمد بن بشر“ چھپ گیا ہے، ناظرین لمحج کر لیں ”ض“۔

لسان المیز ان میں محمد بن سلیمان بن سلیط الانصاری کے تخت میں لکھتے ہیں:

قال العقیلی مجھوں بالنقل روی عن ابیه عن جده فذکر قصہ ام معبد.....

وهو واؤ وقال ليس هذا الطريق محفوظا في حديث ام معبد قال ابن

مندہ مجھوں۔ ﴿

علاوه از ایں ان روایتوں کے الفاظ ام معبد اور آنحضرت ﷺ کے باہم طرز تناطہ اور اشعار کی زبان اور ابو معبد کی نگلوں میں ایک خاص غربت ہے۔ جس کو ناقدین حدیث اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہاتھ غیب نے تو اشعار مکہ میں لوگوں کو سنائے اور حسان ؓ نے جو بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مدینہ میں بیٹھے بیٹھے ان کا جواب کہا۔ بھرت کے سال میں مکہ کے آس پاس قحط کا پڑنا اور خشک سماں ہونا بھی ثابت نہیں۔

مجھے بھرت کے موقع پر ان دودھ والی روایتوں کے تسلیم کرنے میں اس لئے بھی پس وپیش ہے کہ بھرت کے رفیق سفر حضرت ابو بکر ؓ سے واقعات بھرت کی جو روایت صحیح بخاری میں مذکور ہے، اس میں ایک جگہ ایک چڑاہے سے دودھ مانگ کر پینے کا ذکر موجود ہے۔ مگر اس مجھہ کا مطلق ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو بکر ؓ کی زبانی یہ قصہ ان الفاظ میں مذکور ہے۔ ”دفعۃ ایک چڑاہا نظر آیا۔ جو اپنی بکریوں کو ہائکے لئے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تم کس کے غلام ہو؟ اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا۔ جس کو میں جانتا تھا۔ پھر میں نے کہا تمہاری بکریوں کے دودھ ہے؟ اس نے کہا ”ہاں“ میں نے کہا ”اپنے ہاتھ اور بکری کے تھن جھاڑ کر پیالہ میں دودھ تو دو ہو“ اس نے دو ہاتوں میں آنحضرت ﷺ کیلئے ایک برتن میں رکھ کر اور تھوڑی اپنی ملا کر کہ دودھ شہد ا ہو جائے۔ آپ ﷺ کے پاس لا یا آپ نے نوش فرمایا۔“ ﴿

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی ایک اجتماعی زندگی شروع ہو گئی تھی اور خلوت و جلوت میں ہر موقع پر جان ثاروں کا جھوم رہتا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کے واقعات و سوانح کا ایک ایک حرф پہلے سے زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔ اس طاپ پر اس زمانہ کے دلائل و مجزات زیادہ محفوظ طریقہ سے احادیث میں مذکور ہیں اور اس عہد کے متعلق جوغلط اور مشتبہ روایات بعد کو بیدا ہوئی ہیں۔ محمد بن شیعہ نے موضوعات میں اعلانیہ ان کی پر پردہ دری کر دی ہے۔ ﴿ اس لئے فن موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ مثلاً:

① وہ تمام روایتیں جن میں آنحضرت ﷺ کے مجھہ سے حضرت آمنہ یا کسی اور مردہ کے زندہ ہونے کا

لسان المیزان، ج ۵، ص: ۱۹۰۔ ﴿ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي ﷺ واصحابہ الى المدينة: ۳۹۱۷۔ ﴿ علامہ رقانی نے شرح مواہب للدنیہ کی پانچویں جلد میں ان روایتوں کو من تقدیم کے لئے کر دیا ہے۔

- بیان ہے وہ سب جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں۔
- ② وہ مجرے جن میں گدھے، اوٹ، بکری، ہرن، گوہ، بھیڑیے، شیر وغیرہ جانوروں کے انسانوں کی طرح بولنے پاکمہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ برداشت صحیح ثابت نہیں ہیں۔ ❸
- ③ ایسی روایتیں جن میں آنحضرت ﷺ کے لئے آسمان سے خوان نعمت یا جنت سے میوں کے آنے کا ذکر ہے۔ موضوع ہیں یا ضعیف ہیں۔ ❹
- ④ وہ روایتیں جن میں حضرت خضرا الیاس علیہ السلام سے ملنے یا ان کے سلام و پیام بھیجنے کا بیان ہے صحت سے خالی ہیں۔
- ⑤ عوام میں مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سایہ نہ تھا۔ لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔
- ⑥ روایت ہے کہ آپ ﷺ قضاۓ حاجت سے واپس آتے تھے تو وہاں کوئی نجاست باقی نہیں رہتی تھی۔ یہ سرتاپا موضوع ہے۔
- ⑦ واعظوں میں مشہور ہے کہ ابو جہل کی فرماش سے اس کے ہاتھ کی کنکریاں آنحضرت ﷺ کے مجرہ سے کلمہ پڑھنے لگیں لیکن، یہ ثابت نہیں۔
- ⑧ وہ تمام حکایات جن سے ہماری زبان میں کتب وفات نامہ اور ہر فنی نامہ ترتیب پائی ہیں، تمام تر جھوٹی ہیں۔
- ⑨ ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمائے تھے۔ آفتاب ڈوب رہا تھا اور نماز عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا، لیکن حضرت علیؓ نے ادب آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ جب آفتاب ڈوب گیا تو دفعۂ آپ بیدار ہوئے اور دریافت فرمایا کہ تم نے نماز پڑھی؟ عرض کی نہیں۔ آپ نے دعا کی، فوراً آفتاب لوٹ کر نکل آیا، یہ روایت بھی صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔ ❽
- ❻ یعنی ضعیف روایتوں میں گویا آیا ہے، لیکن ان کو صحیح کا درجہ حاصل نہیں، ان روایتوں میں سے ایک بھیڑیے کے بولنے کا تقصہ زیادہ مشہور ہے، جو دلائل بیهقی، مسنند احمد، (ج ۲، ص: ۳۰۶) اور ترمذی میں بطریق متعددہ مذکور ہے جن میں سب تو قوی حضرت ابوسعید خدري رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے بشرط علم کہا ہے، (مسند رک، ج ۴، ص: ۴۶۷) لیکن امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کی سندرقوی نہیں (زرقانی علی المواحب، جلد ۵، ص: ۱۹۳)۔ ➋ اس تکمیل کی ایک روایت مسنند احمد، (ج ۴، ص: ۱۰۴)؛ دارمي: ۵۵؛ نسائی، حاکم، بزار، ابو یعلی اور طبری ای میں مسلم بن نفیل کوئی سے مروی ہے، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، لیکن ذہبی نے اس کے استدراک میں اس کی سندرقوی کہا ہے، لیکن غرائب صحاح میں قرار دیا ہے، (مسند رک حاکم، ج ۴، ص: ۴۴۷)، ۴۴۸ و خصائص کبریٰ سیوطی، (ج ۲، ص: ۵۶) حیدر آباد۔ ➋ گوھض علائے الی منثلاً: تاضی عیاض، ابو حفص طحاوی اور عام علائے روافض نے اس روایت کے ضعف کو درکرنے کی کوشش کی ہے، مگر عام انہر رجال کار جان اس روایت کے موضوع یا کم از کم ضعیف ہونے کی طرف ہے، ابین جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ حافظ مری اور امام ذہبی نے بھی اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے۔ (البداية والنهاية، ج ۶، ص: ۲۸۲)

۱۰ ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا چہرہ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اندر ہیرے میں آپ ﷺ جاتے تھے تو جالا ہو جاتا۔ چنانچہ ایک دفعہ رات کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے سوئی گرگئی۔ تلاش کی نہیں ملی۔ دفعہ آپ تشریف لے آئے، تو چہرہ مبارک کی روشنی میں سوئی چیک انھی اور مل گئی یہ بالکل جھوٹ ہے۔
 گوان میں سے بعض روایتوں کو اہل سیر اور مصنفوں نے فضائل نبوی ﷺ میں اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ مگر اس سے ان کی صحت ثابت نہیں ہوتی اور اگر ان میں کوئی روایت سنداصحح ثابت ہو جائے تو اس خاکسار تکمید اس کو اس کے قبول میں کوئی عذر نہیں۔ «وَقُوَّةٌ كُلُّ ذِي عِلْمٍ عَلَيْهِ» (۱۲) (یوسف: ۷۶) ان روایتوں کی تنقید سے غرض نعوذ باللہ فضائل نبوی ﷺ میں کلام نہیں ہے۔ بلکہ یہ اعتقاد ہے کہ حضور انور ﷺ کی ذات پاک کی طرف جوبات منسوب کی جائے وہ ہر طرح صحیح ہو۔ ۴

۴ اس کتاب کی تصویف کے برسوں بعد حافظ ابن کثیر کی کتاب البداۃ والنهاۃ مصر سے چھپ کر آئی ہے، جو سیرت پر بڑی مفصل کتاب ہے، اس کی چھٹی جلد میں حافظ موصوف نے مجررات نبویہ ﷺ کی ہر قسم کی روایتوں کو تمعن کر دیا ہے، اور ان پر کلام بھی کیا ہے، اور ان کے اسناد کی جرج و تعلیل بھی کی ہے، اہل تحقیق حضرات اس کی طرف توجہ فرمائیں۔

بشارات

﴿يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عَنْدَهُمْ فِي التُّورَاةِ وَالْإِنجِيلِ﴾ (۱۵۸/ الاعراف)

”جس پیغیر کو وہ اپنے پاس توراۃ اور انجلیل میں لکھا ہو پاتے ہیں۔“

یہود و نصاریٰ میں یہ خیال ہے کہ کسی پیغیر کا دعوائے نبوت اس وقت تک مسلم نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ پہلے پیغیروں نے اس کی آمد کی پیشین گوئی کی ہے اور جو اس کی نشانیاں تباہی ہیں، وہ مدعا نبوت میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو بھی وہ اسی معیار پر پرکھتے تھے اور بہت سے یہود و نصاریٰ جن کو اس معیار سے تنقیٰ کی دولت حاصل ہوئی، وہ علی الاعلان ایمان لائے اور جو اپنی کمزوری سے اپنے ایمان کا اعلان نہ کر سکے، انہوں نے اسلام کی صداقت کا اعتراض کیا۔ لیکن جن کے قلوب عناد و تعصب کے گرد و غبار سے تیرہ و تارتھے۔ وہ اس نظمات سے باہر نہ آ سکے اور آب حیات کا سرچشمہ ان کے ہاتھ نہ آ سکا۔

آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے جواب میں فرمایا ہے کہ ”میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔“ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے جب کعبہ کی تعمیر سے فراغت پائی تو مقدس باپ بیٹے نے مل کر دعا مانگی کہ ہماری اولاد میں ایک پیغیر اس سرز میں میں بیوٹ ہو۔

﴿وَإِذْ أَبْشَلَ إِبْرَاهِيمَ رَبَّهُ بِكَلِمَتٍ فَأَكْتَهَنَّطَ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًاٌ قَالَ وَمِنْ ذُرْتَنِيٌّ طَ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّلَمِيْنَ ۝ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمْنَاطَ وَأَتَخْذَدُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصْلَّٰٰ طَ وَعَهَدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهَرَا بَيْتَ لِلَّطَّافِيْنَ وَالْعَلِيْفِيْنَ وَالرَّاهِيْمَ السَّاجِدُوْمَ ۝ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمَ رَبِّيْتُ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا أَمْنًا وَأَرْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الْكَرِبَرَتِ مَنْ أَمَنَ مِنْهُمْ بِإِلَهِهِ وَإِلَيْهِ الْأُخْرَى طَ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأَمْتَعْهُ قَلِيلًا نَمَّرَ أَضْطَرَهُ إِلَى عَدَابِ النَّارِ طَ وَيُشَّسُ الْمُصِيرُ ۝ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلَ طَ رَبَّنَا تَقْبِلَ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ الشَّمِيمُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِيْنَ لَكَ وَمِنْ ذُرْتَنَا أَمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ ۝ وَإِنَّا مَنَّا سِنَّا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا فَنَهْمُ يَتَلَوُ عَلَيْهِمْ أَيْتَكَ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَبُ وَالْحِكْمَةُ وَلَذِكْرِهِمْ طَ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ (۲/ البقرة: ۱۲۴ تا ۱۲۹)

”اور یاد کرو جب ابراہیم کے پروردگار نے ابراہیم علیہ السلام کا چند باتوں میں امتحان لیا۔ پس

* مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۶۰۰؛ ابن سعد، جزاول، ص: ۹۶، ذکر علامات الدین و صفات ذیل میں صرف انہیں بشارات سے بحث ہے جن کے حوالے قرآن میں مذکور ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پورا کیا۔ خدا نے کہا کہ اے ابراہیم امیں تم کو لوگوں کا پیشوavnاؤں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا، اور میری اولاد میں سے، خدا نے کہا: میرا وعدہ گناہ گارند پائیں گے اور یاد کرو جب ہم نے خاتمہ کعبہ کو لوگوں کا مرچع اور مامن بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیم کے قیام گاہ کو نماز کی جگہ مقرر کرو اور ابراہیم علیہ السلام اسے اعمال علیہ السلام کو فرمایا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع و سجده کرنے والوں کے لئے پاک صاف کرو اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ میرے پروردگار اس (مکہ) کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، ان کو چھل روزی دے۔ خدا نے کہا، جوان میں سے خدا اور آخرت کا منکر ہوگا، اس کو بھی ہم دنیا کی چند روزہ زندگی میں ہمراہ مند کریں گے۔ پھر اس کو مجبور کر کے عذاب دوزخ میں لے جائیں گے اور بہت براٹھ کھانا ہے اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی بنیادیں رکھ رہے تھے تو انہوں نے دعا کی خداوند! ہماری یہ خدمت قبول کر تو ہی دعا کا سننے والا ہے نیتوں کا جانتے والا ہے۔ خداوند! ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل میں بھی ایک گروہ اپنے فرمانبرداروں کا پیدا کرو ہم کو ہماری عبادت کے طریقے سکھا، ہم سے درگز رکر، تو ہی بڑا اور گزر کرنے والا اور مہربان ہے۔ خداوند! انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر جو ان کو تیری آئیں پڑھ کر سنائے اور کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے تو غالب اور حکمت والا ہے۔“

ان آیات میں بتصریح یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام نے مل کر خدا کے حضور میں دعا کی کہ اس شہر میں ہماری نسل سے ایک پیغمبر مبعوث فرماء، چونکہ مقام بعثت مکہ مقرر کیا گیا اور دعا میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بھی شرکت تھی۔ اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دعا کا مقصد یہ تھا کہ یہ پیغمبر نسل اسماعیل علیہ السلام سے ہوگا اور مکہ میں اس کی بعثت ہوگی۔

موجودہ تورات کی کتاب پیدائش باب ۱۶ کے آخر اور بابے اکے اول میں بھی کچھ اس کے اشارات پائے جاتے ہیں:

اور ہاجرہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے بیٹا جنی، اور ابراہیم نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی، اسماعیل (خدانے دعائی) رکھا (پیدائش ۱۶-۱۵)

”جب ابراہیم علیہ السلام نانوے برس کا ہوا۔ تب خداوند ابراہم کو نظر آیا اور اس نے کہا کہ میں خدا نے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو اور میں اپنے اور تیرے درمیان عہد کرتا ہوں کہ میں تجھے نہایت بڑھاؤں گا۔ تب ابراہم منہ کے بل گرا اور خدا اس سے ہم کلام ہو۔“

کر بولا کہ دیکھ میں جو ہوں، ہوں تیرا عہد ہے، میرے ساتھ ہے اور تو بہت قوموں کا باپ ہوگا کہ ابراہیم نے کہلا�ا جائے گا بلکہ تیرا نام ابراہیم ہوگا۔ کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرایا اور میں تجھے بہت پھل دوں گا اور تو میں تجھے سے پیدا ہوں گی اور بادشاہ تجھے سے نکلیں گے اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ان کے پشت در پشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہے کرتا ہوں کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنگان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے، دینا ہوں کہ ہمیشہ کے لئے ملک ہوا اور میں ان کا خدا ہوں گا۔ (پیدائش ۷، ۱۸۲)

خدا کا حضرت ابراہیم ﷺ سے یہ عہد حضرت اسماعیل ﷺ کی پیدائش کے بعد ہی اور حضرت اسحاق ﷺ کی ولادت سے پہلے ہوتا ہے، جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ بشارت اسماعیل ﷺ کے لئے ہے۔ اسحاق کے لئے نہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق ﷺ کی بشارت دی۔ حضرت ابراہیم ﷺ کو وہم ہوا کہ اس نبی بشارت سے یہ مراد تو نہیں ہے کہ اسماعیل زندہ نہ رہیں گے اور وہ عہد اسحاق ﷺ کے ساتھ پورا ہوگا فوراً بارگاہ الہی میں عرض کی، کاش کے اسماعیل تیرے حضور جیتا رہے۔ (پیدائش ۷، ۱۸۳)

خدا نے جواب دیا:

”اور اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے بار آور کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔“ (پیدائش ۷، ۲۰)

حضرت ہاجرہ جب حاملہ ہونے کے بعد حضرت سارہ سے خفا ہو کر یہ سبع چلی گئیں تو فرشتہ نے آواز دی: ”میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے نگذار جائیگی اور خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو پیٹا جنے گی اس کا نام اسماعیل رکھنا کہ خدا نے تیرا دکھن لیا۔“ (پیدائش ۱۰-۱۶)

حضرت ابراہیم ﷺ نے جب حضرت ہاجرہ ﷺ اور اسماعیل ﷺ کو فاران (ملک) کے بیان میں رخصت کیا اور مشکیزہ کا پانی چک گیا اور حضرت ہاجرہ ﷺ نے گریہ زاری شروع کی۔

”تب خدا نے اس لڑکے (اسماعیل ﷺ) کی آواز سنی اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ ﷺ کو پکارا اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوامت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے۔ خدا نے سنی، اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنجال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنوں (یہ زم زم) دیکھا خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیان (عرب) میں رہا..... اور وہ

* عرب (عرب کے لفظی معنی بیان کے ہیں)

فاران کے بیان میں رہا۔²¹ (پیدائش، ۲۷ ائمہ)

موجودہ تورۃ میں حضرت آسمعلیٰ کی پیدائش اور ان کی نسل کی برمندی، کثرت اور برکت اور ان کی نسل کے بارہ سرداروں کے پیدا ہونے کی بشارتیں مذکور ہیں اور ان سے قرآن مجید کے بیان کردہ دعائے ابراہیم اور عہد الہی کی تائید ہوتی ہے۔ الغرض اسی لئے روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ میں تمہیں بتاؤں کیا ہوں؟ ((ا نَا دَعْوَةً أَبِي ابْرَاهِيمَ)) "میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔"²²

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی نسل میں جس رسول کے پیدا ہونے کی دعائماگی تھی۔ اس کے اوصاف یہ گناہ تھے:

﴿رَبَّنَا وَأَبَعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتَوَاعَدُهُمْ أَبْيَكَ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُنَزِّلُهُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾

(۱۲۹/ البقرہ)

"اے ہمارے خداوند! ان میں (یعنی اس معلیٰ کی اولاد میں) ایک پیغمبر کو مبعوث کرنا جوان کو تیرے احکام پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک و صاف کر دے۔"

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر آنحضرت ﷺ کے بھی اوصاف ظاہر کئے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتَوَاعَدُهُمْ أَبْيَكَ وَيُنَزِّلُهُمْ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

(۶۲/ الجمعة)

"اسی خدا نے ان پڑھوں میں انہی کی قوم سے ایک پیغمبر مبعوث کیا۔ جوان کو خدا کے احکام پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْوَمَنِينَ أَذْبَعَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتَوَاعَدُهُمْ أَبْيَكَ وَيُنَزِّلُهُمْ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

(۳/آل عمران)

"خدا نے مومنوں پر یقیناً یہ احسان کیا کہ ان میں ایک پیغمبر خود انہی کی قوم سے مبعوث کیا، جو ان کو خدا کے احکام سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

اس سے یہ اشارہ صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا وجود مبارک دعائے ابراہیم کی قبولیت کا مظہر ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی جو بشارت دی ہے، وہ اس سے بھی زیادہ صاف ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِيَأْتِيَ إِلَيْنَا رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِنَا مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْنَا مِنَ التَّوْرِيقَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِنَا أَسْمَهُ أَحْمَدُ﴾

(۶۱/ الصاف)

• قرآن مجید نے اس کو وابغیر ذی رزع بن الحبیب کے میدان سے تعمیر کیا ہے۔

• طبقات ابن سعد جزء اول، ص: ۹۶ و مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۶۰۰

”اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس خدا کا قاصد ہن کراور مجھ سے پہلے جو توراۃ آئی میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنے بعد احمد نام ایک پیغمبر کی خوشخبری لے کر آیا ہوں۔“

انجیل یوحناباپ ۱۲ میں ایک آنے والے کی بشارت ان الفاظ میں ہے:

”اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا ”فارقلیط“ بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔“ (۱۲-۱۳)

آگے بڑھ کر پھر ہے:

”لیکن وہ ”فارقلیط“ جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب بتیں جو کچھ کہ میں نے کہی ہیں تمہیں یاد دلائے گا۔“ (۲۶-۱۲)

اسی انجیل کے باب ۱۵-۱۶ میں ہے:

”پرجب وہ ”فارقلیط“ جسے میں تمہارے لئے باپ کی طرف سے سمجھوں گا یعنی سچائی کی روح جو باپ سے نکلتی ہے، تو وہ میرے لئے گواہی دے گا۔“

اسی انجیل کے باب ۱۶-۱۷ میں ہے:

”لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو ”فارقلیط“ تمہارے پاس نہ آئے گا، پر اگر میں جاؤں تو میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آن کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے قصور و اٹھبرائے گا گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے، راست بازی کے بارے میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہیں دیکھو گے، ہدایت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سر دار جرم اٹھرایا گیا ہے، میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں، پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی بات بتائے گی، اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ وہ سنے گی سو کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گی، وہ میری بزرگی کرے گی اس لئے کہ وہ میری چیزوں سے پائے گی اور تمہیں دکھائے گی۔“

انجیل کی ان آیتوں میں حضرت عیسیٰ غلیظ اللہ نے جس آنے والے پیغمبر کی بشارت بار بار دی ہے، اس کو لفظ ”فارقلیط“ سے تعبیر کیا ہے، یہ لفظ عبرانی یا سریانی ہے، جس کے لفظی معنی نبیک محمد ﷺ اور احمد ﷺ کے ہیں، یونانی کے قدیم ترجمہ ”پریکلیو طاس“ کیا گیا تھا، جو یعنی فارقلیط اور احمد کا، ہم معنی ہے، مگر یہ دیکھ کر کہ اس سے اسلام کی تصدیق ہوتی ہے ذرا سے تغیر سے ”پریکلیو طاس“ کی بجائے ”پریکلیطاس“ کر دیا

گیا، جس کا ترجمہ اب عام طور سے ”تسلی و ہندہ“ کیا جاتا ہے، عیسائی اور مسلمان علماء کے درمیان اس لفظ کی تحقیق پر سینکڑوں برس سے مناظرہ قائم ہے اور مسلمان علماء نے خود قدیم عیسائی علم کی تحریروں سے یہ ثابت کیا ہے کہ صحیح لفظ ”پریکلیو طاس“ ہے سب سے زیادہ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ فقرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے لکھے تھے، ان کی زبان سریانی آمیز عبرانی تھی یونانی نہ تھی، اس لئے جو لفظ ان کی زبان سے لکھا ہوگا، وہ عبرانی یا سریانی ہوگا۔ اس لئے یہ بالکل صاف ہے کہ انہوں نے فارقیط کا لفظ کہا ہوگا، جو احمد یا محمد کا متراوف ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں قرآن کا دعویٰ ہے۔

گزشتہ صفات میں یہ کہیں ثابت کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ توراۃ و انجیل کی انسانی تعلیم سے قطعاً نا آشنا تھے، با ایں ہم یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس آنے والے پیغمبر کی جو صفتیں گواہی ہیں، وہ حرف حرف آنحضرت ﷺ پر صادق آتی ہیں:

”لیکن وہ فارقیط (احمد) جو روح القدس (پاکیزگی کی روح) ہے جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیج گا وہی تمہیں سب چیزیں سمجھائے گا اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں تمہیں کیا دلائے گا۔“ (یوحننا ۱۳-۲۶)

”وہ فارقیط (احمد) جو باپ (خدا) سے نکلتی ہے آئے تو وہ میرے لئے گواہی دے گا۔“
(یوحننا ۱۵-۲۶)

”اور وہ فارقیط آن کر دنیا کو گناہ سے راستی اور عدالت سے قصور و ارٹھبرائے گا، گناہ سے اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے..... میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ تم سے کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی، تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی، اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی، لیکن جو کچھ سنے گی سو کہے گی میری بزرگی کرے گی۔“ (یوحننا ۸-۱۶)

انجیل کے ان فقروں میں آنے والے پیغمبر کی یہ صفات گناہی گئی ہیں:

① مسیح کی اصلی تعلیم لوگ بھول جائیں گے اس لئے وہ پیغمبر آ کر اس کو یاد دلائے گا۔

② وہ مسیح کی ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا اور وہ ساری سچائی کی باتیں بتائے گا اور سب باتوں کی خبر دے گا۔

③ مسیح کی عظمت کو دنیا میں قائم کرے گا اور ان کی گواہی دے گا اور ان پر ایمان نہ لانے پر دنیا کو گناہ گار نہیں برائے گا۔

④ اس کی باتیں خود اس کی نہ ہوں گی، بلکہ جو کچھ خدا کی طرف سے اس کو سنایا جائے گا وہی کہے گا۔

* خطبات احمدیہ، خطبہ بشارات محمدی، مخطوط اوزگاڈ فرنی پیغمبر صاحب، ص: ۲۳۹، ۲۴۰۔

اس صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی اصلی تعلیم عیسائی بھلا چکے تھے، تو حید کی جگہ تسلیث تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات صادقة میں اہمیت، الوجہیت مسیح علیہ السلام، مجسمہ پرستی اور میسیوں عقائد فاسدہ کا اضافہ کر دیا گیا تھا، وہ محمد رسول اللہ علیہ السلام ہی کی ذات مبارک ہے، جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھلانی ہوئی باتوں کو پھر یاد دلایا اور بتایا کہ ان کی اصلی تعلیم کیا تھی؟ قرآن مجید نے پورے واشگاف طریق سے نصاریٰ کے عقائد فاسدہ اور غلط تعلیمات کی تشریع کی اور دنیا میں تسلیث کے بجائے تو حید کا علم نصب کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کی الوجہیت کی تردید کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اہمیت اور ان کی حیات و موت کے مسئلہ کو صاف کیا۔

اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا کہ وہ میری ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا، یہ خصوصیت بھی خاتم النبیین علیہ السلام کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آ سکتی، مسیح کے اس فقرہ سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک یہ کہ مسیح تک دینِ الہی ناتمام ہے اور دوسری یہ کہ آئینہ آنے والے پیغمبر کے ہاتھ سے اس کی تکمیل ہو گئی اور وہ سچائی کی تمام را ہیں دکھائے گا اور ساری باتوں کی خبر دے گا یہ پیشین گوئی آنحضرت علیہ السلام کی ذات سے پوری ہوئی آپ کی ذات سے دینِ الہی تکمیل کو پہنچا اور آپ نے عقائد، عبادات، اخلاق، احکام، آثار قیامت، جنت، دوزخ، نمز، جزا وغیرہ تمام باتوں کو اس تفصیل تشریع اور تکمیل کے ساتھ بتایا، جس کی مثال دنیا کے کسی پیغمبر کی تعلیم میں نہیں ملتی، اسی لئے آپ کو خاتم النبیین کا لقب دیا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس پیغمبر کی تیسری نشانی یہ بتائی کہ وہ دنیا میں میری عظمت کو قائم کرے گا اور میرے لئے گواہی دے گا۔ یہ نشانی بھی آنحضرت علیہ السلام کی ذات اقدس کے سوا کسی اور پر صادق نہیں ہو سکی۔ وہ آنحضرت علیہ السلام ہی ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصلی شخصیت اور عظمت کو دنیا میں آشنا کر کیا اور دوستوں اور شمنوں کی طرف سے ان پر جوغلط اتهامات قائم کئے گئے تھے، ان کی پرده دری کی اور ان کی نبوت و رسالت کی گواہی دی اور ان کی صداقت کو تسلیم کرنا اسلام کا ضروری رکن قرار دیا۔ ان کے حقیقی اوصاف و م Hammond کی تصویر کو جسے یہود نے دشمنی سے اور نصاریٰ نے محبت سے دھنڈ لی کر دیا تھا، اپنی روشنی سے ابجاگر کر دیا۔ یہودیوں نے ان پر اور ان کی ماں حضرت مریم علیہ السلام پر جو بہتان باندھ ہے تھے۔ ان کی علی رؤس الاشہاد تردید کر دی اور نصاریٰ نے ان کی ولادت، وفات، اہمیت، الوجہیت اور تعلیمات پر روی مشرکانہ اعمال و عقائد کا جو پرده ڈال رکھا تھا، اس کو چاک کر دیا اور قرآن کی میسیوں آیتوں میں نہایت صفائی کے ساتھ ان امور کی تشریع کی گئی اور اب کروڑوں دلوں میں ان کی اصلی عظمت اور حقیقی بزرگی کا نقش کندہ ہے۔

چوتھی نشانی حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ بتائی کہ وہ خود اپنی طرف سے نہیں کہے گا بلکہ وہی کہے گا جو اس کو اور پر نایا جائے گا۔ یہ آنحضرت علیہ السلام کا خاص وصف ہے، قرآن نے کہا:

﴿وَمَا يَنْهَا عَنِ الْهُوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (۵۳ / النجم: ۴، ۳)

”اور وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ جو کچھ بولتا ہے وہی بولتا ہے جو اس پر وہی کی جاتی ہے۔“

حضرت عبد اللہ بن عمر و بن العاص رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کو کچھ ارشاد فرمایا کرتے تھے اس کو لکھ لیا کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ کبھی غصہ میں کچھ کہدیتے ہیں، ان کو نہ لکھا کرو۔ حضرت عبد اللہ بن عمر و بن عاصی رضی اللہ عنہما نے جا کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”اس سے رضا مندی اور نارضا مندی دونوں حالتوں میں حق اور سچائی کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔“ قرآن مجید نے اپنی نسبت بارہا کہا کہ وہ سچائی کی روح ہے، وہ حق ہے، وہ تذکرہ ہے، وہ بدایت ہے، اور اس کا پیغمبر چراغ بدایت ہے، راہنمائے عالم ہے، مذکر (یاد دلانے والا) ہے، اس تفصیل کے بعد کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ حضرت مسیح کی پیشین گوئی آنحضرت ﷺ کے ظہور سے حرفاً بحرفاً پوری نہیں ہوئی اور آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی اور سنتی نہیں، جس پر یہ اوصاف صادق آسکیں۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کی پیشین گوئی توراۃ اور انجیل دونوں میں مذکور ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں اس پیشین گوئی کو جانتے ہیں:

﴿الَّذِينَ يَتَّقَعُونَ الرَّسُولُ النَّبِيُّ الْأَعْيُنُ الَّذِي يَجَدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدُهُمْ فِي التَّوْرِیثِ وَالْإِنجِيلِ﴾ (۱۵۷ / الاعراف: ۷)

”جو لوگ اس ان پڑھ پیغام رسال قاصد کی پیرودی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔“

انجیل میں گزشتہ بشارت فارقیط کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی دو اور بھی پیشینگویاں مذکور ہیں۔ انجیل تو قامیں ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے آسمان پر چلے جانے سے تھوڑی دری پہلے فرمایا: ”دیکھو میں اپنے باپ خدا کے اس موعد کو تم پر بھیجا ہوں لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت عطا نہ کی جائے۔ یہ ششم میں شہرو،“ (لوقا: ۳۶-۳۹)

اس کی چند سطروں کے بعد تو قاکی انجیل ختم ہو گئی ہے اور اس موعد کے ظہور کا کوئی ذکر نہیں وہ رسول موعود کون تھا؟ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔ انجیل کے اس فقرہ میں یہ الفاظ غور کے قابل ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کہتے ہیں کہ اس قوت آسمانی کے ظاہر ہونے کے وقت تک شہر و ششم میں شہرو، اس سے مقصود اس قوت آسمانی کے ظہور تک شہر و ششم میں محض اقامت نہیں ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس رسول موعود کے ظہور تک تمہارا کعبہ اور قبلہ بیت المقدس رہے گا، لیکن جب وہ

آئے گا تو رخ شہر مکہ کی طرف بدل جائے گا۔ اسی لئے قرآن مجید نے تحیل قبلہ کے موقع پر یہ کہا ہے:

﴿فَوَلَّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوْلُوا وَجْهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ لَيَعْمَلُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ (٢/ البقرہ: ١٤٤)

”تو تو اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف پھیرا در تم جہاں بھی ہو اسی کی طرف اپنے منہ پھیرو اور جو اہل کتاب ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے، ان کے پروردگار کی جانب سے۔“

اس تفصیل سے ظاہر ہو گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کی آمد کی بشارت کس قدر کھلے کھلے لفظوں میں دی تھی، اسی لئے احادیث میں ہے کہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ”میں اپنے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں۔“ * انجیل کی دوسری بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے موقع پر مذکور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب ظاہر ہوتے ہیں، تو لوگ ان سے پوچھتے ہیں کہ تین آنے والے پیغمبروں میں سے تم کون ہو؟

”یہودیوں نے یو شلم سے کہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے؟ اور اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ تب انہوں نے اس سے پوچھا، تو اور کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا، میں نہیں ہوں پس آیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں..... اور انہوں نے اس سے سوال کیا اور کہا، اگر تو نہ مسیح ہے نہ الیاس اور نہ وہ نبی تو کیوں پتھمہ دیتا ہے۔“ (یوحنہ: ۱۹)

اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تورات کی پیشین گوئی کے مطابق یہود کو تین پیغمبروں کا انتفار تھا۔ جن میں سے دو کے نام الیاس اور مسیح علیہ السلام تھے، لیکن تیرے کا نام صرف وہ نبی لیا گیا ہے۔ یہ تیرا نبی محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کون ہے؟ کہ یہود و نصاریٰ دنوں یقین رکھتے ہیں کہ اب مسیح علیہ السلام کے سوا کوئی اور آنے والا نہیں۔ صرف آنحضرت ﷺ ہی کی ذات ہے جو نبی اور پیغمبر کے مطلق نام سے دنیا میں مشہور ہے۔ مسلمان آپ کو آنحضرت ﷺ، وہ حضرت یعنی پیغمبر کہتے ہیں اور مسیحیوں میں آپ کا نام ”دی پرافٹ“، وہ پیغمبر مشہور ہو گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین میں جن لوگوں کو تورات سے واقفیت تھی، یا علمائے یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے، ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آنحضرت ﷺ کی بشارت گزشتہ صحف انبیاء علیہم السلام میں مذکور ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم گواہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کم سن تھے۔ مگر وہ مطالعہ کتب کے شائق تھا اور وہ تورات پڑھا کرتے تھے، سورہ فتح میں آنحضرت ﷺ کی شان میں ہے:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْزِيزُهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَكَسِّبُوهُ بَكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ (٤٨ / الفتح: ٩، ٨)

”ہم نے تھوڑا کو گواہ، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، تاکہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لا۔ اور اس کی مدد کرو اور اس کی عظمت کرو اور صبح و شام اس کی تحقیق کرو۔“
سورہ احزاب میں کچھ اوصاف اور زیارت مذکور ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۚ وَدَعْيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَبِرَأْيِهِ مُهَنْدِرًا ۝﴾ (٤٦، ٤٥) (الاحزاب: ٤٣)

”اے پیغمبر ﷺ! ہم نے تھوڑا کو گواہ، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور وہ چراغ بنانا کر بھیجا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے جواب اوصاف گنائے گئے ہیں وہ بعینہ تورات میں ہیں۔

عن عبد الله بن عمر و ان هذه الآية التي في القرآن ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝﴾ قال في التوراة: يا ايها النبي انا ارسلنك شاهدا ومبشرا * وحرز اللاميين است عبدى ورسولى سميتك الم وكل ليس بفظ ولا غليظ ولا سخاب بالأسواق ولا يدفع السيدة بالسيئة ولكن يعفو ويصفح ولن يقبضه الله حتى يقيم به الملة العوجاء بان يقولوا لا الله الا الله فيفتح بها اعينا عميا واذانا صما وقلوبها غلبا - *

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہا نے کہا کہ قرآن کی یہ آیت کا اے پیغمبر ﷺ! میں نے تھوڑا کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ تورات میں یونہی ہے کہ اے نبی! میں نے تھوڑا کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور اسیوں کا ماوی و بیاننا کر بھیجا، تو میرا بندہ ہے اور میر ارسوں ہے اور میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ رکھنے والا رکھا، وہ سخت اور سنگ دل نہ ہو گا اور بازاروں میں وہ شورنہ کرے گا، وہ برائی کے بدله برائی نہ کرے گا، بلکہ غوا اور درگز کرے گا اور اس وقت تک خدا اس کی روح قبض نہ کرے گا، جب تک اس کے ذریعہ سے وہ سچے دین کو سیدھا نہ کر لے گا کہ لوگ کہنے لگیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ پس وہ اس دین سے اندر گئی آنکھوں، بہرے کانوں اور نافہم دلوں کو کھول دے گا۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمان میں اکب شہر یہودی عالم تھے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ تفسیر طبری میں ہے کہ حضرت عطاء تابعی نے ان سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی بشارت تورات تورات میں مذکور ہے؟ انہوں نے کہا،

* بخاری میں ”ونذیرا“ کے الفاظ بھی ہیں۔

* صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا.....﴾ (٤٨٣٨)

ہاں، ہے اور اس کے بعد انہوں نے تورات کی اسی عبارت کا ترجمہ پڑھا۔ چنانچہ اس وقت تورات کے جو نئے موجود ہیں، ان میں اشیاء بُنی کی کتاب میں کسی قدر الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ پیشیں گوئی اب تک موجود ہے اور جس پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت کعب نے اپنی پیشیں گوئی کو اختصار اور اجمال کے ساتھ اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے۔ اشیاء بُنی کی پیشیں گوئی یہ ہے:

”دیکھو میرابندہ جسے میں سنجاالتا، میرا برگزیدہ جس سے میراجی راضی ہے، میں نے اپنی روح اس پر کھلی، وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا، وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدانا بلند کرے گا اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا، وہ مسلے ہوئے سینٹھے کونہ توڑے گا اور دمکتی ہوئی حق کو نہ بجھائے گا، وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ داعم رہے، اس وقت تک اس کا زوال نہ ہو گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ نکلیں۔ خداوند خدا جو آسمانوں کو خلق کرتا اور انہیں تاتا جوز میں کو اور انہیں جواس میں سے نکلتے ہیں، پھیلاتا اور ان لوگوں کو جواس پر ہیں۔ سانس دیتا اور ان کو جواس پر چلتے ہیں، روح بخشتا ہے۔ یوں فرماتا ہے میں خداوند نے چھے صداقت کے لئے بلایا، میں ہی تیرا ہاتھ کپڑوں گا اور میں تجھ کو لوگوں کے لئے عہد اور قوموں کے لئے نور بناؤں گا ॥ کہ تو انہوں کی آنکھیں کھولے اور بند ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جواندھیرے میں بیٹھے ہیں، قید خانہ سے چھڑائے۔ یہودا میں ہوں، یہ میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے کونہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی ہے، کھودی ہوئی مورتوں کے لئے ہونے نہ دوں گا۔ دیکھو تو سابق پیشیں گوئیاں برآئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں، اس سے پیشتر کہ واقع ہوں۔ میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ خداوند کے لئے ایک نیا گیت گاؤ۔ اے تم جو سمندر پر گزرتے ہو اور تم جواس میں بنتے ہو، اے بحری ممالک اور ان کے باشد و تم زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو۔ بیباں اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلیع کے بننے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے لکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے اور بحری ممالک میں اس کی شناخوانی کریں گے۔ خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا۔ وہ جنگی مرد کے مانند اپنی عزت کو اکسائے گا۔ وہ چلائے گا، ہاں وہ جنگ کے لئے ہلاکے گا وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہو گا۔ میں بہت مدت سے چپ رہا، میں خاموش ہورہا اور آپ کو روکتا گیا، پر اب میں اس عورت کی طرح چھے دروزہ ہو چلاوں گا اور ہانپوں گا اور زور زور سے مختنڈی سانس بھی لوں گا۔ میں

۱۱۱ اس فقرہ کا اردو ترجمہ میرے پیش نظر اردو نسخہ میں تحریک نہ تھا، میں نے آکسفورد یونیورسٹی پریس کے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۹۰ء سے درست کیا ہے۔

پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا اور ان کے سبزہ زاروں کو خنک کروں گا اور ان کی ندیاں، بندے کے لائق زمین بناؤں گا اور تالابوں کو سکھادوں گا اور انہوں کو اس راہ سے کہ جئے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا، میں انہیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔ میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اوپری تیجی جگہوں کو میدان کر دوں گا۔ میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور انہیں ترک نہ کروں گا، وہ چیچھے بیٹیں اور نہایت پشمیان ہوں، جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ذہان لے ہوئے ہتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے اللہ ہو، سنواے بہرہ، اور تاکو اے اندھو! تاکہ تم دیکھو اندھا کون ہے گریمیرابندہ؟ اور کون ایسا بہرا ہے، جسے میر ارسول جیسے میں سمجھوں گا اندھا کون ہے؟ جیسا کہ وہ جو کامل ہے اور خداوند کے خادم کی مانند اندھا کون ہے؟ تو نے بہت چیزیں دیکھی ہیں پران پر لحاظ نہیں رکھا اور کان تو کھلے ہیں، پر کچھ نہیں ستاخداوند اپنی صداقت کے سبب راضی ہوا اور وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشد گا۔” (باب ۳۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر و اور حضرت کعب رض کی پیش کردہ بشارت میں جو لفاظ ہیں، وہ حرف حرف اس میں موجود ہیں۔ پہلا لفظ اس بشارت میں ”شاهد“ ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے وہ قوموں کے درمیان گواہ اور شاہد ہو گا۔ اشیاء میں ہے: ”وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا اور اس عدالت کا وہ گواہ ہو گا۔“ اس کے بعد مبشر کی صفت ہے۔ یعنی وہ نیکو کاروں کو خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سنائے گا۔ اشیاء کے اس پورے باب میں اس آنے والے پیغامبر کے بھی اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ بعد ازاں ”حرز الاممین“ ایوں کا ماوی اور پناہ ہے۔ اُنی وہ ہیں جن کو اب تک کوئی شریعت نہیں ملی تھی۔ چنانچہ اشیاء میں ہے: کہ اس رسول کے ذریعہ سے انہوں کو اس راہ سے کہ جئے وہ نہیں جانتے، لے جاؤں گا، میں انہیں ان ہتوں (شریعت) پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔ ”انت عبدی و رسولی“ یعنی تو میرابندہ اور میر ارسول ہے۔ اشیاء کے شروع میں ہے: ”دیکھو میرابندہ“ اور آخر میں ہے: ”میرابندہ میر ارسول جسے میں سمجھوں گا۔“ ”سمیتک بالمتوكل“ میں نے تیر انام خدا پر بھروسہ کرنے والا رکھا۔ اشیاء میں ہے: ”میرابندہ جس کو میں سنبھالتا ہوں..... میں ہی تیرا ہاتھ کپڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔“ ”لیس بفظ ولا غلیظ ولا یدفع السیئة بالسیئة ولکن یعفو و یصفح۔“ وہ سنگ دل اور سخت نہ ہو گا، یعنی کمزوروں اور ضیغوفوں کو نہ ستائے گا اور برائی کا بلہ برائی نہ دے گا بلکہ معاف کرے گا۔ اشیاء تمثیل واستعارہ میں کہتے ہیں: ”وہ مسئلے ہوئے سینٹھے کونہ توڑے گا اور دھیکی متنی کو نہ بھائے گا، وہ عدالت کو جاری کرائے گا۔“ ”ولا سخاب بالسوق۔“ وہ بازاروں میں نہ چلائے گا، یعنی وہ متین اور سنجیدہ ہو گا اشیاء نے کہا، وہ نہ چلائے گا، اپنی صدابندنہ کرے گا، اپنی آواز بازاروں میں نہ

شانے گا” ورنہ یقپضہ اللہ حتیٰ یقیم بہ الملة العوجاء۔“ خدا اس وقت تک اس کی روح قبض نہ کرے گا، جب تک اس کے ذریعہ سے وہ کج دین کو سیدھا نہ کر لے گا۔ اشیاء میں ہے، اس وقت تک اس کا زوال نہ ہو گا اور نہ مسلما جائے گا، جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا۔ ”فَيَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ تو لوگ کہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اشیاء کہتے ہیں، میں خدا (یہودا) اپنی شوکت دوسرا معبود ان باطل کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی ہے۔ کھودی ہوئی مورتوں کے لئے ہونے نہ دوں گا..... وہ پیچھے نہیں اور نہایت پیشمان ہوں، جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ذہالے ہوئے ہتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے اللہ ہو ”فَيَفْتَحُ بِهِ أَعْيُنَا عَمِيَّا وَأَذَانًا صَمَّا وَقُلُوبًا غَلْفًا“ وہ اس کے ذریعہ سے انہیں آنکھوں بھرے کانوں اور زیر پر دہلوں کو کھول دے گا۔ اشیاء کہتے ہیں: لوگوں کے عہد اور قوموں کی روشنی کے لئے تجھے نہ دوں گا کہ تو انہوں کی آنکھیں کھولے جو بند ہیں۔ ان کو قید سے نکالے اور ان کو جواندھیرے میں ہیں قید سے نکالے سنو اے بھرو! تاکو اے اندھو!

حضرت اشیاء کی یہ بشارت حرف بحر آنحضرت ﷺ پر صادق آتی ہے۔ حضرت اشیاء نے ان نقوشوں میں جس نبی کی پیشین گوئی کی ہے، وہ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں کہ نہ تو وہ عیسایوں میں خدا کے بندہ اور رسول کی حیثیت سے تسلیم ہوتے ہیں اور نہ وہ ایک جنگی مردی طرح دنیا میں آئے، نہ انہوں نے توحید کو دنیا میں قائم کیا اور نہ بت پرتی کا استیصال کیا، علاوہ ازیں اس پیشین گوئی میں اس کی طرف بھی خاص اشارہ ہے کہ وہ آنے والا نبی قیدار بن اسملیل کی نسل سے اور قیدار کے دیہاتوں میں پیدا ہو گا۔ قیدار بن اسملیل کا مشہور خاندان تریش تھا اور قیدار کا دیہات کہ معظمه ہے۔ اس باب ۳۲ سے پہلے جس میں یہ بشارت ہے۔ باب ۳۲ میں بھی اس بشارت کا ایک حصہ مذکور ہے۔

کس نے اس راست باز کو پورب کی طرف سے برپا کیا اور اپنے پاؤں کے پاس بلا یا اور امتوں کو اس کے آگے دھر دیا اور اسے بادشاہوں پر مسلط کیا، کس نے انہیں (کافروں) خاک کے ماند اس کی تکوار کے اور اڑتی بھوی کے ماند اس کی تکوار کے حوالہ کیا۔

اس درس میں یہ تصریح ہے کہ ”وَهُرَبَّازٌ لَّوْرَبٌ“ کی طرف سے مبعوث ہو گا،“ توراۃ کے محاورہ میں پورب کی سر زمین سے عموماً عرب مراد ہوتا ہے ॥ اس سے ثابت ہوا کہ وہ راستباز بندہ اور رسول ملک عرب میں مبعوث ہو گا۔

اس بشارت میں آنے والے پیغمبر کے سب سے پہلے وصف کا ترجمہ ”بِرْگَزِیدَة“ کیا گیا ہے، جو آنحضرت ﷺ کے لقب مصطفیٰ کا ترجمہ ہے، دوسرا وصف راستباز ہے، یہ امین کا وہ لقب ہے جو نبوت سے میں نے اپنی تصنیف ارض القرآن، ح ۱، ص ۶۱ میں جغڑا فی عرب میں توراۃ کے حوالے سے اس کو تفصیل دکھایا ہے۔

پہلے اہل مکہ کی زبان سے آپ ﷺ کو ملا تھا۔ اب حضرت اشیعاء کی بشارت کے ایک ایک لفظ پر غور کرو تو آنحضرت ﷺ کے اوصاف و حالات سے اس کی عجیب مطابقت ہوتی ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ اس پیغمبر کو بندہ اور رسول کے وصف سے یاد کیا ہے، یہ وہ وصف ہے جو آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ہے۔ آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی پیغمبر اس وصف خاص کے ساتھ شہرت نہیں رکھتا۔ یہ اسلام ہی کا پیغمبر ہے، جس کا طغراۓ فخر صرف عبدیت اور رسالت ہے۔ اس نے دنیا میں اپنے نام کا اعلان ہی ان الفاظ کے ساتھ کیا کہ عبدہ، ورسولہ، کسی مسلمان کی کوئی نماز اس وقت تک ختم نہیں ہوتی۔ جب تک وہ اپنی زبان سے تشهد میں نہیں ادا کر لیتا ”واشهد ان محمدا عبدہ ورسولہ“ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ اس موقع پر ایک خاص لکھتے بیان کے لائق ہے کہ دیگر انہیا جس طرح خلیل اللہ، کلیم اللہ، روح اللہ وغیرہ کے خطابات سے مشرف ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا خطاب ”عبداللہ“ خدا کا بندہ ہے معراج میں جو تقربہ الہی کی آخری منزل اور انسانی رتبہ کی آخری شرف یابی تھی، آنحضرت ﷺ اسی لقب خاص سے پکارے گئے:

﴿سُبْحَنَ الرَّبِّ الَّذِي أَسْرَى بِعَدْدِهِ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل: ۱)

”پاک ہے وہ خدا جو معراج میں اپنے بندہ کو لے گیا۔“

اس کے علاوہ اور متعدد آیتوں میں آپ ﷺ کو اس خطاب سے تعبیر کیا گیا ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا أَرَزَّنَا عَلَى عَبْدِنَا﴾ (۲۳/ البقرة: ۲)

”اگر تم کو اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر اتنا را۔“

﴿تَبَرَّكَ الرَّبُّ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ﴾ (۲۵/ الفرقان: ۱)

”بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتنا را۔“

﴿وَأَنَّهُ أَنْتَ أَقَمْتَ عَبْدَ اللَّهِ عِدْوَةً﴾ (۷۲/ الجن: ۱۹)

”اور جب خدا کا بندہ اس کو پکارتے ہوئے کھڑا ہوا۔“

آنحضرت ﷺ دونوں زانوں کھڑے کر کے کھانا تناول فرماتے تھے، اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی:

”میں خدا کا بندہ ہوں، اسی طرح کھاتا ہوں، جس طرح غلام کھاتا ہے۔“

آنحضرت ﷺ کا دوسرا وصف ”رسول“ ہے گو دنیا میں پیغمبر ہزاروں آئے، مگر لفظ رسول سے ان کے نام کو شہرت نہیں، یہ صرف آنحضرت ﷺ ہی کا وصف ہے، جو تمام مسلمانوں کی زبانوں پر رسول اللہ ﷺ کے نام سے ملقب ہیں، یہاں تک کہ عیسائیوں میں بھی ”دی پرافٹ“ یعنی پیغمبر مخصوص آپ کا نام ہے۔ قرآن نے بصرتؔ کہا:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ (۴۸/الفتح: ۲۹) ”محمد خدا کار رسول ہے۔“

﴿يَسْتَغْفِرُ لِكُمْ رَسُولُ اللَّهِ﴾ (۶۳/المنافقون: ۵)

”خدا کار رسول تمہاری مغفرت چاہے۔“

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ (۹/التوبہ: ۱۲۸)

”تمہارے پاس خود تمہاری قوم کا رسول آیا۔“

﴿أَنَّ فِيهِمْ رَسُولُ اللَّهِ﴾ (۴۹/الحجرات: ۷) ”تم میں خدا کار رسول ہے۔“

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۳۳/الاحزاب: ۲)

”تمہارے لئے خدا کے رسول کے اندر اچھی پیروی ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بِلِّغْ مَا أَنْوَلَ إِلَيْكَ﴾ (۵/المائدۃ: ۶۷)

”اے رسول تجھ پر جو کچھ اتارا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دے۔“

ان مقامات کے علاوہ اور بیسوں جگہ آنحضرت ﷺ کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو بشارت دی ہے، وہ بھی اسی رسول کے لفظ کے ساتھ دی ہے: ﴿مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيَ مِنْ بَعْدِي أَسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ میرے بعد احمد نام ایک رسول آنے والا ہے۔

حضرت الشیعاء علیہ السلام نے آنے والے پیغمبر کا تیرا وصف برگزیدہ بتایا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ مصطفیٰ (برگزیدہ) کے لقب سے عام طور پر مشہور ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے:

((إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى كَنَانَةً مِنْ وَلَدِ اسْمَاعِيلَ وَاصْطَفَى قَرِيشًا مِنْ كَنَانَةً وَاصْطَفَى

بَنِي هَاشِمَ مِنْ قَرِيشًا وَاصْطَفَى مَنْ بَنِي هَاشِمَ))

”بے شک خدا نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ

کیا اور قریش میں سے بنی هاشم کو برگزیدہ کیا اور بنی هاشم میں مجھ کو برگزیدہ کیا۔“

جو تھی صفت یہ یہاں ہوئی ہے کہ جس سے میرا جی راضی ہوا۔ یہ صفت نہ صرف آنحضرت ﷺ کے لئے بلکہ آپ کے ولیوں سے تمام پیر و ان محمدی میں عام ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَيْدِيَّاً عَلَى الْكُفَّارِ رَحْمَاءٌ يَنْهَا مُتَّرَبِّهُمْ رَكْعًا سُجَّدًا

يَتَّقُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرَضُوا نَّا﴾ (۴۸/الفتح: ۲۹)

”محمد خدا کار رسول اور جو اس کے ساتھ ہیں..... وہ خدا کی مہربانی اور رضا کوڈھوڑتے ہیں۔“

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾

(۵/المائدۃ: ۱۱۹، ۹/توبہ: ۱۰۰، ۵۸/المجادلة: ۲۲، ۹۸/البینۃ: ۸)

جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب ما جاء في فضل النبي ﷺ۔ ۳۶۰۶، ۳۶۰۵

”خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے۔“

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الفتح: ٤٨)

”بے شک خدامونوں سے راضی ہوا۔“

تمام انبیا کی امتوں سے یہ مخصوص وصف امت محمدی ہی کا ہے، اس کے پیرو رضی اللہ عنہ کی دعا سے ہمیشہ مناسب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اشاعیاء اس بیان بر کا وصف یہ بتاتے ہیں کہ خدا اس سے کہتا ہے: میں انپی روح اس پر رکھی۔ قرآن نے اس وصف سے بھی آنحضرت ﷺ کو متصف کیا ہے:

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ (الشوری: ٥٢)

”ہم نے تیری طرف انپی شان کی ایک روح دی کی۔“

﴿نَزَّلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ﴾ (الشعراء: ١٩٣)

”امانت دار روح اس کو لے کر اتری۔“

﴿فَإِنْ زَكَّاهُ رُوحُ الْقُدُّسِ﴾ (آل النحل: ١٦)

”کہہ دے کہ روح القدس نے اس کو اتارا ہے۔“

پانچواں وصف یہ بتایا گیا کہ وہ نہ چلائے گا اور وہ انپی صدابندہ کرے گا اور انپی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا۔ صحابہ ﷺ نے آپ کی سیرت کے خط و خال کی بھی تصویر کھینچی ہے۔ متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ آپ کبھی زور سے نہیں ہنتے تھے۔ بلکہ صرف مسکراتے تھے ॥ شماں ترمذی میں حضرت ہند بن عذرؑ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر چپ رہتے، بے ضرورت کبھی گفتگونہ فرماتے، ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا۔ ہنسنے بہت کم تھے۔ ہمیں آتی تو مسکراتیے۔ ॥

حضرت عائشہؓ سے ایک شخص نے آپ کے اخلاق پوچھے، انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ بد گونہ تھے اور نہ بازاروں میں شور کرتے تھے۔ ॥ حضرت علیؓ سے حضرت حسینؑ نے دریافت کیا کہ آپ کے اوصاف کیا تھے؟ فرمایا، آپ شور و غل نہیں کرتے تھے۔ ॥

سفر اشاعیاء میں اس کے بعد ہے، وہ مسلے ہوئے سینٹھے کون توڑے گا اور دکنی ہوئی بی کونہ بجھائے گا مسکینوں، غریبوں اور کمزوروں کو نہ تائے گا، وہ زم دل اور نیک خوب ہو گا۔ قرآن مجید نے آپ کے اس وصف کو نمایاں طریق سے بتایا ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم: ٤) ”اور بے شک تو بڑے خلق پر ہے۔“

❶ شماں ترمذی، باب ما جاء فی ضحك رسول الله ﷺ: ۲۲۵۔

❷ شماں ترمذی، باب کیف کان کلام رسول الله ﷺ: ۲۲۴۔

❸ شماں ترمذی، باب ما جاء فی خلق رسول الله ﷺ: ۳۴۶۔ ایضاً: ۳۵۰۔

﴿فِيمَا رَحْمَةٌ مِّنَ الْلَّهِ لِتَلْهُمْ وَلَوْكُنْتَ فَظَّالِمًا غَلِيظُ الْقُلُوبِ لَا نَفْضُوا مِنْ حَوْلِكَ صَ﴾

(آل عمران: ۱۵۹) (۲/)

”خدا کی رحمت کے سبب سے تو ان کے ساتھ زرم ہے، اگر تو کڑا اور دل کا خست ہوتا تو یہ تیرے اردو گرد سے ہٹ جاتے۔“

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾

(رَعُوفٌ رَّجِيبٌ) (۹/ التوبہ: ۱۲۸)

”تمہاری قوم سے تمہارے پاس ایک پیغمبر آیا، جس کو تمہاری تکلیف شاق ہوتی ہے، تمہاری ہبی خواہی کا حریص ہے اور مسلمانوں پر مہربان اور رحمت والا ہے۔“

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا، آپ برائی کے بدله برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ معاف کرتے تھے اور درگز فرماتے تھے۔ آپ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ آپ خندہ جسین، نزم خو، مہربان طبع تھے، خست مزان اور تنگ دل نہ تھے، ہند بن ابی ہالہؓ جو گویا آپ کے آغوش پروردہ تھے، بیان کرتے ہیں کہ آپ زخم خو تھے، خست مزان نہ تھے، خود اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہ فرماتے اور نہ کسی سے انتقام لیتے۔ *

حضرت انسؓ خادم خاص کہتے ہیں کہ میں نے دس برس آپ ﷺ کی خدمت کی مگر آپ نے کبھی کسی معاملہ کی محصہ سے باز پس نہ فرمائی۔ * مالک بن حوریثؓ جو میں دن تک آپ کی صحبت میں رہے تھے، کہتے ہیں کہ آپ رجیم المزاج اور ریقق القلب تھے۔ *

حضرت اشعياءؑ کے بعد کہتے ہیں کہ وہ عدالت کو قائم کرے گا کہ دامُر ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نبیؓ آخر الزمان ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور نہ آپ کی شریعت منسوخ ہوگی، آپ آخری دین لے کر آئے، جو قیامت تک دامُر ہے گا، پھر کہتے ہیں کہ اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے، یعنی جب تک اس کی شریعت اور تعلیم قائم نہ ہو جائے گی، اس کو موت نہ آئے گی، ظاہر ہے کہ یہ وصف حضرت عیسیٰ پر صادق نہیں آتا کہ وہ اپنی تعلیم و شریعت کے استحکام سے پہلے اس دنیا سے اٹھ گئے، یہ مخصوص وصف آنحضرت علیؓ کا ہے، جو اس وقت تک اس دنیا میں تشریف فرمائے گے، جب تک آپ کی تعلیم و شریعت نے ظہورتام اور استحکام کا مل نہیں حاصل کر لیا، چنانچہ جب یہ بات حاصل ہو گئی تو آپ کو اس دنیا کی رخصت ہونے کی اجازت ملی، حضرت اشعياءؑ کی یہ پیشین گوئی قرآن مجید کے

* یہ تمام روایات شماقلی ترمذی، باب ماجاء فی خلق رسول الله ﷺ تا ۳۵۰ تا ۳۴۶ میں مذکور ہیں۔

* صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب کان رسول الله ﷺ احسن خلقا: ۶۰۱۱ وابوداود، کتاب الادب، باب فی الحلم واحلائق النبی ﷺ: ۴۷۷۴۔

* صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم: ۶۰۰۸۔

اس سورہ کے مطابق ہے۔

**﴿إِذَا جَاءَهُمْ نَصْرٌ وَالْفَتْحُ ۚ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَنْدُثُونَ فِي الْفُؤُدِ أَفَوْجًا ۗ فَسَيِّئُونَ بِمَدْعَى
رَبِّكَ وَأَسْتَغْفِرُهُ ۖ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۚ﴾ (١١٠ / النصر)**

”جب خدا کی نصرت اور فتح آپنی اور تو نے لوگوں کو گروہ در گروہ دین الہی میں آتے دیکھ لیا (تو تیرا فرض انجام پاچکا اور اس دنیا سے تیری رخصت کے دن قریب آگئے) اب خدا کے حمد و استغفار میں مصروف ہو، کہ وہ حرم کرنے والا ہے۔“

جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے فرمایا: ”خدا کے ایک بندہ کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے وہ اس دنیا کو قبول کرے یا دوسرا دنیا کا سفر اختیار کرے، مگر اس بندہ نے آنحضرت کو پسند کیا۔“ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے، وہ سمجھ گئے کہ یہ بندہ کون ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے امتحانا اس سورہ کا مطلب پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تصدیق کی۔

اس کے بعد اشیاء کہتے ہیں کہ تمام بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکمیلیں۔ یہ اسلام ہی تھا، جس کی شریعت نہر سیکون اور چنیون اور دجلہ و فرات سے ہو کر بحر روم تک اور بحر ہند سے بحر ظلمات تک پھیل گئی اور بڑے بڑے جزیرے اس کے نور سے منور ہو گئے، بعد ازاں اشیاء اللہ کا وعدہ نشانے ہیں کہ میں ہی تیرا تھا پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔“ یہ وعدہ بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ پورا ہوا، آپ نے یکہ و تہادعوت تو حید کی اس وقت اشاعت کی جب ملک عرب کا ذرہ ذرہ آپ کے خون کا پیاسا تھا اور خدا کے سوا کوئی آپ کا دشمن نہ تھا، اس نے دشمنوں کے زخم میں نازک سے نازک اور خطرناک سے خطرناک حملوں سے آپ کی ذات گرامی کو حفظ رکھا اور سفر اشیاء کے وعدے کو قرآن کے ذریعہ سے دوبارہ دہرا دیا اور مکہ میں میں اس وقت جب دشمنوں کی عداوت کا آفتاب پوری تمازت پر تھا یہ آیت اتری:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالثَّائِنِ ۖ﴾ (٦٠ / الاسراء: ٦٠)

”اور یاد کرو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جب ہم نے تم سے فرمادیا کہ تمہارے پروردگار نے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے کہ تم پر ہاتھ ڈالیں۔“

﴿وَاصْبِرْ لِحَكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (٤٨ / الطور: ٤٨)

”اور اپنے رب کے حکم کا صبر کے ساتھ انتظار کر کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔“ مدینہ میں آ کر یہ وعدہ مکر رہا گیا:

﴿وَاللَّهُ يَعِمُّكَ مِنَ النَّاثِنِ ۖ﴾ (٥ / المائدہ: ٦٧)

صحیح بخاری، تفسیر سورہ مذکور: ٤٩٦٩، ٤٩٧٠۔

”اور خدا لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔“

صحابہ جان شاری سے آنحضرت ﷺ کے خیمه کے گرد پھر ادیا کرتے تھے، جب یہ آیت اتری تو آپ نے خیمه سے سرمبارک باہر نکال کر فرمایا: ”لوگوں اپس جاؤ کہ خدا نے میری حفاظت کا خود وعدہ کیا ہے۔“ اس وصف کے مستحق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے جو عیسائیوں کے اقرار کے مطابق رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر سولی پر لٹکائے گئے۔

بشارات اشیاء میں اس کے بعد ہے: ”میں تمھکو لوگوں کے لئے نور بناوں گا کہ تو انہوں کی آنکھوں کو کھو لے اور بند ہے ہوؤں کو قید سے نکالے اور ان کو جواندھیرے میں بیٹھے ہیں قید سے نکالے۔“ تاریخ گواہ ہے کہ بشارات کا یہ حصہ پیغمبر اسلام کے وجود سے کس خوبی سے پورا ہوا، قرآن مجید نے بھی بشارت کے اس حصہ کو ان الفاظ میں مکمل کیا:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ الَّتِي أُنزِلْتِ الَّذِي يَجَدُونَهُ مَتَّبِعُوْنَاهُ عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ
وَالْإِنجِيلِ يَا مُأْمَرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَا مُنْكِرِهِمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيَعْلَمُ لَهُمُ الظَّبَابِ وَيَعْلَمُهُمْ عَلَيْهِمْ
الْحَبَّبَاتِ وَيَضْعِمُ عَنْهُمْ إِاصْرَهُمْ وَالْأَغْلَلُ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ امْتَنَعُوا بِهِ وَعَزَّرُوا
وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا التُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۚ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي
رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (۱۵۸، ۱۵۷) (۷/ الاعراف)

”وہ لوگ جو اس ان پڑھ فرستادہ پیغمبر کی پیروی کرتے ہیں، جس کو وہ اپنے ہاں توراۃ و انجلی میں لکھا پاتے ہیں، وہ ان کو یہی کا حکم کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور اچھی چیزیں ان کے لئے حلال کرتا ہے اور بری چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے ان کی ان پامندیوں اور زنجیروں کو جوان پر ہیں ہلکا کرتا ہے۔ تو جن لوگوں نے اس کو مانا اور اس کی مدد اور نصرت کی اور اس کی روشنی کے پیچھے چل جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے۔ وہی کامیاب ہوں گے، کہہ دے (اے پیغمبر ﷺ) اے لوگ! میں تم سب کے پاس خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔“

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِي أَنْذَلَكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ (۴۵/ الاحزاب)

”اے پیغمبر ﷺ! ہم نے تمھکو گواہ، خوشخبری دینے والا ہشیار کرنے والا اور خدا کی طرف اس کے حکم سے بلا نے والا اور وہ عن چراغ بننا کر بھیجا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ قَنْ رَئِيْكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا قُبْيِنَا﴾

(۱۷۵/ النساء: ۴)

”اے لوگ! تمہارے پاس خدا کی طرف سے دلیل آچکی۔ ہم نے تمہاری طرف وہ نور اتنا راجو

ہر چیز کو دش کرتا ہے۔“

﴿وَالْفُورَ الَّذِي أَنْزَلَكَ﴾ (۶۴ / التغابن:۸) ”اور اس نور پر ایمان لا وجہ ہم نے اتارا۔“

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (۲۱ / الانبیاء:۷)

”ام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔“

﴿كِتَبٌ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلْمِ إِلَى النُّورِ﴾ (۱۴ / ابراہیم:۱)

”یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تیری طرف اتارا ہے۔ تاکہ تو لوگوں کو انہیں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔“

﴿وَلِكُنْ جَعْلَهُ نُورًاٰٰهُدُرِيٰ يٰ مَنْ نَفَعَ مِنْ عِبَادَنَاٰ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ

مُسْتَقِيمٍ﴾ (۴۲ / الشوری:۵۲)

”لیکن ہم نے اس کو نور بنا یا ہے، تاکہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں راہ دکھائیں اور تو سید ہے راست کی طرف ہدایت کرتا ہے۔“

اس کے بعد اس بشارت میں ہے کہ آنے والا پیغمبر تو حید کامل کا مبلغ، بت شکن اور باطل پرستی کا دشمن ہو گا اور بت پرست کفار و مشرکین کو وہ شکست عظیم دے گا۔

”یہودا (اللہ) میرا نام ہے اور اپنی شوکت دوسرے (معبدوں ان باطل) کو نہ دوں گا اور وہ ستائش جو میرے لئے ہوتی ہے کھودی ہوئی مورتوں کے لئے نہ دوں گا..... وہ پیچھے ہیں اور نہایت پیشمان ہوں، جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں اور ڈھانے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے اللہ ہو۔“

حضرت اشعیاء کے بعد دنیا میں وہ کون پیغمبر آیا جس نے تو حید کامل کی تعلیم پیغمبر اسلام سے واضح تر اور کامل تر دی ہو۔ جس نے بت پرستی کی بیخ کنی کی ہو، جس نے بت خانوں کو منہدم کیا ہو، جس نے مشرکین کی صفوں کو درہم برہم کیا ہو اور باطل پرستی کے علم کو بیسٹہ کے لئے سرگوں کر دیا ہو۔ قرآن اور آپ ﷺ کی تعلیمات کا بڑا حصہ شرک و بت پرستی کے خلاف جہاد عظیم ہے اور تمام دنیا کو اعتراف ہے کہ اس فرض کو رسول اللہ ﷺ نے جس خوبی اور تکمیل کے ساتھ ادا کیا، وہ کسی اور سے نہ ہو سکا۔

بعد ازاں حضرت اشعیاء بتاتے ہیں کہ وہ آنے والا پیغمبر مجاہد اور پیغام زن ہو گا اور وہ باطل پرستوں کے خلاف اپنی تواریخاٹے گا۔

”خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت کو اکسائے گا، وہ چلائے گا، ہاں وہ جنگ کے لئے بلائے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہو گا۔“

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت نہیں ہو سکتی، یہ صرف بدرواحد اور حسین و خندق کے پس سالا پیغمبر کی شان ہے: ”بیابان (عرب) اور اس کی بستیاں قیدار کے آبادیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔“ اس فقرہ میں آنے والے پیغمبر کا وطن (بیابان عرب) اور خاندان (قیدار بن اسماعیل) بھی بتا دیا گیا ہے۔ آخر میں ہے:

”اور انہوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا، میں انہیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔“

اس فقرہ میں یہ ارشاد ہے کہ وہ امیوں کا پیغمبر اور اس قوم کا داعی ہو گا۔ جس کو کبھی راہ راست کی ہدایت نہیں ملی۔ یہ صفت اہل عرب کی ہے، جن کو آپ ﷺ سے پہلے کوئی صاحب شریعت پیغمبر نہیں ملا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے۔ جن کو شریعت مل بچک تھی۔ اس لئے یہ ان کی صفت نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ صرف پیغمبر عرب کا وصف خاص ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے صاف کہا:

﴿لِتُنذِرَ قَوْمًا أَنَّهُمْ مِنْ نَجِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ﴾ (۲۸/القصص: ۴۶)

”تاکہ ان کو ہوشیار کرے جن کے پاس تجھے سے پہلے کوئی ہوشیار کرنے والا نہیں آیا۔“

﴿إِنَّكَ لَمَنِ الْمُرْسَلِينَ ۝ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ تَنْذِلُ الْعَرِيزَ الرَّحِيمَ ۝ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَا أُنذِرَ إِبْرَاهِيمُ فَهُمْ غَيْفُونَ ۝﴾ (۳۶/ین: ۳)

”تو یقیناً پیغمبروں میں سے ہے اور سیدھی راہ پر ہے اور یہ غالب ہربان خدا کی طرف سے اتراء ہے، تاکہ تو ان کو ہوشیار کرے جن کے باپ دادا ہشیار نہیں کئے گئے تو وہ غفلت میں ہیں۔“

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِ رَسُولًا رَّقِيمًا يَنذِلُوا عَلَيْهِمْ رِزْقًا مِّنْ لَّهِ وَيَعْلَمُهُمْ وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ لَفْنِ ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝﴾ (۶۲/الجمعة: ۲)

”وہی خدا جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بنا کر انہی میں سے کھڑا کیا، جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سنا تا اور کتاب اور دانیٰ سکھاتا ہے، اگرچہ وہ پہلے کھلی گرا ہی میں تھے۔“

﴿وَهُدَاكِتَبَ أَنْزَلْنَاهُ مِنْكَ فَإِنَّهُ مُوَعِّظٌ وَّأَنْقَوْلَعْلَمٌ تُرْحَمُونَ ۝ إِنْ تَقُولُوا إِنَّا أَنْزَلْنَا الْكِتَابَ عَلَىٰ طَالِبَتِينَ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ۝ أَوْ تَقُولُوا إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْنَا الْكِتَابَ لَكُنَّا أَهْدِي مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ بِهِنَّةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۝﴾

(۱۵۸ تا ۱۵۶/الانعام)

”یہ کتاب ہے جس کو ہم نے اٹارا ہے، جو برکت والی ہے، تو اس کی پیرروی کرو اور پرہیز کاری اختیار کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے (یہ کتاب تم کو اس لئے دی گئی) تاکہ یہ نہ کہو کہ کتاب تو ہم

سے پہلے یہود اور نصاریٰ دو قوموں کو عطا ہوئی اور ہم اس کے پڑھنے سے غافل تھے یا یہ کہو کہ اگر خاص ہم پر کوئی کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ راہ راست پر ہوتے، تو لوٹھارے پاس خدا کی طرف سے کھلی دلیل، ہدایت اور رحمت آ جکی۔

﴿وَمَا أَتَيْتُهُمْ قِنْ كُتُبٍ يَكْرُزُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذْرِيَّةٍ﴾

(٤٤: سبا: ٣٤)

”اور ہم نے ان کو نہ تو کتابیں دیں جن کو وہ پڑھیں اور نہ تجھ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا۔“

اس بشارت کے تمام فقرتوں پر جو شخص اس تفصیل سے نظر ڈالے گا اور اس کے ایک ایک قصرہ کی قرآن پاک، احادیث شریف اور سوانح نبوی ﷺ کے ساتھ حرف تبیق پر غور کرے گا، وہ اس یقین کے پیدا کرنے پر مجبور ہو گا کہ اس بشارت کا مصدق محمد بن عبد اللہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا:

﴿هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَتٍ يَتَبَيَّنُتْ لِتَعْرِجَ كُمْ قِنْ الظُّلْمُتِ إِلَى الْغُورِ﴾

(٩: الحدید: ٥٧)

”وہی جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے، تاکہ وہ تم کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جائے۔“

سورہ فتح میں جس میں آنحضرت ﷺ کو فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے۔ توراۃ اور انجیل کی ایک پیشتناہی کا حوالہ دیا گیا ہے:

﴿تَحْمِلُ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشْدَاءً عَلَى النَّفَّالِ رُسَمَاءَ بْنِهِمْ تَرْهُمُ رَجَّالًا سُجَّدًا يَتَنَعَّمُونَ فَضْلًا قِنْ اللَّهُ وَرَضُوًا نَّبِيَّا مُّهَمْهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ قِنْ أَكْرَى السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرِيقِ﴾ (٤٨: الفتح: ٢٩)

”محمد ﷺ خدا کا بھیجا ہوا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بھاری آپس میں مہربان ہیں۔ دیکھتے ہو تم ان کو کہ (خدا کے سامنے) رکوع اور سجدے میں گرے رہتے ہیں اور خدا کی رحمت اور خوشودی کے جو یاں رہتے ہیں۔ ان کے چہروں میں سجدہ کے اثر سے نور ہے ان کی حالت کا یہ بیان توراۃ میں ہے۔“

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا یہ محبوی وصف فتح مکہ کے موقع پر بیان کیا گیا ہے۔ جو اسلام کی دعوت کی تجھیل، توحید الہی کے انجام، خانہ خلیل کی کامل آزادی اور معبدوں ان باطل کی دائیٰ بیکثست کا دلن ہے اور اس کے بعد کوئی نیا پیغام سنانے والا دنیا میں آنے والا نہ تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کی آخری

وہیست جس پر ان کی توراۃ اور ان کے صحیفہ حیات دونوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، بنی اسرائیل کو یہ فرمائی: ”یہ وہ برکت ہے جو موی مرد خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پھاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا اور اس کے دامنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی۔ ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اس کے سارے مقدس (ہمارا ہی) تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔“ (استثناء ۲۳، ۲۱)

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آخری کلام ہے، جس میں آخری پیغمبر کی بعثت کی خبر دی ہے، اس بشارت میں کوہ فاران سے نور الہی کے طلوع ہونے کی خوشخبری ہے، اس میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں۔ جو قرآن مجید کے بیان کے عین مطابق ہیں:

① وہ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ﴾ (۴۸ / الفتح: ۲۹)

”محمد علیہ السلام خدا کے فرستادہ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں۔“

② اس کے ہاتھ میں ان کے لئے آتشیں شریعت ہو گی:

﴿أَيَّدَ اللَّهُ أَعْلَى الْعَالَمَيْنَ﴾ (۴۸ / الفتح: ۲۹)

”وہ اللہ کے مکرور پر سخت ہوں گے۔“

③ وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا:

﴿أَرْحَمَاءَ يَتَّهَمُونَ﴾ (۴۸ / الفتح: ۲۹)

”آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہونگے۔“

④ (اے خدا) اس (آنے والے پیغمبر) کے سارے مقدس لوگ (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے:

﴿تَرَاهُمْ رُكَعًا سُجَّدًا يَتَّهَمُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا إِنَّمَا هُمْ فِي وُجُوهِهِمْ قِنْ أَكْثَرُ الشَّجُودِ﴾ (۴۸ / الفتح: ۲۹)

”دیکھتے ہو تم ان کو خدا کے آگے رکوع اور بسود میں بھکے ہوئے، خدا کی مہربانی اور خوشنودی کے طلب گار ہیں، اطاعت و عبادت کے اثر سے ان کے چہروں میں نور انیت ہے۔“

ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آنے والے پیغمبر کے مقدس ساتھیوں کی تعداد دس ہزار فرماتے ہیں۔ فتح مکہ کے دن بعینہ یہی دس ہزار مقدسین تھے۔ جو اس فاران سے آنے والے نورانی پیکر

کے ساتھ شہر خلیل (مکہ) کے دروازے میں داخل ہوئے اور اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کہا تھا وہ پورا ہوا۔

سورہ فتح میں اس کے بعد ہے:

**﴿وَمَنْهُمْ فِي الْإِنجِيلِ شَكُورٌ إِخْرَجَهُ شَطْنَةٌ فَأَزْرَكَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَأَسْتَوْى عَلَى سُوقِهِ
يُعْجِبُ الرَّّاجِعَ﴾** (الفتح: ۴۸)

”اور ان کی مثال انجلیل میں مثل کھیت کے ہے۔ جس نے بھنی نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا۔ پھر مونا ہوا۔ پھر اپنی بھنیوں پر کھڑا ہوا۔ کھیت والوں کو خوش اور مسرور کر رہا ہے۔“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ تمثیل آسمانی بادشاہی کی دی ہے۔ چنانچہ انجلیل کے مختلف نسخوں میں یہ تمثیل ان مختلف الفاظ میں مذکور ہے:

”آسمان کی بادشاہت رائی کے دانے کے مانند ہے۔ جسے ایک شخص نے لے کے اپنے کھیت میں بولیا۔ وہ سب بھجوں میں چھوٹا ہے، پرجب آگتا ہے تو سب تر کاربیوں سے بڑا ہوتا ہے۔ اور ایسا پیڑ ہوتا ہے کہ ہوا کی چڑیاں آ کے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کریں۔“ (متی ۲۱-۳۰، مرقس ۲۰-۲۱)

”خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسا ایک شخص جزو میں بیچ جوئے اور رات دن وہ سوئے، اٹھے اور نیچ اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے، اس لئے کہ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے۔ پہلے بزری پھر بال بعد اس کے بال میں تیار دانے اور جب دانا پک چکا تو وہ فنی الغور ہنسوا بھجواتا ہے کیونکہ کامنے کا وقت آچکا ہے۔“ (مرقس ۲۱-۲۲)

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمانی بادشاہت کی جو تمثیل دی ہے۔ قرآن مجید نے اسی کو سورہ فتح میں وہ رایا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اسلام کی جسمانی اور روحانی، ظاہری و باطنی دونوں بادشاہیوں کے جلوس و شوکت کا دن فتح مکہ کا دن ہے اور آسمانی بادشاہی کی تمثیل پوری ہوئی کہ محمد ﷺ نام ایک کاشنگار نے ایک نیچ زمین میں ڈالا اور اس سے سینکڑوں ہزاروں خوشے پیدا ہو گئے اور اس نے آسمانی بادشاہی کی منادی کی۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام اسرائیل کو نصیحت کرتے ہیں:

”خداؤند اتیرا خدا تیرے لئے تیرے درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان و حورو۔“ (استثناء ۱۸-۱۵)

”میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اس سے کھوں گا، وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی

میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا، نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے، جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا اور معبدوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا۔ اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان لے کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی۔ بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اس سے مت ڈرو۔“ (استثناء ۱۸-۱۹)

عیسائیوں نے اس بشارت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ثابت کرنا چاہا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس کے مصدق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے۔ اس بشارت میں ہے کہ یہ نبی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مبعوث ہو گا۔ نبی اسرائیل کے بھائی بنو سلیمان تھے، اس سے یہ مفہوم ہے کہ وہ پیغمبر نسل اسماعیل علیہ السلام سے ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسماعیلی نہ تھے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ وہ آئندہ نبی میرے مانند ہو گا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں کوئی وجہ مماثلت نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگجو اور مجاهد تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو غلامی سے نکال کر بادشاہی تک پہنچایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ظاہری و معنوی دونوں معنوں میں بادشاہ تھے۔ حضرت عیسیٰ نہ تھے، حضرت موسیٰ صرف واعظ نہ تھے، عمل فرماؤ کارپرداز بھی تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف واعظ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوموں اور ملکوں کے فاتح تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ تمام اوصاف مشترک تھے، اس لئے وہ مسعود نبی جو اس کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ علیہ السلام میں یہ تمام اوصاف مشترک تھے، اس لئے وہ مسعود نبی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مانند پیدا ہونے والا تھا۔ وہ آنحضرت علیہ السلام ہی تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بشارت میں جو کچھ فرمایا ہے، قرآن مجید نے اس کی حرفاً تقدیق کی ہے۔ قرآن مجید کا بیان ہے کہ خدا نے روز اول تمام انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا تھا کہ ہر نبی دوسرے نبی کی تائید کرتا جائے اور اپنی امت کو یہ تھیجت کر جائے کہ جب کوئی پیغمبر ان کے پاس آئے تو وہ اس کی تقدیق کرے:

﴿وَإِذَا خَذَ اللَّهُ مِنْيَاتِ النَّبِيِّينَ لَمَّا أَتَيْتَهُمْ مِنْ كِتَابٍ وَجَعَلَهُمْ فِي مُّرَأَةٍ كُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لَهَا مَعْلُومٌ لِّتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتُتَصْرِنَّ إِلَيْهِ قَالَ عَاجِزٌ مِّنْهُمْ وَأَخَذَهُمْ عَلَى ذِلْكُمْ أَصْرِيفُ قَالُوا أَقْرَزْنَا إِلَيْهِ فَأَشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشَّهِيدِينَ ﴾ (آل عمران: ۸۱)

”اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ ہم جو تم کو کتاب اور دنائی دیں اور پھر کوئی پیغمبر تمہارے پاس آئے جو کتاب اور شریعت تمہارے پاس ہے۔ اس کی تقدیق کرتا

ہو تو ضرور اس کو ماننا اور اس کی مدد کرنا اور فرمایا کہ کیا تم نے اس کا اقرار کر لیا اور ان باتوں پر جو ہم نے تم سے عہد دیا ہے۔ اس کو تسلیم کیا؟ پیغمبروں نے عرض کیا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ فرمایا تو تم گواہ ہو اور تمہارے ساتھ ہم بھی گواہ ہیں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بی۔ اسرائیل کو آنے والے پیغمبر کی اطاعت کی جو صحیح فرمائی، وہ اسی ازی عہدو پیمان کا ایفا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آنے والے پیغمبر کی نسبت ارشاد فرمایا کہ وہ میرے مانند ہو گا۔ قرآن مجید نے بھی اس کی تصدیق کی:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْنَا رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْنَا كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فُرُونَ رَسُولًا ﴾

(۱۵/المزمول)

”ہم نے تمہارے پاس ایک پیغمبر کو بھیجا ہے۔ جو تم پر گواہ ہے، جس طرح کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک پیغمبر بھیجا تھا۔“

اس پیغمبر کا وصف یہ ہو گا کہ خدا اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا۔ قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی نسبت کہا:

﴿وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۚ﴾ (۴۰/النجم)

”اور اپنی خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی کہتا ہے کہ جو اس سے خدا کی طرف سے کہا جاتا ہے۔“

تورات میں ہے:

”اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا۔ نہ سنے گا تو میں اس کا حساب لوں گا۔“

قرآن مجید نے بھی یہی اعلان کیا کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے منکر ہو گا، اس کو اپنے حساب کے لئے تیار رہنا چاہیے:

﴿وَإِنَّا لِرَبِّكَ بَعْضَ الَّذِي تَعْنِدُهُمْ أَوْ تُنْقِيَنَّكَ فِي الْمَاءِ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝﴾

(۴۰/الرعد)

”اور اے پیغمبر! عذاب وغیرہ کے جو وعدے (ان کفار سے) ہم کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو تمہاری زندگی ہی میں تم کو پورا کر کے دھا کیں گے۔ یا ان کے پورا ہونے سے پہلے تم کو دنیا سے اخراجیں گے۔ تمہارا کام ہمارے احکام کو ان تک پہنچا دینا ہا اور ان کا حساب لینا میرا کام ہے۔“

توراۃ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی اس بشارت میں یہ کہا:
 ”لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے۔ جس کے کہنے کا میں نے
 اس کو حکم نہیں دیا اور معبدوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا۔“
 قرآن مجید نے بھی اس فرمان کی صداقت پر اپنی مہربت کر دی:

﴿وَكُونَتْقَوْلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلُ لَا خَدْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَهَمَا مِنْهُمْ قِنْ أَحَدٌ عَنْهُ لَجِيْنَ﴾ (٤٧ تا ٦٩ / الحاقة)

”اگر پیغمبر (محمد ﷺ) کچھ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہتا تو ہم اس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس
 کی گردن کی شرگ کاٹ دلتے، پھر تم میں سے کوئی اس کو مجھ سے نہ چاہ سکتا۔“

توراۃ نے اس آنے والے پیغمبر کی نشانی یہ بتائی کہ اس کی تمام پیشین گوئیاں بھی ہوں گی۔ سیرت
 نبوی ﷺ کے تمام ابواب تمہارے سامنے ہیں۔ دیکھو کہ اس نشانی کی صداقت میں ایک ذرہ بھی کبھی کی
 ہوئی۔ حضرت عائشہؓؓ کہتی ہیں کہ وہ یا میں جو کچھ آپ ﷺ دیکھتے تھے، وہ سپیدہؓؓ کی طرح ظاہر ہوتا تھا۔
 مسلمان تو مسلمان خود کفار تک کو اس پر یقین تھا کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی پیشین گوئی غلط نہیں ہوتی۔ یاد ہو گا
 کہ غزوہ بدر سے پہلے ایک صحابی عمرہ ادا کرنے کا گئے تھے۔ انہوں نے قریش کے رئیس امیہ سے کہا کہ
 آنحضرت ﷺ نے فرمادیا ہے کہ ”وقت قتل ہو گا۔“ اس پیشین گوئی کا یہ اثر اس پر ہوا کہ کانپ گیا۔ معز کہ بدر
 میں وہ گھر سے نکلتے ہوئے ذرتا تھا، جاتے ہوئے اس کی بیوی نے دامن پکڑ لیا کہ کہاں جاتے ہو۔ تم کو اس
 مدینہ والے کی پیشین گوئی یاد نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے سیکڑوں پیشین گوئیاں کیں اور ان میں سے ایک
 ایک سچائی کے معیار پر پوری اتری۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن ناطور جو قصر روم کا حرم راز اور شام کا اسقف (بشب) تھا، اس نے بیان کیا
 کہ ہر قل قیصر روم نجیم تھا۔ ایک دن وہ دربار میں آیا تو چہرہ متغیر تھا۔ کسی درباری نے سبب دریافت کیا، تو اس نے
 کہا: رات ستاروں کو دیکھ کر یہ نظر آیا کہ ”ملک الختان“ (ختنہ کا بادشاہ یا فرشتہ) ظاہر ہو گیا۔ تو تحقیق کرو
 کہ ختنہ کس قوم میں رائج ہے۔ درباریوں نے کہا کہ ختنہ تو صرف یہود کرتے ہیں۔ اس لئے آپ مضطرب نہ
 ہوں۔ صوبوں میں حکم جاری کر دیجئے کہ امسال یہودیوں کے یہاں جس قدر بچے پیدا ہوں سب قتل کر دیے
 جائیں، اسی اثنا میں حدود شام کے عرب رئیس غسان نے یہ خبر پہنچائی کہ عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا
 ہے۔ قیصر نے کہا: دریافت کرو کہ کیا عرب ختنہ کرتے ہیں؟ اس کا جواب جب اس کو اثبات میں ملا تو اس نے
 کہااہاں یا اس امت کا ملک (بادشاہ یا فرشتہ) ہے۔ اور اس کے بعد اہل دربار سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تم کو
 اپنی سلطنت بچانی منقول ہے تو اس پر ایمان لاو۔ درباریوں نے قیصر کی اس گفتگو کو خت ناپسند کیا۔ مگر رومیہ میں

* صحیح بخاری، کتاب بدء الرحمٰی، صفحہ ۲۳۴، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ذکر النبی ﷺ من قتل بدر: ۳۹۵۰۔

قیصر کا ایک اور صاحب علم دوست تھا۔ قیصر نے اس کو لکھا تو اس نے بھی قیصر کی رائے کی تائید کی۔ ہمارے مدد شیعین اس خبر کی صحیح حقیقت نہیں سمجھ سکے ہیں اور اسی لئے لفظ ملک الختان کا لفظ نہ ملک (بادشاہ) ہے اور نہ ملک (فرشتہ) ہے۔ بلکہ ملک ہے، جس کے معنی ”فرستادہ اور پیغامبر“ کے ہیں، جس کی اصل عربی میں الکر بمعنی پیغام ہے اور اگر یہ لفظ عربی لفظ میں ملک پڑھا جائے تو یہ لفظ اس موقع پر ”فرشتہ“ کے اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ فرستادہ کے لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ قیصر کا یہ لفظ ملک الختان (ختن کا پیغامبر) استعمال کرنا درحقیقت توراة کی ایک پیشیں گوئی کی طرف اشارہ ہے، ملا خیابی کی کتاب میں یہ پیشیں گوئی ان الفاظ میں مذکور ہے:

”وَيَكْحُومُ إِنْ أَپَنِنَ رَسُولَ كُوْتُجُونَ گَا اُور وَهِ مِيرَے آَگَے مِيرِی رَاهِ كُو درستَ كَرَے گَا اُور وَه خداوند جس کی تلاش میں تم ہو۔ ہاں ختنہ کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی یہیکل میں ناگہاں آئے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے ”پاس کے آنے کے دن کو کون ظہر سکے گا“ اور جب وہ ظاہر ہو گا کون ہے جو کھڑا رہے گا۔ کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوپی کے صابون کے مانند ہے اور وہ روپیہ کا میل کا ثاثا ہوا اور اسے خالص کرتا ہوا بیٹھے گا۔“ (باب۔ ۳)

آج کل کے ترجموں میں ”ختنہ کے رسول“ کے بجائے عہد کا رسول لکھا ہے۔ یہ ترجمہ صحیح بھی ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے جواب میں جس رسول کی بعثت کا وعدہ فرمایا تھا اس کے متعلق یہ بشارت ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ توراة کی زبان میں ”ختنہ“ نسل ابراہیم علیہ السلام کے جسم پر اللہ اور ابراہیم علیہ السلام کے باہمی عہد و بیثانی کی مہر کا نام ہے۔ توراة میں جہاں ختنہ کا حکم ہے مذکور ہے:

”اوْ مِيرَاعْهَدْ جو میرے اوْر تھمارے درمیان ہے۔ جسے تم یاد رکھو یہ ہے کہ تم میں ہر ایک فرزند نزینہ کا ختنہ کیا جائے اور تم اپنے بدن کی کھلودی کا ختنہ کرو اور یہ اس عہد کا نشان ہے جو میرے اوْر تمہارے درمیان ہے۔“ (پیدائش ۷۔ ۱۰)

اس بنا پر ختنہ کے بجائے مترجمین نے عہد کا لفظ رکھ دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قرب مولڈ کے زمانہ میں اس پیشیں گوئی کے مقابلہ اس ”رسول الختان“ کا یہود و نصاریٰ رونوں کا انتظار تھا اور قیصر روم اسی پیشیں گوئی کے پورا ہونے کا منتظر تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نہ تھی۔ کیونکہ اگر ان کے حق میں ہوتی تو عیسائیٰ قیصر اس کی آمد کا منتظر نہ ہوتا۔ ”رسول الختان“ کے لفظ سے اس بات کا ارشاد بھی سمجھا جاتا ہے کہ وہ مختون قوم میں ظاہر ہو گا اور عیسائیٰ مذہب نے اس رسم کو باطل قرار دیا ہے۔ یہودیت کے بعد اسلام ہی ہے۔ جس نے نسل ابراہیم کے اس عہد کو دنیا میں ہمیشہ برقرار

**** صحیح بخاری، کتاب بدء الوضو، باب کیف کان بدء الوضو: ۷۔

رکھا ہے۔ تورات میں ایک اور بشارت ہے:

”خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔“

(استثناء ۲-۳۳)

اس بشارت کا ایک لکڑا حضرت جنت حقیقہ نبی کے صحیفہ میں پھر دہرایا گیا ہے:

”خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا، اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور اس کی حمد سے زمین معمور ہو گئی۔“ (۳-۳)

حقیقہ استثناء کی بشارت میں خداوند کا مظہر تین پہاڑوں کو قرار دیا گیا ہے۔ کوہ سینا، کوہ سعیر اور کوہ فاران یہ درحقیقت خورشید نبوت کے تین مطلع ہیں۔ ان میں بہ ترتیب کوہ سینا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام، کوہ سعیر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کوہ فاران سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کہ وہ مکہ کی پہاڑیوں کا نام ہے۔ حضرت جنت حقیقہ اس بشارت میں کہتے ہیں کہ وہ تیمان سے آیا۔ تیمان کے لغوی معنی جنوب کے ہیں اور استعمال میں ملک یمن کو کہتے ہیں اور یہاں دونوں معنی تھیک ہیں۔ پھر کہتے ہیں: ”اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا۔“ یہ مسراج آسمانی کی تشریع ہے۔ پھر کہتے ہیں: ”اس کی حمد سے زمین معمور ہو گئی۔“ زمین کا کون سا گوشہ ہے جو محمد ﷺ کی حمد سے معمور نہیں۔ لفظ حمد کہ محمد ﷺ کا مادہ اور عبادت اسلامی کا آغاز (الحمد لله) ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی تلمیح سے لبریز ہے۔

تورات کی اس بشارت کو قرآن مجید نے سورہ واتین کے ان الفاظ میں ادا کیا:

﴿وَالْقَنْبُونُ وَالرَّيْتُونُ وَطُورِسِينْتُونُ وَهَذَا الْبَلْكَدُ الْأَمِينُ﴾ (۹۵/التین: ۱۳)

”قسم ہے انجیر اور زیتون کی، طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی۔“

سب کو معلوم ہے کہ انجیر اور زیتون والا ملک شام ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولود اور کوہ سعیر کا مبدأ ہے۔ طور سینا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عبارت ہے اور بلدمیں یعنی کہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ علمائے اسلام نے تورات اور انجیل کی اور بھی بشارتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن ہم نے صرف ان ہی بشارتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کی طرف قرآن مجید اور احادیث میں اشارے پائے جاتے ہیں۔ کتب سیر و دلائل میں بہت سی پیشین گوئیاں عرب کے کاہنوں اور بت خانوں کے پچاریوں سے منقول ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا بڑا حصہ اصول روایت کے رو سے کمزور ہے۔ اس لئے ہم ان کی تفصیل غیر ضروری سمجھتے ہیں، تاہم ان روایات کا قدر مشترک اس قدر ضرور نکلتا ہے کہ عرب بھی ایک پیشگیر کے وجود کا تشنہ تھا۔ روم و فارس کی دہ سال جنگ نے مشرق و مغرب کی سر زمین کو لا لازم بنا دیا تھا اور خیالات میں تلاش اس کی شورش برپا کر دی تھی اور عرب میں اصحاب افسیل کا واقعہ دلوں میں لرزش پیدا کرنے کے لئے کافی تھا اور عین یہی موسم دنیا میں روح اعظم کے ظہور کا ہوتا ہے۔ اس لئے مولد نبی کے قریب زمانہ میں عرب و روم اور یہود و نصاریٰ سب کو تورات اور انجیل کی

بشارتوں کے مطابق ایک آنے والے کا انتظار تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زبانی مردی ہے کہ جب قاصد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دعوٹ نامہ اسلام لے کر قیصر کے دربار میں پہنچا اور قیصر نے ابوسفیان کو بدا کر جو اس وقت تک کافر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند استفسارات کئے اور ابوسفیان نے ان کے جو جوابات دیے ان کو سن کر اس نے بھرے دربار میں کہا، تم نے جو کچھ بیان کیا اگر وہ حق ہے تو ایک دن یہ میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی اس کے قبضہ میں ہوگی۔ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہو گا، اگر ممکن ہوتا تو میں خود جا کر اسکی زیارت کرتا اور اگر وہاں ہوتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔

قیصر کے محروم راز اور شام کے بشپ ابن ناطور کا بیان اور پڑھ پکے ہو کر قیصر کا خیال تھا کہ ختنہ والے رسول کی پیدائش کا زمانہ قریب ہے اور رومیہ کے ایک بھی عارف نے بھی خط لکھ کر قیصر کے خیال کی تائید کی۔ مقتول شاہ مصر کے دربار میں جو قاصد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خط لے کر گیا تھا، وہ بھی یہ جواب لایا کہ ہاں ہم کو بھی یقین تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن خیال تھا کہ وہ شام میں پیدا ہو گا، جس کے عیسائی بادشاہ نے لکھا کہ ہم گواہ دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچھے پیغمبر ہیں۔

یاد ہو گا کہ یمن کے شہر نجراں سے عیسائیوں کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا تھا اور فیصلہ حق کے لئے یہ قرار پایا تھا کہ وہ لوگوں فریق مبارکہ کریں۔ لیکن وفد کے سچھدار عیسائیوں نے وفد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں مبارکہ سے منع کیا اور کہا کہ خدا کی قسم اگر یہ پچھے پیغمبر ہیں تو ہم ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی پیغمبر کی آمد کا گمان تھا، اسلام سے پہلے زید ایک عرب موحد تلاش حق میں متواتوں سے سر گردوال رہے، وہ پہلے یہ رب (مدینہ کا پہلا نام) گئے، دیکھا تو وہاں کے یہودی بھی تو حید کامل پر قائم نہ تھے۔ یہاں سے نکل کر خیبر کے یہودیوں کے پاس گئے اور ان کا بھی یہی حال پایا۔ وہاں سے شام کے عیسائیوں میں گئے دیکھا کہ وہ بھی مشترک ہیں۔ آخر شام کے ایک راہب نے کہا کہ اگر تمہیں دین حق کی تلاش ہے تو عراق جاؤ، وہاں ایک بزرگ ہیں۔ زید جب ان کے پاس پہنچے اور لب سوال و اکیا تو دریافت کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ زید نے کہا، حرم مکہ سے۔ ان بزرگ نے کہا، جاؤ تم اپنے ڈھن کو لوٹ جاؤ۔ دین حق کا دہیں ظہور ہونے والا ہے۔ وہ لوٹ کر مکہ آئے لیکن اسلام سے پہلے ان کی وفات ہو گئی۔ ورقہ بن نوافل کا واقعہ تم سیرت جلد اول میں پڑھ پکے ہو کہ وہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ بخش کے پہلے ہی روز جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ورقہ کے پاس گئی تو ورقہ نے آپ کی نبوت کی تقدیم کی اور آرزو نظاہر کی کہ کاش! میں آپ کی بھرت تک رہتا تو آپ کی مدد کرتا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو آنے والے پیغمبر کا اس وقت انتظار تھا۔ ابن سعد، ابن اسحاق، منذر احمد، تاریخ بخاری، متدرک حاکم، ولائل یعنی،

صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی: ۷۔ ۲ سیرت نبوی۔

سیرت نبوی، جلد دوم۔ ۴ مسند ابو زرعة، خصائص، ج ۱، ص: ۲۴۔

مجم طبرانی، دلائل ابوالنعیم وغیرہ میں متعدد روایتیں ایسی ہیں جن سے جموی طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے مدینہ کے یہودیوں میں بھی آنے والے پیغمبر کے جلد ظاہر ہونے کے چرچے رہا کرتے تھے اور انہیں سے سن سن کر اوس و خرزج کے کانوں میں پیغمبر کی بعثت کی خبر پڑی ہوئی تھی اور اکثروں کے لئے یہ خبر ہدایت کا باعث تھی۔ چنانچہ ابن سعد کے علاوہ دیگر کتب مذکورہ میں ایک نوجوان انصاری کا واقعہ مسند صحیح مذکور ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا تو مدنیہ میں ایک یہودی واعظ تھے۔ اثنائے وعظ میں اس نے ایک پیغمبر کے ظہور کی بشارت دی۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کب تک ظاہر ہو گا؟ اس نے ان انصاری کی طرف جو اس مجمع میں سب سے چھوٹے تھے۔ اشارہ کر کے کہا کہ اگر یہ لڑکا جیتا رہا تو وہ اس کا زمانہ پائے گا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وسالم کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اتفاق سے وہ بیمار پڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسالم اس کی عیادت کو گئے اور اس کے باپ سے پوچھا کہ ”کیا میرا ذکر تم تورات میں پاتے ہو؟“ اس نے کہا، نہیں۔ لڑکے نے فوراً جواب دیا ہاں یا رسول اللہ! آپ کا ذکر ہم نے تورات میں پڑھا ہے اور یہ کہہ کر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ ﴿عربوں اور یہودیوں میں جب لڑائی ہوتی تو یہودی کہا کرتے تھے کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں، ان کے عہد میں ہم کو کامل فتح ہو گی۔ قرآن مجید نے ان کے اسی عقیدہ کو دہرا کر ان کے عدم اسلام پر ملامت کی ہے:

﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلٍ يَسْتَفْتِهُونَ عَلَى الَّذِينَ لَكُفَّارٌ فَلَمَّا جَاءُهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّافِرِينَ﴾ (۲/ البقرة: ۸۹)

”اس سے پہلے کافروں پر اسی آنے والے پیغمبر کا نام لے کر فتح چاہا کرتے تھے۔ پس جب وہ سامنے آگئے جس کو انہوں نے پیچاں لیا تو انکا رکر دیا۔ کافروں پر خدا کی لعنت ہو۔“

قرآن مجید نے اس کے علاوہ اور بھی متعدد مقامات پر یہودیوں کو ان کے اس سابق یقین کے خلاف ان کے موجودہ اظہار کفر پر ان کی سرزنش کی ہے:

﴿وَإِنَّ الَّذِينَ أُولُو الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ (۲/ البقرة: ۱۴۴)

”جن کو کتاب پہلے دی جا چکی ہے، وہ یقیناً ان نشانیوں کی بنا پر جو اس کتاب میں مذکور ہیں جانتے ہیں کہ یہ حق ہے، ان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔“

﴿أَلَّذِينَ أَنْتَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فِيهَا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (۲/ البقرة: ۱۴۶)

”جب کہ ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں، اسلام کی صداقت کو اسی طرح جانتے ہیں، جس طرح

۱) تینی بانوں میں سے کوہہ لڑکا اپنے باپ کے شوہر سے مسلمان ہو گیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ لڑکا اپنے باپ کے شوہر سے مسلمان ہو گیا۔

وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں، لیکن ان میں سے ایک فریق جان کر حق کو چھاپتا ہے۔“

﴿الَّذِينَ أَتَيْتُهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا عَرِفُونَ آثَارَهُمْ﴾ (الانعام: ۲۰) (۶/۶)

”جن کو ہم پہلے کتاب دے پچکے ہیں وہ اس کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو۔“

یہ انہی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کا اثر تھا کہ علمائے یہود آنے والے بنی کے متعلق تو راۃ کی بیان کردہ مختلف علامات اور نشانیوں کو اپنے ذہن میں رکھ کر حاضر خدمت ہوتے تھے اور سوالات کرتے تھے اور آپ ﷺ کا متحان لیتے تھے اور جب ان کو شفی ہو جاتی تھی تو وہ مسلمان ہو جاتے تھے۔ نجاشی کے دربار میں جب حضرت جعفر طیار ﷺ نے اسلام پر تقریر کی اور سورہ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو نجاشی پر وقت طاری ہو گئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور کہا، خدا کی قسم ایک کلام اور ایک دلوں ایک ہی چراغ کے پر تو ہیں اور اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت اسلام کا جو عقیدہ سناتو نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا واللہ اجو تم نے کہا یعنی اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔ *

کفار عرب کو خاطب کر کے قرآن مجید نے کہا کہ اس کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں:

﴿فَإِنْ أَرَعَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكُفْرُتُمْ بِهِ وَشَهَدَ شَاهِدٌ مِّنْ يَكْنَى إِسْرَائِيلَ عَلٰى مِثْلِهِ فَأَمَنَ وَاسْتَلِمَ﴾ (۴۶/الاحقاف: ۱۰)

”اے پیغمبر ﷺ! ان سے کہو کہ غور کرو اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہے اور تم اس سے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس طرح کی ایک کتاب نازل ہونے کی گواہی بھی دی اور ایمان بھی لا لایا اور تم مغور بنے رہے تو ایسی صورت میں تمہارا کیا انجام ہو گا۔“

﴿أَوْ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ أَيَّةً أَنْ يَعْلَمَهُ عَلْمًا بَيْنَ إِسْرَائِيلَ﴾ (۲۶/الشعراء: ۱۹۷)

”کیا ان کفار کو یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔“

خاص انص محمدی ﷺ

خاص انص وہ امور ہیں، جو کسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوں۔ آنحضرت ﷺ کو بہت سی چیزیں ایسی دی گئی تھیں، جو اوروں کو نہیں ملی تھیں۔ یہ خاص انص محمدی ﷺ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو صرف آپ کے لئے تھے اور آپ کی امت میں سے کسی اور کے لئے نہ تھے۔ دوسرا وہ جو صرف آپ کو عطا ہوئے اور دوسرے انہیں ﷺ کو مرحمت نہیں ہوئے۔ غرض پہلی خصوصیتیں امت کے مقابلہ میں اور دوسری انہیں ﷺ کے مقابلہ میں تھیں، ہم نے پہلے کا نام خاص انص ذاتی اور دوسرے کا خاص انص نبوی ﷺ کا رکھا ہے۔

ارباب یہ رے ان خصائص کی توسعی اور کثرت کو آنحضرت ﷺ کی فضیلت کا بڑا معیار قرار دیا ہے کہ اس سے بارگاہ الہی میں آپ کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے معمولی معمولی سی باتوں کو خصوصیت میں شمار کر کے خاص انص نبوی کا ایک انبار لگادیا ہے۔ مثلاً: حافظ ابو سعید غیثا پوری نے شرفِ المصطفیٰ میں آپ ﷺ کے خصائص کی تعداد ساٹھ لکھی ہے۔ حافظ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اس پر سینکڑوں کا اور اضافہ کیا ہے۔ حالانکہ ان میں اکثر کام اخذ تاویل بعید کرتا آفرینی اور ضعیف روایتیں ہیں۔ بعض ایسی باتیں بھی خصائص میں شمار کر لی گئی ہیں، جو کو عام افراد امت کے لئے نہیں۔ لیکن امر اور خلفائے اسلام کا ان سے اتفاق یا تعلق جائز ہے۔

محمد بنین نے خاص انص ذاتی کو یہ وسعت دی ہے کہ انہوں نے یہ اصول بنالیا ہے کہ حدیث قولی اور عملی میں اگر تصادم ہو تو حدیث قولی کو حدیث عملی پر ترجیح ہوگی۔ یعنی اگر ایک امر آنحضرت ﷺ کے قول سے ثابت ہے اور اس کے مخالف دوسرا اس آپ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو عام امت کو آپ کے ذاتی عمل کی تقلید کے مقابلہ میں آپ کے قول کی تقلیل کرنی چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عمل محض آپ کے لئے مخصوص اور آپ کے خصائص ذاتی میں ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ انہیں ﷺ دنیا میں اپنی امت کے لئے نمونہ اور عملی مثال ہی بن کر آتے ہیں۔ خصوصاً حضرت مقتداؑ عظیم ﷺ کو ان کے متعلق فرمان الہی نے اعلان کر دیا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أَوْسُوْدَةُ حَسَّةٌ﴾ (۲۱/الاحزاب: ۳۳)

”او تمہارے لئے (اے مسلمانو!) رسول اللہ میں بہترین اقتدا ہے۔“

توجہ آپ ﷺ مقتداؑ عالم اور امام عظیم بن کرآؑ اور تمام لوگوں کو آپ کی تقلید اور پیروی کا حکم دیا گیا تو ایسی حالت میں آپ کا فعل ہمارے لئے قابل تقلید اور لائق پیرودی ہے۔ بے شک بعض امور ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو بحیثیت پیغمبر آپ کے ساتھ مخصوص ہوں۔ لیکن ضرورت ہے کہ دفع التباس اور رفع شک کے لئے ان تمام مخصوص امور کے متعلق ساتھ یہ اعلان عام بھی کر دیا جائے کہ یہ مخصوصات

نبوی ﷺ ہیں اور یہ عام امت کے لئے نہیں ہیں۔ اس بنا پر اس کے تسلیم کر لینے سے چارہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے جس قدر خصائص ذاتی تھے۔ شریعت نے ان کو برلاوا ضع کر دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ یہ صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس لئے جن امور کے متعلق یہ تصریح موجود نہیں کہ یہ مخصوصات نبوی ﷺ میں ہیں۔ ان کو ہرگز خصائص کے باب میں جگہ نہیں دی جاسکتی اور اس طرح یہ معلوم ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کے جو خصائص ذاتی ہیں۔ وہ چند محدود امور ہیں اور کتاب و سنت نے ان کا مخصوص ہونا عالم آشکارا کر دیا ہے۔

خاصیص ذاتی

نبوت اور لوازم نبوت

سب سے ہمیں چیز جو آپ ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ مخصوص تھی اور جس کا کوئی حصہ افراد امت کو نہیں ملا، وہ نبوت اور اس کے لوازم وہی، تشریح، اخبار الہی، زوال جبریل، شیخ احکام وغیرہ ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کے سوانح تو کسی فردا ملت پر کوئی وہی آئی اور نہ آئتی ہے۔ نہ کسی کو کوئی نبی شریعت لانے اور نے مذہبی قانون وضع کرنے کا اختیار ہے۔ نہ وہ بے گناہ اور معصوم ہے، نہ اللہ تعالیٰ سے سن کر وہ خبر دے سکتا ہے۔ نہ اس کے پاس قاصد الہی آسکتا ہے۔ نہ وہ احکام شرعی کو منسون کر سکتا ہے۔ وغیرہ، صرف وہ چیزیں ایسی ہیں جو افراد امت کے لئے باقی ہیں اور وہ روایاتے سادقہ اور کشف والہام ہیں۔

امور متعلقہ نکاح

مسئلہ نکاح میں آنحضرت ﷺ کے لئے چند امور مخصوص کر دیے گئے ہیں، جن کی رخصت عام امت کے لئے نہیں:

① عام مسلمان بشرط عدل صرف چار بیویاں ایک وقت میں رکھ سکتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ چار سے زیادہ رکھ سکتے تھے۔

② آنحضرت ﷺ کے لئے اس کی رخصت تھی کہ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے مہر کے بغیر آپ کی زوجیت میں آنا چاہتی اور آپ اس کو قبول کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے، گوایا واقعہ نہیں ہوا لیکن افراد امت کے لئے بغیر مہر نکاح ممکن ہی نہیں۔

یہ دور حضتیں تھیں، لیکن ان کے مقابلہ میں اس باب میں آپ ﷺ پر کچھ قیدیں بھی تھیں۔ جو عام افراد امت پر نہیں۔

③ آپ ﷺ پر وہی عورتیں حلال تھیں جن کو اداء مہر یا بغیر مہر کے آپ اپنی زوجیت میں اب تک لے چکے تھے اور رشتہ کی بہنوں میں سے صرف وہی عورتیں آپ کی زوجیت میں رہ سکتی تھیں، جنہوں نے آپ کے ساتھ بھرت کی تھی۔ عام مسلمانوں پر قید نہ تھی۔

④ عام مسلمان اہل کتاب کی عورتوں سے جنہوں نے گو اسلام نہ قبول کیا ہو نکاح کر سکتے تھے اور کر سکتے ہیں۔ مگر آپ ﷺ کو اس کی اجازت نہ تھی۔

⑤ جو بیویاں آپ ﷺ کے پاس تھیں، ان میں سے اب کسی کو نہ آپ طلاق دے سکتے تھے اور نہ ان کے بعد آپ اور کسی سے اب نکاح کر سکتے تھے۔

⑥ آپ ﷺ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ ان بیویوں میں سے چند کو اپنے قریب کر لیں اور باقی کو پچھے

کردیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے چار کو یعنی حضرت عائشہ، حفصہ، زینب اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم کو پاس رکھ لیا تھا اور بقیہ کو شرف زوجیت بخشے کے ساتھ اپنے سے علیحدہ رکھا تھا اور ان میں آپ روبدل بھی کر سکتے تھے۔

⑦ آنحضرت ﷺ کی بیویوں کو آپ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے نکاح میں جانے کی اجازت نہ تھی:

﴿وَلَا أُنْكِحُوا إِذَا وَاجَةَ مِنْ بَعْدِهِ أَبْدًا﴾ (الاحزاب: ٣٣)

”اور نہ یہ مناسب ہے کہ اپنے پیغمبر کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی نکاح کرو۔“

یہ تمام احکام سورہ احزاب میں بصیرت حتماً مذکور ہیں اور ان کے خاص و جوہ و مصالح ہیں۔ اصل یہ ہے کہ عرب میں نکاح کی تعداد متعین نہ تھی۔ بلکہ بنی اسرائیل میں بھی اس کی تحدید نہ تھی، تورات میں ایسے انبیاء ﷺ اور بزرگوں کے نام بھی ہیں، جن کی متعدد بلکہ سینکڑوں بیویاں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے پورے عہد شباب میں یعنی ۲۵ سال سے ۵۰ برس کی عمر تک صرف ایک بی بی (حضرت خدیجہ ؓ) پر کفایت کی۔ حضرت خدیجہ ؓ کے بعد ایک ساتھ دونکاح کئے۔ حضرت سودہ ؓ سے جو کیراں تھی اور حضرت عائشہ ؓ کے ساتھے جو صرف ۶ برس کی تھیں اتنی چھوٹی لڑکی سے نکاح ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صرف دو خاندانوں میں محبت اور ایک جہتی کی ترقی ہی کے لئے ہو سکتا تھا۔ مدینہ میں آ کر آپ نے چند اور نکاح کئے، ان نکاحوں پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے یہ خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان میں دو قسم کی عورتیں تھیں۔ ایک وہ جو رو سائے قبل کی لڑکیاں تھیں اور جن سے نکاح کا مقصد اسلام کی بہتری کے لئے تعلقات کی توسعی اور اضافہ تھا۔ حضرت عائشہ ؓ صدیق اکابر ؓ کی اور حضرت حفصہ ؓ فاروق عظم ؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت ام حبیبہ ؓ ابوسفیان رئیس بنی امیہ کی بیٹی تھیں۔ حضرت جو یہ ؓ قبیلہ بنی المصططف کی رئیس تھیں۔ حضرت صفیہ ؓ رئیس خیبر کی دختر تھیں۔

ازدواج مطہرات میں دوسری وہ بیوہ عورتیں تھیں جن کا سن زیادہ تھا اور گویا اس طرح ان کی کفالت کا بار آپ ﷺ نے اٹھایا تھا۔ چنانچہ حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ، حضرت زینب ام المسکین رضی اللہ عنہم یہ سب بیوائیں تھیں۔ ایک اور بیوی حضرت زینب بنت جحش تھیں جو گویا بیوہ نہ تھیں۔ لیکن مطلقہ تھیں۔ ان کے شوہرنے ان کو طلاق دے دی تھی۔ اس تفصیل سے آپ ﷺ کی کثرت ازواج کے اسباب مکشف ہوئے ہوں گے۔ اس کی تصریح نہیں ملتی کہ سورہ احزاب میں یہ مخصوص احکام کب نازل ہوئے۔ لیکن اس بنا پر کہ آپ نے آخری سے آخری نکاح حضرت میمونہ ؓ سے رکھے ہیں میں اداۓ عمرہ کے زمانہ میں کیا ہے اور اس کے بعد آپ کا کوئی نکاح ثابت نہیں۔ اس لئے ان احکام کے نزول کی تاریخ اسی

لے کو قرار دیا جاسکتا ہے کہ ۸ میں اسلام کی طاقت اپنے کمال کو تینجی گئی تھی اور خیر، طائف اور مکہ معظوظ فتح ہو چکا تھا اور آنحضرت ﷺ کو ان تعلقات کے ذریعہ سے کسی نئے قبیلہ کو مطیع کرنے کی ضرورت نہ تھی اور غریب سن رسیدہ مسلمان یہاؤں کی کفالت کی حاجت نہ تھی۔

اس تمہید کے بعد یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام نے ازواج مطہرات ﷺ کو وقار نبوت کے برقرار رکھنے اور ان کو تمام تراجم اسلامی کے نشر و اشاعت میں مصروف رہنے کا حکم دے کر ان کا آئندہ نکاح ناجائز قرار دیا اور ان کو تمام مسلمانوں کی ماڈل کا رتبہ دیا 『وَأَزْوَاجُهُ أَمْهَاتُهُمْ』 (الاحزاب: ۲۲) اب ایسی حالت میں چار سے زیادہ نکاح کرنے کی ممانعت کا حکم نازل ہوتا ہے۔ اب جناب رسالت مآب ﷺ کے لئے اس کے سوا چارہ کا رکیا ہوتا، کہ وہ اپنی موجودہ یہو یوں پر مدد و در ہیں کہ اگر ان میں سے کچھ کو طلاق دے دی جائے تو چونکہ وہ دوسرے مسلمانوں کے نکاح میں نہیں آ سکتیں۔ اس لئے ان پر یہ صریح ظلم ہوتا۔ بنابریں آنحضرت ﷺ کو موجودہ یہو یوں کو آپ کی زوجیت میں رکھنے کی اجازت ہوتی ہے اور طلاق کی رخصت آپ سے سلب کر لی جاتی ہے اور ان محمد و ازواج میں سے بھی چند کو قریب رکھنے اور بقیہ کو شرف زوجیت کے ساتھ علیحدگی (ارجاء) کا حکم دیا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کا رکیعی حضرت عائشہ، حفصہ، ام سلمہ، نبیب ﷺ کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت سودہ، حضرت جوبیریہ، حضرت میونہ اور حضرت ام جبیرہ ﷺ سے ارجاء کرتے ہیں۔ ۴ کتابیہ سے آنحضرت ﷺ کو اس لئے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی کہ نبوت محمدی پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے امور دین میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا اور نہ اس کو محروم راز ہونے کا شرف بخشنا جاسکتا تھا۔

نماز شبانہ

شروع میں جب نماز بُنگانہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ مسلمانوں پر رات کی نماز (تجدد) فرض تھی، اس کے بعد مراجع میں جب پانچ وقت کی نماز فرض ہو گئی تو تجد کی نماز عام امت پر فرض نہیں رہی بلکہ صرف مستحب رہ گئی۔ لیکن خود آنحضرت ﷺ کے لئے یہ نماز شبانہ فرض مزید کے طور پر باقی رہی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ پوری پابندی کے ساتھ اس کو ادا کرتے رہے۔ یہی وہ نماز تھی جس میں دریک کھڑے رہتے ہیں پائے مبارک میں ورم آ جاتا تھا۔ سورہ بیت اسرائیل جو مراجع کی سوہہ ہے اس میں نماز بُنگانہ کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنِ اتَّى لِلَّهِ بِهِجَدٍ يَٰٰهٰ نَافِلَةً لَّكَ عَلَىٰ أَنْ يَسْعَكَ رِبُّكَ مَقَاماً مَحْمُودًا﴾

(۱۷) بنی اسرائیل:

”اور رات کے حصہ میں بیدار ہو کر نماز پڑھا یہ تیرے لئے مزید ہے، قریب ہے کہ تیرا پروردگار تجھ کو مقام مُحَمَّد (مرتبہ شفاعة) میں اٹھا لے۔“

۴ تفسیر ابن حجریر طبری، تفسیر سورہ احزاب، ج ۲۲، ص: ۱۶ مصر۔

نماز چاشت اور قربانی

اسی طرح چاشت کے وقت نماز عام مسلمانوں کے لئے نفل ہے، مگر احادیث میں ہے کہ یہ نماز آپ پر بمزلم فرض کے تھی اور اسی کے ساتھ قربانی کا حکم بھی، غالباً یہ حدیثین سورہ کوثر کی تفسیریں ہیں:

﴿إِنَّا عَطَيْنَاكَ الْكَوْثُرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحِرْ﴾ (۱۰۸ / الكوثر: ۱)

”اے پیغمبر ﷺ! میں نے تجھے کوثر عطا کیا تو، تو اس کے شکرانے میں اپنے رب کی نماز (چاشت) پڑھ اور قربانی کر۔“

مگر یہ طریق صحابہ کو نہیں، اسی لئے ہمیں ان کو خصائص نبوی ﷺ میں شمار کرنے میں اب بھی تاہل ہے۔
عصر کے بعد نماز دو گانہ

عام امت کے لئے نماز عصر کے بعد سے غروب تک نماز پڑھنا منوع ہے، مگر آنحضرت ﷺ کو آخر میں بعض ازواج مطہرات ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا، دریافت کیا تو فرمایا کہ ”ایک وحدتی ملاقات میں ظہر کے بعد کی دور کعین مچھ سے رہ گئی تھیں، میں ان کی قضا پڑھتا ہوں۔“ یہ عام امت کے لئے تو اس کی قضا واجب نہ تھی اور اگر ہوتی بھی تو ایک دفعہ قضا پڑھ لینا کافی تھا، مگر آپ ﷺ نے اپنے لئے ایک نماز سنت کے ترک عدم کی تلافی کی شاید آخوندی کوشش کرتے رہے۔

صوم و صال

یعنی کئی دن کا متصل افطار کئے بغیر روزہ رکھنا عام امت کے لئے منوع ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کئی کئی دن کاروزہ رکھتے تھے اور نیچ میں افطار کے وقت کچھ کھاتے پیتے نہ تھے۔ بعض صحابہ ﷺ نے آپ کی بیروی میں اس طرح کاروزہ رکھنا چاہا تو آپ نے روک دیا اور فرمایا: ”تم میں کون میری طرح ہے جو کو تو میرا پروردگار کھلاتا اور سیراب کرتا ہے۔“ ③

صدقة و زکوٰۃ کھانے کی حرمت

آنحضرت ﷺ اور اہل بیت پر کئی کئی دن کے قابل گزر جاتے تھے۔ عام مسلمان غربت اور بیگ دستی کی حالت میں اس سرمایہ سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ مگر آپ نے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے اس مد کی ہر شے حرام کر دی اور کبھی صدقہ کامال ذاتی مصرف میں لانا گوارا نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ اگر حسین بن علیؑ کی پس کے اتفاق سے صدقہ و فطر کی کوئی بھروسہ بھی اپنے منہ میں ڈال لیتے تھے، تو آپ انگوادیتے تھے ④ اور فرمایا کرتے

① بحوالہ خصائص کبریٰ سیوطی، ج ۲، ص ۲۰۷، ۲۰۸۔ ۲۷۳: ترمذی، ابو داود: ۱۲۷۳؛ ابوداؤد: ۱۲۷۳؛ طبع حیدر آباد۔ ۲۲

ابواب الصلاة، باب ما جاء في الصلوة بعد العصر: ۱۸۴۔ ۲۲۹۹: بکره من التعمق۔ ۴ صحیح بخاری، کتاب الزکاة، باب ما یذکر فی الصدقة للنبي ﷺ۔

والله: ۱۴۹۱ و مسلم کتاب الزکوة، باب تحريم الزکوة على رسول الله ﷺ۔ ۲۴۷۳۔

تھے: ”یہ لوگوں کے مال و دولت کا میل ہے، اس کا لینا اہل بیت نبوت کو رو انہیں۔“ * چنانچہ سادات کے لئے قیامت تک اس قسم کے صدقات کا لینا جائز نہیں۔ آپ ﷺ کے پاس جب کوئی ناواقف شخص کوئی چیز لے کر جاتا تھا کہ اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرے۔ تو آپ دریافت فرمایا کرتے تھے: ”یہ صدقہ ہے یا تخفہ؟“ اگر تخفہ کہتا قبول فرماتے اور اگر معلوم ہوتا کہ صدقہ ہے تو اجتناب فرماتے * اس طرح آنحضرت ﷺ نے مخالفین کی اس بدگمانی کا ہمیشہ کے لئے خاتمه کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی صدقہ و خیرات کی اس تاکید کا مقصود (نوعہ باللہ) اپنی اور اپنے خاندان کی دائمی پرورش کا سامان تھا۔

* صحيح مسلم، كتاب الزكوة، باب ترك استعمال آل النبي ﷺ على الصدقة: ٢٤٨١۔

* صحيح مسلم، كتاب الزكوة، باب قبول النبي ﷺ الهدية ورده الصدقة: ٢٤٩١؛ صحيح بخاري، كتاب الهبة، باب قبول الهدية: ٢٥٧٦۔

خاص انص نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖۤہٖۤرَبِّہِۤ عَلَیْہِ السَّلَامُ

دیگر انہیا کے مقابلہ میں جس قدر خصائص آپ ﷺ کو عطا ہوئے ہیں، وہ متعدد معتبر حدیثوں میں مختلف تعدادوں میں نام بنا مخوذ بان اقدس سے ادا ہوئے ہیں۔ صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔ مجھے رعب اور دھاک کے ذریعہ سے فتح و نصرت دی گئی۔ میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی۔ غنیمت کا مال میرے لئے حلال کیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا۔ مجھے شفاعت کا سرتبہ عنایت ہوا۔ مجھ سے پہلے انہیا خاص اپنی اپنی قوموں کی طرف مبouth ہوئے تھے اور میں تمام دنیا کے لئے مبouth ہوا۔“ ④ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی زبانی چھ باتیں گناہیں ہیں: ”مجھے جو اعم الکلم عنایت ہوئے، رعب و داب سے نصرت دی گئی۔ مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا۔ تمام روئے زمین میرے لئے مسجد بنی۔ میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی۔ انہیا ﷺ کا سلسلہ میری ذات پر ختم ہوا۔“ ⑤

احادیث کی دیگر روایتوں میں بعض اور خصائص بھی زبان اقدس سے بیان ہوئے ہیں، مثلاً: یہ کہ میرا مجرہ وہی قیامت تک کے لئے ہے۔ میرے پیرو تمام انہیا سے زیادہ ہیں۔ میری نبوت اولین ہے۔ مجھ کو فلاں فلاں سورتیں دی گئیں جو کسی اور کو نہیں ملیں۔ فلاں فلاں وقت کی نمازیں خاص میری امت کے لئے فرض ہوئیں۔ مگر حقیقت میں ان میں بعض جزیات ایسی ہیں جو ان ہی پچھے عنوانوں کے تحت میں کسی نہ کسی حیثیت سے درج ہیں۔ سورتوں کی خصوصیت جو اعم الکلم میں داخل ہے۔ بعض نمازوں کے اوقات کا اضافہ ختم نبوت کے مدارج کے اندر ہے۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کی دو خصوصیتیں مذکور ہوئی ہیں۔ وہ ان سب کو جامع ہیں۔ یعنی تکمیل دین اور ختم نبوت۔ بہر حال احوال کو جھوڑ کر ذیل میں ہم کو نہیاں خصوصیات پر قرآن پاک اور احادیث صحیح کی روشنی میں ایک تفصیلی نظر دانا ہے۔

رعب و نصرت

آنحضرت ﷺ سے پہلے جوانہیا دنیا میں آئے وہ دو قسم کے تھے، یا وہ بظاہر کمزور اور بے یار و مددگار تھے اور ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی حصہ عطا نہیں ہوا تھا۔ پیغمبروں کی بڑی تعداد ایسی ہی تھی دوسرے وہ انہیا ہیں جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی اور وہ صرف چند ہیں۔ حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب قول النبي ﷺ جعلت لى الارض مسجداً: ٤٣٨، کتاب التیم: ٥٣٢، صحیح مسلم، کتاب المساجد: ١١٦٣؛ نسانی کتاب الغسل، باب التیم بالصعید: ٤٣٢، نسانی کی روایت میں ”غنیمت کا مال میرے لیے حلال کیا گیا۔“ کے الفاظ نہیں ہیں۔

❷ صحیح مسلم، کتاب المساجد: ١١٦٧؛ ترمذی، کتاب السیر، باب ما جاء في الغنمة: ١٥٥٣۔

سلیمان علیہ السلام مگر ان میں سے کسی کو بھی نام نامی کے رعب اور ہیبت کا انعام عطا نہیں ہوا اور تاریخ اس بیان پر شاہد ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کا آغاز گوایوبی بیچارگی اور مُسکنی غربت سے ہوا۔ مگر انعام موسوی طاقت، داؤ دی سلطنت اور سلیمانی شان و شکوه پر ہوا اور ان سب سے مافوق یہ تھا کہ آپ کی تمام ترقوت، طاقت، رعب و ہیبت سب خدا کی راہ میں صرف ہوئی۔ اس سے گم گشتوں نے راستہ پایا۔ بھولوں نے یاد کیا۔ سننے والوں نے آواز دی اور یہ اثر پیدا ہوا کہ آپ جس راستے نکل جاتے گناہ کار اور مجرم سراطاعت خم کر دیتے اور اپنی سیہ کاریوں پر ندامت کا اظہار کرتے تھے۔

متعدد حدیثوں میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”مجھے فتح و نصرت، رعب و ہیبت کے ذریعہ بخشی گئی۔“ یہاں تک کہ میری دھاک ایک مہینہ کی مسافت تک پر کام کرتی ہے۔ ﴿ علامہ ابن خدون نے مقدمہ میں فون جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی ایک فریق کو جو فتح ہوتی ہے وہ اسی وقت ہوتی ہے، جب دوسرے فریق پر پہلے کی خداداد مرغوبیت چھا جاتی ہے۔

آنحضرت علیہ السلام کے اسم گرامی کو یہ شرف اس لئے عطا ہوا، تاکہ مزید خوزیری کے بغیر ملک میں امن و امان اور سکون و اطمینان پیدا ہو جائے اور صدائے حق کے لئے راستہ صاف ہو۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے وصف کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا:

«سَالِقُونَ فِي قُلُوبِ الظَّالِمِينَ لَكُفُرُوا الرُّعْبُ» (۸/الانفال: ۱۲)

”عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالوں گا۔“

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور قرآن نے شہادت دی:

«وَقَدْ فَرَأَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبُ» (۳۳/الاحزاب: ۲۶، ۵۹ / الحشر: ۲)

”اور خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔“

چنانچہ بڑے بڑے دل گردہ کے بہادر زہر میں تلواریں بجھا بجھا کر آئے، مگر جب روئے روشن پر نظر پڑی کاپ کر رہ گئے۔ بڑے بڑے سرکش قبائل آپ علیہ السلام کا نام سن کر دم بخود ہو جاتے تھے۔ مدینہ کے آس پاس کے یہود جو بڑے بڑے قلعوں میں بیٹھ کر فرمان روائی کرتے تھے اور جن کو اپنی فوجی قوت اور جنگی سامانوں پر ناز تھا۔ جب انہوں نے سرتاہی کی، بے لڑے بھڑے آپ کے سامنے اطاعت کی گردان ڈال دی۔ خبر کے قلعہ نشین یہود جو سب سے زیادہ مضبوط تھے، جب ایک صحیح کوان کے قلعوں کے سامنے دفعہ کو کبہ اسلام طلوع ہوا۔ تو ان کے مند سے چیخ نکل گئی کہ محمد علیہ السلام کا شکر! ابوسفیان جو بارہا ایک فریق مقابل کی حیثیت سے میدان جنگ میں فوجوں کے پرے گاتا رہا۔ فتح مکہ کے دن جب حضرت عباس علیہ السلام اس کو لے کر اسلام کے موجز ن دریائے الہی کا نظارہ دکھار ہے تھے اور رنگ برنگ کے علم نگاہوں کے سامنے سے

﴿ صحیح بخاری: ۴۳۸ و صحیح مسلم عن ابی هریرۃ: ۱۱۶۳ و احمد بن ابی شیبہ بیهقی و بزار عن علی۔

گزر رہے تھے تو ہر نے دستہ اور عین علم کو دیکھ کر کانپ کاپ جاتا تھا۔
با ایں ہمساں مجسمہ بیت کا حال کیا تھا، نا آشنا ڈرتے تھے اور وہ ان کو تکمیل دیتا تھا۔ بے خبر اس سے
رعاب کھاتے تھے اور آگاہ، پروانہ تھے کہ

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشَدُّ أَعْمَالَ الظَّفَارِ حَمَاءُ يَنْهَمُ﴾

(۴۸) / الفتح: ۲۹)

”محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی کافروں پر بھاری اور آپس میں رحم دل ہیں۔“

ایک بدھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جیسے ہی چہرہ مبارک پر نظر پڑی کانپ گیا۔ فرمایا:
”ڈر نہیں میں بادشاہ نہیں ہوں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں، جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔“ ❶ حضرت
محمد صاحبی ﷺ نے اپنے بیٹے اسودے کہا کہ آنحضرت ﷺ زنانخانہ میں ہیں۔ آپ کوآواز دو، وہ ہچکانے
لگے۔ باپ نے کہا: جان پدر محمد ﷺ جبار نہیں ❷ یہ بیت، یہ وقار، یہ بدہ، یہ رعب، یہ تنقی و شناکی چمک، فوج
و عسکر کے تلاطم، جلا دوں کی صفائی اور تنقیب کف سپا ہیوں کی نمائش سے نہیں پیدا ہوا بلکہ

بیبیت حق است این از خلق نیست

بیبیت این مرد صاحبِ دلچ نیست ❸

مسجدہ گاہِ عام

اسلام کے علاوہ جس قدر مذاہب ہیں، وہ اپنے مراسم عبادت کے ادا کرنے لئے چند گھری ہوئی چار
دیواریوں کے مقام ہیں۔ گویا ان کا خدا ان ہی کے اندر بستا ہے۔ یہود اپنے صوموں اور قربان گاہوں سے
باہر نہ خدا کو پکار سکتے ہیں اور نہ قربانی کے نذر اپنے پیش کر سکتے ہیں۔ عیسائی اپنے کنیوں کے بغیر خدا کے آگے
نہیں جھک سکتے۔ یہاں تک کہ بت پرست قویں بھی اپنے بت خانوں ہی کی چار دیواریوں کے اندر اپنے
دیوتاؤں کو خوش کر سکتی ہیں۔ لیکن اسلام کے عالمگیر مذہب کا خدا اس آب و گل اور سنگ و خشت کی چار دیواریوں
میں محدود نہیں۔ وہ ہر جگہ ہے اور ہر جگہ سے پکارا جا سکتا ہے۔ کوہ و صحراء، شکلی و تری، مسجد و کشت ❹ ہر جگہ اس
کے سامنے سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ جس طرح مسجدوں کے اندر ہے۔ مسجدوں کے باہر بھی ہے۔ اس کی قربانی
مشرق و مغرب ہر جگہ گزارنی جاسکتی ہے:

﴿إِنَّمَا تُؤْلُوا فَثْمَ وَجْهُ اللَّهِ﴾ ”جہ دھرنہ پھیر وادھر ہی خدا کا منہ ہے۔“

ع ہر جا کنیم سجدہ بآن آستان رسد

❶ شماںیل ترمذی، شہاک ترمذی، میں یہ روایت موجود نہیں البتہ سنن ابن ماجہ، ابواب الاطعمة، باب القدیر: ۳۳۱۲۔

میں اس مضمون کی روایت موجود ہے۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب المزمر بالذهب: ۵۸۶۲۔

❸ مشنی مسنوی مولانا روم، یاقوت رسل قصر را..... جس: ۳۸۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب الصلوة

فی الیعة: ۴۳۴ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس میں گرجاؤں میں جن میں تصویریں نہ ہوتیں نماز پڑھ لیتے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے لئے تمام روئے زمین مسجدہ گاہ بنائی گئی۔“ ۲ یہ مسئلہ ہر چند ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے، مگر اس کے اندر وہ صداقت پنهان ہے۔ جو اسلام کی عالمگیری اور اس کے آخری مذہب ہونے کا اعلان عام کرتی ہے۔

پیروؤں کی کثرت

دنیا میں لاکھوں پیغمبر آئے، مگر آج دنیا میں ان کی تعلیم وہدایت کی ایک یادگار باقی نہیں۔ یہاں تک کہ تاریخ کے اوراق میں بھی ان کا نام و نشان نہیں۔ وہ انبیاء جن کے صرف حالات معلوم ہیں، ان کی نسبت وہیں بھی معلوم ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہنے والے چند سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ایک پیغمبر کا کارنامہ دیکھ جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا ایک بھی ایمانہ ملے گا جس کے مانے والے سو بھی ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوششوں کے جولان گاہ صرف بنی اسرائیل کے چند ہزار نفوس تھے۔ جو قدم قدم پر راہ حق سے ہٹ ہٹ جاتے ہیں۔ کہیں گو سالے کو پوچھتے ہیں، کہیں خدا کو ان آنکھوں سے دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں، کہیں سرفوشی اور جانبازی سے گھبرا کر میدان جنگ میں جانے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجروانہ کارنا میں صرف اسی قدر را شد کھاتے ہیں کہ چند دہائی انسان ان کی شیریں گفتاری کا دم بھرتے ہیں، مگر اس سے پہلے کہ مرغ بانگ دے، ابن آدم کو شمنوں کے پنج میں اسی کرتاتے ہیں اور تین دفعہ اس کے پیچانے سے مکر ہوتے ہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا یہ حال ہے کہ مکدی گلیوں میں آپ نے تن تھابے یا روم دگار متلاشیاں حق کو صدائے توحید دی۔ جواب میں ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی۔ لیکن ۳۲ سال نہ گزرنے پائے تھے کہ ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ کلمہ لا الہ الا اللہ سے پر شور ہو گیا اور جب آپ نے اسی مکدی کی سرز میں کے لیے جتنہ الوداع کا اعلان کیا تو کم و بیش ایک لاکھ جان شاروف دا کار دائیں باہمیں کھڑے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس قدر میری نبوت کی سچائی کا اعتراف کیا گیا، کسی اور پیغمبر کی سچائی کا نہیں کیا گیا کہ بعض انبیاء ایسے بھی ہیں جن کو سچا کہنے والا ان کی امت میں صرف ایک ہی تکلا۔“ ۳ صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک دفعہ مجھ پر (علم مثال میں) تو میں پیش کی گئیں۔ بعض پیغمبر ایسے تھے کہ ان کے پیچھے صرف ایک ہی دو آدمی تھے۔ بعض تھا ہی تھے ان کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ اتنے میں ایک بڑی بھیز نظر آئی، خیال ہوا کہ یہ میری امت ہو گی، تو بتایا گیا کہ یہ موسیٰ اور ان کی قوم ہے پھر کہا

۱ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ: ۴۳۸ و مسلم، کتاب المساجد: ۱۱۶۳ و نسانی، کتاب الغسل: ۴۳۲ و ترمذی، ابواب الصلوٰۃ: ۳۱۷۔

۲ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قول النبی ﷺ انا اول الناس یشفع..... ۴۸۵۔

گیا کہ دوسرے کنارہ کی طرف دیکھو! تو اتنا سوا دعا عظیم نظر آیا کہ اس سے افق چھپ گیا۔ پھر کہا گیا اسی طرح اوہر دیکھو، بڑی تعداد کی شرکت کھائی دی۔ کہا گیا کہ یہ سب تیری امت ہے۔*

دعوتِ عام

محمد رسول اللہ ﷺ کے پیروؤں اور حلقہ بگوشوں کی کثرت تعداد کا ایک اور سبب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے جس قدر انہیا آئے، وہ خاص قوموں اور قبیلوں کی طرف بھیجے گئے، ان کی دعوت عام نہ تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیزوں کی گلہ بانی تک محدود رکھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کی طرف ہوئی۔ کالے، گورے، روئی، جبھی، عرب، عجم، ترک، تاتار، چینی، ہندی سب آپ ﷺ میں برابر کے قدر ہیں۔ قرآن نے کہا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافِةً لِلنَّاسِ﴾ (۲۸/ سبا: ۳۴)

”اے محمد ﷺ! ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔“

﴿تَبَرَّكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ (۲۵/ الفرقان: ۱)

”بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا، تاکہ وہ تمام دنیا کو ہشیار کرے۔“

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم میں بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں۔“* اس معنی کی بکثرت روایتیں حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی آئی ہیں۔ اس کی عملی دلیل یہ ہے کہ تمام بشریوں کے حالات پڑھ جاؤ، سب کے پیروؤں کو ان کی زندگی میں خود انہیں کے قوم و ملک کے اندر محدود پاؤ گے۔ لیکن آپ کے حلقہ بگوشوں میں خود آپ کی زندگی میں عرب کے علاوہ سلمان، عجمی، صحیب روئی، بالاں جبھی تھیں سب کو پاؤ گے۔ سلطنت عالم کے نام آپ کا دعوت نام بھی اسی تعمیم دعوت کی سلسلہ عملی دلیل ہے۔

جوامنِ الکلم

دنیا میں ہی آسمانی صحینے اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں۔ مگر ان میں ایک کے سوا صرف جامعیت سے سب محروم ہیں۔ تواریخ اقوام کی تاریخ اور احکام و قوانین کا مجموعہ ہے۔ عقیدہ توحید و رسالت کے سوا تمام دیگر ضروری عقائد سے اور رسم قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائل عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو جھوڑ کر تمام و تائق اخلاق سے بکسر خالی ہیں۔ زبر صرف دعاوں اور مناجاتوں کا ذخیرہ ہے۔ سفرایوب علیہ السلام میں صرف عقیدہ تقدیر و رضا کی تعلیم ہے۔ امثال سلیمان صرف مواعظ و حکم ہیں۔ دیگر انہیاً بنی اسرائیل کے صحیفے صرف

* صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمين الجنة..... ۵۲۷ و بخاری
كتاب الطه: ۵۷۰ كتاب احاديث الانبياء باب وفات موسى: ۳۴۱۰۔ * بخاری، كتاب الصلوة، باب
قول النبي ﷺ: جعلت لى الأرض مساجدا: ۴۳۸ و مسلم، كتاب المساجد: ۱۱۶۳۔

توبہ و ندامت پیشین گوئی اور ماتم ہیں۔ انجیل کا صحیفہ حضرت مسیح علیہ السلام کی سرگزشت اور تعلیمات اخلاقی کا مجموعہ ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ علیہ السلام کو جو صحیفہ ملا، وہ جوامع الکلم ہے۔ یعنی وہ تمام باتوں کو جامع ہے وہ توراة بھی ہے، زبور بھی اور انجیل بھی اور کچھ ان سے زیادہ بھی۔ اسی لئے آپ علیہ السلام نے اپنے خصائص میں یہ ارشاد فرمایا ہے: ”مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے۔“ ۲ یہی میں ۲ حضرت والیہ بن الاسع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے مجھے فرمایا: ”مجھے توراة کی جگہ سیع طول (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ میں (تقریباً سو آیتوں والی سورتیں) انجیل کے قائم مقام مثانی دی گئیں اور سور مفصلات ۲ زیادہ ملیں۔“ ابویعیم میں یہی روایت ان الفاظ میں ہے کہ ”مجھے مثانی تو اتا کی جگہ، میں انجیل کی جگہ، حاویم زبور کی جگہ اور مفصلات علاوہ بریں ملیں۔“ ۳

اس لئے قرآن مجید، توراه، زبور اور انجیل کو جامع ہے اور ان کے سوا کچھ اور بھی ہے، وہ تاریخ اقوام بھی ہے، اخلاق و موالع بھی ہے۔ دعا و مناجات بھی ہے، اس میں دین کامل کے تمام عقائد ہیں۔ تمام مراسم عبادات ہیں، تمام معاملات کے احکام و قوانین ہیں۔ اس میں ایک مسلمان کی زندگی کے ہر درود اور ہر شعبہ کے لئے کامل ہدایات اور صحیح تعلیمات موجود ہیں۔ صرف توراة کے اسفار خمسہ یہود کی نہ ہی زندگی کا کامل مجموعہ نہیں۔ صرف انجیل عیسایوں کی نہ ہی حیات کا سرما نہیں۔ یہاں تک کہ ان کے عقائد و عبادات بھی ان کے صحیفوں کے رہیں منت نہیں اور وہ ان کی صحیح تعلیم سے یکسر خاموش ہیں۔ لیکن اسلام قرآن سے باہر کچھ نہیں۔ باہر جو کچھ ہے (احادیث) اس کی عملی توضیح و تفسیر ہے۔ وہی تہذیب مسلمانوں کی ہر ضرورت کا کفیل اور ہر سوال کا مجیب ہے اور اسی لئے اس کے پیروں کامل ”حسبنا کتاب اللہ“ ۴ (هم کو خدا کی کتاب کافی ہے) کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ قرآن جوامع الکلم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے اندر ۱۰۰ کروں لٹائف ہیں۔ اس کے ایک ایک لفظ سے مشکلین اور فقہارے چند در چند مسائل نکالے ہیں اور صوفی اور ارباب حال نے متعدد نکتے پیدا کئے، ہیں تاہم اس کی لطافوں اور زکرتوں کا خاتمه نہیں ہوا اور اس کی جوامع الکلمی کا حصہ نہ ہو سکا۔

۱ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبي ﷺ ببعثت بجواب الکلم: ۷۲۷۳ و کتاب التعبیر، باب المفاتیح فی البد: ۱۳ و مسلم کتاب المساجد: ۱۱۶۸۔ ۲ بحوالہ خصائص کبریٰ، ج ۲، ص: ۱۹۸۔

۳ سیع طوال مبنیں اور مفصلات، قرآن مجید کی کئی سورتوں کے مختلف جمیعون کے نام ہیں۔
۴ ابو القاسم بن ابی عباس (یہ حوالہ خصائص سیوطی، ج ۲، ص: ۲۴)، دوسرا روایت کے الفاظ پہلے سے زیادہ فرین قیاس ہیں، کیونکہ مثانی اور سیع طوال ہماری تحقیق میں ایک ہی ہیں، اور یہی روایت میں ان کو دو بتایا گیا ہے، حالانکہ خود قرآن نے 『سیعا من المثانی』 مثانی کی سات سورتیں، کہا ہے۔ حاویم و سورتیں ہیں، جن کے شروع میں حم ہے، سبیعاً من المثانی کی تفصیل میں روایات اور علم کی تشریحات میں بہت سے اختلافات ہیں لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سبیعاً من المثانی سورہ فاتحہ کو کہا گیا ہے، جس میں سات آیتیں ہیں۔ واللہ عالم بالصواب۔ ۵ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبي ﷺ: ۴۴۳۲ و مسلم کتاب الوصیة، باب ترک الوصیة لمن لیس له شيء، یوصی فیه: ۴۲۲۴۔

اسلام کا صحیفہ جب ایسا جامع ہے تو یقیناً وہ دین بھی جس کو لے کر وہ آیا۔ کامل ہو گا۔ قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے قریب عین مسلمانوں کے اجتماع عظیم کے دن (ججۃ الوداع) یہ اعلان کیا:

﴿الْيَوْمَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ وَأَنْتُمْ عَلَيْهِمْ نَعْمَلُ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾

(۳/۵۰۱) (المائدۃ: ۳)

”آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے میں نے تمہارے لئے پسند کیا۔“

اسلام قرآن کے عقیدہ کے مطابق اس صحیح نہ ہب کا نام ہے جو اپنے اپنے وقت میں ہر پیغمبر کو عطا ہوا اور وہ عہد دنیا کی عمر کے ساتھ مختلف پیغمبروں کے ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچا رہا۔ یہاں تک کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کی تکمیل پر وہ اپنے میراث کمال کو پہنچ کر تمام ہو گیا اور یہ منصب خاص صرف آپ کی ذات پاک کے لئے روزاً دل سے مقدر ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((انا خاتم النبیین و ادم منجدل فی طیبته)) * ”میں پیغمبر آخر تھا اور آدم غلیظ اللہؐ بھی آب و گل میں پڑے تھے۔“ آنحضرت ﷺ نے ایک بلیغ تکمیل میں اسلام کی تکمیل دین کی تشریح فرمائی ہے، فرمایا: ”میری اور دوسرے انبیا کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی۔ لوگ اس کے اندر جاتے ہیں اور اس کو دیکھ کر جیران رہ جاتے ہیں۔ لیکن دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک ایسٹ کی جگہ خالی ہے۔ تو میں وہ آخری ایسٹ ہوں۔“ ** عمارت دین و نبوت ہے۔ اس کی ایک ایک ایسٹ، ایک ایک پیغمبر کا وجود اور اس کا دین و شریعت ہے اور اس کی تکمیل کا آخری پھر نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اقدس ہے۔

وائی مجزہ

وہ دین جو مختلف انبیاء ﷺ کی وسائل طبعوں سے دنیا میں آتا رہا۔ چونکہ وہ محدود زمانوں کے لئے آیا۔ کیا اس لئے ان کے مجرمے بھی محدود وقت تھے۔ یعنی ایک خاص وقت میں پیدا ہوئے اور مرن گئے، اب عصائے مویں بھن داؤ د، تعبیر یوسف، ناقہ ہو د، نفس عیسیٰ ﷺ کا کہاں پہنچے ہے؟ لیکن جو دین محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ آیا کامل تھا اور قیامت تک کے لئے آیا تھا۔ بنا بریں اس کے لئے ایک دائیٰ اور مستقل مجرمہ کی ضرورت تھی اور وہ خود صحیفہ اسلام ہے۔ صحیفین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ہر بی کو وہ مجذہ ملا۔ جس

۱) مستدرک حاکم، تفسیر سورہ احزاب، ج ۲، ص: ۴۱۸۔ مگر اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: اُنی عبد اللہ و خاتم النبیین و ابی منجدل فی طیبته اور یہ روایت کتاب التاریخ، باب ذکر اخبار سید المرسلین میں ان لفظوں کے ساتھ ہے: اُنی عند اللہ فی اول الكتاب لخاتم النبیین و ان آدم لم منجدل فی طیبته (ج ۲، ص: ۶۰۰) ”ضر“

۲) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین: ۳۵۳۴، ۳۵۳۵؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ خاتم النبیین: ۵۹۰۵ تا ۵۹۶۳۔

پر اس کی امت ایمان لائی، لیکن جو مجھے ملا وہ وحی ہے۔ جو خدا نے پیشی تو مجھے امید ہے کہ میرے پیروں تام
انبیا ﷺ سے زیادہ ہوں گے۔ ۲۰ یہ خیال مبارک اسی لئے تھا کہ آپ ﷺ کا مجرہ وحی قیامت تک کے
لئے ہے۔ اس لئے اس کو دیکھنے والے اور اس پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔ دوسرے
انبیا ﷺ کے صحیفے بجائے خود مجرہ نہ تھے۔ اسی لئے وہ تحریف و تغیری سے پاک نہیں رہے اور قرآن دین کا کامل
صحیفہ خاتم الانبیاء کی وحی اور دلائی مجرہ بن کر آیا۔ اسی لئے وہ ہمیشہ کے لئے اپنی حفاظت کا سامان اپنے ساتھ لایا
﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَقِيقُونَ﴾ (۱۵ / الحجر: ۹) ”اور ہم ہیں اس کے محافظ۔“

ختم نبوت

یہ رعب و نصرت، یہ پیروں کی کثرت، یہ سجدہ گاہی عام، یہ اعجاز دوام، یہ جو اجمع الكلم، یہ دعوت عمومی،
یہ تکمیل دین، یہ آیات بینیں خود اس بات کے دلائل ہیں کہ آپ ﷺ کے وجود اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں کا
خاتمه ہو گیا اور نبوت اور رسالت کا سلسلہ متشتمی ہو گیا اور اب دنیا کسی نئے آنے والے کے وجود سے مستغتی ہو
گئی۔ اسی لئے قرآن پاک نے عہد نبوت کے سب سے بڑے مجمع میں یہ اعلان عام کیا کہ
﴿الْيَوْمَ أَكْلَمُ الْمُلْكَ لَكُمْ دِينُكُمْ وَأَمْمُتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينِنَا﴾

(۵/ المائدۃ: ۳)

”آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دین کی
حیثیت سے اسلام کو پسند کیا۔“

یہ آیت جو نوذر والجحہ کو نازل ہوئی۔ اس بات کی بشارت تھی کہ نبوت جس کا مقصد دین کی عمارت
میں کسی نہ کسی اپنیٹ کا اضافہ تھا وہ آج تکمیل کو پہنچ گئی۔ لیکن اس سے پہلے ۵ ہی میں بھی یہ بشارت ان الفاظ
میں گوش گزار ہو چکی تھی:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدًا أَبَا أَحَدٍ قُنْ يَرْجِى لِكُوْنَهُ وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّنَ ۚ﴾

(۴۰/الاحزاب: ۲۳)

”محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ لیکن خدا کے پیغمبر اور تمام نبیوں
کے خاتم ہیں۔“

ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور اسہاہر
کی چیز اس کے اندر جا سکے۔ ۲۱ اسی سے اس کے دوسرے معنی کسی شے کو بند کر کے اس پر عہر کرنے کے ہیں۔

صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبي ﷺ بعثت بجموع الكلم، ۷۷۷، صحیح مسلم،
کتاب الایمان، باب وجوب الایمان ۳۸۵۔

دیکھو لسان العرب، ج ۱، ص ۷۹۰ و صحاح جوہری و اساس البلاغة زمخشری۔

جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکلی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر گئی ہے اور پوچنکہ یہ عمل مہرس ب سے آخر میں کیا جاتا ہے۔ اس کے معنی انتہا اور ختم کرنے کے بھی آتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ تمام معنی مستعمل ہوئے ہیں۔ مثلاً:

﴿الْيَوْمَ تَخْتَمُ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ﴾ (۳۶/ یس: ۶۵)

”آج (قیامت کے دن) ان کے منہ پر مہر لگادیں گے۔“ (یعنی بند کر دیں گے کہ بول نہ سکیں)
یہاں ختم کے معنی بند کر دینے کے بالکل ظاہر ہیں:

﴿خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوبِهِمْ﴾ (۷/ البقرۃ: ۲)

”خدا نے ان (کافروں کے) دلوں پر مہر لگادی ہے (یعنی ان کے دلوں کے دروازے بند کر دیے)۔“

کہ باہر سے جو فحیث اور ہدایت کی باتیں وہ سنتے ہیں وہ ان کے دلوں کے اندر نہیں گھستیں اور بے اثر رہتی ہیں:

﴿وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهِ وَوَكْلِهِ﴾ (۴۵/ الجاثیۃ: ۲۳)

”اور خدا نے اس کے کان پر اور دل پر مہر لگادی (یعنی اس کے کان اور دل بند کر دیے)۔“
کہ اس کے کان کے اندر دعوت رسول کی آواز اور اس کے دل کے اندر اس آواز کا اثر نہیں جاتا۔

﴿يُسْقَوْنَ مِنْ زَجْبِتٍ مَّغْنُونٍ﴾ (۸۳/ المطففين: ۲۵)

”اہل جنت پلائے جائیں گے وہ شراب جس پر مہر لگی ہوگی۔“

وہ سرمہر یعنی بند ہو گی جو اس بات کا ثبوت ہو گا کہ یہ خالص شراب ہے۔ یہ کھلی نہیں کہ اس کے اندر کی خوشبو باہر نکل گئی ہو اور نہ اس کے اندر باہر سے کوئی چیز کسی نے ملا دی ہے۔ جس سے اس کی تیزی کم ہو گئی ہے۔ اسی کے بعد یہ آیت ہے:

﴿خَنْقَةٌ مُّسْكٌ﴾ (۸۳/ المطففين: ۲۶)

”اس کی مہر خشت ہو گی (یا) اس شراب کا آخر مٹک ہو گا۔“

یعنی اس کے ہر گھونٹ کے پینے کے بعد مٹک کی بوس میں سے نکلے گی، یا یہ معنی کہ بوتل یا صراحی کا منہ غایت صفائی اور نزاہت کی غرض سے دنیا کی طرح مٹی، لاکھ یا موم کے بجائے مٹک خالص سے بند ہو گا۔

بہر حال ان تمام استعمالات سے یہ بالیقین معلوم ہو گا کہ اس لفظ سے عمومی اور مشترک معنی کسی چیز کے بند کرنے کے ہیں۔ لفظ خاتم کی دو قراءتیں ہیں۔ مشہور قراءت ﴿ تو خاتم (بکسر تاء) کی ہے جس کے معنی ختم کرنے والے اور بند کرنے والے کے ہوئے اور دوسری قراءت خاتم کی ہے۔ جس کے معنی ہیں وہ شے جس

﴿ تفسیر ابن حجر طبری، جز ۲۲، ص: ۱۱ و تفسیر ابن حبان اندلسی، تفسیر آیت مذکور، ج ۷، ص: ۲۲۶۔ ﴾

کے ذریعے سے کوئی شے بند کی جائے اور اس پر مہر لگائی جائے، تاکہ وہ کھولی نہ جاسکے اور نہ اس کے اندر کوئی چیز باہر سے جاسکے۔ الغرض دونوں حالتوں میں آیت پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہو گا کہ آپ ﷺ کا وجود پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنے والا اور ان پر مہر لگادینے والا ہے کہ پھر آئندہ کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔

آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تمہارے وہ ظاہری باپ نہیں ہیں۔ جس کے رشتہ کی بنا پر وراشت اور حرمت نکاح وغیرہ کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ روحانی باپ (رسول اللہ) اور سب سے آخری روحانی باپ (خاتم النبیین) ہیں۔ اس لئے باپ ہونے کے ظاہری احکام کے بغیر آپ سے وہی پورانہ محبت رکھنی چاہیے اور اسی طرح آپ کی پورانہ اطاعت کرنی چاہیے۔

احادیث صحیح میں لفظ خاتم النبیین کی تشریح بالکل صاف اور واضح ہے۔ مند احمد میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ترمذی میں صرف حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے بعد تمیں کے قریب جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔“

((وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی))

”بِتَقْرِيرٍ مِّنْ نَبِيِّوْنَ كَأَخْتَمَ هُوَ مِنْ بَعْدِهِ بَعْدَ كَوَافِيْ بَنِيْ نَبِيِّ نَهْ ہوْ گَا۔“

(لانبی بعدی) خاتم النبیین کی تفسیر و تشریح ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد پھر کوئی نبی نہ ہو گا۔ اس کے علاوہ آپ کی سکیل دین اور ختم نبوت کی جو مشہور تمثیل بیان کی ہے اور جس کو ہم اس سے پہلے لکھے چکے ہیں۔ اس سے بھی لفظ خاتم النبیین کی پوری تفسیر ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری اور دیگر انبیا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی عمدہ محل بنوایا ہو، لوگ اس کو آآ کر دیکھتے ہیں اور اس کی عمدگی اور خوبصورتی پر عش عش کرتے ہیں، لیکن اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے، تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اتنا تمام نہ رہ جاتا تو خوب ہوتا۔“ اس کے بعد مختلف روایتوں میں حسب ذیل الفاظ ہیں:

((فانا تلك اللبنة)) ۴ “تو میں وہی آخری اینٹ ہوں۔“

((فانا اللبنة وانا خاتم النبیین)) ۵

”تو میں وہی آخری اینٹ ہوں اور سب پیغمبروں کا خاتم ہوں۔“

۱ ج ۵، ص: ۲۷۸۔ ۲ ج ۵، ص: ۳۹۶۔ اس روایت میں ۷۰ تعداد کھصی ہے جن میں چار عورتیں ہوں گی۔

۳ ابواب الفتن، باب ما جاء لا تقوم الساعة حتى يخرج..... ۲۲۱۹۔

۴ صحیح بخاری، کتاب المناقب باب خاتم النبیین: ۳۵۳۵؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل: ۵۹۵۹۔

۵ صحیح بخاری، ایضاً: صحیح مسلم: ۵۹۶۱۔

((فاناً موضع اللبنة جئت فختمت الانبياء)) ﴿١﴾

”میں پیغمبروں میں اسی آخری ایمٹ کی جگہ ہوں میں آیا تو پیغمبروں کا سلسلہ ختم کر دیا۔“

((فی النبین موضع تلك اللبنة)) ﴿٢﴾

”میں پیغمبروں میں اسی آخری ایمٹ کی جگہ ہوں۔“

آنحضرت ﷺ نے دیگر انبیا کے مقابلہ میں اپنے جو مخصوص فضائل گنانے ہیں۔ ان میں ایک ختم نبوت بھی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم (کتاب المساجد) ترمذی (کتاب السیر باب الغنیمة) اور سنائی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((و ختم بی النبییوں)) ﴿٣﴾

سنن دارمی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((و انا خاتم النبین و لا فخر)) ﴿٤﴾

”اور پیغمبروں کا خاتم ہوں اور اس پر فخر نہیں۔“

آپ ﷺ کا خاتم نبوت ہونا کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا۔ بلکہ یہ آپ کی وہ خصوصیت تھی جو آپ کے لئے روز اذل سے مقرر ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((انی عبد الله خاتم النبین و ان آدم لم ينجدل فی طینته)) ﴿٥﴾

”میں خدا کا بندہ اور خاتم انبیا تھا اور آدم ہنوز اپنے عصر خاکی میں پڑے تھے۔“

حضرت ﷺ کو جب آپ ﷺ نے اہل بیت کی نگرانی کے لئے مدینہ میں چھوڑ کر توبہ کرانا چاہا اور حضرت ﷺ نے ہمراہ کاب نہ ہونے پر ملال غاطر ظاہر کیا تو آپ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا:

((الا ترضی ان تكون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه ليس بني

بعدی)) ﴿٦﴾

”کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میں اور مجھ میں وہ نسبت ہو جو ہارون اور موسیٰ میں تھی، لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

﴿١﴾ صحیح مسلم، عن جابر: ۵۹۶۳۔ ترمذی، ابواب المناقب، باب سلوا الله لى الوسيلة: ۳۶۱۳۔

﴿٢﴾ صحیح مسلم، کتاب المساجد: ۱۱۶۷؛ جامع ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی الغنیمة: ۱۵۵۳۔

﴿٣﴾ سنن دارمی، المقدمة، باب ما اعطى النبي ﷺ من الفضل: ۴۹۔

﴿٤﴾ یہ حدیث حسب ذیل کتابوں میں ہے، مستدرک حاکم تفسیر سورہ احزاب، ج ۲، ص: ۴۱۸، حاکم اور ذہبی نے اس کی صحیحگی کی ہے۔ تاریخ امام بخاری، بحوالہ فتح الباری، ج ۶، ص: ۴۰۷؛ وحلیۃ الاولیاء ابن نعیم و شعب الایمان بیهقی (بحوالہ کنز العمال، ج ۶، ص: ۱۰۴؛ حیدر آباد) و مسند احمد، ج ۴، ص: ۱۲۷، ۱۲۸۔

﴿٥﴾ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ توبہ: ۴۴۱۶۔

صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں:

((غیر انه لانی بعدی)) ❶ "لیکن یہ کمیرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

((الا انه لا نبوة بعده)) ❷ "لیکن یہ کمیرے بعد کوئی نبوت نہیں۔"

صحیح بخاری ❸ اور صحیح مسلم ❹ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "بُنَا سَرَائِيلَ كَمَگْرَانِي اور سیاستِ انبیاء کرتے تھے، ایک نبی جب مرتا تھا تو دوسرا نبی پیدا ہوتا تھا۔"

((وَانَهُ لَا نَبِيٌّ بَعْدَهُ)) ❺ "اور بِتَحْقِيقٍ مِّيرَے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔"

جامع ترمذی ❻ اور مسند رک ➋ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر بن الخطاب کی مدح میں فرمایا:

((لَوْ كَانَ نَبِيًّا بَعْدِي لَكَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابَ))

"او رأى ميرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو وہ خطاب کے بیٹھے عمر ہوتے۔"

عربی زبان جانے والے کو معلوم ہے کہ "لو" امر حال کے لئے آتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی دوسرے نبی کا آنا محال ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "میرے پانچ نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ خدا میرے ذریعہ سے کفر کو محکرے گا، میں حاشر ہوں کہ خدا میرے پیچھے سب کو جمع کرے گا اور میں عاقب (آخری) ہوں۔" ❻ "الذی لیس بعده نبی" جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ جامع ترمذی اور بعض دوسری کتابوں میں آخری فقرہ ان الفاظ میں ہے: ((الذی لیس بعده نبی)) یعنی "میں وہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔" ➋

صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "خوشخبریوں کے سوانحوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔" صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! خوشخبریاں کیا ہیں۔ فرمایا: "رویائے صالح۔" ❾ (یعنی پیغام خواب) پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے امور غیب سے مطلع کرنے کے متعدد رائع مقرر کئے ہیں۔ مجملہ ان کے ایک رویائے صالح بھی ہے۔ اسی لئے احادیث میں آیا ہے کہ "نبوت کے چھیلیں اجزا میں سے ایک جزو

❶ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل على: ۶۲۱۷، ۶۲۱۸۔

❷ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبياء، باب ما ذكر عن بنی اسرائیل: ۳۴۵۵۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب الوفاء: ۴۷۷۳۔

❹ ابواب المناقب: ۳۶۸۶ حدیث غریب حسن۔ ❺ مناقب عمر، ج ۳، ص: ۸۵، حدیث صحیح صاححة الذہبی۔ ❻ صحیح بخاری: ۳۵۳۲؛ صحیح مسلم، باب اسماء: ۶۱۰۵: صحیح بخاری میں عاقب کی تفسیر مذکور نہیں امسند احمد، ج ۴، ص: ۸۴، میں یہ حدیث اور عاقب کی تفسیر امام زہری سے مذکور ہے۔

➋ فتح الباری شرح بخاری، ج ۶، ص: ۴۰۶۔

❽ صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب المبشرات: ۶۹۹۰۔

و مومن کارویائے صالح ہے۔ ﴿ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم سے پہلے تو مous میں محدثین (بات کئے گئے) ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہو گا تو وہ عمر ہیں۔ ﴾ ائمہ حدیث نے محدث کے معنی ملهم کے لکھے ہیں۔

غرض ختم نبوت کے بعد اب جو نعمت اہل ایمان کے لئے باقی رہ گئی ہے وہ صرف دو ہیں۔ رویائے صالح اور الہام۔ لیکن چونکہ نبی کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں اور نہ اس کی سچائی کی کوئی قطعی شہادت موجود ہے۔ اس لئے کسی مومن کے رویائے صالح اور الہامات کی دوسرے شخص پر بلکہ خود اس پر بھی جدت نہیں اور ان کے مخابن اللہ ہونے پر یقین کامل کرنا اور ان کی اطاعت و پیروی کرنا اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور ان کی صداقت پر تحدی کرنا ضلالت و گمراہی ہے۔ ان رویائے صالح اور الہامات صادقة کے ذریعہ سے جو چیز مومن کو دی جاتی ہے۔ وہ احکام نہیں ہوتے بلکہ صرف خوبخبریاں ہوتی ہیں۔ یعنی امر غیریاب اور مستقبل سے کچھ اطلاعات اور مناظر۔

مسند ابن حبیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مرض الموت میں مجرہ مبارک کا پرده اٹھایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ امام تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صفت بستے تھے، اس وقت یہ آخر اعلان فرمایا:

((یا ایها الناس لم یبق من مبشرات النبوة الا الرؤیا الصالحة یراها المسلم

او تری له)) ﴿

"اے لوگو! نبوت کی خوبخبریوں (نبی ذرائع علم و خبر) میں سے اب کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ لیکن ایک رویائے صالح جو مسلمان اپنے متعلق آپ دیکھے یا کوئی دوسرے اس کے متعلق دیکھے۔" اس سے صاف ہو گیا کہ رویائے صالح شخصی احوال و مناظر سے متعلق ہے۔ اسی کتاب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہمارے مقصد کے اثبات کے لئے اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلس نبوی ﷺ میں خدام حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدى ولا نبى))

"رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا اور نہ کوئی نبی۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات سخت گزری تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((ولکن المبشرات)) "لیکن خوبخبریاں باقی ہیں۔" لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! خوبخبریاں کیا ہے؟ فرمایا: "مرد مسلم کی رویائے صالح

﴿ صحیح بخاری، کتاب التعبیر: ۱۹۸۳، وصحیح مسلم، کتاب الرؤیا: ۵۹۰ ومسند احمد، ج ۳، ص: ۱۴۹، عن انس۔ ﴾

﴿ بخاری، کتاب فضائل الصحابة: ۳۶۸۹ ومسلم: ۶۲۰۴ وترمذی: ۳۶۹۳۔ ﴾

﴿ مسند احمد، ج ۱، ص: ۲۱۹۔ ﴾

وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔“^۱

یہ تمام حدیثیں حقیقت میں جیسا کہ ترمذی و حاکم میں ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں ہیں:

﴿الَّذِينَ أُولَئِكَ هُنَّ الْمُخَوَّفُونَ لَا هُمْ يَخَوَّفُونَ إِلَّا الَّذِينَ أَمْنُوا وَكَانُوا يَنْكُونُونَ إِلَيْهِمْ

الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ (٦٣، ٦٥ / یونس)

”ہاں اولیائے الہی کو کوئی خوف اور غم نہیں۔ جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے تھے۔ ان کو دنیا اور آخرت میں بشارت ہے۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ دنیا میں ان کے لئے بشارت کیا ہے؟ فرمایا: ”رُؤیائے صالح“، اس آیت پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ ان مبشرات کے حصول کا ذریعہ ایمان اور تقویٰ کی تکمیل ہے اور دوسری یہ کہ ایسے لوگوں کا نام حن کو یہ مرتبہ حاصل ہوا، اولیائے اللہ ہے اور اس لئے ان کے اس رتبہ کا نام ولایت ہو گا۔ اس کو جزئی نبوت، لغوی نبوت، مجازی نبوت، نبوت ناقصہ وغیرہ کے الفاظ سے ادا کرنا ایسی لفظی گمراہی ہے، جو معنوی گمراہی کی طرف مفضی ہے اور اس سے شرک فی النبوة کی اسی طرح برائیاں پیدا ہوں گی، بلکہ ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مجازی معنوں میں ابن اللہ کہہ کر حقیقی معنوں میں عیسائی شرک فی التوحید میں بدلنا ہو گئے، کیونکہ ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمه ہو چکا، دین کی تکمیل ہو چکی، دنیا میں خدا کا آخری پیغام دعوت محمد ﷺ کے ذریعہ سامنے نواز ہو چکا، معمارِ قدرت اپنی عمارت میں اس آخری پھر کو اپنی جگہ پر رکھ کر اپنی تعمیر پوری کر چکا، درجہ بد رجہ ستاروں کے طلوع کے بعد وہ خورشید انور طالع ہو جس کے لئے غروب نہیں۔ طرح طرح کی بہاروں کے آنے کے بعد باغ کائنات میں وہ سدا بہارِ موسم آگیا۔ جس کے بعد پھر خزاں نہیں۔

شفاعتِ اولین

عرصہ دار و گیر محشر میں جب جلال الہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہو گا اور گناہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہیں ملے گا۔ اس وقت سب سے پہلے فخر موجودات، باعث خلق کائنات، سید اولاد آدم، خاتم الانبیاء و رحمت عالم ﷺ ہاتھوں میں لوائے حمد لے کر اور فرقہ مبارک پر تاج شفاعت رکھ کر گناہگاروں کی دشگیری فرمائیں گے۔ لفظ ”شفاعت“ اصل لغت میں شفع سے لکھا ہے۔ جس کے معنی جوڑا بننے، ایک کے ساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں۔ چونکہ شفاعت اصل میں یہی ہے کہ کسی درخواست کنندہ اور عریضہ گزار کے ہم آہنگ ہو کر کسی بڑے کے سامنے اس کی عرض و درخواست کو قبول کر لینے کی خواہش کا اظہار کرنا۔ آپ ﷺ

^۱ مسند احمد، عن انس ج ۳، ص: ۲۶۷ و ترمذی، ابواب الرؤیا، باب ذہبت النبوة و بقیت المبشرات: ۲۲۷۲۔

^۲ تفسیر سورہ یونس و کتاب الرؤیا و مستدرک حاکم، ج ۲، ص: ۳۴۰ تفسیر یونس (صحیح)

کی شفاعت بھی یہی ہو گی کہ آپ ﷺ گناہ گاروں کی زبان بن کر ان کی طرف سے خداوند والجلال کے اذان سے اس کے سامنے ان کی بخشاش و مغفرت کی درخواست پیش کریں گے۔ سورہ اسراء میں ہے:

﴿عَسَىٰ أُنْ يَعْثِكَ رَبُّكَ مَقَاماً فَخَمُودًا﴾ (۱۷/الاسراء: ۷۹)

”قریب ہے کہ خدا تجھے مقام محمود میں اٹھائے۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تمام صحیح روایتوں میں متعدد صحابہ سے منقول ہے کہ مقام محمود سے مراد رتبہ شفاعت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کر کے یہ آیت بالا تلاوت کی، پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: یہی وہ مقام محمود ہے جس کا تمہارے پیغمبر سے وعدہ کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ بصرہ کے پکھو خوارج جو گناہ کبیرہ کے مرکب کو دامی جنمی سمجھتے ہیں۔ یعنی ان کے حق میں شفاعت کے اثر کے قائل نہیں۔ مدینہ منورہ آئے۔ یہاں مسجد نبوی ﷺ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ صاحبی قیامت کے واقعات بیان کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب نے بڑھ کر کہا، اے رسول اللہ کے صحابی! آپ یہ کیا فرمارہے ہیں۔ خدا تو قرآن میں یہ کہہ رہا ہے۔ یہ کہہ کر قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی جس کا یہ مطلب ہے کہ دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں ڈال دیے جائیں گے: ﴿كُلُّمَا أَرَادُوا أَنْ يَجْرُجُوا مِنْهَا أَعْيُدُهَا فِيهَا﴾ (۳۲/السجدة: ۲۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے جواب دیا، ہاں۔ فرمایا: تم نے اس مقام محمود کا حال سنائے۔ جس میں اللہ تعالیٰ تمہارے پیغمبر ﷺ کو مبعوث کرے گا؟ اس نے کہا، ہاں سنائے۔ فرمایا، تو یہی محمد رسول اللہ آنحضرت ﷺ کا مقام محمود ہے۔ جس کے ذریعہ سے خدا دوزخ سے جس کو نکالنا چاہے گا۔ نکالے گا۔ یہ کہ ایک کے سوابقی سب اپنے اپنے عقیدہ باطل سے تائب ہو گئے اور بولے کہ کیا یہ بوڑھا صاحبی رسول پر جھوٹ بولے گا؟

بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”قیامت کے روز ہرامت اپنے اپنے پیغمبر کے پیچھے چلے گی اور کہے گی کہ اے وہ! خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت سمجھئے۔ یہاں تک کہ شفاعت کا معاملہ آنحضرت ﷺ تک پہنچ گا۔ یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود میں اٹھائے گا۔“ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص اذان سن کر یہ دعا نلے گا کہ اے خدا! جو پوری دعا اور کھڑی ہونے والی نماز کا مالک ہے۔ محمد کو دیلہ اور فضیلت اور وہ مقام محمود عطا فرم، جس کا تو نے وعدہ فرمایا تو قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت اترے گی۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہر بھی کوکی نہ

- صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: عسى ان یبعثك.....: ۴۷۱۸ و جامع ترمذی: ۱۳۷ و مستدرک تفسیر آیت مذکورہ ج ۲، ص: ۳۶۳ و صحیح مسلم کتاب الایمان: ۴۷۳۔ ② صحیح بخاری، کتاب التوحید: ۷۴۴۰۔ ③ صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۴۷۳۔ ④ صحیح بخاری، تفسیر آیت مذکور: ۴۷۱۸۔ ⑤ صحیح بخاری، تفسیر آیت مذکور: ۴۷۱۹ باب الدعاء عند النداء: ۶۱۴۔

کوئی مسجیب دعا دی گئی، میں نے اپنی اس دعا کو اپنی امت کے لئے چھاڑ کھا۔¹ پھر فرمایا: ”مجھ کو دیگر انہیا پر چند فضیلتیں عطا ہوں گی..... ان میں سے ایک یہ کہ مجھے شفاعت عطا کی گئی۔“² (یعنی شفاعت اولین) موعظہ امام مالک اور حیثیت میں حضرت ابو ہریرہ رض سے متعدد تابعیوں نے یہ متفقہ روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر بھی کو ایک مقبول دعا مانگنے کا موقع عطا کیا گیا تو انہوں نے وہ دعا مانگ لی اور وہ قبول کر لی گئی۔ لیکن میں نے اپنی دعا کا یہ موقع قیامت کے دن کے لئے چھاڑ کھا ہے اور وہ اپنی امت کی شفاعت ہے۔“³ فرمایا: ”میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور سب سے پہلا وہ شخص جس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔“ اور فرمایا: ”میں پہلا ہوں گا جو جنت کی شفاعت کرے گا۔“⁴

اس دن جب دنیا کی گناہگاریاں اپنی عریاں صورت میں نظر آئیں گی اور آدمی کی اولاد تساں و لرزائی کی شفیع کی تلاش میں ہو گی۔ کبھی آدم علیہ السلام کا سہارا دھونڈھے گی، کبھی نوح و ابراہیم علیہما السلام کو یاد کرے گی۔ کبھی موئی و عیسیٰ علیہما السلام کی طرف بے تاباہ لپکے گی، مگر ہر جگہ نفسی نفسی کی آواز بلند ہو گی۔ بالآخر شفیع المذنبین سید الاولین والآخرين آگے بڑھیں گے اور تکمیل کا پیام سنائیں گے۔ حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت حذیفہ رض سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک مجلس میں بیان فرمایا: ”قیامت کے ہولناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہو گی۔ لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں، خدا نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا اور آپ میں اپنی روح پھوکی اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا۔ آپ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے۔ وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں۔ میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی۔ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ ہو گا۔ نفسی نفسی (اے میری جان! اے میری جان!) لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ اور کہیں گے کہ آپ روئے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں، خدا نے آپ کو شکرگزار بندہ کا خطاب دیا ہے۔ آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے وہ کہیں گے، ہمارا یہ رتبہ نہیں۔ آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا اور نہ کبھی ہو گا۔ محظوظ ایک مسجیب دعا کا موقع عنایت ہوا تھا۔ وہ اپنی قوم کی تباہی کے لئے مانگ چکا۔ نفسی نفسی! تم ابراہیم کے پاس

¹ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب فی المشیة والارادة.....؛ کتاب الدعوات، باب لکل نبی دعوة مستجابة: ۷۴۷۴؛ ۶۳۰۵، ۶۳۰۴؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اختباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوة الشفاعة: ۴۸۷۷۔

² صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعلت لی الارض: ۴۳۸؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد: ۱۱۶۳۔

³ صحیح بخاری، کتاب التوحید: ۷۴۷۴؛ کتاب الدعوات: ۶۳۰۴؛ صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۴۸۸۔

⁴ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب انا اول الناس يشفع في الجنة: ۴۸۳۔

جاو۔ مخلوق ان کے پاس جائے گی اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی کہ آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے اور اپنے پروردگار سے شفاعت کیجئے۔ وہ بھی کہیں گے، میرا یہ رتبہ نہیں۔ آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہو گا۔ نفسی نفسی! تم موی علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت موی علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ اے موی علیہ السلام! آپ خدا کے پیغمبر ہیں۔ خدا نے اپنے پیغام و کلام سے آپ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے۔ اپنے خدا سے ہمارے لئے سفارش کیجئے۔ کیا آپ ہماری مصیتوں کو نہیں دیکھتے؟ حضرت موی علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہو گا میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ نفسی نفسی! تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر لوگ کہیں گے کہ اے عیسیٰ! آپ خدا کے وہ رسول ہیں، جس نے گھوارہ میں کلام کیا اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجئے وہ بھی کہیں گے، یہ میرا رتبہ نہیں۔ آج خدا کا وہ غضب ہے۔ جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہو گا۔ نفسی نفسی! تم محمد علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ مخلوق آپ کے پاس آئے گی اور کہیں گی اے محمد علیہ السلام! آپ خدا کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہیں، جن کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہیں۔ آپ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کیجئے۔ آپ انہ کر عرش کے پاس آئیں گے اور اذن طلب کریں گے۔ اذن ہو گا تو سجدہ میں گرپڑیں گے۔ آپ علیہ السلام کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا جو کسی اور کے لئے نہیں کھولا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محاصلہ اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپ کے دل میں القافرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو والقانہ ہوئے۔ آپ دیر تک سر بخود رہیں گے۔ پھر آواز آئے گی۔ اے محمد (علیہ السلام)! اسر اخھاؤ کہو سنا جائے گا۔ مانگو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ عرض کریں گے: ((اللہی امتنی امتنی))، خداوند! میری امت، میری امت، حکم ہو گا، جاؤ جس کے دل میں ہو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو گا، اس کو نجات ہے۔ آپ خوش خوش جائیں گے اور اس کی تعقیل کر کے اور پھر حمد و شکر کے عرض پر دعا ہوں گے اور سجدہ میں گرپڑیں گے۔ پھر صدائے غیب آئے گی کہ اے محمد (علیہ السلام)! اسر اخھاؤ کہو سنا جائے گا۔ مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہو گی، عرض کریں گے: ((اللہی امتنی امتنی)) حکم ہو گا، جاؤ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو وہ بخشا گیا۔ حضور علیہ السلام جائیں گے اور پھر واپس آ کر عرض گزار ہوں گے۔ حمد و شکر کریں گے اور سر بخود ہوں گے آواز آئے گی جاؤ جس کے دل میں چھوٹی سے چھوٹی رائی کے برابر ایمان ہو اس کو بھی دوزخ سے نکالو۔ آپ علیہ السلام پھر جا کر واپس آئیں گے اور گزارش کریں گے اور حمد و شکر کے سجدہ میں گرپڑیں گے، پھر ندا آئے گی۔ اے محمد (علیہ السلام)! اسر اخھاؤ کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہو گی، عرض کریں گے: جس نے بھی تیری یکتا کی کی گواہی دی اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو۔ صد آئے گی،

اس کا اختیار تم کو نہیں لیکن مجھے اپنی عزت و کبریائی اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم ہے میں دوزخ سے ہر اس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے دوسرا معبود نہیں بنایا ((من قال لا اله الا الله))۔ ۱
کمزور انسانوں کو تسلیم کا یہ پیام محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کس نے سنایا۔

فضائل اخروی

آنحضرت ﷺ کے یہ وہ خصائص تھے، جو آپ کو پیغمبر، مبلغ دین، صاحب نہب اور پیشوائے امت ہونے کی حیثیت سے عطا ہوئے تھے۔ علاوه بریں آپ کو آخرت کی دنیا میں بھی مزید فضائل عنایت ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت میں میں پیغمبروں کا نمائندہ اور امام اور ان کی شفاقت کا پیغمبر و کار ہوں گا اور اس پر فخر نہیں۔“ ۲ پھر فرمایا ہے: ”میں قیامت کے دن تمام بني آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں لوائے حمد ہو گا اور اس پر فخر نہیں اور قیامت کے دن آدم وغیرہ تمام پیغمبر میرے علم کے نیچے ہوں گے اور اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا۔“ ۳ نیز ارشاد ہے: ”لوگ قبروں سے جب اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلا اٹھنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ خدا کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کی طرف سے بولنے والا میں ہوں گا۔ جب وہ ناامید ہوں گے تو ان کو خوشخبری سنانے والا میں ہوں گا۔ اس دن خدا کی حمد کا علم میرے ہاتھ میں ہو گا۔“ ۴

وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ

تمت الجزء الثالث من السيرة النبوية

على أصحابها الصلوة والتحية

کلم جمادی الاولی ۱۳۲۲ھ

سید سعید علی ندوی

۱ یہ پوری حدیث صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ بنی اسرائیل: ۴۷۱۲ و کتاب احادیث الانباء: ۲۲۴۰ و صحیح مسلم، باب الشفاعة: ۴۸۰، ۴۷۹، ۴۷۵ میں مختلف صحابیوں سے تہذیب تہذیب کے لفاظ کے تغیر سے مردی ہے، ہم نے سب کو تصحیح کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲ ترمذی، ابواب المناقب، باب سلوا اللہ لی الوسیلة: ۳۶۱۳ حدیث حسن صحیح غریب۔

۳ ایضاً: ۳۶۱۵ حدیث حسن۔ ۴ ایضاً: ۳۶۱۰ حدیث حسن غریب۔



سیدنا و امام زین العابدین
علیه السلام